جلدِ سوم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ
محدث دار العلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا حسین احمد صاحب پالن پوری
فاضل دار العلوم دیوبند

زمزم پبلشرز

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

تحفۃ الالمعی

شرح

سنن الترمذی

جلد سوم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

محدث دار العلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا حسین احمد صاحب پالن پوری

فاضل دار العلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی

کتاب کا نام ـــــــ تحفۃ الالمعی سنن الترمذی جلد سوم

تاریخ اشاعت ـــــــ جنوری ۲۰۱۰ء

باہتمام ـــــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ـــــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32760374

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509
- دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- مکتبہ علمیہ، علوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

AL FAROOQ INTERNATIONAL
68, Asfordby Street Leicester LE5-3QG
Tel : 0044-116-2537640

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone: 020-8911-9797

ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE
U.S.A
Tel/Fax : 01204-389080

MADRASSAH ARABIA ISLAMIA
1 Azaad Avenue P.O Box 9786-1750
Azaadville South Africa
Tel : 00(27)114132786

فہرست مضامین

أبواب الصوم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

أبواب الحج عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الجنائز عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب النكاح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الرضاع
شیر خواری کا بیان

(باقی ابواب النکاح)

عربی ابواب کی فہرست

أبواب الصوم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الحج عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

أبواب الجنائز عن رسول الله صلی الله علیه وسلم

أبواب النكاح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

﴿ وللأبواب بقية﴾

أبواب الرضاع

﴿بقية أبواب النكاح﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أبواب الصَّوْمِ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

روزوں کا بیان

بابُ ماجاءَ فی فضل شَهْرِ رَمَضَانَ

رمضان کی فضیلت اور روزوں کا ثواب

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات بیڑیوں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں (مَرَدَةُ الجن عطف تفسیری ہے یعنی شیاطین الجن جکڑ دیئے جاتے ہیں، شیاطین الانس نہیں جکڑے جاتے، یہ بات سمجھانے کے لئے عطف تفسیری لایا گیا ہے) اور جہنم کے دروازے بھیڑ دیئے جاتے ہیں، پس ان میں سے کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا۔ اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پس ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں رہتا، اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے: اے بھلائی کے چاہنے والے! آگے بڑھ، اور اے برائی کے چاہنے والے! رک جا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے (گنہ گار) بندوں کو جہنم سے رہائی دی جاتی ہے (یعنی ان کی مغفرت کا فیصلہ کیا جاتا ہے) اور یہ (رستگاری کا فیصلہ) ہر رات ہوتا ہے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب رمضان شروع ہوتا ہے تو خیر کے تمام اسباب بروئے کار آتے ہیں اور شر کے اسباب مسدود کر دیئے جاتے ہیں، چنانچہ جنت کے ــــ جو کہ رب ذوالجلال کی صفت رحمت کا مظہر ہے ــــ سب دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پس اس کے اثرات دنیا میں پھیلتے ہیں، اور جہنم کے ــــ جو کہ اللہ کی صفت غضب کا مظہر ہے ــــ سب دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، تاکہ اس کا اثر نہ پھیلے۔ اور فرشتے زمین میں پھیل جاتے ہیں، اور نیک کاموں کا الہام کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے صالح اور اطاعت شعار بندے طاعات وحسنات میں مشغول و منہمک ہو جاتے ہیں، وہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور ذکر و تلاوت میں گذارتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح،

تہجد، دعا اور استغفار میں خرچ کرتے ہیں، اور ان کے انوار و برکات سے متاثر ہو کر عام مؤمنین کے قلوب بھی رمضان میں عبادات اور نیکیوں کی طرف راغب ہو جاتے ہیں، اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

اور یہ سب اہتمام اس وجہ سے ہوتا ہے کہ رمضان عبادتوں کا خاص مہینہ ہے اور دستور زمانہ ہے کہ جب کوئی اہم دن آتا ہے تو اس کے لئے ضروری انتظامات کئے جاتے ہیں، تمام شر پسندوں کو بند کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ تقریب میں رخنہ نہ ڈالیں (تقریب ختم ہونے کے بعد ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے) اور ہمنواؤں کو ہر طرف پھیلا دیا جاتا ہے، چنانچہ رمضان میں شیاطین اور سرکش جنات بند کر دیئے جاتے ہیں اور فرشتے زمین میں پھیل جاتے ہیں۔

فائدہ (۱): کفار اور خدا ناشناس لوگ جو رمضان اور اس کے احکام و برکات سے کوئی سروکار نہیں رکھتے، ظاہر ہے اس قسم کی بشارتوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں اور جو بعض مسلمان رمضان میں بھی گناہوں میں غوطہ زن رہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شر کے تمام اسباب مسدود نہیں ہو جاتے، بعض اسباب باقی رہتے ہیں۔ مثلاً شیاطین الانس کھلے رہتے ہیں، نیز انسان کا سب سے بڑا دشمن نفس جو اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے ساتھ لگا رہتا ہے، جب خدا فراموش اور غفلت شعار لوگ گیارہ مہینے شیطان کی پیروی پر مطمئن رہتے ہیں تو رمضان کے آنے پر ان کی زندگیوں میں پوری طرح تبدیلی نہیں آتی۔ مگر رمضان میں عموماً اہل ایمان کا رجحان و میلان خیر و سعادت والے کاموں کی طرف ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے غیر محتاط اور آزاد منش لوگ بھی رمضان میں اپنی روش کچھ بدل لیتے ہیں اور یہ ملأ اعلی کی اس نداء کا اثر ہے جو وہ رمضان میں ہر گھڑی اور ہر آن دیتے رہتے ہیں۔

فائدہ (۲): صُفِّدَتِ الشیاطینُ: (شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں) یہ آدھا مضمون ہے دوسرا آدھا یعنی فرشتے زمین میں پھیلا دیئے جاتے ہیں، فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور قرینہ سیاق ہے یعنی آئندہ مضمون میں متقابلات (جنت و جہنم) کا تذکرہ ہے، اور کبھی قرینہ سباق یعنی پہلے ہوتا ہے، جیسے سورۂ آل عمران آیت ۲۶ میں ہے: ﴿بِیَدِكَ الْخَیْرُ﴾ یعنی بھلائی آپ کے اختیار میں ہے، اس کا باقی آدھا مضمون ہے: ''اور برائی کے مالک بھی آپ ہیں'' اور یہاں قرینہ سباق یعنی پہلے آنے والے متقابلات (دینا، لینا اور عزت و ذلت) ہیں۔

نوٹ: اس حدیث کو امام اعمش سے ابوبکر بن عیاش اور ابوالاحوص روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں راوی ثقہ ہیں، البتہ ابوبکر بن عیاش کبھی حدیث میں غلطی کرتے ہیں اور اس حدیث کو انھوں نے ہی مرفوع کیا ہے، جبکہ ابوالاحوص: اعمش عن مجاہد کے طریق سے مقطوع روایت کرتے ہیں، یعنی مجاہد پر سند روک دیتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ ابوالاحوص والی حدیث اصح ہے، یعنی یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے اس لئے کہ حدیث میں جو مضمون ہے اسے کوئی تابعی اپنی عقل سے بیان نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں ابوبکر بن عیاش معمولی آدمی نہیں، وہ بخاری و مسلم کے راوی ہیں، اور ان سے کبھی غلطی سرزد ہو جانے سے یہ لازم

نہیں آتا کہ انھوں نے اس حدیث کو مرفوع کرنے میں غلطی کی ہے۔ رہی حضرت مجاہد کی مقطوع حدیث تو اس کا جواب یہ ہے کہ بڑے علماء کبھی سبق میں یا وعظ میں حوالہ دیئے بغیر حدیث بیان کرتے تھے پس ممکن ہے حضرت مجاہد نے کبھی یہ حدیث حوالہ کے بغیر بیان کی ہو، اور نفس حدیث متفق علیہ ہے، مسلم شریف میں ہے: إذا جاءَ رمضانُ: فُتِحَتْ أبوابُ الجنةِ، وغُلِّقَتْ أبوابُ النار، وصُفِّدَتِ الشياطين اور ترمذی کی حدیث میں اسی کی تفصیل ہے اور ایک مضمون زائد ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایمان اور ثواب کی امید سے رمضان کے روزے رکھے اور ایمان اور ثواب کی امید سے سونے سے پہلے نفلیں (تراویح) پڑھیں تو اس کے سابقہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اور جس نے ایمان اور ثواب کی امید سے لیلۃ القدر میں نفلیں پڑھیں تو اس کے سابقہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

تشریح: قیام رمضان ان نفلوں کو کہتے ہیں جو رمضان میں سونے سے پہلے پڑھے جاتے ہیں، یعنی تراویح۔ اور تہجد جو سال بھر کی نماز ہے اس کو قیام اللیل کہتے ہیں۔ اور روزے اور تراویح کا ثواب یہ ہے کہ اس سے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور پیچھے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ گناہ کے چار درجے ہیں: (۱) معصیۃ (نافرمانی) (۲) سیئۃ (برائی) (۳) خطیئۃ (غلطی) (۴) ذُنُوبٌ (کوتاہی) اور نصوص میں جو لفظ آتا ہے وہ اور اس سے نیچے والے گناہ معاف ہوتے ہیں، یہاں ذَنْبٌ آیا ہے، پس روزے اور تراویح کی برکت سے ذنوب معاف ہونگے اس سے اوپر کے گناہ یعنی خطیئہ، سیئہ اور معاصی معاف نہیں ہونگے (مزید تفصیل کے لئے کتاب الطہارۃ باب ۲ دیکھئے)

اور چونکہ پورے رمضان روزے رکھنا اور تراویح پڑھنا اور رمضان کی ہر رات میں شب قدر کو تلاش کرنا نہایت مشکل کام تھا اس لئے شریعت نے اس دشواری کا حل یہ بتایا ہے کہ یقین کو پختہ کرے اور ان عملوں پر جو ثواب ملنے والا ہے اس کو مستحضر کرے، ان شاء اللہ یہ کام آسان ہو جائیں گے، اس کو سمجھنے کے لئے مثال یہ ہے کہ نوکری پیشہ آدمی روز بروقت آفس جاتا ہے، کبھی ناغہ نہیں کرتا نہ دیر سے پہنچتا ہے اور شام خالی ہاتھ واپس آجاتا ہے، اس لئے کہ اسے یقین ہے کہ میری یہ دوڑ دھوپ ضائع ہونے والی نہیں، جب مہینہ پورا ہوگا تو ایک ساتھ بہت روپے ملیں گے، اسی طرح قیام رمضان اور صیام رمضان پر جو اجر ملنے والا ہے اگر اس پر یقین پختہ ہو اور ان کا ثواب پیش نظر ہو تو یہ عمل آسان ہو جائے گا۔

فائدہ: قام لیلۃَ القدر میں اس طرف اشارہ ہے کہ شب قدر میں پوری رات جاگنا اور عبادت کرنا ضروری نہیں، کیونکہ قیام سونے سے پہلے کی نفلوں کو کہتے ہیں۔ پس جو شخص لیلۃ القدر میں سویا بھی اور بقدر استطاعت عبادت بھی کی تو وہ مذکورہ ثواب کا مستحق ہوگا، پوری رات عبادت کرنے کے لئے لفظ أَحْيٰی (زندہ کیا) آتا ہے، عیدین کی راتوں کی

فضیلت میں جو حدیث ہے اس میں یہی لفظ آیا ہے، البتہ وہ حدیث ضعیف ہے (الترغیب والترہیب ۲:۱۵۳)

أبواب الصوم

عن رسول الله صلی الله علیه وسلم

[۱] باب ماجاء فی فضلِ شهرِ رمضان

بسم الله الرحمن الرحيم

[۶۷۵-] حدثنا أبوكُرَيْبٍ محمدُ بنُ العَلاء بنِ كُرَيْبٍ، نا ابو بَكْرِ بنُ عَيَّاشٍ، عن الأعْمَشِ، عن أبی صَالِحٍ، عن أبی هريرة، قال: قال رسولُ الله صلی الله عليه وسلم: " إذا كان أوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ، وغُلِّقَتْ أبْوَابُ النِّيْرَانِ، فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ، وَفُتِحَتْ أبْوَابُ الْجَنَّةِ، فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ، وَيُنَادِیْ مُنَادٍ: يَا بَاغِیَ الْخَيْرِ! أقْبِلْ، وَيَا بَاغِیَ الشَّرِّ! أقْصِرْ، ولِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ، وذلكَ كُلَّ لَيْلَةٍ"

وفی البابِ: عن عبدِ الرحمنِ بنِ عَوْفٍ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وسَلْمَانَ.

[۶۷۶-] حدثنا هَنَّادٌ، نا عَبْدَةُ، وَالْمُحَارِبِیُّ، عن محمدِ بنِ عَمْرٍو، عن أبی سَلَمَةَ، عن أبی هريرةَ، قال: قال رسولُ الله صلی الله عليه وسلم: " مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَقَامَهُ إيْمَانًا واحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، ومَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إيْمَانًا واحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ"

هذا حديثٌ صحيحٌ.

قال أبو عيسی: وحديثُ أبی هريرةَ الَّذِیْ رَوَاهُ أبُو بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ حديثٌ غريبٌ لانَعْرِفُهُ مِنْ رِوَايَةِ أبی بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ، عن الأعْمَشِ، عن أبی صَالِحٍ، عن أبی هريرةَ إلَّا مِنْ حديثِ أبی بَكْرٍ. وسَألْتُ محمدَ بنَ إسماعيلَ عن هذا الحديثِ، فقال: نا الحَسَنُ بنُ الرَّبِيْعِ، نا أبو الأحْوَصِ، عن الأعْمَشِ، عن مُجَاهِدٍ، قَوْلَه، قال: إذا كانَ أوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، فَذَكَرَ الحديثَ، قال محمدٌ: وهذا أصَحُّ عِنْدِیْ مِنْ حديثِ أبی بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس کو ابوبکر بن عیاش روایت کرتے ہیں غریب ہے، ہم اس کو ابوبکر بن عیاش ہی کے طریق سے جانتے ہیں۔ یعنی اس کو صرف ابوبکر مرفوع کرتے ہیں اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ہم سے حسن بن الربیع نے بیان کیا،

ان سے ابوالاحوص نے، وہ اعمش سے اور وہ مجاہد سے ان کا قول روایت کرتے ہیں، مجاہد کہتے ہیں: جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے الی آخرہ۔ اور میرے نزدیک ابوالاحوص کی حدیث اصح ہے، ابوبکر بن عیاش کی حدیث سے۔

بابُ ماجاء لاتَتَقَدَّمُوْا الشَّهْرَ بِصَوْمٍ

رمضان کے روزے پہلے سے شروع نہ کرو

شریعت نے جو عبادت جتنی مشروع کی ہے اتنی ہی بجالانی چاہئے، نہ اس میں کمی کرنی چاہئے نہ زیادتی، کمی کرنے کی خرابی تو ظاہر ہے اور زیادتی کرنے میں برائی یہ ہے کہ جب احتیاط کے نام پر اضافہ کیا جائے گا تو وہ اضافہ بڑھتا جائے گا، پھر جب بوجھ ناقابل برداشت ہوجائے گا تو لوگ اصل کو بھی چھوڑ دیں گے۔ کہتے ہیں: بنی اسرائیل پر صرف تین روزے فرض کئے گئے تھے، انھوں نے احتیاط کے نام پر ان میں اضافہ کیا، یہاں تک کہ چھ مہینے کے روزے کردیئے، پھر سب ختم کردیئے، آج عیسائی روزہ رکھتے ہیں، ہندو بھی رکھتے ہیں، مگر یہودی نہیں رکھتے۔ اس لئے شریعت نے رمضان کے روزے پہلے سے شروع کرنے سے منع کیا، اسی طرح رمضان کے اخیر میں بھی اضافہ ممنوع قرار دیا، بلکہ یکم شوال کا روزہ حرام کردیا، کیونکہ روزے رکھتے رکھتے قلب منور ہوجاتا ہے اور مزہ آنے لگتا ہے اس لئے رمضان کے آخر میں اضافہ کا احتمال زیادہ تھا اس لئے یکم شوال کا روزہ حرام کردیا۔ اور ابتدائے رمضان میں یہ احتمال کم تھا اس لئے صرف زبانی ممانعت کی۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہ آگے بڑھو تم ماہ رمضان سے ایک دن کے ساتھ اور نہ دو دن کے ساتھ'' (لاتقدَّمُوْا کی اصل ہے لَاتَتَقَدَّمُوْا) یعنی احتیاطاً ایک دو دن پہلے سے روزے شروع مت کرو، ''مگر یہ کہ اتفاقاً ایسا ہوجائے کہ وہ ایسا روز ہو جس کا روزہ تم میں سے کوئی رکھتا ہو۔ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور شوال کا چاند دیکھ کر روزے ختم کردو۔ پس اگر چھپا دیا جائے تم پر (یعنی بادل یا گہرا غبار ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے) تو مہینے کے تیس دن شمار کرو پھر روزے ختم کردو''

تشریح: اس حدیث میں دو مسئلے اور بھی ہیں: ایک: اگر کسی شخص کو مثلاً جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی عادت ہے اور اتفاق سے انتیس یا تیس شعبان جمعہ کا دن ہو، تو اس کے لئے روزہ رکھنا جائز ہے اس لئے کہ وہ پہلے سے رمضان شروع نہیں کررہا، بلکہ اپنا معمول پورا کررہا ہے۔ اور دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ رمضان کی ابتداء اور انتہا کا مدار رویت (چاند دیکھنے) پر ہے اگر انتیس شعبان یا انتیس رمضان میں چاند نظر آئے تو فبہا، رمضان شروع کردیں گے یا رمضان ختم کردیں گے، اور اگر کسی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرکے روزے شروع کریں گے اور عید کریں گے (یہ مسئلہ آگے مستقل باب میں آرہا ہے)

[۲] باب ماجاء لاتَتَقَدَّمُوْا الشهر بصوم

[٦٧٧-]حدثنا أبو كُرَيْبٍ، نا عَبْدَةُ بنُ سُلَيْمَانَ، عن محمدِ بنِ عَمْرٍو، عن أبى سَلَمَةَ، عن أبى هريرة، قال: قال النبيُّ صلى الله عليه وسلم" لَاتَقَدَّمُوْا الشَّهْرَ بِيَوْمٍ وَلَا بِيَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يُوَافِقَ ذٰلِكَ صَوْمًا كَانَ يَصُوْمُهُ أَحَدُكُمْ؛ صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَعُدُّوا ثَلَاثِيْنَ ثُمَّ أَفْطِرُوْا"

وفى البابِ: عن بعضِ أصحابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، أخبرنا مَنْصُوْرُ بنُ الْمُعْتَمِرِ، عن رِبْعِيِّ بنِ حِرَاشٍ، عن بعضِ أصحابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم بِنَحْوِ هٰذَا.

قال أبو عيسى: حديثُ أبى هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ على هذا عِنْدَ أهلِ العلمِ: كَرِهُوْا أَنْ يَتَعَجَّلَ الرَّجُلُ بِصِيَامٍ قَبْلَ دُخُوْلِ شَهْرِ رَمَضَانَ، لِمَعْنَى رَمَضَانَ، وإِنْ كَانَ رَجُلٌ يَصُوْمُ صَوْمًا فَوَافَقَ صِيَامُهُ ذٰلِكَ فَلَا بَأْسَ به عِنْدَهُمْ.

[٦٧٨-] حدثنا هَنَّادٌ، نا وَكِيْعٌ، عن عليِّ بنِ الْمُبَارَكِ، عن يَحْيَى بنِ أبى كَثِيْرٍ، عن أبى سَلَمَةَ، عن أبى هريرة، قال: قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم:" لَاتَقَدَّمُوْا شَهْرَ رَمَضَانَ بِصِيَامٍ قَبْلَهُ بِيَوْمٍ أَوْيَوْمَيْنِ، إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ رَجُلٌ كانَ يَصُوْمُ صَوْمًا فَلْيَصُمْهُ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: علماء مکروہ کہتے ہیں اس بات کو کہ آدمی ماہ رمضان شروع ہونے سے پہلے روزے رکھنا شروع کردے رمضان کی وجہ سے، اور اگر کوئی آدمی کسی خاص دن میں روزہ رکھتا ہو، پس اتفاق سے وہ روزہ اس دن (انتیس شعبان) میں پڑے تو علماء کے نزدیک اس روزہ کے رکھنے میں مضائقہ نہیں (اور یہ اجماعی مسئلہ ہے) اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث دوسرے طریق سے ہے۔

بابُ ماجاء فی کَرَاهِیَةِ صَوْمِ یَوْمِ الشَّكِّ

یوم الشک کا روزہ مکروہ ہے

اگر انتیس شعبان کو مطلع صاف نہ ہو، بادل، گہرا غبار یا تیز سرخی ہو، جس کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو اگلا دن یوم الشک ہے، کیونکہ اس میں دو احتمال ہیں: ایک: ممکن ہے افق پر چاند ہو اور علت کی وجہ سے نظر نہ آیا ہو، پس وہ رمضان کی پہلی تاریخ ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ چاند نہ ہو، پس وہ شعبان کی تیس تاریخ ہوگی، اس لئے یہ یوم الشک ہے۔ اسی طرح ایک شخص نے رویت کی گواہی دی، مگر وہ فاسق تھا اس وجہ سے گواہی قبول نہ کی گئی مگر اس کی بات میں صدق کا

احتمال ہے، اس لئے آئندہ دن یوم الشک ہے۔ اور اگر کوئی علت نہ ہو تو بالیقین آئندہ دن شعبان کی تیس ہے، یوم الشک نہیں، مگر اس میں بھی روزہ رکھنا ممنوع ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے رمضان سے ایک دو دن پہلے سے روزے شروع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور یوم الشک میں روزہ کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس دن کے روزہ میں دو احتمال ہیں: اگر وہ رمضان کی پہلی تاریخ ہے تو روزہ فرض ہوگا، اور اگر تیس شعبان ہے تو روزہ نفل ہوگا۔ پس لمعنی رمضان (رمضان کی وجہ سے) پایا گیا اس لئے یہ روزہ ممنوع ہے۔

حدیث: صلۃ بن زفر کہتے ہیں: ہم عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، پس ایک سالم بھنی ہوئی بکری لائی گئی، حضرت عمار نے کہا: کھاؤ! پس ایک صاحب پیچھے ہٹ گئے (وہ کھانے میں شریک نہیں ہوئے) اور انھوں نے کہا: میرا روزہ ہے۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا: جس نے یوم الشک کا روزہ رکھا اس نے ابو القاسم ﷺ کی مخالفت کی۔

تشریح: یوم الشک میں روزے کی ممانعت اسی حدیث کے اقتضاء سے ثابت ہوتی ہے، دوسری حدیث تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے پیچھے حدیث گذری ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں سبق پڑھا رہے تھے اذان کے بعد ایک شخص مسجد سے نکلا تو آپ نے فرمایا: أمّا هٰذا فقد عَصَى أبا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے اقتضاء سے اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کی ممانعت ثابت ہوگی، مستقل حدیث ہونی ضروری نہیں۔

لغت: صَلٰی صَلْیًا اللحمَ: گوشت بھوننا، صفتِ مفعولی مَصْلِیٌّ: بھونا ہوا، شاۃٌ مَصْلِیَّۃٌ: بھونی ہوئی بکری۔

[۳] باب ماجاء فی کراهیةِ صومِ یومِ الشك

[۶۷۹-] حدثنا أبو سَعِیدٍ عبدُ اللّٰهِ بنُ سعیدِ الأشَجُّ، نا أبو خَالِدِ الأحْمَرُ، عن عَمْرِو بنِ قَیْسٍ، عن أبی إسحاقَ، عن صِلَةَ بنِ زُفَرَ، قال: کُنَّا عِنْدَ عَمَّارِ بنِ یَاسِرٍ، فَأُتِیَ بِشَاةٍ مَصْلِیَّةٍ، فقال: کُلُوْا فَتَنَحّٰی بَعْضُ القَوْمِ، فَقَالَ: إِنِّیْ صَائِمٌ، فقال عَمَّارٌ: مَنْ صَامَ الیومَ الَّذِیْ شُكَّ فیهِ فَقَدْ عَصَی أبا القَاسِمِ.

وفی البابِ: عن أبی هریرةَ، وأنَسٍ. قال أبو عیسی: حدیثُ عَمَّارٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

والعملُ علی هٰذا عندَ أکثرِ أهلِ العلمِ مِنْ أصحابِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم ومَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابعینَ، وبهِ یقولُ سُفیانُ الثَّوْرِیُّ، ومالكُ بنُ أنسٍ، وعبدُ اللّٰهِ بنُ المبارکِ، والشَّافِعِیُّ، وأحمدُ، وإسحاقُ: کَرِهُوْا أنْ یَصُوْمَ الرَّجُلُ الْیَوْمَ الَّذِیْ یُشَكُّ فیهِ، وَرَأٰی أکْثَرُهُمْ: إِنْ صَامَهُ وکَانَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ: أنْ یَقْضِیَ یَوْمًا مَکَانَهُ.

ترجمہ: اس پر اکثر صحابہ اور بعد کے تابعین کا عمل ہے، اور ثوری، مالک، ابن المبارک، شافعی، احمد اور اسحاق اسی

کے قائل ہیں، وہ سب ناپسند کرتے ہیں کہ آدمی اس دن کا روزہ رکھے جس میں شک کیا جاتا ہے۔ اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی نے یوم الشک کا روزہ رکھا اور وہ رمضان کی پہلی تاریخ تھی تو اس کی قضا ضروری ہے، یعنی یہ روزہ فرض شمار نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے وہ روزہ نفل کی نیت سے رکھا ہے۔

تشریح: اس سلسلہ میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ یوم الشک میں عوام کے لئے روزہ رکھنا مکروہ ہے، البتہ خواص رکھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اتفاق سے وہ رمضان کی پہلی تاریخ ہو تو یہ روزہ فرض ہو جائے گا، مگر ضروری ہے کہ یوم الشک کا روزہ نفل کی نیت سے رکھا جائے، رمضان کا کوئی تصور نہ ہو، اور یہی خاص اور عام کا معیار ہے، جو شخص نفل کی پختہ نیت کر سکتا ہے وہ خاص ہے، اور نیت پختہ نہ ہو، یہ خیال آئے کہ اگر رمضان ہوگا تو رمضان کا روزہ ہو جائے گا وہ عامی ہے، میں پہلے خود کو خواص میں شمار کرتا تھا، مگر جب عقل آئی تو اب خود کو عوام میں شمار کرتا ہوں اور یوم الشک کا روزہ نہیں رکھتا، کیونکہ نیت نہ ہلے یہ بات میرے لئے ممکن نہیں۔

بَابُ ماجاء في إِحْصَاءِ هِلَالِ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ

رمضان کے لئے شعبان کے چاند کا اہتمام کیا جائے

إِحْصَاء: کے معنی ہیں: گننا، احاطہ کرنا، خیال رکھنا۔ یہ لفظ حَصَی (کنکری) سے بنا ہے۔ پہلے کنکریوں کے ذریعہ گننے کا رواج تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''رمضان کی خاطر شعبان کا چاند دیکھنے کا اور اس کے ایام گننے کا اہتمام کرو۔ پھر اگر انتیس شعبان کو چاند دیکھو تو اگلے دن سے رمضان شروع کرو، ورنہ شعبان کے تیس دن پورے کرو''

[٤] باب ماجاء في إحصاء هلالِ شعبانَ لرمضانَ

[٦٨٠-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ حَجَّاجٍ، نا يَحْيَى بنُ يَحْيَى، نا أبو مُعَاوِيَةَ، عن محمدِ بنِ عَمْرٍو، عن أبي سَلَمَةَ، عن أبي هريرةَ، قال: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "أَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ"

قال أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ لانَعْرِفُهُ مِثْلَ هٰذَا إلاَّ مِنْ حديثِ أبي مُعَاوِيَةَ، والصَّحِيْحُ مَا رُوِيَ عن محمدِ بنِ عَمْرٍو، عن أبي سلمةَ، عن أبي هريرةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قال: "لا تَقَدَّمُوْا شَهْرَ رَمَضَانَ بِيَوْمٍ وَلاَ يَوْمَيْنِ" وهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ يَحْيَى بنِ أبي كَثِيْرٍ، عن أبي سلمةَ، عن أبي هريرةَ نَحْوُ حديثِ محمدِ بنِ عَمْرٍو اللَّيْثِيِّ.

وضاحت: محمد بن عمرو: عن ابی سلمۃ: عن ابی ہریرۃ کی سند سے جو متن آیا ہے وہ ابو معاویہ محمد بن خازم کی روایت ہے، اور باب ۲ حدیث ۶۷۷ میں اسی سند سے دوسرا متن آیا ہے۔ وہ عبدۃ بن سلیمان کی روایت ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ

کے نزدیک وہی اصح ہے، کیونکہ ابوسلمۃ کے دوسرے تلمیذ یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت کا متن بھی وہی ہے، یہ روایت بھی باب ۲ حدیث ۶۷۸ میں گذر چکی ہے (لیکن احتمال ہے کہ یہ دونوں حدیثیں الگ الگ ہوں، اور محمد بن عمرو نے دونوں حدیثیں ابوسلمہ سے روایت کی ہوں، پھر ایک ابومعاویہ نے روایت کی ہو اور دوسری عبدۃ اور یحییٰ نے روایت کی ہو)

نوٹ: امام ترمذی رحمہ اللہ کے استاذ: امام مسلم صاحب صحیح ہیں، اور آپ نے اس کتاب میں امام مسلم سے یہی ایک حدیث روایت کی ہے۔

بابُ ماجاءَ أنَّ الصَّومَ لِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ وَالإفْطَارَ لَهُ

رمضان کا چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور شوال کا چاند دیکھ کر روزے بند کر دو

رمضان المبارک کے آغاز واختتام میں حساب کا مطلق اعتبار نہیں، چاند دیکھ کر روزے شروع کئے جائیں اور چاند دیکھ کر بند کر دیئے جائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر روزے بند کر دو'' اور یہ مستقل حدیث نہیں ہے، طویل حدیث کا جزء ہے، اصل حدیث یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''رمضان کی آمد سے ایک دو دن پہلے روزے شروع نہ کر دو، بلکہ جب چاند دیکھو روزے شروع کرو، اور اگلا چاند دیکھ کر روزے موقوف کر دو''

جاننا چاہئے کہ عیسوی (انگریزی) کلینڈر کا مدار سورج پر ہے۔ اور اسلامی مہینوں کا مدار چاند پر ہے، ہندو کلینڈر بھی قمری حساب سے بنتا ہے، مگر ہندو دو کام کرتے ہیں: ایک: ہر مہینے کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پندرہ دن چاند کے روشن ہونے کے، اور پندرہ دن تاریکی کے۔ دوسرا: ہر تین سال میں ایک مہینہ بڑھاتے ہیں۔ اس کا نام لوند ہے، عربی میں اس کو کبیسہ اور قرآن میں اس کو نسیئ کہا گیا ہے، اس لئے ان کے مہینے انگریزی مہینوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور تقویم اسلامی میں لوند کا طریقہ نہیں، پس رمضان کبھی سردی میں آتا ہے، کبھی گرمی میں، اور کبھی برسات میں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ شریعت کے بعض احکام کا تعلق سورج سے ہے، مثلاً نمازوں کے اوقات اور سحر وافطار کے اوقات سورج کی چال سے جڑے ہوئے ہیں، اور بعض احکام مثلاً رمضان کا آغاز واختتام کا تعلق چاند کے ساتھ ہے، اور اس میں بندوں کا فائدہ ہے، جہاں سورج کی رعایت کرنے میں بندوں کے لئے سہولت تھی وہاں احکام سورج سے متعلق کئے گئے ہیں، اور جہاں چاند کی رعایت میں سہولت تھی وہاں احکام چاند سے متعلق کئے گئے ہیں، اور دونوں صورتوں میں رویت پر مدار رکھا گیا ہے، حساب پر مدار نہیں رکھا گیا، گو کہ لوگوں نے جنتریاں بنالی ہیں، مگر ان پر مدار نہیں۔ چنانچہ جو شخص سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہے اس کے لئے روزہ کھولنا جائز ہے، چاہے جنتری میں وقت نہ ہوا ہو، اور اگر سورج موجود ہو تو روزہ کھولنا جائز نہیں، اگرچہ جنتری میں وقت ہو گیا ہو۔

اور یہ اصول کہ احکام شرع کا مدار رویت پر ہے حساب پر نہیں اسی حدیث سے اخذ کیا گیا ہے، کیونکہ اگر شریعت کو

حساب لینا ہوتا تو سورج کا حساب لیا جاتا، کیونکہ سورج کی چال چاند کی چال کی بہ نسبت زیادہ باقاعدہ ہے۔ اور رویت پر احکام کا مدار رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ نبی ﷺ کی امت بہت بڑی امت ہے اور ان میں بیشتر امی (اَن پڑھ) اور حساب سے نابلد ہیں پس اگر حساب پر مدار رکھا جائے گا تو عمل میں دشواری ہوگی، اور جب رویت پر مدار رکھا گیا تو ہر شخص خواہ وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ، شہری ہو یا دیہاتی، آسانی سے دین پر عمل کر سکے گا۔

فائدہ: آج سے تقریباً چالیس سال پہلے سعودیہ کی تنظیم رابطہ عالم اسلامی نے توحید اہلہ کے مسئلہ پر اجلاس بلایا تھا جس میں دنیا بھر کے اکابر علماء کو مدعو کیا تھا اور یہ مسئلہ ان کے سامنے رکھا تھا کہ جب ساری دنیا کے مسلمان ایک ساتھ حج کرتے ہیں تو عیدین اور رمضان بھی ایک ساتھ کریں، اور اس کی صورت یہ ہو کہ رمضان کے آغاز واختتام کا مدار بجائے رویت کے القمر الجدید (نیومون) پر رکھا جائے —— چاند کی دو چالیں ہیں: ایک چال: سورج کی طرح مشرق سے مغرب کی طرف ہے، اور دوسری چال: چاند روزانہ سورج سے چند ڈگری پیچھے پڑتا ہے یعنی مغرب سے مشرق کی طرف چلتا ہے، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے جب چاند سورج کے بالکل مقابل ہو جاتا ہے، پھر جب وہ پیچھے پڑتا ہے تو القمر الجدید کہلاتا ہے۔ حساب داں اس کو جانتے ہیں کہ کب چاند پیچھے پڑے گا، رابطہ والوں کا پلان یہ تھا کہ نیومون پر مدار رکھا جائے، تاکہ پوری دنیا میں ایک ساتھ رمضان اور عیدین ہوں، مگر تمام علماء نے اس پلان کو رد کر دیا اور حج کے استدلال کا جواب یہ دیا کہ حج صرف ایک جگہ یعنی میدانِ عرفہ میں ہوتا ہے، پس وہاں کی رویت کا اعتبار کیا جائے گا۔ جس دن مکہ میں نو ذی الحجہ ہوگی وہی دن حج کا ہوگا، اور عیدین اور رمضان کی صورت حال اس سے مختلف ہے ان کو ایک ساتھ کرنا ممکن نہیں، کیونکہ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۸۹) میں ہے: ﴿یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ؟ قُلْ: هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ ترجمہ: لوگ آپؐ سے چاند کی حالت کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ آپؐ بتا دیں: وہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اوقات ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ حج کا وقت تو سب کے لئے ایک ہوگا، باقی امور میں چاند لوگوں کے لئے مختلف اوقات مقرر کرے گا۔ مگر اس کے بعد سے سعودیہ نیومون سے چاند کا اعلان کرتا ہے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے ہر سال رمضان اور عیدین میں دو گواہ قاضی کے سامنے پیش ہوتے ہیں، اور ان کی گواہی پر اعلان کیا جاتا ہے، جبکہ پوری دنیا میں کہیں چاند نظر نہیں آتا۔ نیز عرب کا مطلع عام طور پر صاف ہوتا ہے، مگر ایک دو آدمیوں ہی کو چاند نظر آتا ہے یہاں لوگ سوال کرتے ہیں کہ آیا سعودیہ والے مسلمان نہیں ہیں؟ جواب یہ ہے کہ بے شک وہ مسلمان ہیں، مگر براعظم افریقہ اور براعظم امریکہ والوں کو وہ چاند نظر نہیں آتا تو کیا وہ آنکھیں بند کر کے چاند دیکھتے ہیں؟ بات دراصل یہ ہے کہ سعودیہ میں چاند کا نظام جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ نہیں چاہتے کہ حج صحیح وقت پر ہو، چنانچہ انھوں نے چاند کا سارا نظام ہی بدل دیا ہے، اور پوری دنیا میں ایک عظیم فتنہ برپا کر دیا ہے، ہر ملک میں کچھ لوگ بے عقلی کے ساتھ سعودیہ کے اعلان پر عمل کرتے ہیں اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار ہو جاتا

ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس صورت میں حج کا کیا ہوگا؟ تو اس کا جواب باب نمبر ۱۱ میں آرہا ہے۔

مذکورہ واقعہ کی تفصیل: رابطہ عالم اسلامی نے توحید اہلّہ پر جو اجلاس بلایا تھا وہ ۷۶-۱۹۷۷ء کے درمیان کا واقعہ ہے، حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمہ اللہ اس اجلاس میں شریک ہوئے تھے، میں اس زمانہ میں راندیر میں پڑھاتا تھا، جب مولانا اس اجلاس سے لوٹے تو راندیر تشریف لائے اور اس اجلاس کی پوری کارروائی سنائی، اور فرمایا کہ یہ خطرناک اسکیم ہے، اس پر مضمون لکھنا چاہئے، چنانچہ میں نے دو قسطوں میں مضمون لکھا جو ''الفرقان لکھنؤ'' میں شائع ہوا، اس مضمون میں میں نے قرآن وحدیث کی متعدد دلیلوں سے یہ بات ثابت کی کہ توحید اہلّہ یعنی ساری دنیا کا ایک چاند نا ممکن ہے، اور القمر الجدید کو بنیاد بنا کر رمضان وغیرہ کو ایک ساتھ کرنا مذکورہ آیت کی رو سے غلط ہے، ہاں توحید اہلّہ — اگر یہ تعبیر مناسب ہو — حج میں ممکن ہے، کیونکہ حج کا وقت ہلال خود متعین کرتا ہے، مکہ مکرمہ کی رویت سے جو ۹؍ ذی الحجہ ہوگی اس میں ساری دنیا کے لوگوں کو حج کرنا ہوگا اور اپنی مقامی قمری تاریخوں کو چھوڑ دینا ہوگا، مگر سعودیہ نے جو چاہا وہ شروع کر دیا، اور اب تک وہ کھل کر اعتراف نہیں کرتا کہ ہم قمر جدید پر چل رہے ہیں۔

اور دنیا کے وہ مسلمان جو سہولت پسند ہیں سعودیہ کا اتباع کرتے ہیں کیونکہ پہلے سے ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں دن رمضان یا عید ہے، مگر افریقہ اور امریکہ میں جہاں غروب آفتاب سعودیہ سے گھنٹوں بعد ہوتا ہے عام طور پر سعودیہ کا چاند نظر نہیں آتا ہے، بلکہ کبھی پورے دورے میں کہیں چاند نظر نہیں آتا، دوسرے دن نظر آتا ہے، پس ایسی صورت میں لوگوں کو چاہئے کہ سعودیہ کی اندھی تقلید کر کے اپنے روزوں کو خراب نہ کریں، جو لوگ مملکت سعودیہ کی حدود میں رہتے ہیں ان کے لئے تو مجبوری ہے، یہی حال حج کی تاریخوں کا ہے، مگر جو لوگ سعودیہ کی حدود سے باہر رہتے ہیں ان کے لئے کوئی مجبوری نہیں، پس ان کو اندھی پیروی نہیں کرنی چاہئے۔

یہاں ایک اور بات پر تنبیہ ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ چاند کے معاملہ میں حساب کا اعتبار نہیں، مگر دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ کچھ بے دین مسلمان سعودیہ کی رویت کو منوانے کے لئے رویت کی جھوٹی گواہی دیتے ہیں، بلکہ کچھ لوگ چاند پر سٹہ لگاتے ہیں، پس ایسی صورت میں اگر حساب کو اس حد تک مان لیا جائے کہ اگر امکانِ رویت نہ ہو تو گواہی قبول نہ کی جائے: میری ناقص رائے میں اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

[۵] باب ماجاء أن الصومَ لرؤية الهلال والإفطارَ له

[۶۸۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا أبو الأحوصِ، عن سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عن عِكْرِمَةَ، عن ابنِ عباسٍ، قال: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " لاتَصُوْمُوْا قَبْلَ رَمَضَانَ، صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ حَالَتْ دُوْنَهُ غَيَايَةٌ فَأَكْمِلُوْا ثلاثينَ يَوْمًا"

وفي الباب: عن أبي هريرة، وأبي بَكْرَةَ، وابنِ عُمَرَ. قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عباسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقد رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رمضان سے پہلے روزے مت رکھو، چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر روزے بند کردو، پس اگر چاند کے ورے کوئی پتلا بادل حائل ہوجائے (اور چاند نظر نہ آئے) تو تیس دن پورے کرو''

لغت: الغَيَايَة: ہر وہ چیز جو انسان پر سایہ فگن ہو، جیسے بادل، گردوغبار، جمع غَيَايَات۔

بابُ ماجاء أنَّ الشَّهْرَ يَكُوْنُ تِسعًا وعِشْرِيْنَ

قمری مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے

قمری مہینہ کبھی تیس کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس کا۔ اور چاند کی چال کچھ ایسی ہے کہ بعض مہینے زیادہ تر تیس کے پورے ہوتے ہیں اور بعض انتیس کے، رمضان ان مہینوں میں سے ہے جو زیادہ تر انتیس کا پورا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں نو رمضانوں کے روزے رکھے ہیں، رمضان کے روزے سن دو ہجری کے نصف شعبان میں فرض ہوئے ہیں، ان میں سے ایک یا دو رمضان تیس کے پورے ہوئے ہیں باقی انتیس کے۔

ترمذی کی ایک شرح ہے جس کا نام ہے: شروحِ اربعہ، وہ چار شرحوں کا مجموعہ ہے، ان میں ایک قاضی ابوالطیب کی شرح ہے، وہ فرماتے ہیں: دو رمضان تیس کے پورے ہوئے تھے، باقی سات انتیس کے، اور معروف قول یہ ہے کہ ان میں سے صرف ایک رمضان تیس کا پورا ہوا تھا، باقی انتیس کے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ اسی طرح جب نبی ﷺ نے ازواج مطہرات سے ناراض ہوکر ایلاء کیا تھا تو وہ مہینہ بھی انتیس کا پورا ہوا تھا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ پس جب رمضان ۲۹ کا پورا ہوتا ہے تو جاہل کہتے ہیں: لو مولوی چاند لے آئے! یہ ان کی جہالت ہے، رمضان کی وضع ہی کچھ ایسی ہے کہ وہ اکثر ۲۹ کا پورا ہوتا ہے۔

حدیث (۱): ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو روزے میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انتیس کے رکھے ہیں وہ ان روزوں سے زیادہ ہیں جو ہم نے تیس کے رکھے ہیں، یعنی اکثر رمضان ۲۹ کو پورا ہوجاتا تھا۔

حدیث (۲): جب بنو نضیر اور بنو قریظہ کے علاقے فتح ہوئے تو وہ علاقے مال فئی قرار دیئے گئے تھے، وہ علاقے سرسبز وشاداب تھے، نبی ﷺ نے ان میں سے کچھ زمینیں اپنے لئے روک لی تھیں، اس لئے آپ کی آمدنی بڑھ گئی تھی، ایک مرتبہ تمام ازواج نے ایکا کیا اور نبی ﷺ سے اپنے مصارف میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ ازواج مطہرات کے اس مطالبہ سے نبی ﷺ کو دھکا لگا، کیونکہ آمدنی بڑھ گئی تھی، مگر ساتھ ہی خرچ بھی بڑھ گیا تھا، اسلام تیزی سے پھیلنا

شروع ہوگیا تھا، اسلام قبول کرنے کے لئے باہر سے آنے والوں کے قیام وطعام کا انتظام اور جنگوں کے مصارف وغیرہ اسی آمدنی سے پورے ہوتے تھے، اس لئے آپ کو ازواج کا مطالبہ ناگوار ہوا اور آپ نے قسم کھائی کہ آپ ایک مہینہ تک کسی بیوی صاحبہ سے نہیں ملیں گے۔ آپ نے یہ مہینہ ایک بالاخانہ میں گذارا، اتفاق سے قسم کھانے کا واقعہ مہینہ کے بالکل شروع میں پیش آیا تھا، چنانچہ ۲۹ تاریخ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور بتایا کہ آج مہینہ پورا ہوجائے گا، آپ بیویوں کو اختیار دیں اگر وہ اللہ ورسول کی خوشنودی چاہتی ہیں تو موجودہ حالات پر قناعت کریں، اور اگر دنیاوی عیش چاہتی ہیں تو طلاق لے لیں اور جہاں چاہیں جائیں۔ اسی موقعہ پر سورۂ احزاب کا چوتھا رکوع جس میں سات آیات ہیں نازل ہوا ہے۔ نبی ﷺ مغرب کے بعد سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، حضرت عائشہؓ نے یاد دلایا کہ آج انتیس تاریخ ہے، یعنی آپ نے ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا، پس کہیں بے خبری میں قسم ٹوٹ نہ جائے، آپ نے فرمایا: ''مہینہ کبھی انتیس کا ہوتا ہے'' یعنی یہ مہینہ ۲۹ کا پورا ہوا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے اپنی ازواج سے ایک ماہ کا ایلاء کیا، پس آپ بالاخانہ میں انتیس دن تک ٹھہرے رہے، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے ایک مہینہ کا ایلاء کیا ہے، آپ نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا (بھی) ہوتا ہے۔

لغت: آلٰی اِیلاءً: کے معنی ہیں: قسم کھانا۔ ایلاء کی دو قسمیں ہیں: لغوی اور شرعی۔ شرعی ایلاء میں چار ماہ یا زیادہ کی قسم کھائی جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے چار ماہ کی قسم نہیں کھائی تھی، پس یہ ایلاء لغوی تھا۔

[٦] باب ماجاء أن الشهر يكون تسعا وعشرين

[-٦٨٢] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا يَحْيَى بنُ زَكَرِيَّا بن ابى زَائِدَةَ، قال: أَخْبَرَنِي عيسى بنُ دِينَارٍ، عن أبيه، عن عَمْرِو بنِ الحَارِثِ بنِ أبى ضِرَارٍ، عن ابنِ مَسْعُودٍ، قال: ما صُمْتُ مع النبيِّ صلى الله عليه وسلم تِسْعًا وعِشْرِينَ أَكْثَرُ مِمَّا صُمْنَا ثَلَاثِيْنَ.

وفى الباب: عن عُمَرَ، وأبى هريرة، وعائشةَ، وسَعْدِ بنِ أبى وَقَّاصٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، وابنِ عُمَرَ، وأنسٍ، وجَابِرٍ، وأم سَلَمَةَ، وأبى بَكْرَةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال: "الشَّهْرُ يَكُوْنُ تِسْعًا وَّعِشْرِيْنَ"

[-٦٨٣] حدثنا عليُّ بنُ حُجْرٍ، نا إسماعيلُ بنُ جَعْفَرٍ، عن حُمَيْدٍ، عن أنسٍ، أَنَّهُ قال: آلٰى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا فَأَقَامَ فِيْ مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وعِشْرِيْنَ يَوْمًا، قالوا: يارسولَ الله! إِنَّكَ آلَيْتَ شَهْرًا، فقال: "الشَّهْرُ تِسْعٌ وعِشْرُوْنَ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: اس حدیث کو کہ مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے، دس صحابہ روایت کرتے ہیں۔

بابُ ماجاءَ فی الصَّوْمِ بِالشَّهَادَةِ

گواہی کی بنیاد پر رمضان شروع کرنا

رمضان کی ابتداء اور انتہا کا مدار جو رویت پر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فی الجملہ رویت ضروری ہے، اگر کسی کو بھی چاند نظر آیا اور وہ رویت کی گواہی دے تو چاند کا ثبوت ہو جائے گا، ہر شخص کے لئے چاند دیکھنا ضروری نہیں، پھر اگر مطلع صاف ہو تو جم غفیر کی رویت ضروری ہے، یعنی ثبوت ہلال کے لئے ضروری ہے کہ اتنی بڑی تعداد چاند دیکھے جس سے یقین ہو جائے کہ واقعی انھوں نے چاند دیکھا ہے، ان کو دھوکا نہیں ہوا ہے۔ اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں رمضان اور عید کے چاندوں کا بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر مطلع صاف نہ ہو (بادل گرد وغبار یا تیز سرخی ہو) تو رمضان کے چاند میں ایک مسلمان کی خبر کافی ہے، لفظ شہادت ضروری نہیں، تعداد یعنی دو گواہ بھی شرط نہیں، البتہ عید کے چاند میں تعداد (دو گواہ) بھی شرط ہیں اور ان کا دیندار ہونا بھی شرط ہے، اسی طرح لفظ شہادت یا ہر زبان میں اس کا مترادف لفظ بولنا ضروری ہے، اور یہ تفصیل احناف کے نزدیک ہے، امام شافعی، امام احمد اور عبداللہ بن المبارک رحمہم اللہ کے نزدیک رمضان کے چاند میں اگرچہ دو گواہ شرط نہیں، مگر لفظ شہادت شرط ہے، محض خبر کافی نہیں۔ اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: رمضان کا چاند ہو یا عید کا دونوں میں دو گواہ اور لفظ شہادت ضروری ہے، ایک آدمی کی خبر سے نہ رمضان کا چاند ثابت ہوگا نہ عید کا۔

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک اعرابی (بدّو) نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: بیشک میں نے چاند دیکھا ہے (مدینہ منورہ میں رویت نہیں ہوئی تھی، اور وہ اعرابی انتیس شعبان کے بعد رات میں مدینہ پہنچا تھا، اور راستہ میں اس نے چاند دیکھا تھا) آپؐ نے پوچھا: کیا تو اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے؟ اور کیا تو محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے اقرار کیا تو آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: ”اے بلال! مدینہ میں اعلان کر دو کہ لوگ آئندہ کل روزہ رکھیں“

تشریح: یہ حدیث متصل ہے یا مرسل؟ سماک بن حرب کے تلامذہ میں اختلاف ہے، ولید بن ابی ثور اس حدیث کو متصل بیان کرتے ہیں (یہ راوی ضعیف ہے) مگر زائدۃ ان کے متابع ہیں، اور سماک کے اکثر تلامذہ مثلاً سفیان ثوریؒ وغیرہ اس کو مرسل بیان کرتے ہیں، یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تذکرہ نہیں کرتے، رہی یہ بات کہ مرسل روایت اصح ہے یا متصل؟ تو امام ترمذیؒ نے اس کا کوئی فیصلہ نہیں کیا (اور امام نسائی رحمہ اللہ نے مرسل کو اصح قرار دیا ہے)

[٧] باب ماجاء فی الصوم بالشهادة

[٦٨٤-] حدثنا محمدُ بنُ إسماعيلَ، نا محمدُ بنُ الصَّبَّاحِ، نا الوليدُ بنُ أبي ثَوْرٍ، عن سِمَاكٍ، عن عِكْرِمَةَ، عن ابنِ عباسٍ، قال: جَاءَ أعرابيٌّ إلى النبيِّ صلى الله عليه وسلم فقال: إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ،

فقال: "أتَشْهَدُ أنْ لَا إلٰـهَ إلَّا اللّٰهُ؟ أتَشْهَدُ أنَّ محمداً رسولُ اللّٰهِ؟" قال: نعم، قال: "يا بِلَالُ أذِّنْ فی النَّاسِ أنْ يَصُومُوْا غَداً"

حدثنا أبو كُرَيْبٍ، نا حُسَيْنُ الجُعْفِیُّ، عن زَائِدَةَ، عن سِمَاكِ بن حَرْبٍ نَحْوَهُ.

قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عباسٍ فيهِ اخْتِلَافٌ، وَرَوَى سُفيانُ الثَّوْرِیُّ وغَيْرُهُ، عن سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عن النبیِّ صلی الله علیه وسلم مُرْسَلاً، وَأكْثَرُ أصحابِ سِمَاكٍ رَوَوْا عن سِمَاكٍ، عن عِكْرِمَةَ، عن النبیِّ صلی الله علیه وسلم مُرْسَلاً.

والعَمَلُ على هذا الحديثِ عند أكْثَرِ أهلِ العلمِ، قالوا: تُقْبَلُ شَهَادَةُ رَجُلٍ وَاحِدٍ فِی الصِّيَامِ، وبهِ يقولُ ابنُ المُبَارَكِ، والشَّافِعِیُّ، وأحمدُ؛ وقال إسحاقُ: لَايُصَامُ إلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ، وَلَمْ يَخْتَلِفْ أهلُ العلمِ فی الإفْطَارِ أنَّهُ لايُقْبَلُ فيه إلَّا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ.

ترجمہ: اس حدیث پر اکثر علماء کا عمل ہے، وہ فرماتے ہیں: رمضان کے چاند میں ایک آدمی کی شہادت قبول کی جائے گی، اور ابن المبارک، شافعی اور احمد اسی کے قائل ہیں (احناف کے نزدیک لفظ شہادت ضروری نہیں، محض خبر کافی ہے) اور حضرت اسحاقؒ فرماتے ہیں: روزے شروع نہیں کئے جائیں گے مگر دو آدمیوں کی شہادت سے، اور علماء کا افطار (عید کے چاند) میں کوئی اختلاف نہیں، وہ کہتے ہیں: عید کے چاند میں نہیں قبول کی جائے گی مگر دو آدمیوں کی شہادت۔

بابُ ماجاءَ شَهْرَا عِيْدٍ لَايَنْقُصَانِ

عید کے دو مہینے گھٹتے نہیں

یہ بعینہ حدیث کے الفاظ ہیں، اور عید کے دو مہینوں سے مراد: رمضان اور ذوالحجہ ہیں۔ ذوالحجہ کا عید کا مہینہ ہونا تو ظاہر ہے، اور رمضان عرفاً عید کا مہینہ ہے، حقیقت میں عید کا مہینہ شوال ہے، مگر چونکہ عرف میں ماہِ رمضان کو عید کا مہینہ کہتے ہیں، اس لئے یہاں یہی مراد ہے۔

اور اس حدیث کی تفسیر میں علماء کے دس قول ہیں۔ حدیث کی تفسیر میں اختلاف اقوال کی مختلف وجوہ ہوتی ہیں، کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد جوامع الکلم کے قبیل سے ہوتا ہے یعنی وہ ارشاد بہت سے معانی کا احتمال رکھتا ہے، پس ہر شارح بعض حقیقت کو بیان کرتا ہے، ایک شارح ایک معنی بیان کرتا ہے، دوسرا شارح دوسرے معنی، یوں اقوال مختلف ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں تمام توجیہوں کو اکٹھا کرنا ہوگا اور اگر کوئی پہلو بیان سے رہ گیا ہے تو اُسے بڑھانا ہوگا، اور ان اقوال کا مجموعہ حدیث کا مطلب ہوگا۔

اور کبھی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک عالم حدیث کا جو مطلب بیان کرتا ہے وہ دوسروں کی سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے وہ

دوسرا مطلب بیان کرتے ہیں، پھر اگلوں کی سمجھ میں وہ دونوں مطلب نہیں آتے تو وہ تیسرا مطلب بیان کرتے ہیں، یوں اقوال بڑھتے رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں تمام توجیہوں میں غور کرنا ہوگا، جو قول فہم سے اقرب ہوگا اس کو لیا جائے گا، اور اگر سب اقوال سمجھ میں نہ آئیں تو نئی توجیہ کرنی ہوگی۔

مذکورہ حدیث کی جو دس توجیہیں کی گئی ہیں میرے نزدیک وہ سب صحیح نہیں، اس لئے میں نے گیارہویں توجیہ کی ہے آپ حضرات کی سمجھ میں یہ توجیہ نہ آئے تو بارہویں توجیہ کرنے کا آپ کو اختیار ہے۔ وہ دس توجیہیں کیا ہیں، اور کیوں صحیح نہیں؟ یہ تفصیل طلب بات ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو دو توجیہیں بیان کی ہیں، یہاں ان کو سمجھ لینا کافی ہے کہ وہ صحیح کیوں نہیں؟ باقی توجیہوں کو اس پر قیاس کرلیا جائے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حدیث کی توجیہ یہ کی ہے کہ ایک سال میں عید کے یہ دونوں مہینے یعنی رمضان اور ذی الحجہ انتیس انتیس کے نہیں ہوسکتے یا تو دونوں تیس کے ہونگے یا ایک انتیس کا ہوگا تو دوسرا ضرور تیس کا ہوگا، مگر یہ توجیہ بداہۃً غلط ہے۔ مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ ایک سال میں دونوں مہینے انتیس کے ہوتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس توجیہ کو پسند نہیں کیا۔ اس لئے اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے دوسری توجیہ کی کہ عید کے یہ دو مہینے گھٹتے نہیں، یعنی ان کا ثواب گھٹتا نہیں، اگر یہ مہینے انتیس کے ہوں تب بھی ثواب پورے تیس دن کا ملتا ہے، مگر اس توجیہ پر اشکال یہ ہے کہ رمضان میں تو یہ بات ٹھیک ہے، مگر ذی الحجہ میں یہ بات کیسے درست ہوسکتی ہے؟ ذوالحجہ میں تو شروع کے تیرہ دن عبادت کے ہیں، اس کے بعد کوئی عبادت نہیں۔ پس ماہِ ذی الحجہ انتیس میں پورا ہو یا تیس میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شروع کے تیرہ دن تو تیرہ ہی رہیں گے وہ بارہ نہیں ہوجائیں گے، البتہ رمضان کا پورا مہینہ عبادت کا ہے، وہاں فرق پڑے گا۔

اس اشکال کا بعض لوگوں نے یہ جواب دیا کہ یہاں ذوالقعدہ کی آخری تاریخ مراد ہے، اور مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ماہ ذوالقعدہ تیس کا تھا، پھر کچھ دنوں کے بعد گواہیوں سے انتیس کا چاند ثابت ہوگیا، تو اب بارہ ہی دن رہ جائیں گے، مگر اس صورت میں بھی ثواب گھٹے گا نہیں، پورے تیرہ دن کا ثواب ملے گا، مگر یہ توجیہ زبردستی کی ہے، اور ذوالحجہ سے ذوالقعدہ کی آخری تاریخ مراد لینا بہت بعید بات ہے۔

پس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ مقصود صرف رمضان کی فضیلت بیان کرنا ہے، یعنی اگر رمضان انتیس دن میں پورا ہو تو بھی ثواب پورے تیس دن کا ملے گا، اور ماہِ ذی الحجہ کا تذکرہ محض طرد اًللباب کیا گیا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عربی زبان کا اسلوب بیان یہ ہے کہ جب دو چیزوں میں مناسبت ہوتی ہے تو دونوں کو ملا کر ایک چیز کا حکم بیان کرتے ہیں، جیسے: نبی ﷺ نے فرمایا: اُقْتُلُوْا الأَسْوَدَیْنِ فی الصلاۃِ: الحیّۃَ والعقربَ اس حدیث کا مقصود سانپ کو مارنے کا حکم دینا ہے، بچھو کا تذکرہ تبعاً ہے، مگر چونکہ حدیث میں بچھو کا بھی تذکرہ آیا ہے اس لئے اس کو بھی مار دینا چاہئے۔ اسی طرح مسلسلات میں ایک موضوع حدیث ہے: اضافنی بالأسودین: التمر والماءِ:

میری ضیافت کی دوکالی چیزوں سے یعنی کھجوراور پانی سے۔ کھجورتو کالی ہوتی ہےاوراس کی ضیافت کی بھی کی جاتی ہے، مگر پانی نہ تو کالا ہوتا ہےاور نہ اس کی ضیافت کی جاتی ہے، مگر چونکہ کھجور کے ساتھ پانی بھی پیا جاتا ہے، اس مناسبت سے اس کا بھی تذکرہ کردیا گیا۔اسی طرح یہاں بھی حدیث کا ماسیق لاجلہ الکلام صرف رمضان ہے، مگر مناسبت کی وجہ سے عید کے دوسرے مہینہ ذی الحجہ کا بھی تذکرہ کردیا اور مقصود بنائے حکم کی طرف ذہن کو منعطف کرنا ہے یعنی ثواب اس لئے نہیں گھٹے گا کہ وہ عید کا مہینہ ہے۔ خوشی کے موقعہ پر ثواب گھٹا دیا جائے تو خوشی کرکری ہوجاتی ہے۔

[٨] باب ماجاء شهرَا عيدٍ لاينقصان

[٦٨٥-] حدثنا يَحْيَى بنُ خَلَفٍ البَصْرِيُّ، نا بِشْرُ بنُ المُفَضَّلِ، عن خالدِ الحَذَّاءِ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ أبي بَكْرَةَ، عن أبِيْهِ، قال: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " شَهْرَا عِيْدٍ لَايَنْقُصَانِ: رَمَضَانُ وذو الحِجَّةِ"

قال أبو عيسى: حديثُ أبي بَكْرَةَ حديثٌ حسنٌ.

وقد رُوِيَ هذا الحديثُ عن عبدِ الرحمنِ بنِ أبي بَكْرَةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلاً.

قال أحمدُ: مَعْنَى هذا الحديثِ: " شَهْرَا عِيْدٍ لَايَنْقُصَانِ" يقولُ: لَايَنْقُصَانِ مَعًا في سَنَةٍ وَاحِدَةٍ: شَهْرُ رَمَضَانَ وَذُوْ الْحِجَةِ، إِنْ نَقَصَ أَحَدُهُمَا تَمَّ الآخَرُ.

وقال إسحاقُ: مَعْنَاهُ لَايَنْقُصَانِ، يقولُ: وإن كانَ تِسْعًا وعِشْرِيْنَ فَهُوَ تَمَامٌ غَيْرُ نُقْصَانٍ، وعلى مَذْهَبِ إسحاقَ يَكُوْنُ يَنْقُصُ الشَّهْرَانِ مَعًا في سَنَةٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ: مذکورہ حدیث: مرسل یعنی ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کے واسطہ کے بغیر بھی روایت کی گئی ہے (مگر موصول حدیث اصح ہےاور یہ حدیث متفق علیہ ہے) امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث کہ "عید کے دو مہینے گھٹتے نہیں" کا مطلب یہ ہے کہ رمضان اور ذوالحجہ ایک ساتھ ایک سال میں کم نہیں ہوتے۔ اگر ان میں سے ایک کم (انتیس کا) ہوتا ہے تو دوسرا تام (تیس کا) ہوتا ہے، اور اسحاق بن راہویہؒ نے فرمایا: عید کے دونوں مہینے کم نہیں کئے جاتے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ انتیس کے بھی ہوں تو بھی وہ تام ہونگے، یعنی ثواب کم نہیں ہوگا۔ اور امام اسحاقؒ کے مذہب پر دونوں مہینے ایک ساتھ ایک سال میں کم (انتیس کے) ہوسکتے ہیں۔

بابُ ماجاءَ لِكُلِّ أَهْلِ بَلَدٍ رُؤْيَتُهُمْ

ہر جگہ کے لئے اسی جگہ کی رویت معتبر ہے

اس باب میں اختلاف مطالع کا بیان ہے، مطالع: مطلع کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: طلوع ہونے کی جگہ، چونکہ

زمین گول ہے، اس لئے سورج اور چاند ہر جگہ الگ الگ اوقات میں نکلتے چھپتے ہیں ——— رمضان میں اختلاف مطالع کا اعتبار ہے یا نہیں؟ اعتبار ہونے کا مطلب ہے: لکل أهل بلدٍ رؤیتهم یعنی ہر جگہ کے لئے وہیں کی رویت کا اعتبار ہوگا، ایک جگہ کی رویت کا دوسری جگہ اعتبار نہ ہوگا اور اعتبار نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا کا مطلع ایک ہے کسی بھی جگہ چاند نظر آجائے تو اس کو ہر جگہ مان لیا جائے یعنی جہاں تک معتبر ذریعہ سے رویت کی خبر پہنچے اس کو مان لیا جائے۔

پہلے راجح قول یہ تھا کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، البتہ بعض حضرات اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے تھے، مثلاً حنفیہ میں سے امام قدوری اور امام زیلعی، مالکیہ میں سے ابن رشد مالکی اور بعض شوافع رحمہم اللہ اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے تھے، مگر چاروں فقہوں میں فتوی اس پر تھا کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔ ایک جگہ کی رویت کی خبر معتبر ذریعہ سے جہاں تک پہنچے اس کو ماننا اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، مگر جب نقل وحمل اور مواصلات کے ذرائع وسیع ہوئے، اب آدمی ۲۴ گھنٹے میں پوری زمین کا چکر لگا سکتا ہے اور دو چار منٹ میں ایک کونے کی خبر دوسرے کونے تک پہنچ جاتی ہے تو علماء کا فتوی بدل گیا، اگرچہ اب بھی بعض لوگ پرانی رائے کے قائل ہیں کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، مگر فی زمانہ ننانوے فیصد علماء کی رائے یہ ہے کہ اب ممالک بعیدہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار ہے، البتہ ممالک قریبہ میں اعتبار نہیں۔ سعودیہ کی تنظیم رابطہ عالم اسلامی نے توحید اہلہ کے مسئلہ پر جو میٹنگ بلائی تھی اس میں علماء نے اسی بنیاد پر اختلاف کیا تھا کہ جب اختلاف مطالع معتبر ہے اور بدیہی ہے تو ساری دنیا کا رمضان اور عید ایک ساتھ کیسے ہو سکتے ہیں۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ رویت کے مقام سے مغربی ممالک میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، صرف مشرق کی طرف اختلاف مطالع کا اعتبار ہے۔ پس جہاں رویت ہوئی ہے وہاں سے جانب مغرب جو بھی ممالک ہیں ان میں جہاں تک معتبر ذرائع سے رویت کی خبر پہنچے گی اس خبر کے مطابق عمل ضروری ہوگا، اس لئے کہ جب چاند کسی جگہ میں نظر آئے گا تو جو علاقے اس کے مغرب میں واقع ہیں وہاں ضرور نظر آئے گا، مثلاً ہندوستان میں رویت ہوئی تو پاکستان میں بدرجۂ اولی رویت ہوگی۔ اسی طرح سعودیہ میں بھی بدرجۂ اولی رویت ہوگی، کیونکہ سعودیہ میں غروب یہاں سے ڈھائی گھنٹہ کے بعد ہوتا ہے، پس ڈھائی گھنٹہ میں چاند سورج سے اور پیچھے پڑے گا اور یقیناً نظر آئے گا۔ اسی طرح سعودیہ میں جو چاند دیکھا گیا ہے وہ افریقہ میں ضرور دیکھا جائے گا، کیونکہ افریقہ سعودیہ سے مغرب کی جانب ہے، مگر ہوتا یہ ہے کہ سعودیہ میں رویت کا اعلان ہوتا ہے اور پورے افریقہ میں جس میں ۴۲ حکومتیں ہیں اور جس کا مطلع عام طور پر صاف رہتا ہے کہیں چاند نظر نہیں آتا، بلکہ براعظم امریکہ میں بھی نظر نہیں آتا، جبکہ وہاں ساڑھے سات گھنٹہ کے بعد غروب ہوتا ہے، یہ سعودیہ کی چاند کے سلسلہ میں دھاندلی کی واضح دلیل ہے، لیکن اگر کسی جگہ واقعی رویت ہو تو

لامحالہ مغرب کی جانب رویت ہوگی، البتہ جو علاقے مشرق کی جانب ہیں وہاں رویت ضروری نہیں۔ لہٰذا مشرق کی طرف ممالک قریبہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اور ممالک بعیدہ میں ہے، پس سعودیہ کی حقیقی رویت بھی ہندوپاک میں معتبر نہیں۔

اور ممالک قریبہ اور بعیدہ کی حد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں آج سے تقریباً پچپن سال پہلے مرادآباد میں ایک میٹنگ ہوئی تھی، جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہما شریک تھے، اس میں یہ طے پایا تھا کہ خط مستقیم پر پانچ سو میل تک ممالک قریبہ ہیں، اور اس سے دور ممالک بعیدہ ہیں۔ دلی سے کلکتہ خط مستقیم پر ایک ہزار میل ہے اور ہزار میل پر طلوع وغروب میں ایک گھنٹہ کا فرق پڑتا ہے اس لئے کلکتہ میں ایک گھنٹہ پہلے طلوع وغروب ہوتا ہے۔

لیکن اس فیصلے کو مفتیوں نے قبول نہیں کیا، کیونکہ چار سو ننانوے میل تک چاند نظر آئے اور ایک میل بڑھ جائے تو نظر نہ آئے اس کی کیا دلیل ہے؟ اس کی نظیر پہلے گذری ہے کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر مکہ میں ۱۹ دن قیام فرمایا تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر اس سے زیادہ ٹھہریں گے تو نماز پوری پڑھیں گے، مگر ابن عباسؓ کا یہ مذہب حضرت اسحاق کے علاوہ کسی نے نہیں لیا، اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ بیسویں روز قیام فرماتے تو اتمام فرماتے، اس کی کیا دلیل ہے؟ اسی طرح چار سو ننانوے میل تک چاند نظر آئے اور ایک میل بڑھ جائے تو نظر نہ آئے اس کی کیا دلیل ہے؟ اس لئے مفتیوں نے اس قول کو قبول نہیں کیا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ ہر ملک ایک مطلع ہے، جب ملک بدلے گا تو مطلع بھی بدلے گا، یہ قول بھی صحیح نہیں، کیونکہ بعض ممالک بہت چھوٹے ہیں۔ پس گول مول بات یہ ہے کہ ایسی دو جگہیں جہاں کی چاند کی تاریخیں ہمیشہ یا اکثر ایک رہتی ہیں وہ ممالک قریبہ ہیں، جیسے ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش۔ اور جن جگہوں کی تاریخوں میں ہمیشہ یا اکثر اختلاف ہوتا ہے، جیسے ہندوستان اور سعودیہ وہ ممالک بعیدہ ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ پہلے جو محققین اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے تھے یا اب جو جمہور ممالکِ بعیدہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں ان کی دلیل باب کی حدیث ہے۔

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ ام الفضلؓ نے کریب کو (جو حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ تھے) کسی ضرورت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملکِ شام بھیجا۔ کریب نے ام الفضل کا کام نمٹایا، ابھی وہ شام ہی میں تھے کہ رمضان کا چاند نظر آیا، چاند جمعہ کی رات میں نظر آیا تھا (اور انھوں نے پہلا روزہ جمعہ کا رکھا تھا) پھر وہ مہینہ کے آخر میں مدینہ آئے، ابن عباسؓ نے ان سے دریافت کیا، تم نے چاند کب دیکھا تھا؟ انھوں نے کہا: ہم نے جمعہ کی رات میں چاند دیکھا تھا، ابن عباسؓ نے پوچھا: کیا آپ نے خود جمعہ کی رات میں چاند دیکھا تھا (مسلم کی روایت میں

ہے:نعم: ہاں میں نے خود دیکھا تھا اور) لوگوں نے بھی دیکھا تھا، پس انھوں نے روزہ رکھا اور امیر معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا،ابن عباسؓ نے فرمایا: مگر ہم نے بار کی رات میں چاند دیکھا ہے، پس ہم برابر روزے رکھتے رہیں گے تا آنکہ ہم تیس دن پورے کریں یا چاند دیکھ لیں۔ کریب نے پوچھا: کیا آپ کے لئے امیر معاویہ کا چاند دیکھنا اور ان کا روزہ رکھنا کافی نہیں؟ ابن عباس نے فرمایا: نہیں۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔

[٩] باب ماجاء لکل أهل بلدٍ رؤیتهم

[٦٨٦-] حدثنا عَلِیُّ بنُ حُجْرٍ، نا إسماعیلُ بنُ جعْفَرٍ، نا محمدُ بنُ أبی حَرْمَلَةَ، أَخْبَرَنِیْ کُرَیْبٌ: أنَّ أُمَّ الْفَضْلِ بِنْتَ الحَارِثِ بَعَثَتْهُ إلٰی مُعَاوِیَةَ بِالشَّامِ، قال: فَقَدِمْتُ الشَّامَ فَقَضَیْتُ حَاجَتَهَا واسْتُهِلَّ عَلَیَّ هِلاَلُ رَمَضَانَ وَأنَا بالشَّامِ، فَرَأَیْنَا الهِلاَلَ لَیْلَةَ الْجُمُعَةِ، ثُمَّ قَدِمْتُ الْمَدِیْنَةَ فی آخِرِ الشَّهْرِ، فَسَألَنِیْ ابنُ عبَّاسٍ، ثُمَّ ذَکَرَ الهِلاَلَ، فقالَ مَتٰی رَأَیْتُمُ الهِلاَلَ؟ فَقُلْتُ: رَأَیْنَاهُ لَیْلَةَ الْجُمُعَةِ، فقال: أنْتَ رَأَیْتَهُ لَیْلَةَ الْجُمُعَةِ؟ فَقُلْتُ: رَآهُ النَّاسُ فَصَامُوْا وَصَامَ مُعَاوِیَةُ، فقالَ: لٰکِنْ رَأَیْنَاهُ لَیْلَةَ السَّبْتِ فَلاَ نَزَالُ نَصُوْمُ حتی نُکْمِلَ ثلاثینَ یَوْمًا او نَرَاهُ، فَقُلْتُ: ألاَ تَکْتَفِیْ بِرُؤْیَةِ مُعَاوِیَةَ وَصِیَامِهِ؟ قال: لاَ، هٰکَذَا أمَرَنَا رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم.

قال أبو عیسی: حدیثُ ابنِ عباسٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ غریبٌ.

والعملُ علی هذا الحدیثِ عندَ أهلِ العلمِ: أنَّ لِکُلِّ أَهْلِ بَلَدٍ رُؤْیَتَهُمْ.

وضاحت: یہ حدیث مسلم شریف میں ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے مسئلہ اس طرح بیان کیا ہے کہ گویا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ اختلاف مطالع مطلقاً معتبر ہے، حالانکہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، تفصیل گذر چکی ہے۔

بابُ ماجاءَ ما یُسْتَحَبُّ عَلَیْهِ الإِفْطَارُ؟

کس چیز سے افطار کرنا مستحب ہے؟

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کو کھجور میسر ہو اسے چاہئے کہ کھجور سے افطار کرے، اور جس کے پاس کھجور نہ ہو اُسے پانی سے افطار کرنا چاہئے، کیونکہ پانی پاک کرنے والا ہے''

تشریح: پہلے کتاب الزکاۃ باب ۲۶ میں حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ کی جو روایت گذری ہے وہ صحیح ہے اور یہاں جو حدیث سعید بن عامر کی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ صحیح نہیں۔ شعبہؒ کے شاگردوں میں سے صرف سعید بن عامر ہی اس حدیث کی سند حضرت انسؓ تک پہنچاتے ہیں، نیز عبدالعزیز بن صہیب کی حدیثوں

میں بھی یہ حدیث معروف نہیں (اکابر محدثین ہر راوی کی حدیثیں، اس کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگردوں کی حدیثیں الگ الگ کاپیوں میں لکھتے تھے، چنانچہ عبدالعزیز کی حدیثوں میں یہ حدیث نہیں ہے) پس شعبہ رحمہ اللہ کی صحیح سند وہ ہے جو پہلے گذری ہے۔ البتہ شعبہ کے بعض تلامذہ حفصہ اور سلمان بن عامر کے درمیان رباب کا واسطہ ذکر نہیں کرتے، مگر رباب کا واسطہ ہونا چاہئے۔ سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کی سندوں میں رباب کا واسطہ ہے۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ عیدالفطر کے دن نماز عید سے پہلے چند تازہ کھجوریں کھا کر افطار کرتے تھے (یعنی روزہ نہ ہونا ظاہر کرتے تھے) اور اگر تازہ کھجوریں میسر نہ ہوتیں تو چند چھوہارے نوش فرماتے۔ اور چھوہارے بھی نہ ہوتے تو چند گھونٹ پانی پی لیتے (یہی حکم روزہ افطار کرنے کا ہے) اور اس حدیث کی شرح کتاب الصلوٰۃ باب ۲۷۵ (حدیث ۵۵۲) میں گذر چکی ہے۔

[۱۰] باب ماجاء ما يُسْتَحَبُّ عليه الإفطارُ

[٦٨٧-] حدثنا محمدُ بنُ عُمَرَ بنِ عليِّ الْمُقَدَّمِيُّ، نا سَعيدُ بنُ عَامِرٍ، نا شُعْبَةُ، عن عبدِ العزيزِ بنِ صُهَيْبٍ، عن أنسِ بنِ مالكٍ، قال: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " مَنْ وَجَدَ تَمراً فَلْيُفطِرْ عَلَيْهِ، ومَنْ لاَ فَلْيُفطِرْ عَلىٰ مَاءٍ، فَإِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ"

وفي الباب: عَنْ سَلْمَانَ بنِ عَامِرٍ.

قال أبو عيسى: حديثُ أنسٍ لاَ نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَاهُ عن شُعْبَةَ مِثْلَ هذا غيرَ سَعِيْدِ بنِ عَامِرٍ، وهو حديثٌ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ، وَلاَ نَعْلَمُ لَهُ أَصْلاً مِنْ حديثِ عبدِ العزيزِ بنِ صُهَيْبٍ، عن أنسٍ.

وقد رَوَى أصحابُ شُعْبَةَ هَذَا الحديثَ عن شُعْبَةَ، عن عَاصِمٍ الأَحْوَلِ، عن حَفْصَةَ ابْنَةِ سِيْرِيْنَ، عَنْ سَلْمَانَ بنِ عَامِرٍ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حديثِ سَعِيْدِ بنِ عَامِرٍ.

وهٰكَذَا رَوَوْا عن شُعْبَةَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ حَفْصَةَ ابْنَةِ سِيْرِيْنَ، عَنْ سَلْمَانَ بنِ عَامِرٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ شُعْبَةُ عن الرَّبَابِ.

والصَّحِيْحُ ما رَوَى سُفيانُ الثوريُّ وابنُ عُيَيْنَةَ وغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَاصِمٍ الأَحْوَلِ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيْرِيْنَ، عن الرَّبَابِ، عن سَلْمَانَ بنِ عَامِرٍ.

وابنُ عَوْنٍ يقولُ: عن أُمِّ الرَّائِحِ بِنْتِ صُلَيْعٍ، عَنْ سَلْمَانَ بنِ عَامِرٍ، والرَّبَابُ: هِيَ أُمُّ الرَّائِحِ.

[٦٨٨-] حدثنا محمودُ بنُ غَيلاَنَ، نا وكيعٌ، نا سُفْيَانُ، عن عَاصِمٍ الأَحْوَلِ ح: وحدثنا هَنَّادٌ، نا أبو مُعَاوِيَةَ، عن عَاصِمٍ الأَحْوَلِ، عن حَفْصَةَ ابْنَةِ سِيْرِيْنَ، عن الرَّبَابِ، عن سَلْمَانَ بنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قال: " إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفطِرْ عَلىٰ تَمْرٍ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُفطِرْ على

مَاءٍ، فَإِنَّهُ طَهُوْرٌ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٦٨٩-] حدثنا محمدُ بنُ رَافِعٍ، نا عبدُ الرَّزَّاقِ، نا جَعْفَرُ بنُ سُلَيْمَانَ، عن ثَابِتٍ، عن أنسِ بنِ مالكٍ، قال: كَانَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم يُفْطِرُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ على رُطَبَاتٍ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت انس کی حدیث: ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے اس کو شعبہ سے اس طرح روایت کیا ہو سوائے سعید بن عامر کے، اور وہ سند محفوظ نہیں۔ اور ہم عبدالعزیز بن صہیب کی حضرت انس سے مرویات میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں جانتے —— اور شعبہ کے تلامذہ نے اس حدیث کو شعبہ سے روایت کیا ہے۔ وہ عاصم احول سے، وہ حفصہ بنت سیرین سے، وہ سلمان بن عامر سے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں (اس سند سے رباب کا تذکرہ حذف کیا ہے) اور یہ سعید بن عامر کی حدیث سے اصح ہے —— اور اسی طرح اصحاب شعبہ نے شعبہ سے روایت کی ہے، وہ عاصم احول سے، وہ حفصہ بنت سیرین سے، وہ سلمان بن عامر سے روایت کرتے ہیں، اور شعبہ نے رباب کا تذکرہ نہیں کیا (معلوم ہوا کہ اوپر سند میں رباب کا تذکرہ نسخوں کی غلطی ہے، اس لئے اس کو حذف کیا گیا ہے) —— اور صحیح حدیث وہ ہے جو سفیان ثوری اور ابن عیینہ وغیرہ نے عاصم سے، انھوں نے رباب سے، انھوں نے سلمان بن عامر سے روایت کی ہے (یعنی رباب کا واسطہ ہونا چاہئے) اور ابن عون کہتے ہیں: ام الرائح بنت صُلیع: سلمان بن عامر سے روایت کرتی ہیں، اور رباب ہی ام الرائح ہیں، یعنی ابن عونؒ نے کنیت ذکر کی ہے —— اس کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث صحیح سند سے روایت کی ہے جو پہلے گذر چکی ہے (دیکھیں حدیث ۶۵۱ کتاب الزکوۃ باب ۲۶ تحفہ ۲: ۵۷۷) پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جو دوسری سند سے پہلے گذر چکی ہے (دیکھیں حدیث نمبر ۵۵۲ کتاب الصلاۃ باب ۱۷۵ تحفہ ۲: ۴۲۰)

بابُ ماجاءَ أنَّ الْفِطْرَ يَوْمَ تُفْطِرُوْنَ وَالْأَضْحٰى يَوْمَ تُضَحُّوْنَ

عیدالفطر: جس دن تم روزے ختم کرو اور عیدالاضحیٰ: جس دن تم قربانی کرو

اگر کسی دینی کام میں مسلمانوں سے اجتماعی غلطی ہو جائے اور اس کی اصلاح ممکن نہ ہو تو وہ معاف ہے، مثلاً رمضان شروع کرنے میں غلطی ہوگئی کسی دیندار شخص کی خبر سے رمضان شروع کر دیا گیا، بعد میں پتا چلا کہ اس کو چاند دیکھنے میں دھوکا لگا تھا اس لئے رمضان ایک دن پہلے شروع کر دیا گیا تو یہ غلطی معاف ہے، یا رمضان کے ختم پر ایسی غلطی ہوئی اور

ایک دن پہلے یا بعد میں رمضان ختم کیا گیا، یا حج میں ایسی غلطی ہوئی: ذوالحجہ کا چاند تیس کا مانا گیا پھر حج گذر جانے کے بعد معلوم ہوا کہ ذوالحجہ کا چاند انتیس کا ہوا تھا اور وقوف عرفہ دس ذی الحجہ میں ہوا ہے تو یہ غلطی معاف ہے، سب کا حج ہوگیا۔

غرض اگر مسلمانوں سے اجتماعی غلطی ہو جائے اور اصلاح ممکن ہو تو اصلاح کی جائے گی اور اگر غلطی کی اصلاح ممکن نہ ہو تو وہ غلطی معاف ہے، جیسے سعودیہ میں چاند کا نظام جن ہاتھوں میں ہے ان کی دلچسپی اس سے ہے کہ حج صحیح تاریخوں میں نہ ہو۔ اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ مسلمانوں کے حج کا کیا ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس دن بھی مسلمان حج کرتے ہیں ان کا حج صحیح ہوتا ہے، کیونکہ یہ اجتماعی غلطی ہے جو معاف ہے ـــــ باب میں جو حدیث ہے اس میں تین چیزوں کا ذکر ہے: شروع رمضان کا، آخر رمضان کا اور عیدالاضحیٰ کا، حج کا ذکر نہیں، مگر چونکہ حج ذوالحجہ میں ہوتا ہے اس لئے عیدالاضحیٰ کے مسئلہ میں ضمناً حج کا حکم بھی آجاتا ہے۔

[۱۱] باب ماجاء أن الفطر يومَ تُفْطِرُوْنَ وَالأَضحى يومَ تُضَحُّوْنَ

[۶۹۰-] حدثنا محمدُ بنُ إسماعيلَ، نا إبراهيمُ بنُ المُنْذِرِ، نا إسحاقُ بنُ جَعْفَرِ بنِ محمدٍ، قال: حدَّثَنِيْ عبدُ الله بنُ جَعْفَرٍ، عن عثمانَ بنِ محمدٍ، عن المَقْبُرِيِّ، عن أبى هريرةَ، أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال: "الصَّوْمُ يَوْمَ تَصُوْمُوْنَ، وَالفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُوْنَ، وَالأَضْحى يَوْمَ تُضَحُّوْنَ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ حسنٌ، وفَسَّرَ بعضُ أهلِ العلمِ هذا الحديثَ فقال: إِنَّمَا مَعْنَى هذا: الصَّوْمُ وَالْفِطْرُ مع الجَمَاعَةِ وعُظْمِ النَّاسِ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "روزہ جس دن تم روزہ رکھو، اور عیدالفطر: جس دن تم عیدالفطر مناؤ، اور عیدالاضحیٰ: جس دن تم قربانی کرو"

یہ حدیث غریب حسن ہے۔ اور بعض علماء نے اس حدیث کی تفسیر کی ہے، فرماتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رمضان اور عیدالفطر جماعت اور سواد اعظم کے ساتھ ہے (یعنی جب سب مسلمان رمضان شروع کریں یا بند کریں، وہی دن رمضان کا آغاز یا اختتام ہے) ـــــ عُظْمُ الناس: عطف تفسیری ہے، عُظْمٌ: ای مُعْظَمُهم، واکثرُهم، وعامّتُهم۔

بابُ ماجاء إذا أَقْبَلَ اللَّيْلُ وأَدْبَرَ النَّهارُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ

جب رات آجائے اور دن پیٹھ پھیرے تو یقیناً افطار کا وقت ہوگیا

اقبال کے معنی ہیں: سامنے آنا، جیسے باب الظاہر سے کوئی شخص میری طرف آئے تو یہ اقبال ہے، اور ادبار کے معنی

ہیں: پیٹھ پھیرنا، یعنی میری طرف سے باب الظاہر کی طرف جانا ——— مغربی افق میں سورج جتنا نیچے جاتا ہے مشرقی افق میں اتنی ہی تاریکی ابھرتی ہے، یہ اقبال اللیل ہے اور سورج کا مغربی افق میں نیچے جانا ادبار النہار ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب رات آجائے اور دن پیٹھ پھیرے اور سورج چھپ جائے تو افطار کا وقت ہوگیا'' (فقد أفطرتَ کی تقدیر ہے: فقد دخلتَ فی وقت الإفطار)

پہلا مسئلہ: جہاں سورج واضح طور پر غروب ہوتا ہوا نظر نہ آتا ہو وہاں غروب کی متعدد علامتیں جمع کریں گے اور جب یقیناً غروب ہوجائے، تب افطار کریں گے۔ مدینہ منورہ میں مغرب کی جانب پہاڑ ہیں اور مشرق کی جانب میں بھی پہاڑ ہیں۔ وہاں سورج غروب ہوتے ہوئے نظر نہیں آتا، غروب سے آدھ گھنٹہ پہلے سورج پہاڑوں کی اوٹ میں چلا جاتا ہے، پس ایسی جگہوں میں غروب کی دوسری علامتیں بھی اس کے ساتھ ملانی ضروری ہیں۔ اس لئے نبی ﷺ نے صرف غابت الشمس فقد أفطرت نہیں فرمایا، بلکہ جو تاریکی مشرقی افق پر ابھرتی ہے اس علامت کو بھی غروب کے ساتھ ملایا۔

دوسرا مسئلہ: احتیاط کے طور پر افطار میں بہت زیادہ تاخیر کرنا مناسب نہیں۔ یہ بات شریعت کے منشا کے خلاف ہے۔ شریعت کا منشا یہ ہے کہ روزہ کے وقت میں جانبین سے کوئی زیادتی نہ کی جائے، چنانچہ صبح صادق کے بالکل قریب سحری ختم کرنا اور غروب کے بعد فوراً افطار کرلینا مسنون ہے۔

فائدہ: روزے میں حقیقۃً اضافہ نہیں ہوسکتا، روزہ بہر حال صبح صادق پر شروع ہوگا اور غروب پر ختم ہوجائے گا۔ مگر صورۃً اضافہ ہوتا ہے، آدمی نے صبح صادق سے دو گھنٹے پہلے سحری کرلی یا غروب کے ایک گھنٹہ کے بعد افطار کیا تو یہ صورۃً اضافہ ہے، اور فقد أفطرتَ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غروب کے بعد بغیر کھائے پیئے بھی افطار ہوگیا، افطار کھانے یا پینے کے بعد ہی ہوگا ورنہ بظاہر روزہ میں اضافہ ہوگا، آئندہ باب میں حدیث آرہی ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ افطار میں اور نماز میں تاخیر کرتے تھے، اور ابن مسعودؓ دونوں میں جلدی کرتے تھے، حضرت عائشہؓ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے ابن مسعود کے عمل کو سنت کے مطابق بتایا۔ اگر غروب پر خود بخود روزہ ختم ہوجاتا اور صورۃً بھی اضافہ نہ ہوتا تو دونوں صحابہ کے عمل میں کوئی فرق نہ ہوتا۔

[۱۲] باب ماجاء إذا أقبل الليل وأدبر النهارُ فقد أفطر الصائم

[۶۹۱-] حدثنا هارونُ بنُ إسحاق الهَمْدَانيُّ، نا عَبْدَةُ، عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عن أبيهِ، عن عَاصِمِ بنِ عُمرَ، عن عُمَرَ بنِ الخَطَّابِ، قال: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " إذا أَقْبَلَ اللَّيْلُ وأَدْبَرَ النَّارُ وَغَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرْتَ"

وفي الباب: عن ابنِ أبي أَوْفَى، وأبي سَعِيدٍ، قال أبو عيسى: حديثُ عُمرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی تَعْجِیْلِ الإفْطَارِ

افطار جلدی کرنے کا بیان

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''لوگ برابر خیر میں رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے''

تشریح: یہ حدیث ایک جزئیہ ہے، اس سے قاعدہ کلیہ یہ نکلے گا کہ احکام شرعیہ پر کماھی عمل کرنا ضروری ہے، اور جب تک لوگ افراط وتفریط میں مبتلا نہیں ہونگے، بلکہ صحیح دین پر عمل کرتے رہیں گے، بھلائی پر رہیں گے۔ اور احکام شرعیہ میں نہ حقیقتاً کمی بیشی کرنے کی اجازت ہے نہ صورۃً، ظہر کی تین یا پانچ رکعت پڑھنا حقیقتاً افراط وتفریط ہے اور روزہ میں اضافہ صرف صورۃً افراط ہے، اس کی بھی اجازت نہیں، کیونکہ جو شخص بظاہر افراط وتفریط کرتا ہے وہ حقیقی افراط وتفریط سے بھی باز نہیں آتا۔

حدیث (۲): حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''مجھے میرے بندوں میں وہ بندے زیادہ پسند ہیں جو افطار کرنے میں جلدی کرتے ہیں''

حدیث (۳): ابوعطیہ کہتے ہیں: میں اور مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گئے (یہ دونوں حضرات کوفہ سے آئے تھے) ہم نے کہا: اے ام المؤمنین! (کوفہ میں) نبی ﷺ کے اصحاب میں سے دو شخص ہیں ان میں سے ایک افطار میں جلدی کرتے ہیں اور نماز (مغرب) جلدی پڑھتے ہیں اور دوسرے صحابی افطار میں بھی تاخیر کرتے ہیں اور نماز میں بھی تاخیر کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: جو صاحب افطار اور نماز میں جلدی کرتے ہیں وہ کون ہیں؟ ہم نے بتایا: وہ ابن مسعودؓ ہیں تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا، اور دوسرے صاحب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔

تشریح: ابوموسیٰ اشعری اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں مقتدیٰ تھے، ابوموسیٰ کوفہ کے گورنر تھے اور قاعدہ ہے: الناس علی دین ملوکھم اور ابن مسعودؓ کوفہ کے معلّم، قاضی اور بیت المال کے ذمہ دار تھے، یعنی وہ بھی گورنر سے کم نہیں تھے، کوفہ کے تمام اہل علم کے استاذ تھے، اور طالب علموں پر استاذ کے اثرات پڑتے ہیں اس لئے ان حضرات نے دونوں کے عمل کے بارے میں دریافت کیا۔ اور ان دونوں بزرگوں کا عمل مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے مختلف تھا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کے مزاج میں ''احتیاط'' تھی اور ابن مسعودؓ کے مزاج میں ''کھراپن'' تھا، جیسے ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس سرہ حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلوی (شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور و والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب) کے یہاں رمضان میں مہمان ہوئے۔ مولانا یحییٰ صاحب نے پوچھا: حضرت! افطار میں کیا معمول ہے؟ حضرت تھانویؒ نے فرمایا: جب گھڑی سے افطار کا وقت ہوجاتا ہے تو تین منٹ شرح صدر کا

انتظار کرتا ہوں، پھر افطار کرتا ہوں۔ مولانا یحییٰ صاحب نے فرمایا: ''میرا معمول یہ ہے کہ افطار کا وقت ہوتے ہی بلا تاخیر افطار کرلیتا ہوں'' حضرت تھانوی نے کہا: ''آپ اپنے وقت پر افطار کریں، میں شرح صدر کے بعد کرونگا'' جب افطار کا وقت ہوا فوراً مولانا یحییٰ صاحب نے ہاتھ بڑھایا، سب احباب نے بھی شروع کردیا، حضرت تھانوی آدھا منٹ دیکھتے رہے، پھر انھوں نے بھی شروع کردیا اور فرمایا: ''میرے شرح صدر ہونے تک تو دسترخوان پر کچھ بھی نہیں بچے گا!'' ـــــ تراویح کے بعد مولانا یحییٰ صاحب نے دریافت کیا: حضرت! سحری کا کیا معمول ہے؟ مولانا تھانوی نے فرمایا: وقت ختم ہونے سے آدھ گھنٹہ پہلے فارغ ہوجاتا ہوں۔ مولانا یحییٰ صاحب نے فرمایا: میرا معمول ایسے وقت فارغ ہونے کا ہے کہ آدھے دن تک دغدغہ رہتا ہے کہ روزہ ہوا یا نہیں (یہ مبالغہ ہے) حضرت تھانوی نے فرمایا: اختلاف ٹھیک نہیں، مل کر ایک بات طے کریں، چنانچہ طے پایا کہ وقت ختم ہونے سے دس منٹ پہلے فارغ ہوجائیں گے ـــــ یہ واقعہ مزاجوں کے اختلاف کو سمجھنے میں مدد دے گا۔

[۱۳] باب ماجاء فی تعجیل الإفطار

[۶۹۲-] حدثنا بُنْدَارٌ، نا عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِیٍّ، عن سُفْیَانَ، عن أبی حَازِمٍ، ح: وأخبرنا أبو مُصْعَبٍ قِرَاءَ ةً عن مالِكِ بنِ أنسٍ، عن أبی حَازِمٍ، عن سَهْلِ بنِ سَعْدٍ، قال: قال رسولُ الله صلی الله علیه وسلم: '' لَایَزَالُ الناسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوْا الفِطْرَ''

وفی الباب: عن أبی هریرةَ، وابنِ عباسٍ، وعائشةَ، وأنسِ بنِ مالكٍ.

قال أبو عیسی: حدیثُ سَهْلِ بنِ سَعْدٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وهو الذی اختارَهُ أهلُ العلمِ مِنْ أصْحَابِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم وغیرِهم اسْتَحَبُّوْا تَعْجِیْلَ الْفِطْرِ، وبه یقولُ الشافعیُّ وأحمدُ وإسحاقُ.

[۶۹۳-] حدثنا إسحاقُ بنُ موسَی الأَنْصَارِیُّ، نا الولیدُ بنُ مُسْلِمٍ، عن الأَوْزَاعِیِّ، عن قُرَّةَ، عن الزُّهْرِیِّ، عن أبی سَلَمَةَ، عن أبی هریرةَ، قال: قال رسولُ الله صلی الله علیه وسلم: قال الله عَزَّوَجَلَّ: '' أَحَبُّ عِبَادِیْ إِلَیَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْراً''

حدثنا عبدُ اللّٰهِ بنُ عبدِ الرحمنِ، نا أبو عَاصِمٍ، وأبو الْمُغِیْرَةِ، عن الأَوْزَاعِیِّ نحوَهُ.

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ.

[۶۹۴-] حدثنا هنادٌ، نا أبو مُعَاوِیَةَ، عن الأَعْمَشِ، عن عُمَارَةَ بنِ عُمَیْرٍ، عن أبی عَطِیَّةَ، قال: دَخَلْتُ أَنَا وَمَسْرُوْقٌ علی عائشةَ، فَقُلْنَا: یا أُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ! رَجُلَانِ مِنْ أصحابِ محمدٍ صلی الله علیه وسلم، أَحَدُهُمَا یُعَجِّلُ الفِطْرَ ویُعَجِّلُ الصَّلَاةَ، والآخَرُ یُؤَخِّرُ الإفطَارَ وَیُؤَخِّرُ الصَّلَاةَ، قالتْ: أَیُّهُمَا یُعَجِّلُ الإِفْطَارَ ویُعَجِّلُ الصلاةَ؟ قلنا: عبدُ اللّٰهِ بنُ مَسْعُوْدٍ، قالتْ: هکذَا صَنَعَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه

وسلم، والآخَرُ أبو مُوسَى.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وأبوعطية: اسْمُهُ مَالِكُ بنُ أبي عَامِرٍ الْهَمْدَانِيُّ.
ويُقالُ: مالِكُ بنُ عَامِرٍ الهَمْدَانِيُّ، وهو أَصَحُّ.

بابُ ماجاء في تَأْخِيرِ السُّحُوْرِ

دیر سے سحری کھانے کا بیان

سَحور: (سین کے زبر کے ساتھ) کے معنی ہیں: سحری کا کھانا۔ اور سُحور (بالضم) کے معنی ہیں: سحری کھانا۔

حدیث: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (ایک سفر میں) ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر ہم (فجر کی) نماز کے لئے کھڑے ہوئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پوچھا: سحری کھانے اور نماز کے لئے کھڑے ہونے کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ انھوں نے فرمایا: پچاس آیتیں پڑھنے کے بقدر۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ صبح صادق کے قریب سحری کرتے تھے، اور یہی مستحب ہے، پچاس آیتیں پاؤپارہ ہوتی ہیں، سحری سے فارغ ہوکر جب صبح ہوگی تو اذان ہوگی، اور سنتیں پڑھیں گے، پھر نماز شروع ہوجائے گی۔

[۱٤] باب ماجاء في تأخير السحور

[٦٩٥-] حدثنا يَحْيَى بنُ موسىٰ، نا أبو داودَ الطيالِسِيُّ، نا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ، عن قَتَادَةَ، عن أنسٍ، عن زَيْدِ بنِ ثَابِتٍ قال: تَسَحَّرْنَا مع رسولِ الله صلى الله عليه وسلم ثُمَّ قُمْنَا إِلَى الصَّلَاةِ قال: قُلْتُ: كَمْ كانَ قَدْرُ ذاكَ؟ قال: قَدْرُ خَمْسِيْنَ آيَةً.

حدثنا هَنَّادٌ، نا وكيعٌ، عن هِشَامٍ بِنَحْوِهِ إِلَّا أنهُ قال: قَدْرُ قِرَاءَةِ خَمْسِيْنَ آيَةً.

وفي الباب: عن حُذَيْفَةَ. قال أبو عيسى: حديثُ زَيْدِ بنِ ثَابِتٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وبه يقولُ الشافعيُّ وأحمدُ وإسحاقُ: اسْتَحَبُّوْا تأْخيرَ السُّحُوْرِ.

نوٹ: ہناد کی روایت میں لفظ قراءۃ کی زیادتی ہے اور مسئلہ باب اجماعی ہے۔

بابُ ماجاءَ في بَيَانِ الفَجْرِ

من الفجر سے کونسی فجر مراد ہے؟

سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۷ میں ہے: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ

مِنَ الْفَجْرِ﴾ یعنی کھاؤ پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے صبح کی سفید دھاری سیاہ داری سے جدا ہو جائے۔ اس آیت سے اگر چہ بات واضح ہوگئی مگر اتنی واضح نہیں ہوئی کہ سب لوگ از خود سمجھ جائیں، چنانچہ بخاری (حدیث ۴۵۰۹) میں یہ واقعہ ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اپنے تکیے کے نیچے دو دھاگے: ایک کالا اور ایک سفید رکھ لیا، جب انھوں نے یہ بات نبی ﷺ کو بتلائی تو آپؐ نے فرمایا: تمہارا تکیہ بڑا چوڑا ہے اور ان کو آیت کا مطلب سمجھایا، معلوم ہوا کہ صبح کا بیان اتنا واضح نہیں کہ ہر کوئی اس کو سمجھ لے، غلط فہمی ہو سکتی تھی اس لئے حدیثوں میں اس مسئلہ کو واضح کیا گیا۔ جب حدیث کو آیت کے ساتھ ملائیں گے تو بات بے غبار ہو جائے گی اور کوئی اشتباہ باقی نہیں رہے گا۔

اور حدیث کا حاصل یہ ہے کہ من الفجر سے صبح صادق مراد ہے، صبح کاذب مراد نہیں ——— صبح صادق سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے مشرقی افق پر ایک روشنی نمودار ہوتی ہے مگر افق سیاہ ہوتا ہے، یہ روشنی السَّاطِعُ المُصْعِدُ ہے، ساطع کے معنی ہیں: لمبی ہونے والی، اور المصعد کے معنی ہیں: چڑھنے والی۔ یعنی وہ روشنی جو افق سے اوپر دراز ہوتی ہے، اس کا نام صبح کاذب ہے، اس میں دو دھاریاں نہیں ہوتیں، پھر یہ روشنی آہستہ آہستہ ماند پڑ جاتی ہے اور بالکل ختم ہو جاتی ہے پھر تقریباً دس منٹ کے بعد مشرقی افق پر ایک لال دھاری چوڑائی میں نمودار ہوتی ہے جو بتدریج اوپر کی طرف بڑھتی ہے۔ یہ لال دھاری سفید تاگا ہے، اور اس سے اوپر جو تاریکی ہے وہ کالا تاگا ہے، یہ صبح صادق ہے۔ آیت میں یہی مراد ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب صبح کا سفید تاگا رات کے کالے تاگے سے الگ محسوس ہونے لگے یعنی یقینی طور پر صبح ہو جائے تو کھانا پینا بند کر دو۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھاؤ اور پیو اور نہ برانگیختہ کرے تمہیں چمکنے والی چڑھنے والی صبح (یعنی وہ روشنی جو افق سے اوپر ہوتی ہے) یہاں تک کہ ظاہر ہو تمہارے لئے سرخ لکیر۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صبح کاذب رات کا حصہ ہے اس وقت کھانا پینا جائز ہے۔ البتہ صبح صادق کے بعد اکل و شرب منع ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے بلالؓ کی اذان اور نہ لمبی فجر، مگر وہ فجر جو افق میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے''

تشریح: اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ صبح کاذب کے بعد کھانا پینا جائز ہے اور صبح صادق پر کھانا پینا بند کر دینا ضروری ہے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہلے فجر کی اذان دیا کرتے تھے اور ابن ام مکتوم سحری کے وقت اذان دیتے تھے، بعد میں ڈیوٹیاں بدل گئی تھیں، آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں اس کی اطلاع دی ہے کہ آئندہ حضرت بلالؓ سحری کے وقت اذان دیا کریں گے، پس ان کی اذان سن کر کھانا پینا بند نہ کرو۔ تفصیل کتاب الصلوٰۃ باب ۳۶ میں گذر چکی ہے۔ (دیکھیں تحفہ ۱: ۵۲۱)

[۱۵] باب ماجاء فی بیان الفجر

[۶۹۶-] حدثنا هَنَّادٌ، نا مُلَازِمُ بنُ عَمْرٍو، قال حَدَّثنی عبدُ اللّٰهِ بنُ النُّعْمَانِ، عن قَیْسِ بنِ طَلْقِ بنِ علیٍّ، قال حدَّثنی أبی طَلْقُ بنُ علیٍّ، أنَّ رسولَ الله صلی الله علیه وسلم قال: "کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَایَهِیْدَنَّکُمُ السَّاطِعُ الْمُصْعِدُ، وکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَعْتَرِضَ لَکُمُ الْأَحْمَرُ"

وفی الباب: عن عَدِیِّ بنِ حاتِمٍ، وأبی ذَرٍّ، وسَمُرَةَ. قال أبو عیسی: حدیثُ طَلْقِ بْنِ علیٍّ حدیثٌ حسنٌ غریبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

وَالْعَمَلُ علی هذا عندَ أهلِ العلمِ أنه لایَحْرُمُ علی الصَّائِمِ الْأَکْلُ والشُّرْبُ حتی یکونَ الفَجْرُ الْأَحْمَرُ الْمُعْتَرِضُ، وبه یقولُ عَامَّةُ أهلِ العلمِ.

[۶۹۷-] حدثنا هنادٌ، ویُوسُفُ بنُ عیسی، قالا: نا وَکِیْعٌ، عن أبی هِلَالٍ، عن سَوَادَةَ بنِ حَنْظَلَةَ، عَنْ سَمُرَةَ بنِ جُنْدُبٍ، قال: قالَ رسولُ الله صلی الله علیه وسلم: "لَایَمْنَعَنَّکُمْ مِنْ سُحُوْرِکُمْ أَذَانُ بِلَالٍ، وَلا الفَجْرُ الْمُسْتَطِیْلُ، ولٰکِنَّ الفَجْرَ الْمُسْتَطِیْرَ فی الْأُفُقِ"

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے: روزہ دار پر کھانا پینا حرام نہیں ہوتا جب تک سرخ فجر جو چوڑائی میں ظاہر ہوتی ہے نمودار نہ ہو۔ اور اکثر علماء یہی بات کہتے ہیں (یعنی یہ مسئلہ اجماعی ہے)

لغت: هَادَهُ یَهِیْدُه هَیْداً: گھبراہٹ میں ڈالنا، برانگیختہ کرنا۔

بابُ ماجاء فی التَّشْدِیْدِ فی الغِیْبَةِ لِلصَّائِمِ

روزہ دار کے لئے غیبت کرنے کی سخت ممانعت ہے

کسی نے سب سے پہلے اس حدیث پر غیبت کا باب باندھا ہے، بعد میں محدثین اس پر یہی باب باندھنے لگے، ورنہ حدیث غیبت کے ساتھ خاص نہیں۔ حدیث میں قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے، غیبت اس کے تحت آتی ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص (روزے میں) جھوٹ اور دھوکا دہی نہ چھوڑے: اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں"

تشریح: جس کلام کی نسبت کلامیہ نسبت واقعیہ کے مطابق نہ ہو وہ کذب (جھوٹا کلام) ہے اور جھوٹی بات کو قسم یا کسی اور مؤکد کے ذریعہ مدلل کرنا "زور" ہے۔ زَوَّرَ الشیئَ کے معنی ہیں: مزین کرنا، پس قولِ زور کے معنی ہیں:

جھوٹی بات کو مدلل اور مزین کر کے پیش کرنا۔ بالفاظ دیگر: اگر بات سو فیصد یا اس سے کم جھوٹ ہو تو وہ کذب ہے اور سو فیصد سے زیادہ جھوٹی ہو تو وہ قولِ زور ہے۔ اور عمل بالزور کے معنی ہیں: دھوکا دینا، مثلاً گاہک کو پھنسانے کے لئے دوسرا شخص زیادہ قیمت پر خریدنے کی بات کرے تو یہ عمل بالزور ہے۔

اور غیبت کے معنی ہیں: وصفُ الرجلِ فی غَیْبَتِه بما یَکرہُ إذا سَمِعَه: کسی آدمی کے متعلق اس کی عدم موجودگی میں ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سنے تو ناراض ہو۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر وہ بات واقعی ہو؟ آپؐ نے فرمایا: جبھی غیبت ہے ورنہ بہتان ہے (مشکوۃ حدیث ۴۸۲۸) غرض غیبت سچی بات ہوتی ہے وہ قول زور کے تحت نہیں آتی، مگر چونکہ جس کی غیبت کی گئی ہے اس کو تکلیف پہنچتی ہے اور قول زور اور عمل بالزور کا نتیجہ بھی یہی ہے اس لئے محدثین نے حدیث کو عام کیا ہے اور غیبت کو قول زور اور عمل بالزور کے دائرہ میں لیا ہے۔ بالفاظ دیگر: قول زور اور عمل بالزور حرام ہیں اور غیبت بھی حرام ہے اس لئے وہ بھی قولِ زور کے حکم میں ہے۔

قولہ: فلیس للہ حاجةٌ کے تحت دو باتیں سمجھ لی جائیں:

پہلی بات: روزہ: کھانا پینا اور صحبت چھوڑنے کا نام ہے اور یہ تینوں کام مباح ہیں، پس جب روزہ دار اللہ کی خوشنودی کے لئے مباح چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے تو اس کو ممنوعات شرعیہ سے بدرجۂ اولیٰ احتراز کرنا چاہئے، جیسے نبی ﷺ نے فرمایا: المهاجر مَن هَجَرَ مانَهَی اللهُ عنه یعنی جو ممنوعاتِ شرعیہ کو ترک کرتا ہے وہی حقیقی مہاجر ہے، صرف وطن چھوڑ کر مدینہ آجانا کوئی معنی نہیں رکھتا، اسی طرح جو روزے میں ممنوعاتِ شرعیہ سے بچتا ہے وہی حقیقی روزہ دار ہے۔

دوسری بات: فلیس للہ حاجة: اباحت کی تعبیر نہیں ہے یعنی جس کو جھوٹ بولنا ہے یا دھوکا دینا ہے وہ روزہ نہ رکھے: یہ مطلب نہیں ہے بلکہ یہ وعید ہے، جیسے کتاب الحج میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص گنجائش کے باوجود حج نہ کرے: اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ یہودی یا عیسائی ہو کر مرے! یہ یہودی یا عیسائی ہونے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ وعید ہے کہ جب اُسے احکام شرعیہ کا پاس نہیں تو اس کے مسلمان ہونے کا کیا حاصل ہے؟ ایسے ہی یہ بھی وعید ہے۔

[١٦] باب ماجاء فی التشديد فی الغيبة للصائم

[٦٩٨-] حدثنا أبو مُوسى محمدُ بنُ المُثَنّٰى، نا عُثْمَانُ بنُ عُمَرَ، أنا ابنُ أبی ذِئْبٍ، عن سَعيدٍ المَقْبُرِیِّ، عن أبيهِ، عن أبی هريرةَ، أنَّ النبیَّ صلى الله عليه وسلم قال: " مَنْ لَمْ يَدَعْ قولَ الزُّوْرِ والعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ للهِ حَاجَةٌ بِأَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ"

وفی الباب: عن أنسٍ، قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: سند میں عثمان بن عمر کے بعد عبارت اس طرح تھی کہ گویا تحویل ہے اور علامت تحویل لکھنے سے رہ گئی

ہے۔ معارف السنن میں بھی اسی طرح ہے، مگر مصری نسخہ میں انا ہے جو اخبرنا کا مخفف ہے یعنی سند مسلسل ہے تحویل نہیں ہے، اور یہی بات صحیح ہے، ابن ابی ذئب: امام ترمذی کے استاذ نہیں ہیں، اس لئے میں نے مصری نسخہ کے مطابق عبارت کردی ہے۔

بابُ ماجاء فی فضل السُّحور

سحری کھانے کا ثواب

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''سحری کھایا کرو، بیشک سحری کے کھانے میں یا سحری کھانے میں برکت ہے''

تشریح: سحری میں پیٹ بھر کر کھانا ضروری نہیں، مسند احمد میں روایت ہے: جس نے ایک لقمہ کھایا اس نے سحری کھائی، اور سنن سعید بن منصور میں روایت ہے: جس نے ایک گھونٹ پیا اس نے سحری کھائی، اور اس باب میں دوسری حدیث یہ ہے کہ: ''ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق: سحری کا ایک لقمہ ہے''

اور سحری کھانے میں برکت یہ ہے کہ دل نہیں دھڑکتا، جس نے کسی وجہ سے سحری نہیں کھائی اس کا دل دوپہر تک دھڑکتا رہتا ہے، اور زوال کے بعد سے مسلسل افطار کا انتظار رہتا ہے۔ نیز کھانا پینا روزے میں مددگار ہوتا ہے اور سحری کھانے سے مسلم اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان امتیاز ہوتا ہے۔ ابوداؤد (۱:۷۴ باب کیف الأذان) میں حدیث ہے کہ اہل کتاب کے یہاں رات میں سونے کے بعد اگلا روزہ شروع ہوجاتا ہے، اسلام میں بھی شروع میں یہی حکم تھا، بعد میں سورۂ بقرہ آیت ۱۸۷ سے یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ پس سحری کھانا ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان امتیاز ہے، نیز اس میں سنت کی اتباع، نشاط میں زیادتی، اور وقت استجابہ میں دعا کا موقع ملنا اور دیگر بہت سے فوائد ہیں۔

[۱۷] باب ماجاء فی فضل السُّحور

[۶۹۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا أبو عوانَةَ، عن قَتَادَةَ، وعبدِ العزيزِ بنِ صُهَيْبٍ، عن أنسِ بنِ مالكٍ، أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال: ''تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فی السُّحُوْرِ بَرَكَةً''

وفی الباب: عن أبی هريرةَ، وعبدِ الله بن مَسْعُوْدٍ، وجَابرِ بنِ عبدِ الله، وابنِ عباسٍ، وعَمْرِو بنِ العاصِ، والعِرْبَاضِ بنِ سَارِيَةَ، وعُتْبَةَ بنِ عَبْدٍ، وأبی الدَّرْدَاءِ. قال أبو عيسى: حديثُ أنسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۷۰۰-] ورُوِیَ عن النبیِّ صلى الله عليه وسلم أنَّهُ قال: '' فَصْلُ ما بَيْنَ صِيَامِنَا وصِيَامِ أهلِ الكِتَابِ أُكْلَةُ السَّحَرِ'' حدثنا بذلكَ قُتَيْبَةُ، نا اللَّيْثُ، عن موسى بنِ عُلَیٍّ، عن أبيهِ، عن أبی قَيْسٍ مَوْلَى عَمْرِو بنِ العَاصِ، عَنْ عَمْرِو بنِ العاصِ، عن النبیِّ صلى الله عليه وسلم بذلكَ. وهذا

حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

وأھلُ مِصْرَ یقُوْلُوْنَ: موسی بنُ عَلِیٍّ، وأھلُ العِراقِ یقُوْلُوْنَ: موسی بنُ عُلَیٍّ بنِ رَبَاحٍ اللَّخمِیِّ.

وضاحت: أَکلۃ (بفتح الہمزۃ) کے معنی ہیں: ایک لقمہ کھانا اور اُکلۃ (بالضم) کے معنی ہیں: ایک لقمہ ——— موسیٰ کے والد کا نام اہل مصر علی (مکبّر) لیتے ہیں، اور اہل عراق علی (مصغّر) لیتے ہیں (تہذیب) اور آگے موسیٰ کا یہ قول آرہا ہے کہ جو میرے والد کا نام بگاڑے گا یعنی مکبر کے بجائے مصغر نام لے گا میں اُسے معاف نہیں کروں گا۔ لیکن چونکہ ان کی پہچان تصغیر سے ہوگئی تھی اس لئے تصغیر استعمال کرنا مجبوری تھی۔

بابُ ماجاءَ فی کَرَاھِیَۃِ الصَّوْمِ فی السَّفَرِ

سفر میں روزہ رکھنے کی ناپسندیدگی

مذاہبِ فقہاء: تمام علماء متفق ہیں کہ سفر میں رمضان میں روزے نہ رکھنا جائز ہے، لیکن سفر میں رمضان کے روزے رکھنا اولیٰ ہے یا نہ رکھنا؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سفر میں روزے نہ رکھنا اولیٰ ہے اور باقی تینوں فقہاء کے نزدیک اگر روزہ رکھنے میں غیر معمولی مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا اولیٰ ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد روایات اور تطبیق کا اختلاف ہے۔

حدیث: آنحضور ﷺ فتح مکہ کے لئے دس رمضان کو مدینہ منورہ سے نکلے تھے اور آپؐ اور صحابہ روزہ رکھ کر سفر کر رہے تھے، کُراع الغمیم جو مکہ کے قریب ایک موضع ہے جب وہاں لشکر پہنچا تو سرداروں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ روزے رکھتے ہیں اور آپؐ کی پیروی میں فوج روزہ رکھتی ہے، اور اب مکہ قریب آگیا ہے، کسی بھی وقت جنگ ہوسکتی ہے، اب مصلحت یہ ہے کہ فوج روزے بند کردے، کھائے پیئے تاکہ کچھ طاقت آئے۔ نبی ﷺ نے عصر کے بعد پانی منگوایا اور سب کے سامنے نوش فرمایا، یا تو روزہ توڑ دیا یا ممکن ہے آپ نے اس دن روزہ رکھا ہی نہ ہو، اور پانی پی کر روزہ دار نہ ہونا ظاہر کیا ہو، دونوں احتمال ہیں۔ اس کے بعد صحابہ نے عام طور پر روزے بند کردیئے مگر بعض نے پھر بھی روزہ رکھا۔ جب یہ بات آپؐ کے علم میں آئی تو آپؐ نے فرمایا: ''وہی لوگ نافرمان ہیں'' یہ کلمات سخت ڈانٹ تھے، چنانچہ سب نے روزے بند کردیئے۔

اس حدیث سے آنحضور ﷺ کا سفر میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں باتیں ثابت ہیں۔ جمہور نے ابتدائی حالت کا اعتبار کیا، اور فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا اولیٰ ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے آخری حالت کا اعتبار کیا اور سفر میں روزہ نہ رکھنے کو اولیٰ قرار دیا۔

مگر امام احمدؒ کے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ چونکہ جنگ درپیش تھی اس لئے روزے بند کئے گئے تھے، ورنہ

آپؐ اور صحابہ روزے رکھتے ہوئے سفر کر رہے تھے (مجمع الزوائد ۳: ۱۸۵، بخاری حدیث ۱۹۴۵ اور ۱۹۴۷)

امام احمدؒ کی دوسری دلیل متفق علیہ حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں'' مگر اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد ایک خاص واقعہ میں فرمایا تھا، ایک سفر میں کچھ لوگوں نے روزے رکھے اور وہ اتنے نڈھال ہوگئے کہ اپنے جانوروں کا گھاس چارہ بھی نہ کرسکے اس موقع پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا (تفصیل طحاوی ۱: ۲۸۱ باب الصیام فی السفر میں ہے، متفق علیہ مشکوٰۃ حدیث ۲۰۲۲)

غرض اس حدیث کا محمل وہ صورت ہے جبکہ روزہ رکھنے سے ناقابل برداشت مشقت لاحق ہو، اور حدیث کی یہ تاویل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ نبی ﷺ نے اور صحابہ نے سفر میں روزے رکھے ہیں اگر یہ تاویل نہیں کریں گے تو آپؐ کے اور صحابہ کے عمل کو غیر افضل قرار دینا ہوگا، اور اس کی جرأت کون کرسکتا ہے؟

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ دونوں ارشاد اس شخص کے بارے میں ہیں جس کا دل شریعت کی دی ہوئی رخصت (سہولت) پر مطمئن نہ ہو۔ اس کے لئے سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں اور وہ نافرمان ہے، رہا وہ شخص جو رخصت کو قبول کرتا ہے اور اس کا دل مطمئن ہے اور وہ طاقت ور ہے، پس اس کے لئے روزہ رکھنا اولیٰ ہے۔

اور جمہور کی دلیل آئندہ باب کی حدیث ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تھے، بعض لوگ روزہ رکھتے تھے اور بعض نہیں رکھتے تھے، اور روزہ رکھنے والے روزہ نہ رکھنے والوں پر، اور نہ رکھنے والے رکھنے والوں پر غصہ نہیں ہوتے تھے۔ اور صحابہ یہ سمجھتے تھے کہ جس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہے اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے اور جس میں طاقت نہیں اس کے لئے روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور مسئلہ باب میں فیصلہ کن ہے۔

اب دو مسئلے سمجھ لینے چاہئیں:

پہلا مسئلہ: چاروں ائمہ متفق ہیں کہ جب تک سفر شروع نہیں کیا افطار کی رخصت حاصل نہیں، مثلاً: ایک آدمی کو دس بجے سفر شروع کرنا ہے پس وہ صبح سے روزہ نہ رکھے یہ جائز نہیں۔ اور سفر شروع کرنے کے بعد روزہ توڑنے کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک توڑنا جائز ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں، لیکن اگر کوئی توڑ دے تو بالاتفاق صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ سفر شروع ہوجانے کے بعد رخصت حاصل ہوجاتی ہے اس لئے شبہ پیدا ہوا پس کفارہ واجب نہیں۔

دوسرا مسئلہ: رمضان کا جو روزہ دورانِ سفر رکھا گیا ہو اس کو توڑ سکتے ہیں یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ جواز کے قائل ہیں اور احناف عدم جواز کے، لیکن توڑ دینے کی صورت میں بالاتفاق صرف قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے دورانِ سفر رکھا ہوا روزہ توڑ دیا تھا۔ پس

جواز ثابت ہوا، اور احناف نے اس حدیث کے تین جواب دیئے ہیں۔

۱- نبی ﷺ کا اس دن روزہ تھا اس کی کوئی دلیل نہیں، ممکن ہے آپؐ نے اس دن روزہ رکھا ہی نہ ہو، اور پانی پی کر روزہ نہ ہونا ظاہر کیا ہو۔

۲- فوج کے احکام الگ ہیں، وہ دورانِ سفر رکھا ہوا روزہ بھی توڑ سکتے ہیں (عالمگیری ۱:۲۰۸ الباب الخامس فی الأعذار إلخ)

۳- نبی ﷺ تشریع کے لئے کبھی مکروہ تنزیہی کام بھی کرتے تھے۔ اور وہ آپؐ کے حق میں مکروہ نہیں ہوتا تھا، پس احتمال ہے کہ آپؐ کا روزہ توڑنا تشریع کے لئے ہو۔

[۱۸] باب ماجاء فی کراهیة الصوم فی السفر

[۷۰۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثنا عبدُ العزيزِ بنُ محمدٍ، عن جَعْفَرِ بنِ محمدٍ، عن أبيهِ، عن جَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ، أنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ، فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ كُرَاعَ الغَمِيْمِ، وصَامَ النَّاسُ مَعَهُ، فقيلَ لَهُ: إِنَّ النَّاسَ قَدْ شَقَّ عَلَيْهِمُ الصِّيَامُ، وإِنَّ النَّاسَ يَنْظُرُوْنَ فِيمَا فَعَلْتَ، فَدَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ بَعْدَ العَصْرِ، فَشَرِبَ وَالنَّاسُ يَنْظُرُوْنَ إِلَيْهِ، فَأَفْطَرَ بَعْضُهُمْ وَصَامَ بَعْضُهُمْ، فَبَلَغَهُ أَنَّ نَاسًا صَامُوْا، فقال: " أُوْلَئِكَ العُصَاةُ"

وفی الباب: عن كَعْبِ بنِ عَاصِمٍ، وابنِ عباسٍ، وأبی هريرةَ، قال أبو عيسى: حديثُ جابرٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۷۰۲-] وَقَدْ رُوِيَ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم أنَّهُ قال: " لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِيْ السَّفَرِ"

واخْتَلَفَ أهلُ العلمِ فی الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ، فرأَى بَعْضُ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ أَنَّ الفِطْرَ فِيْ السَّفَرِ أَفْضَلُ، حَتَّى رَأَى بَعْضُهُمْ عَلَيْهِ الإِعَادَةَ إِذَا صَامَ فِيْ السَّفَرِ، واخْتَارَ أحمدُ وإسحاقُ الفِطْرَ فی السَّفَرِ.

وقَالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: إِنْ وَجَدَ قُوَّةً فَصَامَ فَحَسَنٌ، وَهُوَ أَفْضَلُ، وإِنْ أَفْطَرَ فَحَسَنٌ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بنِ أنسٍ وعبدِ اللّٰهِ بنِ المبارك.

وقال الشافعیُّ: إِنَّمَا مَعْنَى قولِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: " لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِيْ السَّفَرِ" وقولِهِ حِيْنَ بَلَغَهُ أَنَّ نَاسًا صَامُوْا، فقال: " أُوْلَئِكَ العُصَاةُ" فَوَجْهُ هذا إِذَا لَمْ يَحْتَمِلْ قَلْبُهُ قَبُوْلَ رُخْصَةِ اللّٰهِ تعالیٰ، فَأَمَّا مَنْ رَأَى الفِطْرَ مُبَاحًا وصَامَ وقَوِيَ على ذلك فَهُوَ أَعْجَبُ إِلَيَّ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ کی طرف نکلے تو آپؐ نے روزہ رکھا، یہاں تک کہ آپؐ کراع الغمیم تک پہنچے، اور آپؐ کے ساتھ لوگوں نے روزہ رکھا، پس آپؐ سے کہا گیا: بیشک لوگوں پر روزہ رکھنا دشوار ہوگیا ہے اور لوگ آپؐ کا عمل دیکھتے ہیں۔ یعنی آپ کی اتباع میں روزے رکھتے ہیں، پس آپؐ نے عصر کے بعد پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور نوش فرمایا، درانحالیکہ لوگ آپؐ کو دیکھ رہے تھے۔ پس (اگلے دن) بعض لوگوں نے روزہ نہیں رکھا اور بعض نے روزہ رکھا۔ پس آپ کو یہ بات پہنچی کہ کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہے تو آپؐ نے فرمایا: ''وہی لوگ نافرمان ہیں''

(حدیث ۷۰۲) اور نبی ﷺ سے روایت کیا گیا کہ آپؐ نے فرمایا: ''سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں (یہ حدیث متفق علیہ ہے امام ترمذیؒ نے اس کی سند پیش نہیں کی)

اور علماء کا سفر میں روزہ رکھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، صحابہ اور بعد کے بعض علماء کہتے ہیں: سفر میں روزہ نہ رکھنا اولیٰ ہے، یہاں تک کہ بعض علماء (اہل ظاہر) کہتے ہیں کہ اس پر اس روزہ کی قضا ہے جو سفر میں رکھا گیا ہے۔ اور احمد اور اسحاق نے سفر میں روزہ نہ رکھنے کو پسند کیا ہے، یعنی وہ اعادہ کے قائل نہیں، اور صحابہ اور ان کے علاوہ بعض علماء کہتے ہیں: اگر طاقت ہو اور اس نے روزہ رکھا تو اچھا ہے اور یہ افضل ہے، اور اگر روزہ نہ رکھا تو بھی اچھا ہے اور یہ ثوری مالک اور ابن المبارک کا قول ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد: لیس من البر الصیام فی السفر اور آپؐ کا ارشاد جب آپؐ کو یہ بات پہنچی کہ بعض لوگوں نے روزہ رکھا ہے تو آپؐ نے فرمایا: أُولٰئِكَ العُصَاة ان دونوں حدیثوں کا مصداق وہ صورت ہے جب آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سہولت قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو، رہا وہ شخص جو سفر میں افطار کو جائز سمجھتا ہو اور اس نے روزہ رکھا اور اُسے روزہ رکھنے کی طاقت بھی ہے تو یہ بات مجھے زیادہ پسند ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الرُّخْصَةِ فِی الصَّوْمِ فِی السَّفَرِ

سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے

یہ گذشتہ باب کا مقابل باب ہے اور اس باب میں تین حدیثیں ہیں:

حدیث (۱): حمزۃ بن عمرو اسلمیؓ نے نبی ﷺ سے سفر میں روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا، وہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر آپ چاہیں تو روزہ رکھیں اور اگر چاہیں تو نہ رکھیں''

تشریح: حمزۃ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ صائم الدہر تھے پس ممکن ہے انھوں نے نفل روزوں کے بارے میں پوچھا ہو اس لئے یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ کے مقابل پیش نہیں کی جاسکتی۔

حدیث (۲): ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں سفر

کرتے تھے، پس روزہ داروں پر روزہ رکھنے کی وجہ سے اور روزہ نہ رکھنے والوں پر روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے خردہ گیری نہیں کی جاتی تھی (یعنی ہر فریق کے عمل کو صحیح تصور کیا جاتا تھا)

حدیث (۳): ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تھے، پس ہم میں سے بعض روزہ رکھتے تھے اور بعض روزہ نہیں رکھتے تھے۔ پس نہ مفطر: صائم پر غصہ ہوتا تھا اور نہ صائم: مفطر پر (وَجَدَ کے صلہ میں جب علی آتا ہے تو غصہ کرنے کے معنی ہوتے ہیں) اور صحابہ کہتے تھے کہ جو روزہ کی طاقت رکھتا ہے اور وہ روزہ رکھے تو وہ اچھا کرتا ہے اور جو طاقت نہیں رکھتا اور وہ روزہ نہ رکھے تو وہ اچھا کرتا ہے۔

تشریح: مذکورہ دونوں حدیثیں اہل ظاہر (جو سفر میں روزہ کے عدم جواز کے قائل ہیں) کے خلاف حجت ہیں اور تیسری حدیث مسئلہ باب میں فیصلہ کن ہے کہ اگر سفر میں روزہ رکھنے میں غیر معمولی مشقت ہو تو روزہ نہ رکھنا اولیٰ ہے، بصورت دیگر رکھنا اولیٰ ہے۔

[۱۹] باب ماجاء فی الرخصة فی الصوم فی السفر

[۷۰۳-] حدثنا هارونُ بنُ إسحاقَ الهَمْدَانِيُّ، نا عَبْدَةُ بنُ سُلَيْمَانَ، عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ حَمْزَةَ بنَ عَمْرٍو الأَسْلَمِيَّ. سَأَلَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الصَّوْمِ فی السَّفَرِ، وكَانَ يَسْرُدُ الصَّوْمَ، فقالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ"

وفی الباب: عن أنسِ بنِ مالكٍ، وأبی سعيدٍ، وعبدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، وعبدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وأبی الدَّرْدَاءِ، وحَمْزَةَ بنِ عَمْرٍو الأَسْلَمِيِّ.

قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ أَنَّ حَمْزَةَ بنَ عَمْرٍو الأَسْلَمِيَّ سَأَلَ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۷۰۴-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، نا بِشْرُ بنُ الْمُفَضَّلِ، عن سَعِيْدِ بنِ يَزِيْدَ أَبِی مَسْلَمَةَ، عن أَبِی نَضْرَةَ، عَنْ أَبِی سَعِيْدٍ، قال: كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فی شَهْرِ رَمَضَانَ، فَمَا يُعَابُ عَلَى الصَّائِمِ صَوْمُهُ، وَلاَ عَلَى الْمُفْطِرِ فِطْرُهُ.

[۷۰۵-] حدثنا نَصْرُ بنُ عليٍّ، نا يزيدُ بنُ زُرَيْعٍ، نَا الجُرَيْرِيُّ، ح: ونا سفيانُ بنُ وَكِيْعٍ، نا عبدُ الأَعْلَى، عَنِ الجُرَيْرِيِّ، عن أبی نَضْرَةَ، عن أبی سَعِيْدٍ الخُدْرِيِّ، قال: كُنَّا نُسَافِرُ مع رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَمِنَّا الصَّائِمُ، وَمِنَّا المُفْطِرُ، فَلاَ يَجِدُ الْمُفْطِرُ على الصَّائِمِ، وَلاَ الصَّائِمُ على المُفْطِرِ، وكَانُوْا يَرَوْنَ أَنَّهُ مَنْ وَجَدَ قُوَّةً فَصَامَ فَحَسَنٌ، ومَنْ وَجَدَ ضَعْفًا فَأَفْطَرَ فَحَسَنٌ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فی الرُّخصَةِ لِلْمُحَارِبِ فی الإِفْطَارِ

فوج کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

پہلے یہ مسئلہ ضمناً آیا ہے کہ مجاہدین کے لئے جنگ کے دوران یا جنگ قریب آنے کی صورت میں: رمضان کا رکھا ہوا روزہ بھی توڑ دینا جائز ہے، پس نہ رکھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

حدیث: معمر بن ابی حُیَیَّہ نے سعید بن المسیبؒ سے سفر میں روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان میں دو غزوے کئے ہیں: غزوۂ بدر اور فتح مکہ، پس ہم نے ان میں روزے نہیں رکھے تھے۔

تشریح: فتح مکہ کے سفر میں نبی ﷺ اور صحابہ نے کراع الغمیم تک روزے رکھے تھے اور حضرت عمرؓ روزہ نہ رکھنے کی بات کہہ رہے ہیں، اس تعارض کے دو حل ہیں: (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد آخری حالت کے اعتبار سے ہے، یعنی جب جنگ قریب آگئی تو روزے بند کر دیئے گئے تھے (۲) گذشتہ حدیث اعلیٰ درجہ کی ہے اور یہ حدیث اس کے برابر نہیں، اس لئے کہ معمر کچھ زیادہ اچھا راوی نہیں، کتب ستہ میں اس کی یہی ایک روایت ہے۔ علاوہ ازیں اس کی سند میں ابن لہیعہ مشہور ضعیف راوی ہے، پس تعارض ختم ہو گیا، کیونکہ اصح مافی الباب کا اعتبار ہوتا ہے۔

[۲۰] باب ماجاء فی الرخصة لِلْمُحَارِبِ فی الإفطار

[۷۰٦-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا ابنُ لَهِيْعَةَ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِيْ حَبِيْبٍ، عَنْ مَعْمَرِ بنِ أَبِيْ حُيَيَّةَ، عن ابنِ المُسَيَّبِ، أَنَّهُ سَأَلَهُ عن الصَّوْمِ فِيْ السَّفَرِ؟ فَحَدَّثَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قال: غَزَوْنَا مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ رَمَضَانَ غَزْوَتَيْنِ: يَوْمَ بَدْرٍ وَالْفَتْحِ، فَأَفْطَرْنَا فِيْهِمَا.

وفي الباب: عن أبي سعيدٍ، قال أبو عيسى: حديثُ عُمَرَ لَانَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

وقَدْ رُوِيَ عن أبي سَعِيْدٍ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ أَمَرَ بِالْفِطْرِ فِيْ غَزْوَةٍ غَزَاهَا، وقَدْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ نَحْوُ هٰذَا: أَنَّهُ رَخَّصَ فِي الإِفْطَارِ عِنْدَ لِقَاءِ الْعَدُوِّ، وبِهِ يقولُ بعضُ أهلِ العلمِ.

ترجمہ: ہم اس حدیث کو نہیں جانتے، مگر اس طریق سے (اور یہ سند ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے) اور ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ایک غزوہ میں روزہ نہ رکھنے کا حکم دیا (یہ حدیث مختصر ہے اور مسلم میں ہے) اور حضرت عمرؓ سے اس کے مانند مروی ہے کہ آپؐ نے جنگ کے وقت افطار کی اجازت دی اور بعض علماء اسی کے قائل ہیں۔

بابُ ماجاء فی الرُّخصَۃِ فی الإفطَارِ لِلْحُبلٰی وَالْمُرْضِعِ

حاملہ اوردودھ پلانے والی عورت کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت

سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۵ میں دوشخصوں کے لئے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت آئی ہے، ایک: مسافر کے لئے، دوم: مریض کے لئے۔ اور وہ عورت جو حمل سے ہو یا ایسے بچہ کو دودھ پلا رہی ہو جو ماں کے دودھ پر اکتفا کرتا ہے، باہر کی غذا نہیں لیتا، وہ مریض کے ساتھ لاحق ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اگر حاملہ اور مرضعہ کو روزہ رکھنے میں اپنی ذات پر خطرہ ہے تو وہ بالاجماع مریض کے حکم میں ہیں۔ وہ افطار کریں اور ان پر صرف قضا ہے۔ اور اگر ان کو اپنی ذات پر کوئی خطرہ نہ ہو، بلکہ حاملہ کو پیٹ کے بچہ پر خطرہ ہو یا مرضعہ کو بچہ پر خطرہ ہو کہ وہ بھوکا مرے گا تو وہ مریض کے ساتھ لاحق ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ احناف نے لاحق کیا ہے ان کے نزدیک ایسی حاملہ اور مرضعہ کے لئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ اور ان پر صرف قضا واجب ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے لاحق کیا بھی ہے اور نہیں بھی کیا۔ وہ فرماتے ہیں: ایسی حاملہ اور مرضعہ کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، مگر ان پر قضا اور روزوں کا فدیہ دونوں واجب ہونگے۔ قضا کا فیصلہ مریض کے ساتھ لاحق کرنے کی وجہ سے ہے اور فدیہ کا فیصلہ لاحق نہ کرنے کی بناء پر ہے۔ اور امام اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک صرف فدیہ واجب ہے قضا واجب نہیں۔ یعنی وہ لاحق نہیں کرتے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حاملہ پر صرف قضا ہے اور مرضعہ پر قضا اور فدیہ دونوں ہیں۔ غرض ہر امام کی رائے الگ ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس سلسلہ میں صرف ایک روایت ہے اور وہ روایت اگرچہ اعلیٰ درجہ کی صحیح نہیں مگر قابل استدلال ہے، حنفیہ نے اس روایت کی بناء پر حاملہ اور مرضعہ کو مریض کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

حدیث: نبی ﷺ کا لشکر انس بن مالک کعبیؓ کے قبیلہ پر حملہ کرنے کے لئے جارہا تھا، جب حضرت انس کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے آگے بڑھ کر نبی ﷺ سے ملاقات کی تاکہ لشکر کو حملہ کرنے سے روکیں۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا، وہ سفر کر کے جس جگہ آپؐ کا پڑاؤ تھا وہاں پہنچے۔ اس وقت آپؐ صبح کا کھانا کھا رہے تھے، آپؐ نے ان کو کھانے پر بلایا۔ انھوں نے روزہ ہونے کا عذر کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''آؤ میں تمہیں روزے کا مسئلہ سمجھاتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزوں کو اور آدھی نماز کو معاف کردیا ہے۔ اور حاملہ اور مرضعہ سے روزوں کو معاف کردیا ہے'' حضرت انسؓ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے دونوں کا تذکرہ کیا یا ان میں سے ایک کا تذکرہ کیا یہ بات مجھے یاد نہیں رہی۔ غرض حضرت انسؓ نے روزہ نہیں توڑا بعد میں وہ افسوس کرتے تھے کہ ہائے میری بدقسمتی! اس دن میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کیوں نہ کھایا! (اس حدیث میں نبی ﷺ نے حاملہ اور مرضعہ کو مریض کے ساتھ لاحق کیا ہے)

فائدہ (۱): انس بن مالک نام کے دو صحابی ہیں، ایک: خادم رسول ﷺ حضرت ابوحمزہ، انس بن مالک نجاری

خزرجی انصاریؓ، آپ مشہور صحابی ہیں اور کثیر الروایۃ ہیں۔ دوسرے: انس بن مالک کعبیؓ یہ واقعہ ان دوسرے انس بن مالک کا ہے اور ان کی صرف یہی ایک روایت ہے۔

فائدہ (۲): پہلے یہ مسئلہ گذرا ہے کہ رمضان کا جو روزہ سفر کے دوران رکھا جائے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو توڑنا جائز ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ یہ حدیث امام شافعیؒ کی دلیل ہے۔ حضرت انسؓ نے سفر کے دروان روزہ رکھا تھا اور نبی ﷺ نے ان کو کھانے پر بلایا، معلوم ہوا کہ سفر میں رکھا ہوا روزہ توڑنا جائز ہے۔ احناف اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، چونکہ یہ مسئلہ ابھی تک حضرت انسؓ کے سامنے نہیں آیا وہ یہ بات کہ مسافر کے لئے افطار کی اجازت ہے نہیں جانتے تھے، اسی لئے وہ روزہ رکھتے ہوئے سفر کر رہے تھے، اس لئے ان کو رکھا ہوا روزہ توڑنے کی سہولت دی گئی۔ واللہ اعلم۔

[۲۱] باب ماجاء في الرخصة في الإفطار للحُبلى والمُرْضِعِ

[۷۰۷-] حدثنا أبو كُرَيْبٍ، ويُوسفُ بنُ عيسى، قالا: نا وَكِيْعٌ، نا أبو هِلَالٍ، عن عبدِ اللّٰهِ بنِ سَوَادَةَ، عن أنسِ بنِ مالكٍ — رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ كَعْبٍ — قال: أَغَارَتْ عَلَيْنَا خَيْلُ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَتَيْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَوَجَدْتُهُ يَتَغَدّٰى، فقال: "ادْنُ فَكُلْ" فَقُلْتُ: إِنِّي صَائِمٌ، فقال: "ادْنُ أُحَدِّثْكَ عَنِ الصَّوْمِ أَوِ: الصِّيَامِ: إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمَ، وعَنِ الْحَامِلِ أَوْ: الْمُرْضِعِ الصَّوْمَ أَوْ: الصِّيَامَ" وَاللّٰهِ لَقَدْ قَالَهُمَا النبيُّ صلى الله عليه وسلم كِلَيْهِمَا أَوْ أَحَدَهُمَا، فَيَالَهْفَ نَفْسِيْ! أَنْ لَا أَكُوْنَ طَعِمْتُ مِنْ طَعَامِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وفي الباب: عن أبي أُمَيَّةَ، قال أبو عيسى: حديثُ أنسِ بنِ مالكٍ الكَعْبِيِّ حديثٌ حسنٌ، وَلَا نَعْرِفُ لأنسِ بنِ مالكٍ هٰذَا عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم غَيْرَ هٰذَا الحديثِ الوَاحِدِ.

والعَمَلُ على هذا عندَ بعضِ أهلِ العلمِ، وقالَ بعضُ أهلِ العلمِ: الحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ يُفْطِرَانِ، وَيَقْضِيَانِ ويُطْعِمَانِ، وبه يقولُ سُفيانُ، ومالكٌ، والشَّافِعِيُّ، وأحمدُ، وقالَ بعضُهُمْ: يُفْطِرَانِ ويُطْعِمَانِ وَلا قَضَاءَ عَلَيْهِمَا، وَإِنْ شَاءَتَا قَضَتَا وَلَا إِطْعَامَ عَلَيْهِمَا، وبه يقولُ إسحاقُ.

ترجمہ: انس بن مالکؓ جو قبیلہ بنی عبداللہ بن کعب کے ہیں کہتے ہیں: ہم پر رسول اللہ ﷺ کے لشکر نے چڑھائی کی۔ میں نبی ﷺ کے پاس آیا، میں نے آپ کو صبح کا کھانا کھاتے ہوئے پایا (بعض نے یَتَغَدّٰی کے معنی سحری کرنے کے کئے ہیں جو غلط ہیں، کیونکہ اس وقت میں حضرت انس کا روزہ ہونے کا کوئی مطلب نہیں) آپؐ نے فرمایا: "قریب آؤ اور کھاؤ" میں نے کہا: میں روزہ سے ہوں، آپؐ نے فرمایا: "قریب آؤ میں تمہیں روزہ کا مسئلہ سمجھاتا ہوں (آپؐ

نے لفظ صوم بولا یا صیام اس میں راوی کو شک ہے) اللہ تعالیٰ نے مسافر سے آدھی نماز اور روزے معاف کردیئے ہیں (الصوم بین السطور لکھا ہوا ہے مگر وہ حدیث میں ہونا چاہئے۔نسائی (۱:۲۴۴ ذکر وضع الصیام عن المسافر سے میں نے تصحیح کی ہے) اور حاملہ اور مرضعہ سے روزے کو یا فرمایا: روزوں کو معاف کردیا ہے (حضرت انس کہتے ہیں:) خدا کی قسم: نبی ﷺ نے دونوں کا یعنی حاملہ اور مرضعہ دونوں کا تذکرہ کیا یا ان میں سے ایک کا، ہائے میری بدقسمتی! میں نے نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کیوں نہ کھایا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انس بن مالک کعبیؓ کی یہ حدیث حسنَ ہے، اور ہم ان انس کی نبی ﷺ سے اس ایک حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں جانتے اور اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے، اس کے بعد امام ترمذی نے مذاہب بیان کئے ہیں، مگر اس میں تسامح ہے۔ فرماتے ہیں: بعض علماء کہتے ہیں: حاملہ اور مرضعہ روزہ نہیں رکھیں گی، اور وہ دونوں قضا کریں گی اور روزوں کا فدیہ دیں گی، اور اسی کے قائل ہیں: سفیان، مالک، شافعی اور احمد۔ (امام مالکؒ کا یہ مذہب نہیں ہے) اور بعض علماء کہتے ہیں: وہ دونوں افطار کریں گی اور فدیہ دیں گی، اور ان پر قضا نہیں، اور اگر وہ دونوں قضا کرنا چاہیں تو ان پر فدیہ نہیں، اور اس کے اسحاق قائل ہیں (حضرت اسحاق کے نزدیک صرف فدیہ ہے قضا نہیں)

فائدہ: نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے، ہم اپنی آنکھوں اور کانوں کی کیا اہمیت جانتے ہیں! مگر اندھے ہوجائیں یا بہرے ہوجائیں تو اندازہ ہوگا کہ یہ کتنی بڑی نعمتیں ہیں۔ اسی طرح جب نبی ﷺ حیات تھے تو آپؐ کے ساتھ کھانا کھانے کی اور تبرک کی اہمیت سمجھ میں نہیں آئی، مگر جب آپؐ کی وفات ہوگئی تو حضرت انسؓ اس محرومی کو یاد کرکے افسوس کرتے ہیں۔

بابُ ماجاءَ فی الصَّوْمِ عن المَیِّتِ

میت کی طرف سے روزہ رکھنے کا بیان

وارث میت کی طرف سے نیابۃً روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک وارث صرف نذر کے روزے رکھ سکتا ہے، باقی تینوں فقہاء کے نزدیک وارث نہ نذر کے روزے رکھ سکتا ہے نہ غیر نذر کے۔ کیونکہ عبادات بدنیہ میں نیابت جائز نہیں، تفصیل کتاب الزکاۃ باب ۳۱ میں گذر چکی ہے۔

حدیث: ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: میری بہن کا انتقال ہوگیا ہے (گذشتہ حدیث میں ماں کے انتقال کی بات تھی وہ حدیث الگ ہے) اور اس پر پے بہ پے دو مہینے کے روزے واجب ہیں (تو کیا میں نیابۃً وہ روزے رکھ سکتی ہوں؟) آپؐ نے فرمایا: تیرا کیا خیال ہے اگر تیری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا کرتی؟ سائلہ نے کہا: ہاں ادا کرتی۔ آپؐ نے فرمایا: ''پس اللہ تعالیٰ کا حق زیادہ لائق ہے کہ ادا کیا جائے'' یعنی آپؐ نے نیابۃً

روزہ رکھنے کی اجازت دی۔

تشریح: اس حدیث میں کفارہ کے روزوں کا بیان ہے، کیونکہ پے بہ پے دو مہینے کے روزے کفارہ ہی کے ہو سکتے ہیں، پس حدیث کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ وارث نیابۃً کفارہ کے روزے رکھ سکتا ہے، اس کے بالمقابل اگلا باب آرہا ہے جس میں فدیہ کا مسئلہ ہے۔

[۲۲] باب ماجاء فی الصوم عن المیت

[۷۰۸-] حدثنا أبو سَعِيْدِ الأشَجُّ، نا أبوخَالِدِ الأَحْمَرُ، عَنِ الأعْمَشِ، عَنْ سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ، ومُسْلِمِ البَطِيْنِ، عن سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، وعَطَاءٍ، وَمُجَاهِدٍ، عن ابنِ عبَّاسٍ، قال: جاء تِ امرأةٌ إلى النبيِّ صلى الله عليه وسلم فقالتْ: إنَّ أُخْتِيْ مَاتَتْ، وعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟ قال: "أرَأَيْتِ لَوْ كَانَ على أُخْتِكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ تَقْضِيْنَهُ؟" قالتْ: نعم، قال: "فَحَقُّ اللّٰهِ أَحَقُّ"

وفي الباب: عن بُرَيْدَةَ، وابنِ عُمَرَ، وعائشةَ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عباسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

حدثنا أبو كُرَيْبٍ، نا أبو خَالِدِ الأَحْمَرُ، عن الأَعْمَشِ، بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ، قال محمدٌ: وقَدْ رَوَى غَيْرُ أَبِيْ خَالِدٍ، عن الأَعْمَشِ مِثْلَ رِوَايَةِ أبي خَالِدٍ.

قال أبو عيسى: وَرَوَى أبو مُعَاوِيَةَ وَغَيْرُ واحِدٍ هذا الحديثَ عن الأَعْمَشِ، عُنْ مُسْلِمِ البَطِيْنِ، عن سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عن ابنِ عبَّاسٍ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنْ سَلَمَةَ بنِ كُهَيْلٍ، وَلاَ عَنْ عطَاءٍ، وَلاَ عَنْ مُجَاهِدٍ.

وضاحت: اس حدیث کو اعمش سے ابوخالد احمر اور ابومعاویہ روایت کرتے ہیں، اور ابوخالد احمر: اعمش کے اساتذہ میں سلمۃ بن کہیل کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ اور سلمۃ اور مسلم البطین کے بعد تین اساتذہ: سعید بن جبیر، عطاء اور مجاہد کا تذکرہ کرتے ہیں، اور ابومعاویہ سلمۃ بن کہیل کا تذکرہ نہیں کرتے، نیز وہ صرف سعید بن جبیر کا تذکرہ کرتے ہیں، عطا اور مجاہد کا تذکرہ نہیں کرتے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ابوخالد احمر کے علاوہ اور روات بھی اعمش سے ابوخالد کی طرح روایت کرتے ہیں، یعنی ان کے متابع ہیں، پس یہ روایت اصح ہوگی۔

بابُ ماجاء فی الكَفَّارَةِ

روزوں کے فدیہ کا بیان

یہ مسئلہ کتاب الزکاۃ باب ۳۱ میں گذر چکا ہے کہ اگر میت پر نماز یا روزے باقی ہوں تو وارث نیابۃً روزے نہیں

رکھ سکتا، نہ نمازیں پڑھ سکتا ہے، بلکہ وہ ہر روزہ کے بدلے میں اور ہر نماز کے بدلے میں نصف صاع گیہوں کا فدیہ دے گا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کا انتقال ہوگیا درانحالیکہ اس پر پورے ماہ کے روزے ہیں تو وارث کو چاہئے کہ وہ میت کی طرف سے ہر دن کے روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے''

تشریح: اس حدیث کے ایک راوی محمد ہیں، یہ محمد کون ہیں؟ امام ترمذی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (یعنی ابن ابی لیلیٰ صغیر) ہیں اگر یہ خیال درست ہے تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ مگر ابن ماجہ ص:۱۲۶ میں صراحت ہے کہ وہ محمد بن سیرین ہیں، پس حدیث صحیح ہے، البتہ حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک اصح اس کا موقوف ہونا ہے۔

[۲۳] باب ماجاء فی الکفارة

[۷۰۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا عَبْثَرٌ، عَنْ أَشْعَثَ، عن محمدٍ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ، عن النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم قال: "مَنْ مَاتَ وعليه صِيَامُ شَهْرٍ فَلْيُطْعِمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا"

قال أبو عیسی: حدیثُ ابنِ عُمَرَ لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ هٰذَا الوَجْهِ، والصحیحُ عنِ ابنِ عُمَرَ مَوْقُوْفٌ قولُهُ.

واخْتَلَفَ أهلُ العلمِ فی هذا، فقالَ بَعْضُهم: یُصَامُ عن المَیِّتِ، وبه یقولُ أحمدُ وإسحاقُ، قالَا: إذا کانَ عَلَی المَیِّتِ نَذْرُ صِیَامٍ یُصَامُ عَنْهُ، وإذا کانَ عَلَیْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ أُطْعِمَ عنهُ. وقالَ مالكٌ وسفیانُ والشافعیُّ: لَایَصُوْمُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ.

وأَشْعَثُ: هو ابنُ سَوَّارٍ، ومحمدٌ: هو محمدُ بنُ عبدِ الرحمنِ بنِ أبی لَیْلَی.

ترجمہ: ہم اس حدیث کو مرفوع نہیں جانتے مگر اسی سند سے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر کی موقوف حدیث ہے یعنی ان کا قول ہے۔ اور علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: میت کی طرف سے روزہ رکھا جائے، امام احمد اور امام اسحاق اسی کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں: جب میت پر نذر کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے روزے رکھے جائیں، اور اگر اس کے ذمہ رمضان کے قضا روزے ہوں تو وارث ان کے بدلہ میں کھانا کھلائے، اور مالک، سفیان اور شافعی فرماتے ہیں: کوئی شخص دوسرے کی طرف سے روزہ نہ رکھے۔ اور اشعث کے والد کا نام سوّار ہے اور محمد سے مراد محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (صغیر) ہیں۔

بابُ ماجاء في الصَّائِمِ يَذْرَعُهُ القَيْءُ

قئ خود بخود ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا

یہ دو باب ہیں، ان بابوں میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر خود بخود قئ ہو جائے، چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ تو روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اس میں بندے کا دخل نہیں۔ اور اگر بالقصد انگلی ڈال کر قئ کرے اور قئ منہ بھر کر یا زیادہ ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ واجب نہیں ہوگا اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ ——— ذَرَعه القيءُ کے معنی ہیں: قئ پیش آئی، اور اِستقاءَ کے معنی ہیں: قئ طلب کی یعنی بالقصد کی۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا، پچھنے لگوانے سے، قئ سے اور بدخوابی سے۔

تشریح: پچھنے لگوانے میں بدن سے خون نکلتا ہے اور بدن سے کسی چیز کا نکلنا ناقض صوم نہیں، لہذا پچھنے لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، یہ حنفیہ کا مذہب ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔ اور بدخوابی میں اگرچہ قضائے شہوت ہے مگر اس میں انسان کا دخل نہیں، اس لئے وہ بھی ناقض صوم نہیں۔ لیکن اگر کوئی بیداری میں تصور سے یا عمل سے یعنی ہاتھ وغیرہ سے منی نکالے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں قضائے شہوت کامل نہیں۔

نوٹ: اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن زید مرفوع روایت کرتا ہے اور وہ ضعیف راوی ہے اور اس کا بھائی عبداللہ بن زید اور عبدالعزیز بن محمد مرسل روایت کرتے ہیں، پس مرسل روایت اصح ہے۔

[۲٤] باب ماجاء في الصائم يَذْرَعُهُ القيءُ

[۷۱۰-] حدثنا محمدُ بنُ عُبَيْدٍ المُحَارِبِيُّ، نا عبدُ الرحمنِ بنُ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عن أَبِيْهِ، عَنْ عَطَاءِ بنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قال: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "ثَلَاثٌ لَايُفَطِّرْنَ الصَّائِمَ: الحِجَامَةُ، وَالْقَيْءُ، والإحْتِلَامُ"

قال ابو عيسى: حديثُ أبي سعيدٍ الخُدْرِيِّ غيرُ مَحْفُوْظٍ. وقَدْ رَوَى عبدُ اللهِ بنُ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، وعبدُ العزيزِ بنُ محمدٍ، وغيرُ واحِدٍ هذا الحديثَ عن زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ مُرْسَلاً، ولَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ.

وعبدُ الرحمنِ بنُ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ يُضَعَّفُ في الحديثِ، سَمِعْتُ أَبَا دَاوُدَ السِّجْزِيَّ يقولُ: سَأَلْتُ أحمدَ بنَ حَنْبَلٍ: عَنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ؟ فقالَ: أَخُوْهُ عبدُ اللهِ بنُ زَيْدٍ لَا بَأْسَ بِه.

وَسَمِعْتُ محمدًا يَذْكُرُ عَنْ عَلِيِّ بنِ عبدِ اللهِ قال: عبدُ اللهِ بنُ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ ثِقَةٌ، وعبدُ الرحمنِ بنُ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ ضَعِيفٌ، قال محمدٌ: وَلَا أَرْوِي عَنْهُ شَيْئًا.

ترجمہ: ابوسعیدؓ کی حدیث کی سند محفوظ نہیں، اور عبداللہ بن زید اور عبدالعزیز بن محمد وغیرہ نے اس حدیث کو زید بن اسلم سے مرسل روایت کیا ہے وہ سند میں ابوسعیدؓ کا تذکرہ نہیں کرتے، اور عبدالرحمٰن بن زید حدیث میں ضعیف قرار دیئے گئے ہیں۔ میں نے ابوداؤد بجستانی سے سنا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے عبدالرحمٰن بن زید کے بارے میں پوچھا گیا پس انھوں نے فرمایا: اس کے بھائی عبداللہ میں کوئی خرابی نہیں (یعنی اشارۃً عبدالرحمٰن کی تضعیف کی) اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا: وہ علی بن عبداللہ (ابن المدینی) کا قول ذکر کرتے تھے کہ عبداللہ بن زید ثقہ ہے، اور عبدالرحمٰن بن زید ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں عبدالرحمٰن کی حدیثیں بیان نہیں کرتا۔

بابُ ماجاءَ فی مَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا

بالقصد قئ کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جس کو قئ پیش آئی اس کے ذمہ قضا نہیں (کیونکہ روزہ نہیں ٹوٹا) اور جس نے بالقصد قئ کی: وہ روزہ قضا کرے (یعنی روزہ ٹوٹ گیا اور صرف قضا ہے کفارہ نہیں)

تشریح: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اور یہ حدیث غریب ہے اس لئے کہ تنہا عیسیٰ بن یونس اس کے راوی ہیں مگر حاکم نیشاپوریؒ نے اس کو علی شرط الشیخین قرار دیا ہے اور دارقطنی نے اس کو قوی کہا ہے، مگر امام بخاری اور امام احمد رحمہما اللہ نے اس کو غیر محفوظ کہا ہے، اور اسحاق بن راہویہؒ کہتے ہیں: عیسیٰ بن یونس نے فرمایا: اہل بصرۃ کا گمان یہ ہے کہ ہشام بن حسان کو اس حدیث میں وہم ہوا ہے (نصب الرایہ ۲: ۴۴۹)

[۲۵] باب ماجاء فی من اسْتَقَاءَ عَمْدًا

[۷۱۱-] حدثنا علیُّ بنُ حُجْرٍ، نا عیسی بنُ یُوْنُسَ، عن ہِشَامِ بنِ حَسَّانَ، عن ابنِ سِیْرِیْنَ، عن أبی ہریرۃَ، أنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قال: " مَنْ ذَرَعَهُ الْقَیْءُ فَلَیْسَ علیہِ قَضَاءٌ، ومَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْیَقْضِ "

وفی الباب: عن أبی الدَّرْداءِ، وثَوْبَانَ، وفَضَالَةَ بنِ عُبَیْدٍ.

قال أبو عیسی: حدیثُ أبی ہریرۃَ حدیثٌ حسنٌ غریبٌ، لانَعْرِفُهُ مِنْ حَدیثِ ہِشَامٍ، عن ابنِ سِیْرِیْنَ، عن أبی ہریرۃَ، عن النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم إلاّ مِنْ حدیثِ عیسی بنِ یُوْنُسَ، وقالَ محمدٌ: لاأُرَاهُ مَحْفُوْظًا.

قال أبو عیسی: وقَدْ رُوِیَ ہذا الحدیثُ مِنْ غَیْرِ وَجْهٍ عن أبی ہریرۃَ، عن النبیِّ صلی اللہ علیہ

وسلم وَلَا يَصِحُّ إِسْنَادُهُ.

[۷۱۲-] ورُوِيَ عن أبي الدَّرْدَاءِ وثَوْبَانَ وَفَضَالَةَ بنِ عُبَيْدٍ: أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَاءَ فَأَفْطَرَ.

وإِنَّمَا مَعْنَى هذا الحديثِ أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كانَ صَائِمًا مُتَطَوِّعًا، فَقَاءَ فَضَعُفَ فَأَفْطَرَ لِذَلِكَ، هٰكَذَا رُوِيَ في بعضِ الحديثِ مُفَسَّرًا.

والعَمَلُ عندَ أهلِ العلمِ على حديثِ أبي هريرةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم: أنَّ الصَّائِمَ إِذَا ذَرَعَهُ الْقَيْءُ فَلَا قَضَاءَ عليهِ، وإِذَا اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ، وبه يقولُ الشافعيُّ وسفيانُ الثَّوْرِيُّ وأحمدُ وإسحاقُ.

ترجمہ اور وضاحت: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: ابو ہریرہؓ کی حدیث کو ہم ہشام کی سند سے نہیں جانتے مگر عیسیٰ بن یونس کی سند سے (حالانکہ ہشام بن حسان سے یہ حدیث حفص بن عیاث بھی روایت کرتے ہیں اور ان کی حدیث ابن ماجہ ص ۱۲۰ میں ہے) اور امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اس سند کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے متعدد سندوں سے مروی ہے (اس حدیث کو حفص بن غیاث نے عبداللہ بن سعید بن ابی سعید المقبر ی، عن جده، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم کی سند سے بھی روایت کیا ہے اور ابو بکر بن عیاش بھی اس طریق سے روایت کرتے ہیں، اور عبداللہ ضعیف راوی ہے، اور نسائی میں یہ حدیث اوزاعی کی سند سے موقوفاً مروی ہے، اور موطا میں ابن عمر سے موقوفاً مروی ہے (نصب الرایہ ۲: ۴۴۹) اور اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

(حدیث ۷۱۲) اور ابو الدرداء، ثوبان اور فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کو قئ ہوئی پس آپؐ نے روزہ کھول دیا (ابو الدرداء اور حضرت ثوبان کی روایت کتاب الطہارۃ باب ۶۴ میں گذر چکی ہے اور فضالۃ بن عبید کی حدیث ابن ماجہ ص ۱۲۰ میں ہے) اور یہ نبی ﷺ کا نفلی روزہ تھا، قئ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے ضعف محسوس کیا تو روزہ کھول دیا۔ بعض روایات میں اس کی صراحت ہے۔

اور علماء کا ابو ہریرہؓ کی حدیث پر عمل ہے کہ روزہ دار کو جب قئ پیش آئے تو اس پر قضا نہیں، اور جب وہ جان بوجھ کر قئ کرے تو وہ روزہ قضا کرے اور اس کے شافعی، سفیان، احمد اور اسحاق قائل ہیں۔

بابُ ماجاءَ في الصَّائِمِ يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ نَاسِيًا

بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

رمضان کا روزہ ہو یا غیر رمضان کا اگر صائم بھول کر کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس مسئلہ میں صرف امام مالک رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں: بھول کر کھانے پینے سے نفل روزہ نہیں ٹوٹتا، رمضان کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر یہ فرق غیر معقول ہے، اس لئے کہ روزہ توڑنے والی اور نہ توڑنے والی چیزوں میں نفل و فرض کے درمیان کوئی

فرق نہیں، جیسے جن باتوں سے نماز ٹوٹتی ہے یا نہیں ٹوٹتی ان میں نفل وفرض میں کوئی فرق نہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے بھول کر کھایا یا پیا وہ روزہ نہ توڑے۔ اس لئے کہ وہ کھانا پینا ایک رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے کھلایا پلایا ہے۔

سوال: جو شخص بھول کر کھا پی رہا ہو اُسے روزہ یاد دلانا چاہئے یا نہیں؟

جواب: اگر اندازہ ہو کہ صائم کو سخت روزہ لگا ہوا ہے تو تھوڑا کھانے پینے دے، اور اگر ایسی بات نہ ہو تو بتا دینا ضروری ہے، مگر جب روزہ لگتا ہے تو بھول نہیں ہوتی، چاہنے کے باوجود آدمی روزہ نہیں بھولتا۔

[۲۶] باب ماجاء في الصائم يأكل ويشرب ناسيا

[۷۱۳-] حدثنا أبو سعيدٍ الأشجُّ، نا أبو خالدٍ الأحْمَرُ، عن حَجّاجٍ، عن قَتادةَ، عن ابنِ سِيْرِيْنَ، عن أبي هريرة، قال: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ نَاسِيًا فَلَا يُفْطِرْ، فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ"

حدثنا أبو سعيدٍ، نا أبو أُسَامَةَ، عَنْ عَوْفٍ، عن ابنِ سِيْرِيْنَ، وخِلَاسٍ، عن أبي هريرةَ، عن النبيِّ صلى الله لعيه وسلم مِثْلَهُ أَوْ: نَحْوَهُ.

وفي الباب: عن أبي سعيدٍ، وأُمِّ إسحاقَ الغَنَوِيَّةِ. قال أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعملُ على هذا عندَ أكثرِ أهلِ العلمِ، وبه يقولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ والشافعيُّ وأحمدُ وإسحاقُ. وقالَ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ: إِذَا أَكَلَ فِيْ رَمَضَانَ نَاسِيًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ، والقولُ الأَوَّلُ أَصَحُّ.

بابُ ماجاءَ في الإفْطَارِ مُتَعَمِّدًا

جان بوجھ کر رمضان کا روزہ نہ رکھنے کا نقصان

جو شخص رمضان کا روزہ شرعی عذر کے بغیر نہ رکھے تو ایک روزہ کی قضا ایک ہی روزہ ہے مگر روزہ کا کھانا کبیرہ گناہ ہے، جیسے کوئی فرض نماز جان بوجھ کر قضا کرے پھر اس کو پڑھ لے تو ذمہ فارغ ہوئے گا، مگر نماز قضا کرنا نہایت بھاری گناہ ہے، حدیث میں اس کے لئے فقد کفر کی تعبیر آئی ہے اور کبیرہ گناہ کے لئے توبہ شرط ہے، پس محض قضا پڑھ لینے سے گناہ معاف نہیں ہوگا، اسی طرح روزہ خور نے جب روزہ کی قضا کر لی تو ذمہ فارغ ہوگیا، مگر روزہ کھانا کبیرہ گناہ ہے اس کے لئے توبہ شرط ہے، اگر توبہ کئے بغیر مر گیا تو روزہ کھانے کی پاداش میں عذاب بھگتنا پڑے گا، روزہ کی

قضا کرنے سے گناہ معاف نہیں ہوگا اور دنیا کے اعتبار سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ایسا شخص پوری زندگی روزہ رکھے تو بھی اس نے جو روزہ کھایا ہے اس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔

اس کی نظیر: الفوائد البهية في تراجم الحنفية میں مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ نے یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک فقیہ ہمیشہ جماعت سے نماز پڑھتے تھے ایک مرتبہ اتفاق سے ان کی جماعت فوت ہوگئی، ان کو بہت ملال ہوا، انھوں نے سوچا کہ جماعت سے نماز پڑھنے کا پچیس گنا یا ستائیس گنا ثواب ہے پس اگر میں یہ نماز ستائیس مرتبہ پڑھ لوں تو جماعت کا ثواب مل جائے گا، چنانچہ انھوں نے وہ فرض ستائیس مرتبہ پڑھا، جب آخری مرتبہ سلام پھیرا تو ہاتف (فرشتہ) نے آواز دی: فَأَيْنَ أنت من تأمين الملائكة؟ تم نے ستائیس مرتبہ نماز تو پڑھ لی مگر جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت میں فرشتے جو تمہارے ساتھ آمین کہتے وہ بات کہاں نصیب ہوئی؟

اسی طرح اگر کوئی پوری زندگی روزہ رکھتا رہے تو بھی رمضان کے روزے کی تلافی نہیں ہوسکتی، کیونکہ وہ روزے کی قضا غیر رمضان میں کرے گا، اور نفل روزے بھی غیر رمضان میں رکھے گا، پس رمضان میں روزے کی جو فضیلت ہے وہ کہاں حاصل ہوسکتی ہے؟

[۲۷] باب ماجاء في الإفطار متعمدًا

[۷۱٤-] حدثنا بُنْدَارٌ، نَا يَحْيَى بنُ سَعِيدٍ، وعبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، قالا: نا سفيانُ، عن حَبيبِ بنِ أبي ثَابِتٍ، نا أبو المُطَوِّسِ، عن أبيهِ، عن أبي هريرةَ، قال: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلاَ مَرَضٍ: لَمْ يقضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ"

قال أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ لاَنَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ هٰذَا الوَجْهِ، وَسَمِعْتُ محمداً يقولُ: أَبُو المُطَوِّسِ: اسْمُهُ يَزِيْدُ بنُ المُطَوِّسِ، وَلاَ أَعْرِفُ لَهُ غَيْرَ هذا الحديثِ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان کا ایک روزہ کھالیا شرعی عذر کے بغیر اور مرض کے بغیر تو زمانہ بھر کے روزے بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتے، اگر چہ وہ ان کو رکھے، یعنی اول تو ہمیشہ روزہ رکھنا مشکل ہے لیکن اگر کوئی رکھے تو بھی رمضان کے ایک روزہ کی تلافی نہیں ہوسکتی۔

اس حدیث کی یہی ایک سند ہے اور ابوالمطوس کا نام یزید بن المطوس ہے اور وہ اسی ایک حدیث کے راوی ہیں۔

فائدہ: ابوالمطوس کا نام یزید ہے یا عبداللہ۔ اور یہ راوی مجہول ہے اور اس حدیث کی سنن اربعہ نے تخریج کی ہے (تقریب ۶۷۴) اور اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے، بعض طرق میں ابوالمطوس ہے (دارقطنی ۲: ۲۱۱) اور بعض میں ابن المطوس (ابوداؤد ۳۲۶۱) اور بعض روایات میں حبیب بن ثابت اور ابوالمطوس کے درمیان واسطہ ہے

(ابن ماجہ ص:۱۲۰ میں ابن المطوس کا واسطہ ہے اور ابو داؤد ۱:۳۲۶ میں دو واسطے ہیں عمارۃ بن عمیر کا اور ابن المطوس کا) اور بعض میں کوئی واسطہ نہیں پھر بعض روایتوں میں ابو المطوس براہ راست حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت کرتے ہیں (ابن ماجہ ص:۱۲۰) اور بعض میں والد کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ یہاں ہے، پس یہ حدیث مضطرب ہے۔

بابُ ماجاء فی کَفَّارَۃِ الفِطْرِ فِیْ رَمَضَانَ

رمضان کا روزہ توڑنے کا کفارہ

رمضان المبارک کا روزہ جان بوجھ کر توڑنے سے قضا کے علاوہ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے اور روزہ کا کفارہ وہی ہے جو ظہار کا ہے۔ سورۃ المجادلہ آیت ۳و۴ میں اس کا بیان ہے، یعنی غلام آزاد کرنا یا لگاتار دو ماہ کے روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو صبح وشام کھانا کھلانا۔ اور ان تینوں کے درمیان جمہور کے نزدیک ترتیب واجب ہے اور ان کا مستدل یہ ہے کہ آیاتِ ظہار میں اور حدیث باب میں ف ہے جو تعقیب کے لئے ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ تخییر کے قائل ہیں، ان کا مستدل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: أَمَر رَجُلاً أفطر فی رمضان أن یعتق رقبۃً أو یصوم شھرین أو یُطعم ستین مسکینا (مسلم ۱:۳۵۵، باب تغلیظ تحریم الجماع) لیکن جمہور نے دوسری روایات کی بناء پر اس روایت میں أو کو تخییر کے بجائے تنویع کے لئے لیا ہے (اعلاء السنن ۹:۱۲۳باب وجوب الکفارۃ والقضاء إلخ)

حدیث: ایک صحابی نے رمضان المبارک میں روزہ کی حالت میں روزہ یاد ہوتے ہوئے بیوی سے صحبت کرلی، جوش میں یہ حرکت ہوتو گئی مگر بعد میں پشیمان ہوئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں تباہ ہوگیا، آپؐ نے پوچھا: کس چیز نے تمہیں تباہ کردیا؟ انھوں نے واقعہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ایک رقبہ آزاد کرو، رقبہ کے لفظی معنی ہیں: گردن۔ اور عرفی معنی ہیں: غلام۔ ان صحابی نے لفظی معنی سے نکتہ پیدا کیا، اپنی گردن پر ہاتھ مارا اور کہا: یارسول اللہ! بندے کے پاس تو یہی ایک رقبہ یعنی گردن ہے، یعنی میں غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: پس لگاتار دو ماہ کے روزے رکھو (کفارے کے روزے پے بہ پے ہونے ضروری ہیں اگر درمیان میں عذر سماوی پیش آجائے تو کوئی حرج نہیں، جیسے عورت کو دو مہینے میں دو مرتبہ حیض آئے گا، لیکن اگر اپنے اختیار سے بیچ میں روزہ چھوڑا تو روزے از سر نو رکھنے ہوں گے) ان صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک ماہ کے روزے تو رکھے نہیں گئے دو مہینے کے روزے کیسے رکھوں گا؟ یعنی انھوں نے شَبَق یعنی شدتِ شہوت کا عذر پیش کیا (رمضان کی راتوں میں بیوی سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، شبق یہ ہے کہ صبح سے شام تک

بھی صبر نہ کر سکے) حضور ﷺ نے فرمایا: پس ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، انھوں نے کہا: میرے اندر اس کی استطاعت نہیں۔ آپؐ نے ان سے بیٹھ جانے کے لئے فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ کے پاس ایک بڑا بورا جس میں چھوہارے تھے لایا گیا (عَرَق کے معنی ہیں: بڑا بورا۔ اور ایک عَرَق میں پندرہ صاع چھوہارے آتے ہیں، یعنی پینتالیس پچاس کلو غلہ جس بورے میں آجائے وہ عرق ہے) آپؐ نے وہ چھوہارے ان کو دیئے اور غریبوں میں تقسیم کرنے کے لئے فرمایا۔ جب بورا مل گیا تو انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! غریب کہاں ڈھونڈھوں، مدینہ کے دو پاٹوں (دونوں جانبوں) کے درمیان میرے گھر سے زیادہ غریب کوئی گھر نہیں۔ آپؐ مسکرائے یہاں تک کہ انیاب مبارک کھل گئے (آپؐ کا زیادہ سے زیادہ ہنسنا یہی تھا کہ انیاب مبارک ظاہر ہوجاتے تھے، اس سے زیادہ آپ کبھی نہیں ہنستے تھے) آپؐ نے فرمایا: جاؤ گھر میں کھالو۔

تشریح: تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر صحبت کر کے روزہ توڑا ہے تو کفارہ واجب ہے، اور اگر کھاپی کر روزہ توڑا ہے تو کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے، اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک کفارہ واجب نہیں۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ جماع کی طرح اکل وشرب بھی اگرچہ منافی صوم ہیں مگر اکل وشرب جماع کے معنی (درجہ) میں ہیں یا نہیں؟ یعنی جماع سے جتنا حظ نفس (لذت) حاصل ہوتا ہے اکل وشرب سے اتنا حظ نفس حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اگر تفاوت ہے تو تھوڑا ہے یا زیادہ؟ اس میں اختلاف ہے: بڑے دو اماموں کا خیال یہ ہے کہ جماع اور اکل وشرب میں تفاوت برائے نام ہے، اس لئے ان حضرات نے جماع کا حکم اکل وشرب کی طرف بڑھادیا۔ اور چھوٹے دو اماموں کا خیال یہ ہے کہ تفاوت بہت زیادہ ہے، اس لئے انھوں نے جماع کے حکم کو اکل وشرب کی طرف متعدی نہیں کیا، انھوں نے کفارہ کا حکم مورد کے ساتھ خاص رکھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قیاس کے لئے مقیس مقیس علیہ کا ہم وزن ہونا ضروری ہے، اگر دونوں میں تفاوت ہو تو حکم کا تعدیہ درست نہیں۔ جیسے: عبادات مالیہ اور عبادات بدنیہ میں فرق ہے۔ عباداتِ مالیہ میں ثواب بھی ملتا ہے اور غریبوں کو فائدہ بھی پہنچتا ہے اور عبادات بدنیہ میں صرف ثواب ملتا ہے، پس حدیث سعد بن عبادہؓ میں جو عباداتِ مالیہ میں ایصالِ ثواب کا ذکر آیا ہے: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس کو مورد پر خاص رکھتے ہیں۔ عبادتِ بدنیہ کی طرف اس کو متعدی نہیں کرتے، اسی طرح یہاں شہوتِ جماع اور لذت اکل وشرب میں آسمان وزمین کا تفاوت ہے پس کفارہ کا حکم مورد کے ساتھ خاص رہے گا، اکل وشرب سے روزہ توڑنے کی صورت میں وہ حکم ثابت نہیں ہوگا۔

اور احناف اور مالکیہ کے نزدیک حظ نفس کے اعتبار سے اگرچہ تفاوت ہے، مگر مفطر (روزہ توڑنے والی چیز) ہونے کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں، تینوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، پس تینوں میں کفارہ واجب ہوگا، رہا حظ نفس تو

اس کا اعتبار کرنا مشکل ہے، کیونکہ جوان اور بوڑھے کے جماع میں بھی حظ نفس میں تفاوت ہوتا ہے، پس اس کا کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے؟! اسی طرح دو امام عبادتِ مالیہ کی حدیث میں صرف ثواب ملنے کی جہت کا اعتبار کرتے ہیں، اس لئے انھوں نے حدیث عبادہؓ کا حکم عباداتِ بدنیہ کی طرف متعدی کیا۔

بالفاظ دیگر: جماع میں دو چیزیں ہیں: ایک اس کا مفطر ہونا، دوسرا: اس سے خط نفس حاصل ہونا۔ دو اماموں نے صرف پہلی بات کا اعتبار کیا ہے اور اس پر اکل وشرب کو قیاس کیا، دوسرے دو اماموں نے دونوں باتوں کے مجموعہ کا اعتبار کیا، اس لئے اکل وشرب کو جماع پر قیاس نہیں کیا۔

اور اس حدیث میں تین مسئلے اور بھی زیر بحث آئے ہیں:

پہلا مسئلہ: شبق (شدتِ شہوت) عذر ہے یا نہیں؟ نبی ﷺ نے مذکور صحابی کے حق میں شبق کو عذر مانا ہے، اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے مگر فقہاء شبق کو عذر نہیں مانتے۔

دوسرا مسئلہ: حدیث سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر وہ صحابی پندرہ صاع چھوہارے غریبوں کو دیدیتے تو کفارہ ادا ہو جاتا، مگر تمام فقہاء کے نزدیک پندرہ صاع سے کفارہ ادا نہیں ہوگا، ساٹھ صاع کھجوریں دینی ضروری ہیں۔

تیسرا مسئلہ: حدیث سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ ان صحابی کے خود کھالینے سے کفارہ ادا ہوگیا، حالانکہ چاروں فقہاء متفق ہیں کہ خود کھانے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا، غرباء کو کھلانا ضروری ہے۔

احناف تینوں سوالوں کا جواب دیتے ہیں کہ یہ تشریع کے وقت کی ترخیص ہے کیونکہ یہ مسئلہ کہ رمضان کا روزہ جان بوجھ کر توڑنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے آج پہلی بار امت کے سامنے آیا ہے، پہلے سے اگر مسئلہ معلوم ہوتا تو شاید وہ صحابی یہ حرکت نہ کرتے، پس یہ قانون سازی کا آغاز ہے اور اس وقت میں سہولت دی جاتی ہے، اس لئے نبی ﷺ نے ان کا ہر عذر تسلیم کرلیا۔ اور خود کھانے کی اجازت دیدی۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے صرف تیسرے سوال کا جواب دیا ہے کہ آدمی پر فی الفور کفارہ واجب نہیں، کفارہ کی ادائیگی سہولت کے ساتھ مشروط ہے۔ یعنی مالی کفارہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب آدمی کے پاس گنجائش ہو، اور مذکورہ صحابی چونکہ غریب تھے اور جو چھوہارے ان کو ملے تھے وہ ان کی ضرورت میں مشغول تھے اس لئے ان پر فوری کفارہ ادا کرنا واجب نہیں تھا، اس لئے ان کو گھر میں کھانے کی اجازت دی گئی۔ غرض گھر میں کھانے سے کفارہ ادا نہ ہوگا، کفارہ ان کے ذمہ دَین رہے گا، جب گنجائش ہوگی ادا کریں گے۔

مگر یہ بات حدیث سے مفہوم نہیں ہوتی۔ حدیث سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ گھر میں کھانے سے ان صحابی کا کفارہ ادا ہوگیا۔ علاوہ ازیں پہلے دو سوالوں کے جوابات باقی رہ جاتے ہیں اور احناف کے قاعدہ سے سب کے جوابات نکل آتے ہیں۔

[۲۸] باب ماجاء فی کفارة الفطر في رمضان

[۷۱۵-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ الجَهْضَمِيُّ، وأبو عَمَّارٍ ـــ المَعْنَى وَاحِدٌ، وَاللَّفْظُ: لَفْظُ أَبِيْ عَمَّارٍ ـــ قَالاَ: نَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بنِ عبدِ الرحمنِ، عن أبي هريرةَ، قال: أَتَاهُ رَجُلٌ فقالَ: يارسولَ الله! هَلَكْتُ! قال:" وَمَا أَهْلَكَكَ؟" قال: وَقَعْتُ على امْرَأَتِي فِيْ رَمَضَانَ، قال:" هَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تُعْتِقَ رَقَبَةً؟" قال: لا، قال:" فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟" قال: لا، قالَ:" فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا؟" قال: لا، قالَ:" اجْلِسْ، فَجَلَسَ، فَأُتِيَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمْرٌ ـــ وَالعَرَقُ: المِكْتَلُ الضَّخْمُ ـــ قال:" فَتَصَدَّقْ بِهِ" فقالَ: مَا بَيْنَ لاَ بَتَيْهَا أَحَدٌ أَفْقَرَ مِنَّا، قال: فَضَحِكَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم حَتّٰى بَدَتْ أَنْيَابُهُ، قال:" خُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ"

وفي الباب: عن ابنِ عُمَرَ، وعائشةَ، وعبدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، قال أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعملُ على هذا الحديثِ عندَ أهلِ العلمِ في مَنْ أَفْطَرَ في رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا مِنْ جِمَاعٍ؛ وَأَمَّا مَنْ أَفْطَرَ مُتَعَمِّدًا مِنْ أَكْلٍ أَوْ شُرْبٍ فَإِنَّ أهلَ العلمِ قد اخْتَلَفُوْا في ذلك، فقالَ بَعْضُهُمْ: عليهِ القَضَاءُ وَالكَفَّارَةُ، وَشَبَّهُوْا الأَكْلَ وَالشُّرْبَ بِالْجِمَاعِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وابنِ المباركِ، وإسحاقَ.

وقال بَعْضُهُمْ: عليهِ القَضَاءُ، وَلاَ كَفَّارَةَ عليهِ، لِأَنَّهُ إِنَّمَا ذُكِرَ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم الكَفَّارَةُ فِي الْجِمَاعِ، وَلَمْ يُذْكَرْ عَنْهُ في الأَكْلِ وَالشُّرْبِ، وقالوا: لاَيُشْبِهُ الأَكْلُ وَالشُّرْبُ الجِمَاعَ، وهُوَ قَوْلُ الشافعيِّ وأحمدَ.

وقال الشافعيُّ: وقولُ النبيِّ صلى الله عليه وسلم للرَّجُلِ الذِيْ أَفْطَرَ، فَتَصَدَّقَ عليهِ:" خُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ" يَحْتَمِلُ هذا مَعَانِيَ: يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُوْنَ الْكَفَّارَةُ عَلَى مَنْ قَدَرَ عَلَيْهَا، وهٰذَا رَجُلٌ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى الْكَفَّارَةِ، فَلَمَّا أَعْطَاهُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم شَيْئًا، وَمَلَّكَهُ، قال الرَّجُلُ، مَا أَحَدٌ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنَّا، فقالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم:" خُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ" لِأَنَّ الْكَفَّارَةَ إِنَّمَا تكونُ بعدَ الفَضْلِ عَنْ قُوْتِهِ، واخْتَارَ الشافعيُّ لِمَنْ كانَ على مِثْلِ هذا الحالِ أَنْ يَأْكُلَهُ، وتَكُوْنَ الكَفَّارَةُ عليهِ دَيْنًا، فَمَتَى مَامَلَكَ يَوْمًا كَفَّرَ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے اس شخص کے بارے میں جو رمضان میں جان بوجھ کر جماع کے ذریعہ روزہ توڑ دے۔ رہا وہ شخص جو بالقصد کھا کر یا پی کر روزہ توڑے تو علماء کا اس میں اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں: اس پر

قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ اور انھوں نے اکل وشرب کو جماع کے مانند قرار دیا۔ اور یہ سفیان ثوری، ابن المبارک اور اسحاق کا قول ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: اس پر قضا ہے اور کفارہ نہیں۔ اس لئے کہ نبی ﷺ سے کفارہ صرف جماع کی صورت میں مروی ہے، اکل وشرب کی صورت میں کفارہ مروی نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں: اکل وشرب جماع کے مانند نہیں، اور یہ شافعی اور احمد کا قول ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: نبی ﷺ کا ارشاد اس شخص سے جس نے روزہ توڑ دیا تھا پس آپؐ نے اس کو صدقہ دیا تھا کہ: ''اس کو لیلے اور اپنے گھر والوں کو کھلا دے'' اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کفارہ اس شخص پر واجب ہے جو کفارہ ادا کرنے پر قادر ہو، اور یہ شخص کفارہ ادا کرنے پر قادر نہیں تھا پس جب اس کو نبی ﷺ نے کچھ دیا اور اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا تو اس نے کہا: ہم سے زیادہ کوئی ان کھجوروں کا محتاج نہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس کو لیلے اور اپنے گھر والوں کو کھلا دے'' اس لئے کہ کفارہ گذارہ سے بچنے کے بعد ہی واجب ہوتا ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس شخص کے لئے جس کی یہ حالت ہو پسند کیا کہ وہ اس کو کھالے، اور اس پر کفارہ قرض رہے گا۔ جب بھی مال کا مالک ہوگا کفارہ ادا کرے گا۔

بابُ ماجاء فی السِّوَاکِ لِلصَّائِمِ

روزہ دار کے لئے مسواک کا حکم

مذاہبِ فقہاء: روزہ کی حالت میں مسواک کرنا کیسا ہے؟ اس سلسلہ میں ہر امام کی رائے الگ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرض ونفل میں فرق کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: نفل روزے میں مسواک کر سکتے ہیں اور فرض روزے میں مسواک کرنا مکروہ ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ تر اور خشک مسواک کے درمیان فرق کرتے ہیں، ان کے نزدیک تر مسواک مکروہ ہے، فرض روزے میں بھی اور نفل روزے میں بھی، اور خشک مسواک جائز ہے اور تر مسواک سے مراد درخت سے توڑی ہوئی تازہ مسواک ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ دوپہر سے پہلے اور دوپہر کے بعد کا فرق کرتے ہیں، ان کے نزدیک زوال سے پہلے مسواک جائز ہے اور زوال کے بعد مکروہ ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک مطلقاً مسواک کرنا جائز ہے۔

حدیث: عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو روزے کی حالت میں اتنی مرتبہ مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ میں اس کو گن نہیں سکتا یعنی بے شمار مرتبہ دیکھا ہے۔

تشریح: یہ حدیث احناف کا مستدل ہے، اس حدیث میں صحابی کوئی فرق نہیں کرتے، نہ تر اور خشک لکڑی کا، نہ نفل اور فرض روزوں کا، اور نہ قبل الزوال اور بعد الزوال کا، بلکہ علی الاطلاق یہ بات کہتے ہیں کہ آپ روزہ کی حالت میں بکثرت مسواک کرتے تھے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے متفق علیہ حدیث سے استدلال کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''روزہ دار کے منہ کی بو

اللہ تعالیٰ کو مشک سے زیادہ محبوب ہے (مشکوٰۃ حدیث ۱۹۵۹) جب معدہ خالی ہوجاتا ہے تو اس سے ایک گیس اٹھتی ہے جو منہ میں آکر رکتی ہے اور منہ میں بو پیدا کرتی ہے، یہ خلوف ہے، امام شافعیؒ کا اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ دوپہر کے بعد جب معدہ خالی ہوجاتا ہے تب یہ خلوف پیدا ہوتی ہے اور چونکہ وہ اللہ کو بہت پسند ہے اس لئے مسواک کرکے اس کو زائل نہیں کرنا چاہئے۔

مگر امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ مسواک سے خلوف زائل نہیں ہوتی، مسواک سے دانتوں کا میل دور ہوتا ہے، رہا خلوف تو وہ دس پندرہ منٹ کے بعد پھر پیدا ہوجائے گا پس زوال کے بعد بھی مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

[۲۹] باب ماجاء فى السواك للصائم

[۷۱۶-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نا سُفْيَانُ، عن عَاصِمِ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عن عبدِ اللّٰهِ بنِ عامرِ بنِ رَبِيْعَةَ، عن أَبِيْهِ، قال: رَأَيْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم مَالاَ أُحْصِيْ يَتَسَوَّكُ، وَهُوَ صَائِمٌ.

وفى الباب: عن عائشةَ، قال أبو عيسى: حديثُ عامرِ بنِ رَبِيْعَةَ حديثٌ حسنٌ.

والعملُ على هذا عندَ أهلِ العلمِ لاَيَرَوْنَ بِالسِّوَاكِ لِلصَّائِمِ بَأْسًا إِلاَّ أَنَّ بَعْضَ أهلِ العلمِ كَرِهُوْا السِّوَاكَ لِلصَّائِمِ بِالْعُوْدِ الرَّطْبِ، وكَرِهُوْا لَهُ السِّوَاكَ آخِرَ النَّهَارِ، وَلَمْ يَرَ الشافعيُّ بالسِّوَاكِ بَأْسًا أَوَّلَ النَّهَارِ وَآخِرَهُ، وَكَرِهَ أحمدُ وإسحاقُ السِّوَاكَ آخِرَ النَّهَارِ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے وہ روزہ دار کے لئے مسواک میں کوئی حرج نہیں دیکھتے، مگر بعض علماء روزہ دار کے لئے تر لکڑی کی مسواک کو مکروہ کہتے ہیں (یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے) اور وہ روزہ دار کے لئے دن کے آخری حصہ میں مسواک کو مکروہ کہتے ہیں (یہ امام مالک کا مذہب نہیں) اور امام شافعیؒ دن کے اول وآخر میں مسواک میں کوئی حرج نہیں سمجھتے (یہ احناف کا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کی ایک روایت ہے۔ علامہ نوویؒ نے شرح مہذب میں اسی قول کو راجح بتایا ہے معارف السنن ۵:۳۹۹) اور احمد واسحاق نے زوال کے بعد مسواک کو مکروہ کہا ہے (یہ امام شافعی کا قول ہے، اور امام احمدؒ فرض ونفل میں فرق کرتے ہیں)

بابُ ماجاء فى الكُحْلِ لِلصَّائِمِ

روزے میں سرمہ لگانے کا حکم

روزہ کی حالت میں اگر کوئی آنکھ میں سرمہ لگائے یا کوئی سیال دوا ڈالے تو جائز ہے، کوئی کراہیت نہیں، اور یہ مسئلہ

اجماعی ہے۔

حدیث: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: میری آنکھیں دکھتی ہیں، پس کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔

تشریح: یہ حدیث ابو عاتکہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور باب میں اور کوئی صحیح حدیث نہیں، پس اس سے استدلال درست ہے۔ اور سرمہ وغیرہ جو آنکھ میں ڈالا جاتا ہے، بعض مرتبہ اس کا اثر تھوک میں ظاہر ہوتا ہے، پھر بھی روزہ نہیں ٹوٹتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اثر مسامات کے ذریعہ پہنچتا ہے اور جو چیز مسامات کے ذریعہ جوفِ معدہ میں یا جوفِ دماغ میں پہنچے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب اصلی سوراخ سے یا اصلی جیسے مصنوعی سوراخ سے معدہ میں یا دماغ میں کوئی چیز پہنچے، اور اصلی سوراخ دو ہیں: ایک منہ کا سوراخ (ناک کا سوراخ اور منہ کا سوراخ ایک ہیں) دوسرا: بڑے استنجے کا سوراخ، وہ بھی معدہ تک جاتا ہے، ان دونوں سوراخوں کے ذریعہ کوئی چیز معدہ میں پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اصلی جیسے مصنوعی سوراخ سے مراد یہ ہے کہ پیٹ میں کوئی ایسا زخم ہو گیا جو معدہ کے اندر تک جاتا ہے اور وہ مستقل سوراخ بن گیا ہے، جس کو جائفہ کہتے ہیں، یہ سوراخ اگرچہ منفذِ اصلی نہیں، مگر اس کے مشابہ ہے، پس اس میں دوا وغیرہ ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر وہ دوا معدہ کے اندر پہنچ جائے۔ ان تین منفذوں کے علاوہ کسی بھی طریقہ سے معدہ میں یا جوفِ دماغ میں کوئی چیز پہنچائی جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جیسے انجکشن خواہ رگ میں لگایا جائے یا گوشت میں: ناقض نہیں، کیونکہ وہ دوا معدہ تک نہیں پہنچتی، اسی طرح کتے کے کاٹے کا انجکشن اس میں دوا اگرچہ براہ راست معدہ تک پہنچائی جاتی ہے مگر چونکہ منفذِ اصلی سے نہیں پہنچائی جاتی اس لئے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور انجکشن کی سوئی گھسنے کا سوراخ عارضی ہے، اور دلیل باب کی حدیث ہے، نبی ﷺ نے بحالت روزہ سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے، اور سرمہ کا اثر کبھی تھوک میں بھی محسوس ہوتا ہے، مگر چونکہ وہ اثر مسامات کے ذریعہ آتا ہے اس لئے وہ ناقضِ صوم نہیں۔

فائدہ: دماغ میں کسی چیز کے چڑھ جانے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر یہ چیز فی نفسہ ناقض نہیں، بلکہ یہ اس لئے ناقض ہے کہ جو چیز دماغ میں پہنچ جاتی ہے وہ ضرور پیٹ میں اتر جاتی ہے، جیسے: نیند فی نفسہ ناقض وضوء نہیں بلکہ خروج ریح کا مظنہ ہونے کی وجہ سے ناقض ہے اسی طرح کسی چیز کا دماغ میں چڑھ جانا فی نفسہ ناقض نہیں وہ ناقض اس لئے ہے کہ وہ چیز وہاں سے پیٹ میں اتر جاتی ہے، پس اصل ناقض جوفِ معدہ میں کسی چیز کا پہنچنا ہے۔ اور آمّۃ (سر کا وہ زخم جو جوفِ دماغ تک پہنچ گیا ہو) کا ذکر میں نے اس لئے نہیں کیا کہ ایسا زخمی عام طور پر زندہ نہیں رہتا۔

[۳۰] باب ماجاء في الكُحْلِ للصائم

[۷۱۷-] حدثنا عبدُ الأعلى بنُ وَاصِلٍ، نا الحَسَنُ بنُ عَطِيَّةَ، نا أبو عَاتِكَةَ، عن أنسِ بنِ مالكٍ، قال: جَاءَ رَجُلٌ إلى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قال: اشْتَكَتْ عَيْنِيْ أفَأكْتَحِلُ وَأنَا صَائِمٌ؟ قَالَ: نَعَمْ.

وفي الباب: عن أبي رَافِعٍ. قال أبو عيسى: حديثُ أنسٍ حديثٌ إسنادُهُ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ، وَلَا يَصِحُّ عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم في هذا البابِ شيءٌ، وأَبُوْ عَاتِكَةَ يُضَعَّفُ.

واخْتَلَفَ أهلُ العلمِ في الكُحْلِ لِلصَّائِمِ، فَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ، وهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ، وابنِ المُبَارَكِ وأحمدَ، وإسحاقَ، ورَخَّصَ بعضُ أهلِ العلمِ فِيْ الكُحْلِ لِلصَّائِمِ، وَهُوَ قَوْلُ الشافِعِيِّ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند قوی نہیں، اور نبی ﷺ سے اس مسئلہ میں کوئی صحیح روایت مروی نہیں۔ اور ابو عاتکہ کی تضعیف کی گئی ہے۔ اور علماء کا روزہ دار کے لئے سرمہ لگانے کی مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض علماء اس کو مکروہ کہتے ہیں اور یہ سفیان، ابن المبارک، احمد اور اسحاق کا قول ہے (مگر یہ قول مفتی بہ نہیں) اور بعض علماء روزہ دار کے لئے سرمہ لگانے کی اجازت دیتے ہیں اور یہ شافعی کا قول ہے (تمام علماء کا مفتی بہ قول یہی ہے)

بابُ ماجاء في القُبْلَةِ لِلصَّائِمِ

روزہ کی حالت میں بیوی کو چومنے کا حکم

روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینے سے اگر چہ روزہ نہیں ٹوٹتا مگر جوان آدمی یہ کام کرے گا تو اندیشہ ہے کہ صحبت تک معاملہ پہنچ جائے، اس لئے جوان آدمی کو روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینے سے بچنا چاہئے، اسی طرح مباشرت یعنی روزہ کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانا بھی جائز ہے، مگر جوان کے لئے خطرہ سے خالی نہیں، اس لئے روزہ کی حالت میں خاص طور پر رمضان کے روزہ کی حالت میں اس کام سے بہت دور رہنا چاہئے، تاکہ روزہ خطرہ میں نہ پڑے۔

[۳۱] باب ماجاء في القُبْلَةِ للصائم

[۷۱۸-] حدثنا هَنَّادٌ، وقُتَيْبَةُ، قالا: نا أبو الأَحْوَصِ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ مَيْمُوْنٍ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كانَ يُقَبِّلُ فِيْ شَهْرِ الصَّوْمِ.

وفي الباب: عن عُمَرَ بنِ الخَطَّابِ، وحَفْصَةَ، وأبي سعيدٍ، وأُمِّ سَلَمَةَ، وابنِ عباسٍ، وأنسٍ، وأبي هريرةَ، قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

واخْتَلَفَ أَهْلُ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ فِيْ القُبْلَةِ للصَّائِمِ: فَرَخَّصَ بعضُ أصحابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فِي القُبْلَةِ لِلشَّيْخِ، وَلَمْ يُرَخِّصُوْا لِلشَّابِّ، مَخَافَةَ أَنْ لَا يَسْلَمَ لَهُ صَوْمُهُ؛ وَالْمُبَاشَرَةُ عندَهُمْ أَشَدُّ، وقَدْ قَالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: القُبْلَةُ تَنْقُصُ الأجرَ، وَلَا تُفْطِرُ

الصَّائِمِ، وَرَأَوْا أَنَّ للصَّائِمِ إِذَا مَلَكَ نَفْسَهُ: أَنْ يُقَبِّلَ، وَإِذَا لَمْ يَأْمَنْ على نَفْسِهِ تَرَكَ الْقُبْلَةَ، لِيَسْلَمَ لَهُ صَوْمُهُ، وَهُوَ قَولُ سفيانَ الثَّوْرِيِّ والشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ رمضان کے مہینہ میں بوسہ لیا کرتے تھے۔
صحابہ اوران کے علاوہ علماء نے روزہ دار کے لئے بوسہ لینے کی بابت اختلاف کیا ہے: بعض صحابہ بوڑھے کو بوسہ لینے کی اجازت دیتے ہیں اور وہ جوان کو اجازت نہیں دیتے، اس اندیشہ سے کہ کہیں اس کا روزہ محفوظ نہ رہے۔ اوران کے نزدیک مباشرت (بیوی کو ساتھ لٹانا) سخت بات ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: بوسہ ثواب کو کم کرتا ہے اور روزہ کو توڑتا نہیں، اور وہ کہتے ہیں: جب روزہ دار اپنے نفس سے مطمئن ہو تو بوسہ لے سکتا ہے اور جب وہ اپنے نفس سے مطمئن نہ ہو تو بوسہ نہ لے، تاکہ اس کا روزہ محفوظ رہے، اور یہ سفیان ثوری اور شافعی کا قول ہے۔

بابُ ماجاءَ فی مُبَاشَرَةِ الصَّائِمِ

روزہ کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانے کا حکم

مباشرۃ: باب مفاعلہ کا مصدر ہے، اردو میں اس کے معنی ہیں: صحبت کرنا، اور عربی میں اس کے معنی ہیں: بدن سے بدن لگانا، یہاں روزہ کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانا مراد ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ روزہ کی حالت میں مجھے اپنے ساتھ لٹاتے تھے، اور آپؐ اپنی خواہش پر نہایت قابو یافتہ تھے، دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لیتے تھے اور بیوی کو ساتھ لٹاتے تھے اور آپؐ اپنی خواہش پر تم سے زیادہ قابو یافتہ تھے۔

تشریح: حضور ﷺ کا یہ عمل بیانِ جواز کے لئے تھا یعنی مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا، سنت نہیں تھا کہ لوگ اس پر عمل کرنے لگیں، حضرت عائشہؓ نے آخری جملہ سے یہی بات سمجھائی ہے، جیسے آپؐ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا ہے، یہ عمل بھی بیانِ جواز کے لئے تھا یعنی مجبوری میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے، سنت نہیں ہے یعنی یہ اسلامی تہذیب نہیں ہے، اسی طرح حائضہ کے بارے میں سورۃ البقرۃ (آیت ۲۲۲) میں ارشاد ہے کہ حیض گندی چیز ہے، پس حیض میں تم عورتوں سے علحدہ رہا کرو، اور ان کے قریب مت جاؤ جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں۔ نبی ﷺ نے اپنے عمل سے اس کی حدود متعین کیں کہ چومنا اور ساتھ لٹانا جائز ہے اس سے آگے بڑھنا جائز نہیں۔

[۳۲] باب ماجاء فی مباشرة الصائم

[۷۱۹-] حدثنا ابنُ أبی عُمَرَ، نا وکیعٌ، نا إسرائیلُ، عن أبی إسحاق، عن أبی مَیْسَرَةَ، عن عائشةَ،

قالتْ: كانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُبَاشِرُنِيْ وَهُوَ صَائِمٌ، وكانَ أَمْلَكَكُمْ لِأَرَبِه.

[۷۲۰-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أبو مُعَاوِيَةَ، عن الْأَعْمَشِ، عن إبراهيمَ، عن عَلْقَمَةَ، وَالْأَسْوَدِ، عن عائشةَ، قالتْ: كانَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ، وَكَانَ أَمْلَكَكُمْ لِأَرَبِهِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وأبومَيْسَرَةَ: اسْمُهُ عَمْرُو بنُ شُرَحْبِيْلَ، ومَعْنَى لِأَرَبِهِ يَعْنِيْ لِنَفْسِهِ.

لغت: الْأَرَب: (بفتحتين) (۱) ضرورت، ضرورتِ شدیدہ (۲) مقصد، آرزو۔ کہا جاتا ہے: نَالَ/ بَلَغَ أَرَبَه: مقصد پورا ہوگیا، آروز برآئی۔

بابُ ماجاءَ لَاصِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَعْزِمْ مِنَ اللَّيْلِ

جس نے رات سے روزے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ نہیں

جو روزے اللہ کی طرف سے متعین ہیں جیسے رمضان کے روزے یا بندے کی طرف سے متعین ہیں جیسے نذر معین کے روزے، ان میں تبییتِ نیت یعنی صبح صادق سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان میں تبییتِ نیت ضروری ہے اگر صبح صادق ہوگئی اور نیت نہیں کی تو روزہ نہیں ہوگا، اور احناف کے نزدیک تبییتِ نیت ضروری نہیں، صبح صادق کے بعد بھی نیت کرسکتے ہیں۔ باب کی حدیث ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہے۔

اور جو روزے ضروری ہیں مگر ان کا وقت متعین نہیں، نہ اللہ کی طرف سے نہ بندے کی طرف سے، اور ایسے روزے تین ہیں: رمضان کی قضا کا روزہ، کفاروں کے روزے، اور نذر غیر معین کے روزے: ان میں بالاجماع رات سے نیت کرنا ضروری ہے، صبح صادق کے بعد ان کی نیت نہیں ہوسکتی۔

اور نفل روزوں میں صرف امام مالک تبییتِ نیت کے قائل ہیں اور احناف کے نزدیک ضحوۂ کبری یعنی دس گیارہ بجے تک نیت ہوسکتی ہے، اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک زوال کے بعد بھی نیت ہوسکتی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے صبح صادق سے پہلے روزہ کا پختہ ارادہ نہیں کیا اس کا روزہ نہیں۔

تشریح: ائمہ ثلاثہ کا خیال ہے کہ اس حدیث کے عموم میں رمضان اور نذر معین کے روزے بھی شامل ہیں، احناف کہتے ہیں: اول تو اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے، صرف یحیٰ بن ایوب اس حدیث کو مرفوع کرتے ہیں باقی سب روات موقوف بیان کرتے ہیں، یعنی اس حدیث کو ابن عمر کا فتوی قرار دیتے ہیں۔ اور اس کا موقوف ہونا ہی اصح ہے خود امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی کو اصح کہا ہے اور دیگر محدثین کی رائے بھی یہی ہے۔ ثانیاً

اس کا مصداق وہ تین روزے ہیں جو واجب ہیں مگر ان کا وقت متعین نہیں، رمضان اور نذر معین کے روزے اس حدیث کا مصداق نہیں، کیونکہ ان کا وقت متعین ہے اور ان اوقات میں دوسرے روزوں کا احتمال ہی نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ روزے چھ ہیں: رمضان کے روزے، نذر معین کے روزے، رمضان کی قضا کے روزے، کفاروں کے روزے، نذر غیر معین کے روزے اور نفل روزے۔ آخری روزے میں صبح صادق کے بعد بھی نیت کرنا نبی ﷺ سے ثابت ہے، جیسا کہ حدیث (۷۲۴) میں آرہا ہے۔ باقی پانچ روزے: سب اس حدیث کے تحت داخل ہیں یا اس مسئلہ میں کوئی اور بھی حدیث ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سب اس حدیث کے تحت داخل ہیں اور سب میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے۔ اور احناف کے نزدیک اس مسئلہ میں ایک اور حدیث بھی ہے، حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں عاشورے کے دن اعلان کرے کہ من کان أَکَلَ فَلْیَصُمْ بقیةَ یومِہ، ومن لَمْ یَکُنْ أَکَلَ فَلْیَصُمْ، فإن الیومَ یومُ عاشوراءَ (بخاری حدیث ۲۰۰۷) یعنی جس نے کھا پی لیا ہے وہ دن بھر امساک کرے اور جس نے اب تک کچھ کھایا پیا نہیں وہ روزے کی نیت کرلے اور رمضان سے پہلے عاشوراء کا روزہ واجب تھا (اس میں دیگر ائمہ کا اختلاف ہے) پس روزوں کی پہلی دو قسمیں اس حدیث کے تحت ہیں کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے یا بندے کی طرف سے متعین ہیں اور باقی تین روزے حدیث باب کے تحت ہیں۔

[۳۳] باب ماجاء لَاصِیَامَ لمن لم یَعْزِمْ من اللیل

[۷۲۱-] حدثنا إسحاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، نا ابن أبی مَرْیَمَ، نا یَحْیَی بنُ أیوبَ، عن عبدِ اللّٰہ بن أبی بَکْرٍ، عن ابنِ شہابٍ، عن سَالِمِ بنِ عبدِ اللّٰہِ، عن أبیہِ، عن حَفْصَةَ، عن النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "مَنْ لَمْ یُجْمِعِ الصِّیَامَ قَبْلَ الفَجْرِ فَلاَ صِیَامَ لَهُ"

قال أبو عیسی: حدیثُ حَفْصَةَ حدیثٌ لَانَعرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلاَّ مِنْ هٰذا الوَجْہِ، وقد رُوِیَ عَنْ نَافِعٍ عن ابنِ عُمَرَ قَوْلُهُ، وَھو أَصَحُّ.

وَإِنَّمَا مَعْنَی هٰذا عندَ بعضِ أھلِ العلمِ: لَاصِیَامَ لِمَنْ لَمْ یُجْمِعِ الصِّیَامَ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فِیْ رَمَضَانَ أَوْ فِیْ قَضَاءِ رَمَضَانَ أَوْ فِیْ صِیَامِ نَذْرٍ: إِذَا لَمْ یَنْوِہِ مِنَ اللَّیْلِ لَمْ یُجْزِہِ.

وَأَمَّا صِیَامُ التَّطَوُّعِ فَمُبَاحٌ لَهُ أَنْ یَنْوِیَهُ بَعْدَ مَا أَصْبَحَ، وھو قولُ الشافعیِّ، وأحمدَ، وإسحاقَ.

ترجمہ: اس حدیث کو ہم مرفوع نہیں جانتے مگر اسی سند سے، اور نافع سے، وہ ابن عمر سے ان کا قول روایت کرتے ہیں (یعنی نافع اس کو ابن عمر کا قول قرار دیتے ہیں) اور وہی اصح ہے ـــــ اور اس حدیث کا مطلب بعض

علماء کے نزدیک یہ ہے کہ اس شخص کا روزہ نہیں جو رمضان میں یا رمضان کی قضا میں یا نذر کے روزوں میں صبح صادق سے پہلے روزہ کا پختہ ارادہ نہ کرے، جب رات سے نیت نہیں کی تو اس کا روزہ نہیں ہوا ـــــ اور رہا نفل روزہ تو اس میں صبح کے بعد بھی نیت کرنا جائز ہے، اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

بابُ ماجاءَ فی إفطَارِ الصَّائِمِ المُتطوِّعِ

نفل روزہ توڑنے کا حکم

اس باب میں دو مسئلے ہیں: ایک مسئلہ یہ ہے کہ نفل روزہ توڑنا کیسا ہے؟ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص نفل روزہ توڑ دے اس پر قضا واجب ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نفل روزہ توڑنا بلا کراہیت جائز ہے خواہ کوئی عذر ہو یا نہ ہو۔ اور اس کی قضا واجب نہیں البتہ امام مالکؒ کے نزدیک قضا واجب ہے۔ اور حنفیہ کے یہاں دو قول ہیں: مشہور قول یہ ہے کہ عذر کے بغیر نفل روزہ توڑنا مکروہ ہے۔ اور اگر کوئی معقول عذر ہو تو توڑ سکتے ہیں، اور دوسرا قول وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ کا ہے مگر یہ غیر مشہور قول ہے اور دونوں صورتوں میں قضا واجب ہے۔

اور یہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ نفل عبادت (کوئی بھی ہو) شروع کرنے کے بعد نفل رہتی ہے یا واجب ہو جاتی ہے؟ ائمہ ثلاثہ کا خیال ہے کہ نفل عبادت جس طرح شروع کرنے سے پہلے نفل ہوتی ہے یعنی شروع کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اسی طرح شروع کرنے کے بعد بھی وہ نفل رہتی ہے، یعنی بندہ کو اختیار ہے چاہے اُسے پورا کرے اور چاہے پورا نہ کرے۔ اور نفل حج اور عمرہ میں سب کا اتفاق ہے کہ ان کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا ضروری ہے توڑنا جائز نہیں اور توڑنے کی صورت میں قضا واجب ہے، یہی حکم احناف کے نزدیک دیگر نفل عبادات کا ہے اور حج اور نماز روزے میں ان کے نزدیک کوئی فرق نہیں، جو حکم نفل حج اور عمرہ کا ہے وہی حکم نفل روزے اور نماز کا ہے، ان کو شروع کرنے سے پہلے شروع کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے، مگر جب عبادت شروع کر دی تو اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ﴾ (سورۂ محمد آیت ۳۲) یعنی اپنے اعمال کو باطل نہ کرو، خواہ کوئی عمل ہو، پس نفل اعمال کو بھی پورا کرنا ضروری ہے، عذر کے بغیر ان کو توڑنا جائز نہیں، اور توڑے گا تو اس کی قضا ضروری ہوگی، اور ائمہ ثلاثہ نفل حج اور عمرہ میں تو یہ قاعدہ تسلیم کرتے ہیں مگر دیگر نفل اعمال کو اس قاعدہ کے تحت نہیں لاتے، اور احناف دیگر عبادات میں بھی یہ قاعدہ جاری کرتے ہیں۔

حدیث (۷۲۲): ام ہانی کہتی ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس بیٹھی تھی (گھر کی دیگر خواتین بھی تھیں) پینے کی کوئی چیز لائی گئی۔ آپؐ نے اس کو پیا۔ پھر بچا ہوا مجھے دیا (ام ہانی آپؐ کی دائیں جانب تھیں، اس لئے الأیمن فالأیمن کے قاعدہ سے بچا ہوا ان کو دیا) میں نے اس کو پی لیا، پھر میں نے عرض کیا: مجھ سے گناہ ہو گیا، میرے لئے بخشش کی دعا

فرمایئے۔آپ نے پوچھا: کیا گناہ ہوا؟ انھوں نے عرض کیا: میں روزے سے تھی (تبرک کی وجہ سے) میں نے روزہ توڑ دیا۔آپؐ نے پوچھا: کیا رمضان کا قضا روزہ تھا؟ عورتوں پر رمضان کے روزے باقی رہ جاتے ہیں۔انھوں نے عرض کیا: نہیں! آپؐ نے فرمایا: ''پس وہ (روزہ توڑنا) تمہیں ضرر نہیں پہنچائے گا''

تشریح: یہ حدیث ابوالاحوص کی ہے، وہ سماک بن حرب سے، وہ ام ہانی کے کسی لڑکے سے، اور وہ اپنی والدہ ام ہانی سے روایت کرتے ہیں۔اس حدیث کی وجہ سے ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: عذر کے بغیر بھی نفل روزہ توڑنا جائز ہے۔ام ہانی نے بغیر کسی عذر کے روزہ توڑا تھا۔احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ام ہانی نے روزہ اس لئے توڑا تھا تاکہ تبرک ہاتھ سے چلا نہ جائے، اور یہ بہت بڑا عذر تھا، اگر وہ نہ پیتیں تو اگلی پی لیتی اور وہ تبرک سے محروم رہ جاتیں، پس یہ روزہ توڑنے کے لئے معقول عذر تھا۔

حدیث (۷۲۳): مذکورہ حدیث کو امام شعبہ رحمہ اللہ اس طرح بیان کرتے ہیں: میں سماک بن حرب کو اس طرح کہتے ہوئے سنا کرتا تھا: أحد بني أم هانيء حدثني یعنی ام ہانی کے کسی لڑکے نے مجھ سے حدیث بیان کی، شعبہ کہتے ہیں: پھر میری ملاقات ام ہانی کی اولاد میں سے سب سے افضل ہوئی جس کا نام جعدہ تھا، ام ہانی ان کی دادی تھیں، پس جعدہ نے مجھ سے ام ہانی سے روایت کرتے ہوئے اس طرح حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن ان کے گھر تشریف لائے اور آپؐ نے کوئی مشروب منگوایا پس نوش فرمایا پھر بقیہ ام ہانی کو دیا تو انھوں نے پی لیا، پھر انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! سنیں بیشک میں روزے سے تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نفل روزہ دار اپنی ذات کا ذمہ دار ہے اگر چاہے تو روزہ پورا کرے اور اگر چاہے تو روزہ توڑ دے'' شعبہ کہتے ہیں: میں نے جعدہ سے پوچھا: کیا آپ نے یہ روایت ام ہانی سے خود سنی ہے؟ جعدہ نے کہا نہیں۔مجھ سے ابوصالح نے اور ہمارے گھر والوں نے ام ہانی سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے، یعنی درمیان میں مجہول واسطہ ہے ——— اور سماک کے تیسرے شاگرد حماد بن سلمہ ام ہانی کے نواسے ہارون کا واسطہ ذکر کرتے ہیں ——— امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شعبہ کی روایت سب سے اچھی ہے۔

تشریح: یہ سماک بن حرب کی حدیث ہے۔اس کی سند میں بھی اضطراب ہے اور متن میں بھی اضطراب ہے، ابوالاحوص کی اسناد میں واسطہ ام ہانی کے کسی لڑکے کا ہے اور شعبہ کی سند میں جعدہ کا ہے، پھر ان سے اوپر مجہول راوی ہے اور حماد کی سند میں ہارون کا واسطہ ہے، اور متن تین طرح مروی ہے: (۱) حدیث نمبر ۷۲۲ میں جو ابوالاحوص کی حدیث ہے فلا یَضُرُّكِ ہے (۲) اور شعبہ کی سند میں جو بسند محمود بن غیلان عن ابی داؤد الطیالسی مروی ہے أمین نفسه ہے (۳) اور شعبہ کے دیگر تلامذہ أمیر نفسه أو أمین نفسه کہتے ہیں ان کو شک ہے کہ نبی ﷺ نے ان دو لفظوں میں سے کونسا لفظ ارشاد فرمایا تھا۔

ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نفل روزہ رکھنے والا خود مختار ہے چاہے روزہ پورا کرے چاہے توڑ دے، احناف اس حدیث کو سند اور متن کے اضطراب کی وجہ سے قابل استدلال نہیں مانتے، ان کا مستدل اگلے باب کی حدیث ہے۔

حدیث (۷۲۴): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک دن نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور پوچھا کیا تمہارے پاس (کھانے کے لئے) کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: پس میں روزہ دار ہوں یعنی روزہ کی نیت کر لیتا ہوں (یہ حدیث مختصر ہے مفصل اگلے نمبر پر آرہی ہے)

حدیث (۷۲۵): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور پوچھا کرتے تھے کیا تمہارے پاس صبح کا کھانا ہے؟ (غَدَاء صبح کے کھانے کو کہتے ہیں اور عرب میں صبح کا کھانا دس گیارہ بجے کھایا جاتا تھا) پس میں کہتی کہ نہیں ہے تو آپؐ فرماتے: میں روزہ دار ہوں، یعنی کھانے کو کچھ نہیں ہے تو میں روزہ کی نیت کر لیتا ہوں، صدیقہ فرماتی ہیں: آپؐ ایک دن میرے پاس تشریف لائے (اور کچھ نہیں پوچھا) پس میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آج ہمارے پاس ہدیہ آیا ہے، آپؐ نے پوچھا: کیا آیا ہے؟ میں نے عرض کیا حَیس آیا ہے (ستو، گھی اور کھجور کو ملا کر یہ کھانا تیار کیا جاتا تھا) آپؐ نے فرمایا: سنو! میں نے صبح سے روزہ کی نیت کر لی تھی پھر آپؐ نے وہ حلوہ کھایا، یعنی روزہ توڑ دیا۔

تشریح: اس حدیث سے تین مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔

۱- نفل روزہ کی نیت رات سے کرنی ضروری نہیں، صبح صادق کے بعد بھی نیت کی جاسکتی ہے، جمہور کا یہی مذہب ہے۔ البتہ امام مالک اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نفل روزہ میں بھی رات سے نیت کرنی ضروری ہے۔

۲- ضحوۂ کبری سے پہلے نفل روزہ کی نیت کی جاسکتی ہے، احناف کا یہی مذہب ہے۔ نبی ﷺ ناشتہ کے لئے کچھ نہیں ہوتا تھا تو روزہ کی نیت کر لیتے تھے۔ اور ناشتہ ضحوۂ کبری سے پہلے کیا جاتا ہے۔

۳- ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بغیر عذر کے بھی نفل روزہ توڑ سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے صبح سے روزہ کی نیت کر رکھی تھی مگر جب ملیدہ سامنے آیا تو آپؐ نے روزہ توڑ دیا۔ احناف کے نزدیک یہ روزہ توڑنا بھی بربناء عذر تھا، آپؐ کو معلوم تھا کہ آج گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں اس لئے آپؐ نے صبح سے روزہ رکھ لیا تھا اور معلوم نہیں کتنے دن کا فاقہ ہوگا پس یہ روزہ توڑنے کے لئے بہت بڑا عذر ہے۔

[۳۴] باب ماجاء في إفطارِ الصائمِ المتطوع

[۷۲۲-] حدثنا قُتَيبَةُ، نا أبو الأحْوَصِ، عن سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عن ابنِ أُمِّ هَانِيءٍ، عن أُمِّ هَانِيءٍ،

قالت: كُنتُ قَاعِدَةً عندَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فأُتِيَ بِشَرَابٍ، فَشَرِبَ مِنهُ، ثُمَّ نَاوَلَنِي فَشَرِبْتُ مِنهُ، فقلتُ: إِنِّي أَذْنَبْتُ فَاسْتَغْفِرْ لِيْ قال: وَمَا ذَاكَ؟ قَالَتْ: كُنْتُ صَائِمَةً فَأَفْطَرْتُ، فقالَ: أَمِنْ قَضَاءٍ كُنْتِ تَقْضِيْنَهُ؟ قالتْ: لا، قال: فَلَا يَضُرُّكِ.

وفي الباب: عن أبي سعيدٍ، وعائشةَ.

حديثُ أُمِّ هَانِيءٍ في إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، والعملُ عليه عندَ بعضِ أهلِ العلم مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغيرِهِمْ: أَنَّ الصَّائِمَ الْمُتَطَوِّعَ إِذَا أَفْطَرَ فَلَا قَضَاءَ عليهِ، إِلَّا أَنْ يُحِبَّ أَنْ يَقْضِيَهُ، وهو قولُ سُفْيَانَ الثوريِّ، وأحمدَ، وإسحاقَ، والشافعيِّ.

[۷۲۳-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، نا أبو داودَ، نا شُعْبَةُ، قال: كُنْتُ أَسْمَعُ سِمَاكَ بْنَ حَرْبٍ يقولُ: أَحَدُ بَنِيْ أُمِّ هَانِيءٍ حَدَّثَنِيْ، فَلَقِيْتُ أَنَا أَفْضَلَهُمْ، وَكَانَ اسْمُهُ جَعْدَةَ، وكانت أُمُّ هَانِيءٍ جَدَّتَهُ، فَحَدَّثَنِيْ عَنْ جَدَّتِهِ أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم دَخَلَ عليها، فَدَعَا بِشَرابٍ فَشَرِبَ، ثُمَّ نَاوَلَهَا فَشَرِبَتْ، فَقَالَتْ: يارسولَ اللّٰهِ! أَمَا إِنِّيْ كُنْتُ صَائِمَةً، فقال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ أَمِيْنُ نَفْسِهِ إِنْ شَاءَ صَامَ وَإِنْ شَاءَ أَفْطَرَ"

قال شُعْبَةُ: قلتُ له: أنتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ أُمِّ هَانِيءٍ؟ قال: لا، أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ صَالِحٍ وَأَهْلُنَا عَنْ أُمِّ هَانِيءٍ.

وَرَوَى حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ هٰذَا الحديثَ عن سِمَاكٍ، فقال: عن هَارُوْنَ ابنِ بِنْتِ أُمِّ هَانِيءٍ، عن أُمِّ هَانِيءٍ، وَرِوَايَةُ شُعْبَةَ أَحْسَنُ، هٰكذَا حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، عن أبي داودَ، فقال: " أمينُ نَفْسِهِ" وحدثنا غَيْرُ محمودٍ عن أبي داودَ فقال: " أَمِيْرُ نَفْسِهِ أو أَمِيْنُ نَفْسِهِ" على الشَّكِّ، وهكذا رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ شُعْبَةَ: " أميرُ أو: أمينُ نَفْسِه" على الشَّكِّ.

[۷۲٤-] حدثنا هنادٌ، نا وكيعٌ، عن طَلْحَةَ بنِ يَحْيىَ، عن عَمَّتِهِ عائشةَ بِنْتِ طَلْحَةَ، عن عائشةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ، قالتْ: دَخَلَ عليَّ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمًا فقال: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟ قالتْ: قلتُ: لا، قال: " فَإِنِّيْ صَائِمٌ"

[۷۲۵-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، نا بِشْرُ بنُ السَّرِيِّ، عن سُفْيَانَ، عن طَلْحَةَ بنِ يحيىَ، عن عائشةَ بِنْتِ طَلْحَةَ، عن عائشةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ، قالتْ: إِنْ كانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَأْتِيْنِيْ فيقولُ: " أَعِنْدَكِ غَدَاءٌ؟" فأقولُ: لا، فيقولُ: " إِنِّيْ صَائِمٌ" قالتْ: فَأَتَانِيْ يَوْمًا فقلتُ: يارسولَ اللّٰهِ! إِنَّهُ قَدْ أُهْدِيَتْ لَنَا هَدِيَّةٌ، قال: " وَمَا هِيَ؟ قُلْتُ: " حَيْسٌ، قال: " أَمَا إِنِّيْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا" قالتْ: ثُمَّ أَكَلَ. قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ.

ترجمہ: ام ہانی کی حدیث کی سند میں کلام ہے اور اس پر بعض صحابہ اور ان کے علاوہ علماء کا عمل ہے کہ نفل روزہ رکھنے والا جب روزہ توڑ دے تو اس پر قضا نہیں مگر یہ کہ وہ اس کی قضا کرنا چاہے۔ اور یہ سفیان ثوری، احمد، اسحاق اور شافعی کا قول ہے۔ اور شعبہ کی حدیث اچھی ہے۔ ہم سے محمود بن غیلان نے ابوداؤد سے روایت کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا: أمین نفسه یعنی شک کے بغیر۔ اور ہم سے محمود کے علاوہ نے ابوداؤد سے روایت کرتے ہیں بیان کیا: أمیر نفسه أو: أمین نفسه (یعنی ان کی حدیث میں شک ہے اور أمیر نفسه کے معنی ہیں: اپنی ذات کا خود مختار، اسی طرح شعبہ سے متعدد سندوں سے اسی طرح أمیر یا أمین شک کے ساتھ مروی ہے۔

بابُ ماجاء فی إیْجَابِ الْقَضَاءِ عَلَیْهِ

نفل روزہ توڑنے سے قضا واجب ہوتی ہے

یہ باب اوپر والے باب کا مقابل ہے اور اس میں ان ائمہ کی دلیل ہے جو نفل روزہ توڑنے پر وجوبِ قضاء کے قائل ہیں۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے اور حفصہ نے روزہ رکھا، پس ہمارے پاس (ہدیہ میں) ایسا کھانا لایا گیا جس کی ہم نے خواہش کی (یعنی ہمارا جی للچایا) ہم نے وہ کھانا کھالیا (یعنی روزہ توڑ دیا، اور ہر ایک نے دل میں سوچا کہ جب آپؐ تشریف لائیں گے تو وہ مسئلہ پوچھے گی) پس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حفصہؓ نے مجھ سے سبقت کی اور وہ اپنے باپ کی بیٹی تھی (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح جری تھیں) انھوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم دونوں روزے سے تھیں پس ہمارے لئے کھانا لایا گیا جس کی وجہ سے ہمارے دل للچائے پس ہم نے وہ کھالیا، آپؐ نے فرمایا: ''دونوں اس دن کے عوض ایک روزہ کی قضا کرو''

تشریح: اس حدیث کی بنا پر بڑے دو امام کہتے ہیں: اگر نفل روزہ رکھ کر توڑ دیا تو اس کی قضا واجب ہے۔ اور یہ حدیث متصل بھی مروی ہے اور مرسل (منقطع) بھی اور مرسل حدیث اصح ہے، تفصیل عبارت کے بعد آئے گی۔

[۳۵] باب ماجاء فی إیجاب القضاء علیه

[۷۲۶-] حدثنا احمدُ بنُ مَنِیعٍ، نا کثیرُ بنُ هِشَامٍ، نا جَعْفَرُ بنُ بُرْقَانَ، عن الزُّهریِّ، عن عُرْوَةَ، عن عائشةَ، قالت کُنتُ أنَا وَحفصةُ صَائِمَتَیْنِ، فَعَرَضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَیْنَاهُ، فَأکَلْنَا مِنْهُ، فَجَاءَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فَبَدَرَتْنِی إلَیْهِ حَفصَةُ، وکانَتِ ابْنَةَ أبِیهَا، فقالَتْ: یارسولَ اللّٰهِ! إنَّا کُنَّا صَائِمَتَیْنِ فَعَرَضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَیْنَاهُ، فَأکَلْنَا مِنْهُ، قال: ''اقْضِیَا یَوْمًا آخَرَ مَکَانَهُ''

قال ابو عيسى: وروَى صَالِحُ بنُ أبى الأخضرِ، ومحمدُ بنُ أبى حَفْصَةَ هذا الحديثَ عن الزُّهرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عن عائشةَ مثلَ هذا، وروَى مالِكُ بنُ أنسٍ، ومَعْمَرٌ، وعُبَيْدُ اللهِ بنُ عُمَرَ، وزِيَادُ بنُ سَعْدٍ، وغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحُفَّاظِ عن الزُّهْرِيِّ، عن عائشة مُرْسَلاً، وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيهِ عَنْ عُرْوَةَ، وهٰذَا أصَحُّ، لِأَنَّهُ رُوِىَ عن ابنِ جُرَيْجٍ، قال: سَألْتُ الزُّهْرِيَّ، فَقُلْتُ: أحَدَّثَكَ عُرْوَةُ عن عائشةَ؟ قال: لَمْ أسْمَعْ مِنْ عُرْوَةَ فِي هٰذا شَيْئًا، وَلٰكِنْ سَمِعْتُ فِي خِلَافَةِ سُلَيْمَانَ بنِ عَبْدِ الْمَلِكِ مِنْ نَاسٍ، عن بَعْضِ مَنْ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ هٰذَا الحديثِ، حدثنا بهذا عليُّ بنُ عيسىٰ بنُ يَزِيْدَ البَغْدَادِيُّ، نا رَوْحُ بنُ عُبَادَةَ، عن ابنِ جُرَيْجٍ، فَذَكَرَ الحديثَ.

وقد ذَهَبَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العلمِ مِنْ أصحابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ إلىٰ هذا الحديثِ، فَرَأَوْا عليهِ القَضَاءَ إِذَا أفْطَرَ، وهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أنسٍ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: صالح بن ابی الاخضر اور محمد بن ابی حفصہ نے یہ حدیث زہری سے جعفر بن برقان کی طرح متصل روایت کی ہے۔ اور امام مالک، معمر، عبیداللہ بن عمر اور زیاد بن سعد وغیرہ حفاظ حدیث: زہری سے یہ حدیث منقطع روایت کرتے ہیں، وہ سند میں عروہ کا تذکرہ نہیں کرتے اور یہ منقطع روایت اصح ہے۔ کیونکہ ابن جریج سے یہ بات مروی ہے کہ انھوں نے زہریؒ سے پوچھا: کیا آپ سے عروۃ نے حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے؟ زہری نے کہا: میں نے اس سلسلہ میں عروہ سے کچھ نہیں سنا، البتہ سلیمان بن عبدالملک کی خلافت میں بعض ان لوگوں سے جنھوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ سے پوچھی تھی: سنا ہے، پھر ابن جریج رحمہ اللہ کے قول کی سند لکھی ہے۔

اور صحابہ اور ان کے علاوہ علماء میں سے بعض حضرات اس حدیث کی طرف گئے ہیں، وہ کہتے ہیں: نفل روزہ رکھنے والے پر قضا واجب ہے، جب وہ اس کو توڑ دے اور یہ امام مالکؒ (اور امام اعظمؒ) کا قول ہے۔

بابُ ماجاءَ فِى وِصَالِ شَعْبَانَ بِرَمَضَانَ

شعبان کے روزوں کو رمضان کے روزوں سے ملانا

اس باب میں دو حدیثیں ہیں۔ ایک ام سلمہؓ کی، دوسری حضرت عائشہؓ کی، اور دونوں حدیثوں میں گونہ تعارض ہے، ام سلمہ کہتی ہیں: حضور اکرم ﷺ پورے شعبان اور پورے رمضان کے روزے رکھتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: آپؐ اکثر شعبان کے روزے رکھتے تھے، یعنی مکمل شعبان کے روزے نہیں رکھتے تھے، اس تعارض کا

ابن المبارک رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ ام سلمہ کی حدیث میں مجاز ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث حقیقت پر مبنی ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ شعبان کے اکثر دنوں کے روزے رکھتے تھے، پورے مہینے کے روزے نہیں رکھتے تھے، اور اکثر پر کل کا اطلاق کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: قامَ فلانٌ لیلۃَ أجمعَ: فلاں نے پوری رات نفلیں پڑھیں۔ جبکہ اس نے شام کا کھانا بھی کھایا ہوگا، استنجے کے لئے بھی گیا ہوگا، تاہم یہ قول صحیح ہے اس لئے کہ اکثر پر کل کا اطلاق شائع ذائع ہے اسی طرح حضرت ام سلمہ کی حدیث میں مجاز ہے اور مراد شعبان کے اکثر دنوں کے روزے رکھنا ہے۔

دوسرا تعارض: یہ ہے کہ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے شعبان کے نصف آخر میں روزے رکھنے سے منع کیا ہے (یہ حدیث آئندہ باب میں آرہی ہے) اور دوسری حدیث میں جو کتاب الصوم کے شروع میں گذری ہے آپؐ نے رمضان کے روزے ایک دو دن پہلے سے شروع کرنے سے منع کیا ہے۔ اور حضور ﷺ نصف شعبان کے بعد رمضان کے بالکل قریب تک روزے رکھتے تھے۔

اس تعارض کا حل: یہ ہے کہ جس حدیث میں روزے ایک دو دن مقدم کرنے کی ممانعت آئی ہے وہاں احتیاطاً رمضان کے روزے مقدم کرنے کی ممانعت ہے، اور شعبان کے آخر کے روزوں میں احتیاط والی بات متحقق نہیں، پس اس حدیث کا مصداق اور ہے، اسی طرح ارشادِ پاک: ''شعبان کے نصف آخر میں روزے مت رکھو'' کا الگ مصداق ہے، اس حدیث میں ممانعت ان لوگوں کے لئے ہے جن کو روزہ کمزور کرتا ہے ان کو حکم دیا گیا ہے کہ نصف شعبان کے بعد روزے مت رکھو، بلکہ کھاؤ پیؤ اور طاقت حاصل کرو، تاکہ رمضان کے روزے قوت کے ساتھ رکھ سکو اور رمضان میں خوب نمازیں پڑھ سکو اور دیگر عبادتیں کرسکو، اور نبی ﷺ چونکہ طاقت ور تھے روزوں کی وجہ سے آپ کو کمزوری لاحق نہیں ہوتی تھی اس لئے آپؐ نصف شعبان کے بعد بھی روزے رکھتے تھے اور امت میں سے جو اس کی طاقت رکھتے ہیں اور روزے ان کو کمزور نہیں کرتے وہ بھی نصف شعبان کے بعد روزے رکھ سکتے ہیں، ممانعت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جن کو روزوں سے کمزوری لاحق ہوتی ہے۔

[۳۶] باب ماجاء فی وِصالِ شعبانَ برمضانَ

[۷۲۷-] حدثنا بُنْدَارٌ، نا عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِیٍّ، عن سُفیانَ، عن مَنْصُوْرٍ، عن سَالِمِ بنِ أبی الجَعْدِ، عن أبی سَلَمَۃَ، عن أُمِّ سَلَمَۃَ، قالتْ: مَا رَأَیْتُ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یَصُوْمُ شَھْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ إِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ.

وفی الباب: عن عائشۃَ، قال أبو عیسی: حدیثُ أُمِّ سَلَمَۃَ حدیثٌ حسنٌ.

[۷۲۸-] وقد رُوِیَ ھذا الحدیثُ أیضًا: عن أبی سلمۃ، عن عائشۃَ: أَنَّھَا قَالَتْ: مَا رَأَیْتُ النبیَّ

صلى الله عليه وسلم فی شَهْرٍ أَكْثَرَ صِيَامًا مِنهُ فِی شَعْبَانَ، كانَ يَصُومُهُ إِلاَّ قَلِيْلاً، بَلْ كَانَ يَصُومُهُ كُلَّهُ، حدثنا بذلكَ هَنَّادٌ، نا عَبْدَةُ، عن محمدِ بنِ عَمْرٍو، نا أبو سَلَمَةَ، عن عائشةَ، عن النبیِّ صلی الله عليه وسلم بِذَلِكَ.

ورَوَى سَالِمٌ أبو النَّضْرِ وَغَيْرُ واحدٍ هذا الحديثَ عن أبی سلمةَ عن عائشةَ نَحْوَ رِوَايَةِ محمدِ بنِ عَمْرٍو.

ورُوِیَ عن ابنِ المُبَارَكِ أَنَّهُ قالَ فی هذا الحديثِ: وَهُوَ جَائِزٌ فی كَلاَمِ العَرَبِ إِذَا صَامَ أَكْثَرَ الشَّهْرِ أَنْ يُقَالَ: صَامَ الشَّهْرَ كُلَّهُ، ويُقَالُ: قَامَ فُلاَنٌ لَيْلَتَهُ أَجْمَعَ، وَلَعَلَّهُ تَعَشَّى وَاشْتَغَلَ بِبَعْضِ أَمْرِهِ، كَأَنَّ ابنَ المُبَارَكِ قَدْ رَأَى كِلاَ الحَدِيْثَيْنِ مُتَّفِقَيْنِ، يقولُ: إِنَّمَا مَعْنَى هٰذَا الحديثِ: أَنَّهُ كانَ يَصُومُ أَكْثَرَ الشَّهْرِ.

ترجمہ: ام سلمہؓ فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کو لگا تار دو ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا مگر ماہ شعبان اور رمضان کے روزے، یعنی ان دو مہینوں کے روزے آپؐ لگا تار رکھتے تھے (یہ حدیث ام سلمہؓ سے ابو سلمہؒ نے روایت کی ہے) اور ابو سلمہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں (ابو سلمہ: حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت کرتے ہیں پس دونوں حدیثیں الگ الگ ہیں) فرمایا: نبی ﷺ شعبان کے مہینے میں جتنی کثرت سے روزے رکھتے تھے میں نے اس کثرت سے کسی اور مہینے میں روزے رکھتے نہیں دیکھا (یعنی آپؐ شعبان کے اکثر ایام کے روزے رکھتے تھے) اس کے بعد حضرت عائشہ کی حدیث کی سند ہے، پھر سالم ابو النضر کی متابعت ہے وہ بھی محمد بن عمرو کی طرح روایت کرتے ہیں۔

اور ابن المبارک سے مروی ہے: انھوں نے اس حدیث (ام سلمہ کی حدیث) کے بارے میں فرمایا: کلام عرب میں یہ بات جائز ہے کہ جب آدمی مہینے کے اکثر دنوں میں روزہ رکھے تو کہا جائے کہ اس نے پورے مہینے کے روزے رکھے (یعنی مجازاً اکثر پر کل کا اطلاق کیا جاتا ہے) اور کہا جاتا ہے: "فلاں شخص نے اپنی پوری رات نفلیں پڑھیں" اور ہوسکتا ہے کہ اس نے شام کا کھانا کھایا ہو اور اپنی بعض ضروریات میں مشغول ہوا ہو، گویا ابن المبارک کے نزدیک دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں، وہ کہتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ آپؐ نے مہینے کے اکثر دنوں میں روزے رکھے۔

بابُ ماجاء فی كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ فی النِّصْفِ الباقِی مِن شَعْبَانَ لِحَالِ رَمَضَانَ

رمضان کی وجہ سے شعبان کے نصف ثانی میں روزے رکھنا مکروہ ہے

نبی ﷺ نے شعبان کے نصف آخر میں روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے اور گذشتہ باب میں یہ بات آئی ہے کہ آپؐ خود روزے رکھتے تھے، یعنی آپؐ کا قول وفعل باہم متعارض ہیں، اس تعارض کا امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ نصف شعبان کے بعد رمضان کی وجہ سے احتیاطاً روزے شروع کرنا ممنوع ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں

رمضان کی وجہ سے ایک دو دن پہلے سے روزے شروع کرنے کی ممانعت آئی ہے باب میں لحال رمضان بڑھا کر یہی جواب دیا ہے مگر یہ جواب قوی نہیں، کیونکہ رمضان کی وجہ سے پندرہ دن پہلے سے کوئی روزے شروع نہیں کرتا ہاں ایک دو دن پہلے سے رمضان کے روزے شروع کرنے کا احتمال ہے، بلکہ ممانعت کی وجہ وہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ یہ ممانعت ان لوگوں کے لئے ہے جن کو روزے کمزور کرتے ہیں، ان کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ شعبان کے نصف آخر میں روزے نہ رکھیں، بلکہ کھا پی کر طاقت حاصل کریں تا کہ رمضان کے روزے اور دیگر عبادات نشاط کے ساتھ ادا کرسکیں۔

[۳۷] باب ماجاء في كراهية الصوم في النصف الباقي من شعبان لحال رمضان

[۷۲۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا عبدُ العزيزِ بنُ محمدٍ، عن العَلاَءِ بنِ عبدِ الرحمنِ، عن أبيهِ، عن أبي هريرة، قال: قالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا بَقِيَ نَصْفٌ مِنْ شَعْبَانَ فَلاَ تَصُوْمُوْا"

قال أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، لاَنَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ هٰذَا الوَجْهِ على هذا اللَّفظِ.

وَمَعْنَى هذا الحديثِ عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ: أَنْ يَكُوْنَ الرَّجُلُ مُفطِراً، فإِذَا بَقِيَ شَيْئٌ مِنْ شَعْبَانَ أَخَذَ فِي الصَّوْمِ لِحَالِ شَهْرِ رَمَضَانَ.

وقد رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم بِمَا يُشْبِهُ قَوْلَهُ، وهٰذَا حَيْثُ قَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم:" لاَتَقَدَّمُوْا شَهْرَ رَمَضَانَ بِصِيَامٍ إِلاَّ أَنْ يُوَافِقَ ذٰلِكَ صَوْمًا كَانَ يَصُوْمُهُ أَحَدُكُمْ" وَقَدْ دَلَّ هذا الحديثُ: إِنَّمَا الكَرَاهِيَةُ على مَنْ يَتَعَمَّدُ الصِّيَامَ لِحَالِ رَمَضَانَ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جب آدھا شعبان باقی رہ جائے تو روزے مت رکھو" اور اس حدیث کے معنی بعض علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ کوئی شخص روزہ نہ رکھتا ہو، پھر جب شعبان کا کچھ حصہ باقی رہ جائے تو وہ ماہِ رمضان کی وجہ سے روزے شروع کردے (یعنی مذکورہ حدیث میں رمضان کی تعظیم کے لئے شعبان کے نصف ثانی میں روزوں کی ممانعت ہے) اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے مشابہ حدیث مروی ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رمضان سے آگے نہ بڑھو روزوں کے ساتھ، مگر یہ کہ اتفاقاً ایسا روزہ آجائے جس کو تم میں سے کوئی رکھا کرتا ہے (اس حدیث میں بھی رمضان کی تعظیم کے لئے روزوں کی تقدیم کی ممانعت ہے) اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ کراہیت اسی شخص کے لئے ہے جو بالقصد رمضان کی تعظیم کی وجہ سے روزے رکھے (خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ دونوں حدیثوں کا مصداق ایک ہے، دونوں میں تعظیم رمضان کی وجہ سے شعبان کے نصف ثانی میں روزوں کی ممانعت ہے، اسی تطبیق پر ہم نے اشکال کیا ہے اور اوپر دوسرا جواب دیا ہے)

بابُ ماجاءَ في لَيلَةِ النِّصفِ مِنْ شَعْبَانَ

پندرہویں شعبان کا بیان

شعبان کی پندرھویں رات کو شب براءت کہتے ہیں۔ براءت کے معنی ہیں: جہنم سے رستگاری۔ عوام شب برات (شادی کی رات) کہتے ہیں، جب انھوں نے براءت کو "برات" کر دیا تو اس رات میں کچھ کرنا دھرنا تو ختم ہو گیا اور پٹاخے، چراغاں اور طرح طرح کے خرافات شروع ہو گئے، لفظوں کے بڑے اثرات پڑتے ہیں۔ جیسے مدرسوں سے پڑھ کر نکلنے والوں کو جب سے "فارغ" اور "فاضل" کہا جانے لگا انھوں نے پڑھنا چھوڑ دیا، اور خود کو باکمال سمجھ لیا، اور جو اس غلط فہمی کا شکار ہو گیا اس کی ترقی رک گئی!

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس رات کے سلسلہ میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے، سب سے اچھی روایت وہ ہے جو باب میں ہے مگر اس میں دو جگہ انقطاع ہے، ایک: حجاج بن ارطاۃ کا یحییٰ سے لقاء وسماع نہیں، دوسرا: یحییٰ کا عروۃ سے لقاء نہیں، اگرچہ ابن المدینی لقاء مانتے ہیں اور مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے، مگر پہلی بات میں یعنی حجاج کا یحییٰ سے لقاء نہیں اتفاق ہے اور حجاج ضعیف راوی ہے، پس سند میں تین خرابیاں ہیں۔ اور اس رات میں نفلوں کی جو روایتیں ہیں ابن العربیؒ (ترمذی کی شرح عارضۃ الاحوذی کے مصنف) فرماتے ہیں: وہ سب موضوع ہیں، دوسری بات انھوں نے یہ لکھی ہے کہ لوگوں میں جو مشہور ہے کہ اس رات میں لوح محفوظ سے ان لوگوں کے نام نقل کر کے ملک الموت کو دیدیئے جاتے ہیں جن کی اگلے سال میں وفات ہونی ہے: یہ بالکل پوچ کی بات ہے، اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس رات میں مسلمان جو چراغاں کرتے ہیں اور پٹاخے چھوڑتے ہیں وہ دیوالی کی نقل ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ضعیف روایات سے صرف تین باتیں ثابت ہیں: اول: اس رات میں اپنے لئے اور مردوں کے لئے مغفرت کی دعا کی جائے (قبرستان جانا ضروری نہیں) دوم: شعبان کی پندرہ تاریخ کا روزہ رکھنا (چونکہ اس کا ثبوت ضعیف روایت سے ہے اس لئے فقہاء نے پندرہ تاریخ کے روزے کو مستحب روزوں میں شمار کیا ہے) سوم: اس رات میں انفرادی طور پر حسب توفیق کوئی بھی نیک کام کرنا، تعداد کی تعیین کے بغیر نفلیں پڑھنا وغیرہ۔ یہ تین باتیں ضعیف روایتوں سے ثابت ہیں، اور بعض لوگوں نے جو اس رات کو کھیل تماشہ کی رات بنالیا ہے وہ خسران میں ہیں، اس لئے کہ جہنم سے چھٹکارا تو کچھ کرنے سے حاصل ہوگا خرافات سے رستگاری کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اور جو دیندار مسلمان اس رات میں مسجدوں میں اجتماعی شکل میں عبادت کرتے ہیں وہ بھی غلط ہے، اصل انفرادی اعمال ہیں، ہر آدمی اپنے گھر میں عبادت کرے اور اپنے لئے بھی اور مردوں کے لئے بھی مغفرت طلب کرے، اور ایک ضعیف حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اس رات میں ہر شخص کی مغفرت کی جاتی ہے سوائے مشرک، کینہ پرور، رشتہ ناتا

توڑنے والے، ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے اور شراب کے عادی کے، ان کی طرف اللہ تعالیٰ نظر نہیں فرماتے (بیہقی فی شعب الایمان ۳: ۳۸۴) یعنی اس مبارک رات میں بھی مذکورہ چھ شخصوں کی مغفرت نہیں ہوتی، پس ان کو اپنے احوال کی اصلاح کرنی چاہئے۔

اور شب براءت کا ثبوت صرف ضعیف احادیث سے ہے، قرآن کریم میں اس کا تذکرہ نہیں ہے، اور سورۂ دخان کی ابتدائی آیات: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ، فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيْمٍ﴾ میں شب قدر کا ذکر ہے۔ بعض مقررین جو ان آیات کو شب براءت پر فٹ کرتے ہیں وہ غلط ہے، اس لئے کہ قرآن کریم لوح محفوظ سے سمائے دنیا پر لیلۃ القدر میں نازل ہوا ہے، شب براءت میں نازل نہیں ہوا۔

اس کی نظیر: قرآن کریم میں کسی بھی جگہ کسی بھی نبی کو بشمول نبی ﷺ نور نہیں کہا گیا، البتہ آسمانی کتابوں کو جگہ جگہ نور کہا گیا ہے، ارشاد ہے: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ (سورۃ المائدہ آیت ۴۴) ﴿وَآتَيْنٰهُ الْإِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ (سورۃ المائدۃ آیت ۴۶) اور ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ (سورۃ المائدہ آیت ۱۵) اس آیت میں نُوْر اور کِتٰب کا مصداق قرآن کریم ہے اور واوٗ عطف تفسیری ہے، بعض مفسرین نے نُوْرٌ کا مصداق نبی ﷺ کو قرار دیا ہے وہ غلط ہے، دلیل اگلی آیت ہے: ﴿يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ﴾ یہاں مفرد کی ضمیر آئی ہے اگر نور اور کتاب دو چیزیں ہوتیں تو تثنیہ کی ضمیر (بهما) آتی۔

اسی طرح سورۂ دخان کی آیات میں شب براءت مراد لینا غلط ہے، غرض شب براءت کا تذکرہ قرآن میں نہیں ہے، مگر اس کا ثبوت ضعیف روایتوں سے ہے، پس غیر مقلدین جو شب براءت کی مطلق نفی کرتے ہیں وہ بھی غلط ہے۔

حدیث: ایک رات نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ لیٹے ہوئے تھے، تھوڑی دیر گذری تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ رات شعبان کی پندرہویں رات ہے، خداوند عالم اس رات میں اتنے زیادہ لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتے ہیں جو قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں، پس آپ اموات کے لئے دعائے مغفرت کریں، نبی ﷺ چپکے سے اٹھے تاکہ حضرت عائشہ کی نیند خراب نہ ہو، آپؐ آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر تشریف لے گئے، حضرت عائشہ کی آنکھ کھل گئی، ان کو خیال آیا کہ شاید آپؐ کسی اور بیوی صاحبہ کے پاس تشریف لے گئے، چنانچہ وہ بھی کمرے سے دیکھنے کے لئے نکلیں، انھوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ بقیع الغرقد (قبرستان) کی طرف جا رہے ہیں، وہ مسجد سے نکلیں اور آنحضور ﷺ کو دیکھتی رہیں۔ جب آپ قبرستان سے لوٹے تو وہ کمرہ میں لوٹ کر لیٹ گئیں، آپؐ خاموشی سے کمرے میں داخل ہوئے اور حضرت عائشہؓ کے ساتھ لیٹ گئے، مگر آپؐ نے محسوس کیا کہ ان کا سانس پھول رہا ہے، آپؐ ساری بات سمجھ گئے اور فرمایا: ''کیا تمہیں دھڑکا لگا کہ تمہارے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ناانصافی کریں گے!'' یعنی کیا میں آپ کی باری میں دوسری بیوی کے پاس

جاؤنگا؟ حضرت عائشہؓ نے اعتراف کیا کہ ان کے ذہن میں ایسا وسوسہ آیا تھا، آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات میں سمائے دنیا پر نزول فرماتے ہیں، اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں'' چنانچہ میں اموات کے لئے دعا کرنے کے لئے قبرستان گیا تھا۔ مگر آپؐ نے لوگوں کو قبرستان جانے کی ترغیب نہیں دی، نیز آپؐ نے یہ عمل خاموشی سے کیا، یہ تو اتفاق تھا کہ حضرت عائشہؓ نے دیکھ لیا، اگر ان کی آنکھ نہ کھلتی تو کسی کو پتا بھی نہ چلتا، اس لئے میں نے عرض کیا تھا کہ قبرستان جانا ضروری نہیں، اپنے لئے اور اموات کے لئے دعائے مغفرت کرنا کافی ہے۔

[۳۸] باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان

[۷۳۰-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، نا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، نَا الحَجَّاجُ بنُ أَرْطَاةَ، عَنْ يَحيىَ بنِ أبي كَثِيْرٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قالتْ: فَقَدْتُ رسولَ اللّٰهِ صلى الله لعيه وسلم لَيْلَةً، فَخَرَجْتُ فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ، فقالَ:" أَكُنْتِ تَخَافِيْنَ أَنْ يَحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهُ؟" قُلْتُ: يارسولَ اللّٰهِ! ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ، فقالَ:" إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وتَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ"

وفی الباب: عن أبی بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ. قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذا الوَجْهِ مِنْ حديثِ الحَجَّاجِ، وسَمِعْتُ مُحمداً يُضَعِّفُ هذا الحديثَ، وقَالَ: يَحيىَ بنُ أَبِيْ كَثِيْرٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عُرْوَةَ، قالَ محمدٌ: والحَجَّاجُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ يَحيىَ بنِ أبي كَثِيْرٍ.

وضاحت: اس حدیث کی حجاج بن ارطاۃ سے اوپر یہی ایک سند ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے کہ یحیٰ کا عروۃ سے لقاء وسماع نہیں (مگر ابن المدینیؒ نے سماع ثابت کیا ہے) اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں: حجاج نے یحیٰ سے نہیں سنا (اس انقطاع کو سب تسلیم کرتے ہیں) نیز حجاج بن ارطاۃ ضعیف راوی ہے۔

بابُ ماجاءَ فی صَوْمِ المُحَرَّمِ

محرم کے روزے کی فضیلت

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رمضان کے روزوں کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں (اللہ کا مہینہ: اضافت تشریف کے لئے ہے یعنی برکت والا اور محترم مہینہ)

نوٹ: یہ حدیث اور اس کی وضاحت کتاب الصلوٰۃ باب ۲۱۰ میں گذر چکی ہے۔

حدیث (۲): حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا: آپ رمضان کے روزوں کے بعد کس مہینے کے روزے رکھنے کا مجھے مشورہ دیتے ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا اس وقت میں آپؐ کے پاس موجود تھا، اس وقت سے آج تک کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا، آپ پہلے شخص ہیں جو یہ سوال کررہے ہیں۔ سائل نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے رمضان کے بعد کونسے مہینے کے روزے رکھنے کا حکم دیتے ہیں؟ یعنی رمضان کے بعد کس مہینے کے روزے افضل ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اگر آپ رمضان کے بعد کسی مہینے کے روزے رکھنا چاہیں تو محرم کے روزے رکھیں، کیونکہ وہ اللہ کا مہینہ ہے (سبھی مہینے اللہ کے ہیں، پس اضافت تشریف کے لئے ہے، جیسے تمام مسجدیں اللہ کے گھر ہیں، پس ''بیت اللہ'' میں اضافت تشریف کے لئے ہے) اس ماہ میں ایک دن ہے (مگر وہ کونسا دن ہے یہ معلوم نہیں، جیسے رمضان کی راتوں میں ایک بابرکت رات (شب قدر) ہے مگر وہ متعین طور پر معلوم نہیں) اس دن میں اللہ نے ایک قوم پر مہربانی کی نظر فرمائی ہے (تَابَ يَتُوْبُ تَوْبًا کے معنی ہیں: خصوصی توجہ کرنا، مہربانی کی نظر کرنا) اور اس دن میں (آئندہ) ایک قوم پر مہربانی کی نظر فرمائیں گے۔

تشریح: وہ قوم جس پر پہلے اللہ تعالیٰ مہربانی کی نظر فرما چکے ہیں اور اسے ظالم کے پنجہ سے نکال چکے ہیں وہ تو متعین طور پر معلوم ہے، اس ماہ میں حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل پر نظر کرم فرمائی ہے، اور دس محرم الحرام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکریوں کو غرقاب کیا ہے اور وہ قوم جس پر اللہ تعالیٰ آئندہ نظر کرم فرمائیں گے متعین طور پر معلوم نہیں، بعض لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کو اس کا مصداق قرار دیا ہے مگر وہ صحیح نہیں، اس لئے کہ حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کی طرح اس قوم کو بھی ظالم سے نجات عطا فرمائیں گے۔ جبکہ حضرت حسینؓ کے واقعہ میں دشمن غالب آیا تھا اور حضرت حسینؓ شہید ہو گئے تھے، پس ان کے واقعہ کو حدیث کا مصداق قرار دینا درست نہیں، پس جس واقعہ کی طرف اس حدیث میں اشارہ آیا ہے: ممکن ہے وہ واقعہ پیش آچکا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابھی تک پیش نہ آیا ہو، آئندہ پیش آئے، واللہ اعلم

[۳۹] باب ماجاء في صوم المحرم

[۷۳۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا أبو عَوَانَةَ، عن أبي بِشْرٍ، عن حُمَيْدِ بنِ عبدِ الرحمنِ الحِمْيَرِيّ، عن أبي هُرَيْرَةَ، قال: قالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ صِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ"

قال أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ.

[۷۳۲-] حدثنا عليُّ بنُ حُجْرٍ، نا عليُّ بنُ مُسْهِرٍ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ إسحاق، عن النُّعْمَانِ بنِ

سَعْدٍ، عن علیٍّ، قال: سَأَلَهُ رَجُلٌ، فقالَ: أَیُّ شَهْرٍ تَأْمُرُنِی أَنْ أَصُوْمَ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ؟ فقالَ لَهُ: مَا سَمِعْتُ أَحَداً یَسْأَلُ عن هذا إِلاَّ رَجُلاً سَمِعْتُهُ یَسْأَلُ رسولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم وأَنَا قَاعِدٌ عِنْدَهُ، فقالَ: یارسولَ اللّٰهِ! أَیُّ شَهْرٍ تَأْمُرُنِی أَنْ أَصُوْمَ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ؟ قال: "إِنْ کُنْتَ صَائِمًا بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ فَصُمِ الْمُحَرَّمَ، فَإِنَّهُ شَهْرُ اللّٰهِ، فیهِ یَوْمٌ تَابَ اللّٰهُ فِیْهِ علی قَوْمٍ، وَیَتُوْبُ فِیْهِ علی قَوْمٍ آخَرِیْنَ"

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ.

بابُ ماجاء فی صَوْمِ یَوْمِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے روزے کا بیان

حدیث: نبی ﷺ ہر مہینے کے شروع کے تین دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ آپؐ جمعہ کے دن روزہ نہ رکھتے ہوں۔

تشریح: غُرَّۃ کے معنی ہیں: پیشانی کی روشنی اور مراد قمری مہینے کے شروع کے تین دن یا ایام بیض یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخیں ہیں۔ اگر ایام بیض مراد ہوں تو بات واضح ہے، اس لئے کہ ان تاریخوں میں چاند مکمل ہوتا ہے، اور یہ راتیں مہینے کی تمام راتوں میں سب سے زیادہ روشن ہوتی ہیں، اور اگر مہینے کے شروع کی تین راتیں مراد ہوں تو وہ گذشتہ مہینے کی آخری تین راتوں کے مقابلہ میں روشن ہوتی ہیں، مہینے کی آخری تین راتوں میں چاند نہیں ہوتا، پھر جب چاند نمودار ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ روشنی ہوتی ہے اس لئے وہ غرہ ہیں، اور چونکہ غرۃ کے اصل معنی ہیں: گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی، پس مہینے کی شروع کی تین راتیں مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔

اور جمعہ کا روزہ بالا جماع مستحب ہے، البتہ اگر تخصیص سے تفضیل کا وہم پیدا ہو جائے کہ آدمی جمعہ کے آگے پیچھے روزہ رکھنا جائز ہی نہ سمجھے تو صرف جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ جیسے ماثورہ سورتیں نماز میں پڑھنا سنت ہے مگر التزام کی صورت میں یعنی آدمی دوسری سورتیں پڑھنا جائز ہی نہ سمجھے تو مکروہ ہے۔

[۴۰] باب ماجاء فی صوم یوم الجمعة

[۷۳۳-] حدثنا القَاسِمُ بنُ دِیْنَارٍ، نا عُبَیْدُ اللّٰهِ بنُ مُوْسی، وَطَلْقُ بنُ غَنَّامٍ، عن شَیْبَانَ، عن عَاصِمٍ، عَنْ زِرٍّ، عن عبدِ اللّٰهِ قال: کَانَ رسولُ الله صلی الله لعیه وسلم یَصُوْمُ مِنْ غُرَّةِ کُلِّ شَهْرٍ ثَلاَثَةَ أَیَّامٍ، وقَلَّ ماکانَ یُفْطِرُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ.

وفی الباب: عن ابنِ عُمَر، وأبی هریرةَ، قال أبو عیسی: حدیثُ عبدِ اللّٰهِ حدیثٌ حسنٌ غریبٌ.

وقد استَحَبَّ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العلمِ صِیَامَ یَوْمِ الْجُمُعَةِ، وَإِنَّمَا یُکْرَهُ أَنْ یَصُوْمَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ، لاَیَصُوْمُ

قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ.

قَالَ: وَرَوَى شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمٍ هَذَا الحَدِيْثَ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

ترجمہ: اور علماء کی ایک جماعت جمعہ کے دن کے روزے کو مستحب کہتی ہے اور مکروہ ہے یہ بات کہ آدمی صرف جمعہ کے دن روزہ رکھے، نہ اس سے پہلے روزہ رکھے اور نہ اس کے بعد ـــــــ اس حدیث کی عاصم بن بہدلہ سے اوپر یہی ایک سند ہے، پس یہ حدیث غریب ہے اور اس کے موقوف ومرفوع ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ شیبان اس کو مرفوع کرتے ہیں اور شعبہ موقوف۔

بابُ ماجاءَ فی کَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَحْدَهُ

صرف جمعہ کے دن کے روزے کی کراہیت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے مگر یہ کہ جمعہ سے پہلے والے دن میں روزہ رکھے یا اس کے بعد والے دن میں روزہ رکھے''

تشریح: حنفیہ کے نزدیک صرف جمعہ کا روزہ رکھنا جائز ہے اس میں کوئی کراہیت نہیں، اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حنفیہ کے قول اور اس حدیث کے درمیان یہ تطبیق دی ہے کہ اگر تخصیص یا تفضیل کا وہم پیدا ہو تو صرف جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے، اور اگر ایسا کوئی وہم پیدا نہ ہو تو جائز ہے، جیسے نمازوں میں ماثورہ سورتیں پڑھنا جائز ہے لیکن تخصیص یا تفضیل کا وہم پیدا ہو تو مکروہ ہے۔

[٤١] باب ماجاء في كراهية صوم يوم الجمعة وحدَهُ

[٧٣٤-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أبو مُعَاوِيَةَ، عن الأعْمَشِ، عن أبي صَالِحٍ، عن أبي هريرةَ، قال: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "لَايَصُوْمُ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا أَنْ يَصُوْمَ قَبْلَهُ أَوْ يَصُوْمَ بَعْدَهُ"

وفي الباب: عن عليٍّ، وجابرٍ، وجُنَادَةَ الأَزْدِيِّ، وَجُوَيْرِيَةَ، وأنسٍ، وعبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، قال أبوعيسى: حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعملُ على هذا عندَ أهلِ العلمِ يَكْرَهُوْنَ أَنْ يُخْتَصَّ يَوْمُ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ، لَايَصُوْمُ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ، وبه يقولُ أحمدُ وإسحاقُ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے، وہ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ جمعہ کا دن خاص کیا جائے روزے کے ساتھ نہ اس سے پہلے روزہ رکھے اور نہ اس کے بعد اور اس کے احمد اور اسحاق قائل ہیں۔

بابُ ماجاءَ فی صَوْمِ یَوْمِ السَّبْتِ

سنیچر کے روزے کا بیان

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بار کے دن روزہ نہ رکھو، مگر وہ روزے جو تم پر فرض کئے گئے ہیں (یعنی رمضان میں بار کے روزے مستثنیٰ ہیں) پس اگر تم میں سے کوئی کھانے کے لئے کچھ نہ پائے مگر انگور کا چھلکا (انگور کی بیل کا چھلکا مراد نہیں، وہ کھایا نہیں جاتا بلکہ کبھی انگور کی کھال موٹی ہوتی ہے تو اس کو دانتوں میں دبا کر چوس لیتے ہیں اور چھلکا پھینک دیتے ہیں، جس کو بکری کھاتی ہے وہ چھلکا مراد ہے) یا درخت کی (تر) لکڑی پس چاہئے کہ اس کو چبالے اور اپنا روزہ نہ ہونا ظاہر کرے۔

تشریح: سنیچر میں روزہ رکھنا فی نفسہ جائز ہے، نبی ﷺ نے اس دن میں روزہ رکھا ہے اور سنیچر کا روزہ جمعہ یا اتوار کے ساتھ ملا کر رکھنا بھی جائز ہے، اور تنہا سنیچر کا روزہ بھی رکھ سکتے ہیں، مگر چونکہ سنیچر کا روزہ یہودی رکھتے ہیں اس لئے جہاں یہودی ہوں وہاں سنیچر میں روزہ نہیں رکھنا چاہئے۔

[۴۲] باب ماجاء فی صوم یوم السبت

[۷۳۵-] حدثنا حُمَیْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، نا سُفْیَانُ بنُ حَبِیْبٍ، عَنْ ثَوْرِ بنِ یَزِیْدَ، عَنْ خَالِدِ بنِ مَعْدَانَ، عن عبدِ اللّٰهِ بنِ بُسْرٍ، عن أُختِهِ: أَنَّ رسولَ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: " لاتَصُوْمُوْا یَوْمَ السَّبْتِ إِلاَّ فِیْمَا افْتُرِضَ عَلَیْكُمْ، فَإِنْ لَمْ یَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلاَّ لِحَاءَ عِنَبَةٍ أَوْ عُوْدَ شَجَرَةٍ فَلْیَمْضُغْهُ"

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ، ومَعْنَی الكَرَاهِیَةِ فِیْ هذا: أَنْ یَخُصَّ الرَّجُلُ یَوْمَ السَّبْتِ بِصِیَامٍ، لِأَنَّ الیَهُوْدَ یُعَظِّمُوْنَ یَوْمَ السَّبْتِ.

ترجمہ: اور سنیچر کے روزے میں کراہیت کے معنی یعنی صورت یہ ہے آدمی سنیچر کو روزے کے ساتھ خاص کرلے، یعنی صرف سنیچر کا روزہ رکھے تو یہ مکروہ ہے اس لئے کہ یہود سنیچر کی تعظیم کرتے ہیں (اور وہ اس دن روزہ رکھتے ہیں، پس ان کی مشابہت سے بچنا چاہئے) اور عبداللہ بن بُسر: صحابی صغیر ہیں، اور ان کی بہن کا نام صَمّاء ہے، وہ صحابیہ ہیں۔

بابُ ماجاءَ فِیْ صَوْمِ یَوْمِ الاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ

پیر اور جمعرات کے روزے کا بیان

حدیث (۱): نبی ﷺ خیال کر کے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے، یعنی پہلے سے خیال رکھتے تھے کہ

جب یہ دن آئیں گے روزہ رکھیں گے (وجہ تیسری حدیث میں آرہی ہے)

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ ایک مہینے سنیچر، اتوار اور پیر کے روزے رکھتے تھے اور اگلے مہینے منگل، بدھ اور جمعرات کے روزے رکھتے تھے، یعنی آپ نے ساتوں دنوں میں روزے رکھے ہیں، روزوں کے ساتھ کسی دن کو خاص نہیں کیا۔

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندوں کے اعمال پیر اور جمعرات کو (بارگاہ ایزدی میں) پیش کئے جاتے ہیں، پس میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال پیش کئے جائیں درانحالیکہ میں روزے سے ہوں۔

[٤٣] باب ماجاء فی صوم یوم الاثنین والخمیس

[٧٣٦-] حدثنا ابو حَفْصٍ عَمْرُو بنُ عليّ الْفَلَّاسُ، نا عبدُ اللّٰهِ بنُ دَاوُدَ، عَنْ ثَوْرِ بنِ يَزِيْدَ، عَنْ خَالِدِ بنِ مَعْدَانَ، عَنْ رَبِيْعَةَ الجُرَشِيِّ، عن عَائِشَةَ، قالتْ: كانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَتَحَرَّى صَوْمَ الإثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ.

وفی الباب: عن حَفْصَةَ، وأبی قَتَادَةَ، وأُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هذا الوَجْهِ.

[٧٣٧-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، نا أبو أحمدَ، ومُعَاوِيَةُ بنُ هِشَامٍ، قالا: نا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنْ عائشةَ، قالتْ: كان رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالأَحَدَ وَالإثْنَيْنِ، ومِنَ الشَّهْرِ الآخَرِ الثُّلاَثَاءَ، والأَرْبِعَاءَ، وَالْخَمِيْسَ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ، ورَوَى عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ هذا الحديثَ عن سُفْيَانَ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

[٧٣٨-] حدثنا محمدُ بنُ يحيىَ، نا أبو عاصِمٍ، عن محمدِ بنِ رِفَاعَةَ، عن سُهَيْلِ بنِ أبی صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عن أبی هريرةَ، أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قال: "تُعْرَضُ الأعمالُ يَوْمَ الإثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ، فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِیْ وَأَنَا صَائِمٌ"

قال أبو عيسى: حديثُ أبی هريرةَ فی هذا البابِ حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

بابُ ماجاءَ فی صَوْمِ الأَرْبِعَاءِ وَالْخَمِيْسِ

بدھ اور جمعرات کے روزے کا بیان

حدیث: کسی صحابی نے نبی ﷺ سے صوم دھر یعنی ہمیشہ روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا: تجھ پر تیری بیوی کا حق ہے، یعنی ہمیشہ روزے رکھنے سے ضعف آجائے گا اور بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوگی، اس لئے صوم الدہر مناسب نہیں، اور فرمایا: رمضان کے روزے رکھو اور اس سے متصل مہینے کے یعنی شوال کے روزے

رکھواور ہر ہفتہ، بدھ اور جمعرات کے روزے رکھو، پس تو نے ہمیشہ روزہ رکھا اور بے روزہ بھی رہا، یعنی یہ حکماً صوم الدھر ہے جو پسندیدہ ہے، حقیقۃً صوم الدہر پسندیدہ نہیں۔

[٤٤] باب ماجاء في صوم يوم الأربعاء والخميس

[٧٣٩-] حدثنا الحُسَينُ بنُ محمدٍ الحَرِيْرِيُّ، ومحمدُ بنُ مَدُّوْيَةَ، قالا: نا عُبَيْدُ اللهِ بنُ موسى، ناهارونُ بنُ سَلْمَانَ، عن عُبَيْدِ اللهِ بنِ المُسْلِمِ القُرَشِيِّ، عن ابيه، قال: سَأَلْتُ أَوْ: سُئِلَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم عن صِيَامِ الدَّهْرِ؟ فقال: "إِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا" ثم قال: "صُمْ رَمَضَانَ، وَالَّذِيْ يَلِيْهِ، وكُلَّ أَرْبِعَاءٍ وَخَمِيْسٍ، فَإِذَا أَنْتَ قَدْ صُمْتَ الدَّهْرَ، وَأَفْطَرْتَ"

وفي الباب: عن عائشةَ، قال أبو عيسى: حديثُ مُسْلِمٍ القُرَشِيِّ حديثٌ غريبٌ، ورَوَى بَعْضُهُمْ عن هارونَ بنِ سَلْمَانَ، عن مُسْلِمِ بنِ عُبَيْدِ اللهِ، عن أبيه.

بابُ ماجاءَ في فَضْلِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ

عرفہ کے دن کے روزے کی فضیلت

عرفہ یعنی نو ذی الحجہ کا روزہ بالاجماع سنت ہے اور اس کی فضیلت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں، البتہ حاجیوں کے لئے عرفہ کے دن عرفہ کے میدان میں روزہ رکھنا اولیٰ ہے یا نہ رکھنا اولیٰ ہے؟ اس میں اختلاف ہے، تفصیل آئندہ باب میں آرہی ہے۔ حاجیوں کے علاوہ سب کے لئے نو ذی الحجہ کو روزہ رکھنا بالاجماع مستحب ہے۔

حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عرفہ کے دن کا روزہ: بیشک میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید باندھتا ہوں کہ وہ مٹادیں گے اُس سال (کے گناہوں) کو جو بعد میں آنے والا ہے، اور اُس سال (کے گناہوں) کو جو گذر چکا ہے (حدیث میں مجاز بالحذف ہے، مراد گناہوں کو مٹاتا ہے)

تشریح: اس حدیث میں دو متضاد باتیں اکٹھا ہوئی ہیں: ایک: اللہ سے امید باندھنا (احتسبُ) دوسری: اللہ کے ذمہ کسی چیز کا واجب ہونا (علی اللہ) اللہ کے فضل وکرم کی امید باندھنا الگ بات ہے اور اللہ کے ذمے کوئی بات ضروری ہونا الگ بات ہے، مگر ایسا عربی میں بکثرت ہوتا ہے: جو فعل شعور میں ہوتا ہے اس کا تذکرہ کرتے ہیں اور جو فعل لاشعور میں ہوتا ہے اس کا صلہ لاتے ہیں (سر کے پچھلے حصہ میں جو چھوٹا دماغ ہے اس کا نام لاشعور ہے اور آگے کے حصہ میں جو بڑا دماغ ہے جس کے پانچ حصے ہیں وہ شعور کہلاتا ہے) یہاں شعور میں تو احتسب ہے کیونکہ اللہ کے ذمے کوئی چیز واجب نہیں، ثواب کی امید ہی باندھی جاسکتی ہے۔ اور اس شعوری فعل کا صلہ مِنْ آتا ہے ای أحتسب

من اللہ اور لاشعور میں فعل یجب ہے اور اس کا صلہ عَلٰی آتا ہے ای یجب علی اللہ، اور اس فعل کو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ یہ اللہ کے شایانِ شان نہیں، اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں، اور احتسب اللہ کے شایانِ شان ہے، بندے اس کے فضل وکرم کی امید باندھ سکتے ہیں، اس لئے اس کو ذکر کیا۔ مگر بعض باتیں جو بندوں کے تعلق سے سرسری ہوتی ہیں اللہ کے تعلق سے اہم ہوتی ہیں، جیسے: ﴿لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ میں لَعَلَّ ہمارے تعلق سے امید کے لئے ہے اور اللہ کے تعلق سے پکا وعدہ ہے، چنانچہ تمام مفسرین لَعَلَّ کا ترجمہ "تاکہ" کرتے ہیں "شاید" نہیں کرتے۔ اس قاعدے سے کہ ہم نے اللہ کے فضل سے جو امید باندھی ہے اللہ ہمیں اس سے مایوس نہیں کریں گے وہ ثواب ہمیں ضرور عنایت فرمائیں گے، غرض عَلٰی لاشعور میں جو فعل ہے اس کا صلہ ہے اور یہ بتانے کے لئے لایا گیا ہے کہ عرفہ کے روزے پر جس ثواب کا اللہ کی طرف سے وعدہ ہے وہ قطعی اور یقینی ہے۔

[۴۵] باب ماجاء فی فضل صوم یوم عرفۃَ

[۷۴۰-] حدثنا قُتَیْبَۃُ، واحمدُ بنُ عَبْدَۃَ الضَّبِّیُّ، قالا: نا حَمَّادُ بنُ زَیْدٍ، عن غَیْلَانَ بنِ جَرِیْرٍ، عن عبدِ اللّٰہِ بنِ مَعْبَدٍ الزِّمَّانِیِّ، عن أبی قَتَادَۃَ، أنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "صِیَامُ یَوْمِ عَرَفَۃَ إِنِّیْ أَحْتَسِبُ علی اللّٰہِ أنْ یُّکَفِّرَ السَّنَۃَ التی بَعْدَہُ وَالسَّنَۃَ التی قَبْلَہُ"

وفی الباب: عن أبی سَعِیْدٍ، قال أبو عیسی: حدیثُ أبی قَتَادَۃَ حدیثٌ حسنٌ، وقد اسْتَحَبَّ أھلُ العلمِ صِیَامَ یَوْمِ عَرَفَۃَ إِلَّا بِعَرَفَۃَ.

بابُ ماجاءَ فی کَرَاھِیَۃِ صَوْمِ یَوْمِ عَرَفَۃَ بِعَرَفَۃَ

حاجیوں کے لئے عرفہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے

امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو باب قائم کیا ہے اس کو ثابت کرنا مشکل ہے، باب میں جو احادیث ہیں ان سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ اور ابوداؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے یوم عرفہ میں روزہ رکھنے سے منع کیا وہ ضعیف حدیث ہے (مشکوۃ حدیث ۲۰۶۲) اور اس سلسلہ میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے عرفہ کے کاموں میں خلل پڑے تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے، اور اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے عرفہ کے کاموں میں کچھ خلل نہ پڑے تو روزہ رکھنا بہتر ہے۔

حاجیوں کے لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنا جائز ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ، عبداللہ بن الزبیر اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہم عرفہ کے میدان میں روزہ رکھتے تھے (فتح ۴: ۲۰۷) اور حضور ﷺ اور خلفاء راشدین عرفہ کے دن اس

لئے روزہ نہیں رکھتے تھے کہ وہ امیر المؤمنین تھے، ان کے ذمے بہت کام ہوتے تھے، نیز وہ مقتدی بھی تھے، ان کے فعل کی پیروی کی جاتی تھی، اس لئے لوگوں کی سہولت کے لئے یہ حضرات عرفہ کے میدان میں روزہ نہیں رکھتے تھے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ بعض کام امت کی مصلحت سے کیا کرتے تھے، اگر عرفہ کے دن آپؐ روزہ رکھتے تو اتباع میں سب لوگ روزہ رکھتے اور سب حاجیوں کے لئے میدانِ عرفات میں روزہ رکھنا ایک مشکل امر ہے جیسے شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں بالقصد تہجد نہیں پڑھا تھا تا کہ لوگ اس نماز کو ضروری خیال نہ کریں، اگرچہ تہجد پڑھنے کا آپؐ کا معمول تھا، مگر لوگوں کی مصلحت سے اس کو ترک کر دیا، اسی طرح کی مصلحت سے آپؐ نے میدانِ عرفہ میں روزہ نہیں رکھا تھا، یا جیسے نبی ﷺ فجر کی سنتیں ہلکی پڑھتے تھے حالانکہ آپؐ آدھی رات سے بیدار ہو جاتے تھے اور تہجد کے شروع میں دو ہلکی رکعتیں پڑھتے بھی تھے مگر چونکہ امت کی اکثریت فجر کے وقت بیدار ہوتی ہے اس لئے آپؐ نے ان کی مصلحت سے فجر کی سنتیں بھی ہلکی پڑھی ہیں تا کہ لوگ یہ سنتیں ہلکی پڑھیں اور اس سے تیسری گرہ کھل جائے، پھر فجر نشاط کے ساتھ پڑھیں، اس کی اور بھی مثالیں ہیں۔ غرض آپؐ کا یوم عرفہ میں روزہ نہ رکھنا مصلحتاً تھا۔

حدیث (۱): حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب نبی ﷺ عرفہ میں وقوف عرفہ کئے ہوئے تھے، خواتین میں یہ بحث چلی کہ آج آپؐ کا روزہ ہے یا نہیں؟ حضرت ام الفضل (ابن عباس کی والدہ اور آپؐ کی چچی) نے تحقیق کے لئے آپؐ کے پاس دودھ بھیجا، آپؐ نے نوش فرمالیا، معلوم ہوا کہ آج آپ کا روزہ نہیں ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ حاجیوں کے لئے عرفہ میں روزہ رکھنا مکروہ ہے: غالباً صحیح نہیں، عدم فعل سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔

حدیث (۲): ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرفہ کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا یعنی حاجی کو عرفہ میں روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا ہے انھوں نے روزہ نہیں رکھا۔ ابو بکرؓ کے ساتھ حج کیا ہے انھوں نے روزہ نہیں رکھا۔ عمرؓ کے ساتھ حج کیا ہے انھوں نے روزہ نہیں رکھا، عثمانؓ کے ساتھ حج کیا ہے، انھوں نے روزہ نہیں رکھا اور خود میں عرفہ کا روزہ نہیں رکھتا، مگر کسی کو منع بھی نہیں کرتا۔

تشریح: اس حدیث سے بھی کراہیت پر استدلال درست نہیں، بلکہ اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حاجی کے لئے عرفہ میں روزہ رکھنا جائز ہے، کیونکہ اس دن روزہ مکروہ ہوتا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما ضرور منع کرتے۔

[۴۶] باب ماجاء فی کراهيةِ صومِ يوم عرفةَ بعرفةَ

[۷۴۱-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا إسماعيلُ بنُ عُلَيَّةَ، نا أيوبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عن ابنِ عبَّاسٍ: أنَّ

النبیَّ صلی الله علیه وسلم أفْطَرَ بِعَرَفَةَ، وَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ أُمُّ الْفَضْلِ بِلَبَنٍ فَشَرِبَ.

وفی الباب: عن أبی هريرةَ، وابنِ عُمَرَ، وأُمِّ الْفَضْلِ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عباسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وقد رُوِیَ عن ابنِ عُمَر قال: حَجَجْتُ مع النبیِّ صلی الله علیه وسلم فَلَمْ يَصُمْهُ يَعْنِی يَوْمَ عَرَفَةَ، ومَعَ أبی بَكْرٍ فَلَمْ يَصُمْهُ، ومَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَصُمْهُ.

والعملُ على هذا عندَ أكثرِ أهلِ العلمِ يَسْتَحِبُّوْنَ الإفْطَارَ بِعَرَفَةَ، لِيَتَقَوّٰى بِهِ الرَّجُلُ على الدُّعَاءِ، وقَدْ صَامَ بَعْضُ أهلِ العلمِ يَوْمَ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ.

[۷۴۲-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، وعلیُّ بنُ حُجْرٍ، قالا: نا سفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، وإسماعيلُ بنُ إبراهيمَ، عن ابنِ أبی نَجِيْحٍ، عن أبيه، قال سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ؟ قال: حَجَجْتُ مع النبیِّ صلی الله علیه وسلم فَلَمْ يَصُمْهُ، ومَعَ أَبِیْ بَكْرٍ فَلَمْ يَصُمْهُ، ومَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَصُمْهُ، ومَعَ عُثْمَانَ فَلَمْ يَصُمْهُ، وَأَنَا لاَأَصُوْمُهُ وَلاَ آمُرُ بِهِ، وَلاَ أَنْهٰی عَنْهُ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ، وأبو نَجِيْحٍ: اسْمُهُ يَسَارٌ، وقَدْ سَمِعَ مِنَ ابْنِ عُمَرَ، وقد رُوِیَ هذا الحديثُ أيضًا عن ابنِ أبی نَجِيْحٍ، عن أَبِيْهِ، عن رَجُلٍ، عن ابنِ عُمَرَ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث پہلے بغیر سند کے لکھی ہے اس بے سند حدیث میں مصری نسخہ میں ومع عثمان فلم يصمه ہے، پھر اس حدیث کو سند کے ساتھ لائے ہیں —— اور اکثر علماء کا اس حدیث پر عمل ہے وہ عرفہ میں روزہ نہ رکھنے کو پسند کرتے ہیں تاکہ آدمی دعا (اور عرفہ کے دیگر اعمال میں) قوت حاصل کرے، اور بعض علماء نے عرفہ کے دن عرفہ کے میدان میں روزہ رکھا ہے (پھر مکروہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟) اور ابن عمر کی حدیث میں جو ابونجیح آئے ہیں ان کا نام یسار ہے اور ان کا ابن عمرؓ سے سماع ہے مگر وہ یہ حدیث اپنے والد کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں، بلکہ ان کے والد کے بعد ایک مجہول واسطہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

بابُ ماجاءَ فی الحَثِّ عَلَی صَوْمِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ

عاشورہ کے روزے کی ترغیب

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عاشوراء کے دن کا روزہ: بیشک میں اللہ کے ذمے امید باندھتا ہوں کہ وہ مٹا دیں گے اُس سال (کے گناہوں) کو جو گذر چکا ہے۔

تشریح: یہ حضرت ابوقتادہؓ کی وہی حدیث ہے جو پہلے گذری ہے، اس میں یہ مضمون بھی ہے کہ عاشورہ کے روزہ

سے گذشتہ ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں، علاوہ ازیں عاشورہ کے روزہ کی ترغیب میں آٹھ صحابہ سے روایتیں ہیں، مگر ایک سال کے گناہ معاف ہونے کا تذکرہ صرف ابوقتادہ کی روایت میں ہے اور وہ اعلی درجہ کی صحیح حدیث ہے، اور عاشورہ کے روزے کے مستحب ہونے پر اجماع ہے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشورے کا روزہ فرض تھا یا نہیں؟ شوافع انکار کرتے ہیں، اور احناف ثابت کرتے ہیں۔ اور جو حکم تخفیف کے طور پر منسوخ ہوتا ہے اس کا استحباب باقی رہتا ہے، اس لئے اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ عاشورے کا روزہ مستحب ہے، البتہ اس اختلاف کا اثر ایک دوسرے مسئلہ پر پڑا ہے جو پہلے گذر چکا ہے کہ رمضان میں رمضان کے روزے کی اور نذر معین کے روزے کی نیت دن شروع ہونے کے بعد کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یعنی اس میں تبییت نیت ضروری ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک کی جاسکتی ہے، کیونکہ ہجرت کے بعد جو پہلا عاشورہ کا دن آیا اس میں آپؐ نے دن شروع ہونے کے بعد اعلان کرایا ہے کہ جس نے اب تک کھایا پیا نہیں وہ روزہ کی نیت کرلے، کیونکہ آج عاشورہ کا دن ہے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے اور پہلے حوالہ کے ساتھ گذر چکی ہے، احناف اس روایت کی بنا پر مذکورہ دو روزوں میں تبییتِ نیت کو شرط نہیں کہتے، اور شوافع عاشورے کے روزے کی فرضیت کا انکار کرتے ہیں اس لئے وہ ان دو روزوں میں بھی تبییتِ نیت کو شرط قرار دیتے ہیں۔

[٤٧] باب ماجاء فی الْحَثِّ علی صَوْمِ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ

[٧٤٣-] حدثنا قُتَيْبَةُ، واحمدُ بنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، قالا: نا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عن غَيْلَانَ بنِ جَرِيْرٍ، عن عبدِ اللهِ بنِ مَعْبَدٍ الزِّمَّانِيِّ، عن أبی قَتَادَةَ، أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیه وسلم قال: " صِیَامُ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ إِنِّیْ أَحْتَسِبُ علی اللهِ أَنْ یُکَفِّرَ السَّنَةَ التی قَبْلَهُ"

وفی الباب: عن علیٍّ، ومحمدِ بنِ صَیْفِیٍّ، وسَلَمَةَ بنِ الأَکْوَعِ، وهِنْدِ بنِ أَسْمَاءَ، وابنِ عَبَّاسٍ، والرُّبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بنِ عَفْرَاءَ، وعبدِ الرحمنِ بنِ سَلَمَةَ الخُزَاعِیِّ، عَنْ عَمِّهِ، وعبدِ اللهِ بنِ الزُّبَیْرِ: ذَکَرُوْا عن النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم أَنَّهُ حَثَّ علی صِیَامِ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ.

قال أبو عیسی: لَانَعْلَمُ فِیْ شَیْئٍ مِنَ الرِّوَایَاتِ أَنَّهُ قال: صِیَامُ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ کَفَّارَةُ سَنَةٍ إِلاَّ فِیْ حَدِیْثِ أبی قَتَادَةَ، وبحدیثِ أبی قَتَادَةَ یقولُ احمدُ وإسحاقُ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ نے وفی الباب میں آٹھ صحابہ کی روایتوں کا حوالہ دیا ہے، وہ سب نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے عاشوراء کے روزے کی ترغیب دی ہے، مگر کسی روایت میں یہ مضمون نہیں ہے کہ عاشوراء کے روزہ سے ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں، سوائے ابوقتادہ کی حدیث کے (اسی ایک حدیث میں یہ مضمون آیا

ہے) اور ابوقتادہ کی حدیث کے مطابق احمد واسحاق عاشورہ کا روزہ مستحب کہتے ہیں (یہ مسئلہ اجماعی ہے)

بابُ ماجاءَ فِی الرُّخْصَةِ فِیْ تَرْكِ صَوْمِ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ

عاشوراء کا روزہ نہ رکھنے کا بیان

رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا۔ جب رمضان کی فرضیت آئی تو عاشوراء کی فرضیت ختم ہوگئی، اور قاعدہ یہ ہے کہ جو حکم تخفیف کے طور پر منسوخ کیا جاتا ہے نسخ کے بعد بھی اس کا استحباب باقی رہتا ہے، اور عاشوراء کے روزے کی فرضیت بھی آسانی کے لئے ختم کی گئی تھی، کیونکہ ایک سال میں دو مرتبہ روزوں کی فرضیت امت پر بھاری ہے، پس نفس استحباب باقی رہے گا اور اس پر اتفاق ہے۔ اور جب یہ روزہ مستحب ہے تو نہ رکھنا بھی جائز ہے، اب اس کی فرضیت باقی نہیں رہی۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: زمانۂ جاہلیت میں قریش عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی یہ روزہ رکھتے تھے، جب آپؐ مدینہ آئے تو بھی آپؐ نے یہ روزہ رکھا اور لوگوں کو یہ روزہ رکھنے کا حکم دیا، پھر جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی، تو رمضان کے روزے ہی فرض رہ گئے اور عاشورہ کی فرضیت ختم کردی گئی، لہٰذا چاہے تو عاشورہ کا روزہ رکھے اور چاہے تو نہ رکھے۔

[۴۸] باب ماجاء فی الرخصة فی ترکِ صومِ یَوم عاشوراءَ

[۷۴۴-] حدثنا هارونُ بنُ إسحاق الهَمْدَانِيُّ، نا عَبْدَةُ بنُ سُلَیْمَانَ، عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عن أبیه، عن عائشةَ قالتْ: كانَ عَاشُوْرَاءُ یَوْمٌ تَصُوْمُهُ قُرَیْشٌ فی الْجَاهلیةِ، وكانَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم یَصُوْمُهُ، فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ صَامَهُ، وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِیَامِهِ، فَلَمَّا افْتُرِضَ رَمَضَانُ كانَ رَمَضَانُ هُوَ الْفَرِیْضَةُ، وتُرِكَ عَاشُوْرَاءُ، فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ.

وفی الباب: عن ابنِ مسعودٍ، وقیسِ بنِ سَعْدٍ، وجابرِ بنِ سَمُرَةَ، وابنِ عُمَرَ، ومُعَاوِیَةَ.

قال أبو عیسی: والعملُ علی هذا عندَ أهلِ العلمِ علی حدیثِ عائشةَ، هو حدیثٌ صحیحٌ: لَایَرَوْنَ صِیَامَ عَاشُوْرَاءَ واجباً، إِلَّا مَنْ رَغِبَ فِیْ صِیَامِهِ، لِمَا ذُكِرَ فِیْهِ مِنَ الْفَضْلِ.

ترجمہ: اس حدیث پر یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر علماء کا عمل ہے، وہ صحیح حدیث ہے، علماء عاشوراء کے روزے کو واجب نہیں کہتے، مگر جو شخص اس دن کے روزے کی رغبت کرے (وہ رکھے) بایں وجہ کہ اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

بابُ ماجاءَ فی عَاشُوْرَاءَ أَیُّ یَوْمٍ هُوَ؟

عاشورا کونسادن ہے؟

عاشورا: کو بالمد اور بالقصر دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں اور عاشوٓ اور عاشوراء مترادف الفاظ ہیں، اور عاشورہ دس محرم کا نام ہے اور یہ اجماعی بات ہے اس کے خلاف اگر کسی روایت میں کوئی بات آئے تو اس کی تاویل کی جائے گی۔

حدیث (۱): حکم بن الاعرج کہتے ہیں: میں ابن عباسؓ کے پاس گیا وہ زم زم کے کنویں کے پاس اپنی چادر کا تکیہ بنائے لیٹے تھے، (نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن سقایہ یعنی حاجیوں کو زم زم پلانے کی خدمت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد کی تھی، پھر یہ خدمت حضرت ابن عباسؓ کی طرف منتقل ہوئی، وہ اپنے لڑکوں اور غلاموں کے ساتھ زمزم کے کنویں پر جاتے تھے اور حاجیوں کو پانی پلاتے تھے، کام خدام کرتے تھے اور ابن عباس نگرانی کرتے تھے) میں نے ان سے کہا: مجھے عاشورا کے دن کے بارے میں بتلایئے: میں کس دن کا روزہ رکھوں؟ آپ نے فرمایا: جب آپ محرم کا چاند دیکھیں تو دن گننا شروع کریں پھر نویں تاریخ میں روزہ رکھیں، حکم کہتے ہیں: میں نے پوچھا: کیا نبی ﷺ اسی طرح (یعنی نو تاریخ کو) روزہ رکھا کرتے تھے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: ہاں۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نو محرم عاشورا کا دن ہے اور نبی ﷺ نو محرم کو روزہ رکھتے تھے جبکہ نو محرم عاشورا کا دن نہیں ہے، اور آپؐ نے نو محرم کا روزہ نہیں رکھا، آپؐ نے صرف دس محرم کا روزہ رکھا ہے، اور وہی یوم عاشورا ہے، پس ابن عباسؓ کی اس حدیث کی تاویل کی جائے گی کہ چونکہ عاشوراء کا روزہ نو تاریخ سے شروع کیا جاتا ہے اس لئے ابن عباسؓ نے نو محرم کا روزہ رکھنے کے لئے فرمایا، اور نبی ﷺ کی طرف نو محرم کے روزہ کی نسبت بالقوۃ ہے بالفعل نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کو آپؐ کی حیات کے آخری سال میں یہ بات بتائی گئی کہ یہود بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں اور وہ اس وجہ سے روزہ رکھتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دی تھی، پس موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ کے طور پر عاشوراء کا روزہ رکھا تھا، اور ان کی اتباع میں پوری قوم اس دن کا روزہ رکھتی ہے، آپؐ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام کی سنت کی پیروی کرنے کے ہم زیادہ حقدار ہیں اور فرمایا: اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو دس کے ساتھ نو محرم کا بھی روزہ رکھوں گا تا کہ یہود کے روزے سے امتیاز ہو جائے (مشکوۃ حدیث ۲۰۴۱ و ۲۰۶۷) مگر اگلے محرم سے پہلے آپؐ کی وفات ہوگئی، اس لئے آپؐ نے نو محرم کا روزہ بالفعل تو نہیں رکھا مگر چونکہ اس کا پختہ ارادہ کیا تھا اور آپؐ حیات رہتے تو ضرور رکھتے، اس لئے بالقوۃ آپؐ نے نو کا بھی روزہ رکھا یعنی حکماً روزہ رکھا، اس لئے ابن عباسؓ نے نو محرم کا روزہ رکھنے کی بات کہی ہے، اور چونکہ عاشورا کا روزہ نو محرم سے شروع کرنا افضل ہے

اس لئے ابن عباسؓ نے حکم بن الاعرج کونو تاریخ سے روزے رکھنے کا حکم دیا، ابن عباسؓ کے قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نومحرم یوم عاشورا ہے، عاشوراء دس محرم ہے مگر اس کا روزہ نومحرم سے شروع ہوگا۔

حدیث (۲): ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ نے محرم کی دسویں تاریخ میں عاشورا کا روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ عاشوراء محرم کی دسویں تاریخ ہے اور آپؐ نے عاشوراء کے روزے کا حکم رمضان کی فرضیت سے پہلے دیا تھا۔

[۴۹] باب ماجاء فی عاشوراءَ أَیُّ یومٍ هُوَ؟

[۷۴۵-] حدثنا هَنَّادٌ، وأبو کُرَیْبٍ، قالا: نا وَکِیْعٌ، عن حَاجِبِ بنِ عُمَرَ، عن الحَکَمِ بنِ الأَعْرَجِ، قال: انْتَهَیْتُ إلی ابنِ عباسٍ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ رِدَاءَهُ فِیْ زَمْزَمَ، فَقُلْتُ: أَخْبِرْنِیْ عَنْ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ أَیَّ یَوْمٍ أَصُوْمُهُ؟ فقالَ: إِذَا رَأَیْتَ هِلاَلَ المُحَرَّمِ فَاعْدُدْ، ثُمَّ أَصْبِحْ مِنْ یَوْمِ التَّاسِعِ صَائِمًا، قال: قلتُ: أَهٰکَذَا کَانَ یَصُوْمُهُ محمدٌ صلی الله علیه وسلم؟ قالَ: نَعَمْ.

[۷۴۶-] حدثنا قُتَیْبَةُ، نا عبدُ الوَارِثِ بنُ یُوْنُسَ، عنِ الحَسَنِ، عنِ ابنِ عبَّاسٍ قال: أَمَرَ رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم بِصَوْمِ عَاشُوْرَاءَ یَوْمَ العَاشِرِ.

قال أبو عیسی: حدیثُ ابنِ عباسٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

وقد اختَلَفَ أهلُ العلمِ فِیْ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ، فقالَ بَعْضُهُمْ: یَوْمُ التَّاسِعِ، وقال بَعضُهم: یَوْمُ العَاشِرِ، ورُوِیَ عن ابنِ عباسٍ أَنَّهُ قال: صُوْمُوْا التَّاسِعَ وَالعَاشِرَ وَخَالِفُوْا الیَهُوْدَ، وبِهٰذَا الحدیثِ یقولُ الشافعیُّ وأحمدُ وإسحاقُ.

ترجمہ: علماء کا عاشوراء کی تعیین میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: وہ محرم کی نو تاریخ ہے اور بعض کہتے ہیں: وہ دسویں تاریخ ہے، اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نویں اور دسویں تاریخ میں روزے رکھو، اور یہود کی مخالفت کرو، اور شافعی، احمد اور اسحاق (اور مالک اور ابوحنیفہ) اسی حدیث کے قائل ہیں۔

بابُ ماجاءَ فِیْ صِیَامِ العَشْرِ

عشرۂ ذی الحجہ کے روزوں کا بیان

عشرۂ ذی الحجہ کے روزے بالاجماع مستحب ہیں اور عشرہ سے مراد ذوالحجہ کے شروع کے نو دن ہیں، دسواں دن

مراد نہیں، اس لئے کہ وہ عید الاضحیٰ کا دن ہے اس میں روزہ حرام ہے۔ عرب کبھی کسور (اکائیوں) کو نہیں گنتے اور کبھی ان کو پورا گنتے ہیں، جیسے ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ساٹھ سال آئی ہے اس میں راوی نے تین کو حذف کر دیا ہے کیونکہ آپ کی عمر مبارک تریسٹھ سال ہوئی ہے، اور یہاں ذوالحجہ کے نو دنوں کو عشرہ کہہ دیا ہے۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ذوالحجہ کے دس دنوں میں کبھی روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔

تشریح: یہ حدیث ہُنَید (ہند کی تصغیر) بن خالد کی حدیث کے معارض ہے، ہُنَید کی حدیث ابوداؤد (۱: ۳۳۱) میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، وہ بعض ازواج مطہرات سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحجہ کے نو دنوں کے روزے رکھتے تھے، اور علماء نے ہُنَید کی روایت کو لیا ہے، اور حضرت عائشہ کی اس حدیث کی تاویل کی ہے، اگرچہ وہ تاویل بعید ہے، کہتے ہیں: ان نو دنوں میں حضرت عائشہ کی باری نہیں آئی، اس لئے ان کو آپ کے روزوں کی اطلاع نہیں ہوئی، اور دیگر ازواج مطہرات نے آپ کے روزے دیکھے، اور مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ مگر یہ تاویل بعید ہے۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ روزانہ عصر کے بعد تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے تھے، پس آپ لامحالہ حضرت عائشہؓ کے پاس بھی جاتے ہونگے، پھر یہ روزے ان کے علم میں کیوں نہیں آئے؟ مگر بہر حال علماء نے ہُنَید کی حدیث کو لیا ہے، کیونکہ اگلے باب میں ان ایام میں عمل صالح کی فضیلت آرہی ہے، اور روزہ بھی ایک عمل صالح ہے، پس لامحالہ وہ بھی ان دنوں میں افضل ہوگا اور آپ ضرور اسے رکھتے ہونگے۔

[۵۰] باب ماجاء فی صیام العشر

[۷۴۷-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أبو مُعَاوِيَةَ، عن الأَعْمَشِ، عن إبراهيمَ، عن الأَسْوَدِ، عن عائشةَ، قالتْ: ما رَأَيْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم صَائِمًا فِيْ العَشْرِ قَطُّ.

قال أبو عيسى: هٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الأَعْمَشِ، عن إبراهيمَ، عن الأَسْوَدِ، عن عائشةَ، وَرَوَى الثوريُّ وغَيْرُهُ هذا الحديثَ عَنْ مَنْصُوْرٍ، عن إبراهيمَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يُرَ صَائِمًا فِيْ العَشْرِ.

وروَى أبو الأَحْوَصِ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عن إبراهيمَ، عن عَائِشَةَ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عَنِ الأَسْوَدِ، وقد اخْتَلَفُوْا عَلٰى مَنْصُوْرٍ فِيْ الحَدِيْثِ، وَرِوَايَةُ الأَعْمَشِ أَصَحُّ، وَأَوْصَلُ إِسْنَادًا، قال: سَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ محمدَ بنَ أَبَانٍ، يقولُ: سمعتُ وَكِيْعًا يقولُ: الأَعْمَشُ أَحْفَظُ لِإِسْنَادِ إبراهيمَ مِنْ مَنْصُوْرٍ.

وضاحت: حضرت عائشہؓ کی حدیث ابراہیم نخعیؒ سے اعمش اور منصور روایت کرتے ہیں، پھر اعمش سے ابو معاویہ

روایت کرتے ہیں، اور وہ حدیث کو مرفوع متصل کرتے ہیں، اور منصور سے سفیان ثوری اور ابوالاحوص روایت کرتے ہیں، پھر ثوری: ابراہیم نخعی پر سند روک دیتے ہیں، اسود کا اور حضرت عائشہ کا تذکرہ نہیں کرتے اور ابوالاحوص حضرت عائشہ کا تذکرہ تو کرتے ہیں مگر اسود کا تذکرہ نہیں کرتے اور ابراہیم کا حضرت عائشہ سے سماع نہیں۔ غرض منصور کی سند میں اختلاف ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اعمش کی سند کو (جو باب کے شروع میں ہے) اصح قرار دیا ہے۔ حضرت نے یہ فیصلہ اپنے مزاج کے خلاف کیا ہے اور یہی فیصلہ صحیح ہے، اور اعمش کی سند کے اصح ہونے کی دلیل میں وکیع کا قول پیش کیا ہے کہ اعمش کو ابراہیم نخعی کی سندیں منصور سے زیادہ یاد تھیں۔

بابُ ماجاءَ فی العَمَلِ فِیْ أیَّامِ العَشْرِ

عشرۂ ذی الحجہ میں نیک کاموں کی فضیلت

عشرۂ ذی الحجہ میں نبی ﷺ نے روزے رکھے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں روایات میں اختلاف ہے۔ مگر ان دنوں میں جو اعمال صالحہ کئے جائیں صحیح حدیث میں ان کی فضیلت آئی ہے۔ اور روزے رکھنا بھی نیک کام ہے، پس یہ فضیلت روزوں کو بھی شامل ہوگی۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں ہے کوئی بھی دن (مِنْ زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے) جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہو، اِن دس دنوں سے یعنی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ان دس دنوں کے اعمال میں، البتہ اس سے رمضان مستثنیٰ ہے، جیسے بعض حدیثوں میں نوافل کی فضیلت آئی ہے ان سے فرض واجب اور سنن مؤکدہ مستثنیٰ ہیں لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا بھی؟ یعنی ان دس دنوں کے علاوہ دنوں میں اگر اللہ کے راستہ میں جہاد کیا جائے تو کیا وہ بھی اللہ کو زیادہ پسند نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا بھی، مگر یہ کہ کوئی شخص اپنی جان اور اپنے مال کے ساتھ نکلے اور ان میں سے کچھ بھی لیکر واپس نہ آئے یعنی شہید ہو جائے تو اس کا جہاد عشرۂ ذی الحجہ کے عمل سے افضل ہوگا، رہا وہ مجاہد جو جہاد سے صحیح سلامت واپس آگیا یا دوسرے کے تعاون سے جہاد میں گیا اور شہید ہو گیا تو اس کا جہاد ان دس دنوں کے عمل سے افضل نہیں ہوگا۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: کسی بھی دن میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا عشرۂ ذی الحجہ میں عبادت کرنا محبوب ہے (یعنی ان دنوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کو دوسرے دنوں کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے) اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کی نفلیں شب قدر کی نفلوں کے برابر ہیں۔

تشریح: یہ آخری مضمون کہ عشرۂ ذی الحجہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کی نفلیں شب قدر کی نفلوں کے برابر ہیں، یہ مضمون صرف اسی حدیث میں آیا ہے اور اس حدیث کی مسعود بن واصل سے

اوپر یہی ایک سند ہے اور مسعود لیّن الحدیث ہے یعنی مضبوط راوی نہیں، اور اس کا استاذ نہاس بن قہم ضعیف راوی ہے۔

[۵۱] باب ماجاء فی العمل فی أیام العشر

[۷۴۸-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أبو مُعاوِيةَ، عن الأعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، وَهُوَ ابنُ أَبِیْ عِمْرَانَ الْبَطِیْنُ، عَنْ سَعِیْدِ بنِ جُبَیْرٍ، عن ابنِ عباسٌ، قال: قال رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم:" مَا مِنْ أَیَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِیْهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الأَیَّامِ الْعَشْرِ" فقالُوا: یارسولَ اللّٰهِ! وَلاَ الجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ؟ فقالَ رسولُ اللّٰهَ صلی الله علیه وسلم:" وَلاَ الجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، إِلاَّ رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ یَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَیْئٍ"

وفی الباب: عن ابنِ عُمَرَ، وأبی هریرةَ، وعبدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وجَابِرٍ، قال أبو عیسى: حدیثُ ابنِ عباسٌ حدیثٌ حسنٌ غریبٌ صحیحٌ.

[۷۴۹-] حدثنا أبو بَکْرِ بنُ نَافِعٍ البَصْرِیُّ، نَا مَسْعُوْدُ بنُ وَاصِلٍ، عن نَهَّاسِ بنِ قَهْمٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِیدِ بنِ المُسَیَّبِ، عن أبی هریرةَ، عن النبیِّ صلی الله علیه وسلم قال:" مَا مِنْ أَیَّامٍ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ أَنْ یُتَعَبَّدَ لَهُ فِیْهَا مِنْ عَشْرِ ذِی الْحِجَّةِ، یَعْدِلُ صِیَامُ کُلِّ یَوْمٍ مِنْهَا صِیَامَ سَنَةٍ، وقِیَامُ کُلِّ لَیْلَةٍ مِنْهَا بِقِیَامِ لَیْلَةِ الْقَدْرِ"

قال أبو عیسى: هذا حدیثٌ غریبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ حدیثِ مَسْعُوْدِ بنِ وَاصِلٍ، عن النَّهَّاسِ، وسَأَلْتُ محمداً عن هذا الحدیثِ فَلَمْ یَعْرِفْهُ مِنْ غَیْرِ هذا الوَجْهِ مِثْلَ هٰذَا، وقَالَ: قَدْ رُوِیَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِیْدِ بنِ المُسَیَّبِ، عن النبیِّ صلی الله علیه وسلم مُرْسَلٌ شیئٌ مِنْ هٰذا.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم اس حدیث کو نہیں جانتے مگر مسعود بن واصل کی سند سے، اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: اس کے علاوہ کسی اور طریق سے اس طرح کا مضمون نہیں آیا۔ اور فرمایا: قتادہ سے، وہ سعید بن المسیب سے، وہ نبی ﷺ سے ایک مرسل روایت میں کچھ اس طرح کا مضمون مروی ہے۔

بابُ ماجاءَ فی صِیَامِ سِتَّةِ أَیَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ

شوال کے چھ روزوں کا بیان

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے مستحب ہیں، اور یہ صوم الدہر (ہمیشہ روزہ رکھنے) کی سب سے ادنی شکل

ہے، حقیقی صوم الدہر مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی پورے سال کے روزے رکھے حتی کہ ان پانچ دنوں کے بھی روزے رکھے جن میں روزے حرام ہیں، اور اگر پانچ ممنوع دنوں کو چھوڑ کر باقی دنوں کے روزے رکھے تو یہ صورت جائز ہے، مگر شریعت کو پسند نہیں، کیونکہ ایسا روزہ دو حال سے خالی نہیں یا تو روزہ دار کو کمزور کرے گا، یا صبح سے پہلے اور غروب کے بعد کھانے کی عادت بن جائے گی، پس روزہ بے فائدہ ہوگا، اس لئے نبی ﷺ نے ایسے صوم الدہر کو پسند نہیں فرمایا۔

اور صوم الدہر کی ایک صورت: صوم داؤدی ہے، یعنی ایک دن روزہ رکھا جائے دوسرے دن نہ رکھا جائے، اسی طرح سال بھر روزے رکھے، حضور ﷺ نے اس کو پسند فرمایا ہے، کیونکہ اس صورت میں نہ بھوکا رہنے کی عادت پڑے گی اور نہ روزہ سے کمزوری آئے گی، آپؐ کا ارشاد: ولا یَفِرُّ إذا لاقَی یعنی داؤد علیہ السلام جب دشمن سے مقابل ہوتے تھے تو بھاگتے نہیں تھے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صوم داودی سے کمزوری نہیں آتی (بخاری حدیث ۱۹۷۷)

اور اس کے علاوہ بھی صوم الدہر کی دسیوں شکلیں ہیں، آخری شکل وہ ہے جس کا باب میں تذکرہ ہے کہ پورے رمضان کے روزے رکھے، پھر شوال کے چھ روزے رکھے۔ اور یہ صوم الدہر اس طرح ہے کہ شوال کے چھ روزے رمضان کے تیس روزوں کے ساتھ مل کر ۳۶ ہو جائیں گے (رمضان کے روزے اگر انتیس بھی ہونگے تو حکماً تیس شمار ہونگے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے شھرا عیدٍ لاینقصان) پھر الحسنة بعشرة أمثالها کے قاعدہ سے چھتیس کو دس میں ضرب دیں گے تو تین سو ساٹھ روزے ہو جائیں گے اسی طرح وہ صائم الدہر ہو گیا۔

فائدہ: شوال کے چھ روزے متفرق رکھنا بھی جائز ہے اور مسلسل بھی۔ ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی یہ چھ روزے شوال کے پورے مہینے میں رکھ لے تو جائز ہے، یعنی وہ بھی حدیث پر عمل ہوگا اور فضیلت کا مستحق ہوگا۔ لیکن تجربہ یہ ہے کہ اگر عید کے بعد فوراً یہ روزے شروع کر دیئے جائیں تو پورے ہوتے ہیں اور اگر متفرق رکھے جائیں تو شاید ہی پورے ہوں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ عید کے بعد فوراً شروع کر دیئے جائیں اور مسلسل رکھے جائیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے (أتبعه میں اشارہ ہے کہ یہ روزے رمضان کے بعد فوراً رکھنے چاہئیں) تو یہ ہمیشہ روزے رکھنا ہے۔

فائدہ: اس حدیث کی سند میں جو سعد بن سعید ہیں وہ جلیل القدر تابعی ہیں اور یحییٰ بن سعید انصاری کے بھائی ہیں، اور مسلم شریف کے راوی ہیں (یہ حدیث انہی کی سند سے مسلم شریف میں ہے) اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور بعض لوگوں نے جو ان کی تضعیف کی ہے کہ ان کو حدیثیں یاد نہیں تھیں: امام ترمذیؒ نے اس جرح کا اعتبار نہیں کیا۔

[۵۲] باب ماجاء فی صیام ستة أیام من شوالٍ

[۷۵۰-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِیعٍ، نا أبو مُعَاوِیَةَ، نا سَعْدُ بنُ سَعِیْدٍ، عن عُمَرَ بنِ ثابتٍ، عن أبی أیُّوبَ، قال: قال رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أتْبَعَهُ بِستٍّ مِنْ شَوَّالٍ،

فَذٰلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ"

وفي البابِ: عن جَابِرٍ، وأبي هريرةَ، وثَوْبَانَ، قال أبو عيسى: حديثُ أبي أيوبَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقدِ استَحبَّ قَوْمٌ صِيَامَ سِتَّةٍ مِنْ شَوَّالٍ لِهٰذَا الحَدِيْثِ.

وقال ابنُ المباركِ: هُوَ حَسَنٌ مِثْلَ صِيَامِ ثَلاَثَةِ أيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ. قال ابنُ المباركِ: ويُرْوَى في بَعضِ الحديثِ، ويُلْحَقُ هذا الصِّيَامُ بِرَمَضَانَ، واخْتَارَ ابنُ المباركِ أنْ يَكُوْنَ سِتَّةَ أيَّامٍ مِنْ أوَّلِ الشَّهْرِ، وقد رُوِيَ عن ابنِ المباركِ أنَّهُ قالَ: إنْ صَامَ سِتَّةَ أيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ مُتَفَرِّقًا فَهُوَ جَائِزٌ.

قال أبو عيسى: وَقَدْ رَوَى عبدُ العزيزِ بنُ محمدٍ، عن صَفْوَانَ بنِ سُلَيْمٍ، وسَعْدِ بنِ سَعِيْدٍ هذا الحديثَ، عَنْ عُمَرَ بنِ ثابتٍ، عن أبي أيُّوبَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، ورَوَى شُعْبَةُ عَنْ وَرْقَاءَ بنِ عُمَرَ، عَنْ سَعْدِ بنِ سَعِيْدٍ هٰذا الحديثَ، وسَعْدُ بنُ سَعِيدٍ: هو أخُوْ يَحْيىَ بنِ سَعِيدٍ الأنْصَارِيُّ، وقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أهلِ الحديثِ فِيْ سَعْدِ بنِ سَعِيدٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

ترجمہ: کچھ حضرات نے اس حدیث کی وجہ سے شوال کے چھ روزوں کو مستحب کہا ہے اور ابن المبارکؒ فرماتے ہیں: یہ چھ روزے مستحب ہیں جیسے ہر مہینے کے تین روزے مستحب ہیں۔ ابن المبارک نے فرمایا: ایک حدیث میں یہ بات مروی ہے (یعنی ہر ماہ کے تین روزے بھی صوم الدہر کی ایک صورت ہیں یہ حدیث آئندہ باب میں آرہی ہے) اور یہ روزے رمضان کے ساتھ ملائے جائیں گے (اور اس طرح وہ صوم الدہر بنیں گے) اور ابن المبارک نے پسند کیا کہ یہ چھ روزے شروع شوال میں رکھے جائیں، اور ابن المبارک سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر کوئی شخص شوال کے چھ روزے متفرق رکھے تو یہ بھی جائز ہے —— امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عبدالعزیز بن محمد نے یہ حدیث صفوان بن سُلیم اور سعد بن سعید دونوں سے روایت کی ہے (یعنی صفوان بن سلیم: سعد بن سعید کے متابع ہیں) اور شعبہؒ نے ورقاء بن عمر سے روایت کی ہے، وہ سعد بن سعید سے روایت کرتے ہیں، اور سعد بن سعید: یحییٰ بن سعید الانصاری کے بھائی ہیں، اور بعض محدثین نے سعد بن سعید میں حافظہ کی جانب سے کلام کیا ہے (مگر امام ترمذیؒ نے اس کا لحاظ نہیں کیا، کیونکہ یہ مسلم شریف کا راوی ہے)

بابُ ماجاءَ فی صَوْمِ ثَلاَثَةٍ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ

ہر ماہ تین روزے رکھنے کا بیان

حدیث (۱): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے تین باتوں کا عہد لیا: (۱) اس بات کا عہد لیا کہ میں وتر پڑھے بغیر نہ سوؤں (یہاں وتر سے تہجد کا بدل مراد ہے وتر حقیقی مراد نہیں، تفصیل کتاب الصلوٰۃ

باب ۲۱۹ میں گذر چکی ہے) (۲) اور ہر ماہ تین روزے رکھوں (۳) اور چاشت کی نماز پڑھوں۔

تشریح: ہر ماہ تین روزے رکھنا مستحب ہے اور یہ بھی صوم الدہر کی ایک شکل ہے، اس لئے کہ الحسنة بعشرة أمثالها کے قاعدہ سے تین روزے تیس روزے ہو گئے، پس ہر ماہ تین روزے رکھنے والا صائم الدہر ہوا (اور رمضان کے روزوں کو دس میں ضرب نہیں دیں گے، ان کو محفوظ رکھیں گے)

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! جب آپ مہینے کے تین روزے رکھیں تو (ایام بیض یعنی) تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں کے روزے رکھیں۔

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہر مہینے تین روزے رکھے: وہ ہمیشہ روزہ رکھنے والا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق قرآن کریم میں نازل فرمائی: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ یعنی جو شخص ایک نیکی لایا اس کو اس کا دس گنا بدلہ ملے گا پس ایک دن دس دنوں کے برابر ہوگا۔ خیال رہے کہ یہ آیت اس موقعہ پر نازل نہیں ہوئی، مگر چونکہ یہ ارشاد آیت پاک کا مصداق ہے اس لئے صحابی نے کہہ دیا: نبی ﷺ کے ارشاد کی تصدیق اس آیت نے کی۔

نوٹ: اس حدیث کی امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو سندیں ذکر کی ہیں، ایک: ابو معاویہ کی سند ہے جو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے اور دوسری امام شعبہ کی سند ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔ امام ترمذی نے نہ کسی کی تصحیح کی ہے نہ ترجیح دی ہے۔

حدیث (۴): معاذہ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں! معاذہ نے پوچھا کن دنوں کے روزے رکھتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: دنوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے یعنی دن اور تاریخ کی تعیین کے بغیر تین روزے رکھتے تھے۔

[۵۳] باب ماجاء في صومِ ثلاثةِ أيام من كل شهر

[۷۵۱-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا أبو عَوَانَةَ، عن سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عن أبي الرَّبِيعِ، عن أبي هريرةَ، قال: عَهِدَ إِلَيَّ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثَلاَثَةً: أَنْ لاَ أَنَامَ إِلاَّ على وِتْرٍ، وَصَوْمَ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وأَنْ أُصَلِّيَ الضُّحى.

[۷۵۲-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلاَنَ، نا أبو داودَ، أنبأنا شُعْبَةُ، عنِ الأَعْمَشِ، قال: سَمِعْتُ يَحيى بنَ بَسَّامٍ، يُحَدِّثُ عَنْ موسىَ بنِ طَلْحَةَ، قال: سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ يقولُ: قال رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "يا أَبَا ذَرٍّ! إذا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ فَصُمْ ثَلاَثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ"

وفی الباب: عن أبی قتادةَ، وعبدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، وقُرَّةَ بنِ إیاسٍ المُزَنِیِّ، وعبدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، وأبی عَقْرَبَ، وابنِ عباسٍ، وعائشةَ، وقَتَادَةَ بنِ مِلْحَانَ، وعُثْمَانَ بنِ أبی العَاصِ، وجَرِیْرٍ.

قال أبو عیسی: حدیثُ أبی ذرٍّ حدیثٌ حسنٌ.

وقد رُوِیَ فی بعضِ الحدیثِ أنَّ مَنْ صَامَ ثلاثةَ أیَّامٍ مِنْ کُلِّ شهرٍ کانَ کَمَنْ صَامَ الدَّهْرَ.

[۷۵۳-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أبو مُعَاوِیَةَ، عن عَاصِمٍ الأَحْوَلِ، عن أبی عُثْمَانَ، عن أبی ذرٍّ، قال: قال رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم: "مَنْ صَامَ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ ثلاثةَ أیَّامٍ فَذَلِكَ صِیَامُ الدَّهْرِ" فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وتعالیٰ تَصْدِیْقَ ذلك فی کِتَابِهِ: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾: الیومُ بِعَشْرَةِ أیَّامٍ.

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ.

قال أبو عیسی: وقد رَوَی شُعْبَةُ هذا الحدیثَ عن أبی شِمْرٍ، وأبی التَّیَّاحِ، عن أبی عُثمانَ، عن أبی هریرةَ، عن النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم.

[۷۵۴-] حدثنا محمودُ بنُ غَیْلَانَ، نا أبو داودَ، نا شُعْبَةُ، عن یزیدَ الرِّشْكِ، قال: سَمِعْتُ مُعَاذَةَ قالتْ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: أَکَانَ رسولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم یَصُوْمُ ثَلَاثَةَ أیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ؟ قالتْ: نَعَمْ، قُلْتُ: مِنْ أَیِّهِ کانَ یَصُوْمُ؟ قالتْ: کانَ لَایُبَالِیْ مِنْ أَیِّهِ صَامَ.

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ قال: ویَزِیدُ الرِّشْكُ: هُوَ یَزِیْدُ الضُّبَعِیُّ: وهو یَزِیْدُ القاسِمُ، وَهُوَ القَسَّامُ، وَ الرِّشْكُ: هو القَسَّامُ فِیْ لُغَةِ أَهْلِ الْبَصْرَةِ.

وضاحت: قوله: وقد رُوی فی بعض الحدیث إلخ یہی حدیث بعد میں سند کے ساتھ لائے ہیں ——— اور رِشْك: اہل بصرة کی لغت میں بمعنی قسّام ہے۔ بصرة ایران کی قلمرو میں تھا، وہاں فارسی بولی جاتی تھی اس لئے غالباً یہ فارسی لفظ ہے اور اس کے عربی معنی ہیں: قاسم اور قسّام (بانٹنے والا) اسلامی حکومت میں قسّام ایک عہدہ تھا جو لوگوں کی جائدادیں وغیرہ تقسیم کرتا تھا۔ یزید الرشک یہی کام کرتے تھے اس لئے ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا تھا۔

بابُ ماجاءَ فی فَضْلِ الصَّوْمِ

روزوں کی فضیلت کا بیان

اس باب میں روزوں کے ثواب کا بیان ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جو حدیث قدسی ہے۔ مگر پوری حدیث قدسی نہیں ہے والصومُ جُنة من النار سے حدیث نبوی شروع ہوتی ہے، اس سے پہلے تک حدیث قدسی ہے۔

اس حدیث میں اعمال کے ثواب کا یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر نیک عمل کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ملتا ہے مگر دو عمل اس سے مستثنیٰ ہیں:

ایک: انفاق فی سبیل اللہ، یعنی جہاد کے کاموں میں خرچ کرنا، اس کا تذکرہ سورۂ بقرۃ آیت ۲۶۱ میں آیا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کا ثواب سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعہ بیان کی ہے: گندم کا ایک دانہ زمین میں بویا اس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں، پس ایک دانے کے سات سو دانے ہوگئے (یہ محض تمثیل ہے، ایک دانے سے سات سو دانے پیدا ہونے ضروری نہیں) اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا بھی ایسا ہی ہے جو کچھ خرچ کیا جائے گا اس کا سات سو گنا ثواب ملے گا ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اور اللہ جس کے لئے چاہتے ہیں بڑھاتے ہیں یعنی اخلاص کی برکت سے اور موقعہ کے لحاظ سے یہ ثواب بڑھتا ہے اور زیادتی کی کوئی حد نہیں۔

دوسرا عمل: روزہ ہے اس کا کم از کم ثواب عام ضابطہ کے مطابق ہے یعنی دس گنا ثواب ملتا ہے۔ یہاں استثناء نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں (یہاں استثناء ہے) اللہ کا ارشاد ہے: **الصومُ لی وأنا أجزی به**: روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کا ثواب دوں گا یعنی روزوں کا ثواب کتنا ہے؟ یہ بات اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتائی حتی کہ کراماً کاتبین بھی نہیں جانتے۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا ثواب ڈکلیر کریں گے اسی وقت پتہ چلے گا کہ کس کو اس کے روزے کا کتنا ثواب ملا۔ اس دنیا میں تو بالاجمال اتنی بات بتائی ہے کہ جب ثواب ملے گا روزہ دار خوش ہوجائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی، یعنی جب روزے کا ثواب بتایا جائے گا تو روزہ دار خوش خوش ہوجائے گا۔

سوال: جب سبھی عبادتیں اللہ کے لئے ہیں تو الصوم لی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: علماء نے اس کے متعدد معانی بیان کئے ہیں:

۱- روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں ریاء کا دخل نہیں جبکہ دوسری عبادتوں میں ریاء کا احتمال ہے، روزہ میرے لئے ہے کا یہی مطلب ہے۔

۲- تمام اعمال صالحہ میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند روزہ ہے، چنانچہ فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے یعنی مجھے بہت پسند ہے۔

۳- کھانے پینے سے اور دیگر خواہشات سے استغناء صفات باری تعالیٰ میں سے ہے اور جب بندہ روزہ رکھتا ہے اور مفطراتِ ثلاثہ سے بچتا ہے تو اس کو باری تعالیٰ سے خصوصی قرب حاصل ہوتا ہے اور اس قرب کا ذریعہ روزہ ہوتا ہے اس لئے فرمایا: "روزہ میرے لئے ہے"

۴- روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو غیر اللہ کے حق میں نہ کی گئی، نہ کی جاسکتی ہے اور دیگر عبادتیں صدقہ طواف

وغیرہ غیر اللہ کے لئے بھی کئے جاتے ہیں، اس لئے روزہ اللہ ہی کے لئے ہے۔

۵- روزہ کے سوا جتنی عبادتیں ہیں وہ قیامت کے دن کفارہ بنیں گی، ان کے ذریعہ بندوں کے گناہ معاف ہونگے اور واجب الاداء حقوق چکائے جائیں گے، مگر روزہ باقی رہے گا وہ حقوق کے لئے کفارہ نہیں بنے گا (مگر یہ توجیہ صحیح نہیں، ترمذی جلد ثانی ص ۲۸ میں حدیث ہے کہ روزوں سے بھی مقاصہ ہوگا)

۶- الصومُ لی: میں نسبت تشریف کے لئے ہے، جیسے کہا جاتا ہے: بیت اللہ (اللہ کا گھر) جبکہ تمام گھر اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں ——— حدیث کی ان کے علاوہ اور بھی توجیہیں کی گئی ہیں مگر راجح آخری توجیہ ہے۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک تمہارا پروردگار فرماتا ہے: ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے، سات سو گنا تک۔ اور روزہ میرے لئے ہے (یہ استثناء ہے پہلے ثواب کا جو ضابطہ بیان کیا ہے اس سے روزے کا استثناء کیا ہے اگرچہ حرف استثناء موجود نہیں اور اس کی حدیثوں میں بہت مثالیں ہیں، پہلے ایک قاعدہ بیان کیا جاتا ہے پھر اس میں سے استثناء کیا جاتا ہے اور حرف استثناء موجود نہیں ہوتا[1]) اور میں ہی اس کا ثواب دوں گا (اس کے بعد حدیث نبوی ہے) اور روزہ جہنم سے ڈھال ہے اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک (یہ قرینہ ہے کہ یہ حدیث نبوی ہے ورنہ عندی ہوتا) مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے اور اگر کوئی نادان تم میں سے کسی کے سامنے نادانی کرے (یہاں جاہل: حلم (بردباری) کی ضد ہے علم کی ضد نہیں) اور وہ روزے سے ہو تو کہہ دے: "میں روزے سے ہوں"

تشریح:

قولہ: وأنا أجزِیْ بہ: مجہول بھی پڑھا گیا ہے یعنی أنا أُجزیٰ بہ: اس کا ترجمہ ہے: "میں روزہ کے بدلہ میں دیا جاتا ہوں" یعنی روزے کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا وصال (قُرب) نصیب ہوتا ہے، یہ مطلب بھی اگرچہ صحیح ہے، مگر اس صورت میں سابقہ جملے سے جوڑ باقی نہیں رہتا اس لئے مشہور قراءت معروف کی ہے اور محدثین معروف ہی پڑھتے ہیں، مجہول صوفیاء نے پڑھا ہے۔

(۱) جیسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَن کان مستنًّا فلیستَنَّ بمن قدمات، فإن الحيَّ لایؤمن علیہ الفتنةُ، أولئك أصحابُ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا أفضل ھذہ الأمة (مشکوٰۃ حدیث ۱۹۳ باب الاعتصام الخ) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پہلے یہ ضابطہ بیان کیا کہ جن لوگوں کا ایمان پر انتقال ہوا ہے صرف ان کی پیروی کی جائے، زندوں کی پیروی نہ کی جائے، کیونکہ زندہ معرض فتن میں ہے، اس کا ایمان پر اور صلاح پر خاتمہ ہونا ضروری نہیں، وہ مرنے سے پہلے گمراہ ہو سکتا ہے، پھر اس ضابطہ سے ابن مسعودؓ نے صحابہ کا استثناء کیا ہے کہ جو صحابہ حیات ہیں ان کی پیروی کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ امت کے افضل ترین افراد ہیں، وہ نبی ﷺ کی صحبت کی برکت سے فتنہ سے محفوظ ہیں، نیز ان کی یہ یہ خوبیاں ہیں اس لئے ان کی پیروی میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں ابن مسعود نے حرف استثناء کے بغیر صحابہ کا استثناء کیا ہے ۱۲

قولہ: الصومُ جنة من النار: روزے سے شہوت ٹوٹتی ہے اور گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے، پس جب گناہ ختم ہوجائیں گے تو جہنم سے خود بخود حفاظت ہوجائے گی۔ اور چونکہ اس کا سبب روزہ بنا اس لئے روزے کو ڈھال کہا گیا (جُنَّة میں تنوین تعظیم کی ہے یعنی مضبوط ڈھال)

قولہ: ولَخَلُوْفُ إلخ جب معدہ خالی ہوجاتا ہے تو اس میں سے ایک گیس اٹھتی ہے جو منہ میں آکر رکتی ہے اور منہ میں بو پیدا ہوتی ہے یہ خلوف ہے اور یہ روزے سے تعلق رکھنے والی چیز ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو روزے کے متعلقات اتنے پسند ہیں تو خود روزہ کتنا پسند ہوگا اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا!

قولہ: وإن جهل إلخ روزہ کی حالت میں بعض لوگوں کو غصہ بہت آتا ہے ان کے دماغ کا ایک اسکرو ڈھیلا پڑجاتا ہے ان کو چاہئے کہ اگر کوئی نادانی کا برتاؤ کرے تو ترکی بہ ترکی جواب نہ دے، اندیشہ ہے کہ کہیں حد سے تجاوز نہ کرجائے، اس لئے جب ایسی صورت پیش آئے تو خود کو سمجھائے، یعنی یہ بات سوچے کہ وہ روزے سے ہے جواب دینا ٹھیک نہیں، اور اگر موقعہ ہو تو دوسرے کو بھی بتادے کہ میرا روزہ ہے۔ امام نووی شرح مہذب میں فرماتے ہیں: **كلٌّ منهما حسنٌ، والقولُ باللسان أقوى، ولو جَمَعَهُما لكان حَسَنًا** (فتح الباری ۴:۱۰۵)

نوٹ: مذکورہ حدیث علی بن زید بن جُدعان کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر متن صحیح سند سے مروی ہے اور حدیث متفق علیہ ہے (بخاری حدیث ۱۹۰۴)

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریّان (سیرابی) ہے اس سے روزہ داروں کو بلایا جائے گا، پس جو روزہ دار ہوگا وہ اس دروازے سے جنت میں جائے گا، اور جو اس دروازے سے جنت میں جائے گا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔

تشریح: جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور جہنم کے سات۔ جہنم کے دروازوں کا ذکر سورۃ الحجر آیت ۴۴ میں آیا ہے، اور جنت کے آٹھ دروازوں کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے اور جنت کا ایک دروازہ زائد کیوں ہے؟ اس کی وجہ کتاب الطہارۃ باب ۴۱ میں گذر چکی ہے۔

یہاں تین سوال ہیں:

پہلا سوال: رمضان کے روزے تو سبھی مسلمان رکھتے ہیں پھر باب ریّان سے روزہ داروں کو پکارنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: مراد وہ لوگ ہیں جن کو روزوں سے خصوصی دلچسپی ہے، جو بکثرت نفل روزے رکھتے ہیں، انہی کو باب ریّان سے پکارا جائے گا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فرض عبادتیں تو سبھی مسلمان کرتے ہیں مگر نفل عبادتوں کے معاملہ میں احوال مختلف ہیں: بعض لوگوں کو بعض عبادتوں سے خصوصی دلچسپی ہوتی ہے، کسی کو نفل نماز سے، کسی کو خیرات سے، کسی کو

حج سے، کسی کو روزوں سے، کسی کو تلاوت سے، کسی کو ذکر سے دلچسپی ہوتی ہے، یہی نفل روزوں سے خصوصی دلچسپی رکھنے والے حضرات مراد ہیں۔

دوسرا سوال: باب ریّان سے جنت میں داخل ہونے والا پیاسا نہیں ہوگا اس کا کیا مطلب ہے؟ جنت میں تو بھوک پیاس ہے ہی نہیں!

جواب: پیاس نہ لگنا کلی مشکک ہے اور کلی مشکک کے افراد متفاوت ہوتے ہیں، جیسے ''معافی'' کلی مشکک ہے اور اس کے مختلف درجے ہیں، ایک طالب علم نے غلطی کی، استاذ ناراض ہوگیا پھر اس نے معافی مانگی تو استاذ نے معاف کر دیا، مگر وہ منظورِ نظر نہیں ہوا، پھر اس نے کوئی شاندار کام کیا تو منظور نظر ہوگیا۔ یہ معافی کے درجات ہیں، اسی طرح پیاس نہ لگنے کے بھی درجات ہیں جو باب ریّان سے جنت میں جائے گا اس کو اعلیٰ درجہ کی یہ نعمت حاصل ہوگی اور دوسرے دروازوں سے داخل ہونے والوں کو دوسرے درجہ میں یہ نعمت حاصل ہوگی۔ غرض نوعیت مختلف ہوگی۔

تیسرا سوال: کھانے پینے کا مزہ اس وقت آتا ہے جب بھوک پیاس لگے اور جب جنت میں بھوک پیاس نہیں ہوگی تو کھانے پینے کا کیا مزہ آئے گا؟

جواب: جس طرح بھوک پیاس کے بعد کھانے پینے میں مزہ آتا ہے اشتہاء کے بعد بھی مزہ آتا ہے اور جنت میں بھوک پیاس تو نہیں ہوگی مگر اکل وشرب کی اشتہاء ہوگی، پس خوب مزہ آئے گا۔

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزے دار کے لئے دو خوشیاں ہیں: ایک: جب وہ افطار کرتا ہے اور دوسری: جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا (اور روزے کا ثواب اس کو ملے گا تب وہ خوش خوش ہو جائے گا)

[٥٤] باب ماجاء في فضل الصوم

[٧٥٥-] حدثنا عِمرانُ بنُ موسىَ القَزَّازُ الْبَصْرِيُّ، نا عبدُ الوَارِثِ بنُ سعيدٍ، نا عليُّ بنُ زَيْدٍ، عن سَعيدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عن أبي هريرةَ قال: قال رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ رَبَّكُم يقولُ: كلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، والصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِه، وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ، وَلَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ، وَإِنْ جَهِلَ عَلَى أَحَدِكُم جَاهِلٌ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ إِنِّيْ صَائِمٌ"

وفي الباب: عن مُعاذِ بنِ جَبَلٍ، وسَهْلِ بنِ سَعْدٍ، وكَعْبِ بنِ عُجْرَةَ، وَسَلَامَةَ بنِ قَيْصَرَ، وبَشِيْرِ بنِ الخَصَاصِيَةِ، واسمُ بَشِيْرٍ: زَحْمُ بنُ مَعْبَدٍ، وَالْخَصَاصِيَةُ: هِيَ أُمُّهُ.

قال أبو عيسى: وحديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هذا الوجهِ.

[٧٥٦-] حدثنا محمدُ بنُ بَشّارٍ، نا أبو عامرٍ العَقَدِيُّ، عن هِشَامِ بنِ سَعْدٍ، عن أبي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بنِ سَعْدٍ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قال:" في الْجَنَّةِ بَابٌ يُدْعَى الرَّيَّانُ، يُدْعَى لَهُ الصَّائِمُوْنَ، فَمَنْ كَانَ مِنَ الصَّائِمِينَ دَخَلَهُ، ومَنْ دَخَلَهُ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

[٧٥٧-] حدثنا قُتيبةُ، نا عبدُ العزيزِ بنُ محمدٍ، عن سُهَيْلِ بنِ أبي صَالِحٍ، عَن أَبيهِ، عن أبي هريرةَ، قال: قال رسولُ اللّهِ صلى الله عليه وسلم:" لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ حِيْنَ يُفْطِرُ، وَفَرْحَةٌ حِيْنَ يَلْقَى رَبَّهُ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ في صَوْمِ الدَّهْرِ

ہمیشہ روزہ رکھنے کا بیان

حدیث: ابوقتادہؓ کہتے ہیں: کسی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کوئی شخص ہمیشہ روزے رکھے تو کیسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "نہ اس نے روزہ رکھا اور نہ وہ بے روزہ رہا"

تشریح: پہلے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ایام خمسہ ممنوعہ کو چھوڑ کر باقی پورے سال روزے رکھنا جائز ہے، مگر یہ روزہ شرعاً پسندیدہ نہیں، اس لئے کہ جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اس کی صبح صادق سے پہلے کھانے کی اور غروب کے بعد کھانے کی عادت ہو جاتی ہے، درمیان میں اُسے کھانے پینے کی خواہش نہیں ہوتی۔ پس روزے کی جو مشقت ہے وہ اس کو حاصل نہیں ہوتی، اس لئے گویا اس نے روزہ نہیں رکھا اور چونکہ اس نے روزے کی نیت کی ہے اس لئے وہ بے روزہ بھی نہیں اس لئے فرمایا: نہ اس نے روزہ رکھا اور نہ وہ بے روزہ ہے یعنی اس کے روزے کا کوئی فائدہ نہیں۔

[٥٥] باب ماجاء في صوم الدهر

[٧٥٨-] حدثنا قُتَيْبَةُ، وأحمدُ بنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، قالا: نا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عن غَيْلَانَ بنِ جَرِيْرٍ، عن عبدِ اللّهِ بنِ مَعْبَدٍ، عن أبي قَتَادَةَ، قال: قِيلَ: يارسولَ اللّهِ! كَيْفَ بِمَنْ صَامَ الدَّهْرَ؟ قال:" لَاصَامَ وَلَا أَفْطَرَ" أَوْ:" لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ"

وفي الباب: عن عبدِ اللّهِ بنِ عَمْرٍو، وعبدِ اللّهِ بن الشِّخِّيرِ، وعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، وأبي موسى،

قال أبو عيسى: حديثُ أبي قَتَادَةَ حديثٌ حسنٌ.

وقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ صِيامَ الدَّهْرِ [وَأَجازَهُ آخَرُوْنَ] وقالوا إِنَّمَا يَكُوْنُ صِيامُ الدَّهْرِ إِذَا لَمْ يُفْطِرْ يَوْمَ الفِطْرِ وَيَوْمَ الأَضحى وَأَيَّامَ التَّشْرِيْقِ، فَمَنْ أَفْطَرَ فى هذه الأَيَّامِ فَقَدْ خَرَجَ مِنْ حَدِّ الكَرَاهِيَةِ، وَلَا يَكُوْنُ قَدْ صَامَ الدَّهْرَ كُلَّهُ، هكذا رُوِىَ عن مالكِ بنِ أنسٍ، وهُوَ قَوْلُ الشافعيِّ، وقال أحمدُ وإسحاقُ: نَحْوًا مِنْ هذا، وقالا: لايَجِبُ أَنْ يُفْطِرَ أَيَّامًا غَيْرَ هذه الخَمْسَةِ الأَيَّامِ التى نَهٰى عَنْهَا رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: يَوْمِ الفِطْرِ وَيَوْمِ الأَضحى وَأَيَّامِ التَّشْرِيْقِ.

ترجمہ: بعض علماء صوم الدہر کو مکروہ کہتے ہیں اور دوسروں نے اس کی اجازت دی ہے (عبارت میں أجازهُ آخرون میں نے بڑھایا ہے اس کا ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر عبارت مکمل نہیں ہوتی) وہ کہتے ہیں: صوم الدہر اس وقت مکروہ ہے جب عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق کے بھی روزے رکھے، پس جس نے ان پانچ دنوں میں روزہ نہیں رکھا تو وہ کراہت کی حد سے نکل گیا، اور وہ پورے سال روزے رکھنے والا نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ سے یہی مروی ہے۔ اور امام شافعی (اور امام اعظم) رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے، اور امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ اسی کے مانند کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: وہ پانچ دن جن میں نبی ﷺ نے روزے رکھنے سے منع کیا ہے، یعنی عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق: ان کے علاوہ دنوں میں روزے نہ رکھنا واجب نہیں۔

بابُ ماجاءَ فى سَرْدِ الصَّوْمِ

مسلسل روزے رکھنے کا بیان

آنحضرت ﷺ کی سیرت میں صوم الدہر نہیں تھا، اور نہ آپؐ نے اس کو پسند کیا ہے۔ البتہ سرد الصوم (مسلسل روزے رکھنا) آپؐ کا طریقہ تھا، آپؐ نفل روزے شروع کرتے تھے تو مسلسل رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ اب آپؐ ہمیشہ روزے رکھیں گے، پھر جب روزے بند کردیتے تھے تو اتنے دنوں تک روزے نہیں رکھتے تھے کہ خیال ہوتا تھا کہ اب آپؐ کبھی نفل روزے نہیں رکھیں گے، البتہ آپ کا سرد الصوم ایک مہینے سے کم ہوتا تھا، صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپؐ نے رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے مکمل روزے نہیں رکھے۔

حدیث (۱): عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے روزوں کے بارے میں پوچھا، انھوں نے فرمایا: آپؐ روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم سوچتے تھے کہ اب آپؐ ہمیشہ روزے رکھیں گے اور روزے بند کردیتے تھے تو ہم خیال کرتے تھے کہ اب آپؐ کبھی روزے نہیں رکھیں گے، اور رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے مکمل روزے نہیں رکھے۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے روزوں کے بارے میں پوچھا گیا، انھوں نے فرمایا: آپ کسی مہینے میں روزے رکھنا شروع کرتے تو ایسا خیال ہوتا تھا کہ آپ کا اس مہینے میں روزے چھوڑنے کا ارادہ نہیں ہے (یعنی آپ مکمل مہینے کے روزے رکھیں گے ایسا سمجھا جاتا تھا) اور کسی مہینے میں روزے نہیں رکھتے تھے یہاں تک کہ ایسا خیال ہوتا کہ آپ اس مہینے میں کوئی روزہ نہیں رکھیں گے (سائل نے نبی ﷺ کے تہجد کے بارے میں بھی سوال کیا تو آپ نے فرمایا:) آپ رات کے جس حصہ میں نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھنا چاہیں دیکھ سکتے ہیں، اور جس حصہ میں سوتے ہوئے دیکھنا چاہیں دیکھ سکتے ہیں (یعنی آپ نے رات کے ہر حصے میں تہجد پڑھا ہے اور ہر حصے میں آرام فرمایا ہے یعنی آپ کا تہجد کا کوئی وقت متعین نہیں تھا)

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزوں میں سب سے افضل میرے بھائی داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہیں رکھتے تھے، اور جب دشمن سے مدبھیڑ ہوتی تو بھاگتے نہیں تھے اس آخری جملہ میں نبی ﷺ نے داؤد علیہ السلام کے روزے کو سراہا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ صوم داؤدی سے صائم کو کمزوری لاحق نہیں ہوتی۔

فائدہ: سرد الصوم اور صوم الدہر میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، اول عام ہے، ثانی خاص ہے، ہر سرد الصوم: صوم الدہر نہیں ہے، مگر ہر صوم الدہر: سرد الصوم ہے۔

[٥٦] باب ماجاء فی سرد الصوم

[٧٥٩-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا حمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عن أَيُّوْبَ، عن عبدِ اللّٰهِ بنِ شَقِيْقٍ، قال: سَأَلْتُ عائشةَ عن صِيَامِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قالتْ: كانَ يَصُوْمُ حتى نَقُوْلَ قَدْ صَامَ، ويُفْطِرُ حتى نَقُوْلَ قَدْ أَفْطَرَ، وَمَا صَامَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم شَهْرًا كامِلاً إِلاَّ رَمَضَانَ.

وفى الباب: عن أَنَسٍ، وابنِ عبَّاسٍ، قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٧٦٠-] حدثنا عليُّ بنُ حُجْرٍ، نا إسماعيلُ بنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عن أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قال: كانَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى يُرَى أَنَّهُ لاَيُرِيْدُ أَنْ يُفطِرَ مِنْهُ، ويُفْطِرُ حتى يُرىٰ أَنَّهُ لاَيُرِيْدُ أَنْ يَصُوْمَ مِنْهُ شَيْئًا، فَكُنْتَ لاَتَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلاَّ رَأَيْتَهُ مُصَلِّيًا، وَلاَ نَائِمًا إِلاَّ رَأَيْتَهُ نَائِمًا.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٧٦١-] حدثنا هَنَّادٌ، نا وَكِيْعٌ، عن مِسْعَرٍ، وسُفْيَانَ، عن حَبِيْبِ بنِ أَبِي ثَابِتٍ، عن أَبِي العَبَّاسِ،

عن عبدِ اللّٰہِ بنِ عَمرٍو، قال: قالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیه وسلم: " أَفْضَلُ الصَّوْمِ صَوْمُ أَخِی دَاوٗدَ، کانَ یَصُوْمُ یَوْمًا ویُفْطِرُ یَوْمًا، وَلَا یَفِرُّ إِذَا لَاقَی"

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وأبو العَبَّاسِ: هو الشَّاعِرُ الْأَعْمَی، واسْمُهُ: السَّائِبُ بنُ فَرُّوْخٍ.

وقال بَعْضُ أهلِ العلمِ: أَفْضَلُ الصِّیَامِ أَنْ یَصُوْمَ یَوْمًا، ویُفْطِرَ یَوْمًا، ویُقَالُ: هذا هُوَ أَشَدُّ الصِّیَامِ.

قوله: ویقال: اور کہا جاتا ہے کہ یہ (صوم داؤدی) بہت بھاری روزہ ہے۔ یعنی اس سے نفس پر بہت مشقت پڑتی ہے اس لئے یہ روزہ افضل ہے۔

بابُ ماجاءَ فی کَرَاهِیَةِ الصَّوْمِ یَوْمَ الْفِطْرِ ویَوْمَ النَّحْرِ

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا روزہ مکروہ ہے

جس طرح پانچ وقتوں میں نفلیں پڑھنا ممنوع ہے اور ان کے دو گروپ بنائے گئے ہیں، اوقات ثلاثہ (طلوع وغروب اور استواء) کا تذکرہ الگ حدیثوں میں ہے اور عصر اور فجر کے بعد نفلوں کی ممانعت الگ روایتوں میں آئی ہے، اسی طرح پانچ دنوں میں روزے رکھنا ممنوع ہے اور وہ بھی دو حصوں میں منقسم ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا تذکرہ الگ حدیثوں میں ہے اور ایام تشریق: گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کا تذکرہ الگ روایت میں آیا ہے، اور ایسا ممانعت کے درجات کے تفاوت کی وجہ سے کیا گیا ہے، اوقاتِ ثلاثہ میں ہر نماز مکروہ ہے، اور دو وقتوں میں صرف نوافل ممنوع ہیں، اسی طرح یہاں بھی دو دنوں میں روزوں کی کراہیت سخت ہے اور تین دنوں میں ہلکی ہے، چنانچہ ان دنوں میں بعض فقہاء متمتع اور قارن کو روزے کی اجازت دیتے ہیں۔

حدیث (۱): ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے دو دنوں کے روزوں سے: عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے روزوں سے منع فرمایا۔

حدیث (۲): ابو عبید کہتے ہیں: میں نے ایک عید الاضحیٰ کی نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی، انھوں نے پہلے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا، اور دورانِ خطبہ فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے وہ ان دو دنوں کے روزوں سے منع فرماتے تھے: عید الفطر کا روزہ (اس لئے منع ہے کہ) عملی طور پر رمضان کا روزہ چھوڑنا متحقق ہوجائے (دوسری وجہ) اور وہ مسلمانوں کے لئے خوشی کا دن ہے (پس روزہ رکھ کر منہ لٹکائے پھرنا مناسب نہیں، بلکہ خوشی منانا اور کھانا پینا مستحب ہے) اور رہا عید الاضحیٰ کا روزہ (تو وہ اس لئے منع ہے کہ) آپ لوگ اپنی قربانی کا گوشت کھائیں۔

[۵۷] باب ماجاء في كراهية الصوم يومَ الفطر ويومَ النحر

[۷٦۲-] حدثنا قتيبةُ، نا عبدُ العزيزِ بنُ محمدٍ، عن عَمْرِو بن يَحيىَ، عن أبيهِ، عن أبي سعيدٍ الخُدْرِيِّ، قال: نَهَى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ صِيَامَيْنِ: صِيَامِ يَوْمِ الأَضْحىٰ ويَوْمِ الفِطْرِ.

وفي البابِ: عَنْ عُمَرَ، وعليٍّ، وعائشةَ، وأبي هريرةَ، وعُقْبَةَ بنِ عامرٍ، وأنسٍ، قال أبو عيسى: حديثُ أبي سَعيدٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ عليهِ عندَ أهلِ العلمِ.

قال أبو عيسى: وعَمْرُو بنُ يَحْيىٰ: هو ابنُ عُمَارَةَ بنِ أبي الحَسَنِ المازِنِيُّ المدِيْنِيُّ، وهو ثِقَةٌ، رَوَى عنه سُفْيَانُ الثوريُّ، وَشُعْبَةُ، ومالكُ بنُ أنَسٍ.

[۷٦۳-] حدثنا محمدُ بنُ عبدِ الملكِ بنِ أبي الشَّوَارِبِ، نا يَزِيْدُ بنُ زُرَيْعٍ، نا مَعْمَرٌ، عن الزُّهْرِيِّ، عن أبي عُبَيْدٍ: مَوْلَى عبدِ الرحمنِ بنِ عَوْفٍ، قَالَ: شَهِدْتُ عُمَرَ بنَ الخَطَّابِ فِيْ يَوْمِ نَحْرٍ، بَدَأَ بالصَّلاَةِ قَبْلَ الخُطْبَةِ ثم قالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَنْهىٰ عَنْ صَوْمِ هَذَيْنِ اليَوْمَيْنِ، أمَّا يَوْمُ الفِطْرِ: فَفِطْرُكُمْ مَنْ صَوْمِكُمْ، وعِيْدٌ لِلْمُسْلِمِيْنَ، وأَمَّا يَوْمُ الأَضْحىٰ: فَكُلُوْا مِنْ لَحْمِ نُسُكِكُمْ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ صحيحٌ، وأبو عُبَيْدٍ: مَوْلَى عبدِ الرحمن بنِ عَوْفٍ اسْمُهُ سَعْدٌ، ويقالُ له: مَوْلَى عبدِ الرحمنِ بنِ أَزْهَرَ: هو ابنُ عَمِّ عبدِ الرحمنِ بنِ عَوْفٍ.

وضاحت: پہلی حدیث میں ایک راوی ہے عمرو بن یحییٰ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی توثیق کی ہے کہ ان سے سفیان ثوری، شعبہ اور امام مالک رحمہم اللہ جیسے ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں ــــــ اور ابو عبید: عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے آزاد کردہ ہیں ان کا نام سعد تھا اور ان کو مولیٰ عبدالرحمٰن بن ازہر بھی کہتے ہیں اور ابن ازہر: عبدالرحمٰن بن عوف کے چچازاد بھائی ہیں۔

بابُ ماجاءَ في كراهيةِ صَوْمِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

ایام تشریق کے روزوں کی کراہیت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عرفہ کا دن، عیدالاضحیٰ کا دن اور ایام تشریق (گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ) ہم مسلمانوں کی عید ہیں اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں''

تشریح: علامہ ابن عبدالبر نے موطا کی شرح التمہید میں لکھا ہے کہ عرفہ کا ذکر صرف اس حدیث میں ہے کسی اور

حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں۔ اور علامہ ابوالفتح عراقی فرماتے ہیں: عرفہ کا دن اکل وشرب کا دن کیسے ہوسکتا ہے؟ اس میں تو روزہ مستحب ہے، پھر فرماتے ہیں: شاید اس کا تعلق حاجیوں سے ہو، کیونکہ حاجیوں کے لئے عرفہ کے دن روزہ نہ رکھنا افضل ہے (معارف السنن) مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ یوم عرفہ کھانے پینے کا دن نہیں ہے یعنی خوشی منانے کا دن نہیں ہے، اس میں تو حاجیوں کو بہت کام کرنے ہوتے ہیں اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ حدیث میں عرفہ کا ذکر محفوظ ہے یا نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ جس طرح وہ پانچ اوقات جن میں نمازیں پڑھنا ممنوع ہے ان میں سے اوقاتِ ثلاثہ میں ممانعت سخت ہے ان وقتوں میں قضا نماز بھی پڑھنا جائز نہیں، اور عصر اور فجر کے بعد نماز کی ممانعت ہلکی ہے اس لئے ان وقتوں میں قضا نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں روزوں کی ممانعت سخت ہے، ان دودنوں میں روزوں کے جواز کا کوئی قائل نہیں، اور ایام تشریق میں جو ممانعت ہے وہ ہلکی ہے چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک ایام تشریق میں متمتع اور قارن کے لئے روزہ رکھنا جائز ہے، متمتع اور قارن کے پاس اگر قربانی کا جانور یا پیسہ نہ ہو تو اُسے دس روزے رکھنے ہوتے ہیں، تین عید سے پہلے عشرۂ ذی الحجہ میں اور سات گھر لوٹ کر، اور یہ مسئلہ سورۂ بقرۃ آیت ۱۹۶ میں ہے، اور اگر کوئی حاجی عید سے پہلے تین روزے نہ رکھ سکا ہو تو کیا وہ ایام تشریق میں روزے رکھ سکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم کا مذہب امام شافعی کا مفتی بہ (جدید) قول اور امام احمد رحمہم اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ متمتع اور قارن کے لئے بھی ایام تشریق میں روزے رکھنا جائز نہیں۔ اب ان پر دم مقرر ہے، دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب امام شافعی رحمہ اللہ کا مرجوع عنہ قول اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ شخص ایام تشریق میں وہ روزے رکھ سکتا ہے۔

[۵۸] باب ماجاء فی کراهیة صوم أیامِ التشریق

[۷٦٤-] حدثنا هَنَّادٌ، نا وَكِيْعٌ، عن موسى بنِ عُلَيٍّ، عن أبيهِ، عن عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، قال: قال رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "يَوْمُ عَرفَةَ وَيَوْمُ النَّحرِ وَأَيَّامُ التَّشْرِيْقِ عِيْدُنَا أَهْلَ الإِسْلَامِ، وَهِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وشُرْبٍ"

وفي الباب: عن عليٍّ، وسَعدٍ، وأبي هريرةَ، وجابرٍ، ونُبَيْشَةَ، وبِشْرِ بنِ سُحَيْمٍ، وعبدِ اللهِ بنِ حُذَافَةَ، وأنسٍ، وحَمْزَةَ بنِ عَمْرٍو الأَسْلَمِيِّ، وكَعْبِ بنِ مَالِكٍ، وعائشةَ، وعَمْرِو بنِ العَاصِ، وعبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو.

قال أبو عيسى: حديثُ عُقْبَةَ بنِ عَامرٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. والعملُ على هذا عندَ أهلِ العلمِ يَكْرَهُوْنَ صِيَامَ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ، إِلاَّ أَنَّ قَوْمًا مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغيرِهِمْ رَخَّصُوْا لِلْمُتَمَتِّعِ إِذَا لَمْ يَجِدْ هَدْيًا وَلَمْ يَصُمْ فِي الْعَشْرِ أَنْ يَصُوْمَ أَيَّامَ التَّشْرِيْقِ، وبهِ يقولُ مَالكُ بنُ أنسٍ

وِالشافعيُّ، وأحمدُ، وإسحاقُ.

قال أبو عيسى: وأهل العراقِ يقولُوْنَ: موسى بنُ عُلَيِّ بنِ رَبَاحٍ، وأهلُ مِصْرَ يقُوْلُوْنَ: مُوسَى بنُ عَلِيٍّ. وقال: سَمِعْتُ قُتَيبَةَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ اللَّيْثَ بنَ سَعْدٍ يقولُ: قالَ موسىٰ بنُ عَلِيٍّ: لاَأَجْعَلُ أَحَدًا فِيْ حِلٍّ صَغَّرَ اسْمَ أَبِيْ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے، وہ ایام تشریق میں روزہ رکھنے کو مکروہ کہتے ہیں مگر صحابہ اور ان کے علاوہ علماء میں سے بعض حضرات متمتع (اور قارن) کو اجازت دیتے ہیں جب اس کے پاس ہدی نہ ہو اور اس نے عشرۂ ذی الحجہ میں روزے نہ رکھے ہوں کہ وہ ایام تشریق میں روزے رکھ سکتا ہے اور یہ مالک، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل عراق موسیٰ بن علی (مصغّر) کہتے ہیں اور اہل مصر موسیٰ بن علی (مکبّر) کہتے ہیں پھر امام ترمذیؒ نے لیث بن سعد کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ موسیٰ کہتے تھے: میں کسی کو جواز میں نہیں گردانوں گا جو میرے ابا کے نام کی تصغیر بنائے گا، یعنی جو میرے ابا کے نام کو بگاڑے گا اور علی (مصغر) کہے گا میں اس کو معاف نہیں کروں گا (مگر جب ان کی علی (مصغر) سے تشہیر ہوگئی تو اب مصغر نام لینا ضروری ہے، ورنہ ان کو کون پہچانے گا؟ جیسے معرفت کے لئے اَعمش (چوندھیا) کہنا ضروری ہے)

بابُ ماجاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ الحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ

روزے میں پچھنے لگوانے کی کراہیت

الحِجامَةُ: کے معنی ہیں: سینگی لگوانا، پچھنے لگوانا، یعنی بدن سے فاسد خون نکلوانا۔ یہ طریقہ دنیا میں آج بھی رائج ہے اور مختلف طریقوں سے بدن سے فاسد خون نکالا جاتا ہے، اور روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانے یا کسی اور طریقہ سے بدن سے خون نکلوانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ دیگر فقہاء کے نزدیک پچھنے لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لئے کہ قاعدہ ہے: جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ میں منافذ اصلیہ سے کوئی چیز پہنچے تو روزہ ٹوٹتا ہے اور بدن کے اندر سے کوئی چیز باہر نکلے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہاں دو باب ہیں، دوسرے باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے پچھنے لگوائے درانحالیکہ آپؐ احرام کی حالت میں تھے اور روزے سے تھے۔ امام ترمذیؒ نے یہ حدیث تین سندوں سے ذکر کی ہے اور تیسری سند حسن صحیح ہے۔ یہ حدیث جمہور کا مستدل ہے، اور امام احمدؒ کی

دلیل پہلے باب کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے دو شخصوں کو دیکھا: ایک پچھنے لگا رہا تھا، دوسرا لگوا رہا تھا، آپؐ نے فرمایا: جو پچھنے لگا رہا ہے اس کا بھی روزہ ٹوٹ گیا اور جو پچھنے لگوا رہا ہے اس کا بھی روزہ ٹوٹ گیا ——— غالب یہ ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہوگا، آپؐ کہیں تشریف لے جا رہے ہونگے کہ یہ منظر دیکھا ہوگا پس یہ ارشاد فرمایا ——— یہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور دیگر ۲۲ صحابہ سے بھی یہ روایت مروی ہے، ان میں اصح مافی الباب کونسی روایت ہے؟ امام احمد رحمہ اللہ کے اس سلسلہ میں چار قول ہیں: (۱) رافع بن خدیج کی روایت اصح مافی الباب ہے (مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غیر محفوظ بتایا ہے) (۲) حضرت ثوبان کی روایت اصح ہے (۳) حضرت شدّاد کی روایت اصح ہے (۴) شداد اور ثوبان دونوں کی روایتیں اصح مافی الباب ہیں مگر یحییٰ بن معین کہتے ہیں: اس باب کی کوئی روایت ثابت نہیں (معارف ۵: ۴۸۶)

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جب باب میں اتنی کثیر روایات ہیں تو ان سب کو بے اصل نہیں کہا جا سکتا مگر چونکہ نبی ﷺ نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے ہیں اس لئے اس روایت کی تاویل ضروری ہے، کیونکہ فعل نبوی کی تاویل نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ علماء نے اس حدیث کی متعدد تاویلیں کی ہیں:

پہلی تاویل: أَفْطَرَ: کاد أن یُفْطِر کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ عملِ حجامت سے دونوں کا روزہ ٹوٹنے کے قریب ہوگیا، حاجم کا تو اس لئے کہ وہ خون چوستا ہے، پس خون کے حلق میں چلے جانے کا اندیشہ ہے اور محجوم کا اس لئے کہ اس کو خون نکلنے کی وجہ سے ضعف لاحق ہوسکتا ہے، اُسے فوری دوا لینی پڑسکتی ہے اور روزہ توڑنا پڑسکتا ہے۔

فائدہ: روزہ کی حالت میں ایسی بات جس میں ضعف کا اندیشہ ہو اختیار کرنا مکروہ ہے، اور کمزوری کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے، مثلاً شوگر ٹیسٹ کرنے کے لئے خون دینے میں مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں تھوڑا سا خون لیا جاتا ہے اور اس سے ضعف کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اور روزہ میں خاص طور پر فرض روزے میں کسی مریض کو خون کی بوتل دینا مکروہ ہے اس لئے کہ اس صورت میں ضعف کا اندیشہ ہے اور فوری دوا لینی پڑسکتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: آپ حضرات بحالت روزہ پچھنے لگوانے کو مکروہ سمجھتے تھے؟ آپ نے فرمایا: لا، إلا من أجل الضعف: نہیں مگر کمزوری کی وجہ سے یعنی فی نفسہ پچھنے لگوانا جائز ہے مگر کمزوری کے اندیشہ سے مکروہ ہے (بخاری حدیث ۱۹۴۰) ابن عباسؓ کے علاوہ اور صحابہ نے بھی یہی جواب دیا ہے اور انھوں نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے ہیں (دیکھئے بخاری باب الحجامة والقيء للصائم)

دوسری تاویل: الحاجم والمحجوم میں ال عہدی ہے اور مراد دو مخصوص آدمی ہیں جو حجامت کے دوران غیبت کر رہے تھے، ان کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا، یعنی دونوں کے روزوں کا ثواب

ضائع ہوگیا اور ضیاع ثواب کی علت حجامت نہیں ہے بلکہ غیبت ہے (یہ تاویل امام طحاوی رحمہ اللہ نے کی ہے، شرح معانی الآثار ا:۲۹۵)

تیسری تاویل: رافع بن خدیج کی روایت منسوخ ہے اور ناسخ ابو سعید خدری کی حدیث ہے جو دار قطنی (۱۸۲:۲) میں صحیح سند سے مروی ہے: رَخَّصَ رسولُ الله صلی الله علیه وسلم فی الحجامة للصائم: نبی ﷺ نے صائم کو پچھنے لگوانے کی اجازت دی، اور رخصت ممانعت کے بعد ہوتی ہے، پس معلوم ہوا کہ رافع بن خدیج کی روایت منسوخ ہے۔

چوتھی تاویل: أفطر الحاجم والمحجوم اگرچہ جملہ خبریہ ہے مگر اس میں انشاء مضمر ہے اور وہی مقصود ہے، یعنی نبی ﷺ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ روزہ کی حالت میں پچھنے نہ لگوائیں کیونکہ اس سے کمزوری لاحق ہوتی ہے اور روزے میں انشراح ضروری ہے۔ پس یہ امر ارشادی ہے اور دلیل ابوداؤد کی حدیث ہے: إن رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن الحجامة، والمواصلة، ولم يَحَرِّمْهُمَا إبقاءً علی أصحابه (ابوداؤد ا:۳۲۳) نبی ﷺ نے صحابہ کو صوم وصال سے اور بحالت روزہ پچھنے لگوانے سے منع کیا اور یہ ممانعت شفقۃً تھی، حرمت کے طور پر نہیں تھی (یہ توجیہ سب سے بہتر ہے اور مجھے زیادہ پسند ہے)

فائدہ: امام شافعی رحمہ اللہ کا بغداد میں قیام کے دوران یہ خیال تھا کہ دونوں بابوں کی حدیثیں صحیح نہیں، مگر جب آپ مصر تشریف لے گئے اور ابن عباسؓ کی حدیث کی دوسری سندیں آپ کے سامنے آئیں تو آپ نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم کرلیا۔ بغداد میں قیام کے زمانہ میں بھی ان کا مذہب یہی تھا کہ پچھنے لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، وہ فرماتے تھے کہ اگرچہ روایات صحیح نہیں ہیں مگر قاعدہ یہ ہے کہ جوف معدہ یا جوف دماغ میں کوئی چیز پہنچے تو روزہ ٹوٹتا ہے، بدن سے کسی چیز کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، پس پچھنے لگوانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مگر بعد میں انھوں نے قطعیت کے ساتھ حدیث کی بنیاد پر روزہ نہ ٹوٹنے کی بات فرمائی۔

[۵۹] باب ماجاء فی کراهية الْحِجَامَةِ للصائم

[۷۶۵-] حدثنا محمدُ بنُ رافِعٍ النَّيسَابُورِيُّ، ومحمودُ بنُ غَيْلَانَ، ويحيىَ بنُ موسیٰ، قالوا: نا عبدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عن يحيىَ بنِ أبی کثيرٍ، عن إبراهيمَ بنِ عبدِ اللّٰهِ بنِ قَارِظٍ، عن السَّائِبِ بنِ يَزِيْدَ، عن رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، عن النبیِّ صلی الله عليه وسلم قال: "أَفْطَرَ الحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ"

وفی الباب: عن سَعْدٍ، وعَلِيٍّ، وشَدَّادِ بنِ أَوْسٍ، وثَوْبَانَ، وأُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، وعائشةَ، ومَعْقِلِ بنِ يَسارٍ ـــ ويُقَالُ مَعْقِلُ بنُ سِنَانٍ ـــ وأبی هريرة، وابنِ عبَّاسٍ، وأبی موسی، وبِلَالٍ.

قال أبو عيسى: حديثُ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وذُكِرَ عن احمدَ بنِ حَنْبَلٍ، أنَّهُ قال: أَصَحُّ شَيئٍ في هذا البابِ حديثُ رَافِعِ بنِ خَدِيْجٍ، وذُكِرَ عن عليِّ بنِ عبدِ اللّهِ، أنَّهُ قال: أَصَحُّ شيئٍ في هذا البابِ حديثُ ثَوْبَانَ وشَدَّادِ بنِ أَوْسٍ، لِأَنَّ يَحيىَ بنَ أبي كثيرٍ رَوَى عن أبي قِلَابَةَ الحَدِيْثَيْنِ جَمِيعًا: حديثَ ثَوْبَانَ وَحَدِيثَ شَدَّادِ بنِ أَوْسٍ.

وقد كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أهلِ العلمِ مِنْ أصحابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمُ الحِجَامَةَ للصَّائِمِ، حَتَّى أَنَّ بعضَ أصحابِ النبيِّ صلى الله لعيه وسلم احْتَجَمَ بِاللَّيْلِ، مِنْهُمْ أَبُو مُوسى الْأَشْعَرِيُّ، وابنُ عُمَرَ، وبهذَا يقولُ ابنُ المبارَكِ.

قال أبو عيسى: وسَمِعْتُ إسحاقَ بنَ مَنْصُوْرٍ، يقولُ: قال عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ: مَنِ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ فَعَلَيْهِ القَضَاءُ، وقالَ إسحاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ: وهكذا قال احمدُ بنُ حَنْبَلٍ، وإسحاقُ بنُ إبراهيمَ.

قال أبو عيسى: وأخبرنى الحَسَنُ بنُ محمدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ، قال: قال الشافعيُّ: قد رُوِيَ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم أنَّهُ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ، ورُوِيَ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم أنَّهُ قال: أَفْطَرَ الحَاجِمُ وَالمَحْجُوْمُ، وَلاَ أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْ هذَيْنِ الحَدِيثَيْنِ ثابتاً، ولَوْ تَوَقَّى رَجُلٌ الحِجَامَةَ وُهُوَ صَائِمٌ كانَ أَحَبَّ إِلَيَّ، وإِنِ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ لَمْ أَرَ ذٰلِكَ أَنْ يُفطِرَهُ.

قال أبو عيسى: هكذا كانَ قَوْلُ الشافعيِّ ببغدادَ، وأَمَّا بِمِصْرَ فَمالَ إلى الرُّخْصَةِ، وَلَمْ يَرَ بِالْحِجَامَةِ بأْسًا، واحْتَجَّ أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم احْتَجَمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: رافع بن خدیج کی حدیث حسن صحیح ہے اور امام احمدؒ سے مروی ہے کہ اس باب میں صحیح ترین روایت رافع بن خدیج کی ہے، اور علی بن المدینی سے مروی ہے کہ اس باب میں صحیح ترین دو حدیثیں ہیں یعنی ثوبان وشداد کی حدیثیں۔ اس لئے کہ یحیٰی بن ابی کثیر نے ابو قلابہ سے دونوں حدیثیں: ثوبان کی حدیث اور شداد کی حدیث روایت کی ہیں، اور صحابہ اور ان کے علاوہ علماء میں سے بعض لوگ روزہ کی حالت میں پچھنے لگانے کو مکروہ کہتے ہیں، یہاں تک کہ بعض صحابہ رات میں پچھنے لگواتے تھے ان میں سے ابوموسیٰ اشعری اور ابن عمر رضی اللہ عنہم ہیں، اور ابن المبارک کا یہی قول ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: میں نے اسحاق بن منصور سے سنا کہ ابن مہدیؒ فرماتے ہیں: جس نے روزہ کی حالت میں پچھنے لگوائے اس پر قضا واجب ہے اور اسحاق بن منصور نے کہا: امام احمد اور حضرت اسحاق اسی کے قائل ہیں۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں: مجھے زعفرانی نے خبر دی (یہ امام شافعی کے بغداد کے زمانہ کے شاگرد ہیں اور قول قدیم کے راوی ہیں) کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: نبی ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ آپؐ نے روزہ کی حالت میں پچھنے

لگوائے اور نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: پچھنے لگانے والے کا اور پچھنے لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ گیا۔ اور میں ان دونوں حدیثوں میں سے کسی کو ثابت نہیں مانتا اور اگر آدمی روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانے سے احتراز کرے تو مجھے زیادہ پسند ہے اور اگر کوئی روزہ کی حالت میں پچھنے لگوائے تو میرے نزدیک اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں: یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا بغداد کے زمانہ کا قول ہے اور مصر میں وہ رخصت کی طرف مائل ہوئے تھے (یعنی روزہ نہ ٹوٹنے کی بات قطعیت کے ساتھ کہتے تھے) اور پچھنے لگوانے میں احرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور انھوں نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں روزہ کی حالت میں پچھنے لگوائے ہیں۔

بابُ ماجاءَ مِنَ الرُّخصَةِ فِيْ ذٰلِكَ

روزے میں پچھنے لگوانے کا جواز

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے جبکہ آپ احرام کی حالت میں تھے اور روزہ سے تھے۔

تشریح: امام ترمذیؒ نے یہ حدیث تین سندوں سے ذکر کی ہے، پہلی سند ایوب کی ہے، ان سے عبدالوارث بن سعید روایت کرتے ہیں، اور حدیث کو مرفوع کرتے ہیں، اور وہیب ان کے متابع ہیں اور اسماعیل بن ابراہیم بھی اس حدیث کو ایوب سے روایت کرتے ہیں مگر مرسل بیان کرتے ہیں یعنی ابن عباسؓ کا تذکرہ نہیں کرتے، عکرمہ پر سند روک دیتے ہیں، اور مرفوع روایت اصح ہے اور وہ بخاری میں ہے (حدیث ۱۹۳۸ و ۱۹۳۹) اور دوسری سند حبیب بن الشہید کی ہے۔ ان سے اوپر ایک ہی سند ہے یعنی یہ حدیث غریب ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں، البتہ محمد بن عبداللہ انصاری میں کلام ہے اور تیسری حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

[٦٠] باب ماجاء من الرخصة فى ذلك

[٧٦٦-] حدثنا بِشْرُ بنُ هِلَالِ البَصْرِيُّ، نا عبدُ الوارثِ بنُ سعيدٍ، نا أَيُّوبُ، عن عِكْرِمَةَ، عن ابنِ عباسٍ، قال: احْتَجَمَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ صحيحٌ، هٰكذا رَوَى وُهَيْبٌ نَحْوَ رِوَايَةِ عبدِ الوَارِثِ، وَرَوَى إسماعيلُ بنُ إبراهيمَ، عن أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ مُرْسَلاً، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عن ابنِ عباسٍ.

[٧٦٧-] حدثنا أبو موسىٰ محمدُ بنُ المُثَنّى، نا محمدُ بنُ عبدِ اللهِ الأنْصَارِيُّ، عن حَبيبِ بنِ الشَّهِيدِ، عَنْ مَيْمُونِ بنِ مِهْرَانَ، عن ابنِ عباسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هذا الوَجْهِ.

[۷۶۸-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا عبدُ اللّٰهِ بنُ إدْرِيْسَ، عن يَزِيْدَ بنِ ابى زِيَادٍ، عَنْ مِقْسَمٍ، عن ابنِ عباسٍ: أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم احْتَجَمَ فِيْما بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ.

وفي الباب: عن أبي سعيدٍ، وجابرٍ، وأنَسٍ.

قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وقد ذَهَبَ بَعْضُ أهلِ العلمِ مِنْ أصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغيرِهم إلى هٰذَا الحديثِ، وَلَمْ يَرَوْا بِالْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ بأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيانَ الثَّوْرِيِّ، ومالكِ بنِ أنسٍ، والشافعيِّ.

بابُ ماجاءَ في كراهيةِ الوِصَالِ في الصِّيَامِ

صوم وصال یعنی کئی دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے

صوم وصال: یہ ہے کہ دو یا زیادہ دنوں کا مسلسل روزہ رکھا جائے، رات میں بھی افطار نہ کیا جائے، نبی ﷺ ایسا روزہ رکھتے تھے، آپؐ کا عمل دیکھ کر بعض صحابہ نے بھی صوم وصال رکھا تو آپؐ نے منع فرمایا، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے''

تشریح: فقہاء کا عام طور پر خیال یہ ہے کہ صوم وصال فی نفسہ جائز ہے اور جواز کی دو دلیلیں ہیں، نقلی دلیل یہ ہے کہ بعض اکابر صحابہ نے صوم وصال رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صوم وصال رکھتے تھے، عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی صوم وصال رکھتے تھے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جب دو یا زیادہ روزے الگ الگ رکھنا جائز ہیں تو ان کو ملا کر رکھنا بھی جائز ہے جیسے دو دو رکعتیں الگ الگ پڑھنا جائز ہیں تو بیس رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا بھی جائز ہے، ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

غرض دلیل عقلی اور نقلی سے یہ بات ثابت ہے کہ صوم وصال فی نفسہ جائز ہے، مگر عموماً امت کے لئے مکروہ ہے اور ممانعت ارشادی ہے، یعنی نبی ﷺ نے امت کو شفقۃً صوم وصال سے روکا ہے۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نهى رسول الله صلى الله لعيه وسلم عن الوصال رحمةً لهم (بخاری حدیث ۱۹۶۴) پس اگر کوئی شخص طاقت رکھتا ہو تو اس کے لئے صوم وصال جائز ہے۔ مگر عام لوگوں کے لئے دشواری ہے اس لئے ان کو صوم وصال نہیں رکھنا چاہئے۔

فائدہ: ''میرا پروردگار مجھے کھلاتا پلاتا ہے'' اس سے روحانی کھلانا پلانا مراد ہے روحانی کھلانے پلانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بلکہ مادی کھلانا پلانا بھی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ پہلے حدیث گذری ہے کہ جو شخص بھول کر کھا پی لے وہ روزہ نہ توڑے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے۔

سوال: روحانی کھلانا پلانا کیسا ہوتا ہے؟

جواب: یہ بات سمجھائی نہیں جاسکتی، جب روحانیت کے اس مقام پر پہنچو گے تو خود بخود سمجھ میں آجائے گی۔ امت میں ایسے افراد گذرے ہیں جو اس مقام تک پہنچے تھے ان کو اللہ تعالیٰ کھلاتے پلاتے تھے، حضرت عمر اور عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سات دن کا روزہ رکھتے تھے، ظاہر ہے ان کو اللہ کھلاتا پلاتا تھا۔

ایک واقعہ: میں نے اپنے اساتذہ سے ایک واقعہ سنا ہے، اس سے اس مضمون کو سمجھنے میں مدد ملے گی، پنڈت دیانند سرسوتی (بانی آریہ سماج) نے رڑکی میں اپنی تقریروں میں اسلام پر اعتراض شروع کئے اور چیلنج دیا کہ اپنے مولویوں کو لاؤ جواب دیں۔ رڑکی کے لوگ دیوبند آئے اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ سے صورت حال عرض کی۔ آپ مع تلامذہ رڑکی تشریف لے گئے۔ اور مسلمانوں کے محلہ میں قیام فرمایا۔ پنڈت جی کا قیام چھاؤنی میں تھا۔ حضرت کے تلامذہ شرائط مناظرہ طے کرنے کے لئے پنڈت جی کی جائے قیام پر گئے۔ ان سے کہا گیا: تشریف رکھیں، پنڈت جی ابھی کھانا کھائیں گے، پھر بات کریں گے، وہ لوگ بیٹھ گئے۔ وہیں دسترخوان بچھا اور کھانا چنا گیا۔ تقریباً پانچ چھ آدمیوں کا کھانا دسترخوان پر رکھا گیا، پنڈت جی آئے اور اکیلے سب کھا گئے، یہ لوگ دیکھتے رہ گئے، جب گفتگو کر کے لوٹے اور حضرت نانوتویؒ کو خبر دے چکے تو ایک شاگرد نے عرض کیا: حضرت آج بڑا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ حضرت نے پوچھا: کیا خطرہ لاحق ہوا تھا؟ اس نے بتایا کہ پنڈت جی نے ہمارے سامنے اتنا کھانا کھایا، ہمیں خطرہ ہوا کہ اگر پنڈت جی نے کہا کہ اپنے مولانا کو لاؤ کھانے میں مناظرہ کریں گے تو آپ تو ہار جائیں گے، کیونکہ آپ ایک چپاتی کھاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: ہم کیوں ہاریں گے، ہم جواب دیں گے، شاگرد نے پوچھا: حضرت کیا جواب ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہم پنڈت جی سے پوچھیں گے کہ انسان کا کمال کھانا ہے یا نہ کھانا، جبکہ کھانا بہیمیت کی شان ہے اور نہ کھانا ملکیت کا حال ہے؟ اگر وہ جواب دیں کہ کھانا کمال ہے تو ہم کہیں گے کہ آپ ہاتھی سے اور گینڈے سے مناظرہ کریں، یہ بڑے جانور ہیں۔ اور اگر وہ کہیں: انسان کا کمال فرشتہ بننا اور نہ کھانا ہے تو ہم کہیں گے: آؤ اس پر مناظرہ کرو، اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک کمرے میں پنڈت جی کو بند کردیں اور چابی ہمارے آدمیوں کو دیدیں اور ایک میں مجھے بند کردیں اور چابی ان کے آدمیوں کو دیدیں۔ اور ایک ماہ کے بعد کھولیں جو حق ہے وہ زندہ ہوگا اور جو باطل ہے وہ مر چکا ہوگا۔ شاگردوں نے کہا: حضرت! کھائے پیئے بغیر ایک ماہ تو آپ بھی زندہ نہیں رہ سکتے! آپ نے فرمایا: الحمد للہ میں چھ ماہ تک کھائے پیئے بغیر زندہ رہ سکتا ہوں، یہ ہے اللہ کا کھلانا پلانا۔

دوسرا واقعہ: حضرت شیخ الحدیث سہارن پوری رحمہ اللہ نے اکابر کے رمضان میں لکھا ہے کہ بڑے حضرت رائپوری شاہ عبد الرحیم صاحب قدس سرہ پورے رمضان میں افطار میں صرف ایک انڈا اور ایک فنجان چائے لیتے تھے اور فرماتے تھے: کہ مجھے اس کی بھی ضرورت نہیں، مگر چونکہ حدیث میں صوم وصال کی ممانعت آئی ہے اس لئے یہ لیتا ہوں۔ غرض

ان واقعات سے روحانی غذا کا آپ تصور کرسکتے ہیں اس سے زیادہ وضاحت میرے لئے ممکن نہیں۔

[٦١] باب ماجاء في كراهية الوصال في الصيام

[٧٦٩-] حدثنا نَصْرُ بنُ عليّ الْجَهْضَمِيُّ، نا بِشْرُ بنُ الْمُفَضَّلِ وخالِدُ بنُ الحارثِ، عن سَعيدِ بنِ أبي عَرُوبَةَ،عن قَتَادَةَ، عن أنسٍ قال: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "لَاتُوَاصِلُوْا" قالوا: فإنَّكَ تُوَاصِلُ يارسولَ اللهِ! قال: " إِنِّي لَسْتُ كَأَحَدِكُمْ، إِنَّ رَبِّيْ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ"

وفي الباب: عن عليٍّ وأبي هريرةَ وعائشةَ وابنِ عُمَرَ وجَابِرٍ وأبي سَعيدٍ وبَشِيْرِ بنِ الخَصاصية.

قال أبوعيسى: حديث أنسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ على هذا عندَ بعضِ أهلِ العلمِ كَرِهُوْا الوِصَالَ في الصِّيَامِ، وَرُوِيَ عن عبدِ اللّهِ بنِ الزُّبَيْرِ أنَّهُ كانَ يُوَاصِلُ الْأَيَّامَ وَلَا يُفْطِرُ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صوم وصال مت رکھو" صحابہ نے عرض کیا: آپ تو رکھتے ہیں اے اللہ کے رسول! (معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے اقوال وافعال کی پیروی ضروری ہے ورنہ صحابہ یہ بات نہ کہتے) آپؐ نے فرمایا: "میں تمہاری طرح نہیں ہوں" (یہاں سے ثابت ہوا کہ کچھ احکام حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہیں مگر ہر وہ حکم جو خصائص النبی ﷺ میں سے ہے اس کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ یہاں حضور ﷺ نے یہ وجہ بیان کی) "اس لئے کہ مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے" —— اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے وہ صوم وصال کو مکروہ کہتے ہیں اور عبداللہ بن الزبیر کے بارے میں مروی ہے کہ وہ متعدد ایام ملاتے تھے اور (درمیان میں) افطار نہیں کرتے تھے، یعنی صوم وصال رکھتے تھے۔

بابُ ماجاءَ فِيْ الْجُنُبِ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ يُرِيْدُ الصَّوْمَ

جنابت کی حالت میں صبح کی ہو تو بھی روزہ رکھ سکتا ہے

جو شخص جنبی ہو خواہ بیوی سے صحبت کی وجہ سے، یا احتلام کی وجہ سے اور وہ رمضان کا یا غیر رمضان کا روزہ رکھنا چاہے اور صبح صادق کے بعد غسل کرے تو درست ہے، اس لئے کہ جنابت روزہ کے منافی نہیں، روزہ کی حالت میں اگر احتلام ہو جائے تو بالا جماع روزہ نہیں ٹوٹتا، اور سورۂ بقرۃ آیت ۱۸۷ میں صبح صادق تک کھانے، پینے اور صحبت کرنے کی اجازت دی گئی ہے، پس جو آخری وقت میں صحبت کرے گا وہ صبح صادق کے بعد ہی غسل کرے گا، نیز یہ بات صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے۔ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں: نبی ﷺ بیویوں سے صحبت کرنے کی وجہ سے جنبی ہوتے تھے (علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ کبھی کسی نبی کو احتلام نہیں ہوا اور نہ کسی نبی کو جماہی آئی) اور صبح صادق ہو جاتی تھی تو آپؐ روزہ رکھ لیا کرتے تھے اور صبح صادق کے بعد غسل کیا کرتے تھے۔ غرض یہ مسئلہ کہ صائم صبح صادق

کے وقت جنبی ہوتو اس کا روزہ صحیح ہے اجماعی ہے، پہلے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف تھا، وہ اس صورت میں روزہ صحیح نہیں کہتے تھے، مگر جب ان کو مذکورہ حدیث پہنچی تو اپنے قول سے رجوع کرلیا، پس اب مسئلہ اجماعی ہے۔

[٦٢] باب ماجاء في الجنب يُدركه الفجر وهو يريد الصوم

[٧٧٠-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا اللَّيْثُ، عن ابنِ شهابٍ، عن أبي بَكْرِ بنِ عبدِ الرحمنِ بنِ الحَارِثِ بنِ هِشَامٍ، قال: أَخْبَرَتْنِي عائشةُ وَأُمُّ سَلَمَةَ زَوْجَا النبيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كان يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ أَهْلِهِ، ثُمَّ يَغْتَسِلُ فَيَصُوْمُ.

قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ على هذا عندَ أكثرِ أهلِ العلمِ مِنْ أصحابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ وهوُ قولُ سُفيانَ، والشافعيِّ، وأحمدَ، وإسحاق، وقَدْ قَالَ قَوْمٌ مِنَ التَّابِعِيْنَ: إِذَا أَصْبَحَ جُنُبًا يَقْضِي ذلكَ اليَوْمَ، والقولُ الأَوَّلُ أَصَحُّ.

ترجمہ: اور بعض تابعین کہتے ہیں: (یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے وہ تلامذہ ہیں جنھوں نے رجوع سے پہلے پڑھا تھا) جب جنابت کی حالت میں صبح صادق کرے تو اس دن کے روزے کی قضا کرے، یعنی روزہ صحیح نہیں ہوا۔ اور پہلا قول اصح ہے۔

بابُ ماجاءَ في إِجَابَةِ الصَّائِمِ الدَّعْوَةَ

روزہ دار کو دعوت قبول کرنی چاہئے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: اگر کسی شخص کو کھانے پر بلایا جائے تو اُسے دعوت قبول کرنی چاہئے، پھر اگر وہ روزے سے ہو تو میزبان سے معذرت کرے کہ اس کا روزہ ہے، اگر میزبان کھانے پر اصرار کرے اور عذر قبول نہ کرے تو روزہ توڑ دے اور دعوت کھالے، اور اگر میزبان عذر قبول کرلے تو دعائیں دے کر واپس آجائے۔

تشریح: اس حدیث کو ہمارے ماحول میں سمجھنا دشوار ہے، ہمارے یہاں کسی بھی تقریب کی دعوت کئی دن پہلے دی جاتی ہے، پس اگر کسی کو کسی وجہ سے دعوت قبول نہیں کرنی تو بروقت عذر کردے اور جب دعوت قبول کرلی تو پھر جس دن دعوت ہے اس دن روزہ رکھنا غلط ہے۔ اور عربوں کے یہاں بڑی دعوت بھی بروقت دی جاتی تھی، پہلے سے دعوت دینے کا ان کے یہاں رواج نہیں تھا نبی ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح کی تھی اور یہ آپ کا سب سے بڑا ولیمہ تھا، آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''فلاں جگہ کھڑے ہوجاؤ اور جو وہاں سے گذرے اُسے کھانے کے لئے کہو (بخاری حدیث ۴۷۹۳ و ۵۱۷۱) عربوں کا یہی مزاج اور یہی طریقہ تھا،

مذکورہ حدیث اُس ماحول کو پیش نظر رکھ کر سمجھنی چاہئے کہ اگر کسی کو کھانے پر بلایا جائے اور وہ روزے سے ہو تو بھی دعوت قبول کرلے، پھر تقریب میں پہنچے اور صاحب خانہ سے معذرت کرے اگر عذر قبول ہو جائے تو دعائیں دے کر واپس آجائے اور اگر میزبان کھانے پر اصرار کرے تو روزہ توڑ کر دعوت کھالے اور میزبان کی خاطر مہمان کا نفل روزہ توڑنا یا مہمان کی خاطر میزبان کا نفل روزہ توڑنا جائز ہے۔

اسی طرح عربوں کا یہ طریقہ بھی تھا کہ کسی کے گھر کوئی معزز مہمان آتا اور وہ تنہا مہمان کو کھلانا مناسب نہ سمجھتا تو آس پاس سے یا رشتہ داروں میں سے پانچ دس آدمیوں کو بلالیتا، اور وہ لوگ اگر کھاپی رہے ہوں تو بھی کھانا چھوڑ کر آجاتے، اور مہمان کے ساتھ کھاتے، ایسے ماحول کے لئے یہ ارشاد گرامی ہے کہ اگر کھانے پر بلایا جائے تو ضرور جاؤ اور روزہ ہو تو میزبان سے عذر کرو، عذر قبول ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ دعوت کھاؤ۔ غرض بعض روایتیں ایسی ہوتی ہیں جو اس ماحول ہی میں سمجھی جاسکتی ہیں جس ماحول میں وہ فرمائی گئی ہیں۔ بدلے ہوئے ماحول میں ان کو سمجھنا دشوار ہوتا ہے، مگر اب عربوں کا ماحول بھی بدل گیا ہے وہ بھی پہلے سے دعوت دینے لگے ہیں، شادی کارڈ چھپواتے ہیں، انھوں نے بھی عجمیوں کے اثرات قبول کرلئے ہیں، اس لئے عربوں کے آج کے ماحول میں بھی حدیث کو سمجھنا دشوار ہے۔

[۶۳] باب ماجاء في إجابةِ الصائمِ الدعوةَ

[۷۷۱-] حدثنا أَزْهَرُ بنُ مَرْوَانَ الْبَصْرِيُّ، نا محمدُ بنُ سَوَاءٍ، نا سَعيدُ بنُ أَبِي عَرُوْبَةَ، عن أَيُّوْبَ، عن محمدِ بنِ سِيْرِيْنَ، عن أبي هريرةَ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال: " إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ، فإنْ كانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ" يعني الدُّعاء.

[۷۷۲-] حدثنا نَصْرُ بنُ عليٍّ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن أبي الزِّنَادِ، عن الأَعْرَجِ، عن أبي هريرةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قال: " إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ: إِنِّيْ صَائِمٌ"

قال أبو عيسى: فَكِلاَ الحَدِيْثَيْنِ في هذا الباب عن أبي هريرةَ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ صَوْمِ الْمَرْأَةِ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا

عورت کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا مکروہ ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''عورت روزہ نہ رکھے جبکہ اس کا شوہر گھر پر موجود ہو، رمضان کے روزوں کے علاوہ کسی بھی دن کا روزہ مگر شوہر کی اجازت سے''

تشریح: عورت کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھنا مکروہ ہے اور رمضان کے قضا روزے کا بھی یہی

حکم ہے، کیونکہ قضا کا وقت متعین نہیں، پس جب شوہر گھر پر نہ ہو یا اجازت دے اس دن قضا کرے۔

اور اجازت صراحۃً بھی ہوتی ہے اور دلالۃً بھی، صراحۃً اجازت تو ظاہر ہے اور دلالۃً اجازت یہ ہے کہ عورت سحری کے لئے اٹھی، شوہر نے دیکھا مگر منع نہیں کیا، یا عورت نے آئندہ دن روزہ رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا اور شوہر خاموش رہا تو یہ دلالۃً اجازت ہے۔

اور اجازت کے بغیر عورت کے لئے روزہ رکھنا مکروہ اس لئے ہے کہ بیوی سے انتفاع کا شوہر کو ہر وقت حق ہے، اگر عورت روزہ رکھ لے گی تو شوہر کی حق تلفی ہوگی، اور اس سے زیادہ گہری وجہ یہ ہے کہ بعض عورتوں کو نفل روزوں سے دلچسپی ہوتی ہے، وہ بہت روزے رکھتی ہیں، اور جب عورت بکثرت روزے رکھے گی تو اس کا شوہر کی طرف میلان کم ہوجائے گا، اور شوہر بیوی سے پورا فائدہ اسی وقت اٹھا سکتا ہے جب بیوی کا اس کی طرف میلان ہو، اگر بیوی کا میلان نہیں ہوگا تو مرد کو کچھ لطف نہیں آئے گا، اس لئے عورت کے لئے صراحۃً یا دلالۃً اجازت ضروری ہے۔

فائدہ: یہاں حدیث میں لاتصوم فعل مضارع منفی ہے اور مسلم میں اسی حدیث میں لاتَصُمْ فعل نہی ہے (مسلم کتاب الزکاۃ حدیث ۸۴) اور نہی میں ممانعت صریح ہوتی ہے اور قوی ہوتی ہے اور نفی میں اصل خبر ہوتی ہے اور انشاء (نہی) مضمر ہوتی ہے، یعنی اس میں بھی نہی ہوتی ہے مگر ہلکی ہوتی ہے، پس حدیث میں جو دو تعبیریں ہیں ان میں سے ایک بالیقین روایت بالمعنی ہے، مگر وہ کونسی ہے یہ بات معلوم نہیں۔ اگر عورت کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنے کی ممانعت سخت ہے تو فعل نہی اصل ہے اور یہاں روایت بالمعنی ہے، اور اگر ممانعت ہلکی ہے تو مضارع منفی اصل ہے اور مسلم کی روایت بالمعنی ہے، میرا رجحان یہ ہے کہ یہاں جو روایت ہے وہ اصل ہے اور مسلم میں جو روایت ہے وہ بالمعنی ہے۔ واللہ اعلم

[٦٤] باب ماجاء في كراهيةِ صومِ المرأةِ إلا بإذن زوجها

[٧٧٣-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ونَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، قالا: نا سفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن أبي الزِّنَادِ، عن الأَعْرَجِ، عن أبي هريرةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قال: "لاتَصُوْمُ الْمَرْأَةُ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ، يَوْمًا مِنْ غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ، إِلَّا بِإِذْنِهِ"

وفي الباب: عن ابنِ عباسٍ، وأبي سعيدٍ. قال أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقد رُوِيَ هذا الحديثُ عن أبي الزِّنَادِ، عن موسى بنِ أبي عثمانَ، عن أبيهِ، عن أبي هريرةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: اس حدیث کو ابوالزناد: اعرج سے، وہ ابوہریرہؓ سے، وہ نبی ﷺ سے بھی روایت کرتے ہیں، اور موسیٰ بن ابی عثمان سے، وہ اپنے والد ابوعثمان سے، وہ ابوہریرہ سے، وہ نبی ﷺ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

بابُ ماجاء فی تأخِیرِ قضاءِ رمضان

رمضان کے روزوں کی قضا میں تاخیر جائز ہے

اگر کسی کے رمضان کے روزے قضا ہو گئے ہوں خواہ سفر کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے یا حیض ونفاس کی وجہ سے تو ان کی قضاء علی الفور واجب نہیں، تاخیر سے قضا کرنا بھی درست ہے، پھر اگر وہ روزے اگلے رمضان سے پہلے قضا کر لئے تو کوئی مسئلہ نہیں، اور اگر اگلے رمضان کے بعد قضا کئے تو صرف قضا ہے یا فدیہ بھی واجب ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب اور امام شافعی رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ صرف قضا واجب ہے۔ اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب اور امام شافعی رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ قضا اور فدیہ دونوں واجب ہیں۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کی حیات تک میرے رمضان کے جو روزے رہ جاتے تھے میں ان کو آئندہ رمضان کے قریب شعبان میں قضا کرتی تھی، پھر جب آپؐ دنیا سے رخصت ہو گئے تو رمضان کے بعد فوراً اگلے مہینے ہی میں قضا کر لیتی ہوں۔

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے سب ائمہ متفق ہیں کہ رمضان کے روزوں کی قضا میں تاخیر جائز ہے اور اگلے رمضان تک قضا کر لینے میں فدیہ واجب نہیں، البتہ اگر اگلا رمضان گذر جائے تو قضا کے ساتھ فدیہ کے وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف ہے، اور یہ مسئلہ منصوص نہیں اجتہادی ہے۔

[٦٥] باب ماجاء فی تأخیر قضاءِ رمضانَ

[٧٧٤-] حدثنا قُتَيبةُ، نا أبو عَوَانَةَ، عن إسماعيلَ السُّدِّيِّ، عن عبدِ اللهِ البَهِيِّ، عن عائشةَ، قالتْ: مَا كُنْتُ أَقْضِيْ مَايَكُوْنُ عَلَيَّ مِنْ رَمَضَانَ إِلاَّ فِيْ شَعْبَانَ، حَتّٰى تُوُفِّيَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقد رَوَاهُ يَحيىَ بنُ سعيدِ الأَنْصَارِيُّ عن أبى سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ هٰذَا.

بابُ ماجاء فی فضل الصَّائِمِ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهُ

روزے دار کے پاس کھایا جائے تو روزے دار کو ثواب ملتا ہے

اگر روزہ دار کے پاس کچھ کھایا پیا جائے تو روزے دار کا جی للچاتا ہے اس لئے اس پر بھی اس کو ثواب ملتا ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''روزہ دار کے پاس جب بے روزہ کھاتے ہیں تو فرشتے برابر روزہ دار کے

لئے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں"

تشریح: یہ شریک کی حدیث ہے، وہ حبیب بن زید سے اور وہ لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ لیلیٰ: حبیب بن زید کے خاندان کی آزاد کردہ ہیں، وہ ام عمارۃؓ سے روایت کرتی ہیں، یہ حبیب کی نانی ہیں، لیلیٰ کو انھوں نے ہی آزاد کیا تھا، اس حدیث کو حبیب بن زید سے شریک کے علاوہ شعبہؒ نے بھی روایت کیا ہے اور دونوں کی سندیں متحد ہیں، البتہ شعبہ کی حدیث میں مضمون زائد ہے جو درج ذیل ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ ام عمارۃ کے گھر تشریف لے گئے انھوں نے آپؐ کے لئے کھانا رکھا، آپ نے فرمایا: تم بھی آجاؤ۔ انھوں نے عرض کیا: میرا روزہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بیشک روزہ دار پر فرشتے رحمت بھیجتے رہتے ہیں جب اس کے پاس کھانا کھایا جاتا ہے یہاں تک کہ کھانے والا فارغ ہوجاتا ہے" یا فرمایا: شکم سیر ہوجاتا ہے (اس حدیث میں حتی یفرغوا یا حتی یشبعوا کا اضافہ ہے اور امام ترمذی نے اسی حدیث کو جس میں اضافہ ہے اصح کہا ہے)

تشریح: ہمارا معاشرہ اور عربوں کا معاشرہ مختلف ہے، ہمارے یہاں عورتیں اگر دسترخوان پر مہمان ہوں، خواہ محرم ہی ہوں مردوں کے ساتھ کھانا نہیں کھاتیں، اور عربوں میں اور یورپ، امریکہ اور لندن وغیرہ میں عورت مرد سب ایک ساتھ کھاتے ہیں۔ نبی ﷺ نے ام عمارۃ کو ساتھ کھانے کے لئے اس لئے بلایا تھا کہ وہاں کا معاشرہ یہی تھا۔ رہا یہ سوال کہ ام عمارۃ تو غیر محرم ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نزولِ حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے۔

[٦٦] باب ماجاء فی فضل الصائم إذا أُكِلَ عنده

[٧٧٥-] حدثنا عليُّ بنُ حُجْرٍ، نا شَرِيْكٌ، عن حَبِيبِ بنِ زَيْدٍ، عن لَيْلَى، عَنْ مَوْلَاتِهَا، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قال: " الصَّائِمُ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهُ الْمَفَاطِيْرُ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ"

قال أبو عيسى: ورَوَى شُعْبَةُ هذا الحديثَ عَنْ حَبِيْبِ بنِ زَيْدٍ، عَنْ لَيْلَى، عن جَدَّتِهِ أُمِّ عُمَارَةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

[٧٧٦-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، نا أبو دَاوُد، نا شُعْبَةُ، عن حَبِيْبِ بنِ زَيْدٍ، قال: سَمِعْتُ مَوْلَاةً لَنا يُقَالُ لَهَا لَيْلَى، تُحَدِّثُ عَنْ أُمِّ عُمَارَةَ ابْنَةِ كَعْبٍ الْأَنْصَارِيَّةِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ عَلَيْهَا فَقَدَّمَتْ إِلَيْهِ طَعَامًا، فقالَ: " كُلِيْ" فقالتْ: إِنِّيْ صَائِمَةٌ، فقالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ الصَّائِمَ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهُ حَتّٰى يَفْرُغُوْا" ورُبَّمَا قال: " حَتّٰى يَشْبَعُوْا"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وهو أَصَحُّ مِنْ حديثِ شَرِيْكٍ.

[٧٧٧-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا محمدُ بنُ جَعْفَرٍ، نا شُعْبَةُ، عن حَبِيْبِ بنِ زَيْدٍ، عن مَوْلَاةٍ لَهُم

يُقَالُ لَهَا لَيْلَى، عَنْ أُمِّ عُمَارَةَ بِنْتِ كَعْبٍ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: "حتّٰى يَفْرُغُوا أَوْ يَشْبَعُوا"

قال أبو عيسى: وأُمُّ عُمَارَةَ: هِيَ جَدَّةُ حَبِيبِ بنِ زَيْدٍ الأَنْصَارِيِّ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے شعبہ رحمہ اللہ کی روایت کو جو اصح کہا ہے وہ متن کے اعتبار سے اصح کہا ہے ورنہ دونوں کی سندیں متحد ہیں اور اس حدیث کو شعبہ سے محمد بن جعفر نے بھی روایت کیا ہے مگر وہ اضافہ کے بغیر روایت کرتے ہیں۔

بابُ ماجاءَ فِيْ قَضَاءِ الْحَائِضِ الصِّيَامَ دُوْنَ الصَّلاَةِ

حائضہ پر روزوں کی قضا واجب ہے، نمازوں کی قضا واجب نہیں

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کے زمانہ میں ہمیں ماہواری آتی تھی، پھر ہم پاک ہوتی تھیں پس آپ ہمیں روزے قضا کرنے کا حکم دیتے تھے اور نماز قضا کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے۔

تشریح: یہ مسئلہ کتاب الطہارۃ باب ۹۶ میں گذر چکا ہے وہاں معاذۃ کی حدیث تھی جو اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اور یہاں جو حدیث ہے وہ عبیدۃ کی وجہ سے کمزور ہے (تقریب)

[٦٧] باب ماجاء في قضاء الحائض الصيامَ دونَ الصلاةِ

[٧٧٨-] حدثنا عليُّ بنُ حُجْرٍ، نا عليُّ بنُ مُسْهِرٍ، عن عُبَيْدَةَ، عن إبراهيمَ، عن الأَسْوَدِ، عن عائشةَ، قالتْ: كُنَّا نَحِيْضُ عِنْدَ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم ثُمَّ نَطْهُرُ، فَيَأْمُرُنَا بِقَضَاءِ الصِّيَامِ وَلاَ يَأْمُرُنَا بِقَضَاءِ الصَّلاَةِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ، وقد رُوِيَ عن مُعَاذَةَ عن عائشةَ أيضًا. والعملُ على هذا عِنْدَ أهلِ العلمِ لاَ نَعْلَمُ اخْتِلاَفًا في أَنَّ الحَائِضَ تَقْضِيْ الصِّيَامَ وَلاَ تَقْضِي الصَّلاَةَ.

قال أبو عيسى: وعُبَيْدَةُ: هُوَ ابنُ مُعَتِّبٍ الضَّبِّيُّ الكُوفِيُّ، ويُكْنَى أَبَا عبدِ الكريمِ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے، ہم ان کے درمیان اس مسئلہ میں کہ حائضہ روزے قضا کرے گی اور نماز قضا نہیں کرے گی کوئی اختلاف نہیں جانتے (یعنی یہ مسئلہ اجماعی ہے اور خوارج جو اختلاف کرتے ہیں (ان کے نزدیک نمازوں کی بھی قضا واجب ہے) وہ گمراہ فرقہ ہے اور گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع پر اثر انداز نہیں ہوتا جیسے بیس رکعت تراویح پر اجماع ہے اور غیر مقلدین جو اختلاف کرتے ہیں تو اس کا اعتبار نہیں کیونکہ وہ گمراہ فرقہ ہے)

بابُ ماجاءَ فی کَرَاهِیَۃِ مُبَالَغَۃِ الاِسْتِنْشَاقِ لِلصَّائِمِ

روزہ کی حالت میں ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ نہیں کرنا چاہئے

روزہ کی حالت میں وضواور غسل کرتے وقت ناک میں پانی احتیاط سے چڑھانا چاہئے، اگر پانی دماغ میں چڑھ گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اوراحتیاط کا طریقہ یہ ہے کہ سانس روک کر استنشاق کرے، دماغ میں پانی نہیں چڑھے گا، اور پہلے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب منفذِ اصلی سے پیٹ میں کوئی چیز پہنچے اور دماغ میں کسی چیز کے چڑھ جانے سے روزہ اس لئے ٹوٹتا ہے کہ جو چیز دماغ میں پہنچتی ہے وہ وہاں نہیں ٹھہرتی، پیٹ میں اترتی ہے۔ البحرالرائق (۲:۲۷۹) میں ہے کہ دماغ اور پیٹ کے درمیان اصلی سوراخ ہے اور دماغ میں چڑھنے والی ہر چیز پیٹ میں اتر جاتی ہے۔ اس لئے روزہ کی حالت میں احتیاط سے استنشاق کرنے کا حکم ہے۔

اور دھویں کے دماغ میں چڑھنے سے روزہ اس لئے نہیں ٹوٹتا کہ وہ بے اختیار چڑھ جاتا ہے، چنانچہ دھواں پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے بیڑی، سگریٹ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، پھر اگر رمضان کا روزہ ہے تو قضا اور کفارہ دونوں واجب ہونگے اور غیر رمضان میں صرف قضا واجب ہوگی، اسی طرح پسی ہوئی تمبا کو جس کو ناک میں کھینچتے ہیں اس سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور رمضان کے روزے میں کفارہ بھی واجب ہوتا ہے اور اگر تمبا کو منہ میں رکھا جائے یا پسا ہوا تمبا کو دانتوں پر ملا جائے اور کوئی حصہ پیٹ میں نہ پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا مگر ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

حدیث: عاصم بن لقیط کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے وضو سکھلایئے (یہ سوال واضح بھی ہے اور گول مول بھی ہے، واضح اس لئے ہے کہ سائل نے وضو کے احکام دریافت کئے ہیں اور گول مول اس لئے ہے کہ اُسے وضو کے تعلق سے کیا پوچھنا ہے یہ بات واضح نہیں، ایسے موقعہ پر بروقت جو بات ذہن میں آئے وہ بتادینا کافی ہوتا ہے) آپؐ نے فرمایا: وضو کامل کرو (جن علاقوں میں پانی کم ہے وہاں لوگ وضو میں پانی کم خرچ کرتے ہیں، اس لئے ایسی جگہوں میں کامل وضو کرنے کی ہدایت دینا ضروری ہے) اور انگلیوں کے درمیان خلال کرو (تاکہ وہاں جگہ خشک نہ رہ جائے) اور ناک میں اچھی طرح پانی چڑھاؤ اور ناک صاف کرو مگر یہ کہ آپ کا روزہ ہو (تو پانی چڑھانے میں مبالغہ نہ کرو، اور یہ دونوں حکم وضو کامل کرنے کے قبیل سے ہیں)

تشریح: اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ روزہ کی حالت میں ناک میں دواڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ ناک سے آگے منہ کی طرف بھی سوراخ ہے اور دماغ کی طرف بھی، پھر دماغ سے پیٹ کی طرف الگ سوراخ ہے۔ اور آنکھ میں دواڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، وہاں نہ منہ کی طرف سوراخ ہے اور نہ دماغ کی طرف۔ اور کان میں سیال دواڈالنے سے بعض حضرات کے نزدیک روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ اور اختلاف کی وجہ یہ

ہے کہ کان سے آگے منہ کی طرف تو بالاجماع سوراخ نہیں، مگر دماغ کی طرف سوراخ ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، جن حضرات کے نزدیک سوراخ ہے ان کے نزدیک کان میں دواڈالنا ناقضِ صوم ہے اور جن کے نزدیک سوراخ نہیں وہ عدمِ نقض کے قائل ہیں، اور میرے نزدیک کان میں دواڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ بہتر یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں کان میں دوا نہ ڈالے، لیکن اگر کوئی ڈال دے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ واللہ اعلم

[۶۸] باب ماجاء فی کراھیة مبالغةِ الاستنشاق للصائم

[۷۷۹-] حدثنا عبدُ الوَهَّابِ الوَرَّاقُ، وأبو عَمَّارٍ، قالاَ: نا یحیی بنُ سُلَیْمٍ، قال: حَدَّثَنِیْ إسماعیلُ بنُ کثیرٍ، قال: سَمِعْتُ عَاصِمَ بنَ لَقِیْطِ بنِ صَبِرَةَ، عن أبِیْهِ، قال: قُلْتُ: یارسولَ اللہ! أَخْبِرْنِیْ عنِ الْوُضُوْءِ؟ قال: "أَسْبِغِ الْوُضُوْءَ، وخَلِّلْ بَیْنَ الْأَصَابِعِ، وبَالِغْ فی الإِسْتِنْشَاقِ إِلاَّ أَنْ تَکُوْنَ صَائِمًا"

قال أبوعیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وقد کَرِهَ أهلُ العلمِ السُّعُوْطَ لِلصَّائِمِ، وَرَأَوْا أَنَّ ذٰلِكَ یُفَطِّرُهُ، وفی الحدیثِ ما یُقَوِّیْ قَوْلَهُمْ.

ترجمہ: بعض علماء روزہ دار کے لئے ناک میں دواڈالنے کو مکروہ کہتے ہیں وہ کہتے ہیں: سُعوط (ناک میں دوا ڈالنا) روزے کو توڑدے گا۔ اور مذکورہ حدیث سے ان کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

بابُ ماجاءَ فی مَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَلاَ یَصُوْمُ إِلاَّ بِإِذْنِهِمْ

میزبان کی اجازت کے بغیر مہمان روزہ نہ رکھے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی کے یہاں مہمان بنا، وہ ہرگز نفل روزہ نہ رکھے (رمضان کے روزے سے احتراز مقصود ہے) مگر میزبان کی اجازت سے"

تشریح: مہمان کے لئے میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا ممنوع اس لئے ہے کہ معاملہ دوحال سے خالی نہیں: یا تو مہمان سحری کے بغیر روزہ رکھے گا پس میزبان پر بوجھ ہوگا کہ اس کے مہمان نے سحری کے بغیر روزہ رکھا، اور اگر مہمان گھر والوں کو سحری تیار کرنے کا حکم دے گا تو کیا وہ اس کے نوکر ہیں؟ وہ دن میں کھانا کھلاتے ہیں یہ کافی نہیں کہ رات میں بھی اٹھ کر کھانا تیار کریں، یہ بات مروّت کے خلاف ہے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ مہمان کے احترام میں میزبان نے دوچار آدمیوں کو کھانے پر بلا رکھا ہو، پس اگر وہ چپکے سے روزہ رکھ لے گا تو میزبان کے لئے پریشانی کھڑی ہوگی، اس لئے نبی ﷺ نے میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔

فائدہ: یہ حدیث نہایت ضعیف ہے، ایوب بن واقد الکوفی کو امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث کہا ہے، اور امام

ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔ جاننا چاہئے کہ فن کا منکر اور ہے اور امام ترمذی کا منکر اور ہے، فن میں منکر کے معنی ہیں: غیر ثقہ کا ثقہ کے خلاف روایت کرنا، پس غیر ثقہ کی روایت منکر ہے اور ثقہ کی روایت معروف ہے۔ اور سنن ترمذی وغیرہ میں منکر وہ حدیث ہے جس کو روایت کرنے والا صرف ضعیف راوی ہو اور وہ نہایت ضعیف ہو۔ غرض ترمذی وغیرہ میں منکر: ضعیفٌ جداً کے معنی میں آتا ہے، مذکورہ حدیث منکر اس لئے ہے کہ اس کو صرف ایوب بن واقد الکوفی روایت کرتا ہے اور یہ نہایت ضعیف راوی ہے، اور ابوبکر المدینی اس کا متابع ہے مگر وہ بھی ضعیف ہے۔

[۶۹] باب ماجاء فی من نزل بقوم فلایصوم إلا بإذنهم

[۷۸۰-] حدثنا بِشْرُ بنُ مُعَاذٍ العَقَدِیُّ البَصْرِیُّ، نا أَیُّوْبُ بنُ وَاقِدٍ الکُوْفِیُّ، عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عن أبیه، عن عائشةَ قالتْ: قالَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "مَنْ نَزَلَ علی قَوْمٍ فَلَا یَصُوْمَنَّ تَطَوُّعًا إِلَّا بِإِذْنِهِمْ"

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ مُنْکَرٌ، لَانَعْرِفُ أَحَدًا مِنَ الثِّقَاتِ رَوَی هَذَا الحدیثَ عن هِشَامِ بن عُرْوَةَ، وقَدْ رَوَی مُوسی بنُ دَاوُدَ، عَنْ أَبِیْ بَکْرٍ المَدِیْنِیِّ، عِنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِیْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، عن النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم نَحْوًا مِنْ هٰذَا. وهذا حدیثٌ ضعیفٌ أَیْضًا، أَبُوْ بَکْرٍ ضعیفٌ عندَ أهلِ الحدیثِ، وأَبُوْ بَکْرٍ المَدِیْنِیُّ الذی رَوَی عَنْ جَابِرِ بنِ عبدِ اللّٰہِ: اسْمُهُ الفَضْلُ بنُ مُبَشِّرٍ، وَهُوَ أَوْثَقُ مِنْ هذا وَأَقْدَمُ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: یہ حدیث منکر ہے ہم ثقہ راویوں میں سے کسی کو نہیں جانتے، جس نے یہ حدیث ہشام بن عروۃ سے روایت کی ہو، البتہ ابوبکر المدینی نے ہشام سے اس کے مانند روایت کی ہے اور یہ حدیث بھی ضعیف ہے، ابوبکر محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ اور ایک دوسرے ابوبکر المدینی ہیں جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ان کا نام فضل بن مبشر ہے، وہ اس راوی سے اوثق اور مقدم ہیں۔

بابُ ماجاءَ فی الِاعْتِکَافِ

اعتکاف کا بیان

اعتکاف کے لغوی معنی ہیں: ٹھہرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنا۔ اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: واجب، سنت مؤکدہ علی الکفایہ اور مستحب۔

واجب اعتکاف: منت کا اعتکاف ہے اور نذریں دو ہیں: نذر معلق اور نذر منجز۔ نذر معلق یہ ہے کہ آدمی اعتکاف

کو کسی کام پر معلق کرے کہ اگر اس کا فلاں کام ہوگیا تو وہ اعتکاف کرے گا، پھر وہ کام ہوگیا تو اعتکاف کرنا واجب ہے۔ اور نذر منجز یہ ہے کہ کسی چیز پر معلق کئے بغیر اللہ کے لئے اعتکاف کی نذر مانے، اس صورت میں بھی اعتکاف واجب ہے، اور نذر میں زبان سے لِلّٰہِ عَلَیَّ (مجھ پر اللہ کے لئے واجب ہے) یا ہر زبان میں جو کلمہ اس کے مترادف ہو وہ بولنا ضروری ہے، محض نیت کرنے سے اعتکاف واجب نہیں ہوتا۔ اور واجب اعتکاف میں روزہ شرط ہے، خواہ روزے کی منت مانی ہو یا نہ مانی ہو، روزے کے بغیر واجب اعتکاف نہیں ہوتا، اور اگر کوئی شخص رمضان میں نذر کا اعتکاف کرے تو رمضان کا روزہ کافی ہو جائے گا۔

اور سنت مؤکدہ علی الکفایہ: رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے اور علی الکفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک دو آدمی بھی اعتکاف کرلیں تو سارے محلہ کی طرف سے سنت ادا ہو جائے گی اور اگر کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب پر ترک سنت کا وبال آئے گا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ سنت کے ترک پر بھی عذاب ہے، درمختار میں ہے: اگر کوئی شخص دائمی طور پر سنن مؤکدہ کا تارک ہو جائے تو وہ عند اللہ ماخوذ ہوگا یعنی تارک سنت کے لئے بھی سزا ہے۔

مستحب اعتکاف: ان دو اعتکافوں کے علاوہ جو بھی اعتکاف ہے وہ مستحب ہے، اور اس اعتکاف کے لئے وقت کی تحدید ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم، امام مالک اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک تحدید ہے، پھر امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک نفل اعتکاف کا زمانہ کم از کم ایک دن ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دن کا اکثر حصہ ہے، اور امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک تحدید نہیں ہے، ایک گھڑی کا بھی اعتکاف صحیح ہے اور فتوی امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

اور پہلے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کے نزدیک فجر کے بعد اشراق تک مسجد میں ٹھہرنے کا جو حکم ہے وہ روزہ مرہ کا اعتکاف ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مستحب اعتکاف کے لئے نہ وقت کی تحدید ہے نہ روزہ شرط ہے، اور ابن الہمام کے نزدیک خواہ کوئی سا اعتکاف ہو روزہ شرط ہے، البتہ ان کے نزدیک بھی نفل اعتکاف کے لئے وقت کی تحدید نہیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپؐ کی وفات ہوگئی۔

تشریح: نبی ﷺ نے مدینہ میں ہوتے ہوئے ہمیشہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا ہے، مگر آپؐ نے نہ تو اعتکاف کرنے کی صحابہ کو تاکید کی اور نہ اعتکاف نہ کرنے پر ناراضگی ظاہر کی، اس لئے مواظبت سے اعتکاف کا سنت ہونا یا زیادہ سے زیادہ سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہوگا، اگر آپؐ نے مواظبت کے ساتھ صحابہ کو اعتکاف کرنے کی تاکید بھی کی ہوتی یا اعتکاف نہ کرنے پر ناراضگی کا اظہار کیا ہوتا تو اعتکاف واجب ہو جاتا۔

نوٹ: اس حدیث کی سند میں ابن شہاب زہری سے تحویل ہے، ایک سند ابو ہریرہؓ پر پہنچتی ہے اور دوسری حضرت

عائشہؓ پر، اور جہاں مصنف کتاب کی جانب سے تحویل ہوتی ہے وہاں تحویل کی علامت ح لکھتے ہیں، اور اگر اوپر کسی راوی سے تحویل ہوتی ہے تو ح نہیں لکھتے، چنانچہ یہاں بھی نہیں لکھی۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو فجر کی نماز پڑھاتے پھر معتکف (اعتکاف کرنے کی جگہ) میں داخل ہوتے۔

تشریح: امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ اعتکاف مسنون کی ابتداء اکیس تاریخ کی فجر سے ہوتی ہے اور ان کا مفتی بہ قول اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اعتکاف کی ابتداء اکیسویں شب سے ہوتی ہے، لہٰذا معتکف کو بیسویں تاریخ کے غروب شمس سے پہلے مسجد میں پہنچ جانا چاہئے۔

اور جمہور نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ یہاں معتکف سے مسجد مراد نہیں، بلکہ چٹائیوں کا وہ کمرہ مراد ہے جو آپؐ کے لئے مسجد نبوی میں بنایا جاتا تھا تا کہ آپ اس میں آرام فرمائیں، صحابہ وہ کمرہ اکیسویں شب میں بناتے تھے اس لئے آپ یہ رات مسجد میں گذارتے تھے اور فجر پڑھا کر اس کمرہ میں تشریف لے جاتے تھے تا کہ آرام کریں۔

نوٹ: اس حدیث کو ابو معاویہ مسند روایت کرتے ہیں اور اوزاعی اور سفیان ثوری ان کے متابع ہیں اور امام مالک مرسل روایت کرتے ہیں اور مسند روایت اصح ہے۔

[۷۰] باب ماجاء فی الاعتکاف

[۷۸۱-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، ناعبدُ الرَّزَّاقِ، نا مَعْمَرٌ، عنِ الزُّهْرِيِّ، عن سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عن أبي هريرةَ، وَعُرْوَةَ، عن عائشةَ، أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى قَبَضَهُ اللهُ.

قالَ: وفي الباب: عن أُبَيِّ بنِ كَعْبٍ، وأَبِيْ لَيْلَى، وأَبِيْ سَعِيدٍ، وأَنَسٍ، وابنِ عُمَرَ.

قال أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ وعائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۷۸۲-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أبو مُعَاوِيَةَ، عن يَحيىَ بنِ سَعِيدٍ، عن عَمْرَةَ، عن عائشةَ، قالتْ: كانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِي مُعْتَكَفِهِ.

قال أبو عيسى: وقد رُوِيَ هذا الحديثُ عن يَحيىَ بنِ سَعيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلٌ، وَرَوَاهُ مَالِكٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ يَحيىَ بنِ سَعِيْدٍ مُرْسَلًا. وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عن يَحيىَ بنِ سعيدٍ، عن عَمْرَةَ، عن عائشةَ.

والعَمَلُ على هذا الحديثِ عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ، يَقُوْلُوْنَ: إِذَا أَرَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَعْتَكِفَ صَلَّى

الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِيْ مُعْتَكَفِهِ، وهو قَوْلُ أحمدَ بنِ حَنْبَلٍ، وإسحاقَ بنِ إبراهيمَ. وقالَ بَعْضُهُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ فَلْتَغِبْ لَهُ الشَّمْسُ مِنَ اللَّيْلَةِ التي يُرِيْدُ أَنْ يَعْتَكِفَ فِيْهَا مِنَ الغَدِ وقَدْ قَعَدَ فِيْ مُعْتَكَفِهِ، وهو قولُ سفيانَ الثَّوْرِيِّ، ومالكِ بنِ أنسٍ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: یہ حدیث یحییٰ بن سعید سے مرسل بھی روایت کی گئی ہے یعنی اس کو امام مالکؒ وغیرہ نے مرسل روایت کیا ہے اوراوزاعی اور سفیان ثوری نے اس کو مسند روایت کیا ہے —— اوراس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: جب آدمی اعتکاف کا ارادہ کرے تو فجر کی نماز پڑھے پھر معتکف میں داخل ہو، اور یہ احمد واسحاق کا قول ہے (امام احمد کی یہ ایک روایت ہے) اور بعض علماء کہتے ہیں: جب کوئی اعتکاف کرنے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ ڈوبے اس کے لئے اس رات کا سورج جس کی صبح کو وہ اعتکاف کرنے کا ارادہ رکھتا ہے درانحالیکہ وہ مسجد میں آچکا ہو (یعنی بیسویں تاریخ کو غروب شمس سے پہلے مسجد میں آجائے) اور یہ ثوری، مالک (امام اعظم اورامام احمد کا مفتی بہ) قول ہے۔

بابُ ماجاء فی لیلة القدر

شب قدر کا بیان

لیلۃ القدر کے بارے میں روایات میں شدید اختلاف ہے۔ اگر اس کا تذکرہ قرآن میں نہ ہوتا تو شاید اس کے ماننے میں بھی تذبذب ہوتا، مگر چونکہ قرآن میں اس کے بارے میں پوری ایک سورت (سورۃ القدر) موجود ہے اس لئے اس کا وجود یقینی ہے، اس میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔

اور شب قدر پورے سال میں دائر ہے یا صرف رمضان میں ہوتی ہے؟ مسلم شریف (۱: ۲۷۰) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ شب قدر پورے سال میں دائر ہے جو شخص سال کی تمام راتوں میں عبادت کرے گا وہ شب قدر پائے گا۔ اورامام اعظم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ شب قدر دو ہیں: ایک رمضان میں دائر ہے، دوسری سال بھر میں دائر ہے اور یہ دوسری شب قدر کبھی رمضان میں بھی آتی ہے اور کبھی دونوں ایک ہی رات میں مجتمع بھی ہوجاتی ہیں۔

ان کے علاوہ پوری امت متفق ہے کہ شب قدر ایک ہے اور صرف رمضان کی راتوں میں دائر ہے اور یہی قول صحیح ہے اس لئے کہ اگر شب قدر پورے سال میں دائر ہوتی تو امت میں سال بھر شب قدر تلاش کرنے کا معمول ہوتا جبکہ اس کا معمول نہیں ہے، نہ نبی ﷺ کی سیرت میں یہ بات ملتی ہے اس لئے دیگر صحابہ کی اور پوری امت کی جورائے ہے وہی صحیح ہے اور حضرت ابن مسعودؓ کے قول کا مطلب حضرت ابی بن کعبؓ نے یہ بیان کیا ہے کہ ابن مسعود چاہتے تھے کہ لوگ ہر رات اللہ کی عبادت کریں، اس لئے انھوں نے وہ بات کہی، ورنہ ابن مسعودؓ بھی یقین سے جانتے تھے

کہ شب قدر صرف رمضان میں ہے، یعنی جب رمضان سال کا جزء ہے تو جو رات رمضان میں ہوگی وہ سال میں بھی ہوگی، اس لئے مجازاً یہ کہنا درست ہے کہ شب قدر سال میں ہے۔

شب قدر کونسی رات ہے؟ اس سلسلہ میں حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری (۴: ۲۲۷-۲۳۱ باب تحری لیلۃ القدر إلخ) میں اڑتالیس قول لکھے ہیں اقوال کا یہ اختلاف روایات کے اختلاف سے پیدا ہوا ہے، خود نبی ﷺ کو بھی اس رات کا علم نہیں تھا، آپؐ نے ایک سال پورے رمضان کا اعتکاف کیا جب پہلا عشرہ پورا ہوا تو آپؐ نے فرمایا: میں نے شب قدر کی تلاش میں اعتکاف کیا تھا مگر اس عشرہ میں شب قدر نہیں آئی، اس لئے میں آئندہ عشرہ کا اعتکاف کروں گا جسے ٹھہرنا ہو ٹھہرے اور جسے جانا ہو جائے۔ چنانچہ کچھ لوگ چلے گئے اور کچھ نئے آگئے، پھر دوسرے عشرہ کے ختم پر بھی یہی فرمایا کہ اس عشرہ میں بھی شب قدر نہیں آئی، اور میں آئندہ عشرہ کا اعتکاف کروں گا اور فرمایا: مجھے شب قدر کی یہ علامت بتائی گئی ہے کہ شب قدر کی صبح میں میں گارے میں سجدہ کروں گا اور یہ علامت ابھی تک نہیں پائی گئی، پھر اکیسویں شب میں بارش ہوئی، مسجد چھپر کی تھی اور اس میں اندھیرا رہتا تھا آپؐ کے زمانہ میں مسجد نبوی میں چراغ نہیں جلاتا تھا، محراب میں پانی چویا اور وہاں کیچ ہوگئی آپؐ نے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائی جب سجدہ کیا تو ماتھا گارے میں پڑا اور پیشانی کیچ سے سن گئی، پس معلوم ہوا کہ شب قدر گئی۔

یہ علامت صرف اس خاص رمضان کے لئے تھی جس رمضان میں آپؐ نے پورے مہینے کا اعتکاف کیا تھا۔ اور علامت بھی ایسی بتائی جس کا ظہور شب قدر گذر جانے کے بعد ہوا (مسلم ۱: ۳۷۰)

اور بخاری میں یہ واقعہ ہے کہ ایک بار آپ گھر سے باہر تشریف لائے، آپؐ نے دو شخصوں کو جھگڑتے دیکھا آپؐ صلح صفائی میں لگ گئے اور شب قدر کا علم ذہن سے نکل گیا، آپؐ نے فرمایا: میں تمہیں شب قدر کے بارے میں بتانے آیا تھا مگر فلاں فلاں میں نزاع ہو رہا تھا جس کی وجہ سے میں اس کو بھول گیا اور شاید تمہارے لئے اسی میں بھلائی ہو (مشکوۃ حدیث ۲۰۹۵) یہاں بھی خاص اسی رمضان کے لئے جس میں نزاع پیش آیا تھا شب قدر کی نشاندہی کی گئی تھی آئندہ کے رمضانوں کے بارے میں تعیین نہیں کی گئی تھی، اور پہلی حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ رمضان کی ہر رات میں شب قدر کا احتمال ہے، اس لئے نبی ﷺ نے اس کی تلاش میں پورے مہینے کا اعتکاف کیا تھا، پس جو لوگ ستائیسویں شب پر تکیہ کر کے بیٹھ گئے ہیں وہ ٹھیک نہیں۔

روایات میں اختلاف کی وجہ: اور شب قدر کی روایات میں جو اختلاف ہے اس کی وجہ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ بیان کی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس جب کوئی شب قدر کے بارے میں پوچھنے آتا تو آپؐ اس کا ذہن پڑھتے اور اندازہ کرتے کہ اس کا رجحان کس طرف ہے؟ جس رات کی طرف سائل کا رجحان ہوتا اسی رات میں شب قدر تلاش کرنے کا امر فرماتے، اس طرح روایات مختلف ہوگئیں۔

اس کوایک مثال سے سمجھیں: جب دارالعلوم کا قضیہ پیش آیا تو کچھ لوگ حکیم الاسلام قدس سرہ کی طرف چلے گئے اور کچھ لوگ کیمپ میں شامل ہوگئے، دونوں جانب کے لوگ حضرت شیخ زکریا صاحب قدس سرہ کے مرید تھے اور ایسے موقعہ پر مرید پیر سے مشورہ کیا کرتا ہے، چنانچہ جب کوئی ان سے مشورہ طلب کرتا اور پوچھتا: کیا میں حکیم الاسلام کا ساتھ دوں؟ تو آپ فرماتے: جی ہاں ان کا ساتھ دو، دوسرا پوچھتا: میں کیمپ میں رہوں تو آپ فرماتے: ہاں کیمپ میں رہو، ظاہر ہے دارالعلوم کا قضیہ الجھا ہوا تھا حق کس جانب ہے وہ معلوم نہیں تھا اور اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا یہ بھی معلوم نہیں تھا، پس سوائے اس کے کہ ہر شخص کو جس طرف اس کا رجحان ہو عمل کرنے کا مشورہ دیا جائے اور کیا راستہ ہے؟ اسی طرح نبی ﷺ بھی ہر سائل کو جس طرف اس کا رجحان ہوتا شب قدر تلاش کرنے کا امر فرماتے، پس امام شافعی رحمہ اللہ نے جو توجیہ کی ہے اس سے بہتر کوئی توجیہ میرے علم میں نہیں۔

حدیث (۱): صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے (یُجَاوِرُ مدینہ کے محاورے میں یَعتکف کے معنی میں ہے) اور فرماتے: ''شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو''

تشریح: علماء فرماتے ہیں: رمضان کی کوئی بھی رات شب قدر ہو سکتی ہے کوئی خاص رات یا عشرہ شب قدر کے لئے متعین نہیں، البتہ زیادہ احتمال آخری عشرہ میں شب قدر ہونے کا ہے، پھر اس میں بھی طاق راتوں میں زیادہ احتمال ہے اور طاق راتوں میں بھی ستائیسویں رات میں زیادہ احتمال ہے، لہٰذا بہترین شخص وہ ہے جو رمضان کی ہر رات میں حسب توفیق عبادت کرے، اور جو لوگ ستائیسویں شب پر تکیہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں وہ دھوکے میں ہیں، بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زیادہ امید اکیسویں شب میں ہے، مگر عام طور پر علماء نے امام شافعیؒ کی اس رائے کو زیادہ اہمیت نہیں دی، کیونکہ اس کا مدار مسلم کی اس روایت پر ہے جو اوپر مذکور ہوئی، اور اس رمضان میں جو علامت بتائی گئی تھی وہ علامت صرف اسی رمضان کے لئے تھی سب رمضانوں کے لئے نہیں تھی، اور اس معین رمضان میں اکیسویں شب میں شب قدر ہونے سے ہر رمضان کی ۲۱ ویں شب میں شب قدر ہونا لازم نہیں آتا۔

فائدہ: نبی ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر تلاش کرنے کے لئے فرمایا ہے، پس اگر شروع رمضان سے گنیں گے تو ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ اور ۲۹ طاق راتیں ہونگی اور اگر آخر سے گنیں گے تو اگر رمضان تیس کا پورا ہوگا تو طاق راتیں یہی ہونگی، اور اگر انتیس کا پورا ہوگا تو طاق راتیں ۲۲، ۲۴، ۲۶ اور ۲۸ ہونگی۔ اور علماء نے دونوں طرح گنا ہے، پس عشرۂ اخیرہ کی ساری راتیں حدیث کا مصداق ہونگی۔

حدیث (۲): زر بن حُبیش کہتے ہیں: میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے ابوالمنذر! آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ شب قدر ستائیسویں رات ہے؟ (لفظ أنّی میں صرف سوال نہیں ہے بلکہ اعتراض بھی ہے،

چونکہ زر: ابن مسعودؓ کے شاگرد تھے اور ابی بن کعبؓ کی رائے ابن مسعودؓ کے خلاف تھی، اس لئے انھوں نے اس طرح سوال کیا ہے کہ پوشیدہ طور پر اعتراض بھی ہو جائے) حضرت ابی نے فرمایا: کیوں نہیں، ہمیں نبی ﷺ نے بتلایا ہے کہ شب قدر ایسی رات ہے جس کی صبح میں سورج اس حال میں طلوع ہوتا ہے کہ اس میں شعاعیں نہیں ہوتیں، پس ہم نے راتیں گنی ہیں اور ان کی حفاظت کی ہے (یعنی مہینہ کے شروع سے میں راتیں گنتا ہوں اور ہر رات کی صبح میں سورج کی کیفیت دیکھتا ہوں، ہر ستائیسویں شب کے بعد سورج کو دیکھتا ہوں تو یہ علامت پائی جاتی ہے) قسم بخدا! ابن مسعودؓ جانتے ہیں کہ شب قدر رمضان میں ہے اور وہ ستائیسویں شب ہے لیکن انھوں نے ناپسند کیا کہ تمہیں یہ بات بتائیں پس تم اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاؤ۔

تشریح: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ شب قدر رمضان میں ہے اور وہ ستائیسویں رات ہے اور فرماتے تھے کہ نبی ﷺ نے ہمیں شب قدر کی یہ علامت بتائی ہے کہ اس کی صبح میں جب سورج طلوع ہوگا تو اس میں شعاعیں نہیں ہونگی، فرماتے ہیں: میں ہمیشہ ستائیسویں شب کے بعد سورج کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں، اس میں شعاعیں نہیں ہوتیں، مگر علماء نے حضرت ابی بن کعبؓ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا کیونکہ اس کا مدار جس علامت پر ہے وہ غیر واضح ہے، ظاہر ہے نبی ﷺ نے جو علامت بتائی ہے اس کا یہ مطلب تو ہے نہیں کہ پورے دن شعاعیں نہیں ہونگی بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک وقت تک شعاعیں نہیں ہونگی اور ایسا ہر صبح کو ہوتا ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاعیں نہیں ہوتیں، پھر رفتہ رفتہ شعاعیں بھرتی ہیں، اور اگر امتیاز کرنے کے لئے وقت کی تعیین کریں مثلاً یہ کہیں کہ شب قدر کی صبح میں بیس منٹ تک شعاعیں نہیں ہونگی تو یہ بات بھی ممکن نہیں اس لئے کہ گرمیوں اور سردیوں کے اعتبار سے اس میں اختلاف ہوتا ہے، ہلکے بادل اور بارش کا ترشح ہو رہا ہو تو بھی فرق پڑتا ہے، اس لئے یہ علامت غیر واضح ہے، چنانچہ علماء نے اس رائے کو زیادہ اہمیت نہیں دی، مگر عوام نے حضرت ابیؓ کی اس رائے پر تکیہ کر لیا، جو ٹھیک نہیں۔ شب قدر پورے مہینے میں دائر ہے پس رمضان کی ہر رات میں حسب توفیق عبادت کرنی چاہئے۔

حدیث (۳): عبدالرحمٰن کہتے ہیں: ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں لیلۃ القدر کا تذکرہ آیا، آپ نے فرمایا: میں اس رات کو کسی رات میں تلاش نہیں کرتا، جب سے میں نے اس کے بارے میں نبی ﷺ سے سنا ہے، مگر آخری عشرہ میں اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے: اس رات کو تلاش کرو جب نو راتیں باقی رہ جائیں، یا سات راتیں باقی رہ جائیں یا پانچ راتیں باقی رہ جائیں یا تین راتیں باقی رہ جائیں یا آخری رات میں تلاش کرو۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں: حضرت ابوبکرۃؓ رمضان کی بیس راتوں تک سال بھر کی طرح نمازیں پڑھتے تھے (یعنی رمضان کی وجہ سے تہجد میں کوئی خاص اضافہ نہیں کرتے تھے) پھر جب عشرۂ اخیرہ شروع ہوتا تو خوب کوشش کرتے تھے (یعنی بہت عبادت کرتے تھے)

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے علماء نے عشرۂ اخیرہ کو آخر سے بھی گنا ہے، پس اگر تیس کا چاند ہوا تو ۲۱، ۲۳، ۲۵،

۲۷ اور ۲۹ طاق راتیں ہونگی اور انتیس کا چاند ہوا تو ۲۲، ۲۴، ۲۶ اور ۲۸ طاق راتیں ہونگی، پس غرض عشرۂ اخیرہ کی ہر رات حدیث کا مصداق ہوسکتی ہے۔

فائدہ(۱): شب قدر ساری دنیا میں ایک ہوتی ہے اگرچہ تاریخوں میں اختلاف ہو، مثلاً ہندوستان میں وہ ۲۶ کی رات ہو اور انگلینڈ اور امریکہ میں ۲۷ کی ہو ایسا ہوسکتا ہے، باقی ایک معین رات ہی ساری دنیا میں شب قدر ہوگی۔

فائدہ(۲): آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ شب قدر ان شاء اللہ خود بخود بدست آجائے گی، اگر معتکف سو رہا ہے تو بھی عبادت کا ثواب ملے گا، اس کو کہتے ہیں: ہم خرما ہم ثواب!

[۷۱] باب ماجاء في ليلة القدر

[۷۸۳-] حدثنا هارونُ بنُ إسحاقَ الهَمْدَانِيُّ، نا عَبْدَةُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عن أَبِيْهِ، عن عائشةَ، قالتْ: كانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُجَاوِرُ فِيْ العَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، وَيَقُوْلُ: "تَحَرَّوْا لَيْلَةَ القَدْرِ فِيْ العَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ"

وفي الباب: عن عُمَرَ، وأُبَيِّ بنِ كَعْبٍ، وجَابِرِ بنِ سَمُرَةَ، وجَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ، وابنِ عُمَرَ، والفَلَتَانِ بنِ عَاصِمٍ، وأَنَسٍ، وأبي سَعِيدٍ، وعبدِ الله بنِ أُنَيْسٍ، وأبي بَكْرَةَ، وابنِ عبّاسٍ، وبِلَالٍ، وعُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ.

قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَوْلُهَا: "يُجَاوِرُ" تَعْنِيْ يَعْتَكِفُ؛ وأَكْثَرُ الرِّوَايَاتِ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: "الْتَمِسُوْهَا في العَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِيْ كُلِّ وِتْرٍ"، ورُوِيَ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم في لَيْلَةِ الْقَدْرِ: أَنَّهَا لَيْلَةُ إِحْدى وَعِشْرِيْنَ، وَلَيْلَةُ ثلاثٍ وعشرينَ، وخَمْسٍ وعِشْرِيْنَ، وسَبْعٍ وعِشْرِيْنَ، وتِسْعٍ وعشرينَ، وآخِرِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ.

قال الشافعيُّ: كانَ هذا عِنْدِيْ — وَاللهُ أَعْلَمُ — أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كان يُجِيْبُ على نَحْوِ مَا يُسْأَلُ عَنْهُ، يُقَالُ لَهُ: نَلْتَمِسُهَا فِيْ لَيْلَةِ كَذَا؟ فيَقُوْلُ: "الْتَمِسُوْهَا فِيْ لَيْلَةِ كَذَا"، قالَ الشافعيُّ: وأَقْوَى الرِّوَايَاتِ عِنْدِيْ فِيهَا لَيْلَةُ إِحْدَى وَعِشْرِيْنَ.

قال أبو عيسى: وقَدْ رُوِيَ عَنْ أُبَيِّ بنِ كَعْبٍ أَنَّهُ كانَ يَحْلِفُ أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وعِشْرِيْنَ، ويقولُ: أَخْبَرَنَا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِعَلَامَتِهَا، فَعَدَدْنَا وَحَفِظْنَا.

ورُوِيَ عن أبي قِلَابَةَ أَنَّهُ قال: لَيْلَةُ الْقَدْرِ تَنْتَقِلُ في العَشْرِ الْأَوَاخِرِ، أَخْبَرَنَا بِذَلِكَ عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ نَا عبدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عن أَيُّوْبَ، عن أبي قِلَابَةَ بهذا.

[۷۸٤-] حدثنا واصِلُ بنُ عبدِ الأَعْلَى الكُوْفِيُّ، نا أبو بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ، عن عَاصِمٍ، عَنْ زِرٍّ، قال:

قُلتُ لِأُبَيِّ بنِ كَعْبٍ: أَنّٰى عَلِمْتَ أَبَا الْمُنْذِرِ أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ؟ قال: بَلٰى أَخْبَرَنَا رسولُ الله صلى الله عليه وسلم أَنَّهَا لَيْلَةٌ صَبِيْحَتَهَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ، فَعَدَدْنَا وَحَفِظْنَا، وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمَ ابنُ مَسْعُوْدٍ أَنَّهَا فِيْ رَمَضَانَ، وأَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وعِشْرِيْنَ، ولٰكِنْ كَرِهَ أَنْ يُخْبِرَكُمْ فَتَتَّكِلُوْا.

قال أبو عيسى: هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۷۸۵-] حدثنا حُمَيدُ بنُ مَسْعَدَةَ، نا يَزِيْدُ بنُ زُرَيْعٍ، نا عُيَيْنَةُ بنُ عبدِ الرحمنِ، قال حَدَّثَنِيْ أبِي، قالَ: ذُكِرَتْ لَيْلَةُ الْقَدْرِ عِنْدَ أبي بَكْرَةَ، فقالَ: مَا أَنَا بِمُلْتَمِسِهَا لِشَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم إِلَّا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، فَإِنِّيْ سَمِعْتُهُ يقولُ: "اِلْتَمِسُوْهَا فِيْ تِسْعٍ يَبْقَيْنَ، أَوْ سَبْعٍ يَبْقَيْنَ، أَوْخَمْسٍ يَبْقَيْنَ، أَوْ ثَلَاثٍ أَوْ آخِرِ لَيْلَةٍ" قال: وكانَ أبو بَكْرَةَ يُصَلِّيْ فِي الْعِشْرِيْنَ مِنْ رَمَضَانَ كَصَلَاتِهِ فِي سَائِرِ السَّنَةِ، فإِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ اجْتَهَدَ.

قال أبو عيسى: هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کے قول یُجَاوِرُ کے معنی ہیں: یعتکف۔ اور نبی ﷺ سے اکثر روایتوں میں یہ آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو" اور نبی ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں مروی ہے کہ وہ ۲۱ ویں رات، ۲۳ ویں رات، ۲۵ ویں رات، ۲۷ ویں رات، ۲۹ ویں رات اور رمضان کی آخری رات ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: یہ اختلاف میرے نزدیک — اور اللہ بہتر جانتے ہیں — (متقدمین واللہ أعلم وہاں بڑھاتے ہیں جہاں وہ اپنی طرف سے کوئی بات کہتے ہیں یعنی وہ بات سلف سے منقول نہیں ہوتی) بایں وجہ ہے کہ نبی ﷺ جواب دیا کرتے تھے اس طور پر جس طور پر آپؐ سے پوچھا جاتا تھا (مثلاً) آپؐ سے پوچھا گیا کہ ہم اس کو فلاں رات میں تلاش کریں تو آپؐ فرماتے: "اس کو فلاں رات میں تلاش کرو" امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اور میرے نزدیک شب قدر میں سب سے قوی ۲۱ ویں رات کی روایت ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اور ابی بن کعبؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ قسم کھایا کرتے تھے کہ شب قدس ۲۷ ویں شب ہے، اور فرماتے تھے: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی علامت بتلائی ہے، پس ہم نے راتیں گنی ہیں اور ان کو یاد رکھا ہے۔ اور ابو قلابہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں منتقل ہوتی رہتی ہے پھر ابو قلابہ کے قول کی سند ہے۔

بابٌ مِنْهُ

عشرۂ اخیرہ میں متعلقین کو بھی بیدار کرے

آنحضور ﷺ جب تہجد کے لئے اٹھتے تھے تو گھر والوں کو بیدار نہیں کرتے تھے وہ از خود اٹھ جائیں تو ان کی

مرضی، لیکن رمضان کے آخری عشرہ میں آپ خود بھی عبادت میں بہت کوشش کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی جگا دیتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت میں جتنی محنت کرتے تھے دوسرے دنوں میں اتنی محنت نہیں کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں گھر والوں کو بھی بیدار فرما دیتے تھے تاکہ وہ بھی شب قدر سے بے بہرہ نہ رہیں۔

[۷۲] بابٌ مِنْهُ

[۷۸۶-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلاَنَ، نا وكيعٌ، نا سفيانُ، عن أبی إسحاق، عَنْ هُبَيْرَةَ بنِ يَرِيْمَ، عن عليٍّ، أنَّ النبیَّ صلی اللہ علیه وسلم كانَ يُوْقِظُ أَهْلَهُ فِی العَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ.

قال أبو عيسی: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۷۸۷-] حدثنا قُتيبةُ، نا عبدُ الرحمنِ بنُ زِيَادٍ، عن الحسنِ بنِ عُبَيْدِ اللهِ، عن إبراهيمَ، عن الأَسْوَدِ، عن عائشةَ، قالتْ: كانَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیه وسلم يَجْتَهِدُ فی العَشْرِ الأَوَاخِرِ مَالاَ يَجْتَهِدُ فِیْ غَيْرِهَا.

قال أبو عيسی: هذا حديثٌ غريبٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ فی الصَّوْمِ فی الشِّتَاءِ

سردی کا روزہ ٹھنڈی غنیمت ہے

آنحضور ﷺ نے سردیوں کے روزے کو ٹھنڈی غنیمت فرمایا ہے، جو مال دشمن سے لڑ بھڑ کر حاصل ہوتا ہے وہ گرم غنیمت ہے اور جو مصالحت سے حاصل ہوتا ہے یا دشمن چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور لڑے بھڑے بغیر حاصل ہو جاتا ہے وہ ٹھنڈی غنیمت ہے، یعنی نہایت آسانی سے حاصل ہونے والا مال۔ حضور ﷺ نے سردی کے روزوں کو ٹھنڈی غنیمت سے تشبیہ دی ہے، سردیوں میں دن چھوٹا ہوتا ہے جس کی وجہ سے نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس اور ثواب پورا ملتا ہے یعنی نہ لگے مہندی نہ لگے پھٹکری اور رنگ آئے چوکھا! پس سردیوں میں نفل روزوں کا اہتمام کرنا چاہئے۔ مگر پان بیڑی کا برا ہو، یہ لت ایسی ہے جو روزہ رکھنے نہیں دیتی، آدمی کھائے پیئے بغیر رہ سکتا ہے مگر پان بیڑی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

[۷۳] باب ماجاء فی الصوم فی الشتاء

[۷۸۸-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا يَحيیَ بنُ سَعِيدٍ، نا سفيانُ، عن أبی إسحاقَ، عَنْ نُمَيْرِ بنِ عَرِيْبٍ، عن عَامِرِ بنِ مَسْعُوْدٍ، عن النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم قال: "الغَنِيمَةُ البَارِدَةُ الصَّوْمُ فِی الشِّتَاءِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ مُرْسَلٌ، عَامِرُ بنُ مَسْعُوْدٍ لَمْ يُدْرِكِ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ وَالِدُ إبراهيمَ بنِ عَامِرٍ القُرَشِيِّ الَّذِيْ رَوَى عَنْهُ شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ.

وضاحت: عامر بن مسعود کے بارے میں اختلاف ہے، ابن عبدالبر کا خیال ہے کہ یہ صحابی ہیں، پس حدیث مرفوع ہوگی اور امام ترمذیؒ کا رجحان یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں، اور حدیث مرسل ہے اور وہ اس ابراہیم بن عامر القرشی کے والد ہیں جو شعبہ اور سفیان ثوری کے استاذ ہیں۔

بابُ ماجاءَ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ﴾

آیت:﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ﴾کی تفسیر

سورۂ بقرۃ آیت ۱۸۴ میں ہے:﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾اس آیت کے سلسلہ میں آپ نے تفسیر میں اور الفوز الکبیر میں بہت کچھ پڑھا ہے، وہ سب ٹھیک ہے، مگر یہاں سب سے پہلی بات یہ جاننی چاہئے کہ أطاق إطاقةً (افعال) کے معنی ہیں: کسی کام کو بہ مشقت تمام کرنا۔ مثلاً ایک بھاری پتھر ہے کوئی اس کو اٹھانے کی ہمت نہیں کرتا ایک شخص کہتا ہے إِنِّيْ أُطِيْقُ رَفْعَ هذا الحجر: میں اس پتھر کو اٹھا سکتا ہوں، یہاں أطاق فعل کا استعمال صحیح ہے، کیونکہ جب وہ پتھر اٹھائے گا تو اس کی ٹانگیں ہل جائیں گی، اور إني أطيق رفعَ هذا القلم کہنا صحیح نہیں، کیونکہ قلم کے اٹھانے میں کچھ مشقت نہیں غرض جو کام نہایت مشکل ہو وہاں یہ مادہ استعمال کرتے ہیں اور جو کام آسانی سے کیا جاسکتا ہو وہاں اس فعل کا استعمال درست نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کئے تو اولاً سات طرح سے ذہن سازی کی فرمایا: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اس خطاب میں ذہن سازی ہے، خطاب کا طبیعتوں پر اثر پڑتا ہے، اگر طالب علم سے کہا جائے: پیارے! پانی لا تو وہ خوش خوش لائے گا، اور اگر کہا جائے: او نالائق پانی لا! تو لائے گا مگر شوق سے نہیں لائے گا، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو'' تو اب مؤمنین کو جو بھی حکم دیا جائے گا خوشی خوشی قبول کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان دار فرمایا ہے، پھر فرمایا ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ تم پر روزے لکھ دیئے گئے، یہ دوسری بار ذہن سازی ہے، اس طرح کہ حدیث میں ہے: جَفَّ القلم بما أنت لاقٍ: قیامت تک جو کچھ پیش آنا ہے وہ لکھا جاچکا ہے اور قلم خشک ہوگیا ہے، یعنی اب اس میں تبدیلی ممکن نہیں، پس جب روزے لکھ دیئے گئے اور کوئی تبدیلی ممکن نہیں تو اب روزے رکھنے ہی پڑیں گے، اس طرح روزوں کے لئے ذہن تیار کیا گیا۔ پھر فرمایا:﴿كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ یہ تیسری مرتبہ ذہن سازی ہے کہ روزے صرف

تم پر فرض نہیں کئے گئے، پچھلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے، مرگ انبوہ جشنے دارد! دس بیس جنازے ایک ساتھ اٹھیں تو وہ جنازے معلوم نہیں ہونگے بلکہ جشن معلوم ہونگے۔ اس طرح روزوں کا بوجھ ہلکا کیا۔ پھر فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ تم پرہیزگار بنو، یہ چوتھی بار ذہن سازی ہے، کیونکہ پرہیزگار بننا ہر مؤمن کی آخری آرزو ہے، اور یہ مقصد روزوں سے حاصل ہوتا ہے، پس ہر شخص روزہ رکھنے کے لئے تیار ہوجائے گا، پھر فرمایا: ﴿أَيَّامًا مَعْدُوْدَاتٍ﴾ گنتی کے چند دن۔ یہ پانچویں مرتبہ ذہن سازی ہے، روزے اگر بہت زیادہ ہوتے تو مشکل ہوتے، گنتی کے چند روزے رکھنے میں کیا دشواری ہے؟ اور یاد رکھنا چاہئے کہ کتنے بھی دن ہوں چند ہی دن ہیں۔

پھر دو خلجان ہیں: ایک واقعی ہے اور ایک ہوا۔ جو واقعی ہے وہ یہ ہے کہ عرب گرم ملک ہے اور لوگوں کی معیشت سفر سے وابستہ ہے، جزیرۃ العرب میں کوئی معیشت نہیں تھی، لوگ شام وغیرہ جاتے تھے اور وہاں سے اشیاء خرید کر لاتے تھے اور بیچتے تھے، یہی ان کی معیشت تھی، اس لئے ذہن پر بوجھ پڑسکتا تھا کہ اس گرم ملک میں سفر میں روزے کیسے رکھیں گے، پس فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ یعنی سفر میں اور بیماری میں روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے، یہ روزے بعد میں رکھ لئے جائیں اور جتنے رہ گئے ہیں اتنے ہی رکھنے ہونگے زائد نہیں پس یہ چھٹی مرتبہ ذہن سازی ہے۔

اور ہوا یہ ہے کہ چونکہ روزے کبھی نہیں رکھے، پس کیسے رکھیں گے، نہ کھانا نہ پینا دن کیسے گذرے گا! یہ صرف ہوا ہے واقعی بات نہیں ہے، پس فرمایا: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ یعنی جس کو روزے نہایت بھاری معلوم ہوں وہ بجائے روزہ کے فدیہ دے سکتا ہے، یہ ساتویں اور آخری مرتبہ ذہن سازی کی گئی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کردیا کہ روزے کا فدیہ (بدلہ) صرف ایک غریب کا کھانا ہے، البتہ اگر کوئی رضا کارانہ خیر کا کام کرے اور ایک سے زیادہ مساکین کو کھلائے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور اس سے بھی بہتر ہمت کرکے روزہ رکھنا ہے، اگر تم صدقہ اور روزہ: دونوں کے عواقب کو جان سکو تو یہ بات بوجھ سکتے ہو کہ فدیہ سے (جس سے بخل کا ازالہ ہوتا ہے) روزہ (جس سے تقوی پیدا ہوتا ہے) بہتر ہے۔ تقوی کی مزیّت ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔

مذکورہ سات طریقوں سے ذہن سازی کرنے کے بعد اُس مہینے کی اہمیت بیان کی جس کا روزہ فرض کرنا ہے کہ وہ ایسا مہینہ ہے جس میں قرآن اترا ہے اور قرآن وہ کتاب ہے جو تمام لوگوں کے لئے راہنما ہے اور اس میں ہدایت کی واضح دلیلیں ہیں، اور وہ حق وباطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔ ماہ رمضان کی اس طرح اہمیت بیان کرکے فرمایا: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ یعنی جو تم میں سے اس مہینے کو دیکھے اسے چاہئے کہ اس مہینے کے روزے رکھے، شهد کے معنی ہیں دیکھنا۔ اور گواہ کو ''شاہد'' اسی لئے کہتے ہیں کہ اس نے واقعہ بچشم خود دیکھا ہے، اور حدیث: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته یہاں سے مستنبط کی گئی ہے۔ غرض اس آیت پاک کے ذریعہ ان دو باتوں میں سے

اس بات کو منسوخ کردیا جو محض ہوا تھی، حضرت سلمۃ بن الاکوع نے یہی بات بیان کی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

اور جو واقعی عذر تھا اس کو باقی رکھا، چنانچہ مکرر فرمایا: ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ تاکہ ایک کے نسخ سے دوسرے کے نسخ کا وہم پیدا نہ ہو، یعنی مریض اور مسافر کے لئے رخصت بدستور قائم ہے، یہ سہولت منسوخ نہیں کی گئی۔

جاننا چاہئے کہ قرآن کریم میں احکام کی آیات میں تکرار نہیں ہوتا، تذکیر کی، ترغیب وترہیب کی اور مخاصمہ کی آیات میں تکرار ہوتا ہے، کیونکہ ان کا مقصد رنگ چڑھانا ہے اور احکام کی آیات کا مقصد مسائل بتلانا ہے۔ اس لئے صرف دو جگہ احکام کی آیات میں تکرار ہے اور اس کی مصلحت ہے جیسے یہاں کی مصلحت بیان کی گئی۔

غرض آیت: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ﴾ منسوخ ہے مگر بعض افراد میں منسوخ ہے، تمام افراد میں منسوخ نہیں، صرف وہ لوگ جن کے لئے روزہ ہوا تھا کہ ہائے! ہائے! روزہ کیسے رکھیں گے ان کے حق میں آیت منسوخ ہے، اور شیخ فانی جس کے لئے روزہ رکھنا واقعی دشوار ہے اس کے حق میں حکم باقی ہے، اس لئے آیت تلاوت میں باقی رکھی گئی ہے کہ حکم بعض افراد میں باقی ہے۔

حدیث: سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آیت: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ نازل ہوئی تو اختیار تھا کہ جو روزہ رکھنا چاہے روزہ رکھے اور جو فدیہ دینا چاہے فدیہ دے۔ یہاں تک کہ وہ آیت نازل ہوئی جو اس کے بعد ہے یعنی ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ پس اس نے سابقہ آیت کو منسوخ کردیا (ناسخ آیت ایک وقت کے بعد نازل ہوئی تھی)

[۷۴] باب ماجاء ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ﴾

[۷۸۹-] حدثنا قتيبة، نا بَكْرُ بنُ مُضَرَ، عن عَمْرِو بنِ الحَارِثِ، عن بُكَيْرٍ، عن يَزِيْدَ مَوْلَى سَلَمَةَ بنِ الأَكْوَعِ، عَنْ سَلَمَةَ بنِ الأَكْوَعِ، قال: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ كَانَ مَنْ أَرَادَ مِنَّا أَنْ يُفْطِرَ وَيَفْتَدِيَ، حَتَّى نَزَلَتِ الآيَةُ التي بَعْدَهَا فَنَسَخَتْهَا.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، ويَزِيْدُ: هُوَ ابنُ أبي عُبَيْدٍ، مَوْلَى سَلَمَةَ بنِ الأَكْوَعِ.

بابُ ماجاء في مَنْ أَكَلَ ثُمَّ خَرَجَ يُرِيْدُ سَفَرًا

کیا رمضان میں سفر شروع کرنے سے پہلے رخصت حاصل ہوتی ہے؟

پہلے یہ مسئلہ آیا ہے کہ جس شخص کا رمضان میں سفر کا ارادہ ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس دن صبح ہی سے روزہ

نہ رکھے اور اگر روزہ رکھ لیا تو سفر شروع کرنے سے پہلے اس کو توڑنا جائز نہیں، ورنہ قضا اور کفارہ دونوں واجب ہونگے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ البتہ سفر شروع کرنے کے بعد رمضان کا روزہ توڑ سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ جواز کے قائل ہیں، باقی فقہاء کے نزدیک سفر شروع کرنے کے بعد بھی رکھا ہوا روزہ توڑنا جائز نہیں، البتہ اگر کوئی توڑدے تو بالاتفاق صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

حدیث: محمد بن کعب کہتے ہیں: میں رمضان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جبکہ آپ سفر میں چلنے کا ارادہ کررہے تھے، ان کے لئے اونٹ (کجاوہ وغیرہ باندھ کر) تیار کردیا گیا تھا اور انھوں نے سفر کے کپڑے بھی پہن لئے تھے (اب لوگ سفر نہادھوکر اچھے کپڑے پہن کر کرتے ہیں پہلے معاملہ الٹا تھا، لوگ سفر میل خورے کپڑے پہن کر کرتے تھے تاکہ بار بار کپڑے دھونے کی ضرورت پیش نہ آئے) پس آپ نے کھانا منگوایا اور کھایا۔ مین نے پوچھا: یہ سنت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں سنت ہے، پھر اونٹ پر سوار ہوکر سفر شروع کردیا۔

تشریح: یہ حدیث عبداللہ بن جعفر کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر چونکہ محمد بن جعفران کے متابع ہیں اور وہ ثقہ ہیں، اس لئے عبداللہ کے ضعف سے حدیث پر اثر نہیں پڑے گا، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اگر اس دن روزہ نہیں رکھا تھا تو بھی اعتراض وارد ہوگا، اور اگر روزہ رکھا تھا اور سفر شروع کرنے سے پہلے توڑدیا تو بھی اعتراض وارد ہوگا، پس جواب یہ ہے کہ حدیث کی دلالت محکم نہیں، اس لئے کہ احتمال ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے گھر سے سفر شروع نہ کیا ہو، بلکہ سفر میں کہیں قیام کیا ہو اور وہاں سے سفر شروع کیا ہو، جیسے ایک شخص بمبئی جانے کے لئے دیوبند سے نکلا اور دلی میں رک گیا، دلی سے صبح گاڑی ہے، پس وہ کھا کر سفر شروع کرسکتا ہے، کیونکہ اس نے روزہ نہیں رکھا ہے، اسی طرح ممکن ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ مسافر ہوں، اور انھوں نے کسی جگہ قیام کیا ہو، جب وہاں سے روانہ ہوئے تو چونکہ ان کا روزہ نہیں تھا اس لئے کھانا کھا کر سفر شروع کیا۔ نیز حدیث میں سنت کے معروف معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایسا کیا ہے، اور سنت بمعنی جائز بھی ہوسکتا ہے محاورات میں سنت بمعنی جائز بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کے احوال کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ صحابہ کبھی اپنے مجتہدات کے لئے بھی سنت کا لفظ استعمال کرتے تھے، جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک بار نماز جنازہ میں جہراً فاتحہ پڑھی اور فرمایا: میں نے یہ عمل اس لئے کیا ہے تاکہ تم جانو کہ یہ سنت ہے (مشکوۃ حدیث ۱۶۵۴) یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اپنی رائے تھی جس کو انھوں نے سنت سے تعبیر کیا ہے۔ نبی ﷺ سے جنازہ کی نماز میں فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں، غرض حدیث محکم الدلالۃ نہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ سفر میں جو نمازوں میں قصر کی رخصت ملتی ہے وہ سفر شروع کرنے کے بعد ملتی ہے، پس جو افطار کی سہولت ملتی ہے وہ بھی سفر شروع کرنے کے بعد ملے گی، جب تک سفر شروع نہیں کرے گا رخصت حاصل نہیں ہوگی۔

[۷۵] باب ماجاء في من أكل ثم خرج يريد سفراً

[۷۹۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قال: نا عبدُ اللهِ بنُ جَعْفَرٍ، عن زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عن محمدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ، عن محمدِ بنِ كَعْبٍ، أَنَّهُ قال: أَتَيْتُ أَنَسَ بنَ مَالِكٍ فِيْ رَمَضَانَ، وَهُوَ يُرِيْدُ سَفَرًا، وقَدْ رُحِّلَتْ لَهُ رَاحِلَتُهُ، وَلَبِسَ ثِيَابَ السَّفَرِ، فَدَعَا بِطَعَامٍ فَأَكَلَ، فَقُلْتُ لَهُ: سُنَّةٌ؟ فقالَ: سُنَّةٌ، ثُمَّ رَكِبَ.

[۷۹۱-] حدثنا محمدُ بنُ إسماعيلَ، ناسَعيدُ بنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، نا محمدُ بنُ جَعْفَرٍ، قالَ حَدَّثَنِيْ زَيْدُ بنُ أَسْلَمَ، قالَ حَدَّثَنِيْ محمدُ بنُ الْمُنْكَدِرِ، عن محمدِ بنِ كَعْبٍ، قال: أَتَيْتُ أَنَسَ بنَ مَالِكٍ فِيْ رَمَضَانَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ، ومحمدُ بنُ جَعْفَرٍ: هُوَ ابنُ أبي كَثِيْرٍ، مَدِيْنِيٌّ ثِقَةٌ، وَهُوَ أَخُوْ إِسْمَاعِيلَ بنِ جَعْفَرٍ، وعبدُ الله بنُ جَعْفَرٍ: هُوَ ابنُ نَجِيْحٍ والِدُ عليِّ بنِ الْمَدِيْنِيِّ، وكان يَحيى بنُ مَعِيْنٍ يُضَعِّفُهُ.

وقد ذَهَبَ بَعْضُ أهلِ العلمِ إلى هذا الحديثِ، وقال: لِلْمُسَافِرِ أَنْ يُفْطِرَ فِيْ بَيْتِهِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَقْصُرَ الصَّلَاةَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ جِدَارِ الْمَدِيْنَةِ أَوِ القَرْيَةِ، وَهُوَ قَوْلُ إسحاقَ بنِ إبراهيمَ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: محمد بن جعفر: کے دادا کا نام ابوکثیر ہے۔ یہ مدنی ہیں اور ثقہ ہیں، اور اسماعیل بن جعفر کے بھائی ہیں اور عبداللہ بن جعفر کے دادا کا نام نجیح ہے اور وہ علی بن المدینی کے والد ہیں، یحیٰ بن معین نے ان کی تضعیف کی ہے ——— اور بعض علماء اس حدیث کی طرف گئے ہیں، وہ کہتے ہیں: مسافر کے لئے جائز ہے کہ وہ سفر میں نکلنے سے پہلے اپنے گھر میں روزہ نہ رکھے اور اس کے لئے نماز میں قصر جائز نہیں، جب تک شہر یا گاؤں کی حدود سے نہ نکلے اور یہ اسحاق کا قول ہے (اور ائمہ اربعہ کے نزدیک دونوں کا حکم یکساں ہے جس طرح سفر شروع کرنے سے پہلے قصر کی اجازت نہیں افطار کی بھی اجازت نہیں)

بابُ ماجاءَ في تُحْفَةِ الصَّائِمِ

روزہ دار کو کیا تحفہ پیش کیا جائے؟

جب مہمان آتا ہے تو اس کے سامنے کچھ نہ کچھ پیش کرنے کا رواج ہے، پس اگر مہمان روزے سے ہو تو تقریب بہر ملاقات کیا ہونی چاہئے؟ ظاہر ہے اس کے سامنے کھان پان پیش نہیں کیا جاسکتا، اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: ''روزہ دار کا تحفہ عطر اور دھونی ہے'' یعنی مہمان کو ہدیۃً یا لگانے کے لئے عطر پیش کیا جائے یا دھونی کی انگیٹھی لائی

جائے، ہمارے یہاں دھونی کا رواج نہیں ہے، عربوں کے یہاں آج بھی اس کا رواج ہے، جب مہمان آتا ہے تو دھونی لاتے ہیں، مگر روزے دار کے سامنے انگیٹھی اس طرح پیش نہیں کرنی چاہئے کہ دھواں منہ میں چلا جائے، اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا ——— اور جاننا چاہئے کہ باب میں جو حدیث ہے وہ نہایت ضعیف ہے، سعد بن طریف پرلے درجہ کا ضعیف راوی ہے، بلکہ واضع حدیث قرار دیا گیا ہے مگر مسئلہ عقلی ہے۔

[۷۶] باب ماجاء فی تحفة الصائم

[۷۹۲-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، نا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عن سَعْدِ بنِ طَرِيْفٍ، عَنْ عُمَيْرِ بنِ مَأْمُوْنٍ، عنِ الحَسَنِ بنِ عَلِيٍّ، قالَ: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "تُحْفَةُ الصَّائِمِ الدُّهْنُ وَالمِجْمَرُ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ، ليسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ، لَانَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ حديثِ سَعْدِ بنِ طَرِيْفٍ، وسَعْدٌ يُضَعَّفُ، ويُقالُ عُمَيْرُ بنُ مَأْمُوْمٍ أَيْضًا.

ترجمہ: عمیر کے باپ کا نام بعض مأمون لیتے ہیں اور بعض مأموم۔

بابُ ماجاءَ فی الفِطْرِ والأَضْحٰی مَتٰی یَکُوْنُ؟

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کب ہوتی ہیں؟

یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے کہ اگر کسی حکم شرعی میں مسلمانوں سے اجتماعی غلطی ہوجائے اور اس غلطی کا وقت گذر جانے کے بعد پتہ چلے اور اصلاح کی کوئی صورت نہ ہو تو وہ غلطی معاف ہے، اس باب میں بھی یہی مسئلہ ہے۔

فائدہ: یہ ابواب الاعتکاف چل رہے ہیں، درمیان میں کچھ غیر متعلق ابواب آگئے ہیں، آگے پھر ابواب الاعتکاف آئیں گے، پہلے کتاب الصلوۃ ابواب السجود میں بھی ایسا ہوا ہے، وہاں اس کی وجہ بیان کی تھی، یہاں بھی اسی قسم کی کوئی وجہ سوچنی چاہئے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عید الفطر وہ دن ہے جس دن لوگ عید منائیں اور عید الاضحیٰ وہ دن ہے جس دن لوگ قربانی کریں"

[۷۷] باب ماجاء فی الفطر والأضحی متی یکون؟

[۷۹۳-] حدثنا یَحْییَ بنُ موسیٰ، نا یحییَ بنُ الیَمَانِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عن محمدِ بنِ المُنْکَدِرِ، عن عائشةَ، قالتْ: قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "الفِطْرُ یَوْمَ یُفْطِرُ النَّاسُ، وَالأَضْحٰی یَوْمَ

يُضَحّي النَّاسُ"

قال أبو عيسى: سَألْتُ محمداً، قُلْتُ لَهُ: محمدُ بنُ المُنْكَدِرِ سَمِعَ مِنْ عائشةَ؟ قال: نَعَمْ، يقولُ في حديثِهِ: سَمعتُ عائشةَ. قال أبو عيسى: وهذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ مِنْ هٰذا الوَجْهِ.

وضاحت: محمد بن المنکدر رکا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ہے اور دلیل یہ ہے کہ وہ ایک حدیث میں سمعتُ عائشة کہتے ہیں، یہ بات امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔ اور جب ایک جگہ سماع کی صراحت آگئی تو ہر جگہ سماع ثابت ہوگیا۔

بابُ ماجاء فی الإعْتِكَافِ إذَا خَرَجَ مِنْهُ

معتکف اگر اعتکاف توڑدے تو کیا حکم ہے؟

مذاہبِ فقہاء: اگر کوئی شخص اعتکاف شروع کر کے توڑدے خواہ وہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہو یا ایسا نفل اعتکاف ہو جس میں وقت کی تعیین کر کے مثلاً چوبیس گھنٹے کی نیت کر کے اعتکاف شروع کیا ہو، اور اسے پورا کرنے سے پہلے توڑ دے تو کیا حکم ہے؟ امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک قضا واجب ہے، اور امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ کے نزدیک قضا واجب نہیں، اور اختلاف کی بنیاد نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، پہلے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نفل عمل جس طرح شروع کرنے سے پہلے نفل ہوتا ہے، شروع کرنے کے بعد بھی نفل رہتا ہے، پس اگر کوئی نفل عبادت پوری نہ کرے تو ان کے نزدیک قضا واجب نہیں، البتہ وہ حضرات حج اور عمرہ کو اس قاعدہ سے مستثنیٰ کرتے ہیں، اور احناف کے نزدیک نفل عبادت شروع کرنے نہ کرنے کا تو بندے کو اختیار ہے مگر شروع کرنے کے بعد اُسے پورا کرنا ضروری ہے، اگر توڑدے گا تو قضا واجب ہوگی، احناف نے سورۂ محمد آیت ۳۳ ﴿وَلَا تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ﴾ سے استدلال کیا ہے۔ نقطۂ نظر کا یہی اختلاف یہاں اثر انداز ہوا ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اعتکاف توڑنے کی صورت میں قضا واجب نہیں مگر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قضا واجب ہے، انھوں نے حج اور عمرہ کی طرح اس مسئلہ کو بھی مستثنیٰ کیا ہے اور بخاری کی حدیث (۲۰۴۱) بڑے دو اماموں کی مؤید ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کی اجازت چاہی آپؐ نے اجازت دیدی، انھوں نے مسجد نبوی میں اپنا خیمہ لگایا ان کے دیکھا دیکھی تین اور ازواج نے بھی خیمے لگائے، نبی ﷺ نے سب کے خیمے اکھڑوادیئے اور خود بھی اعتکاف سے نکل گئے، پھر شوال کے آخری عشرہ میں دس دن کا اعتکاف کیا۔

مسائل:

(۱) دو یا زیادہ دنوں کا اعتکاف کیا جائے تو ہر دن کا اعتکاف مستقل عبادت ہے، پس جو شخص اعتکاف توڑدے گا

اس پر صرف چوبیس گھنٹے کی قضا واجب ہوگی، مثلاً ایک شخص نے تین دن کا نفل اعتکاف کیا اور دوسرے دن اعتکاف توڑ دیا یا رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کیا اور پچیسویں دن اعتکاف توڑ دیا تو صرف چوبیس گھنٹے کی قضا واجب ہوگی، اس لئے کہ گذشتہ ایام کے اعتکاف صحیح ہوگئے اور آئندہ کا اعتکاف شروع نہیں ہوا، پس جس دن کا اعتکاف توڑا ہے اسی کی قضا واجب ہوگی، جیسے نفل نماز دو دو رکعتیں ہیں، پس اگر کوئی چار، چھ، یا آٹھ رکعت کی نیت کرے، پھر تیسری رکعت میں نماز توڑ دے تو صرف اسی شفعہ کی قضا واجب ہوگی، کیونکہ جو شفعہ پڑھ چکا ہے وہ صحیح ہوگیا، اور اگلا شفعہ شروع نہیں ہوا، پس جو شفعہ توڑا ہے اسی کی قضا واجب ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہر دن کا اعتکاف مستقل ہے۔

(۲) اور اگر کوئی ٹھیک غروب کے وقت اعتکاف سے اٹھ جائے تو پھر کوئی قضا واجب نہیں۔ جیسے مذکورہ مثال میں کسی بھی شفعہ پر سلام پھیر دے تو کوئی قضا واجب نہیں۔

(۳) اور قضا اعتکاف میں روزہ شرط ہے اور اگر کوئی رمضان میں قضا کرے تو رمضان کا روزہ کافی ہے۔

(۴) اور اگر نفل اعتکاف میں وقت کی تعیین نہ کی ہو تو مسجد سے نکلتے ہی اعتکاف منتہی ہو جائے گا، اس کی کوئی قضا واجب نہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے، آپؐ نے ایک سال اعتکاف نہیں کیا تو اگلے سال بیس دن کا اعتکاف کیا۔

تشریح: یہ حدیث باب سے غیر متعلق ہے اس لئے کہ آپؐ نے یہ اعتکاف توڑا نہیں تھا، بلکہ آپؐ مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے، اس لئے اعتکاف نہیں کیا تھا، پھر آپؐ نے اگلے سال بیس دن کا اعتکاف کیا اس میں دس دن گذشتہ اعتکاف کا بدل تھا، قضا نہیں تھی، جیسا کہ آپؐ جب تہجد نہیں پڑھتے تھے تو طلوع شمس کے بعد بارہ رکعت نفل پڑھتے تھے اور یہ تہجد کا بدل ہوتا تھا، قضا نہیں ہوتی تھی۔

[۷۸] باب ماجاء في الاعتكاف إذا خرجَ منهُ

[۷۹٤-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا ابنُ أبي عَدِيٍّ، أنبأنا حُمَيْدٌ الطَّوِيْلُ، عن أنسِ بنِ مَالكٍ، قال: كانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَعْتَكِفُ في العَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا، فَلَمَّا كانَ فِي العَامِ الْمُقْبِلِ اعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ صحيحٌ مِنْ حديثِ أَنَسٍ.

واختلَفَ أهلُ العلمِ فِي الْمُعْتَكِفِ إِذَا قَطَعَ اعْتِكَافَهُ قَبْلَ أَنْ يُتِمَّهُ عَلَى مَانَوَى: فقالَ بعضُ أهلِ العلمِ: إِذَا نَقَضَ اعْتِكَافَهُ وَجَبَ عليهِ القَضَاءُ، واحْتَجُّوْا بِالحَدِيثِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم

خَرَجَ مِنِ اعْتِكَافِهِ فَاعْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ، وهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ.
وقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ نَذْرُ اعْتِكَافٍ، أَوْ شَيْءٌ أَوْجَبَهُ على نَفْسِهِ، وكَانَ مُتَطَوِّعًا، فَخَرَجَ فَلَيْسَ عليهِ شَيْءٌ أَنْ يَقْضِيَ، إِلَّا أَنْ يُحِبَّ ذلكَ اخْتِيَارًا مِنْهُ، وَلَا يجبُ ذلكَ عليه؛ وهُوَ قَوْلُ الشافعيِّ.
قَالَ الشافعيُّ: وكُلُّ عَمَلٍ لَكَ أَنْ لَا تَدْخُلَ فيه، فَإِذَا دَخَلْتَ فِيهِ فَخَرَجْتَ مِنْهُ، فَلَيْسَ عَلَيْكَ أَنْ تَقْضِيَ إِلَّا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ.
وفي الباب: عن أبي هريرةَ.

ترجمہ: علماء کا معتکف کے بارے میں اختلاف ہے جبکہ وہ اعتکاف کو جتنے دن کی اس نے نیت کی ہے اسے پورا کرنے سے پہلے توڑ دے، بعض علماء کہتے ہیں: جب اعتکاف توڑ دے گا تو اس پر قضا واجب ہے اور انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ اعتکاف سے نکل گئے، پس آپؐ نے شوال میں دس دن کا اعتکاف کیا (یہ حدیث بخاری میں ہے) اور یہ امام مالکؒ (اور امام اعظمؒ) کا قول ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں: اگر اس کے ذمے نذر کا اعتکاف نہ ہو یا ایسا اعتکاف جسے اس نے اپنے اوپر واجب کیا ہو (عطف تفسیری ہے) اور وہ نفل اعتکاف کرنے والا ہو، پس وہ اعتکاف سے نکل جائے تو اس پر قضا واجب نہیں، مگر یہ کہ وہ اپنی مرضی سے قضا کرے، اور اس پر قضا واجب نہیں، اور یہ شافعیؒ (اور احمدؒ) کا قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر وہ عمل جس کو شروع کرنے نہ کرنے کا تجھے اختیار ہے پس جب تو اُسے شروع کرے پھر اس سے نکل جائے تو تیرے ذمے قضا نہیں، سوائے حج اور عمرہ کے ان دونوں کو شروع کرنے کے بعد توڑ دے گا تو قضا واجب ہوگی، کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ [البقرة ۱۹۶] اور پورا کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے، پس اگر پورا نہیں کیا تو قضا واجب ہے، حالانکہ ایسا ہی ارشاد سورۂ محمد میں ہے: ﴿وَلَا تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ﴾ پس ہر نفل عمل کو پورا کرنا ضروری ہے، اگر اس کو توڑ دے گا تو قضا واجب ہوگی۔

بابُ الْمُعْتَكِفِ يَخْرُجُ لِحَاجَتِهِ أَمْ لَا؟

معتکف ضروریات کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے

چھوٹے بڑے استنجے کے لئے معتکف کا مسجد سے نکلنا جائز ہے۔ نبی ﷺ انسانی ضرورت کے لئے مسجد سے نکلا کرتے تھے اور معتکف جمعہ پڑھنے کے لئے جا سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ عدم جواز کے قائل ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: جامع مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے جس مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا وہاں اعتکاف کرنا جائز نہیں، اور احناف کے نزدیک جمعہ پڑھنے کے لئے نکلنا جائز ہے، البتہ معتکف کو چاہئے کہ وہ مسجد سے کم سے کم غیر حاضر رہے، جمعہ کے بالکل قریب مسجد سے نکلے اور جمعہ پڑھ کر فوراً واپس آجائے اور سنتیں اپنی مسجد میں پڑھے، اور

دیگر حاجات شرعیہ مثلاً مریض کی عیادت کے لئے، جنازہ پڑھنے کے لئے یا سبق میں حاضر ہونے کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اس کی اجازت نہیں، جب جمعہ پڑھنے کے لئے نکلنا جائز نہیں تو ان کاموں کے لئے بدرجۂ اولیٰ نکلنا جائز نہیں۔ اور حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر معتکف نے اعتکاف کرتے وقت ان کاموں کا استثناء کیا ہے تو نکل سکتا ہے ورنہ نہیں۔ مگر احناف عام طور پر اس پر فتوی نہیں دیتے تا کہ لوگ اعتکاف کو تماشا نہ بنالیں۔

فائدہ: اگر معتکف عذر کے بغیر مسجد سے نکل گیا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک فوراً اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک: اگر اکثر دن مسجد سے باہر رہا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور آدھے دن سے پہلے لوٹ آیا تو اعتکاف باقی رہے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ نے امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کو قیاس کے مطابق اور امام ابو یوسف کے قول کو گنجائش والا قول قرار دیا ہے، لہٰذا لوگوں کو امام اعظمؒ کے قول کے مطابق مسئلہ بتانا چاہئے، لیکن اگر کوئی مسجد سے نکل گیا اور نصف یوم سے پہلے واپس آ گیا تو امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق فتوی دینا چاہئے اور آئندہ کے لئے مسجد سے نہ نکلنے کی تاکید کرنی چاہئے۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف کرتے تھے تو اپنا سر مجھ سے قریب کر دیتے تھے، میں سر میں تیل کنگھا کر دیا کرتی تھی، اور آپ گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے مگر انسانی ضرورت کے لئے۔

تشریح: نبی ﷺ کے سر مبارک پر بڑے بال تھے اور جس کے بال بڑے ہوتے ہیں اسے وقفہ وقفہ سے نہا کر یا سر کو اچھی طرح دھو کر ان میں تیل لگانا ضروری ہوتا ہے ورنہ سر میں کھجلی ہو جاتی ہے، اور معتکف کے لئے نہانے یا سر دھونے کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، اس لئے نبی ﷺ مسجد سے سر مبارک باہر نکال دیتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن کا حجرہ مسجد سے متصل تھا کوئی بڑا برتن رکھ کر اس میں سر مبارک دھو دیتی تھیں اور تیل لگا کر کنگھا کر دیا کرتی تھیں، اس مقصد کے لئے آپ مسجد سے نہیں نکلتے تھے، یہاں سے یہ مسئلہ نکلا کہ معتکف جمعہ کا غسل کرنے کے لئے یا گرمی میں غسل کرنے کے لئے مسجد سے نہیں نکل سکتا، البتہ جب معتکف استنجے جائے اور استنجے جانا واقعی ہو حیلہ نہ ہو اور واپسی میں نہا کر آئے تو گنجائش ہے، اور دوسرا مسئلہ یہ نکلا کہ اگر معتکف مسجد میں رہتے ہوئے تیل کنگھا کرے یا نہائے تو جائز ہے، بشرطیکہ مسجد آلودہ نہ ہو مثلاً متعلقین بڑا ٹب مسجد میں کسی کنارے پر رکھ دیں اور معتکف اس میں بیٹھ کر نہالے پھر لوگ پانی باہر پھینک دیں تو یہ جائز ہے۔

فائدہ: ترجُّل کا مفہوم ہے: تیل کنگھا کرنا، یعنی پہلے سر کو صابن وغیرہ سے اچھی طرح دھویا جائے پھر تیل ڈالا جائے، پھر کنگھا کیا جائے، یہ سب ترجّل کے مفہوم میں شامل ہے اور شمائل ترمذی میں جو حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے روزانہ تیل کنگھا کرنے سے منع فرمایا ہے اس سے یہی مراد ہے، روزانہ صرف کنگھی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس

میں وقت خرچ نہیں ہوتا، نہ وہ بے ضرورت ٹیپ ٹاپ ہے۔

فائدہ: اس حدیث کو ابن شہاب زہری سے امام مالک اور امام لیث بن سعد مصری دونوں روایت کرتے ہیں۔ پھر امام مالکؒ کی روایت میں ابن شہاب زہری حضرت عروہ سے اور وہ حضرت عمرۃ بنت عبدالرحمٰن سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں، یہ سند موطا مالک کتاب الاعتکاف میں اور مسلم شریف کتاب الحیض باب سوم میں ہے، اور امام لیث کی سند میں ابن شہاب زہری عروۃ اور عمرہ دونوں سے روایت کرتے ہیں وہ دونوں حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ امام لیث کی سند بخاری شریف (حدیث ۲۰۲۹) کتاب الاعتکاف میں ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس دوسری سند کو یعنی امام لیث کی سند کو اصح کہا ہے، مگر ہمارے خیال میں اس کی ضرورت نہیں، دونوں ہی سندیں صحیح ہیں، راوی کبھی استاذ بھائی سے بھی روایت کرتا ہے، حضرت عروہ نے کبھی عمرہ سے بھی روایت کی ہوگی۔

ملحوظہ: ترمذی شریف میں امام مالکؒ کی سند میں عن عروۃ وعمرۃ تھا یہ تصحیف ہے، میں نے عن عروۃ عن عمرۃ کر دیا ہے، یہ تصحیح موطا مالک اور مسلم شریف سے کی ہے، کیونکہ اسی صورت میں امام لیث کی سند سے امتیاز ہوتا ہے۔

[۷۹] باب المعتكفِ يخرج لحاجته أم لا؟

[۷۹۵-] حدثنا أبو مُصْعَبٍ المَدِينِيُّ قِرَاءَةً عن مَالِكِ بنِ أنسٍ، عن ابنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عن عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أنَّها قَالَتْ: كانَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم إِذَا اعْتَكَفَ أَدْنَى إِلَيَّ رَأْسَهُ فَأُرَجِّلُهُ، وكانَ لاَيَدْخُلُ البَيْتَ إِلاَّ لِحَاجَةِ الإِنْسَانِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، هَكَذَا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مَالِكِ بنِ أنسٍ، عن ابنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَمْرَةَ، عن عائشةَ. وَالصَّحِيحُ عَنْ عُرْوَةَ، وعَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، هَكَذَا رَوَى اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ، عن ابنِ شِهَابٍ، عن عُرْوَةَ، وعَمْرَةَ، عن عائشةَ، حدثنا بِذَلِكَ قُتَيْبَةُ، عن اللَّيْثِ.

والعملُ على هٰذا عِنْدَ أهلِ العلمِ: إِذَا اعْتَكَفَ الرَّجُلُ أَنْ لاَ يَخْرُجَ مِنْ اعْتِكَافِهِ إِلاَّ لِحَاجَةِ الإِنْسَانِ، وأَجْمَعُوا على هذا: أَنَّهُ يَخْرُجُ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ لِلْغَائِطِ وَالبَوْلِ.

ثُمَّ اخْتَلَفَ أَهْلُ العلمِ فِي عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ، وشُهُوْدِ الْجُمُعَةِ وَالْجَنَازَةِ لِلْمُعْتَكِفِ: فَرَأَى بَعْضُ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ أَنْ يَعُوْدَ الْمَرِيْضَ وَيُشَيِّعَ الْجَنَازَةَ وَيَشْهَدَ الْجُمُعَةَ إِذَا اشْتَرَطَ ذٰلِكَ، وهُوَ قَوْلُ سُفيانَ الثَّوْرِيُّ وابنِ المباركِ.

وقال بَعْضُهُمْ: لَيْسَ لَهُ أَنْ يَفْعَلَ شَيْئًا مِنْ هٰذَا، وَرَأَوْا لِلْمُعْتَكِفِ إِذَا كَانَ فِيْ مِصْرٍ يُجَمَّعُ فِيْهِ، أَنْ لاَ يَعْتَكِفَ إِلاَّ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ، لِأَنَّهُمْ كَرِهُوْا لَهُ الْخُرُوْجَ مِنْ مُعْتَكَفِهِ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَلَمْ يَرَوْا لَهُ أَنْ يَتْرُكَ الْجُمُعَةَ، فقالوا: لاَيَعْتَكِفُ إِلاَّ فى الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ، حَتَّى لاَيَحْتَاجَ إلى أَنْ يَخْرُجَ مِنْ

مُعتكِفِهِ لِغيرِ قضاءِ حاجةِ الإنسانِ، لِأنَّ خرُوجَهُ لِغيرِ قضاءِ حاجةِ الإنسانِ قطعٌ عِندَهُم للاعتِكافِ، وهُوَ قولُ مالكٍ والشافِعِيِّ.

وقالَ أحمدُ: لايَعُودُ المرِيضَ ولا يَتبعُ الجنازةَ على حديثِ عائشةَ. وقال إسحاقُ: إن اشترطَ ذلكَ فلهُ أن يتبعَ الجنازةَ ويَعُودَ المرِيضَ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسی طرح یعنی ابو مصعب مدنی کی طرح اس حدیث کو متعدد حضرات نے امام مالکؒ سے روایت کیا ہے، وہ ابن شہاب سے، وہ عروۃ سے، وہ عمرہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں (یہاں سے معلوم ہوا کہ ہندوستانی نسخہ میں تصحیف ہے، امام مالک رحمہ اللہ کی سند میں عن عروۃ وعمرۃ صحیح نہیں، صحیح عن عروۃ عن عمرۃ ہے) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح سند عن عروۃ وعمرۃ عن عائشۃ ہے، امام لیث بن سعد اسی طرح روایت کرتے ہیں امام لیث کی سند قتیبہ کی روایت سے بخاری شریف (حدیث ۲۰۲۹ کتاب الاعتکاف) میں ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے جب کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھے تو ضروریات انسانی ہی کے لئے اعتکاف سے نکل سکتا ہے اور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ وہ پیشاب پاخانہ کی ضرورت کے لئے نکل سکتا ہے۔

پھر اہل علم میں اختلاف ہے کہ بیمار پرسی کے لئے، نماز جمعہ اور نماز جنازہ میں شرکت کے لئے معتکف نکل سکتا ہے یا نہیں؟ صحابہ وغیرہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر اس نے بوقت اعتکاف ان باتوں کی شرط کی ہے، یعنی استثناء کیا ہے تو وہ بیمار پرسی کے لئے نکل سکتا ہے اور جنازہ کے ساتھ جا سکتا ہے اور جمعہ کی نماز میں بھی حاضر ہو سکتا ہے، سفیان ثوری اور ابن المبارک کی یہی رائے ہے ـــــ دیگر حضرات کہتے ہیں: معتکف کے لئے ان کاموں میں سے کوئی کام جائز نہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ اگر معتکف ایسے شہر میں ہو جہاں جمعہ ہوتا ہے تو وہ جامع مسجد ہی میں اعتکاف کرے، ان حضرات کے نزدیک معتکف کا اپنی مسجد سے جمعہ کے لئے نکلنا مکروہ ہے اور اس کے لئے جمعہ چھوڑنا بھی جائز نہیں پس وہ جامع مسجد ہی میں اعتکاف کرے تاکہ اپنی مسجد سے حاجت انسانی کے علاوہ کے لئے نکلنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اس لئے کہ اگر معتکف حاجت انسانی کے علاوہ کے لئے اپنی مسجد سے نکلے گا تو ان علماء کے نزدیک اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کی رائے ہے ـــــ اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: معتکف بیمار پرسی کے لئے نہ جائے اور جنازہ کے ساتھ بھی نہ جائے جیسا کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں آیا ہے (کہ نبی ﷺ انسانی حاجت ہی کے لئے گھر میں تشریف لاتے تھے) اور امام اسحاق فرماتے ہیں: اگر معتکف نے اس کی شرط کی ہے تو جنازہ کے ساتھ جا سکتا ہے اور بیمار پرسی بھی کر سکتا ہے (یعنی جو رائے سفیان ثوری اور ابن المبارک کی تھی وہی امام اسحاق کی بھی ہے)

بابُ ماجاءَ فِیْ قِیَامِ شَھْرِ رَمَضَانَ

تراویح کا بیان

اس باب میں تراویح کا بیان ہے۔ تراویح دور مابعد کی اصطلاح ہے اس کا پرانا نام ''قیام رمضان'' ہے۔ حدیثوں میں یہی لفظ آیا ہے، قیام رمضان کا لفظی ترجمہ ہے: رمضان میں کھڑا ہونا، اور اصطلاحی معنی ہیں: رمضان میں عشاء کے بعد سونے سے پہلے نفلیں پڑھنا۔ تمام امت متفق ہے کہ رمضان میں عشاء کے بعد سونے سے پہلے جماعت کے ساتھ نفلیں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، اگرچہ رکعتوں کی تعداد میں اختلاف ہے، مگر چاروں فقہوں میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، مالکیہ کا ایک قول وتروں سمیت اکتالیس رکعتوں کا بھی ہے اور دوسرا قول وتروں کے علاوہ چھتیس رکعتوں کا ہے۔ اگر اس میں وتر کی تین رکعتیں اور بعد کی دو سنتیں شامل کر لی جائیں تو مجموعہ اکتالیس رکعتیں ہو جائے گا۔ لیکن مالکیہ کے یہاں بھی فتوی اور عمل بیس رکعت پر ہے، دوسرے اقوال کی بنیاد رشک تھی، مکہ والے ترویحہ میں طواف کرتے تھے، مدینہ والوں نے ترویحہ میں انفراداً چار نفلیں پڑھنا شروع کر دیں، تاکہ ثواب میں وہ پیچھے نہ رہیں، اس طرح چھتیس رکعتیں ہو گئیں۔

اس کے بعد چند باتیں ذہن نشین کرنی چاہئیں:

پہلی بات: نبی ﷺ قیام رمضان کی صرف ترغیب دیتے تھے، آپؐ کے زمانہ میں باجماعت تراویح کا نظام نہیں بنا تھا۔ ملت کی تنظیم کے لئے یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تراویح کی ترغیب دیتے تھے تاکید (وجوب) کے ساتھ حکم دیئے بغیر، چنانچہ آپؐ فرماتے تھے: ''جو شخص یقین اور ثواب کی امید کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل پڑھے گا اس کے تمام گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے'' (مشکوٰۃ حدیث ۱۲۹۶) اس لئے لوگ اپنے گھروں میں اور مسجد نبوی میں نوافل میں مشغول رہتے تھے، ایک رات اچانک آپؐ معتکف سے یعنی بوریے کے اس حجرہ سے جو آپؐ کے لئے مسجد نبوی میں تیار کیا جاتا تھا اور جس میں آپؐ دوران اعتکاف قیام فرماتے تھے باہر تشریف لائے اور مسجد میں موجود لوگوں سے فرمایا: ''آؤ میں تمہیں نماز پڑھاؤں'' صبح جب اس بات کا چرچا ہوا تو اگلی رات بہت لوگ جمع ہو گئے، بایں امید کہ شاید آج بھی آپؐ نوافل پڑھائیں، چنانچہ آپ حسب امید نکلے اور نوافل پڑھائیں، اب تو لوگوں کا غالب گمان ہو گیا کہ آپؐ اسی طرح ہر رات نوافل پڑھائیں گے، چنانچہ تیسری یا چوتھی رات مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی، مگر آپ تشریف نہ لائے، لوگوں نے خیال کیا کہ شاید آنکھ لگ گئی ہے، اس لئے کسی نے کھنکارا، کسی نے حجرے کی چٹائی پر کنکری ڈالی کہ آواز سے آپؐ کی آنکھ کھل جائے، مگر آپؐ تشریف نہ لائے۔ لوگ مایوس ہو کر منتشر ہو گئے، صبح آپؐ نے فرمایا: ''میں رات برابر تمہارا عمل دیکھتا رہا، یہاں تک کہ

مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض کردی جائے اور اگر یہ نماز تم پر فرض کردی گئی تو تم اس کو نباہ نہ سکو گے" (بخاری حدیث ۲۰۱۲) اس کے بعد آپؐ نے وفات تک تراویح نہیں پڑھائی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی حال رہا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی چھ سالوں میں بھی یہی طریقہ رہا، کیونکہ وہ سال سخت آزمائش کے ساتھ، مسلمان بیک وقت دو سپر پاوروں سے یعنی روم اور ایران سے جنگوں میں مصروف تھے، جب یہ دونوں طاقتیں ٹوٹیں اور گونہ سکون نصیب ہوا تو حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت کے آخری چھ سالوں میں ملک وملت کی تنظیم سے متعلق بہت سے کام کئے ہیں ان میں سے ایک کام باقاعدہ تراویح کا نظام بنانا ہے، الدرالمنثور سورۃ القدر کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے میرے مشورے سے باجماعت تراویح کا نظام بنایا ہے۔

دوسری بات: جب تراویح کا باقاعدہ نظام بنایا گیا تو شروع میں امام آٹھ رکعت پڑھاتا تھا اور سحری کے وقت تک پڑھاتا تھا، موطا میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا، جن سے لوگ فجر سے کچھ ہی دیر پہلے فارغ ہوتے تھے (موطا مالک ص: ۴۰) اس وقت یہ خیال تھا کہ یہ تہجد کی نماز ہے۔ پھر آپ نے رکعتوں کی تعداد بڑھا کر بیس کردی اور قراءت ہلکی کرنے کا حکم دیا، کیونکہ بعد میں یہ بات سامنے آئی کہ نبی ﷺ نے جو دو یا تین دن نماز پڑھائی تھی وہ بیس رکعتیں پڑھائی تھیں اور وہ تہجد کی نماز نہیں تھی، بلکہ مستقل نماز تھی۔ پھر جب سے حضرت عمرؓ نے نظام بدلا آج تک شرقاً غرباً یہی نظام چل رہا ہے، صرف غیر مقلدین اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں مگر گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع پر اثر انداز نہیں ہوتا، فتح الباری شرح صحیح البخاری (۲: ۴۲۰) میں ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ حضرت عمرؓ کے پاس تراویح کی بیس رکعتوں کے لئے آنحضرت ﷺ کی جانب سے کوئی عہد تھا؟ امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا: حضرت عمرؓ اپنی طرف سے ایجاد کرنے والے نہیں تھے، یعنی یقیناً ان کے پاس اس کا ثبوت تھا۔

اور بیہقی، طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ ماہ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے جو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا اور جس کو تہجد کے وقت تک جاری رکھا جاتا تھا اس کا مدار تہجد کی روایت پر تھا مگر بعد میں یہ بات واضح ہوئی کہ رمضان میں بھی تہجد اپنی جگہ پر ہے اور قیام رمضان (تراویح) اس کے علاوہ نماز ہے، چنانچہ آپ نے اس روایت کی بناء پر جس کو ابن عباس نے روایت کیا ہے: رکعتوں کی تعداد بڑھادی اور قراءت میں تخفیف کردی تاکہ لوگ تراویح سے فارغ ہو کر سو جائیں اور آخر شب میں اٹھ کر حسب معمول تہجد ادا کریں، رہا ابن عباسؓ کی روایت کا ضعف تو اس کی تلافی تعامل سے ہوجاتی ہے، بلکہ تعامل کی موجودگی میں روایت کی سرے سے ضرورت باقی نہیں رہتی، مثلاً کلمۂ اسلام: لا إله إلا الله محمد رسول الله کسی روایت سے ثابت نہیں اگرچہ اس کے دونوں اجزاء قرآن کریم میں آئے ہیں مگر دونوں کا مجموعہ

کلمۂ اسلام ہے یہ بات کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں۔ مگر چونکہ پوری امت مسلمہ کا اس پر تعامل ہے اور اجماع قوی دلیل ہے اس لئے سند کی مطلق حاجت نہیں۔

تیسری بات: بخاری شریف (حدیث ۲۰۱۰) میں ہے کہ اس نئے نظام کے شروع ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے، لوگوں کو ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: نِعْمَتِ البدعةُ هذه، والتی تَنامون عنها أفضلُ من التی تقومون۔ یعنی یہ نہایت عمدہ نئی بات ہے اور جس نماز سے تم سوتے رہتے ہو، وہ اس سے جس کو تم ادا کرتے ہو افضل ہے۔

اس ارشاد کا پس منظر دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

ایک: یہ کہ جب تراویح کا باقاعدہ نظام بنایا گیا تو لوگوں میں چہ مگوئیاں ہوئیں کہ یہ کیا نئی بات شروع ہوئی، جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی پختہ بنائی تو بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تو کسری کا محل تعمیر ہو گیا۔

دوسری: یہ کہ تہجد کی نماز کو آخر شب کے بجائے شروع رات میں کیوں کر دیا گیا؟ آخر شب تو افضل وقت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مذکورہ ارشاد میں دونوں باتوں کا جواب دیا ہے:

پہلی بات کا جواب یہ دیا ہے کہ اگر یہ نئی چیز ہے تو نہایت شاندار نئی چیز ہے، کیونکہ اس کی اصل موجود ہے اور وہ آپ کا دو دن یا تین دن باجماعت نوافل پڑھانا ہے ـــــ آپ نے لفظ بدعت اس کے لغوی معنی میں استعمال کیا ہے اور بالفرض کلام کیا ہے، لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت: بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے اور سیۂ بھی، اور بدعت اصطلاحی صرف بدعت سیۂ ہوتی ہے وہ حسنہ نہیں ہوتی۔ اور دوسری بات کا جواب: آپ نے یہ دیا ہے کہ یہ تہجد کی نماز نہیں ہے، تہجد اپنی جگہ برقرار ہے جس سے لوگ غفلت برتتے ہیں، سحری کے لئے اٹھتے ہیں مگر تہجد نہیں پڑھتے حالانکہ وہ تراویح سے افضل ہے۔

پس آپ کے اس ارشاد سے صاف معلوم ہوا کہ تراویح: تہجد کی تقدیم نہیں ہے بلکہ یہ مستقل نماز ہے اور اس کی باجماعت ادائیگی بھی بدعت نہیں ہے، کیونکہ اس کی اصل موجود ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے التلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر (۱۱۹:۱) میں یہ روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دن جماعت سے جو نماز پڑھائی تھی وہ بیس رکعتیں پڑھائی تھیں۔ حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث بیہقی (۴۹۶:۲) میں ہے کہ نبی ﷺ ماہ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعتیں اور وتر پڑھتے تھے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جو کتاب الصلوٰۃ باب ۲۱۱ میں گذری ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے وہ روایت قیام رمضان (تراویح) سے متعلق نہیں ہے، بلکہ صلاۃ اللیل (تہجد) سے متعلق ہے، پس غیر مقلدین کا اس حدیث کی بناء پر تراویح کی

آٹھ رکعت کی بات کہنا صحیح نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ یہ آٹھ رکعتیں سال بھر پڑھتے تھے اور تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے، پس جن اکابر علماء نے حضرت عائشہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی روایتوں میں موازنہ کیا ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت کو اصح قرار دیا ہے یہ موازنہ درست نہیں، موازنہ ایک باب کی روایتوں میں کیا جاتا ہے دو الگ الگ بابوں کی روایتوں میں نہیں کیا جاتا۔

علاوہ ازیں بیس رکعت تراویح پر چاروں ائمہ، تمام صحابہ وتابعین اور تمام علماء کا اجماع ہے اور اگر بالفرض حضرت عائشہ کی اس حدیث کو تراویح سے متعلق کیا جائے تو غیر مقلدین سے عرض ہے کہ آنحضور ﷺ اس نماز کو سال بھر پڑھتے تھے، آپ بھی سال بھر پڑھیں تو ہم جانیں کہ آپ ''اہل حدیث'' ہیں، یہ کیا کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ، کڑوا کڑوا تھوتھو! اور اگر وہ کہیں کہ نبی ﷺ نے صرف تین دن یا دو دن رمضان میں باجماعت پڑھی ہے اس لئے ہم اس پر عمل کرتے ہیں تو سنیں: اس حدیث پر عمل کرنا ہے تو تراویح جماعت کے ساتھ صرف دو دن یا تین دن پڑھو، پھر مسجدوں سے دفع ہو جاؤ تاکہ فتنہ ختم ہو اور وہ بھی مہینے کی آخری تاریخوں میں تاکہ پورا رمضان مسجدوں میں سکون رہے (اس سلسلہ میں کچھ کلام کتاب الصلوٰۃ باب ۲۱۱ میں بھی گذر چکا ہے)

حدیث: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (رمضان کے) روزے رکھے، پس آپؐ نے ہمیں (رمضان کی راتوں میں) نوافل (تراویح) نہیں پڑھائے، یہاں تک کہ سات راتیں باقی رہ گئیں (یعنی پہلی بار ۲۳ویں شب میں تراویح پڑھائی) پس آپؐ نے ہمیں نوافل پڑھائے یہاں تک کہ رات کا ایک تہائی حصہ گذر گیا، پھر (آخر سے) چھٹی رات میں (۲۴ویں شب میں) نوافل نہیں پڑھائے، اور پانچویں (۲۵ویں) شب میں آدھی رات تک نماز پڑھائی۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! کاش آپؐ ہمیں رات کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے اس میں بھی نوافل پڑھاتے، آپؐ نے فرمایا: جس نے امام کے ساتھ عشاء پڑھی یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو کر پلٹا تو اس کے لئے پوری رات نفلیں پڑھنے کا ثواب لکھا جائے گا (یعنی وہ حکماً پوری رات نفلیں پڑھنے والا شمار ہوگا) پھر آپؐ نے ہمیں نوافل نہیں پڑھائے یہاں تک کہ مہینے میں تین راتیں باقی رہ گئیں (یعنی ۲۶ویں شب میں نوافل نہیں پڑھائے) اور آپؐ نے ہمیں (آخر سے) تیسری رات میں (یعنی ۲۷ویں شب میں) نوافل پڑھائے اور اپنے گھر والوں کو اور اپنی عورتوں کو (یہ عطف تفسیری ہے) نماز میں حاضر رہنے کے لئے فرمایا۔ پس آپؐ نے ہمیں نوافل پڑھائے یہاں تک کہ سحری کا وقت تنگ ہو گیا۔ جبیر بن نفیر کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا: فلاح سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے فرمایا: سحری!

تشریح: سحری کا وقت تنگ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صبح صادق سے دس پندرہ منٹ پہلے تک تراویح پڑھائی بلکہ سحری کے لئے عورتیں کھانا پکاتی ہیں، سونے والوں کو اٹھاتی ہیں اور لوگ سحری کھاتے ہیں، یہ سب سحری کا وقت ہے،

پس حدیث میں جو ہے کہ سحری کا وقت تنگ ہوگیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مرد وزن مسجد نبوی میں جماعت میں شریک ہیں نماز ختم ہونے کے بعد وہ گھر جائیں گے، کھانا پکائیں گے، اور سحری کھائیں گے اس سب کے لئے وقت تنگ ہوگیا۔

[۸۰] باب ماجاء في قيام شهر رمضان

[۷۹٦-] حدثنا هَنَّادٌ، نا محمدُ بنُ الفُضَيْلِ، عن دَاوُدَ بنِ أبي هِنْدٍ، عن الوَلِيْدِ بنِ عبدِ الرحمنِ الجُرَشِيِّ، عن جُبَيْرِ بنِ نُفَيْرٍ، عن أبي ذَرٍّ، قال: صُمْنَا مَعَ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَلَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ مِنَ الشَّهْرِ، فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ، ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنا فِي السَّادِسَةِ، وقَامَ بِنَا فِي الْخَامِسَةِ حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ، فَقُلْنَا: يارسولَ الله! لَوْ نَفَّلْتَنَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِنَا هٰذِهِ؟ فَقالَ: " إِنَّهُ مَنْ قَامَ مَعَ الإِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ" ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتّٰى بَقِيَ ثَلَاثٌ مِنَ الشَّهْرِ، وَصَلّٰى بِنَا فِي الثَّالِثَةِ، وَدَعَا أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ، فَقَامَ بِنَا حَتّٰى تَخَوَّفْنَا الْفَلَاحَ، قُلْتُ لَهُ: وَمَا الْفَلَاحُ؟ قَالَ السُّحُوْرُ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

واخْتَلَفَ أهلُ العلمِ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ، فَرأى بَعْضُهُمْ أَنْ يُصَلِّيَ إِحْدَى وَأَرْبَعِيْنَ رَكْعَةً مَعَ الْوِتْرِ، وَهُوَ قَوْلُ أهلِ الْمَدِيْنَةِ، وَالْعَمَلُ على هٰذَا عِنْدَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ، وَأَكْثَرُ أهلِ العلمِ على مَارُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرَ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم عِشْرِيْنَ رَكْعَةً، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وابنِ المباركِ وَالشافِعِيِّ.

وقال الشافِعِيُّ: وهٰكَذَا أَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا بِمَكَّةَ، يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً، وَقَالَ أَحْمَدُ: رُوِيَ فِي هٰذَا أَلْوَانٌ لَمْ يَقْضِ فِيْهِ بِشيءٍ، وقال إسحاقُ: بَلْ نَخْتَارُ إِحْدَى وَأَرْبَعِيْنَ رَكْعَةً، عَلَى مَا رُوِيَ عن أُبَيِّ بنِ كَعْبٍ، واخْتَارَ ابنُ المباركِ وأحمدُ وإسحاقُ الصَّلَاةَ مَعَ الإِمَامِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ، واخْتَارَ الشَّافِعِيُّ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ وَحْدَهُ إِذَا كَانَ قَارِئًا.

ترجمہ: علماء کا قیامِ رمضان میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: آدمی وتر کے ساتھ اکتالیس رکعت پڑھے۔ اور یہ مدینہ والوں کا قول ہے، اور اس قول پر اہل مدینہ کا عمل ہے، اور اکثر علماء کا عمل اس روایت پر ہے جو حضرت علی، حضرت عمر اور ان کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیس رکعت کے سلسلہ میں مروی ہے (مالکیہ کے نزدیک بھی یہی مفتی بہ ہے) اور یہ ثوری، ابن المبارک اور شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے شہر مکہ میں اسی طرح پایا ہے (یعنی اہل مکہ کا معمول بیس رکعت پڑھنے کا تھا) اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: تراویح کے سلسلہ میں مختلف روایتیں مروی ہیں، انھوں نے ان میں کوئی فیصلہ نہیں کیا (امام احمد کے نزدیک بھی بیس رکعت کی روایت راجح ہے اور اسی پر فتوی ہے،

معارف) اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: بلکہ ہمیں اکتالیس رکعتوں والا قول پسند ہے، اس وجہ سے کہ یہ بات ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (کہ وہ اکتالیس رکعتیں پڑھاتے تھے) اور ابن المبارک، احمد اور اسحاق نے ماہ رمضان میں امام کے ساتھ نوافل پڑھنے کو پسند کیا ہے اور امام شافعی نے اس کو پسند کیا ہے کہ اگر آدمی حافظ ہو تو علحدہ نماز پڑھے۔

تشریح:

۱- مولانا انور شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: میرے علم میں کوئی ایسی حدیث نہیں، نہ قوی اور نہ ضعیف جس میں ابی بن کعبؓ سے تراویح کی اکتالیس رکعتیں پڑھانا مروی ہو، اور نہ میں حفاظ حدیث میں سے کسی کو جانتا ہوں جس نے یہ بات کہی ہو (معارف)

۲- مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، البتہ حافظ ایک سامع کو ساتھ لے کر الگ تراویح پڑھے تو جائز ہے تاکہ اس کا حفظ باقی رہے، مگر ان کے لئے بھی عشاء باجماعت مسجد میں پڑھنی ضروری ہے، کیونکہ ایسے حفاظ سیکڑوں ہو سکتے ہیں، پس اگر سب اپنی اپنی جگہ عشاء پڑھیں گے تو مسجد کی جماعت کی شان باقی نہیں رہے گی، اسی طرح ہر حافظ کئی آدمی ساتھ لے جائے گا تو بھی تراویح کی جماعت متاثر ہوگی اس لئے صرف ایک سامع لے جا سکتا ہے۔

بابُ ماجاء فی فَضْلِ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا

روزہ افطار کرانے کا ثواب

فَطَّرَ: کے معنی ہیں: روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلانا، عربوں کا طریقہ ہم سے مختلف تھا، ہمارے یہاں طریقہ یہ ہے کہ غروب کے بعد تھوڑا سا کھا لیتے ہیں، پھر نماز سے فارغ ہو کر پیٹ بھر کر کھاتے ہیں، اور عربوں میں یہ طریقہ تھا کہ جب وہ روزہ کھولتے تھے تو پیٹ بھر کر کھا لیتے تھے، پھر مغرب کے بعد نہیں کھاتے تھے، اس لئے فَطَّرَ کا مفہوم پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے، اس باب میں یہ بیان ہے کہ اگر روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلایا جائے تو اس کا کیا ثواب ہے؟

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے روزہ دار کو افطار کرایا تو اس کو روزہ دار کے مانند ثواب ملے گا۔ اور روزہ دار کے ثواب میں سے کچھ کم نہیں ہوگا، یعنی یہ ثواب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عنایت فرمائیں گے، روزہ دار کے ثواب میں سے کٹوتی کر کے نہیں دیں گے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ مضمون بھی آیا ہے کہ جب نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص روزہ دار کو افطار کرانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپؐ نے فرمایا: ایک گھونٹ دودھ، ایک گھونٹ پانی

اور ایک کھجور پر بھی اللہ تعالیٰ یہ ثواب عنایت فرماتے ہیں۔ صحابہ کا یہ سوال دلیل ہے کہ فطّر کے اصل معنی ہیں: پیٹ بھر کر کھلانا اگر فطّر کا یہ مفہوم نہ ہوتا تو صحابہ کو سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کی نظیر پہلے گذر چکی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو صلوٰۃ التسبیح سکھلائی اور اس کے فوائد بتائے تو انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ نماز روز کون پڑھ سکتا ہے؟ حالانکہ آپؐ نے روز پڑھنے کے لئے نہیں فرمایا تھا، معلوم ہوا کہ فضائل کی حدیثوں میں دَاوَمَ، ثَابَر اور وَاظَبَ کی قید ملحوظ ہوتی ہے، خواہ وہ قید مذکور ہو یا نہ ہو، اسی طرح یہاں صحابہ کا سوال دلیل ہے کہ فطّر کا مفہوم پیٹ بھر کر کھلانا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر پیٹ بھر کر کھلانے کی استطاعت نہ ہو تو بقدر استطاعت افطار کرانے پر بھی اللہ تعالیٰ یہ ثواب عنایت فرماتے ہیں۔

[۸۱] باب ماجاء في فضل من فَطَّرَ صائما

[۷۹۷-] حدثنا هَنَّادٌ، نا عبدُ الرَّحِيمِ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ أبي سُلَيْمَانَ، عن عَطَاءٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قال: قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بَابُ التَّرْغِيبِ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَمَاجَاءَ فِيهِ مِنَ الْفَضْلِ

رمضان کی راتوں میں سونے سے پہلے نفلوں کی ترغیب اور اس کا ثواب

پہلے یہ بات آچکی ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں تراویح جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی جاتی تھی، البتہ آپؐ تاکید (وجوب) کے ساتھ حکم دیئے بغیر اس کی ترغیب دیتے تھے اور اس کا ثواب بیان کرتے تھے اور صحابہ فرداً فرداً یہ نماز پڑھتے تھے۔ تراویح کا باقاعدہ نظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بنا ہے اور اس وقت سے آج تک شرقاً غرباً جماعت کے ساتھ بیس رکعت تراویح پڑھنے کا تعامل چلا آرہا ہے۔

[۸۲] باب الترغيب في قيامِ شهرِ رمضانَ، وماجاء فيه مِن الفضل

[۷۹۸-] حدثنا عبدُ بنُ حُمَيْدٍ، نا عبدُ الرَّزَّاقِ، نا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عن أبي سَلَمَةَ، عن أبي هريرةَ، قال: كَانَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم يُرَغِّبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ بِعَزِيْمَةٍ، ويقولُ: "مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا واحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ" فَتُوُفِّيَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم والأَمْرُ عَلَى ذلكَ، ثُمَّ كَانَ الأَمْرُ كَذَلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ

بنِ الخَطَّابِ على ذَلكَ.

وفي الباب: عن عائشةَ، هذا حديثٌ صحيحٌ، وقَدْ رُوِيَ هذا الحديثُ أيضًا عن الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عن عائشةَ عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

﴿آخِرُ أبوابِ الصَّوْمِ﴾

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ قیامِ رمضان کی ترغیب دیا کرتے تھے لوگوں کو تاکید کے ساتھ حکم دیئے بغیر اور فرماتے تھے: ''جو شخص رمضان میں ایمان واحتساب کے ساتھ سونے سے پہلے نوافل پڑھے گا اس کے سابقہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے'' پس رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوگیا اور یہی طریقہ رہا (یعنی جماعت کے ساتھ تراویح کا نظام شروع نہیں ہوا) پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی یہی طریقہ رہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں یہی طریقہ رہا —— اس حدیث کی ابن شہاب سے اوپر دو سندیں ہیں: ایک: عن أبی سلمة، عن أبی هريرة اور دوسری: عن عروة، عن عائشة۔

تشریح: ایمان ویقین کے معنی تو سب جانتے ہیں، اور احتساب کے معنی ہیں ثواب کی امید رکھنا، جو کام کسی وجہ سے دشوار ہوتا ہے حدیثوں میں جب اس کا حکم دیا جاتا ہے تو ایمان واحتساب کی قید لگائی جاتی ہے، اور عطف تفسیری ہوتا ہے اور ایمان سے مراد بھی ثواب کا یقین ہے، پس ایمان واحتساب کے معنی ایک ہیں، یہ ایک فارمولہ ہے عمل کو آسان بنانے کا، جب عمل کا ثواب پیش نظر ہوتا ہے تو شوق سے عمل وجود میں آتا ہے، ورنہ بیکار معلوم ہوتا ہے۔ رمضان میں طویل نفلیں پڑھنا، اور شبِ قدر میں نفلیں پڑھنا چونکہ دشوار عمل تھا اس لئے یہ قید لگائی، تراویح کا ثواب سابقہ گناہوں کی بخشش ہے، جب مؤمن یہ ثواب پیش نظر رکھے گا تو اس کے لئے نفلیں پڑھنا آسان ہوگا۔

نوٹ: اردو میں احتساب کے معنی ہیں: جانچ پڑتال کرنا۔ بعض حضرات نے حدیث میں یہ معنی لئے ہیں کہ آدمی عمل کرتے وقت اپنے نفس کا جائزہ لے کہ نیت میں کھوٹ تو نہیں، یہ بات اگرچہ درست ہے مگر اس حدیث کی شرح میں یہ معنی لینا ٹھیک نہیں۔

الحمد للہ! کتاب الصوم کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أبوابُ الحَجِّ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حج کا بیان

بابُ ماجاءَ فی حُرْمَةِ مَكَّةَ

حرم محترم کا بیان

حَجَّ (ن) حَجًّا کے لغوی معنی ہیں: قصد کرنا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: کعبہ شریف کی زیارت کا قصد کرنا۔ اور اعْتَمَرَ الْمَكَانَ: کے معنی بھی قصد کرنا اور زیارت کرنا ہیں، اور اسی سے ''عمرة'' ہے۔ اور ان عبادتوں کے نام حج اور عمرہ اس لئے ہیں کہ دونوں میں بیت اللہ کی زیارت کا قصد کیا جاتا ہے۔ پس عمرة چھوٹا حج ہے اور حج بڑا حج ہے، مگر جب چھوٹے حج کے لئے عمرة کی اصطلاح بن گئی تو اب حج کے لئے ''اکبر'' کی قید ضروری نہیں رہی، البتہ اگر دونوں کے لئے حج ہی کا لفظ استعمال کریں گے تو پھر حج کے ساتھ ''اکبر'' اور عمرہ کے ساتھ ''اصغر'' کی قید لگائیں گے۔ سورۂ توبہ آیت ۳ میں الحج الأكبر سے حج اصغر یعنی عمرہ سے احتراز مقصود ہے کہ براءت کا اعلان حج کے موقعہ پر منی میں کیا جائے۔ اور لوگوں میں جو مشہور ہے کہ اگر نو ذی الحجہ جمعہ کا دن ہو تو وہ حج اکبری ہے، یہ نئی اصطلاح ہے، نصوص میں اس کی کچھ اصل نہیں۔

اور عمرہ علحدہ کرنا بھی درست ہے اور حج کے ساتھ ملا کر کرنا بھی جائز ہے، حج کے ساتھ ملا کر کریں گے تو اس کا نام ''قران'' ہے اور حج سے علحدہ کریں گے اور حج کے سفر میں کریں گے تو اس کا نام ''تمتع'' ہے، اور عمرہ پورے سال ہوسکتا ہے صرف پانچ دنوں میں یعنی نو ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک ممنوع ہے۔

عمرہ کرنے کا طریقہ: عمرہ کرنے والا اگر آفاقی ہے تو میقات سے عمرہ کی نیت سے احرام باندھے —— حج اور عمرہ کا احرام ایک ہی طرح کا ہے صرف نیت کا فرق ہے —— اور اگر حِلّی ہے تو اپنے گھر سے یا حرم میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھے —— اور اگر حرمی ہے تو حرم سے باہر نکلے اور حل سے احرام باندھے تا کہ یک گونہ

سفر متحقق ہوجائے ——— پھر طواف اور سعی کرے اور احرام کھول دے یعنی سر منڈادے یا زلفیں بنوالے عمرہ مکمل ہوگیا[۱]

فائدہ: حرم: بیت اللہ کے اردگرد مخصوص جگہ کا نام ہے جس کی نشان لگا کر نشاندہی کردی گئی ہے جو مدینہ کی جانب تین میل، عراق کی جانب سات میل، جعرانہ کی جانب نو میل، اور جدہ کی جانب دس میل ہے (حاشیہ بخاری ۱: ۲۱۶ بحوالہ قسطلانی) اور حرم سے باہر اور میقات کے اندر کی جگہ حِل کہلاتی ہے، میقات پانچ ہیں: ذوالحلیفہ، جُحْفَة، قَرن المنازل، یلملم اور ذات عرق۔

ذوالحلیفہ: اہل مدینہ کا میقات ہے، مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے صرف پانچ چھ میل پر پڑتا ہے، یہاں سے مکہ مکرمہ تقریباً دو سو میل ہے بلکہ آج کل کے راستہ سے تو تقریباً ڈھائی سو میل ہے۔

جُحْفَة: یہ شام اور مغربی علاقوں سے آنے والوں کی میقات ہے اور مکہ معظمہ سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ساحل کے قریب ہے۔

قَرن المنازل: یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کی میقات ہے، مکہ معظمہ سے تقریباً ۳۵ میل مشرق میں نجد کے راستہ پر ایک پہاڑی ہے۔

ذاتِ عرق: یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں عراق کے راستہ پر واقع ہے، یہ مکہ معظمہ سے پچاس میل کی دوری پر واقع ہے۔

یلملم: یہ یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ تہامہ کی ایک معروف پہاڑی ہے جو مکہ معظمہ سے تقریباً چالیس میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔

اور حج کی تین قسمیں ہیں: افراد، تمتع اور قران، جو مکہ کا باشندہ ہے وہ تمتع اور قران نہیں کرسکتا، وہ صرف حج افراد کرے گا اور اس پر قربانی اور طواف وداع واجب نہیں اور آفاقی اور حِلّی تینوں قسم کا حج کرسکتے ہیں۔

حج کرنے کا طریقہ: حج کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک: مکہ کے باشندوں کے لئے، خواہ وہ مکہ کے اصلی باشندے ہوں یا حج تمتع کی نیت سے باہر سے آئے ہوں اور عمرہ کا احرام کھول کر مکہ میں مقیم ہوگئے ہوں، دوسرا: آفاقی کے لئے یعنی میقات سے باہر رہنے والوں کے لئے۔

مکہ سے حج کرنے کا طریقہ: حاجی مکہ ہی سے احرام باندھے، خواہ گھر میں باندھے یا مسجد حرام میں باندھے، اور احرام میں ان امور سے اجتناب کرے: (۱) جماع اور اس کے اسباب (بوس و کنار) سے (۲) سر منڈانے سے اور

(۱) آفاقی: مواقیت سے باہر کا رہنے والا ——— حِلّی: حرم شریف اور مواقیت کے درمیان میں رہنے والا ——— حرمی: حرم شریف کے اندر کا باشندہ ۱۲

بدن کے کسی بھی حصہ کے بال کٹوانے سے (۳) ناخن ترشوانے سے (۴) سلا ہوا کپڑا پہننے سے (۵) سر ڈھانکنے سے (۶) خوشبو لگانے سے (۷) شکار کرنے سے (۸) اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نکاح کرنے سے، یہ آٹھ باتیں ممنوعات احرام کہلاتی ہیں، پھر آٹھ ذی الحجہ کو منی جائے وہاں ظہر سے نو ذی الحجہ کی صبح تک پانچ نمازیں پڑھے، پھر نو ذی الحجہ کی صبح کو وہاں سے عرفہ کے لئے روانہ ہو، منی کا یہ قیام ضروری نہیں، صرف سنت ہے، پس اگر کوئی مکہ سے نو ذی الحجہ کو سیدھا عرفہ چلا جائے تو بھی درست ہے۔ اور میدانِ عرفہ میں ۹ ذی الحجہ کی شام تک رکا رہے، یہاں مسجد نمرۃ میں ظہر وعصر: ظہر کے وقت میں ایک ساتھ پڑھے، اور نماز سے فارغ ہو کر عرفہ کے کاموں میں یعنی ذکر واذکار اور دعا میں لگ جائے۔ اسی کا نام وقوفِ عرفہ ہے اور یہ حج کا سب سے اہم رکن ہے۔ اور عرفہ کے کاموں میں سب سے اہم دعا میں مشغول ہونا ہے، پھر وہاں سے غروب آفتاب کے بعد لوٹے اور ابھی مغرب نہ پڑھے، مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء ایک ساتھ ادا کرے اور مزدلفہ میں رات گذارے، فجر کی نماز کے بعد وقوفِ مزدلفہ کرے یعنی ذکر واذکار اور دعا میں مشغول ہو، پھر وہاں سے طلوع آفتاب سے کچھ پہلے منی کے لئے روانہ ہو جائے اور منی میں پہنچ کر جمرۂ عقبہ کی رمی کرے، پھر قربانی اگر ساتھ ہو تو اس کو ذبح کرے یہ قربانی (مفرد کے لئے) سنت ہے پھر احرام کھول دے خواہ سر منڈوائے یا بال ترشوائے۔ اب بیوی کے علاوہ سب چیزیں حلال ہو گئیں (البتہ خوشبو لگانے میں اختلاف ہے تفصیل آگے آرہی ہے) پھر طوافِ زیارت کرے (یہ حج کا دوسرا رکن ہے اور فرض ہے) اس کے بعد بیوی اور خوشبو بھی حلال ہو جاتی ہے، اور طوافِ زیارت کا وقت: دس ذی الحجہ کی صبح صادق سے بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے تک ہے، البتہ حائضہ جب بھی پاک ہو طوافِ زیارت کرے، اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرے (اور اگر حج کا احرام باندھ کر نفل طواف کیا ہے اور اس کے بعد سعی بھی کر لی ہے تو اب طوافِ زیارت کے بعد سعی نہ کرے) پھر منی میں قیام کرے اور روزانہ تینوں جمرات کو کنکریاں مارے، بارہ کی رمی کے بعد حج مکمل ہو گیا پھر اگر مکی ہے تو اس پر طوافِ وداع نہیں اور آفاقی ہے تو روانگی کے وقت طوافِ وداع کرے، یہ طواف واجب ہے مگر جو عورت واپسی کے وقت ماہواری میں ہو اس پر واجب نہیں وہ طوافِ وداع کئے بغیر بھی وطن لوٹ سکتی ہے۔

آفاق سے حج کرنے کا طریقہ: میقات سے حج کا احرام باندھے پھر اگر سیدھا عرفہ چلا جائے تو اس پر طوافِ قدوم نہیں اور اگر وقوفِ عرفہ سے پہلے مکہ میں داخل ہو تو طوافِ قدوم کرے۔ یہ طواف سنت ہے اور اس میں رمل کرے اور اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرے مگر سعی اسی وقت واجب نہیں، اس کو مؤخر بھی کر سکتا ہے، یعنی طوافِ زیارت کے بعد بھی سعی کر سکتا ہے پھر حالت احرام میں رہے یہاں تک کہ وقوفِ عرفہ کرے اور دس ذی الحجہ کو رمی کرے اور سر منڈا کر یا بال ترشوا کر احرام کھول دے اس کے بعد طوافِ زیارت کرے اور اس میں رمل اور اس کے بعد سعی نہ کرے (لیکن اگر طوافِ قدوم کے بعد سعی نہیں کی تو طوافِ زیارت میں رمل اور طواف کے بعد سعی بھی کرے)

حج تمتع کا طریقہ: آفاقی حج کے مہینوں میں یعنی شوال کا چاند نظر آنے کے بعد عمرہ کا احرام باندھے پھر مکہ پہنچے اور اپنا عمرہ پورا کرے اور احرام کھول دے، پھر حلال ہونے کی حالت میں مکہ میں رکا رہے یعنی وطن نہ لوٹے پھر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ ہی سے حج کا احرام باندھے اور حج ادا کرے، متمتع پر قربانی واجب ہے۔

حج قران کا طریقہ: آفاقی میقات سے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے پھر احناف کے نزدیک: مکہ پہنچ کر پہلے طواف قدوم کرے یہ سنت ہے پھر عمرہ کا طواف کرے اور اس کے بعد عمرہ کی سعی کرے یہ افعال عمرہ ہیں، پھر احرام کی حالت میں مکہ میں ٹھہرا رہے اور نفل طواف وغیرہ عبادتیں کرتا رہے، پھر حج کرے اور وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت کرے اور اس کے بعد حج کی سعی کرے یہ حج کا طواف اور سعی ہیں، پس قارن پر احناف کے نزدیک دو طواف اور دو سعی لازم ہیں، ایک عمرہ کا طواف اور سعی دوسرا حج کا طواف اور سعی۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قارن مکہ میں پہنچ کر صرف طواف قدوم کرے یہ سنت طواف ہے پھر احرام کی حالت میں ٹھہرا رہے، یہاں تک کہ حج کرے اور دس ذی الحجہ کو طواف کرے اور اس کے بعد سعی کرے، یہ طواف وسعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں کے افعال میں تداخل ہو جاتا ہے اور قارن پر بھی قربانی واجب ہے۔

نوٹ: آگے چونکہ پوری کتاب الحج میں حج وعمرہ کے ارکان وافعال متفرق بیان ہوئے ہیں اس لئے یہاں حج وعمرہ کا مکمل طریقہ ایک ساتھ بیان کر دیا تاکہ ان کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ حرم کے احکام دیگر جگہوں سے مختلف ہیں، وہاں شکار کرنا جائز نہیں جو پالتو جانور ہیں جیسے بکری، گائے، مرغی وغیرہ ان کو ذبح کر کے کھا سکتے ہیں، مگر جو شکار ہیں جیسے کبوتر اس کو حرم میں مارنا جائز نہیں، اگر کوئی ان کو ذبح کرے گا تو وہ مردار ہو جائے گا، چاہے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہو اس کا کھانا جائز نہیں اور جزاء (بدلہ) واجب ہے، البتہ اس حکم سے پانچ جانور مستثنیٰ ہیں (تفصیل آگے آرہی ہے) اور یہ حکم محرم غیر محرم سب کے لئے ہے، اسی طرح حرم کی خودرو گھاس اور جنگلی درخت کاٹنا جائز نہیں، البتہ جو درخت ایسا ہے جس کو انسان اگاتا ہے جیسے: آم، سیب، کیلا، گیہوں وغیرہ ان کو کاٹنا جائز ہے، خواہ خود اگا ہو یا کسی نے اگایا ہو، اسی طرح خودرو گھاس یا درخت یا اس کی کوئی ٹہنی جب سوکھ جائے تو اس کو کاٹ سکتے ہیں اور تر گھاس اور تر درخت کو کاٹنے میں جزاء واجب ہوتی ہے۔ اور حرم کی گھاس اور درخت اگر جانور خود چریں تو مضائقہ نہیں، مگر گھاس کو کاٹ کر یا پتے توڑ کر جانور کو کھلانا جائز نہیں، ورنہ جزاء واجب ہوگی۔

اور جاننا چاہئے کہ حرم میں خودرو گھاس یا درخت شاذ ونادر ہی پیدا ہوتے ہیں، وہاں پتھر ہی پتھر ہیں، گھاس کا نام ونشان نہیں، البتہ اب حکومت اس کی طرف متوجہ ہے اس نے درخت لگائے ہیں مگر وہ انسان کے اگائے ہوئے ہیں، اس لئے ان کو کاٹنا جائز ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اگر کوئی شخص جنایت کر کے حرم میں گھس جائے تو اُسے وہاں سزا دی جائے گی یا نہیں؟
جواب یہ ہے کہ اگر اس نے کوئی مالی جرم کیا ہے، جیسے کسی کا مال غصب کیا ہے یا بالقصد تلف کیا ہے یا کوئی مادون النفس جرم کیا ہے مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹ کر حرم میں پناہ لی ہے تو اُسے بالا جماع وہیں سزا دی جائے گی اور غصب کیا ہوا مال واپس لیا جائے گا، اور اگر فی النفس جرم کیا ہے یعنی عمداً کسی کو قتل کیا ہے تو اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے بھی وہیں قصاص لیا جائے گا، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ البتہ اس کا کھانا پانی بند کر دیا جائے گا تا آنکہ وہ مجبور ہو کر باہر نکلے یا بھوک سے مرجائے۔ احناف کی دلیل سورۂ آل عمران آیت ۹۷ ہے، ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ جو حرم میں داخل ہو گیا وہ مامون ہو گیا۔ اس آیت کے عموم سے بالا جماع دو شخص خاص ہیں: مالی جرم کرنے والا اور مادون النفس جنایت کرنے والا، اب اگر عمداً قتل کرنے والے کی بھی تخصیص کی جائے گی تو آیت کا کچھ مصداق باقی نہیں رہے گا، جیسے: متروک التسمیہ ناسیاً بالا جماع حلال ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک عامداً بھی حلال ہے۔ احناف کہتے ہیں: اگر متروک التسمیہ متعمداً بھی حلال ہوگا تو آیت: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ﴾ (سورۃ الانعام آیت ۱۲۱) کا کچھ مصداق باقی نہیں رہے گا۔ آیت ایسی مونگ پھلی ہو جائے گی جس میں دانہ نہیں، اس لئے احناف کہتے ہیں کہ جب نص کا ایک فرد باقی رہ جائے تو اب تخصیص جائز نہیں، اسی طرح ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ میں مالی جرم کی اور مادون النفس جنایت کی سب نے تخصیص کی ہے، اب اگر قتل عمد کی بھی تخصیص کی جائے گی تو آیت کا کچھ مصداق نہیں رہے گا، اس لئے احناف کے نزدیک فی النفس جنایت کرنے والا آیت کا مصداق ہے اسے حرم میں قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔

جب یزید بادشاہ بنا تو عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، وہ مکہ چلے گئے اور وہاں اپنے لئے بیعت لی، یزید نے مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید کو لکھا کہ وہ بزور عبداللہ کو بیعت پر مجبور کرے، چنانچہ اس نے مکہ لشکر روانہ کیا جب وہ لشکر روانہ کر رہا تھا تو ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور اسے یہ حدیث سنائی:

حدیث: ابو شریح عدویؓ سے مروی ہے: انھوں نے عمرو بن سعید سے کہا جبکہ وہ مکہ مکرمہ لشکر روانہ کر رہا تھا: اے امیر! آپ مجھے اجازت دیجئے میں آپ سے وہ بات بیان کروں جو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے اگلے دن اپنی تقریر میں بیان کی تھی جس کو میرے کانوں نے سنا ہے اور جس کو میرے دل نے محفوظ کیا ہے اور آپؐ کو میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں جب آپؐ تقریر فرما رہے تھے، آپؐ نے اللہ کی تعریف اور اس کی ثنا بیان کی پھر فرمایا: بیشک مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے اس کو کسی آدمی نے محترم قرار نہیں دیا، پس کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے: جائز نہیں کہ وہ حرم میں خون بہائے یا حرم کے کسی درخت کو کاٹے، پس اگر کوئی نبی ﷺ کے حرم میں قتال کرنے سے جواز پر استدلال کرے (فتح مکہ کے دن نبی ﷺ مکہ کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے

تھے، وہاں جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ زیریں حصہ سے داخل ہوئے تھے وہاں کچھ لوگوں نے مزاحمت کی تھی ان میں سے کچھ لوگ مارے گئے تھے) پس تم اس سے کہو: بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دی تھی اور تجھے اجازت نہیں دی۔ اور میرے لئے بھی حرم میں قتال کی اجازت دن کے ایک خاص حصہ میں تھی (نبی ﷺ کے لئے طلوع شمس سے عصر تک قتال کی اجازت تھی، سَاعَةً سے یہی وقت مراد ہے) اور آج اس کی حرمت لوٹ آئی ہے، گذشتہ کل کی حرمت کی طرح (یعنی اب میرے لئے بھی حرم میں قتال جائز نہیں) اور چاہئے کہ حاضرین غائبین تک یہ بات پہنچادیں۔

ابو شریح رضی اللہ عنہ سے طالب علموں نے پوچھا: عمرو بن سعید نے کیا جواب دیا؟ آپ نے فرمایا: اس نے کہا: اے ابو شریح! میں یہ مسائل آپ سے زیادہ جانتا ہوں، حرم کسی نافرمان کو پناہ نہیں دیتا اور نہ خون کر کے بھاگے ہوئے کو پناہ دیتا ہے اور نہ جنایت کر کے بھاگے ہوئے کو پناہ دیتا ہے (ایک روایت میں خِزْیَةٌ ہے یعنی جو رسوائی کا کام کر کے حرم میں پناہ لے اس کو حرم پناہ نہیں دیتا) ——— اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ طالب علموں نے پوچھا: جب عمرو بن سعید نے یہ بات کہی تو آپ نے کیا جواب دیا؟ آپ نے فرمایا: میں نے اس سے کہا: جب حضور ﷺ نے یہ تقریر فرمائی تھی میں وہاں موجود تھا اور تو نہیں تھا۔ اور نبی ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ حاضرین غائبین تک بات پہنچائیں سو میں نے پہنچادی اور یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا۔

تشریح: عمرو بن سعید کے نزدیک عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حکومت کے باغی تھے، اس وجہ سے وہ ان کے خلاف لشکر کشی کو جائز قرار دے رہا تھا حالانکہ ابن الزبیرؓ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت ہی نہیں کی تھی، پس اس سے بغاوت کیسی؟ اگر وہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے پھر اپنے لئے بیعت لیتے تو نافرمان ہوتے، اور نہ انھوں نے کوئی جنایت کی تھی اور نہ کسی کو قتل کیا تھا پس ان کے خلاف لشکر کشی کا کوئی جواز نہیں تھا۔

جاننا چاہئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ نے حضور ﷺ کے ارشاد: **ولا یحل لامرئ یؤمن باللہ والیوم الآخر أن یسفك بھادما** سے استدلال کیا ہے اور فرمایا ہے: جو کسی کو عمداً قتل کر کے حرم میں چلا جائے اُسے وہاں قتل نہیں کیا جائے گا، ورنہ حرم میں خون بہانا لازم آئے گا۔ اور ائمہ ثلاثہ نے عمرو بن سعید کے قول: **ولا فارًّا بدم** سے استدلال کیا ہے اس کی نظیر: حدیث ۲۹۹ ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے اور احناف کے نزدیک واجب یا سنت مؤکدہ اشد تاکید۔ وہاں یہ بات بتائی گئی ہے کہ شیخ الہند قدس سرہ نے فرمایا: ائمہ ثلاثہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے جس کو سن کر صحابہ ڈر گئے تھے اور حنفیہ کا استدلال اس ارشاد سے ہے جس کی وجہ سے صحابہ کو اطمینان نصیب ہوا تھا۔ یہاں بھی حنفیہ نے حضور ﷺ کے ارشاد سے استدلال کیا ہے اور ائمہ ثلاثہ نے عمرو بن سعید کے قول سے استدلال کیا ہے، ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بہ کجا!

فائدہ: عمرو بن سعید کے دو لقب تھے، ایک: اشدق (منہ پھٹ) دوسرا: لطیم الشیطان (شیطان کا تھپڑ مارا ہوا) ان لقبوں سے اس کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے بعد میں اسی حکومت نے جس کے لئے وہ اوندھا سیدھا کر رہا تھا، عبدالملک بن مروان نے اس کو قتل کر دیا تھا۔

أبواب الحَجِّ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱] باب ماجاء في حرمة مكة

[۷۹۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيْدٍ، نا اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ، عن سَعِيْدِ بنِ أَبِیْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِیِّ، عن أبی شُرَيْحٍ العَدَوِیِّ، أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بنِ سَعِيْدٍ وهو يَبْعَثُ البُعُوْثَ إلى مَكَّةَ: إِيْذَنْ لِیْ أَيُّهَا الأَمِيْرُ أُحَدِّثْكَ قَوْلاً قَامَ بِهِ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم الغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ، سَمِعَتْهُ أُذُنَایَ وَوَعَاهُ قَلْبِیْ وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَایَ حِيْنَ تَكَلَّمَ بِهِ، إِنَّهُ حَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَی عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ تعالى، وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، وَلاَ يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا، أو يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم فِيْهَا فَقُوْلُوْا لَهُ: إِنَّ اللّٰهَ أَذِنَ لِرَسولِه صلى الله عليه وسلم وَلَمْ يَأْذَنْ لَكَ، وإِنَّمَا أُذِنَ لِیْ فِيْهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، وقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالأَمْسِ، وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" فقِيلَ لأَبِیْ شُرَيْحٍ: ماقَالَ لكَ عَمْرُو بنُ سَعيدٍ؟ [قال:] قال: أَنَا أَعْلَمُ مِنْكَ بِذَلِكَ يَا أَبَا شُرَيْحٍ، إِنَّ الْحَرَمَ لاَيُعِيْذُ عَاصِيًا وَلاَ فَارًّا بِدَمٍ وَلاَ فَارًّا بِخَرْبَةٍ، قال أبو عيسى: ويُرْوَی بِخِزْيَةٍ.

وفي الباب: عن أبی هريرةَ، وابنِ عباسٍ، قال أبو عيسى: حديثُ أبی شُرَيْحٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وأبو شُرَيْحٍ الخُزَاعِیُّ: اسمُهُ خُوَيْلِدُ بنُ عَمْرٍو العَدَوِیُّ الْكَعْبِیُّ.

ومَعْنَی قَوْلِهِ: وَلاَ فَارًّا بِخَرْبَةٍ يَعْنِی جِنَايَةً، يقولُ مَنْ جَنَی جِنَايَةً أَوْ أَصَابَ دَمًا ثُمَّ جَاءَ إِلَی الْحَرَمِ فَإِنَّهُ يُقَامُ عَلَيْهِ الحَدُّ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عمرو بن سعید کے قول ولا فارًّا بخربۃ میں خربہ کے معنی جنایت کے ہیں اور اس کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جو جنایت کرے یا خون بہائے پھر حرم میں داخل ہو جائے تو اس پر وہیں حد لگائی جائے گی۔

لغات: البَعْثُ: فوج، ہر وہ جماعت جو کہیں بھیجی جائے، جمع بُعُوْث ...... سَفَكَ (ض) سَفْكاً الدمَ أو المالَ:

خون یا پانی بہانا...... عَضَدَ (ض) عَضْدًا الشجرةَ: درخت کو ہنسیا سے کاٹنا...... تَرَخَّصَ فی الأمر: کسی معاملہ میں رخصت پر عمل کرنا...... لِقتال: میں لام اجلیہ ہے أی لأجل قتال: لڑنے کی وجہ سے...... خَرْبَة: کے یہاں معنی ہیں: عیب، لغزش، جنایت اور خِزْیَة: کے معنی ہیں: رسوا کن کام، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہے۔

بابُ ماجاءَ فِيْ ثَوَابِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

حج اور عمرہ کا ثواب

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حج اور عمرہ پے درپے کرو (یعنی سال میں ایک حج اور ایک عمرہ الگ الگ سفروں میں کرو) کیونکہ وہ دونوں محتاجگی اور گناہوں کو دور کرتے ہیں، جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو ختم کرتی ہے۔ اور حج مبرور کا ثواب سوائے جنت کے کچھ نہیں!''

تشریح: ایک سفر میں حج اور عمرہ دونوں کرنا یعنی حج تمتع یا حج قران کرنا جائز ہے مگر جو استطاعت رکھتا ہو اُسے حج کے لئے الگ سفر کرنا چاہئے اور عمرہ کے لئے الگ۔ نبی ﷺ نے اس کے دو فائدے بیان کئے ہیں: ایک: یہ کہ اس سے غریبی دور ہوتی ہے یہ بات تقریر سے نہیں سمجھائی جاسکتی اس کا تعلق تجربہ سے ہے، سفر حج اور سفر عمرہ میں اگرچہ بڑی رقم خرچ ہوتی ہے مگر تجربہ یہ ہے کہ اس سے غریبی دور ہوتی ہے جو چاہے تجربہ کر کے دیکھے، میں نے تو تجربہ کر لیا ہے اور سچ پایا ہے۔ اور دوسرا فائدہ: اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں یہ مؤمن کے لئے بدیہی بات ہے، جیسے میلا لوہا، میلا سونا اور میلی چاندی آگ میں تپائی جاتی ہے تو آگ اس کے میل کو کھا جاتی ہے اور خالص لوہا، سونا اور چاندی نکل آتی ہے۔ اسی طرح حج اور عمرہ کے سفر کی مشقت گناہوں کو بھسم کر دیتی ہے اور آدمی صاف ستھرا ہو جاتا ہے اس کے ذمہ کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

اور حدیث میں حج مقبول کا ثواب یہ بیان کیا ہے کہ جس خوش نصیب کا حج مقبول ہو گیا اس کے لئے جنت ہے، حج مقبول کی ایک ظاہری علامت ہے اور ایک باطنی۔ ظاہری علامت یہ ہے کہ حج کے جو فرائض وواجبات، سنن ومستحبات ہیں ان پر پوری طرح عمل پیرا ہو، اور جو ممنوعات ہیں ان سے پوری طرح اجتناب کرے، اور اس کی باطنی علامت: علماء نے یہ لکھی ہے کہ حج کے بعد حاجی کی زندگی بدل جائے، اگر وہ حج سے پہلے ڈاڑھی منڈاتا تھا، کاروبار میں الٹا سیدھا کرتا تھا، گالی گلوچ کرتا تھا تو حج کے بعد اس کی زندگی بدل جائے اور وہ نیک صالح بن جائے اور اپنی بری زندگی کا ورق پلٹ دے۔ اور اگر وہ پہلے سے نیک تھا تو حج کے بعد اس کے صلاح وتقوی میں اضافہ ہو جائے، اگر یہ علامت پائی جائے تو سمجھنا چاہئے کہ اسے حج مقبول حاصل ہوا، اور اگر حاجی کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہ آئے، پہلے ہی کی طرح شتر بے مہار ہے اب بھی گالی گلوچ کرتا ہے، نمازوں سے غافل ہے، کاروبار میں غیر محتاط ہے تو یہ

علامت ہے کہ اس کا حج مقبول نہیں ہوا اسے چاہئے کہ دوبارہ حج کرے اور زندگی کو درست کرے۔
اور جاننا چاہئے کہ بظاہر حج صحیح ہونے سے ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، جیسے شرائط کا لحاظ کرکے نماز پڑھی جائے تو ذمہ فارغ ہوجاتا ہے مگر قبولیت کا درجہ اوپر ہے، اسی طرح یہاں بھی دو درجے ہیں: اگر حج تمام ارکان وشرائط کے ساتھ کیا ہے اور ممنوعات سے بچارہا ہے تو ذمہ فارغ ہوگیا، لیکن حج کے اثرات جب زندگی پر مرتب ہونگے تب حج مقبول ہوگا۔
حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے حج کیا پس نہ رفث کیا نہ فسوق تو اس کے سابقہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے''
تشریح: حاجی کے لئے رفث، فسوق اور جدال سے بچنا لازم ہے، سورۂ بقرہ آیت ۱۹۷ میں ہے: ﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلاَ رَفَثَ وَلاَفُسُوْقَ وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ ترجمہ: پس جو شخص حج کے مہینوں میں حج مقرر کرے یعنی حج کا احرام باندھے تو نہ فحش بات جائز ہے نہ بے حکمی اور نہ جھگڑا۔
رَفَث: میاں بیوی کے درمیان زن وشوئی سے تعلق رکھنے والی باتیں رفث کہلاتی ہیں۔ حالت احرام میں جماع اور دواعیٔ جماع کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، زن وشوئی کی باتیں یعنی میاں بیوی کے درمیان جو مذاق کی باتیں ہوتی ہیں ان کی بھی گنجائش نہیں، البتہ اگر بیوی ساتھ نہیں ہے اور احرام میں کوئی عشقیہ بات بولی یا عشقیہ شعر پڑھا تو وہ حنفیہ کے نزدیک رفث نہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بھی رفث ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حالت احرام میں یہ شعر پڑھا ہے:

وهُنَّ يَمْشِيْنَ بِنَا هَمِيْسًا ❁ إن يَصْدُقِ الطيرُ نَنِكْ لَمِيْسًا

آپ سے کہا گیا: آپ احرام کی حالت میں رفث کررہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: رفث اس وقت ہوتا ہے جب عورت ساتھ ہو۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم احرام کی حالت میں عشقیہ اشعار پڑھتے تھے (فتح القدیر ۲: ۳۴۵) مگر جب ائمہ ثلاثہ اس کو بھی رفث کہتے ہیں تو اس سے بھی بچنا چاہئے۔
فسق اور فسوق: دونوں مصدر ہیں اور ان کے معنی ہیں: حق وصلاح کے راستہ سے ہٹ جانا اور مادے کے اصل معنی ہیں: کسی چیز سے نکل جانا، کہتے ہیں: فَسَقَتِ الرُّطَبُ عن قِشره: کھجور اپنے گابھے سے نکل آئی۔ اسلام کا بھی ایک سرکل (دائرہ) ہے ارشاد ہے: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ﴾: یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، اور گناہ چار ہیں، دو گناہ: ذنب اور خطیہ سرکل کے اندر ہیں اور دو گناہ: سیۂ اور معصیۃ سرکل سے باہر ہیں، پس جو بندہ سیۂ یا معصیت کا ارتکاب کرتا ہے وہ فاسق ہے یعنی دینداری کے دائرہ سے باہر ہوگیا اس لئے حج میں فسق یعنی سیۂ اور معصیت سے بچنا ضروری ہے، ورنہ حج مقبول نہ ہوگا۔
فائدہ: تقریر مرتب کرتے وقت میں نے حضرت الاستاذ سے سرکل (دائرہ) کی تفصیل دریافت کی تو فرمایا: دین

دو چیزوں کا مجموعہ ہے، اصول اور فروع کا، اور دونوں کے دو دو دائرے ہیں، مگر دونوں کا آخری دائرہ ایک ہے، فروع کا چھوٹا دائرہ جس سے نکلنے والے کو فاسق کہتے ہیں وہ فرائض وواجبات پر عمل کا اور کبیرہ گناہوں سے احتراز کا دائرہ ہے جو شخص فرائض وواجبات پر عمل پیرا ہے اور کبائر سے بچتا ہے وہ نیک مؤمن ہے، اور جو فرائض یا واجبات کا تارک ہے یا کبائر کا مرتکب ہے، وہ چھوٹے دائرہ سے باہر ہے اور فاسق ہے۔

پھر فروعات کے ضمن میں اصول بھی آتے ہیں جیسے ایک نماز پڑھنا ہے، یہ عملی چیز ہے اور دوسرا نماز کو فرض ماننا ہے، یہ اصولی بات ہے۔ اسی طرح زنا نہ کرنا فرعی چیز ہے اور زنا کو حرام ماننا اصولی بات ہے، یہ بڑا دائرہ ہے جو اس سے بھی باہر ہو جائے گا یعنی فرض کو فرض نہیں مانے گا اور قطعی حرام کو حرام نہیں مانے گا: اس کا حکم اصولی دائرے کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

اور اصول یعنی دین اسلام کی بنیادی باتوں کے بھی دو دائرے ہیں، چھوٹا دائرہ اور بڑا دائرہ۔ کیونکہ اصول دو طرح کے ہیں: بدیہی اور نظری، جو نظری اصول کا انکار کرے گا وہ چھوٹے دائرہ سے باہر ہو جائے گا اور اس کا نام ضلال (گمراہی) ہے کبھی اس پر کفر کا بھی اطلاق کر دیتے ہیں مگر یہ کفرٌ دون کفرٍ ہے حقیقی کفر نہیں جس سے آدمی مسلمان باقی نہیں رہتا، اور بڑا دائرہ ضروریات دین کا ہے یعنی دین کی وہ باتیں جن کو عام مسلمان بھی جانتے ہیں جیسے توحید، رسالت، قیامت، ختم نبوت، ارکان اربعہ کی فرضیت اور قرآن کریم کا کتاب اللہ ہونا وغیرہ، یہ وہ موٹی باتیں ہیں جن کو ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ دین اسلام سے ہیں، پس جو شخص ان کا انکار کرے گا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور وہ قطعاً مرتد ہوگا۔

اور نظری اصول وہ ہیں جن پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے صحابہ کا معیار حق ہونا، اجماع کا حجت ہونا، خواہ وہ قطعی ہو یا ظنی اور تقلید وقیاس کا حجت ہونا نظری مسائل ہیں، اور استدلال کے محتاج ہیں۔ جو شخص ان نظری اصول کا انکار کرے یا ضروریات دین کا انکار قابل لحاظ تاویل کے ساتھ کرے یا انکار کا اقرار نہ کرے تو وہ اصول کے چھوٹے دائرہ سے تو باہر قرار دیا جائے گا مگر اس کو مرتد نہیں کہیں گے، اسی اصول سے غیر مقلدین، مودودیوں اور بریلویوں کو گمراہ قرار دیا جاتا ہے، اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جاتا، بلکہ بعض حضرات تو شیعوں کو بھی گمراہ کہتے ہیں، کافر نہیں کہتے، کیونکہ وہ ضروریات دین کا اگرچہ انکار کرتے ہیں، مگر اس انکار کا اقرار نہیں کرتے، اور التزام کفر: کفر ہے، لزوم کفر: کفر نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ فسق کا استعمال فروعات میں ہوتا ہے اور لفظ ضلال کا استعمال اصول میں ہوتا ہے اور دونوں کا آخری دائرہ ایک ہے یعنی ضروریات دین کا قابل لحاظ تاویل کے بغیر صاف انکار کرنا آدمی کو اسلام کے دائرہ سے باہر کر دیتا ہے۔ اللّٰھم احفظنا منه (آمین)

جدال: ساتھیوں سے لڑنا، جھگڑنا، حج کے دوران اس سے بچنا بھی ضروری ہے، حج کے سفر میں معمولی باتوں پر جھگڑا ہو جاتا ہے، پس اس سے بچنے کا خوب اہتمام کرنا چاہئے جو ان تین چیزوں سے بچے گا اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور وہ گناہوں سے ایسا صاف ہو کر لوٹے گا جیسے ابھی اس کی ماں نے جنا ہے۔

[۲] باب ماجاء فی ثواب الحج والعمرة

[۸۰۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيْدٍ، وأبو سَعِيْدٍ الأشَجُّ، قالاَ: نا أبو خَالِدٍ الأحْمَرُ، عَنْ عَمْرِو بنِ قَيْسٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عن شَقِيْقٍ، عن عبدِ الله، قال: قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ والذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ والفِضَّةِ، وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ إِلاَّ الْجَنَّةَ"

وفي الباب: عن عُمَرَ، وعَامِرِ بنِ رَبِيْعَةَ، وأبي هريرةَ، وعبدِ اللهِ بنِ حُبْشِيٍّ، وأُمِّ سَلَمَةَ، وَجَابِرٍ.

قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ مسعودٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ حديث عبدِ الله بنِ مَسْعُوْدٍ.

[۸۰۱-] حدثنا ابنُ أبي عُمَرَ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عن أبي حَازِمٍ، عن أبي هريرةَ، قال: قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ"

قال أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وأبو حَازِمٍ كُوْفِيٌّ، وهُوَ الأشْجَعِيُّ، واسْمُهُ: سَلْمَانُ مَوْلَى عَزَّةَ الأشْجَعِيَّةِ.

وضاحت: غریب من حدیث عبد اللہ بن مسعود کا مطلب یہ ہے کہ باب میں جن صحابہ کا تذکرہ ہے ان کی روایت سے تو یہ حدیث معروف ہے مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث میں یہ حدیث انجانی ہے اسی کو کتاب العلل میں غریب لحال الإسناد کہا ہے۔

بابُ ماجاءَ مِن التَّغْلِيْظِ فِيْ تَرْكِ الْحَجِّ

استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا بڑا گناہ ہے

تغلیظ: بمعنی تشدید ہے، یعنی وعید۔ مگر تغلیظ بھاری لفظ ہے، جہاں سخت وعید ہوتی ہے تشدید کے بجائے تغلیظ استعمال کرتے ہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص زاد (توشہ) اور ایسے راحلہ (سواری) کا مالک ہو جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا سکتے ہوں پھر بھی حج نہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرے (لا کے بعد حرج

اور أن سے پہلے فی پوشیدہ ہے، تقدیر عبارت ہے: فلا حرج علیہ فی أن یموت) اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: "اور لوگوں کے ذمے اللہ کے واسطے بیت اللہ کا قصد کرنا لازم ہے جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو، اور جو حکم نہ مانے تو اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہیں (استدلال آیت کے اس آخری ٹکڑے سے ہے جو کتاب میں رہ گیا ہے)

تشریح: اس حدیث کی سند میں ہلال بن عبداللہ متروک اور حارث اعور ضعیف راوی ہیں۔ اس لئے ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوعات میں لیا ہے، مگر ان کی رائے صحیح نہیں، یہ حدیث نہایت ضعیف ہے، موضوع نہیں، اور یہ حدیث زاد وراحلہ کے شرط ہونے سے بھی متعلق ہے، یہ مسئلہ اگلے باب میں آرہا ہے۔

فائدہ (۱): اس حدیث میں یہودی یا عیسائی ہو کر مرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ حج نہ کرنے پر وعید ہے، جیسے سورۃ الکہف آیت ۲۹ میں ہے: ﴿قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ یعنی کہہ دو یہ دین حق تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے، پس جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کردے، یہ کفر کی اباحت نہیں ہے بلکہ دھمکی ہے اور قرینہ اگلا ٹکڑا ہے، فرمایا: ﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِيْنَ نَارًا﴾ یعنی بیشک ہم نے ایسے ظالموں کے لئے یعنی اس دین کا انکار کرنے والوں کے لئے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے۔

فائدہ (۲): اس حدیث سے میں نے یہ بات مستنبط کی ہے کہ حج کرنے سے ایمان پر مہر لگ جاتی ہے، اب اس کے ارتداد کا خطرہ ٹل جاتا ہے اور جو شخص استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا وہ معرض فتن میں رہتا ہے وہ کسی بھی وقت فتنہ کا شکار ہوسکتا ہے، بلکہ اسلام ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے ایسا بھی ممکن ہے، پس جس میں استطاعت ہو اسے پہلی فرصت میں حج کرلینا چاہئے تاکہ اس کے ایمان پر مہر لگ جائے۔ واللہ الموفق۔

[۳] باب ماجاء مِن التغليظ فى ترك الحج

[۸۰۲-] حدثنا محمدُ بنُ يَحيىَ القُطَعِيُّ البَصرِيُّ، نا مُسْلِمُ بنُ إبراهِيمَ، نا هِلالُ بنُ عبدِ اللهِ: مَوْلَى رَبِيْعَةَ بنِ عَمرِو بنِ مُسْلِمِ البَاهِلِيِّ، نا أبو إسحاق الهَمْدَانِيُّ، عن الحَارِثِ، عن عَلِيٍّ، قال: قالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إلى بَيْتِ اللهِ وَلَمْ يَحُجَّ، فَلاَ عَلَيْهِ أنْ يَمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًا، وذَلِكَ أنَّ اللهَ يقولُ في كِتَابِهِ: ﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ لانعرِفُهُ إلاَّ مِن هذَا الوَجْهِ، وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، وهِلاَلُ بنُ عبدِ اللهِ مَجْهُوْلٌ، والحَارِثُ يُضَعَّفُ فِيْ الحديثِ.

بابُ ماجاءَ فی إیجابِ الحجِّ بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ

حج کی فرضیت کے لئے زادوراحلہ شرط ہیں

تمام ائمہ متفق ہیں کہ حج کی فرضیت کے لئے استطاعت بدنی شرط ہے اور یہ بات قرآن کریم میں ہے: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ یعنی اللہ کے لئے لوگوں کے ذمے بیت اللہ کا حج کرنا لازم ہے جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو (آل عمران ۹۷) اس آیت کی وجہ سے استطاعتِ بدنی میں کوئی اختلاف نہیں، تندرستی: بدن کا درست ہونا، استطاعتِ بدنی ہے، اور استطاعتِ مالی میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص پیدل مکہ مکرمہ تک پہنچ سکتا ہے اور راستہ میں کما کر کھا سکتا ہے، چاہے مانگ کر کھانا پڑے: اس پر حج فرض ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک فرضیت حج کے لئے زادوراحلہ شرط ہیں، یعنی ایسی سواری ہو جو اُسے مکہ تک پہنچائے، خواہ کوئی بھی سواری ہو اور زاد یعنی مکہ جا کر واپس آنے تک کا خرچہ اس کے پاس ہو اور جن لوگوں کا خرچ اس کے ذمہ ہے ان کا بھی خرچ دے کر جائے، جب یہ دونوں باتیں میسر ہونگی تب استطاعت مالی متحقق ہوگی، اور حج فرض ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی ایک بات مفقود ہو تو حج فرض نہیں ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں کوئی صحیح روایت نہیں اوپر جو روایت گذری ہے وہ بھی نہایت ضعیف ہے اور یہ روایت بھی ابراہیم بن یزید کی وجہ سے ضعیف ہے، اس لئے امام مالک زادوراحلہ کو شرط نہیں کہتے، کیونکہ باب کی کوئی روایت استدلال کے قابل نہیں اور شرط کا درجہ فرض کا درجہ ہے، اس کے ثبوت کے لئے نہایت مضبوط دلیل درکار ہے۔ مگر دیگر ائمہ کہتے ہیں: ان روایات سے استطاعت کی فرضیت ثابت نہیں کرنی، وہ تو قرآن سے ثابت ہے، مگر قرآن میں جو من استطاع ہے وہ مجمل ہے ان روایات نے اس کی وضاحت اور تفسیر کی ہے اور اشتراط ثابت کرنے کے لئے تو روایت کا اعلیٰ درجہ کا ہونا ضروری ہے، مگر مجمل کی تفسیر کے لئے یہ بات ضروری نہیں، ضعیف روایتوں سے بھی تفسیر ہو سکتی ہے۔

فائدہ: ابراہیم بن یزید نہایت درجہ ضعیف راوی ہے مگر امام ترمذیؒ کا اس کے بارے میں گمان اچھا ہے، ان کے خیال میں اس کا صرف حافظہ خراب تھا چنانچہ آپ نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے، کیونکہ اگر راوی متہم بالکذب نہیں ہوتا تو امام ترمذیؒ اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں، مگر دیگر محدثین کے نزدیک یہ راوی نہایت درجہ ضعیف ہے۔ امام احمد اور امام نسائی نے اس کو متروک قرار دیا ہے، اور ابو زرعہ، ابو حاتم اور دار قطنی نے منکر الحدیث کہا ہے (تہذیب ۱:۱۸۰)

[٤] باب ماجاء فی إیجاب الحج بالزاد والراحلة

[۸۰۳-] حدثنا یُوْسُفُ بنُ عیسی: نا وکیعٌ، نا إبراهیمُ بنُ یَزِیْدَ، عن مُحمدِ بنِ عَبَّادِ بنِ جَعْفَرٍ،

عن ابنِ عُمَرَ قال: جاءَ رَجُلٌ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فقالَ: يارسولَ الله: مَايُوجِبُ الْحَجَّ؟ قال: "الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ، والعملُ عليهِ عندَ أهلِ العلمِ: أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً وَجَبَ عليه الحجُّ، وإبراهيمُ بنُ يَزِيْدَ: هُوَ الخُوْزِيُّ الْمَكيُّ، وقَدْ تكَلَّمَ فيهِ بَعْضُ أهلِ العلمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

ترجمہ: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! حج کو کیا چیز واجب کرتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "زادوراحلہ" اس حدیث پر علماء کا عمل ہے: آدمی جب زادوراحلہ کا مالک ہوتو اس پر حج فرض ہے، اور ابراہیم بن یزید الخوزی المکی کے بارے میں بعض علماء نے حافظہ کی جانب سے کلام کیا ہے۔

بابُ ماجاءَ كَمْ فُرِضَ الْحَجُّ؟

حج زندگی میں کتنی مرتبہ فرض ہے؟

حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے اس سے زائد کوئی کرے تو وہ نفل ہے اور جو شخص حج فرض ہونے کے بعد اداء کرے اس کا فرض ادا ہو گیا اور جو فرض ہوئے بغیر حج کرے اس کا بھی فرض ادا ہو گیا، مثلاً ایک غریب آدمی ہے اس کا آقا اس کو ساتھ لے گیا اور اس نے حج کرلیا تو اس کا فرض حج ادا ہو گیا، کیونکہ ایام حج میں جو بھی مکہ میں ہوگا اس پر حج فرض ہو جائے گا، البتہ نابالغ یا غلام حج کریں تو ان کا حج فرض ادا نہیں ہوگا، بالغ ہونے اور آزاد ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا ہوگا، اور یہ مسائل اجماعی ہیں۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب آیت: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال حج کرنا ضروری ہے؟ آپؐ خاموش رہے، پھر (اسی وقت یا دوسری مجلس میں) صحابہ نے دوبارہ پوچھا: کیا ہر سال حج کرنا ضروری ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں (اور مسلم میں ہے کہ تیسری مرتبہ میں یہ جواب دیا اور فرمایا) اگر میں "ہاں" کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا۔ راوی کہتا ہے: اسی طرح کے سوالات کے بارے میں سورۃ المائدہ کی آیت ۱۰۱ نازل ہوئی ہے جس کا ترجمہ ہے: اے مسلمانو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر وہ تم پر کھولی جائیں تو تم کو بری لگیں اور اگر تم ان باتوں کو پوچھو گے ایسے وقت میں جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو وہ تم پر ظاہر کردی جائیں گی۔

تشریح: پہلے یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ احکام کی تشریع کی ایک صورت یہ ہے کہ پیغمبر اور امت دونوں کسی حکم کو چاہیں تو وہ حکم لازم کردیا جاتا ہے اور اگر کوئی ایک بھی پیچھے ہٹ جائے تو وہ حکم لازم نہیں کیا جاتا، جیسے روایات سے

آنحضور ﷺ کی شدید خواہش معلوم ہوتی ہے کہ ہر نماز سے پہلے مسواک کی جائے، آپؐ نے اپنی اس خواہش کا لوگوں کے سامنے اظہار بھی کیا، مگر لوگوں نے سرد مہری دکھائی، ان کی طرف سے کوئی مثبت جواب نہیں ملا تو مسواک لازم نہیں ہوئی، اور تراویح کے معاملہ میں لوگوں کی طرف سے انتہائی رغبت دیکھنے میں آئی مگر نبی ﷺ پیچھے ہٹ گئے، اس لئے یہ نماز بھی لازم نہیں ہوئی۔ یہاں بھی بار بار سوال امت کے اشتیاق کی دلیل ہے، مگر نبی ﷺ نے ہاں نہیں کی اس لئے ہر سال حج فرض نہیں ہوا، اگر آپؐ کی طرف سے صاد ہو جاتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا، چنانچہ حدیث کے آخر میں آپؐ نے ہدایت دی کہ جب تک میں خود کسی معاملہ میں حکم نہ دوں لوگ سوال نہ کریں، اور وجہ یہ بتائی کہ گذشتہ امتیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ وہ اپنے نبیوں سے سوالات کرتی تھیں پھر ان کے احکامات کی خلاف ورزی کرتی تھیں اس لئے فرمایا: جب میں کوئی حکم دوں تو جہاں تک تمہارے بس میں ہو اس کی تعمیل کرو اور جب میں تم کو کسی چیز سے روک دوں تو اس کو چھوڑ دو (مسلم، مشکوٰۃ حدیث ۲۵۰۵)

[۵] باب ماجاء کم فُرِضَ الحجُّ؟

[۸۰۴-] حدثنا أبو سَعِيدٍ الأَشَجُّ، نَا مَنْصُوْرُ بْنُ وَرْدَانَ: كُوْفِيٌّ، عن عَلِيِّ بنِ عبدِ الأَعْلَى، عن أبيه، عن أبى البَخْتَرِيِّ، عن عليِّ بنِ ابى طَالِبٍ، قال: لَمَّا نزَلَتْ: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ قالُوا: يارسولَ الله! أَفِىْ كُلِّ عَامٍ؟ فَسَكَتَ، فقالوا: يارسولَ الله! أَفِىْ كُلِّ عَامٍ؟ قال: "لاَ: وَلَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ" فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَسْأَلُوْا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾

وفى الباب: عنِ ابنِ عباسٍ، وأبى هريرةَ، قال أبو عيسى: حديثُ عليٍّ حديثٌ حسنٌ غريبٌ من هذا الوَجْه، واسْمُ أَبِى الْبَخْتَرِيِّ سَعِيدُ بْنُ أَبِىْ عِمْرَانَ، وَهُوَ سَعِيدُ بْنُ فَيْرُوْزَ.

وضاحت: عبد الاعلی بن عامر الثعلبی کی امام احمد اور امام نسائی نے تضعیف کی ہے۔ حافظؒ فرماتے ہیں: صدوق يَهِمُ (تقریب) اور ابو البختری کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، اور منصور بن وردان سے اوپر حدیث کی یہی ایک سند ہے۔

بابُ ماجاءَ كَمْ حَجَّ النبيُّ صلى الله عليه وسلم؟

نبی ﷺ نے کتنے حج کئے ہیں؟

حدیث (۱): حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے تین حج کئے ہیں، دو حج ہجرت سے پہلے اور ایک حج ہجرت کے بعد (سن ۱۰ ہجری میں) اس حج کے ساتھ عمرہ بھی تھا۔ اور آپ (مدینہ سے) ۶۳ اونٹ ساتھ

لے گئے تھے، باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے (آپؐ نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ ذبح کئے ہیں) ان میں ابوجہل کا اونٹ بھی تھا (جو بدر کی غنیمت میں آپ کے حصہ میں آیا تھا) اس کی ناک میں چاندی کا حلقہ تھا، آپؐ نے ان کو ذبح کیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹنے کا حکم دیا، پس وہ پکایا گیا اور آپؐ نے ان کا شوربہ نوش فرمایا۔

تشریح:

۱- آنحضور ﷺ نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا ہے اور ہجرت سے پہلے کتنے حج کئے ہیں؟ یہ بات صحیح روایات میں مروی نہیں، ظاہر یہ ہے کہ آپؐ ہر سال حج کرتے ہونگے کیونکہ مکہ میں رہتے ہوئے حج نہ کرنے کا کوئی سوال نہیں۔ علاوہ ازیں حج کے اجتماع میں آپؐ دعوتی کام بھی کیا کرتے تھے —— اور مذکورہ حدیث حضرت محمد باقر: حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں یہ ایک طویل حدیث ہے جس کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے متفرق ابواب میں روایت کیا ہے۔ اس میں جو مضمون ہے کہ حضور ﷺ نے ہجرت سے پہلے دو حج کئے ہیں یہ صرف زید بن حباب بیان کرتے ہیں، دوسرا کوئی راوی یہ مضمون بیان نہیں کرتا، اور زید فی نفسہ ٹھیک ہیں، مگر ثوری کی حدیثوں میں غیر معتبر اور کثیر الخطاء ہیں (تہذیب ۳: ۴۰۴) اسی طرح یہ مضمون کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں ابوجہل کا اونٹ قربان کیا تھا یہ بھی زید بن حباب کا وہم ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ اونٹ آپ عُمرۂ قضا میں لے گئے تھے تاکہ کفار کو غصہ آئے، حجۃ الوداع کے موقعہ پر تو مکہ میں کفار نہیں تھے، اس وقت کفار کو غصہ دلانے کے لئے ابوجہل کا اونٹ لے جانے کا کیا موقعہ تھا!

۲- حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ اس لئے ذبح کئے تھے کہ سب حاجیوں کو گوشت پہنچے، اس سفر میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ ساتھ تھے اور اکثر غریب تھے، ان کو گوشت پہنچے اس مقصد سے آپؐ نے یہ قربانیاں کی تھیں اور آپؐ تریسٹھ اونٹ مدینہ منورہ سے لے گئے تھے، باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے خرید کر لائے تھے، آپؐ نے اپنے دست مبارک سے تریسٹھ اونٹ ذبح کئے، پھر آپ تھک گئے تو باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کئے اور آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ ہر اونٹ میں سے ایک بوٹی کاٹی جائے، پھر ان کو پکایا گیا اور آپؐ نے شوربہ نوش فرمایا۔ اس طرح سب قربانیوں میں سے کھایا، کیونکہ اپنی قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے۔

فائدہ: نبی ﷺ کو مدینہ منورہ میں صرف تریسٹھ اونٹ کا ملنا اور تریسٹھ اونٹ ذبح کرکے آپ کا تھک جانا اس میں اشارہ تھا کہ آپؐ کی عمر مبارک تریسٹھ سال ہوگی اور اس سے زیادہ عجیب اشارہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی ۶۳ ویں سورت سورۃ المنافقین کی آخری آیت ہے: ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا﴾ ہرگز نہ ڈھیل دے گا اللہ کسی کو جب اس کا وقت آپہنچے گا۔ اس میں بھی اشارہ ہے کہ آپ کی عمر مبارک تریسٹھ سال ہوگی مگر یہ اشارہ امت کی سمجھ میں

بعد میں آیا۔

حدیث (۲): قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی ﷺ نے کتنے حج کئے ہیں؟ آپؓ نے فرمایا: ایک حج کیا اور چار عمرے کئے: ایک عمرہ ذوالقعدہ میں کیا اور عمرۂ حدیبیہ، اور ایک عمرہ حج کے ساتھ کیا اور ایک عمرہ جعرانہ سے کیا جہاں (اِذْ بمعنی حیث ہے) آپؐ نے حنین کی غنیمت تقسیم فرمائی ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حقیقۃً اور حکماً چار عمرے کئے ہیں اور چاروں ذوالقعدہ میں کئے ہیں، پہلا عمرہ سن ۶ ہجری میں کیا یہ عمرہ ناتمام رہا، کیونکہ مکہ والوں نے آپؐ کو حدیبیہ سے آگے جانے نہیں دیا، پھر آپؐ نے آئندہ سال اس عمرہ کی قضا کی، یہ قضا بھی ذوالقعدہ میں کی، تیسرا عمرہ حج کے ساتھ کیا، آپؐ نے حجۃ الوداع میں قران کیا تھا اور پچیس ذوالقعدہ میں ذوالحلیفہ سے احرام باندھا تھا، اس عمرہ کے ارکان اگرچہ ذوالحجہ میں کئے تھے مگر احرام ذوالقعدہ میں باندھا تھا اس لئے یہ عمرہ بھی ذوالقعدہ میں شمار کیا گیا، اور چوتھا اور آخری عمرہ جعرانہ سے کیا تھا، فتح مکہ کے بعد آپؐ نے مکہ میں انیس دن قیام فرمایا تھا، پھر حنین تشریف لے گئے تھے، وہاں سے طائف گئے اس کا ایک ماہ تک محاصرہ کیا، پھر لوٹ کر جعرانہ میں آئے وہاں حنین کی غنیمت تقسیم کی اور وہاں سے عمرہ کیا یہ عمرہ بھی ذوالقعدہ میں کیا تھا۔

[٦] باب ماجاء كم حج النبيُّ صلى الله عليه وسلم؟

[٨٠٥-] حدثنا عبدُ اللهِ بنُ أبِى زِيَادٍ، نا زَيْدُ بنُ حُبَابٍ، عن سُفيانَ، عن جَعْفَرِ بنِ محمدٍ، عن أبِيهِ، عن جَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ، أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم حَجَّ ثَلاثَ حِجَجٍ: حَجَّتَيْنِ قَبْلَ أنْ يُهَاجِرَ، وَحَجَّةً بَعْدَ مَاهَاجَرَ، مَعَهَا عُمْرَةٌ، فَسَاقَ ثَلاثًا وسِتِّينَ بَدَنَةً، وجَاءَ علىٌّ مِنَ اليَمَنِ بِبَقِيَّتِهَا، فِيهَا جَمَلٌ لِأبِىْ جَهْلٍ فِىْ أنْفِهِ بُرَةٌ مِنْ فِضَّةٍ، فَنَحَرَهَا، فَأمَرَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبَضْعَةٍ، فَطُبِخَتْ فَشَرِبَ مِنْ مَرَقِهَا.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ مِنْ حديثِ سفيانَ، لَا نَعْرِفُهُ إلَّا مِنْ حديثِ زَيْدِ بنِ حُبَابٍ، وَرَأيْتُ عَبْدَ اللهِ بنَ عبدِ الرحمنِ رَوَى هٰذَا الحديثَ فِىْ كُتُبِهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ ابى زِيَادٍ، وسَألْتُ مُحمداً عن هٰذَا فَلَمْ يَعْرِفْهُ مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِىِّ، عن جَعْفَرٍ، عن أبيهِ، عن جَابِرٍ، عن النبىِّ صلى الله عليه وسلم، وَرَأيْتُهُ لَايَعُدُّ هذا الحديثَ مَحْفُوْظًا، وقال، إنَّمَا يُرْوَى عنِ الثَّوْرِىِّ، عن أبى إسحاقَ، عن مُجَاهِدٍ مُرْسَلٌ.

[٨٠٦-] حدثنا إسحاقُ بنُ مَنْصُورٍ، نا حَبَّانُ بنُ هِلَالٍ، نا هَمَّامٌ، نا قَتَادَةُ، قال: قُلْتُ لِأنَسِ بنِ مَالِكٍ: كَمْ حَجَّ النبىُّ صلى الله عليه وسلم؟ قالَ حَجَّةً وَاحِدَةً، واعْتَمَرَ أرْبَعَ عُمَرٍ: عُمْرَةً فِىْ ذِى القَعْدَةِ، وعُمْرَةَ الحُدَيْبِيَةِ، وعُمْرَةً مَعَ حَجَّتِهِ، وعُمْرَةَ الجِعْرَانَةِ، إذْ قَسَمَ غَنِيمَةَ حُنَيْنٍ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وحِبَّانُ بنُ هِلَالٍ: أبو حَبِيْبِ الْبَصْرِيُّ، هو جَلِيلٌ ثِقَةٌ، وثَّقَهُ يَحيىَ بنُ سَعِيدِ القَطَّانُ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: یہ حدیث سفیان ثوری کی حدیث سے غریب ہے، ہم اس کو نہیں جانتے مگر زید بن حباب کی سند سے (یعنی ثوری کے شاگردوں میں سے زید کے علاوہ کوئی اس حدیث کو روایت نہیں کرتا) اور میں نے عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (امام دارمی) کو دیکھا انھوں نے عبداللہ بن ابی زیاد کی سند سے یہ حدیث اپنی کتاب میں لکھی (یعنی امام دارمی کے پاس بھی اس حدیث کی اور کوئی سند نہیں تھی) اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے یہ حدیث ثوری عن جعفر، عن أبيه، عن جابر، عن النبي صلى الله عليه وسلم کی سند سے نہیں پہچانی، اور میں نے ان کو دیکھا انھوں نے اس سند کو محفوظ شمار نہیں کیا۔ اور فرمایا: یہ حدیث ثوری، عن ابی اسحاق، عن مجاہد کی سند سے مرسل مروی ہے۔

بابُ ماجاءَ كَمِ اعْتَمَرَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم؟

نبی ﷺ نے کتنے عمرے کئے ہیں؟

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے چار عمرے کئے: عمرۂ حدیبیہ اور دوسرا عمرہ: آئندہ سال ذوالقعدہ میں عمرۂ قصاص یعنی عمرۂ قضا کیا اور تیسرا عمرہ جعرانہ سے کیا اور چوتھا عمرہ وہ ہے جو حج کے ساتھ تھا۔

تشریح: نبی ﷺ نے ۷ ہجری میں جو عمرہ کیا تھا اس کے تین نام ہیں: عمرۂ قصاص، عمرۂ قضیہ اور عمرۂ قضا۔ عمرۂ قصاص نام اس لئے ہے کہ اس سفر میں آیتِ قصاص ﴿الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ﴾ (سورۂ بقرہ آیت ۱۹۶) نازل ہوئی تھی، آیت قصاص سے سورۂ بقرہ آیت ۱۷۸ مراد نہیں، اور عمرۂ قضیہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قضیّہ کے معنی ہیں: معاملہ، فیصلہ، گذشتہ سال کفار مکہ نے آپؐ کو عمرہ سے روک دیا تھا اور یہ فیصلہ ہوا تھا کہ امسال واپس جائیں، آئندہ سال عمرہ کرنے کی اجازت ہے، اور عمرۃ القضاء کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ گذشتہ سال جو عمرہ توڑا تھا یہ عمرہ اس کی قضا تھا۔

جاننا چاہئے کہ اگر احصار کی وجہ سے حج یا عمرہ توڑنا پڑے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی قضا نہیں اور احناف کے نزدیک قضا ہے، اس کا عمرۂ قضا نام احناف کی دلیل ہے کہ احصار کی وجہ سے توڑے ہوئے عمرہ کی قضا ہے، تفصیل آگے آئے گی۔

[۷] باب ماجاء كم اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم؟

[۸۰۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا دَاوُدُ بنُ عَبدِ الرحمنِ العَطَّارُ، عن عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عنِ ابنِ

عباسٍ: أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم اعتَمَرَ أربعَ عُمَرٍ: عُمْرَةَ الْحُدَيْبِيَةِ، وعُمْرَةَ الثَّانِيَةِ مِنْ قَابِلٍ عُمْرَةَ الْقِصَاصِ فِيْ ذِيْ القَعْدَةِ، وعُمْرَةَ الثَّالِثَةِ مِنَ الْجِعْرَانَةِ، وَالرَّابِعَةَ التي مَعَ حَجَّتِهِ.

وفي الباب: عن أنسٍ، وعبدِ الله بنِ عَمْرٍو، وابنِ عُمَرَ، قَالَ أبو عيسى: حديثُ ابنِ عباسٍ حديثٌ غريبٌ، وَرَوَى ابنُ عُيَيْنَةَ هذا الحديثَ عن عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عن عِكْرِمَةَ: أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم اعتَمَرَ أربعَ عُمَرٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عنِ ابنِ عَبَّاسٍ، حدثنا بِذٰلِكَ سَعيدُ بنُ عبدِ الرحمنِ المَخْزُوْمِيُّ، نا سفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عن عِكْرِمَةَ: أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ نَحْوَهُ.

وضاحت: مذکورہ حدیث کو داؤد بن عبد الرحمٰن العطار اور سفیان بن عیینہ دونوں عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں اور داؤد کی حدیث میں ابن عباسؓ کا تذکرہ ہے اور ابن عیینہ کی حدیث میں ان کا تذکرہ نہیں۔ عکرمہ: نبی ﷺ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے چار عمرے کئے۔ اور کتاب میں عن عكرمة عن النبي تصحیف ہے صحیح أنّ النبیّ ہے

بابُ ماجاءَ في أيِّ مَوْضِعٍ أحْرَمَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم؟

نبی ﷺ نے احرام کہاں سے باندھا ہے؟

آنحضور ﷺ نے جب ۱۰ ہجری میں حج کا ارادہ فرمایا تو جزیرۃ العرب میں اعلان کیا گیا کہ آپؐ امسال حج فرمائیں گے، پس جو حج میں مکہ پہنچ سکتا ہے ضرور پہنچے، چنانچہ ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ حج میں شریک ہوئے، ان میں سے بہت سے اپنے وطنوں سے براہ راست مکہ پہنچے تھے اور بیشتر مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے تاکہ شروع سے آپؐ کے ساتھ رہیں اور حج کے مسائل سیکھیں۔ نبی ﷺ ۲۵ ذی القعدہ کو ظہر کی نماز کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ میں رک گئے، یہ اہل مدینہ کی میقات ہے اور مدینہ منورہ سے تقریباً پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے، وہاں آپؐ نے عصر تا فجر چار نمازیں ادا کیں۔ اس قیام کا مقصد یہ تھا کہ سب رفقاء جمع ہو جائیں۔ اور آگے سفر ساتھ ہو، اگلے دن طلوع شمس کے بعد آپؐ نے ذوالحلیفہ میں ایک درخت کے قریب احرام کا دوگانہ ادا کیا اور تلبیہ پڑھ کر احرام شروع فرمایا۔ مگر اس کا علم صرف ان لوگوں کو ہوا جو وہاں موجود تھے، پھر جب اونٹنی آپؐ کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپؐ نے تلبیہ پڑھا (احرام باندھنے کے بعد وقفہ وقفہ سے تلبیہ پڑھا جاتا ہے اور بحالت احرام تلبیہ افضل ذکر ہے) پس کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی انھوں نے خیال کیا کہ آپؐ نے اب احرام شروع کیا، پس انھوں نے یہی روایت کیا، پھر جب اونٹنی آپؐ کو لے کر بیداء نامی ٹیلے پر چڑھی تو آپؐ نے تلبیہ پڑھا، پس جن لوگوں نے یہی تلبیہ سنا انھوں نے اسی کو پہلا تلبیہ سمجھا

اور یہ بیان کرنا شروع کردیا کہ آپ نے بیداء سے احرام باندھا مگر صحیح بات یہ ہے کہ آپ نے درخت کے قریب مسجد کے پاس احرام شروع کیا ہے (ابوداؤد حدیث ۱۷۷۰)

[۸] باب ماجاء فی أیّ موضعٍ أحرم النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم؟

[۸۰۸-] حدثنا ابنُ أَبِیْ عُمَرَ، نا سُفیانُ بنُ عُیَیْنَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ مُحمَّدٍ، عن أَبِیْهِ، عن جَابِرِ بنِ عبدِ اللّٰہِ، قال: لَمَّا أَرَادَ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم الحجَّ أَذَّنَ فِی النَّاسِ فَاجْتَمَعُوْا، فَلَمَّا أَتَی الْبَیْدَاءَ أَحْرَمَ.

وفی الباب: عنِ ابنِ عُمَرَ، وأنسٍ، والمِسْوَرِ بنِ مَخْرَمَةَ، قال أبو عیسی: حدیثُ جَابِرٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

[۸۰۹-] حدثنا قُتَیْبَةُ بنُ سَعِیدٍ، نا حَاتِمُ بنُ إِسْمَاعِیْلَ، عن مُوسَی بنِ عُقْبَةَ، عن سَالِمِ بنِ عَبْدِ اللّٰہِ بنِ عُمَرَ، عن ابنِ عُمَرَ، قال: البَیْدَاءُ التی تَکْذِبُوْنَ فِیْهَا علی رسولِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم، واللّٰہِ مَا أَهَلَّ رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلاَّ مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ، مِنْ عِنْدِ الشَّجَرَةِ.

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

ترجمہ: جب نبی ﷺ نے حج کا ارادہ کیا تو لوگوں میں اس کا اعلان کیا گیا، پس لوگ جمع ہوئے، پس آپ بیداء پر آئے تو آپ نے احرام باندھا اور حضرت ابن عمرؓ جب حج یا عمرہ کے لئے چلے اور بیداء ٹیلے پر چڑھے تو فرمایا: یہی بیداء ہے جس کے بارے میں تم رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط بات منسوب کرتے ہو، بخدا! آپ نے احرام نہیں باندھا مگر مسجد کے پاس سے، درخت کے پاس سے۔

بابُ ماجاءَ مَتَی أَحْرَمَ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم؟

نبی ﷺ نے احرام کب باندھا ہے؟

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے نماز کے بعد تلبیہ پڑھا، یعنی احرام شروع کیا۔

تشریح: احرام شروع کرنے سے پہلے دوگانہ احرام سنت ہے، اور دوگانہ ادا کرنے کے بعد فوراً احرام شروع کرنا (تلبیہ پڑھنا) ضروری نہیں، اگر تلبیہ پڑھنے میں کسی وجہ سے تاخیر ہوجائے تو بھی کوئی حرج نہیں، میرا معمول یہ ہے کہ جہاز میں سوار ہونے سے پہلے دوگانہ پڑھ لیتا ہوں اور جہاز روانہ ہونے کے بعد تلبیہ پڑھتا ہوں۔ اور دوگانہ احرام مشروع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نیت ایک پوشیدہ امر ہے اس لئے اس کو ایک ایسے عمل کے ذریعہ جو اللہ کے لئے خاص ہے اور جو اللہ کی عبادت کے اہتمام پر دلالت کرنے والا ہے: متعین ومنضبط کیا گیا ہے تاکہ نفس کے لئے یہ

بات خوب واضح ہوجائے کہ وہ ایک اہم عمل شروع کررہا ہے۔

[۹] باب ماجاء متى أحرم النبى صلى الله عليه وسلم؟

[۸۱۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيدٍ، نا عبدُ السَّلَامِ بنُ حَرْبٍ، عن خُصَيْفٍ، عن سَعِيدِ بنِ جُبَيْرٍ، عن ابنِ عباسٍ: أنَّ النبىَّ صلى الله عليه وسلم أَهَلَّ فِىْ دُبُرِ الصَّلَاةِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُ أحَدًا رَوَاهُ غَيْرُ عبدِ السَّلَامِ بنِ حَرْبٍ، وَهُوَ الَّذِىْ يَسْتَحِبُّهُ أَهْلُ العِلْمِ أنْ يُحْرِمَ الرَّجُلُ فِىْ دُبُرِ الصَّلَاةِ.

وضاحت: اس حدیث کی عبدالسلام بن حرب سے اوپر ایک ہی سند ہے اور اس کا استاذ خُصیف بن عبدالرحمٰن الجزری صدوق سیئ الحفظ اور مرجئہ تھا (تقریب)

بابُ ماجاءَ فِىْ إِفْرَادِ الْحَجِّ

حج افراد کا بیان

پہلے یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ حج کے تین طریقے ہیں: افراد: یعنی میقات سے صرف حج کا احرام باندھ کر مکہ جانا اور حج کرنا، تمتع: یعنی میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ جانا اور افعال عمرہ کرکے احرام کھول دینا، پھر مکہ ہی میں رکے رہنا اور آٹھ ذی الحجہ کو مکہ سے حج کا احرام باندھنا اور حج کرنا۔ اور قران: یعنی حج اور عمرۃ کا ایک ساتھ احرام باندھنا اور عمرہ ادا کرکے احرام کی حالت میں مکہ میں رکے رہنا اور حج کے دنوں میں حج کرنا۔

نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا ہے مگر روایات میں اختلاف ہے، سترہ صحابہ سے عمدہ سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے قران کیا تھا اور پانچ صحابہ سے تمتع کرنا مروی ہے اور چار صحابہ سے افراد کرنا مروی ہے، اور سب روایتیں ٹھیک ہیں (معارف السنن ۶: ۲۷۶)

اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ نے ذوالحلیفہ سے صرف حج کا احرام باندھا تھا اس لئے کہ جاہلیت سے یہ تصور چلا آرہا تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہر حج میں عمرہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور شریعت کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا، اس لئے آپؐ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا[1] افراد کی روایات کا محمل یہی ہے یعنی ان روایت نے

(۱) جاننا چاہئے کہ حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر کیا جاتا تھا مگر اس میں فساد در آیا تھا اور جب تک وحی کے ذریعہ اس کی اصلاح نہ ہو اسی طریقہ پر حج کرنا تھا، اور چونکہ پہلے سے یہ تصور چلا آرہا تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہر حج میں عمرہ کرنا بڑا گناہ ہے اور نیا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپؐ نے ذوالحلیفہ سے صرف حج کا احرام باندھا تھا، یہاں طلبہ ایک غلطی ←

آپؐ کی ابتدائی حالت کا تذکرہ کیا ہے ——— پھر مکہ پہنچتے ہی نیا حکم یہ آیا کہ لوگ حج کا احرام عمرہ سے بدل دیں یعنی نیت بدل دیں اور افعال عمرہ کر کے احرام کھول دیں۔ جب آپؐ نے لوگوں کو یہ حکم سنایا اور جن کے پاس ہدی نہیں تھی ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ آٹھ ذوالحجہ کو مکہ ہی سے حج کا احرام باندھیں تو لوگوں پر یہ حکم شاق گذرا کیونکہ حج میں گنتی کے چند دن باقی رہ گئے تھے، نبی ﷺ چار ذوالحجہ کو مکہ پہنچے تھے اور احرام کھولنے کا مطلب تھا بیویوں سے فائدہ اٹھانا اور پہلے سے جو تصور چلا آرہا تھا وہ ذہنوں پر مسلط تھا۔ اس لئے صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اس حال میں حج کریں گے کہ ہماری شرمگاہوں سے منی ٹپک رہی ہوگی! نبی ﷺ نے تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا: تم جانتے ہو کہ میں تم میں زیادہ اللہ سے ڈرنے والا، تم سے زیادہ اللہ کی اطاعت کرنے والا اور تم سے زیادہ خیر کا طالب ہوں، اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی عمرہ کر کے احرام کھول دیتا (مسلم، مشکوۃ حدیث ۲۵۵۹) اس تقریر کے بعد صحابہ کے ذہنوں سے بوجھ ہٹ گیا اور جو لوگ ہدی ساتھ نہیں لائے تھے انھوں نے ارکانِ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا۔ اور آپؐ کے لئے مجبوری یہ تھی کہ آپ قربانیاں ساتھ لائے تھے جب تک وہ ذبح نہ ہوں آپؐ احرام نہیں کھول سکتے تھے اس لئے آپؐ نے حج کے ساتھ عمرہ کی نیت کرلی۔ اب آپ قارن ہوگئے، قران کی روایات اس آخری حالت کے اعتبار سے ہیں ——— اور تمتع سے لغوی معنی: فائدہ اٹھانا مراد ہیں۔ چونکہ آپؐ نے بھی ایک سفر میں حج وعمرہ بصورت قران ادا فرمایا تھا اس لئے رواۃ نے اس کو تمتع سے تعبیر کردیا۔

مذاہبِ فقہاء: تمام ائمہ کے نزدیک تینوں طریقوں پر حج کرنا جائز ہے، البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک قران افضل ہے، پھر تمتع، پھر افراد۔ اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اس کے برعکس ہے یعنی سب سے افضل حج افراد ہے پھر تمتع، پھر قران۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سب سے افضل وہ تمتع ہے جس میں ہدی ساتھ نہ لایا ہو، پھر افراد، پھر قران۔ اور وہ تمتع جس میں ہدی ساتھ لایا ہو وہ بحکم قران ہے، کیونکہ قران کی طرح اس تمتع میں بھی احرام نہیں کھلتا۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ دو اماموں نے حضور ﷺ کی ابتدائی حالت کا اعتبار کیا، آپؐ نے ذوالحلیفہ سے صرف حج کا احرام باندھا تھا، اور انھوں نے تمتع کو دوسرے نمبر پر رکھا کہ وہ افراد کے مشابہ ہے اس میں عمرہ الگ ادا

← کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت کے تصور میں مطلقاً اشہر حج میں عمرہ کرنا بڑا گناہ تھا، یہ بات صحیح نہیں بلکہ ان کا گمان یہ تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہر حج میں عمرہ کرنا گناہ ہے، لیکن اگر کسی کو حج نہیں کرنا تو وہ اشہر حج میں عمرہ کرسکتا ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے چاروں عمرے اشہر حج یعنی ذوالقعدہ میں کئے ہیں۔ اور اشہر حج ڈھائی مہینے ہیں: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ، اور نو تا تیرہ ذوالحجہ پانچ دن ایام حج ہیں۔ اور اشہر حج کا مطلب یہ ہے کہ شوال کا چاند نظر آنے سے پہلے حج کا احرام باندھنا ممنوع ہے، شوال کا چاند نظر آنے کے بعد کسی بھی وقت حج کا احرام باندھ سکتے ہیں ۱۲

کیا جاتا ہے اور حج الگ، اور امام اعظمؒ نے آخری حالت کا اعتبار کیا، کیونکہ قاعدہ ہے: اَلْعِبْرَۃُ بالخَوَاتِیم اور ان کے نزدیک تمتع دوسرے نمبر پر اس وجہ سے ہے کہ وہ قران کے مشابہ ہے، کیونکہ دونوں میں ایک سفر میں حج اور عمرہ کئے جاتے ہیں، اور امام احمدؒ کا نظریہ یہ ہے کہ نہ ابتدائی حالت کی رعایت کی جائے نہ آخری حالت کی، بلکہ آپؐ نے جو تمنا اور خواہش کی تھی اس کا لحاظ کیا جائے آپ نے تمنا کی تھی: لو استقبلتُ مِن أمری ما استدبرتُ لَمْ أسُقِ الهدیَ وَ لأحْلَلْتُ یعنی اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ آگے یہ حکم آئے گا تو میں ہدی ساتھ نہ لاتا اور احرام کھول دیتا، پس وہ تمتع جس میں ہدی ساتھ نہ لایا ہو افضل ہے، پھر اس کے مشابہ افراد ہے، کیونکہ تمتع میں حج علحدہ کیا جاتا ہے اس کو عمرہ کے ساتھ ملایا نہیں جاتا، پس اس کی افراد کے ساتھ مشابہت قوی ہے، لہٰذا افراد دوسرے نمبر پر ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ نے قران کو جو افضل نہیں کہا اس کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قران میں حج اور عمرہ کے افعال میں تداخل ہو جاتا ہے، ان کے نزدیک طواف زیارت اور اس کے بعد کی سعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہے، اور احناف کے نزدیک عمرہ کا طواف اور سعی الگ ہیں اور حج کا طواف اور سعی الگ ہیں، چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قران میں افعال کم ہو جاتے ہیں اس لئے وہ اس کو افضل نہیں کہہ سکتے، اور اسی وجہ سے وہ قارن اور متمتع پر جو قربانی واجب ہے اس کو دم جبر کہتے ہیں، دم شکر نہیں کہتے، دم شکر میں سے مالدار اور غریب سب کھا سکتے ہیں اور دم جبر کا گوشت صرف غریبوں کے لئے ہے، قربانی کرنے والا اور مالدار اس میں سے نہیں کھا سکتے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک یہ دم: دم جبر ہے، ان کے نزدیک جو افعال اور سفر میں کمی ہوگئی ہے اس کی تلافی کے لئے یہ دم ہے، اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک دم شکر ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک سفر میں دو کام کرنے کی جو توفیق مرحمت فرمائی اس کے شکر یہ میں یہ قربانی ہے اور دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ ذبح کئے تھے اور ہر اونٹ میں سے ایک بوٹی کاٹی تھی، پھر اس کو پکا کر آپؐ نے شوربہ نوش فرمایا تھا۔ اُن ۱۰۰ اونٹوں میں آپؐ کی حج کی قربانی بھی تھی، آپؐ نے اس کو علحدہ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، پس معلوم ہوا کہ متمتع اور قارن کی قربانی دم شکر ہے دم جبر نہیں۔

فائدہ: امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک جو حج افراد افضل ہے تو وہ حج افراد افضل ہے جس کے بعد حاجی وطن واپس لوٹنے سے پہلے مکہ (حل) سے ایک عمرہ بھی کرے، اگر وہ صرف حج کر کے لوٹے گا تو وہ افراد افضل نہیں۔ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ حج وعمرہ جو دو الگ الگ سفروں میں کئے گئے ہوں — خواہ پہلے حج کیا ہو یا عمرہ — وہ سب سے افضل ہے حج قران سے بھی وہ افضل ہے۔

[۱۰] باب ماجاء فی إفراد الحج

[۸۱۱-] حدثنا أبو مُصْعَبٍ قِرَاءَ ةً عن مَالِكِ بنِ أنَسٍ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ القَاسِمِ، عن أبِیهِ، عن

عائشةَ: أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم أَفْرَدَ الْحَجَّ.

وفي الباب: عن جَابِرٍ، وابنِ عُمَرَ، قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ وَالعَمَلُ عَلىٰ هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ.

[۸۱۲-] وَرُوِيَ عنِ ابنِ عُمَرَ أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أَفْرَدَ الْحَجَّ، وأَفْرَدَ أَبُوْ بَكْرٍ، وعُمَرُ، وعُثْمَانُ، حدثنا بذلِكَ قُتَيْبَةُ، نا عبدُ الله بنُ نَافِعِ الصَّائِغُ، عن عُبَيْدِ اللهِ بنِ عُمَرَ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ بِهٰذَا.

قال أبو عيسى: وقالَ الثَّوْرِيُّ: إِنْ أَفْرَدْتَ الْحَجَّ فَحَسَنٌ، وإِنْ قَرَنْتَ فَحَسَنٌ، وإِنْ تَمَتَّعْتَ فَحَسَنٌ، وقال الشافعيُّ: مِثْلَهُ، وقالَ: أَحَبُّ إِلَيْنَا الإِفْرَادُ، ثُمَّ التَّمَتُّعُ، ثُمَّ القِرَانُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج افراد کیا (یہ بات ابتدائی حالت کے اعتبار سے فرمائی ہے) —— اس پر بعض علماء کا عمل ہے اور ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے افراد کیا اور ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی افراد کیا، اس کے بعد ابن عمر کی حدیث کی سند ہے۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں: اگر آپ حج افراد کریں تو ٹھیک ہے اور حج قران کریں تو بھی ٹھیک ہے اور حج تمتع کریں تو بھی ٹھیک ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے، اور فرمایا: مجھے زیادہ پسند افراد ہے پھر تمتع پھر قران۔

بابُ ماجاءَ في الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

حج اور عمرہ کو ایک ساتھ کرنے کا یعنی قران کا بیان

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: لبيك بعمرة وحجة۔

تشریح: حج اور عمرہ کا تلبیہ ایک ہے اور تلبیہ میں حج یا عمرہ کا ذکر ضروری نہیں، نیت کرنا کافی ہے اور آپؐ نے اپنے تلبیہ میں حج وعمرہ دونوں کا ذکر اس لئے کیا تا کہ صحابہ کو صورت حال کا پتا چل جائے کہ آپؐ نے حج قران کیا ہے۔

[۱۱] باب ماجاء في الجمع بين الحج والعمرة

[۸۱۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عن حُمَيْدٍ، عن أَنَسٍ، قال سَمِعْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم يقولُ: "لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ"

وفي الباب: عن عُمَرَ، وعمرانَ بنِ حُصَيْنٍ، قال أبو عيسى: حديثُ أنسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أهلِ العلمِ إِلىٰ هٰذَا، واخْتارَهُ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَغيرِهِمْ.

بابُ ماجاء فی التَّمَتُّعِ

حج تمتع کا بیان

حدیث (۱): محمد بن عبداللہ کہتے ہیں: انھوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (یہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں) اور ضحاک بن قیس (یہ تابعی ہیں اور اسلامی تاریخ کی اہم شخصیت ہیں جنگوں میں ان کے بڑے کارنامے ہیں) دونوں کو سنا درانحالیکہ وہ حج کے ساتھ عمرہ سے فائدہ اٹھانے کے سلسلہ میں گفتگو کر رہے تھے (یعنی دونوں کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ ایک سفر میں حج اور عمرہ دونوں کر سکتے ہیں یا نہیں؟) ضحاک نے کہا: یہ کام وہی کرتا ہے جو اللہ کے دین سے ناواقف ہے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا: بھتیجے! آپ نے نہایت بری بات کہی، ضحاک نے کہا: حضرت عمرؓ نے اس سے منع کیا ہے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اس کو کیا ہے اور آپؐ کے ساتھ ہم نے بھی اس کو کیا ہے (آپؐ نے ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ دونوں کئے ہیں اور آپ کے ساتھ صحابہ نے بھی کئے ہیں) پس آپ کا کیا خیال ہے: حضور ﷺ بھی اللہ کا دین نہیں جانتے تھے اور ہم بھی اللہ کے دین سے ناواقف تھے! ضحاک لاجواب ہو گئے، مگر حضرت عمرؓ نے منع کیوں کیا تھا یہ بات حضرت سعدؓ نے نہیں کھولی، کیونکہ وہ ایک راز تھا اس کو کھول دیا جاتا تو مصلحت فوت ہو جاتی۔

حدیث (۲): حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کرنے سے منع کیا، مگر ان کی مخالفت ہوئی، ایک شخص شام سے ابن عمرؓ کے پاس آیا اس کا خیال تھا کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے منع کرتے تھے اس لئے ابن عمرؓ بھی یہی بات کہیں گے اور اس کو حضرت معاویہؓ کے قول کی دلیل مل جائے گی کہ ابن عمرؓ کا بھی یہی فتوی ہے، لیکن ابن عمرؓ نے اس کی خواہش کے مطابق جواب نہیں دیا۔ سالم بن عبداللہ کہتے ہیں: شام کے ایک آدمی نے ابن عمرؓ سے حج کے ساتھ عمرہ سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں پوچھا۔ ابن عمرؓ نے جواب دیا: جائز ہے، شامی نے کہا: آپ کے ابا منع کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بتا! اگر میرے ابا منع کریں اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو کیا ہو تو تو میرے ابا کی پیروی کرے گا یا رسول اللہ ﷺ کی؟ شامی نے کہا: نبی ﷺ کی پیروی کی جائے گی، ابن عمرؓ نے فرمایا: پس سن! اس کو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے —— حضرت ابن عمرؓ نے بھی یہ بات نہیں کھولی کہ حضرت عمرؓ نے کیوں منع کیا تھا۔

حدیث (۳): ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمتع کیا اور ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی تمتع کیا اور وہ پہلا شخص جس نے تمتع سے منع کیا حضرت معاویہؓ ہیں۔

تشریح:

۱- جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج کے ساتھ عمرہ کرنے سے منع کیا تھا تو کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی تھی اور

جب یہی بات امیر معاویہؓ نے کہی تو لوگوں نے ان کی مخالفت کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس سے مصلحتاً منع کیا تھا اور حضرت معاویہؓ نے مسئلہ کے طور پر منع کیا تھا، اور ظاہر ہے جو کام نبی ﷺ نے کیا ہو وہ ممنوع کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لئے لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔

۲- حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں یہ حکم نافذ کیا تھا کہ کوئی شخص حج کے ساتھ عمرہ نہ کرے، عمرہ کے لئے مستقل سفر کرے اور اس میں جو مصلحت تھی وہ حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ کو بتادی تھی، عوام کو نہیں بتائی تھی، ورنہ ممانعت بے فائدہ ہوجاتی، اور وہ مصلحت یہ تھی کہ حج کے علاوہ دنوں میں بیت اللہ غیر آباد رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اللہ کا گھر پورے سال آباد ہوجائے، پورے سال وہاں لوگوں کا تانتا بندھا رہے اور ہر وقت طواف جاری رہے اس لئے حضرت عمرؓ نے یہ حکم دیا تھا، چنانچہ کعبہ شریف سال بھر آباد ہوگیا، دن بہ دن عمرہ کرنے والوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے، آج صورت حال یہ ہے کہ روزانہ دس ہزار آدمی عمرہ کرنے آتے ہیں اور اتنے ہی عمرہ کرکے واپس جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ حکم نافذ کیا تو اندیشہ تھا کہ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونگی، اہتمام سے اگر کوئی حکم جاری ہو اور وہ طلبہ کے لئے بھاری ہو تو چہ مگوئیاں ہوتی ہیں مگر اس صورت میں طلبہ براہ راست مہتمم صاحب کے پاس نہیں جاتے اساتذہ سے رجوع کرتے ہیں، پس اگر مہتمم صاحب نے پہلے سے اساتذہ کو مصلحت بتارکھی ہے تو اساتذہ طلبہ کو مطمئن کردیتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ کو مصلحت بتادی تھی، چنانچہ انھوں نے لوگوں کو مطمئن کردیا اور لوگ حج اور عمرہ کے لئے الگ الگ سفر کرنے لگے اور کعبہ شریف آباد ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد رفتہ رفتہ وہ بات ختم ہوگئی اور لوگ حج کے ساتھ بھی عمرہ کرنے لگے، پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہی بات مسئلہ کے طور پر کہی تو لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا، کیونکہ جب حضور ﷺ نے اور خلفائے ثلاثہ نے حج اور عمرہ ایک ساتھ کئے ہیں تو وہ ناجائز کیسے ہوسکتا ہے!

[۱۲] باب ماجاء في التمتع

[۸۱۴-] حدثنا قُتَيْبَةُ بنُ سَعِيدٍ، عن مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، عن ابنِ شِهَابٍ، عن مُحمدِ بنِ عبدِ اللهِ بنِ الحَارِثِ بنِ نَوْفَلٍ: أَنَّهُ سَمِعَ سَعْدَ بنَ أَبِيْ وَقَّاصٍ، وَالضَّحَّاكَ بنَ قَيْسٍ: وَهُمَا يَذْكُرَانِ التَّمَتُّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الحَجِّ، فقالَ الضَّحَّاكُ بنُ قَيْسٍ: لاَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ إِلاَّ مَنْ جَهِلَ أَمْرَ اللهِ تَعَالٰى، فقالَ سَعْدٌ: بِئْسَ مَا قُلْتَ يَا ابنَ أَخِيْ! فقالَ الضَّحَّاكُ: فَإِنَّ عُمَرَ بنَ الْخَطَّابِ قَدْ نَهَى عَنْ ذٰلِكَ، فقالَ سَعْدٌ: قَدْ صَنَعَهَا رسولُ الله صلى الله عليه وسلم وَصَنَعْنَاهَا مَعَهُ؛ وهذا حديثٌ صحيحٌ.

[۸۱۵-] حدثنا عبدُ بنِ حُمَيْدٍ، أَخْبَرَنِيْ يَعْقُوْبُ بنُ إِبْرَاهِيمَ بنِ سَعْدٍ، نا أَبِيْ، عن صَالِحِ بنِ كَيْسَانَ، عن ابنِ شِهَابٍ، أَنَّ سَالِمَ بنَ عبدِ الله حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الشَّامِ، وَهُوَ يَسْأَلُ عَبْدَ

اللهِ بن عُمَرَ عَنِ التَّمَتُّعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ، فقالَ عبدُ الله بنُ عُمَرَ: هِيَ حَلَالٌ، فَقَالَ الشَّامِيُّ: إِنَّ أَبَاكَ قَدْ نَهٰى عَنْهَا، فَقَالَ عبدُ اللهِ بنُ عُمَرَ: أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ أَبِي نَهٰى عَنْهَا وَصَنَعَهَا رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: أَمْرُ أَبِي يُتَّبَعُ أَمْ أَمْرُ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم؟ فقالَ الرَّجُلُ: بَلْ أَمْرُ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم، فقالَ لَقَدْ صَنَعَهَا رسولُ الله صلى الله عليه وسلم، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۸۱٦-] حدثنا ابو مُوسىٰ مُحمَّدُ بنُ الْمُثَنّٰى، نا عبدُ اللهِ بنُ إِدْرِيْسَ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عن ابنِ عبَّاسٍ، قالَ: تَمَتَّعَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم وأبو بَكْرٍ وَعُمَرُ وعُثْمَانُ، وأَوَّلُ مَنْ نَهٰى عنهُ مُعَاوِيَةُ.

وفي الباب: عن عَلِيٍّ، وعُثمانَ، وجَابِرٍ، وسَعْدٍ، وأَسْمَاءَ ابْنَةِ أبي بَكْرٍ، وابنِ عُمَرَ.

قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ، واختَارَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ التَّمَتُّعَ بِالْعُمْرَةِ.

والتَّمَتُّعُ: أَنْ يَدْخُلَ الرَّجُلُ بِعُمْرَةٍ فِي أَشْهُرِ الحَجِّ، ثُمَّ يُقِيْمُ حَتّٰى يَحُجَّ، فَهُوَ مُتَمَتِّعٌ، وَعَلَيْهِ دَمٌ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ. وَيُسْتَحَبُّ لِلْمُتَمَتِّعِ إِذَا صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ أَنْ يَصُوْمَ فِي الْعَشْرِ، وَيَكُوْنُ آخِرُهَا يَوْمَ عَرَفَةَ، فَإِنْ لَمْ يَصُمْ فِي الْعَشْرِ: صَامَ أَيَّامَ التَّشْرِيْقِ، فِي قَوْلِ بَعْضِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، مِنْهُمْ ابنُ عُمَرَ، وعائشةُ، وبِهِ يقولُ مَالِكٌ، والشَّافِعِيُّ، وأحمدُ، وإسحاقُ.

وقَالَ بَعْضُهُمْ: لَايَصُوْمُ أَيَّامَ التَّشْرِيْقِ، وَهُوَ قَوْلُ أهلِ الْكُوْفَةِ.

قال أبو عيسى: وأهلُ الحَدِيْثِ يَخْتَارُوْنَ التَّمَتُّعَ بِالْعُمْرَةِ فِي الْحَجِّ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وأحمدَ وإسحاقَ.

ترجمہ اور وضاحت: صحابہ اور ان کے علاوہ علماء میں سے بعض حضرات نے عمرہ کے ساتھ فائدہ اٹھانے کو پسند کیا ہے اور تمتع یہ ہے کہ آدمی اشہر حج میں عمرہ کرے پھر مکہ میں ٹھہرا رہے، یہاں تک کہ حج کرے تو وہ تمتع کرنے والا ہے (یعنی تمتع میں شوال کا چاند نظر آنے کے بعد عمرہ کرنا ضروری ہے، اگر کوئی رمضان میں عمرہ کرلے پھر مکہ میں ٹھہرا رہے اور حج کرے تو وہ متمتع نہیں، اسی طرح جو شخص اشہر حج میں عمرہ کر کے وطن واپس آجائے پھر اسی سال حج کرے تو وہ بھی متمتع نہیں۔ تمتع میں اشہر حج میں عمرہ کر کے حج تک مکہ میں ٹھہرنا ضروری ہے، البتہ مدینہ جانا جائز ہے، پھر جب مدینہ سے لوٹے تو خواہ عمرہ کا احرام باندھ کر لوٹے یا حج کا بہر صورت تمتع ہوگا) اور متمتع پر وہ قربانی ہے جو اُسے بآسانی میسر آئے (کم از کم ایک بکری ذبح کرنا ضروری ہے اس سے چھوٹے جانور کی قربانی درست نہیں، ہاں

بڑا جانور پورا کرے تو سبحان اللہ) اور جس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو تو وہ حج سے پہلے تین روزے رکھے اور سات روزے گھر لوٹنے کے بعد رکھے، اور متمتع کے لئے مستحب یہ ہے کہ جب وہ حج کے ایام میں تین روزے رکھے تو عشرۂ ذی الحجہ میں روزے رکھے اور ان میں سے آخری روزہ عرفہ کے دن ہو (اگر متمتع کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو، نہ جانور خریدنے کے لئے پیسے ہوں تو اس کو دس روزے رکھنے ہونگے، تین حج سے پہلے اور سات گھر واپس لوٹ کر اور جو تین روزے حج سے پہلے رکھنے ہیں وہ اشہر حج میں رکھنے ہیں، مگر مستحب یہ ہے کہ سات تا نو ذی الحجہ کے روزے رکھے) پس اگر وہ عشرۂ ذی الحجہ میں روزے نہ رکھ سکے تو بعض صحابہ کے قول میں ایام تشریق میں بھی روزے رکھ سکتا ہے، ان میں سے ابن عمر اور حضرت عائشہ ہیں، اور مالک، شافعی، احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں، اور بعض کہتے ہیں: ایامِ تشریق میں روزے نہیں رکھے گا اور یہ کوفہ والوں کا قول ہے (یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے کہ اگر کسی نے یوم عرفہ تک وہ روزے نہیں رکھے، خواہ تینوں نہیں رکھے یا ایک دو روزے نہیں رکھے تو امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول جدید یہ ہے کہ اس کے لئے ایام تشریق میں روزے رکھنا جائز نہیں، اب اسے بہر حال قربانی کرنی ہوگی۔ اور امام مالک اور امام احمد کا مذہب اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ وہ ایام تشریق میں روزے رکھ سکتا ہے) امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اور محدثین (حجازی مکتب فکر کے علماء) اشہر حج میں عمرہ کے ذریعہ فائدہ اٹھانے کو پسند کرتے ہیں اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے (یہ اجماعی مسئلہ ہے)

بابُ ماجاءَ فی التَّلْبِيَةِ

تلبیہ کا بیان

احرام تلبیہ سے شروع ہوتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک کوئی بھی ذکر تلبیہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے یعنی حج یا عمرہ کی نیت کرنے کے بعد کوئی بھی اللہ کا ذکر کیا جائے مثلاً الحمد للہ کہا یا سبحان اللہ کہا تو احرام شروع ہو گیا، یہ ذکر تلبیہ کے قائم مقام ہو جائے گا یعنی گویا اس نے تلبیہ پڑھ لیا۔

حدیث (۱): ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ کا تلبیہ یہ تھا: "میں بار بار حاضر ہوں خداوندا تیرے حضور میں، بار بار حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں، میں آپ کے حضور میں بار بار حاضر ہوں، تمام حمد و ثنا آپ ہی کے لئے سزاوار ہے، اور ساری نعمتیں آپ ہی کے لئے ہیں اور فرماں روائی بھی آپ ہی کے لئے ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں"

تشریح: آنحضرت ﷺ حج اور عمرہ میں یہی تلبیہ پڑھتے تھے اس تلبیہ میں چار جگہ وقف مستحب ہے، عبارت میں علامتِ وقف کے ذریعہ اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے، اور تلبیہ میں یہ الفاظ اس لئے پسند کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے مولیٰ کی بندگی پر برقرار رہنے کی ترجمانی کرتے ہیں اور اس کو یہ بات بھی یاد دلاتے ہیں کہ اب وہ بندگی کے لئے کمر

بستہ ہے، پس اس کو عبادت کا پورا پورا حق ادا کرنا چاہئے، اور تلبیہ میں دو مرتبہ لاشریك لك شامل کیا گیا ہے، کیونکہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ اپنے بتوں کی تعظیم کرتے تھے اور تلبیہ میں ان کا بھی تذکرہ کرتے تھے، وہ کہتے تھے: لاشریك لك إلا شریکاً هو لك تَمْلِکُه وَمَا مَلَكَ یعنی آپ کا کوئی شریک نہیں، مگر وہ شریک جو آپ کا ہے جس کے آپ مالک ہیں اور وہ مالک نہیں، چنانچہ مشرکین کی تردید کے لئے اور مسلمانوں کے تلبیہ کو مشرکوں کے تلبیہ سے جدا کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے تلبیہ میں یہ جملہ بڑھایا ہے۔

حدیث (۲): ابن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھنا شروع کیا، وہ کہہ رہے تھے: لبیك اللّٰهم لبیك ــ إلی ــ لاشریك لك، نافع کہتے ہیں: ابن عمرؓ فرماتے تھے: یہ نبی ﷺ کا تلبیہ ہے، اور ابن عمرؓ اپنی طرف سے نبی ﷺ کے تلبیہ کے بعد بڑھاتے تھے: لبیك لبیك وسَعْدَیْك، والخَیْرُ فِیْ یَدَیْك، لبیك وَالرُّغبٰی إِلَیْكَ والعملُ (الرُّغبٰی اور الرَّغْبَۃُ دونوں مترادف لفظ ہیں ترجمہ: میں بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ کی عبادت کو نیک بختی تصور کرتا ہوں، اور بھلائی آپ کے اختیار میں ہے، میں بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور پوری رغبت آپ کی طرف ہے اور عمل بھی آپ کے لئے ہے)

تشریح: حضور ﷺ کا جو تلبیہ تھا اس کو پڑھنا بہتر ہے اور اگر کوئی ابن عمرؓ نے جو جملے بڑھائے ہیں وہ یا اپنی طرف سے کوئی اور جملہ بڑھائے جس میں اللہ کی تعظیم ہو تو جائز ہے۔

[۱۳] باب ماجاء فی التلبیة

[۸۱۷-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِیْعٍ، نا إسماعیلُ بنُ إِبْرَاهِیْمَ، عَنْ أَیُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عنِ ابنِ عُمَرَ، قال: کانَ تَلْبِیَۃُ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم: لَبَّیْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لاَشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لاَشَرِیْكَ لَكَ.

[۸۱۸-] حدثنا قُتَیْبَۃُ، نا اللَّیْثُ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ، أَنَّهُ أَهَلَّ فَانطلَقَ یُهِلُّ، یقولُ: لَبَّیْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لاَشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لاَشَرِیْكَ لَكَ، قالَ: وکانَ عبدُ اللہ بنُ عُمَرَ یقولُ: هٰذِهِ تَلْبِیَۃُ رسولِ اللہ صلی اللہ علیه وسلم، وکانَ یَزِیْدُ مِنْ عِنْدِهِ فِیْ إِثْرِ تَلْبِیَةِ رسولِ اللہ صلی اللہ علیه وسلم: لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ وسَعْدَیْكَ، والخَیْرُ فِیْ یَدَیْكَ، لَبَّیْكَ وَالرُّغْبٰی إِلَیْكَ وَالعَمَلُ؛ هٰذَا حدیثٌ صحیحٌ.

قال أبو عیسی: وفی الباب: عن ابنِ مَسْعُوْدٍ، وجَابِرٍ، وعائشةَ، وابنِ عبَّاسٍ، وأبی هریرةَ، قال أبو عیسی: حدیثُ ابنِ عُمَرَ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

والعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، والشَّافِعِيِّ، وأحمدَ، وإسحاق.

وقَالَ الشَّافِعِيُّ: فَإِنْ زَادَ زَائِدٌ فِي التَّلْبِيَةِ شَيْئًا مِنْ تَعْظِيْمِ اللهِ فَلا بَأْسَ إِنْ شَاءَ اللهُ، وأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَقْتَصِرَ عَلَى تَلْبِيَةِ رسولِ اللہ صلی اللہ علیه وسلم.

قَالَ الشَّافِعِيُّ: وإِنَّمَا قُلْنَا: لاَبَأْسَ بِزِيَادَةِ تَعْظِيْمِ اللهِ فِيهَا: لِمَا جَاءَ عَنِ ابنِ عُمَرَ، وَهُوَ حَفِظَ التَّلْبِيَةَ عَنْ رسولِ اللہ صلی اللہ علیه وسلم، ثُمَّ زَادَ ابنُ عُمَرَ فِي تَلْبِيَتِهِ مِنْ قِبَلِهِ: "لَبَّيْكَ وَالرُّغْبىٰ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ"

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر کوئی تلبیہ میں کچھ بڑھائے جو اللہ کی تعظیم کے قبیل سے ہو تو ان شاء اللہ کچھ مضائقہ نہیں۔ اور مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تلبیہ پر اکتفا کرے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اور ہم نے تلبیہ میں اللہ کی تعظیم کے قبیل سے الفاظ بڑھانے کی اجازت اس لئے دی کہ ابن عمرؓ آپؐ کے تلبیہ کے بعد اضافہ کرتے تھے درانحالیکہ ان کو رسول اللہ ﷺ کا تلبیہ یاد تھا، پھر ابن عمرؓ نے آپؐ کے تلبیہ میں اپنی جانب سے یہ اضافہ کیا ہے: لبیك والرغبیٰ إليه والعمل۔

لغت: لبیك میں لَبّی: مصدر منصوب ہے (لَبٌّ کے معنی ہیں: إقامة، وحضور، ولزوم) اس کو تاکید کے لئے تثنیہ بنا کر کاف ضمیر خطاب کی طرف مضاف کیا ہے یعنی اے اللہ! میں آپ کے سامنے ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ نہیں بار بار حاضر ہوں۔

بابُ ماجاءَ فی فَضْلِ التَّلْبِيَةِ والنَّحْرِ

تلبیہ اور قربانی کی فضیلت

احرام کی حالت میں زیادہ سے زیادہ تلبیہ پڑھنا چاہئے، محرم کے اعمال میں اللہ کو سب سے زیادہ پسند تلبیہ اور قربانی ہیں، چونکہ اس حدیث میں قربانی کا بھی ذکر ہے اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے دونوں کو ساتھ بیان کر دیا ورنہ قربانی کا ذکر آگے آئے گا۔

حدیث (۱): نبی ﷺ سے پوچھا گیا: کونسا حج بہتر ہے؟ اس سوال کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ افراد، تمتع اور قران میں سے کونسا حج زیادہ فضیلت والا ہے، مگر یہاں یہ مطلب نہیں، بلکہ پوچھنا یہ ہے کہ اعمالِ حج میں کونسا عمل سب سے بہتر ہے (اور قرینہ جواب ہے) آپؐ نے فرمایا: ''جہراً تلبیہ پڑھنا اور خون بہانا''

تشریح: العَجّ: کے معنی ہیں: کوئی بھی بات بآواز بلند بولنا، شور مچانا، چیخنا چلانا، عَجَّ إلی الله بالدعاء: اللہ سے بآواز بلند دعا کی۔ یہاں زور سے تلبیہ پڑھنا مراد ہے، آئندہ باب میں حدیث آرہی ہے کہ حجۃ الوداع میں صحابہ سراً

تلبیہ پڑھ رہے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ سے کہا: آپ صحابہ کو حکم دیں کہ وہ تلبیہ زور سے پڑھیں، مگر زور سے پڑھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کان پڑی سنائی نہ دے بلکہ ہلکا جہر مراد ہے، ایک سفر میں صحابہ بہت بلند آواز سے ذکر کررہے تھے، نبی ﷺ نے فرمایا: یا أیها الناس اربَعوا علی أنفسکم إنکم لاتدعون أصَمَّ وَلاَ غائباً إنکم تَدعون سمیعا بصیراً: لوگو! اپنے اوپر رحم کرو تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے، تم اس کو پکار رہے ہو جو سمیع وبصیر ہے (مشکوۃ حدیث ۲۳۰۳) غرض تلبیہ باواز بلند پڑھنا چاہئے مگر ہلکا جہر کرنا چاہئے۔

اور الثَّجُّ: کے معنی ہیں: بہنا، بہانا ثَجَّ الماءُ/ الماءَ: پانی کا بہنا/ بہانا۔ حج میں یہ دوعمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں، پس متمتع اور قارن تو قربانی کرتے ہی ہیں، مفرد کو بھی قربانی کرنی چاہئے، اگرچہ اس پر قربانی ضروری نہیں۔

ملحوظہ: اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے، محمد بن المنکدر کا عبدالرحمٰن بن یربوع سے سماع نہیں، وہ ایک دوسری حدیث عبدالرحمٰن سے ان کے لڑکے سعید کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں، اور ابونعیم ضرار بن صُرد اس حدیث کی سند میں ابن المنکدر اور ابن یربوع کے درمیان جو سعید کا واسطہ بڑھاتے ہیں وہ صحیح نہیں، چنانچہ امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ نے اس سند کو رد کردیا ہے۔ تفصیل عبارت کے بعد آئے گی۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی مسلمان (مِن زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے) تلبیہ پڑھتا ہے تو اس کے ساتھ وہ چیزیں تلبیہ پڑھتی ہیں جو اس کے دائیں بائیں ہیں، یعنی پتھر یا درخت یا ڈھیلے، یہاں تک کہ یہاں سے اور یہاں سے زمین کی آخری حد آجاتی ہے (اور آپؐ نے دائیں بائیں اشارہ کیا)

تشریح: اس حدیث میں تلبیہ کی فضیلت کا بیان ہے۔ تلبیہ ہر مخلوق کو اتنا پسند ہے کہ وہ تلبیہ پڑھنے والے کی موافقت کرتی ہے، جیسے داؤد علیہ السلام کی ذکر میں پہاڑ اور پرندے ہمنوائی کرتے تھے (سورۂ سبا آیت ۱۰) یہاں یہ اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ جب زمین گول ہے تو وہ کہیں ختم نہ ہوگی، پس آپؐ کے قول: ''تا آنکہ زمین ختم ہوجاتی ہے'' کا کیا مطلب ہے؟ جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے دائیں بائیں اشارہ کیا ہے پس جہاں دونوں اشارے ملیں گے وہاں زمین منقطع ہوجائے گی۔

ملحوظہ: اس حدیث میں اسماعیل بن عیاش ہیں اور پہلے یہ بتایا جاچکا ہے کہ اگر اسماعیل کا استاذ شامی ہو تو روایت معتبر ہے اور اگر استاذ حجازی یا عراقی ہو تو روایت غیر معتبر ہے، یہاں استاذ عمارۃ مدنی حجازی ہے، پس یہ روایت ٹھیک نہیں، مگر اس کا متابع موجود ہے۔ عبیدۃ بن حمید بھی یہ حدیث عمارۃ سے روایت کرتے ہیں، پس ضعف رفع ہوگیا۔

[۱٤] باب ماجاء فی فضل التلبیة والنحر

[۸۱۹-] حدثنا محمدُ بنُ رَافِعٍ، نا ابنُ أبی فُدَیْكٍ ح: وحدثنا إسحاقُ بنُ مَنْصُورٍ، نا ابنُ أبی فُدَیْكٍ، عن الضَّحَّاكِ بنِ عُثْمَانَ، عَنْ مُحَمدِ بنِ المُنْكَدِرِ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ یَرْبُوْعَ، عن أبی بَکْرٍ

الصِّدِّيقِ: أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم سُئِلَ: أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ؟ قال: "العَجُّ وَالثَّجُّ"

[-۸۲۰] حدثنا هَنَّادٌ، نا إسماعيلُ بنُ عَيَّاشٍ، عن عُمَارَةَ بنِ غَزِيَّةَ، عن أبي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بنِ سَعْدٍ، قالَ: قالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُلَبِّي إِلَّا لَبَّى مَنْ عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ: مِنْ حَجَرٍ أَوْ شَجَرٍ أَوْ مَدَرٍ، حَتّٰى يَنْقَطِعَ الأَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا"

حدثنا الحسنُ بنُ مُحمدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ، وعبدُ الرحمنِ بنُ الأَسْوَدِ أبوعَمْرٍو البَصْرِيُّ، قالا: نا عُبَيْدَةُ بنُ حُمَيْدٍ، عن عُمَارَةَ بنِ غَزِيَّةَ، عن أبي حَازِمٍ، عن سَهْلِ بنِ سَعْدٍ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ حديثِ إِسْمَاعِيلَ بنِ عَيَّاشٍ.

وفي الباب: عن ابنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ.

قال أبو عيسى: حديثُ أبي بَكْرٍ حديثٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ ابنِ أبي فُدَيْكٍ، عن الضَّحَّاكِ بنِ عُثْمَانَ، ومُحمدُ بنُ المُنْكَدِرِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عَبْدِ الرحمنِ بنِ يَرْبُوْعَ، وقَدْ رَوَى مُحَمَّدُ بنُ المُنْكَدِرِ عَنْ سَعِيْدِ بنِ عبدِ الرحمنِ بنِ يَرْبُوْعَ، عن أَبِيْهِ غَيْرَ هٰذا الحديثِ، وَرَوَى أبو نُعَيْمٍ الطَّحَّانُ ضِرَارُ بنُ صُرَدٍ هذا الحديثَ عن ابنِ أَبِيْ فُدَيْكٍ، عن الضَّحَّاكِ بنِ عُثْمَانَ، عن مُحمدِ بنِ المُنْكَدِرِ، عن سَعِيدِ بنِ عبدِ الرحمنِ بنِ يَرْبُوْعَ، عن أبيهِ، عن أبي بَكْرٍ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وأَخْطَأَ فِيْهِ ضِرَارٌ.

قال أبو عيسى: سَمِعْتُ أحمدَ بنَ الحَسَنِ يقولُ: قالَ أحمدُ بنُ حَنْبَلٍ: مَنْ قَالَ فِيْ هٰذَا الحديثِ عَنْ مُحَمَّدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ، عن ابنِ عبدِ الرحمنِ بنِ يَرْبُوْعَ، عن أَبِيْهِ، فَقَدْ أَخْطَأَ، قالَ: وَسَمِعْتُ محمداً يقولُ: وذَكَرْتُ لَهُ حَدِيثَ ضِرَارِ بنِ صُرَدٍ، عن ابنِ أبي فُدَيْكٍ، فقالَ: هُوَ خَطَأٌ، فَقُلْتُ: قَدْ رَوَى غَيْرُهُ عن ابنِ أَبِيْ فُدَيْكٍ أَيْضًا مِثْلَ رِوَايَتِهِ، فقالَ: لَاشَيْئَ، إِنَّمَا رَوَوْهُ عن ابنِ أَبِيْ فُدَيْكٍ، وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيْهِ عن سَعِيدِ بنِ عبدِ الرحمنِ، وَرَأَيْتُهُ يُضَعِّفُ ضِرَارَ بنَ صُرَدٍ.

والعَجُّ: هُوَ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ، والثَّجُّ: هُوَ نَحْرُ البُدْنِ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث غریب ہے ہم اس کو نہیں جانتے مگر ابن ابی فدیک عن الضحاک بن عثمان کی سند سے (یعنی ابن ابی فدیک سے اوپر یہی ایک سند ہے) اور محمد بن المنکدر کا عبد الرحمٰن سے سماع نہیں، محمد بن المنکدر نے اس کے علاوہ ایک حدیث سعید بن عبد الرحمٰن سے، انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے (یعنی ابن المنکدر نے ایک اور حدیث سعید بن عبد الرحمٰن کے واسطہ سے روایت کی ہے، یہ دلیل ہے کہ ان کا عبد الرحمٰن سے سماع نہیں) اور ابو نعیم طحان ضرار بن صرد نے (یہ ضعیف راوی ہے) اس حدیث کو ابن ابی فدیک سے، انھوں نے ضحاک بن عثمان سے، انھوں نے محمد بن المنکدر سے، انھوں نے سعید بن عبد الرحمٰن سے، انھوں نے

اپنے والد عبدالرحمٰن سے، انھوں نے ابوبکر صدیق سے، انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے (یعنی سند میں سعید کا واسطہ بڑھایا ہے) مگر اس میں ضرار نے غلطی کی ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: میں نے احمد بن الحسن سے سنا کہ امام احمدؒ نے فرمایا: جس نے اس حدیث میں عن أبیہ بڑھایا ہے (یعنی سعید کا واسطہ بڑھایا ہے) اس نے غلطی کی ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا (مقولہ فاصلہ سے آرہا ہے) اور میں نے ان کے سامنے ضرار بن صرد کی حدیث ذکر کی جو وہ ابن ابی فدیک سے روایت کرتے ہیں تو امام بخاریؒ نے فرمایا: اس نے غلطی کی ہے (سعید کا واسطہ صحیح نہیں) میں نے کہا: ابونعیم کے علاوہ بھی ابن ابی فدیک سے ابونعیم کی حدیث کے مانند روایت کرتے ہیں (یعنی بعض دیگر راوی بھی سعید کا واسطہ بڑھاتے ہیں) امام بخاریؒ نے فرمایا: وہ کچھ نہیں (اکثر) روات جو اس حدیث کو ابن ابی فدیک سے روایت کرتے ہیں وہ اس میں سعید بن عبدالرحمٰن کا ذکر نہیں کرتے، اور میں نے امام بخاریؒ کو دیکھا وہ ضرار بن صرد کو ضعیف قرار دیتے تھے (اور ثقہ کی زیادتی تو معتبر ہوتی ہے مگر غیر ثقہ کی زیادتی معتبر نہیں، پس ابونعیم نے جو واسطہ بڑھایا ہے اس کا اعتبار نہیں) اور العجّ کے معنی ہیں: بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا اور الثجّ کے معنی ہیں: اونٹ ذبح کرنا (چھوٹا جانور ذبح کیا جائے تو وہ بھی ثج ہے مگر چونکہ بڑے جانور میں خون زیادہ نکلتا ہے اس لئے یہ لفظ اس کے لئے خاص ہے)

بابُ ماجاءَ فی رَفْعِ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ

تلبیہ بلند آواز سے پڑھنے کا بیان

عورتیں تلبیہ سراً پڑھیں اور سر سے دل میں پڑھنا مراد نہیں، بلکہ حروف کی ادائیگی کے ساتھ اس طرح تلبیہ پڑھیں کہ ان کا پڑھنا ان کے کان سنیں، اور مرد بلند آواز سے تلبیہ پڑھیں، مگر چلائیں نہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے اصحاب کو حکم دوں کہ وہ تلبیہ کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کریں یعنی زور سے تلبیہ پڑھیں۔

وضاحت: یہ سائب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے بعض روات اس کی سند زید بن خالدؓ پر پہنچاتے ہیں وہ سند صحیح نہیں، اور باب میں حضرت زید کی حدیث ہے مگر اس کی سند دوسری ہے۔

[۱۵] باب ماجاء فی رفع الصوت بالتلبية

[۸۲۱-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن عبدِ اللهِ بنِ أبی بَکْرٍ، عَنْ عَبدِ الْمَلِكِ بنِ أبی بَکْرِ بنِ عبدِ الرحمنِ، عن خَلَّادِ بنِ السَّائِبِ، عن أَبِيْهِ، قالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: "أَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ فَأَمَرَنِیْ أَنْ آمُرَ أَصْحَابِیْ أَنْ یَرْفَعُوْا أَصْوَاتَهُمْ بِالإِهْلَالِ أَوْ: بِالتَّلْبِیَةِ"

قال أبو عيسى: حديثُ خلّادٍ عن أبيهِ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هذا الحديثَ عن خَلّادِ بنِ السَّائِبِ، عن زَيْدِ بنِ خَالِدٍ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَلَا يَصِحُّ، والصَّحِيْحُ هُوَ خَلّادُ بنُ السَّائِبِ عَنْ أَبِيْهِ، وَهُوَ خلّادُ بنُ السَّائِبِ بنِ خَلّادِ بنِ سُوَيْدِ الْأَنْصَارِيُّ.

وفي الباب: عن زَيْدِ بنِ خَالِدٍ، وأبي هريرةَ، وابنِ عباسٍ.

بابُ ماجاءَ فی الإغْتِسَالِ عِنْدَ الإِحْرَامِ

احرام سے پہلے غسل کرنے کا بیان

احرام باندھنے سے پہلے نہانا سنت ہے اس لئے کہ احرام شعائر اللہ میں سے ہے، اس کے ذریعہ توحید کا شہرہ پھیلتا ہے، پس نہا کر احرام باندھنے میں اس کی تعظیم ہے، جیسے قرآن شعائر اللہ میں سے ہے پس باوضو قرآن کو ہاتھ لگانے میں اس کی تعظیم ہے اور اگر نہانے کا موقع نہ ہو تو بغیر نہائے بھی احرام باندھنے میں کچھ حرج نہیں، جیسے آج کل ہوائی جہاز سے سفر ہوتا ہے اور ایرپورٹ پر نہانے کا انتظام نہیں ہوتا، پس گھر سے روانہ ہوتے وقت نہالینا کافی ہے۔

حدیث: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپؐ نے (جب احرام باندھنے کا ارادہ فرمایا تو) سلے ہوئے کپڑے اتار دیئے اور غسل فرمایا (پھر احرام کی دو چادریں پہن لیں)

[۱۶] باب ماجاء فی الاغتسال عند الإحرام

[۸۲۲-] حدثنا عبدُ اللّٰهِ بنُ أَبِيْ زِيَادٍ، نا عبدُ الله بنُ يَعْقُوْبَ الْمَدَنِيُّ، عن ابنِ أبي الزِّنَادِ، عن أَبِيْهِ، عَنْ خَارِجَةَ بنِ زَيْدِ بنِ ثَابِتٍ، عن أَبِيْهِ: أَنَّهُ رَأَى النبيَّ صلى الله عليه وسلم تَجَرَّدَ لِإِهْلَالِهِ وَاغْتَسَلَ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وقَدْ اسْتَحَبَّ بَعْضُ أهلِ العلمِ الإغْتِسَالَ عِنْدَ الإِحْرَامِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

بابُ ماجاءَ فی مَوَاقِيْتِ الإِحْرَامِ لِأَهْلِ الآفَاقِ

دور سے آنے والے احرام کہاں سے باندھیں؟

پہلے یہ بات بتائی گئی ہے کہ ایک ''حرم'' ہے، اس کے بعد ''حل'' ہے اس کے بعد ''میقات'' ہیں ان سے باہر ساری دنیا ہے، میقات سے باہر کی دنیا کو ''آفاق'' اور اس کے باشندوں کو ''آفاقی'' کہتے ہیں، اور میقات پانچ ہیں، تفصیل کتاب الحج کے شروع میں گذر چکی ہے۔

آفاقی اگر حل میں جائے تو احرام ضروری نہیں اور حرم میں جانے کے لئے احرام شرط ہے اور اگر آفاقی کی نیت حل میں جانے کی تھی، چنانچہ وہ بغیر احرام کے میقات سے بڑھ گیا پھر اس کی نیت بدل گئی اور وہ حرم میں جانا چاہتا تو حرم شروع ہونے سے پہلے احرام باندھنا ضروری ہے۔

اس مسئلہ میں صرف امام شافعی رحمہ اللہ اختلاف کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: اگر حج یا عمرہ کی نیت ہو تو میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے اور اگر کسی اور مقصد سے حرم میں جائے تو احرام باندھنا مستحب ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے، خواہ کسی مقصد سے حرم میں جائے اگر احرام باندھے بغیر حرم شریف میں پہنچ گیا تو دم واجب ہوگا۔

اور اگر کوئی بغیر احرام کے میقات سے بڑھ گیا تو حرم شروع ہونے سے پہلے واپس لوٹ کر میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے اور حرم میں داخل ہوگیا تو دم واجب ہے، **آج کل کاروباری لوگ اور ٹیکسی والے مدینہ اور مکہ کے درمیان اور جدہ اور مکہ کے درمیان آتے جاتے ہیں اور بعض علماء کے نزدیک جدہ میقات سے باہر ہے، اور ہر بار عمرہ** کا احرام باندھ کر لوٹنا بڑا دشوار ہے اس لئے سب لوگ امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں اس کے بغیر چارہ نہیں، ائمہ کے اختلاف سے بھی امت کے لئے گنجائش نکلتی ہے۔

حدیث: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم احرام کہاں سے باندھیں؟ آپؐ نے فرمایا: مدینہ والے ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں اور شام والے جُحْفَة سے اور نجد (ریاض کی طرف سے آنے والے قَرن المنازل سے اور یمن والے یلملم سے (اور مشرق یعنی عراق کی طرف سے آنے والے ذات عرق اور عقیق سے احرام باندھیں، یہ دو جگہوں کے نام ہیں اور دونوں قریب قریب ہیں)

تشریح: آنحضور ﷺ کے عہد میں عراق کی طرف سے حج وعمرہ کے لئے آنے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ وہاں مسلمان آباد نہیں تھے، اس لئے اہل مشرق کی میقات ذات عرق جو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمائی تھی لوگوں سے مخفی رہی۔ لوگ چار ہی میقاتوں کو جانتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عراق فتح ہوا اور وہاں سے لوگ حج وعمرہ کے لئے آنے لگے تو آپؓ سے پوچھا گیا کہ وہ لوگ احرام کہاں سے باندھیں؟ آپؓ نے ذاتِ عرق سے ان کو احرام باندھنے کا حکم دیا، کیونکہ نبی ﷺ نے خود اہل مشرق کے لئے یہ میقات متعین فرمائی تھی اور یہ بات حضرت عمرؓ جانتے تھے، بعد میں جن لوگوں کے پاس اس سلسلہ کی حدیثیں تھیں وہ انھوں نے بیان کیں۔

مسائل:

۱- اگر کوئی شخص ایسے راستہ سے مکہ آئے جس راستہ میں یکے بعد دیگرے دو میقات پڑتے ہوں تو پہلی میقات سے احرام باندھنا بہتر ہے اور دوسری میقات سے احرام باندھے تو یہ بھی جائز ہے۔

۲- اگر کوئی ایسے راستے سے مکہ آئے جس میں کوئی میقات نہیں تو دو میقاتوں کی محاذات کا اعتبار ہوگا، دائیں بائیں جو دو میقات ہیں ان کے درمیان خط کھینچا جائے جب آدمی اس خط پر پہنچے تو وہاں سے احرام باندھے، یہ نئی رائے ہے، پہلے مسئلہ یہ تھا کہ جب آدمی کے دائیں بائیں کندھے پر کوئی میقات آجائے تو محاذات متحقق ہوگئی، وہیں سے احرام باندھے، چنانچہ پہلے ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے لوگ پانی کے جہاز سے سفر کرتے تھے جب وہ یلملم کی محاذات سے گذرتے تھے تو احرام باندھ لیتے تھے، یلملم ان کے دائیں کندھے پر آتا تھا اس کے دو دن کے بعد جہاز جدہ پہنچتا تھا مگر اب مولانا شیر محمد صاحب سندھی نے محاذات کا مطلب وہ لکھا ہے جو پہلے گذرا، پس جدہ میقات سے باہر ہوگیا، کیونکہ اس کی ایک طرف یلملم ہے اور دوسری طرف جُحفۃ ہے، ان کے درمیان خط کھینچا جائے تو وہ بُحرہ سے گذرتا ہے، جو جدہ سے قریباً سات آٹھ کلومیٹر کے بعد ہے، پس اس تحقیق کے مطابق جدہ سے احرام باندھ سکتے ہیں، اور مولانا سندھی کی یہ بات یوں قوی ہے کہ حدودِ حرم پر جو چار نشانات (پلر) لگائے گئے ہیں ان کے درمیان بھی خط کھینچا جاتا ہے، پس یہاں بھی خط کھینچا جائے گا اور وہی محاذات ہوگی۔ مگر میں پرانی رائے پر عمل کرتا ہوں، ہوائی جہاز میں ایک وقت گذرنے کے بعد تلبیہ پڑھ کر احرام شروع کر دیتا ہوں، لیکن اگر کوئی جدہ سے احرام باندھے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

۳- کاروباری لوگوں کے لئے اور ٹیکسی والوں کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک پر عمل کرنے کی گنجائش ہے مگر عام لوگوں کے لئے جن کے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں جب مدینہ یا جدہ جائیں تو احرام باندھ کر لوٹیں۔

[۱۷] باب ماجاء في مواقيت الإحرام لأهل الآفاق

[۸۲۳-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا إسماعيلُ بنُ إبراهيمَ، عن أَيُّوبَ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلاً قالَ: مِنْ أَيْنَ نُهِلُّ يارسولَ اللهِ؟ فَقالَ: "يُهِلُّ أهلُ المَدِينَةِ مِنْ ذِي الحُلَيْفَةِ، وأهلُ الشامِ مِنَ الْجُحْفَةِ، وأَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ" قال: "وأهلُ اليَمَنِ مِنْ يَلَمْلَم"

وفي الباب: عن ابنِ عبّاسٍ، وجَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ، وعبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ على هٰذا عندَ أهلِ العلمِ.

[۸۲٤-] حدثنا أَبُو كُرَيْبٍ، نا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بنِ عَلِيٍّ، عن ابنِ عبّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ العَقِيْقَ.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اہل مشرق (عراق والوں) کے لئے عقیق (ذات عرق) متعین فرمایا ہے۔

بابُ ماجاءَ فی مَالَا یَجُوْزُ لِلْمُحْرِمِ لُبْسُهُ

محرم کے لئے کونسے کپڑے پہننے جائز نہیں

ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: ہم احرام میں کیا کپڑے پہن سکتے ہیں؟ سائل نے مثبت پہلو سے سوال کیا تھا، مگر آپؐ نے منفی پہلو سے جواب دیا کہ یہ یہ کپڑے نہیں پہن سکتے، اور آپؐ نے جواب کا طریقہ اس لئے بدلا کہ جو کپڑے احرام میں پہن سکتے ہیں وہ بے شمار ہیں اور جو ممنوع ہیں وہ محدود ہیں اس لئے ان کو بیان فرمایا۔

وہ کپڑے جو محرم کے لئے ممنوع ہیں:

۱و۲-کرتا اور پائجامہ: محرم ان کو نہیں پہن سکتا اور یہ حکم صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں، وہ احرام کی حالت میں قمیص اور شلوار پہن سکتی ہیں، اور علماء نے تنقیح مناط کر کے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ ''جو کپڑا بدن کی وضع (ساخت) پر سیا گیا ہو یا بُنا گیا ہو وہ محرم کے لئے جائز نہیں'' مثلاً کرتا، جبہ، پائجامہ، پتلون، بنیان، چڈی، نیکر، جانگیہ وغیرہ محرم نہیں پہن سکتا، اور وہ کپڑا جو بدن کی ساخت پر نہیں سیا گیا جیسے لنگی بدن کی ساخت پر نہیں سی جاتی بلکہ اس کے دو کنارے ملا کر سی دیتے ہیں اس لئے محرم اس کو پہن سکتا ہے۔

۳و۴-بُرنس اور پگڑی: ان کو بھی محرم نہیں پہن سکتا، بُرنس وہ ٹوپی ہے جو جبہ کے ساتھ سلی ہوئی ہوتی ہے جب ضرورت پڑتی ہے سر پر چڑھا لیتے ہیں اور جب ضرورت نہیں رہتی تو پیچھے ڈال دیتے ہیں۔ کرتے سے علحدہ ٹوپی کا بھی یہی حکم ہے۔ اور تنقیح مناط کر کے علماء نے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ احرام میں مرد کے لئے سر ڈھانکنا منع ہے اسی طرح چہرہ ڈھانکنا بھی منع ہے، جب احرام کی حالت میں عورت کے لئے چہرہ ڈھانکنا منع ہے تو مرد کے لئے تو بدرجۂ اولیٰ منع ہوگا، مرد کا احرام سر اور چہرہ میں ہے، اور عورت کا احرام صرف چہرے میں ہے، عورت کے لئے سر چھپانا جائز ہے، البتہ اگر سونے کی حالت میں بے خبری میں کوئی چادر کھینچ لے اور سر ڈھانپ لے تو مضائقہ نہیں۔ حدیث میں ہے: رُفع القلم عن النائم حتی یستیقظ۔ اور چھتری سے سایہ کرنا سر ڈھانپنا نہیں، کیونکہ اس کے اور سر کے درمیان فاصلہ رہتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے چھت کے نیچے رہنا بالاتفاق جائز ہے۔

۵-چمڑے کے موزے پہننا: بھی جائز نہیں یعنی پیروں میں بھی احرام ہے اور چونکہ چپل کے بغیر چلنا دشوار ہے اس لئے تلوے اور کعبین (ٹخنوں) سے نیچے ڈھانک سکتے ہیں البتہ ٹخنے کھلے رکھنے ضروری ہیں اور ٹخنے دو ہیں، ایک: وہ جہاں تک وضو میں پاؤں دھونا ضروری ہے، یعنی پیر کی دونوں جانبوں میں ابھری ہوئی ہڈی دوسرے: پاؤں کا اوپری حصہ جہاں بال اگتے ہیں وہ بھی ٹخنے ہیں، دونوں ٹخنے کھلے رکھنے ضروری ہیں۔ نبی ﷺ سے پوچھا گیا: اگر کسی کے پاس چپل نہ ہوں تو کیا وہ خفین پہن سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: خفین کو ٹخنوں سے نیچے کاٹ لے پھر پہنے، معلوم ہوا کہ

پاؤں کے تلوے اور کعبین سے نیچے کا حصہ احرام میں داخل نہیں، اس کو ڈھانک سکتے ہیں، پس محرم جوتی پہن سکتا ہے وہ کاٹے ہوئے خف کی طرح ہوتی ہے اور بہتر یہ ہے کہ ایسے چپل پہنے جس کے تسمے چوڑے نہ ہوں۔

۶- وہ کپڑا جو زعفران یا ورس میں رنگا ہوا ہو: محرم نہیں پہن سکتا اور یہ مسئلہ مرد وزن سب کے لئے ہے اور علماء نے تنقیح مناط کر کے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ ہر وہ کپڑا جو خوشبودار رنگ میں رنگا گیا ہو یا خوشبو میں بسایا گیا ہو محرم نہیں پہن سکتا، نہ مرد پہن سکتا ہے نہ عورت، اور ممانعت کی وجہ خوشبو ہے رنگ نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے احرام کی حالت میں معصفر (زرد رنگ میں رنگا ہوا) کپڑا پہنا ہے اور حضرت جابر کا بھی یہی فتوی ہے کہ محرم معصفر کپڑا پہن سکتا ہے (بخاری باب مایلبس المحرم من الثیاب إلخ) اس معصفر کپڑے کی خوشبو ختم ہوگئی تھی، صرف رنگ رہ گیا تھا۔

حدیث میں دو مسئلے اور بھی ہیں مگر وہ مرفوع نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فتوے ہیں، بخاری میں یہ حدیث دس جگہ آئی ہے مگر امام بخاریؒ نے کسی جگہ یہ مسئلے ذکر نہیں کئے، صرف حدیث نمبر ۱۸۳۸ میں ان کو ذکر کیا ہے اور اشارہ کیا ہے کہ یہ مدرج ہیں۔

پہلا مسئلہ: عورت احرام کی حالت میں چہرے پر نقاب نہ ڈالے، کیونکہ عورت کے چہرے میں احرام ہے پس جتنا حصہ وضو میں دھویا جاتا ہے عورت کے لئے احرام میں اتنا حصہ کھلا رکھنا ضروری ہے۔ ایسا نقاب جو چہرے سے لگے ڈالنا جائز نہیں مگر پردہ کرنا ضروری ہے اور پردہ کرنے کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں، مثلاً پنکھا ہاتھ میں رکھ لے اور بس وغیرہ میں چہرے کے سامنے پنکھا کر کے بیٹھی رہے یا ایسا نقاب ڈالے جو چہرے سے دور رہے۔

دوسرا مسئلہ: احرام میں عورت ہاتھوں میں دستانے نہ پہنے: مرد وزن دونوں کے لئے حالت احرام میں دستانے پہننا مکروہ ہے۔

حدیث: ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں احرام میں کیا کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: قمیص، شلوار، بُرنس، پگڑی اور موزے نہ پہنو، مگر یہ کہ کسی کے پاس چپل نہ ہوں تو چاہئے کہ وہ خفین پہنے اور ان کو ٹخنوں سے نیچے کاٹ لے (یہ بخاری کی حدیث ہے وہاں ولیقطعهما أسفل من الكعبين ہے، ہم نے وہاں سے کتاب کی تصحیح کی ہے) اور آپ کوئی ایسا کپڑا نہ پہنیں جس کو زعفران اور وَرس نے چھویا ہو (یعنی جو کپڑا ان میں رنگا گیا ہو) اور عورت احرام میں نقاب نہ ڈالے اور دستانے نہ پہنے (یہ دونوں مسئلے مدرج ہیں)

تشریح: اس حدیث کا شان ورود کیا ہے؟ یہ بات معلوم نہیں، لیکن خیال یہ ہے کہ جعرانہ پر ایک واقعہ پیش آیا تھا جو آئندہ آرہا ہے کہ ایک اعرابی نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور جبہ بھی پہن رکھا تھا اور خوشبو بھی لگا رکھی تھی اس سلسلہ میں آپؐ سے پوچھا گیا تو وحی نازل ہوئی اور اس کو جواب دیا کہ جبہ نکال دے اور خوشبو دھو ڈال میرا خیال ہے کہ اس موقع پر کسی نے یہ مسئلہ بھی پوچھا ہوگا کہ احرام میں کیا کپڑے پہن سکتے ہیں واللہ اعلم۔

[۱۸] باب ماجاء فی مالایجوز للمحرم لُبسُه

[۸۲۵-] حدثنا قُتَیْبَۃُ، ناالليث، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ: أَنَّهُ قَالَ: قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: یارسولَ اللہ! مَاذَا تَأْمُرُنَا أَنْ نَلْبَسَ مِنَ الثِّیَابِ فِیْ الْحُرُمِ؟ فقالَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "لَا تَلْبَسِ الْقَمِیْصَ، وَلَا السَّرَاوِیْلَاتِ، وَلَا الْبَرَانِسَ، وَلا العَمَائِمَ، وَلا الخِفَافَ، إِلَّا أَنْ یَکُوْنَ أَحَدٌ لَیْسَتْ لَهُ نَعلَانِ فَلْیَلْبَسِ الخُفَّیْنِ، وَلْیَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ، وَلَا تَلْبَسُوْا شَیْئًا مِنَ الثِّیَابِ مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ، وَلَا الوَرْسُ، وَلَا تَنْتَقِبِ الْمَرْأَۃُ الحَرَامُ، وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَیْنِ"

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، والعملُ علیهِ عندَ أهلِ العلمِ.

بابُ ماجاءَ فِیْ لُبْسِ السَّرَاوِیْلِ وَالْخُفَّیْنِ لِلْمُحْرِمِ إِذَا لَمْ یَجِدِ الإِزَارَ وَالنَّعْلَیْنِ

محرم کے پاس لنگی اور چپل نہ ہوں تو وہ شلوار اور خفین پہن سکتا ہے

اگر کسی شخص کے پاس لنگی اور چپل نہ ہوں تو کیا وہ احرام میں پائجامہ اور خفین (چمڑے کے موزے) پہن سکتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ایسے شخص کے لئے پائجامہ اور خفین پہننا جائز ہے، اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک ایسا شخص خفین ٹخنوں سے نیچے کاٹ کر پہنے اور پائجامہ پھاڑ کر اس کی لنگی بنا کر پہنے، اگر بغیر کاٹے خفین یا پائجامہ پہنے گا تو جنایت ہوگی (جس کا حکم فقہ کی کتابوں میں جنایات کے باب میں ہے)

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''محرم جب لنگی نہ پائے تو چاہئے کہ وہ پائجامہ پہنے، اور جب چپل نہ پائے تو چاہئے کہ وہ خفین پہنے''

تشریح: اس حدیث سے چھوٹے دواماموں نے استدلال کیا ہے کہ حدیث مطلق ہے اس میں خفین کو کاٹنے کا ذکر نہیں، نہ شلوار کو پھاڑنے کا ذکر ہے، پس خفین اور شلوار کو دونوں طرح پہن سکتا ہے اور بڑے دوامام کہتے ہیں: اس حدیث میں اگرچہ قید نہیں مگر ابن عمرؓ کی اس حدیث میں جو اوپر گذری خفین کو کاٹنے کا ذکر ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں قید ہوتی ہے اور دوسری حدیث میں نہیں ہوتی پس وہاں قید بڑھائی جاتی ہے، کیونکہ حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے۔ اور شلوار کو بڑے دواماموں نے خفین پر قیاس کیا ہے، اس کو پھاڑ کر لنگی بنانے کی کوئی روایت نہیں ہے۔

[۱۹] باب ماجاء فی لُبس السراویل والخفین للمحرم، إذا لم یجد الإزار والنعلین

[۸۲۶-] حدثنا أحمدُ بنُ عَبْدَۃَ الضَّبِّیُّ الْبَصْرِیُّ، نا یَزِیْدُ بنُ زُرَیْعٍ، نا أَیُّوْبُ، نا عَمْرُو بنُ دِیْنَارٍ، عن جَابِرِ بنِ زَیْدٍ، عن ابنِ عبَّاسٍ، قال: سمِعْتُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقولُ: " المُحْرِمُ إِذَا

لَمْ يَجِدِ الإِزَارَ فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيْلَ، وَإِذَا لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ"

حدثنا قُتَيْبَةُ، نا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عن عَمْرٍو نَحْوَهُ. وفي الباب: عن ابنِ عُمَرَ، وجَابِرٍ، قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعَمَلُ على هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ، قَالُوْا: إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُحْرِمُ الإِزَارَ لَبِسَ السَّرَاوِيْلَ، وَإِذَا لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ لَبِسَ الْخُفَّيْنِ، وَهُوَ قَوْلُ أحمدَ، وقَالَ بَعْضُهُمْ عَلَى حَدِيثِ ابنِ عُمَرَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: إِذَا لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، وهو قَوْلُ سُفيانَ الثَّوْرِيِّ والشافعيِّ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: اگر محرم کے پاس لنگی نہ ہو تو وہ پائجامہ پہنے، اور اگر چپل نہ ہو تو وہ خفین پہنے، اور یہ امام احمد کا قول ہے، اور بعض علماء ابن عمرؓ کی جو حدیث رسول اللہ ﷺ سے ہے اس کے مطابق کہتے ہیں کہ اگر محرم کے پاس چپل نہ ہو تو چاہئے کہ وہ خفین پہنے، اور ان کو ٹخنوں سے نیچے کاٹ لے اور یہ سفیان ثوری اور شافعی کا قول ہے (یہ امام شافعیؒ کی کوئی روایت ہوگی ورنہ عام طور پر کتابوں میں ان کا وہی مذہب لکھا ہے جو امام احمدؒ کا ہے)

بابُ ماجاءَ فِي الَّذِيْ يُحْرِمُ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ أو جُبَّةٌ

اگر محرم قمیص یا جبہ پہن لے تو کیا حکم ہے؟

جو کپڑے احرام میں پہننے ممنوع ہیں اگر محرم ان کو پہنے تو جنایت ہوگی اور جنایات کے احکام فقہ کی کتابوں میں باب الجنایات میں ہیں، بوقت ضرورت اس کی طرف رجوع کیا جائے، یہاں بالاجمال یہ بات جان لینی چاہئے کہ احرام میں جو کپڑے ممنوع ہیں ان کو پہننے سے جنایت ہوتی ہے، حدیث میں یہ واقعہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک اعرابی کو دیکھا جس نے عمرہ کا احرام باندھ رکھا تھا اور جبہ بھی پہن رکھا تھا اور خوشبو بھی لگا رکھی تھی، آپؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا، آپؐ پر وحی کے آثار شروع ہوئے، جب آپؐ پر وحی کے آثار شروع ہوتے تھے تو جو بھی موقعہ پر موجود ہوتا وہ آپؐ کو کوئی کپڑا اوڑھا دیتا تھا۔ جب وحی پوری ہوئی تو آپؐ نے اعرابی سے فرمایا: "جبہ نکال دو اور خوشبو دھوڈالو" اور اس کو جنایت قرار نہیں دیا یہ تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، چونکہ آج پہلی بار اس سلسلہ میں حکم آیا ہے اس لئے اس جنایت سے صرف نظر کیا گیا، لیکن اگر اب کوئی ایسی حرکت کرے تو جنایت ہوگی۔

اور اس حدیث میں یہ واقعہ بھی ہے کہ یعلی بن امیہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہہ رکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کس

طرح آتی ہے: مجھے دیکھنا ہے اگر کوئی موقعہ ملے تو مجھے دکھانا، چنانچہ حضرت عمرؓ تلاش کر کے یعلی بن امیہ کو لائے اور ان کو چادر کے نیچے گھسایا اور کہا: دیکھ وحی آرہی ہے، یہ واقعہ متفق علیہ حدیث میں آیا ہے۔

[۲۰] باب ماجاء فی الذی یُحْرِمُ وعلیه قمیص أو جبة

[۸۲۷-] حدثنا قُتَیْبَةُ بنُ سَعِیدٍ، نا عبدُ اللہ بنُ إِدْرِیْسَ، عن عبدِ المَلِكِ بنِ ابی سُلَیْمَانَ، عن عَطَاءٍ، عن یَعْلَی بنِ أُمَیَّةَ، قالَ: رَأَی رسولُ اللہ صلی اللہ علیه وسلم أعْرَابِیًّا قَدْ أَحْرَمَ وَعَلَیْهِ جُبَّةٌ فَأَمَرَهُ أَنْ یَنْزِعَهَا.

حدثنا ابنُ أبی عُمَرَ، نا سُفیانُ، عن عَمْرِو بنِ دِینَارٍ، عن عَطَاءٍ، عن صَفْوَانَ بنِ یَعْلَی، عَنْ أَبِیْهِ، عن النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ.

قال أبو عیسی: وهذا أَصَحُّ، وفی الحدیثِ قِصَّةٌ، وهٰکَذَا رَوَی قَتَادَةُ وَالْحَجَّاجُ بنُ أَرْطَاةَ وَغَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ یَعْلَی بنِ أُمَیَّةَ، والصَّحِیْحُ مَا رَوَی عَمْرُو بنُ دِینَارٍ، وابنُ جُرَیْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ صَفْوَانَ بنِ یَعْلَی، عَنْ أَبِیْهِ، عنِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم.

وضاحت: اس حدیث کو عبد الملک بن ابی سلیمان اور عمرو بن دینار دونوں روایت کرتے ہیں، پھر عبد الملک: عطاء بن یسار کا براہ راست یعلی بن امیہ سے روایت کرنا بیان کرتے ہیں، اور قتادہ اور حجاج بن ارطاۃ ان کے متابع ہیں اور عمرو بن دینار: یعلی کے صاحب زادے حضرت صفوان کا واسطہ بڑھاتے ہیں اور ان کے متابع ابن جریج ہیں، اور صحیحین میں واسطہ والی روایت ہی لی گئی ہے، اس لئے امام ترمذیؒ نے عمرو بن دینار کی حدیث کو اصح قرار دیا ہے، مگر عبد الملک کی حدیث کو غیر اصح کہنے کی بھی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ عطاء بن یسار کی بہت سے صحابہ سے ملاقات ہوئی ہے، پس ممکن ہے کہ انھوں نے یہ حدیث حضرت صفوان سے بھی سنی ہو اور ان کے ابا یعلی سے بھی براہ راست سنی ہو، پس واسطہ والی روایت کو مزید فی متصل الاسناد کہیں گے اور دونوں سندیں صحیح ہونگی، ترجیح قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

بابُ ماجاءَ مَا یَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ؟

محرم کن کن جانوروں کو مار سکتا ہے؟

کتاب الحج کے شروع میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ حرم کا شکار کرنا جائز نہیں، نہ محرم کے لئے نہ غیر محرم کے لئے، البتہ پانچ جانور مستثنیٰ ہیں: محرم اور غیر محرم ان کو مار سکتا ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''پانچ شریر جانور حرم میں مارے جائیں (یعنی ان کو مارنے سے جزاء واجب

نہ ہوگی) چوہا، بچھو، کوا، چیل اور کٹ کھنا کتا''

تشریح: امام شافعی رحمہ اللہ نے حدیث کی تنقیح مناط کی ہے: ان کے نزدیک: ہر وہ جانور جس کا گوشت حرام ہے اس کو حرم میں مار سکتے ہیں، یہ پانچوں غیر ماکول اللحم جانور ہیں، اور جب حرم میں مارنا جائز ہے تو احرام کی حالت میں بھی مار سکتے ہیں، اور امام مالکؒ نے ضابطہ بنایا ہے: موذی کو مارنا جائز ہے یعنی جو بھی جانور ستاتا ہے اسے حرم میں اور احرام میں مار سکتے ہیں، مذکورہ پانچوں جانور کیا ستاتے ہیں؟ چوہا اناج کھا جاتا ہے، دودھ پی جاتا ہے اور کپڑے کتر دیتا ہے، اور بچھو اور کٹ کھنے کتے کا پریشان کرنا ظاہر ہے، اور کوا: جب اونٹ کی کوہان زخمی ہوتی ہے تب اس کا تماشہ دیکھنا چاہئے، زخم میں چونچیں مارتا ہے اس کو مندمل ہی نہیں ہونے دیتا، اور چیل مرغی کے چوزے جھپٹ لیتی ہے۔ غرض یہ پانچوں موذی جانور ہیں اس لئے امام مالکؒ نے یہ ضابطہ بنایا ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ نے موذی اور حشرات الارض (زمین کے کیڑوں) کا ضابطہ بنایا ہے، پس جو جانور ستاتا ہے اسی طرح زمین کے کیڑے مثلاً سانپ، بچھو، چھپکلی وغیرہ کو حرم میں اور احرام میں مار سکتے ہیں۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: محرم حملہ آور درندے کو، کٹ کھنے کتے کو، چوہے کو، بچھو کو، چیل کو اور کوے کو مار سکتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں لفظ محرم ہے پس محرم حرم میں بھی مذکورہ جانوروں کو مار سکتا ہے اور حل میں بھی۔ اور اس حدیث سے فقہاء نے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ جو جانور ایذاء پہنچاتا ہے یا انسان پر یا اس کے مال پر حملہ کرتا ہے اس کو قتل کرنا جائز ہے اور جو جانور انسان پر یا اس کے مال پر حملہ نہیں کرتا اور نہ ستاتا ہے اس کو قتل کرنا درست نہیں اگر قتل کرے گا تو جزاء واجب ہوگی۔

[۲۱] باب ماجاء فی ما یَقْتُلُ المحرمُ من الدواب

[۸۲۸-] حدثنا محمدُ بنُ عبدِ المَلِكِ بنِ أَبِي الشَّوَارِبِ، نا يَزِيْدُ بنُ زُرَيْعٍ، نا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "خَمْسُ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحَرَمِ: الْفَأْرَةُ، وَالعَقْرَبُ، وَالْغُرَابُ، والحُدَيَّا، والْكَلْبُ العَقُوْرُ"

وفي الباب: عن ابنِ مَسْعُوْدٍ، وابنِ عُمَرَ، وأبي هريرةَ، وأبي سَعِيدٍ، وابنِ عبّاسٍ، قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۸۲۹-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا هُشَيْمٌ، نا يَزِيْدُ بنُ أبي زِيَادٍ، عن ابنِ أَبِيْ نُعْمٍ، عن أبي سَعِيدٍ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ: "يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ السَّبُعَ العَادِيَ، وَالْكَلْبَ الْعَقُوْرَ، وَالْفَأْرَةَ، والعَقْرَبَ، وَالْحِدَأَةَ، والغُرَابَ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ، والعملُ على هذا عِنْدَ أهلِ العلمِ، قَالُوْا: المُحْرِمُ يَقْتُلُ السَّبُعَ الْعَادِيَ، وَالْكَلْبَ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، والشَّافِعِيِّ، وقالَ الشَّافِعِيُّ: كُلُّ سَبُعٍ عَدَا عَلَى النَّاسِ أَوْ عَلَى دَوَابِّهِمْ فَلِلْمُحْرِمِ قَتْلُهُ.

ترجمہ: اس پر علماء کا عمل ہے وہ کہتے ہیں: محرم حملہ آور درندے کو اور کٹ کھنے کتے کو مار سکتا ہے، اور یہ ثوری اور شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: ہر وہ درندہ جو لوگوں پر یا ان کے چوپایوں پر حملہ کرے محرم اس کو قتل کر سکتا ہے۔

بابُ ماجاءَ في الحِجَامَةِ لِلْمُحْرِمِ

احرام میں پچھنے لگوانے کا حکم

احرام کی حالت میں پچھنے لگوا سکتے ہیں، البتہ سر میں یا کسی ایسی جگہ جہاں بال ہوں نہیں لگوا سکتے، کیونکہ پچھنے لگوانے سے پہلے بال مونڈنے پڑیں گے اور احرام میں بدن کے کسی بھی حصہ کے بال مونڈنا جائز نہیں، اور اگر سخت مجبوری ہو مثلاً سر میں پھوڑا ہے یا شدید درد ہے اور پچھنے لگوانا ناگزیر ہے تو جائز ہے، اور جو بال مونڈے گا اس کا فدیہ دینا ہوگا، اور فدیہ یہ ہے: تین روزے یا چھ محتاجوں کو کھانا کھلانا یا ایک قربانی۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۹۶ میں اس کا ذکر ہے۔
نبی ﷺ نے احرام اور روزہ کی حالت میں پچھنے لگوائے ہیں اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، صرف امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بے ضرورت پچھنے نہ لگوائے مگر بے ضرورت کون لگواتا ہے، اس لئے یہ اختلاف بس اختلاف ہے۔

[۲۲] باب ماجاء في الحجامة للمحرم

[۸۳۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عن طَاوُسٍ، وعَطَاءٍ، عن ابنِ عبّاسٍ: أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.
وفي الباب: عن أنسٍ، وعبدِ الله بنِ بُحَيْنَةَ، وجَابِرٍ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عباسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.
وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ فِي الحِجَامَةِ لِلْمُحْرِمِ، وَقَالُوْا: لَا يَحْلِقُ شَعْرًا، وقَالَ مَالِكٌ: لَايَحْتَجِمُ الْمُحْرِمُ إِلَّا مِنْ ضَرُوْرَةٍ، وقالَ سُفيانُ الثَّوْرِيُّ، والشَّافِعِيُّ: لَابَأْسَ أَنْ يَحْتَجِمَ الْمُحْرِمُ، وَلَايَنْزِعُ شَعْرًا.

ترجمہ: بعض علماء نے محرم کو پچھنے لگوانے کی اجازت دی ہے اور وہ کہتے ہیں: محرم بالوں کو نہ مونڈے، اور امام

مالکؒ کہتے ہیں: محرم پچھنے نہ لگوائے مگر ضرورت سے، اور ثوریؒ اور شافعیؒ کہتے ہیں: پچھنے لگوانے میں کوئی حرج نہیں اور وہ بالوں کو نہ اکھاڑے۔

بابُ ماجاءَ فی کَرَاهِيَةِ تَزْوِيجِ الْمُحْرِمِ

حالت احرام میں نکاح پڑھنا پڑھانا ممنوع ہے

یہ دو باب ہیں، ان میں یہ مسئلہ ہے کہ احرام کی حالت میں اپنا نکاح پڑھنا یا قاضی بن کر دوسرے کا نکاح پڑھانا یا اپنی منگنی بھیجنا جبکہ منگنی بھیجنے والا احرام میں ہو یا جس کی منگنی بھیجی جارہی ہے وہ احرام میں ہو یا دونوں احرام میں ہوں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں حجازی اور عراقی مکاتب فکر میں اختلاف ہے۔ پس یہ معرکۃ الآراء مسئلہ ہے مگر عملی اعتبار سے بے نتیجہ ہے، کیونکہ احرام کی حالت میں کوئی نکاح نہیں کرتا مگر چونکہ حدیثوں میں اختلاف ہے اس لئے یہ مسئلہ اہم ہوگیا ہے۔

عراقی مکتب فکر یعنی حنفیہ وغیرہ کے نزدیک احرام میں یہ چاروں کام مکروہ ہیں البتہ اگر کوئی احرام کی حالت میں نکاح پڑھ لے یا دوسرے کا نکاح پڑھادے تو نکاح صحیح ہوجائے گا، مگر جماع یا دواعیٔ جماع کی مطلق گنجائش نہیں، وہ حرام ہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک احرام کی حالت میں اپنی منگنی بھیجنا یا جو لڑکی یا لڑکا احرام میں ہے اس کی منگنی بھیجنا مکروہ ہے اور محرم کا خود اپنا نکاح پڑھنا یا قاضی بن کر دوسرے کا نکاح پڑھانا حرام ہے اور نکاح باطل اور کالعدم ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں، ایک قولی روایت ہے اور وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: إنَّ الْمُحْرِمَ لاَ يَنْكِحُ وَلاَ يُنْكِحُ: محرم نہ اپنا نکاح پڑھے اور نہ دوسرے کا نکاح پڑھائے۔ اور مسلم میں اسی حدیث میں یہ اضافہ ہے: وَلاَ يَخْطُبُ: اور منگنی نہ بھیجے (مسلم ۱: ۴۵۳) اور صحیح ابن حبان میں یہ اضافہ ہے: وَلاَ يُخْطَبُ عليه (حدیث ۴۱۱۲) یعنی محرم کی منگنی نہ بھیجی جائے۔ اور دوسری روایت فعلی ہے، اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو آپؐ حالت احرام میں تھے —— ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

اور اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے عمرۂ قضا کا ارادہ فرمایا تو ایک مقصد کے تحت مکہ میں شادی کرنے کا ارادہ کیا، آپؐ نے حضرت ابورافع اور حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہما کو نکاح کا پیغام دیکر حضرت میمونہؓ کے پاس (جو حضرت ابن عباسؓ کی خالہ ہیں) مکہ بھیجا، حضرت میمونہؓ بیوہ ہوگئی تھیں اور وہ مکہ میں مقیم تھیں، جب حضرت میمونہ کے پاس پیغام پہنچا تو انھوں نے حضرت عباس کو نکاح کا وکیل بنایا، جو ان کے بہنوئی تھے اس وقت حضرت میمونہؓ کے اولیاء سفر میں تھے (یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب حضرت میمونہؓ کا نکاح ہوا اس وقت ان کا

کوئی ولی موجود نہیں تھا اور حضرت عباس ولی نہیں تھے، وہ حضرت میمونہ کے بہنوئی تھے، معلوم ہوا کہ حدیث: لانکاح إلا بولی کا ائمہ ثلاثہ نے جو مطلب سمجھا ہے وہ صحیح نہیں۔ تفصیل کتاب النکاح میں آئے گی) غرض جب نبی ﷺ مکہ کے قریب پہنچے تو خاندان کے لوگ آپؐ کا استقبال کرنے کے لئے مکہ سے باہر مقام سرف تک آئے، جو مکہ سے قریباً دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضرت عباسؓ نے یہیں حضرت میمونہ کا آپؐ سے نکاح پڑھا، مگر اس بات کا علم چند ہی حضرات کو ہوا، آپؐ ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر آئے تھے، بخاری (حدیث ۱۶۹۴) میں اس کی صراحت ہے، مکہ پہنچ کر آپؐ نے عمرہ ادا کیا اور احرام کھول دیا، پھر کفار کے پاس (جو معاہدہ کے مطابق تین دن کے لئے مکہ سے باہر چلے گئے تھے) پیغام بھیجا کہ میں نے مکہ میں شادی کی ہے اور میں سب کو ولیمہ کھلانا چاہتا ہوں اور آپ لوگ معاہدہ کی رو سے تین دن تک مکہ میں نہیں آسکتے، پس مجھے ایک دن زائد مکہ میں رہنے کی اجازت دو اور سب آکر میرے ولیمہ کی دعوت کھاؤ، پھر میں چلا جاؤں گا، مگر انھوں نے دعوت قبول نہ کی اور جواب دیا کہ ہمیں دعوت نہیں کھانی، آپ معاہدہ کے مطابق تین دن میں مکہ خالی کردیں۔ اس وقت سب کو پتا چلا کہ آپؐ نے یہاں نکاح فرمایا ہے۔

اور آپؐ کے ذہن میں پلان یہ تھا کہ جب کفار آئیں گے تو چونکہ صحابہ اور وہ سب رشتہ دار ہیں اس لئے ایک دوسرے سے ملیں گے اور ان کو دین کی دعوت دیں گے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان میں سے بہت سوں کو ہدایت دیدیں، پس آپؐ نے ملی مصلحت سے یہ نکاح فرمایا تھا[1] مگر جب کفار نے دعوت قبول کرنے سے انکار کردیا تو آپؐ کا جو پلان تھا وہ فیل ہوگیا، چنانچہ آپؐ مکہ میں تین دن گذار کر مدینہ کے لئے روانہ ہوگئے اور حضرت میمونہ کو ساتھ لے لیا۔ پہلا پڑاؤ مقام سرف میں ہوا، وہیں زفاف عمل میں آیا، پھر آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد ایک مرتبہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا عمرہ کی غرض سے مکہ آئیں، واپسی میں سرف میں پڑاؤ کیا اور وہیں آپ کا انتقال ہوگیا، اور جس جگہ نبی ﷺ کا خیمہ تھا اور آپؐ نے فاف فرمایا تھا اسی جگہ دفن ہوئیں۔ یہ واقعہ کی صحیح نوعیت ہے۔

مگر ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: جب آپؐ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا تو آپؐ حلال تھے، مگر لوگوں کو اس کا علم اس وقت ہوا جب آپؐ احرام میں تھے حالانکہ تاریخی طور پر اس کی کوئی صورت نہیں بنتی اس لئے کہ یہ طے ہے کہ آپؐ نے

---

(۱) آنحضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ پھر حضرت سودہؓ کے علاوہ تمام نکاح ملی، ملکی اور شخصی مصلحت سے کئے ہیں، مثلاً حضرت زینبؓ سے نکاح لے پالک کی رسم توڑنے کے لئے کیا ہے، یہ ملی مصلحت ہے، اور حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے نکاح ملکی مصلحت سے کیا ہے، تاریخ کا ہر طالب عالم جانتا ہے کہ بدر کے بعد اسلام کے خلاف تمام جنگوں میں کمان ابوسفیانؓ کے ہاتھ میں رہی ہے، مگر ام حبیبہ سے نکاح کے بعد انھوں نے کوئی اہم فوج کشی نہیں کی، یہ اس نکاح کا فائدہ تھا، اور حضرت حفصہؓ سے نکاح حضرت عمرؓ کی دلجوئی کے لئے کیا ہے، یہ شخصی مصلحت ہے، غرض سبھی نکاح آپؐ نے انہی مقاصدِ ثلاثہ سے کئے ہیں، کوئی نکاح آپؐ نے اپنی ضرورت سے نہیں کیا، تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۵:۹۹ میں ہے۔

عمرہ ادا کرنے سے پہلے مقام سرف میں نکاح پڑھا ہے اور بخاری میں صراحت ہے کہ آپؐ نے ذوالحلیفہ سے احرام باندھا تھا، پس یہ بات کیونکر ممکن ہے کہ آپؐ نے حلال ہونے کی حالت میں نکاح پڑھا ہو؟ یہ بات کسی صورت میں درست نہیں ہوسکتی۔ اس لئے صحیح بات وہ ہے جو احناف کہتے ہیں کہ آپؐ نے بحالت احرام نکاح پڑھا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے۔ اور جب آپؐ نے عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا اور کفار کو ولیمہ کی دعوت دی تب لوگوں کو اس نکاح کا علم ہوا۔

غرض ائمہ ثلاثہ نے حضرت عثمان کی قولی روایت کو لیا ہے اور اس کے ساتھ ابو رافعؓ اور یزید بن الاصم (یہ بھی حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں) اور خود حضرت میمونہ کی حدیثوں کو ملایا ہے، ان تینوں کی حدیثوں کا مضمون یہ ہے کہ نبی ﷺ کا نکاح حلال ہونے کی حالت میں ہوا تھا، اور ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے صرف نظر کیا ہے حالانکہ وہ باب کی صحیح ترین روایت ہے، اور بخاری اور مسلم میں ہے، اور پندرہ اکابر تابعین ان سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، اور ابو رافع، یزید بن الاصم اور حضرت میمونہ کی حدیثوں میں کلام ہے۔

اور حنفیہ نے ابن عباس کی حدیث پر مسئلہ کا مدار رکھا ہے، اور حدیث: لَایَنکح وَلَایُنکِحُ: میں لانفی کمال کا لیا ہے، یعنی نکاح تو ہوجائے گا مگر یہ فعل زیبا نہیں اور ممانعت سد ذرائع کے لئے ہے، جیسے روزہ کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانے سے اس لئے منع کیا ہے کہ یہ سلسلہ کہیں آگے نہ بڑھ جائے۔ اسی طرح یہاں بھی ممانعت سد ذرائع کے لئے ہے، کیونکہ احرام کی حالت میں اگر نکاح کیا گیا تو ممکن ہے یہ سلسلہ آگے بڑھ جائے اور بات جماع یا دواعیٔ جماع تک پہنچ جائے جو احرام میں قطعاً ممنوع اور حرام ہیں، اور قرینہ یہ ہے کہ لایَخطُبُ اور لایُخطب علیه میں بالاتفاق کمال کی نفی ہے، کیونکہ اگر احرام میں منگنی بھیجی گئی پھر حلال ہونے کے بعد نکاح ہوا تو یہ نکاح بالاتفاق درست ہے مگر احرام کی حالت میں منگنی بھیجنا بالاتفاق مکروہ ہے، پس یہ ایک قرینہ ہے کہ حدیث کے پہلے دو جملوں میں بھی کمال کی نفی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے مستدلات پر نظر: حضرت ابو رافع کی حدیث مرسل ہے یا مسند؟ صرف حماد بن زید اس کو مسند کرتے ہیں، مگر اس کا مرسل (منقطع) ہونا اصح ہے اس لئے کہ سلیمان بن یسار کا حضرت ابو رافع سے سماع ممکن ہی نہیں، ابو رافع کا انتقال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چند دن بعد ہوا ہے اور شہادت عثمان کا واقعہ سن ۳۵ ہجری میں پیش آیا ہے، اور سلیمان کی پیدائش میں دو قول ہیں: ۳۴ ہجری اور ۲۹ ہجری، پس پہلے قول کے مطابق سلیمان کی حضرت ابو رافع کے انتقال کے وقت عمر ایک ڈیڑھ سال کی رہی ہوگی، اور دوسرے قول کے مطابق پانچ چھ سال کی ہوگی، اور اس عمر کا سماع معتبر نہیں، چنانچہ امام مالک اور سلیمان بن بلال نے اس کو مرسل روایت کیا ہے۔

اور یزید بن الاصم کی اور حضرت میمونہؓ کی روایت ایک ہے، بعض روات یزید پر سند روک دیتے ہیں، یعنی مرسل بیان کرتے ہیں اور بعض مسند بیان کرتے ہیں یعنی حضرت میمونہؓ کا ذکر کرتے ہیں، اور یزید بن الاصم حضرت میمونہؓ

کے بھانجے ہیں اور وہ صحابی نہیں ہیں تابعی ہیں، اور ثقہ ہیں مگر ابن عباسؓ کے مقابلہ میں پیش کئے جانے کے لائق نہیں معارف السنن (۶: ۳۵۶) میں یہ واقعہ ہے کہ عمرو بن دینار اور ابن شہاب کے درمیان تزویج محرم کا مسئلہ چھڑا تو عمرو بن دینار نے ابن عباس کی حدیث پیش کی اور ابن شہاب نے یزید بن الاصم کی، پس عمرو بن دینار نے کہا: أتجعلُ أعرابيًا بوّالا على عقبيه إلى ابن عباس؟: آپ ابن عباس کے مقابلہ میں یزید کی روایت پیش کرتے ہیں جو بدّو ہے اور جسے پیشاب کرنے کا بھی سلیقہ نہیں؟ ابن شہاب خاموش ہوگئے، علاوہ ازیں طبقات ابن سعد (۸: ۹۵) میں ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے میمون بن مہران کو لکھا کہ یزید سے پوچھو: نبی ﷺ نے جب حضرت میمونہ سے نکاح کیا تو آپ احرام میں تھے یا حلال تھے؟ یزید بن الاصم نے جواب دیا: خَطَبَهَا وهو حلالٌ، وبَنَى بها وهو حلال: جب منگنی بھیجی اس وقت حلال تھے اور جب زفاف فرمایا، اس وقت حلال تھے، حالانکہ تزویج کے وقت کی حالت پوچھی گئی تھی، مگر انھوں نے منگنی کے وقت کی اور زفاف کے وقت کی حالت بیان کی، معلوم ہوا کہ اگر تزویج کے وقت آپ حلال ہوتے تو یزید اس کو ضرور بیان کرتے (معارف ۶: ۳۵۷)

[۲۳] باب ماجاء في كراهية تَزْوِيجِ الْمُحْرِم

[۸۳۱-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا إسماعيلُ بنُ عُلَيَّةَ، نا أيُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ نُبَيْهِ بنِ وَهْبٍ، قال: أَرَادَ ابنُ مَعْمَرٍ أَنْ يُنْكِحَ ابنَهُ، فَبَعَثَنِي إِلَى أَبَانَ بنِ عُثْمَانَ، وَهُوَ أَمِيرُ الْمَوْسِمِ، فَأَتَيْتُهُ فقلتُ: إِنَّ أَخَاكَ يُرِيْدُ أَنْ يُنْكِحَ ابنَهُ، فَأَحَبَّ أَنْ يُشْهِدَكَ ذٰلِكَ، فَقَالَ: لَا أُرَاهُ إِلَّا أَعْرَابِيًا جَافِيًا، إِنَّ الْمُحْرِمَ لَايَنْكِحُ وَلَايُنْكِحُ أَوْ كَمَا قَالَ، ثُمَّ حَدَّثَ عَنْ عُثْمَانَ مِثْلَهُ يَرْفَعُهُ.

وفي الباب: عَنْ أَبِيْ رَافِعٍ، ومَيْمُوْنَةَ.

قال أبو عيسى: حديثُ عثمانَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعَمَلُ على هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، مِنْهُمْ عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ، وَعَلِيُّ بنُ أبي طَالِبٍ، وابنُ عُمَرَ، وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ فُقَهَاءِ التَّابِعِيْنَ، وبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ، والشَّافعيُّ، وأحمدُ، وإسحاقُ: لَايَرَوْنَ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُحْرِمُ، وَقَالُوْا: إِنْ نَكَحَ فَنِكَاحُهُ بَاطِلٌ.

[۸۳۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عن مَطَرٍ الوَرَّاقِ، عن رَبِيْعَةَ بنِ أَبِيْ عبدِ الرحمنِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ يَسَارٍ، عن أَبِيْ رَافِعٍ، قال: تَزَوَّجَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ حَلَالٌ، وبَنَى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ، وكُنْتُ أَنَا الرَّسُوْلَ فِيْمَا بَيْنَهُمَا.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ، ولاَ نَعْلَمُ أَحَدًا أَسْنَدَهُ غَيرَ حَمَّادِ بنِ زَيْدٍ، عَنْ مَطَرٍ الوَرَّاقِ،

عَنْ رَبِيْعَةَ، وَرَوَى مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ رَبِيْعَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ يَسَارٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ حَلَالٌ، وَرَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلاً، وَرَوَاهُ أَيْضًا سُلَيْمَانُ بنُ بِلَالٍ عَنْ رَبِيْعَةَ مُرْسَلاً.

قال أبو عيسى: وَرُوِيَ عَنْ يَزِيْدَ بنِ الأَصَمِّ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ، قالتْ: تَزَوَّجَنِيْ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم وَهُوَ حَلَالٌ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ يَزِيْدَ بنِ الأَصَمِّ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ حَلَالٌ.

قال أبو عيسى: وَيَزِيْدُ بنُ الأَصَمِّ: هُوَ ابنُ أُخْتِ مَيْمُوْنَةَ.

ترجمہ: نُبیہ بن وہب کہتے ہیں: ابن معمر نے (دورانِ حج) اپنے بیٹے کا نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے مجھے ابان بن عثمان کے پاس بھیجا اور وہ امیر موسم تھے (یعنی امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نائب بن کر حج کرانے آئے تھے) میں ان کے پاس گیا اور کہا: آپ کے بھائی (ابن معمر) اپنے لڑکے کا نکاح کرنا چاہتے ہیں اور وہ مجلس نکاح میں آپ کی شرکت کے متمنی ہیں، ابان نے فرمایا: نہیں گمان کرتا میں اس کو مگر اجڈ دیہاتی، بیشک محرم نہ نکاح کرتا ہے اور نہ نکاح کراتا ہے، یا جیسا فرمایا، پھر حضرت عثمان کی روایت سے اس کے مانند بیان کیا وہ اس کو مرفوع کر رہے تھے یعنی پہلے مسئلہ بتلایا، پھر حضرت عثمان کی مرفوع حدیث سنائی جس میں یہی مضمون تھا۔

اور اس پر بعض صحابہ کا عمل ہے، ان میں سے عمر، علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم ہیں اور تابعین میں سے بعض فقہاء کا یہی قول ہے اور مالک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں، وہ محرم کے لئے نکاح کرنے کو جائز نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں: اگر محرم نکاح کرے گا تو اس کا نکاح باطل ہے —— ابورافع کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا درانحالیکہ آپ حلال تھے اور ان کے ساتھ زفاف عمل میں آیا درانحالیکہ آپ حلال تھے، اور میں اس معاملہ میں دونوں کے درمیان سفیر تھا۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے اس حدیث کو مسند کیا ہو سوائے حماد بن یزید کے، وہ مطر الوراق سے، وہ ربیعہ سے (وہ سلیمان بن یسار سے وہ ابورافع سے مسند روایت کرتے ہیں) اور امام مالکؒ نے ربیعہ سے، انھوں نے سلیمان بن یسار سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا درانحالیکہ آپ حلال تھے، اور اس حدیث کو امام مالکؒ نے مرسل بیان کیا ہے۔ اور سلیمان بن بلال نے بھی ربیعہ سے مرسل روایت کیا ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اور یزید بن الاصم میمونہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: مجھ سے نبی ﷺ نے نکاح کیا درانحالیکہ آپ حلال تھے (یہ روایت مسند ہے) اور بعض نے یزید بن الاصم سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا درانحالیکہ آپ حلال تھے (یہ روایت مرسل ہے، اس میں حضرت میمونہ کا ذکر نہیں اور یہ روایت اگلے باب کے آخر میں سند کے ساتھ آرہی ہے) امام ترمذیؒ کہتے ہیں: یزید بن الاصم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں۔

بابُ ماجاءَ مِنَ الرُّخصَةِ فِيْ ذٰلِكَ

حالتِ احرام میں نکاح کے جواز کا بیان

یہ باب عراقیوں کے لئے ہے اور اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا درانحالیکہ آپؐ احرام میں تھے، امام ترمذیؒ نے حدیث ابن عباس کی تین سندیں پیش کی ہیں، دو حضرت عکرمہ کی ہیں اور تیسری ابوالشعثاء کی ہے، پھر باب کے آخر میں حضرت میمونہ کی روایت لائے ہیں، جس کا گذشتہ باب کے آخر میں تذکرہ کیا تھا۔

[۲٤] باب ماجاء مِنَ الرخصة فی ذلك

[۸۳۳-] حدثنا حُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، نا سُفْيَانُ بنُ حَبِيْبٍ، عَنْ هِشَامِ بنِ حَسَّانٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عن ابنِ عباسٍ: أنَّ النبیَّ صلى الله عليه وسلم تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

وفی البابِ: عن عائشةَ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ على هٰذا عندَ بَعْضِ أهلِ العلمِ، وبه يقولُ سُفيانُ الثَّوْرِیُّ، وأهلُ الْكُوْفَةِ.

[۸۳٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عن ابنِ عبَّاسٍ أنَّ النبیَّ صلى الله عليه وسلم تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

[۸۳۵-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا دَاوُدُ بنُ عبدِ الرحمنِ العَطَّارُ، عن عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، قالَ سَمِعْتُ أَبَا الشَّعْثَاءِ، يُحَدِّثُ عن ابنِ عَبَّاسٍ أنَّ النبیَّ صلى الله عليه وسلم تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

قال أبو عيسى: هٰذَا حديثٌ صحيحٌ، وأبُو الشَّعْثَاءِ: اسْمُهُ جَابِرُ بنُ زَيْدٍ:

واخْتَلَفُوْا فِيْ تَزْوِيْجِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم مَيْمُوْنَةَ، لِأنَّ النبیَّ صلى الله عليه وسلم تَزَوَّجَهَا فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ، فقالَ بَعْضُهُمْ: تَزَوَّجَهَا حَلالاً، وَظَهَرَ أَمْرُ تَزْوِيْجِهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ، ثُمَّ بَنٰى بها وهُوَ حَلالٌ بِسَرِفَ فِيْ طريقِ مَكَّةَ، ومَاتَتْ مَيْمُوْنَةُ بِسَرِفَ حَيْثُ بَنٰى بِهَا رسولُ الله صلى الله عليه وسلم، ودُفِنَتْ بِسَرِفَ.

[۸۳٦-] حدثنا إسحاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، نا وَهْبُ بنُ جَرِيْرٍ، نا أبی، قال: سمعتُ أَبَا فَزَارَةَ يُحَدِّثُ عَنْ يَزِيْدَ بنِ الْأَصَمِّ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم تَزَوَّجَها وَهُوَ حَلالٌ وَبَنٰى بِهَا حَلالاً، وماتَتْ بِسَرِفَ، ودَفَنَّاهَا فی الظُّلَّةِ التی بَنٰی بِهَا فِيْهَا.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ، ورَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هذا الحديثَ عَنْ يَزِيْدَ بنِ الأصمِّ مُرْسَلاً: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم تزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ حَلاَلٌ.

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے نکاح کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے، کیونکہ آپؐ نے ان سے مکہ کے راستہ میں نکاح کیا ہے، پس بعض علماء کہتے ہیں: ان سے نکاح ہوا حلال ہونے کی حالت میں اور نکاح کی بات ظاہر ہوئی درانحالیکہ آپؐ محرم تھے (لیکن اس کی صورت تجویز کرنا بہت مشکل ہے) پھر ان سے مکہ کے راستہ میں مقام سرف میں زفاف عمل میں آیا درانحالیکہ آپ حلال تھے، اور حضرت میمونہ کا سرف میں انتقال ہوا جہاں ان کے ساتھ زفاف عمل میں آیا تھا، اور وہ سرف میں مدفون ہوئیں ——— اور حضرت میمونہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے نکاح کیا درانحالیکہ آپ حلال تھے، اور ان سے حلال ہونے کی حالت میں زفاف ہوا، اور سرف میں ان کا انتقال ہوا اور ان کو اسی سائبان میں دفن کیا گیا جس میں ان کے ساتھ زفاف عمل میں آیا تھا۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: متعدد حضرات نے اس حدیث کو یزید بن الاصم سے مرسل روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا درانحالیکہ آپ حلال تھے۔

بابُ ماجاءَ فِيْ أَكْلِ الصَّيْدِ

محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے

یہ دو باب ہیں ان میں یہ مسئلہ ہے کہ محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟ تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر محرم نے بذاتِ خود شکار کیا ہے تو وہ مردار ہے، اسے کوئی نہیں کھا سکتا، نہ محرم اور نہ غیر محرم۔ اسی طرح اگر محرم کے اشارہ سے، محرم کے تعاون سے، محرم کی دلالت (راہ نمائی) سے اور محرم کے حکم سے کسی حلال نے شکار کیا ہے تو بھی مردار ہے، اسے کوئی نہیں کھا سکتا، اور اگر کسی حلال نے شکار کیا اور محرم کو کھلانے کا کوئی تصور نہیں تھا تو محرم اس شکار کے گوشت کو کھا سکتا ہے۔ اور ایک مسئلہ میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی حلال آدمی شکار کرے اور اس کے دل میں محرم کو کھلانے کی نیت ہو تو محرم اس شکار کو کھا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نہیں کھا سکتا، کیونکہ یہ صِیْدَ لِأَجْلِهٖ ہے یعنی محرم کی خاطر شکار کیا گیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہ صِیْدَ لِأَجْلِهٖ نہیں ہے، پس اس کو کھا سکتا ہے۔

اس مسئلہ میں تین حدیثیں ہیں، ایک قولی اور دو فعلی:

پہلی حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے لئے خشکی کا شکار حلال ہے درانحالیکہ تم احرام میں ہو، جب تک تم نے خود اس کو شکار نہ کیا ہو یا جب تک وہ تمہارے لئے شکار نہ کیا گیا ہو''

تشریح: ائمہ ثلاثہ نے یُصَدْ لکم کے عموم میں اس شکار کو بھی لیا ہے جو حلال نے محرم کو کھلانے کی نیت سے کیا ہے، اور احناف کہتے ہیں: یہ شکار یُصد لکم کا مصداق نہیں، نہ صِیْدَ لِأجْلِہ کا مصداق ہے۔ یُصَدْ لکم اور صِیْدَ لأجله کی صورت یہ ہے کہ سیٹھ (جو محرم ہے) حکم دے اور نوکر شکار کریں ـــــ اور جو شکار حلال نے خود کیا ہے، اس میں محرم کا نہ اشارہ ہے نہ تعاون، نہ دلالت نہ امر، بس اتنی بات ہے کہ حلال نے محرم کو کھلانے کی نیت کی ہے تو وہ شکار صید لأجله کا مصداق نہیں، کیونکہ دوسرے کی نیت پر آدمی کا اختیار نہیں وہ جو چاہے نیت کرے ـــــ اور اگر اس صورت کو بھی صید لأجله کا مصداق بنائیں گے تو اس کا ابو قتادہؓ کی حدیث سے (جو آگے آرہی ہے) تعارض ہوجائے گا ـــــ نیز یہ حدیث منقطع ہے، مطّلب کا حضرت جابر سے لقاء وسماع نہیں، اور ابو قتادہ کی حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے، پس تعارض کی صورت میں اصح مافی الباب کو لیا جائے گا۔

دوسری حدیث: حجۃ الوداع میں روانہ ہونے سے پہلے آنحضور ﷺ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو حل کے کسی گاؤں میں زکوتیں وصول کرنے کے لئے بھیجا، انھوں نے زکوتیں وصول کیں اور غریبوں میں تقسیم کردیں، پھر اس راستہ پر آگئے جہاں سے آپؐ کا قافلہ گذرنے والا تھا، اور وہ غیر محرم تھے، کیونکہ مدینہ سے چلتے وقت ان کی نیت حل میں جانے کی تھی اور پہلے یہ بتایا جاچکا ہے کہ جس کی نیت حل میں جانے کی ہو اس کے لئے میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں، پھر جب وہ حرم میں جانے کا ارادہ کرے گا تو حرم شروع ہونے سے پہلے احرام باندھ لے گا، اور یہ بات کہ آپؐ نے ان کو زکوتیں وصول کرنے کے لئے حل میں بھیجا تھا، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے جو بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں ہے۔ غرض وہ حضور ﷺ کے قافلہ کے ساتھ مل گئے، پھر وہ ایک موقعہ پر چند اصحاب کے ساتھ قافلہ سے پیچھے رہ گئے، اچانک انھوں نے ایک گورخر دیکھا چونکہ وہ حلال تھے اس لئے تیزی سے اٹھے اور گھوڑے پر سوار ہوگئے تاکہ شکار کریں، مگر ان کا بھالا نیچے رہ گیا، انھوں نے ساتھیوں سے بھالا اٹھا کردینے کے لئے کہا، مگر ساتھی سب محرم تھے انھوں نے انکار کردیا۔ چنانچہ وہ خود گھوڑے سے اترے اور بھالا لیا، پھر ان کا کوڑا رہ گیا، وہ بھی ساتھیوں نے نہیں دیا، انھوں نے خود اتر کرلیا، اور شکار کے پیچھے گھوڑا ڈالا اور گورخر کو مارکر اور ذبح کرکے لائے، اور ساتھیوں سے کہا: ''کھاؤ'' بعض نے کھایا اور بعض نے کھانے سے انکار کیا اور کہا: ہم پہلے نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھیں گے، جب آپؐ سے مسئلہ پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''یہ ایک لقمہ (کھانا) ہے جو اللہ نے تمہیں کھلایا ہے'' اور ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''اگر گوشت بچا ہو تو ہمیں بھی دو''

تشریح: ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے شکار کیا تھا، ساتھیوں کو کھلانے کی ان کی نیت نہیں تھی، پس وہ کھا سکتے تھے، چنانچہ سب نے بشمول نبی ﷺ اس کو کھایا۔ اور احناف کہتے ہیں: بظاہر حضرت ابو قتادہؓ نے ساتھیوں کو کھلانے کی نیت کی تھی، کیونکہ سفر میں کوئی شخص گائے جتنا بڑا جانور تنہا اپنے لئے شکار نہیں کرتا،

ساتھیوں کو کھلانے کی نیت ضرور ہوتی ہے، چنانچہ انھوں نے آتے ہی ساتھیوں سے کھانے کو کہا تھا، یہ قرینہ ہے کہ شکار کرتے وقت حضرت ابوقتادہؓ نے ساتھیوں کو کھلانے کی نیت کی تھی —— تیسری حدیث آئندہ باب میں آرہی ہے۔

[۲۵] باب ماجاء فی أکل الصید لِلمُحْرِم

[۸۳۷-] حدثنا قُتَیبَۃُ، نا یَعْقُوبُ بنُ عبدِ الرحمنِ، عَنْ عَمرِو بنِ أَبِیْ عَمْرٍو، عَنِ الْمُطَّلِبِ، عَنْ جَابِرٍ، عن النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "صَیْدُ البَرِّ لَکُمْ حَلَالٌ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ، مَالَمْ تَصِیدُوْہُ أَوْ یُصَدْلَکُمْ"

وفی الباب: عن أبی قتادۃَ، وطَلْحَۃَ، قال أبو عیسی: حدیثُ جابرٍ حدیثٌ مُفَسَّرٌ، والمُطَّلِبُ لَانَعرِفُ لَہُ سَمَاعًا مِنْ جَابِرٍ.

والعَمَلُ علیٰ ھٰذا عندَ بَعْضِ أھلِ العلمِ لَایَرَوْنَ بِأَکْلِ الصَّیْدِ لِلْمُحْرِمِ بَأْسًا إِذَا لَمْ یَصْطَدْہُ أَوْ یُصَدْ مِنْ أَجْلِہِ، قال الشَّافِعِیُّ: ھذا أَحْسَنُ حَدِیثٍ رُوِیَ فی ھذا البابِ وأَقْیَسُ، والعملُ علی ھذا، وَھُوَ قَوْلُ أحمدَ وإسحاقَ.

[۸۳۸-] حدثنا قُتَیْبَۃُ، عن مَالِکِ بنِ أَنَسٍ، عن أبی النَّضْرِ، عن نَافِعٍ مَوْلَی أَبِیْ قَتَادَۃَ، عن أبی قَتَادَۃَ: أَنَّہُ کانَ مَعَ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، حَتّٰی إِذَا کانَ بِبَعْضِ طَرِیْقِ مَکَّۃَ تَخَلَّفَ مَعَ أَصْحَابٍ لَہُ مُحْرِمِیْنَ وَھُوَ غَیْرُ مُحْرِمٍ، فَرَأَیٰ حِمَارًا وَحْشِیًّا فَاسْتَوَی علی فَرَسِہِ، فَسَأَلَ أَصْحَابَہُ أَنْ یُنَاوِلُوْہُ سَوْطَہُ فَأَبَوْا، فَسَأَلَھُمْ رُمْحَہُ فَأَبَوْا عَلَیہِ، فَأَخَذَ فَشَدَّ علی الْحِمَارِ، فَقَتَلَہُ فَأَکَلَ مِنْہُ بَعْضُ أَصْحَابِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، وَأَبَیٰ بَعْضُھُمْ فَأَدْرَکُوْا النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَأَلُوْہُ عَنْ ذٰلِکَ، فقالَ: "إِنَّمَا ھِیَ طُعْمَۃٌ أَطْعَمَکُمُوْھَا اللّٰہُ"

[۸۳۹-] حدثنا قُتیبۃُ، عن مالکٍ، عن زَیْدِ بنِ أَسْلَمَ، عن عطاءِ بنِ یَسَارٍ، عن أبی قَتَادَۃَ: فِیْ حِمَارِ الْوَحْشِ مِثْلَ حَدیثِ أبی النَّضْرِ، غَیْرَ أَنَّ فِیْ حدیثِ زَیْدِ بنِ أَسْلَمَ: أَنَّ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "ھَلْ مَعَکُمْ مِنْ لَحْمِہِ شَیْئٌ؟"

قال أبو عیسی: ھذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث واضح ہے (حالانکہ یُصَدْ لکم کے مفہوم میں اختلاف ہے) اور ہم مطلب کا حضرت جابرؓ سے سماع نہیں جانتے، اور اس پر بعض علماء کا عمل ہے، وہ محرم کے لئے شکار کھانے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے، جبکہ محرم نے بذات خود جانور کو شکار نہ کیا ہو، اور نہ اس کے لئے شکار کیا گیا ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سب سے اچھی حدیث ہے جو اس باب میں روایت کی گئی ہے اور قواعد شرعیہ کے

بالکل مطابق ہے (یہ دونوں دعوے محل نظر ہیں، یہ حدیث تو منقطع ہے اور ابوقتادہ کی حدیث متفق علیہ ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے: لاتزر وازرۃ وزرۃ اخری پس شکار کرنے والے نے جو محرم کو کھلانے کی نیت کی ہے اگر وہ گناہ ہے تو وہ اس کا فعل ہے، محرم کا اس میں کیا قصور ہے؟ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے ذہن میں کیا قاعدہ ہے وہ ہمیں معلوم نہیں) اور اس پر عمل ہے اور یہ احمد اور اسحاق کا قول ہے —— حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، یہاں تک کہ جب وہ مکہ کے راستہ کے کسی حصہ میں تھے تو وہ نبی ﷺ کے چند صحابہ کے ساتھ جو حالت احرام میں تھے پیچھے رہ گئے، اور ابوقتادہ حلال تھے، انھوں نے ایک گورخر دیکھا، پس وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھے اور اپنے ساتھیوں سے درخواست کی کہ وہ ان کو ان کا کوڑا دیں، ساتھیوں نے کوڑا اٹھا کر دینے سے انکار کیا۔ پس ان سے اپنا نیزہ مانگا تو انھوں نے اس کا بھی انکار کیا تو انھوں نے خود لیا اور گورخر کے پیچھے گھوڑا ڈالا اور اس کو قتل کیا، پس اس میں سے بعض اصحاب نے کھایا اور بعض نے کھانے سے انکار کیا، پس انھوں نے نبی ﷺ سے ملاقات کی اور مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''یہ ایک لقمہ ہے جو اللہ نے تمہیں کھلایا'' اور زید بن اسلم نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی ﷺ نے پوچھا: ''کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ بچا ہے؟''

بابُ ماجاءَ فِي كَرَاهِيَةِ لَحْمِ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ

محرم کے لئے شکار کا گوشت ممنوع ہے

یہ اوپر والے باب کا مقابل باب ہے اس میں یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ (عمرۂ قضا یا حج کے لئے) مکہ معظمہ تشریف لے جارہے تھے اور احرام میں تھے، جب آپؐ ابواء یا ودّان نامی جگہ سے گذرے تو صعب بن جثامہؓ بغرض ملاقات حاضر ہوئے، وہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے[1] وہ ایک زندہ گورخر لے کر آئے تا کہ آپؐ کو بطور ہدیہ پیش کریں، آپؐ نے وہ ہدیہ واپس کر دیا، حضرت صعبؓ کو ناگوار ہوا، آپؐ کو ان کی ناگواری کا احساس ہوا تو آپؐ نے ہدیہ قبول نہ کرنے کی وجہ بتائی کہ ہم احرام میں ہیں، اس لئے ہدیہ قبول نہیں کر سکتے۔ لفظی ترجمہ: بیشک شان یہ ہے کہ نہیں ہے ہمارے ساتھ تم پر پھیرنا یعنی ہم کسی ناراضگی کی وجہ سے ہدیہ رد نہیں کر رہے، بلکہ اس وجہ سے رد کر رہے ہیں کہ ہم احرام میں ہیں، یعنی یہ ہدیہ ہمارے کسی کام کا نہیں اس لئے لوٹا رہے ہیں۔

(۱) قبیلہ کا سردار جب کسی سردار سے ملتا ہے تو خالی ہاتھ نہیں ملتا، اور شکار کا گوشت عربوں کے نزدیک پسندیدہ چیز ہے اور نبی ﷺ کس دن یہاں سے گزریں گے یہ بات معلوم نہیں تھی، اور شکار ذبح کر دیا جائے تو گوشت سڑ جائے گا، اس لئے حضرت صعبؓ نے قبیلہ کے جوانوں کو حکم دیا کہ وہ ایک گورخر زندہ پکڑیں، گورخر بڑا جانور ہے اس میں کافی گوشت ہوتا ہے جو پورے قافلہ کے لئے کافی ہوسکتا ہے، چنانچہ جوانوں نے ایک زندہ گورخر پکڑ لیا اور اسے باندھ رکھا۔ جب آپؐ یہاں سے گذرے تو وہ زندہ لے کر حاضر ہوئے ۱۲

تشریح: حضرت صعب بن جثّامہؓ نے وہ گورخر آنحضور ﷺ کے لئے ہی پکڑا تھا اور زندہ پکڑا تھا تاکہ جب آپؐ کا وہاں سے گذر ہو تو بطور ہدیہ پیش کریں، مگر چونکہ وہ زندہ تھا اس لئے شکار تھا، اور محرم شکار مار نہیں سکتا اس لئے آپؐ نے ہدیہ قبول نہیں کیا، اگر آپ قبول کر لیتے تو اس کو چھوڑ دینا واجب ہو جاتا، اور قبول نہیں کریں گے تو حضرت صعب واپس لے جائیں گے اور کھائیں گے۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا کہ اگر محرم کو زندہ شکار ملے تو وہ اس کے لئے جائز نہیں، اس کو آزاد کر دینا واجب ہے، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ صعب بن جثّامہ رضی اللہ عنہ نے گورخر کا گوشت پیش کیا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: وہ حدیث محفوظ نہیں، یعنی واقعہ ذبح کئے ہوئے گورخر کا نہیں ہے بلکہ زندہ پیش کرنے کا ہے۔

[۲۶] باب ماجاء في كراهية لحم الصيد للمحرم

[۸٤٠-] حدثنا قُتيبةُ، نا اللَّيْثُ، عن ابنِ شِهَابٍ، عن عُبيدِ اللّٰهِ بنِ عبدِ اللهِ، أنَّ ابنَ عبَّاسٍ أَخبرَهُ: أنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ أَخبرَهُ: أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم مَرَّ بِهِ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ، فَأَهْدَى لَهُ حِمَارًا وَحْشِيًّا، فَرَدَّهُ عليه، فَلَمَّا رَأَى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ قَالَ: "إِنَّهُ لَيْسَ بِنَارَدٍّ عليكَ، وَلٰكِنَّا حُرُمٌ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَقَدْ ذَهَبَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ إِلَى هٰذَا الحديثِ، وكَرِهُوْا أَكْلَ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ.

وقال الشَّافعيُّ: إِنَّمَا وَجْهُ هذا الحديثِ عِنْدَنَا: إِنَّمَا رَدَّهُ عَلَيْهِ لِمَا ظَنَّ أَنَّهُ صِيدَ مِنْ أَجْلِهِ، وتَرَكَهُ على التَّنَزُّهِ.

وقَدْ رَوَى بَعْضُ أَصْحَابِ الزُّهْرِيِّ، عن الزُّهْرِيِّ هذا الحديثَ، وقال: أُهْدِيَ لَهُ لَحْمُ حِمَارٍ وَحْشٍ، وَهُوَ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ.

وفي الباب: على عليٍّ، وزيدِ بنِ أَرْقَمَ.

ترجمہ: صحابہ اور ان کے علاوہ بعض علماء اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور وہ محرم کے لئے شکار کھانے کو مکروہ کہتے ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ اس گورخر کو نبی ﷺ نے اس لئے لوٹایا تھا کہ آپؐ نے گمان کیا کہ وہ آپ کی خاطر شکار کیا گیا ہے، اور آپؐ نے اس سے احتراز فرمایا اس سے بچتے ہوئے (یعنی چونکہ وہ صِيدَ لأجل المحرم تھا اس لئے وہ آپؐ کے لئے حرام تھا اس لئے آپؐ نے قبول نہیں کیا، مگر حنفیہ کے نزدیک قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ زندہ تھا، آپؐ کے کسی کام کا نہیں تھا، اگر آپ قبول

کر لیتے تو آزاد کردینا واجب ہوجاتا، اس لئے آپؐ نے اسے واپس کردیا) اور زہری کے بعض تلامذہ امام زہری رحمہ اللہ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: حضور ﷺ کو گورخر کا گوشت پیش کیا گیا اور یہ روایت محفوظ نہیں۔

بَابُ ماجاء فی صَیْدِ الْبَحْرِ لِلْمُحْرِمِ

محرم کے لئے سمندر کا شکار حلال ہے

سورۂ مائدۃ آیت ۹۶ میں صراحتاً یہ مسئلہ ہے کہ محرم کے لئے سمندر کا شکار کرنا اور اس کو کھانا جائز ہے، اور جب مسئلہ قرآن میں آگیا تو اب حدیثوں میں نہیں آئے گا، کیونکہ اس کی ضرورت نہیں رہی، اور یہاں جو حدیث ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حج یا عمرہ کے سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، لوگوں کے سامنے ایک ٹڈی دَل آگیا، لوگ کوڑوں اور لاٹھیوں سے مارنے لگے، آپؐ نے فرمایا: "اس کو کھاؤ وہ سمندری جانوروں میں سے ہے"

تشریح: ٹڈی حقیقت میں سمندر کا جانور نہیں ہے اور ابن ماجہ میں جو حدیث ہے کہ ٹڈی سمندر کی ایک خاص قسم کی مچھلی کی چھینک سے پیدا ہوتی ہے، یہ حدیث بس ویسی ہی ہے۔ ابن ماجہ ہی نے اس کی تخریج کی ہے (ابن ماجہ حدیث ۳۲۲۱ ابواب الصید) سیوطی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوعات میں لیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا ایک راوی موسیٰ متروک ہے۔

اور ارشاد پاک: فإنه مَن صید البحر کے تین مطلب ہوسکتے ہیں: (۱) جس طرح محرم کے لئے سمندر کا جانور شکار کرنا اور اس کو کھانا جائز ہے، محرم کے لئے ٹڈی کا شکار کرنا اور اس کو کھانا جائز ہے (۲) جس طرح سمندر کا مردار یعنی مری ہوئی مچھلی حلال ہے اسی طرح مری ہوئی ٹڈی بھی حلال ہے، کیونکہ اس میں بھی ذبح شرط نہیں (۳) جس طرح محرم پر سمندر کا شکار کرنے کی وجہ سے جزا واجب نہیں، اسی طرح ٹڈی مارنے سے بھی جزا واجب نہیں۔

مگر ائمہ اربعہ کے نزدیک حدیث کا صرف دوسرا مطلب صحیح ہے، پہلا اور تیسرا مطلب صحیح نہیں، چنانچہ ان کے نزدیک اگر محرم ٹڈی مارے گا تو جزاء واجب ہوگی، اور ایک ٹڈی کی جزا ایک کھجور بہت ہے، مشہور مقولہ ہے: تَمْرَۃٌ خیرٌ مِنْ جرادۃٍ ایک کھجور ایک ٹڈی سے بہتر ہے، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے، اس میں مسئلہ کا بیان ہے کہ ایک ٹڈی کی جزاء ایک کھجور ہے اور وہ بہت ہے، یعنی ایک کھجور کافی سے زیادہ جزاء ہے، اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ ابوالمہزم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں صراحت نہیں کہ مکہ جاتے ہوئے ٹڈی دَل ملا تھا یا مکہ سے لوٹتے ہوئے۔ دونوں احتمال ہیں، جاتے ہوئے لوگ احرام میں ہوتے ہیں، واپسی میں احرام نہیں ہوتا، پس ممکن ہے یہ واپسی کا واقعہ ہو، اور قرینہ کُلُوْہُ ہے، اس میں صاف اشارہ ہے کہ آپؐ نے تشبیہ مردار ہونے میں دی ہے کہ جس طرح سمندر کا مردار حلال ہے ٹڈی کا مردار بھی حلال ہے، جزاء نہ ہونے میں تشبیہ نہیں ہے۔

[۲۷] باب ماجاء في صيد البحر للمحرم

[۸٤۱-] حدثنا أبو كُرَيْبٍ، نا وكِيْعٌ، عن حَمَادِ بنِ سَلَمَةَ، عن أبي المُهَزِّمِ، عن أبي هريرةَ، قال: خَرَجْنا مَعَ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم فِيْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ، فَاسْتَقْبَلَنَا رِجْلٌ مِنْ جَرَادٍ، فَجَعَلْنَا نَضْرِبُهُ بِأَسْيَاطِنَا وَعِصِيِّنَا، فقالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم:" كُلُوْهُ فَإِنَّهُ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أبي المُهَزِّمِ، عن أبي هريرةَ، وأبُوْ المُهَزِّمِ: اسْمُهُ يَزِيْدُ بنُ سُفيانَ، وقَدْ تكَلَّمَ فِيهِ شُعْبَةُ.

وقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَصِيْدَ الْجَرَادَ فيَأْكُلَ، وَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنَّ عليه صَدَقَةً إِذَا اصْطَادَهُ أَوْ أَكَلَهُ.

وضاحت: یہ حدیث غریب ہے، کیونکہ تنہا ابوالمہز م اس کو روایت کرتا ہے اور اس کا نام یزید بن سفیان ہے اور وہ ضعیف ہے۔ شعبہؒ نے اس میں کلام کیا ہے، اور بعض علماء محرم کو ٹڈی شکار کرنے کی پھر اس کو کھانے کی اجازت دیتے ہیں (یعنی جزاء واجب نہیں کرتے اور یہ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت ہے) اور بعض علماء کہتے ہیں: اس پر صدقہ واجب ہے جب وہ اس کو شکار کرے یا اس کو کھائے (ائمہ ثلاثہ کا مذہب اور امام احمد کا راجح قول یہی ہے)

بابُ ماجاءَ فِي الضَّبُعِ يُصِيْبُهَا الْمُحْرِمُ

محرم اگر بجو مارے تو کیا حکم ہے؟

حدیث: ابن ابی عمار کہتے ہیں: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا بجو شکار ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا: کیا میں اس کو کھاؤں؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے پوچھا: کیا یہ بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں (بجو: ایک گوشت خور درندہ ہے، جو دن بھر بل میں گھسا رہتا ہے اور رات میں باہر نکلتا ہے)

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث جلد ثانی کے صفحہ اول پر بھی اسی سند سے اور انہی الفاظ سے تحریر فرمائی ہے، اور یہ استدلال کیا ہے کہ بجو کھانا جائز ہے، چنانچہ ائمہ ثلاثہ اسی کے قائل ہیں، اور یہاں یہ استدلال کیا ہے کہ بجو درندہ ہونے کے ساتھ شکار بھی ہے، پس اگر وہ انسان پر یا انسان کے مال پر حملہ کرے تو وہ السَّبُعُ العادی (حملہ کرنے والا درندہ) ہے، اس کو مارنا جائز ہے، کوئی جزاء واجب نہیں، اور اگر حملہ آور نہ ہو تو شکار ہے اس کو قتل کرنے سے جزاء واجب ہوگی، دو دیندار معتبر آدمی جو قیمت طے کریں وہ غرباء کو دینی ہوگی۔ البتہ بجو کی قیمت بکری کی قیمت

سے زیادہ نہیں لگائی جائے گی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ بجو شکار ہے اور اس کی جزاء واجب ہے: یہ مسئلہ تو اجماعی ہے، البتہ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حلال ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، اور حنفیہ نے ایک دوسری حدیث سے استدلال کیا ہے۔ ترمذی میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر ہر کچلی دار درندے کے کھانے سے منع فرمایا ہے: نَهى يومَ خيبرَ عن كل ذي نابٍ من السّباع (مشکوٰۃ حدیث ۴۰۸۹) اور بجو کی بھی کتے کی طرح کچلیاں ہوتی ہیں، پس وہ بھی اس حدیث کی رو سے حرام ہے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو مضمون ہیں: پہلا مرفوع ہے اور دوسرا موقوف یعنی حضرت جابر کا اجتہاد ہے، بجو شکار ہے یہ ٹکڑا مرفوع ہے اور نعم کا تعلق اسی سے ہے اور اس کے کھانے کا جواز یہ حضرت جابر کا اجتہاد ہے اور دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث ابوداؤد میں بھی ہے اس میں صرف پہلا مضمون ہے، دوسرا مضمون نہیں ہے، اور حضرت جابرؓ کا یہ قول حضرت علیؓ کے قول سے معارض ہے، موطا محمد میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گوہ اور بجو کھانے سے منع فرمایا، چونکہ حضرت علی کا یہ قول حدیث مرفوع نهى عن كل ذي نابٍ من السّباع کے موافق ہے اس لئے حنفیہ نے اس کو ترجیح دی ہے (تفصیل کے لئے دیکھیں اعلاء السنن ۱۷: ۱۶۴باب ماجاء فی الضبع کتاب الذبائح)

[۲۸] باب ماجاء في الضَّبُعِ يُصِيبُهَا المحرمُ

[۸٤۲-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، نا إسماعيلُ بنُ إبراهيمَ، نا ابنُ جُرَيْجٍ، عن عبدِ الله بنِ عُبَيْدِ بنِ عُمَيْرٍ، عن ابنِ أبِي عَمَّارٍ، قال: قُلْتُ لِجَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ: الضَّبُعُ أَصِيْدٌ هِيَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: قُلْتُ: آكُلُهَا؟ قالَ: نَعَمْ. قَالَ: قُلْتُ: أَقَالَهُ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم؟ قالَ: نَعَمْ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقالَ عليٌّ: قالَ يَحيىَ بنُ سَعِيْدٍ: رَوَى جَرِيْرُ بنُ حَازِمٍ هذا الحديثَ، فقالَ: عَنْ جَابِرٍ، عن عُمَرَ، وحديثُ ابنِ جُرَيْجٍ أَصَحُّ، وَهُوَ قَوْلُ أحمدَ وإسحاقَ. والعملُ على هذا الحديثِ عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ فِيْ المُحْرِمِ إِذَا أَصَابَ ضَبُعًا أَنَّ عليهِ الجَزَاءَ.

وضاحت: مذکورہ حدیث کی سند میں جریر بن حازم نے جابر بن عبداللہ کے بعد حضرت عمرؓ کا تذکرہ کیا ہے، مگر وہ صحیح نہیں، صحیح: ابن جریج کی حدیث ہے یعنی یہ حضرت جابر کی حدیث ہے، حضرت عمر کی حدیث نہیں اور وهو قولُ

أحمدَ وإسحاق بے موقعہ آیا ہے، معلوم نہیں کھانے کا مسئلہ مراد ہے یا جزاء کا؟ اور اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے جب محرم بجو کو قتل کرے تو اس پر جزاء واجب ہے۔

بابُ ماجاءَ في الِاغْتِسَالِ لِدُخُوْلِ مَكَّةَ

مکہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرنا مسنون ہے

آنحضور ﷺ کے زمانہ میں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ دس دن میں پہنچتے تھے، اور سارا علاقہ ریتیلا تھا، ہوائیں چلتی تھیں گرد وغبار اڑتا تھا اور آدمی کا برا حال ہوجاتا تھا، اس لئے سنت یہ ہے کہ جب مکہ قریب آئے تو نہائے دھوئے اور احرام کی صاف ستھری چادریں پہنے پھر مکہ میں داخل ہو اور طواف کرے، اس میں کعبہ شریف کی تعظیم ہے، لیکن اب صورت حال مختلف ہے، لوگ بسوں میں سفر کرتے ہیں اور بے بس ہوتے ہیں، اس لئے موقعہ ہو تو جدہ میں نہالے ورنہ مکہ پہنچ کر نہائے، وہاں نہانے کا معقول انتظام ہے۔

حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے فَخّ نامی جگہ میں غسل فرماتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث غیر محفوظ ہے، واقعہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ ابن عمرؓ جب حج یا عمرہ کے لئے مکہ تشریف لے جاتے تھے تو پہلے ذوطوی نامی جگہ میں ٹھہرتے تھے اور نماز فجر ادا کرکے غسل کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ نبی ﷺ بھی ایسا کرتے تھے (بخاری حدیث ۱۵۵۳) یعنی یہ حدیث موقوف ہے، ابن عمر کا عمل ہے کہ وہ مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرتے تھے، اس حدیث میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے گڑبڑ کی ہے اور وہی اس حدیث کو مرفوع کرتا ہے، اور یہ راوی ضعیف ہے، امام احمد اور ابن المدینی رحمہما اللہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔

[۲۹] باب ماجاء في الاغتسال لدخول مكة

[۸۴۳-] حدثنا يَحيىَ بنُ مُوسى، أَخْبَرَنِيْ هَارُوْنُ بنُ صَالِحٍ، نَا عبدُ الرحمنِ بنُ زَيْدِ بنِ أَسْلَمَ، عن أَبِيْهِ، عن ابنِ عُمَرَ، قالَ: اغْتَسَلَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم لِدُخُوْلِ مَكَّةَ بِفَخٍّ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غيرُ مَحْفُوْظٍ، والصَّحِيْحُ مَارَوَى نَافِعٌ عن ابنِ عُمَرَ أَنَّهُ كانَ يَغْتَسِلُ لِدُخُوْلِ مَكَّةَ. وبه يقولُ الشافعيُّ، يَسْتَحِبُ الاغْتِسَالُ لِدُخُوْلِ مَكَّةَ، وعبدُ الرحمنِ بنُ زَيْدِ بنِ أَسْلَم ضَعِيفٌ فِي الحديثِ، ضَعَّفَهُ أحمدُ بنُ حَنْبَلٍ وعليُّ بنُ المَدِيْنِيِّ وَغَيْرُهُمَا، وَلَا نَعْرِفُ هٰذَا مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ حَدِيْثِهِ.

بابُ ماجاء في دُخولِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ مِنْ أَعْلَاهَا وَخُرُوْجِهِ مِنْ أَسْفَلِهَا

نبی ﷺ مکہ کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے اور زیریں حصہ سے نکلے

مکہ معظمہ کی مشرقی اور مغربی جانبوں میں پہاڑی سلسلہ ہے جو بہت دور تک چلا گیا ہے اور ان کے بیچ میں وادی مکہ ہے، آنحضور ﷺ جب حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے مکہ سے قریب ذی طوی میں قیام فرمایا اور اگلے دن ۴ ذی الحجہ کی صبح میں غسل کیا، پھر مکہ شریف کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے، بیت اللہ سے منی کی جانب بالائی حصہ ہے اور مکہ کا مشہور قبرستان حَجون اسی طرف ہے۔ اور جب حج سے فارغ ہوئے اور مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی تو مکہ کے زیریں حصہ (مسفلہ) سے نکلے اور راستہ بدلنے کی وجہ یہ تھی کہ منی سے لوگ مکہ آرہے تھے، اگر آپ جس راستہ سے آئے تھے اسی راستہ سے مراجعت فرماتے تو منی سے آنے والوں کے ساتھ مزاحمت ہوتی، اور دوسری وجہ وہی ہے جو عیدین میں راستہ بدلنے کی ہے، یعنی دونوں ہی راستوں میں مسلمانوں کی شان وشوکت کا اظہار مقصود تھا، اور امراء کے لئے حفاظت کا سامان بھی کرنا تھا۔

حدیث: حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ مکہ آئے تو اس کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے، اور اس کے زیریں حصہ سے واپس لوٹے۔

[۳۰] باب ماجاء في دخول النبي صلى الله عليه وسلم مكة من أعلاها وخروجه من أسفلها

[۸۴۴-] حدثنا أبو موسى محمدُ بنُ المُثَنَّى، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عن أبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قالتْ: لَمَّا جَاءَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم إلى مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ أَعْلَاهَا، وَخَرَجَ مِنْ أَسْفَلِهَا.

وفي الباب: عن ابنِ عُمَرَ، قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ فِيْ دُخُوْلِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ نَهَاراً

نبی ﷺ مکہ میں دن میں داخل ہوئے ہیں

آنحضور ﷺ دن میں مکہ میں داخل ہوئے تھے اور اس کی متعدد وجوہ تھیں: (۱) آپ کے ساتھ ساٹھ ستر ہزار کا قافلہ تھا، اگر آپ رات میں مکہ شریف میں داخل ہوتے تو سارے مکہ کی نیند حرام ہوجاتی (۲) سکون قلبی سے مکہ شریف میں داخل ہونا پیش نظر تھا، ماندگی کی حالت میں داخل ہوتے تو اللہ کے جلال وعظمت کا خوب دھیان نہ کیا جاسکتا

(۳) آپؐ بیت اللہ کا پہلا طواف لوگوں کے روبرو کرنا چاہتے تھے تا کہ لوگ مناسک سیکھیں اس لئے آپؐ مکہ سے باہر رک گئے، تا کہ جو لوگ پیچھے ہیں وہ اکٹھا ہو جائیں اور وہاں سے اعمال حج کا ذہن بنا کر چلیں اور مکہ میں پہنچ کر آپؐ کے ساتھ طواف وغیرہ اعمال میں شریک ہوں تا کہ مناسک سیکھیں۔

[۳۱] باب ماجاء في دخول النبيِّ صلى الله عليه وسلم مكة نهاراً

[۸۴۵-] حدثنا يُوسُفُ بنُ عيسى، نَاوَكِيْعٌ، نا العُمَرِيُّ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ: أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ مَكَّةَ نَهَارًا.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ.

بابُ ماجاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ رَفْعِ اليَدَيْنِ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْبَيْتِ

بیت اللہ نظر پڑنے پر رفع یدین مکروہ ہے

جب مسجد حرام میں داخل ہو اور کعبہ شریف پر نظر پڑے تو تین مرتبہ اللہ اکبر اور تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کہے اور اس وقت رفع یدین کرے یا نہ کرے؟ رفع یدین کی دو شکلیں ہیں: ایک: جب کعبہ شریف پر نظر پڑے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا جس طرح تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھائے جاتے ہیں، دوسری: ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا، یہ بھی رفع یدین ہے۔ احناف کے نزدیک: نہ تکبیر تحریمہ میں رفع کی طرح ہاتھ اٹھائے، نہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، البتہ اس موقعہ پر بغیر ہاتھ اٹھائے دعا ضرور کرے وہ قبولیت دعا کا موقعہ ہے، یہی مذہب امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی چاہئے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا جب آدمی کی نظر (پہلی بار) بیت اللہ پر پڑے تو رفع یدین کرے؟ (یہ سوال رفع یدین کی دونوں صورتوں کو شامل ہے) انھوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا تو ہم نے اس کو کیا تھا یعنی ہم نے حج میں رفع یدین کیا تھا۔

[۳۲] باب ماجاء في كراهية رفع اليدين عند رؤية البيت

[۸۴۶-] حدثنا يُوسُفُ بنُ عيسى، نا وَكيعٌ، نا شُعْبَةُ، عن أبي قَزَعَةَ البَاهِلِيِّ، عن المُهَاجِرِ الْمَكِّيِّ، قال: سُئِلَ جَابِرُ بنُ عبدِ اللّهِ: أَيَرْفَعُ الرَّجُلُ يَدَيْهِ إِذَا رَأَى البَيْتَ؟ فقالَ: حَجَجْنَا مَعَ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم فَكُنَّا نَفْعَلُهُ.

قال أبو عيسى: رَفْعُ اليَدَيْنِ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْبَيْتِ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيْثِ شُعْبَةَ عن أبي قَزَعَةَ، واسْمُ أَبِي قَزَعَةَ سُوَيْدُ بنُ حُجْرٍ.

ترجمہ اور وضاحت: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: بیت اللہ پر نظر پڑنے کے وقت ہاتھوں کو اٹھانے کی روایت ہم صرف شعبہ کی سند سے جانتے ہیں جو ابوقزعة سے مروی ہے، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حدیث کی صحیح عبارت: فکنا نفعله ہے، مگر مصری نسخہ میں أفكنا نفعله؟ ہے اور ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی کیا پس ہم نے اس کو کیا تھا؟ یعنی اس موقعہ پر ہم نے رفع یدین نہیں کیا تھا۔ اور ابوداؤد (حدیث ۱۸۷۰) سے اس نسخہ کی تائید ہوتی ہے، ابوداؤد میں حدیث کے الفاظ ہیں: ما كُنتُ أُرى أحداً يفعلُ هذا إلا اليهودَ، وقَدْ حَجَجْنَا مع رسولِ الله صلى الله عليه وسلم فَلَمْ يَكُنْ يَفْعَلُهُ یعنی میرے خیال میں تو یہ کام یہودی کرتے ہیں، اور ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا، پس آپؐ نے اس کو نہیں کیا، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ترمذی کی عبارت میں تصحیف ہے کیونکہ باب رفع کی کراہیت کا باندھا ہے جو أَفَكُنَّا نَفعَلُهُ؟ ہی سے ثابت ہوسکتا ہے۔

بابُ ماجاءَ كَيْفَ الطَّوَافُ

طواف کا طریقہ

طواف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کعبہ شریف کے پاس پہنچ کر سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کرے یعنی اس کو چھوئے پھر دائیں جانب چلے اور سات چکر لگائے، یہ ایک طواف ہوا اور ہر چکر میں حجر اسود کا استلام کرے، اور اژدحام ہو تو حجر اسود کے مقابل کھڑا ہو کر ہاتھ سے یا لکڑی وغیرہ سے چھوئے اور اس کو چومے، اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف اشارہ کرے اور تکبیر کہے، اور شروع کے تین چکروں میں رَمَل کرے یعنی چھوٹے چھوٹے قدم رکھ کر کندھے ہلاتا ہوا ذرا تیز چلے جس طرح پہلوان اکھاڑے میں چلتا ہے اور رمل صرف اس طواف میں کرے جس کے بعد سعی کرنی ہے، پھر طواف کے بعد مقام ابراہیم پر آئے اور طواف کا دوگانہ پڑھے یہ دوگانہ واجب ہے۔ اور اس طرح کھڑا ہو کہ مقام ابراہیم اور کعبہ دونوں سامنے آجائیں مگر قبلہ کعبہ شریف ہے مقام ابراہیم قبلہ نہیں ہے۔ اور اژدحام کی صورت میں جہاں بھی آسانی ہو دوگانہ ادا کرے، طواف کے دوگانہ سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کا استلام کرے پھر صفا ومروہ کی سعی کے لئے نکلے اور سعی صفا سے شروع کرے، صفا سے مروہ تک ایک چکر ہوگا اور مروہ سے صفا تک دوسرا چکر ہوگا، اس طرح صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے، سعی صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے، اور سعی میں دوہرے نشانوں کے درمیان دوڑے، یہ سنت ہے۔

حدیث: نبی ﷺ جب مکہ پہنچے تو مسجد میں داخل ہوئے، پس حجر اسود کو ہاتھ لگایا اور اس کو چوما پھر دائیں جانب چلے اور تین چکروں میں رمل کیا، اور چار چکروں میں عادت کے مطابق چلے، پھر مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور آیت کریمہ: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ پڑھی یعنی تم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو۔ پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں درانحالیکہ مقام ابراہیم آپ کے اور کعبہ شریف کے درمیان تھا، پھر طواف کا دوگانہ ادا کر کے حجر اسود پر تشریف لائے اور اس کو ہاتھ لگایا اور چوما پھر صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے (حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میرا خیال ہے کہ آپ نے وہاں یہ آیت تلاوت کی: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾ یعنی صفا ومروہ اللہ کے دین کی امتیازی نشانیاں ہیں۔

تشریح:

۱- کعبہ شریف جس کا طواف کرتے ہیں درحقیقت مسجد ہے اور آیت کریمہ: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ میں مسجد حرام سے کعبہ شریف مراد ہے، اس کے اردگرد جو جگہ ہے وہ مطاف کہلاتی ہے، پہلے کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھی جاتی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کے دو دروازے بنائے تھے اور دونوں زمین سے لگے ہوئے تھے، بعد میں قریش نے اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے ایک دروازہ کردیا اور اس کو قد آدم اونچا کردیا تاکہ جسے چاہیں داخل ہونے دیں، پھر باہر نماز ہونے لگی، اور مطاف کو بلکہ اس کے بعد جو مسجد بنی ہے اس کو مسجد حرام کہنے لگے، ورنہ اصل مسجد کعبہ شریف ہے۔

۲- نبی ﷺ نے عمرۃ القضاء میں رمل اس لئے کیا تھا کہ مشرکین مرعوب ہوں ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے لاغر ونحیف کردیا ہے وہ ایک جگہ سے طواف کا منظر دیکھ رہے تھے۔ نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اکڑ کر چلیں، چنانچہ مشرکین طواف کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئے اور کہنے لگے: کون کہتا ہے کہ مسلمان کمزور ہوگئے ہیں، یہ تو ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھر رہے ہیں، اور کود کود کر طواف کر رہے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس وقت کعبہ کے صرف اس حصہ میں رمل کیا تھا جہاں سے طواف کا منظر مشرکین کو نظر آرہا تھا اور اوٹ میں آپ حسب معمول چلتے تھے، جب مشرکین ہٹ گئے تو باقی چکر حسب معمول چل کر پورے کئے، ان میں رمل نہیں کیا۔ مگر حجۃ الوداع میں آپ نے پورے تین چکروں میں رمل کیا تھا جبکہ وہاں کوئی مشرک نہیں تھا، پس شروع میں رمل کا مقصد چاہے کچھ رہا ہو مگر اب وہ مناسک میں داخل ہے، جیسے آپ نے جب سعی کی تھی تو صفا اور مروہ کے درمیان ایک مخصوص حصہ میں دوڑے تھے، اس کا مقصد بھی جلادت (قوت) کا مظاہرہ تھا، مگر جب آپ وہاں دوڑے تو وہ عمل مناسک میں شامل ہوگیا، اب اس مخصوص حصہ میں جس کی دوہرے نشانوں سے نشاندہی کردی گئی ہے دوڑنا سنت ہے (وہاں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا دوڑنا بھی ایک وجہ ہے)

۳- آپؐ نے مقام ابراہیم پر پہنچ کر آیت کریمہ: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ تلاوت کی تھی اور طواف کا دوگانہ ادا فرمایا تھا۔ یہاں آیت تلاوت کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ اس کی عملی تفسیر کرنا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مقام ابراہیم کو مصلّی (نماز پڑھنے کی جگہ) بنانے کا حکم دیا ہے وہ حکم سب نمازوں کے لئے نہیں ہے صرف طواف کا دوگانہ یہاں پڑھنے کا حکم ہے اور اپنی نماز میں مقام ابراہیم اور کعبہ شریف دونوں کو سامنے لے کر اشارہ کیا کہ قبلہ صرف کعبہ شریف ہے، مقام ابراہیم قبلہ نہیں ہے، اور مقام ابراہیم پر دوگانہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا، اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروں کے نشانات ہیں اور اسی پتھر پر کھڑے ہو کر آپؑ نے لوگوں کو حج کی دعوت دی تھی اور وہ پتھر جنت سے اتارا گیا تھا، جیسے حجر اسود جنت سے اتارا گیا ہے۔ اس لئے مقام ابراہیم مسجد حرام کی بزرگ ترین جگہ ہے اور اللہ کی قدرت کی وہ نشانی ہے جو حضرت خلیل اللہ پر ظاہر ہوئی ہے اور حج میں انہی امور کو یاد کرنا مقصود ہے، اس لئے کہ اس یادگار مقام پر دوگانہ طواف پڑھنا مستحب ہے۔

دوگانۂ طواف کی وجہ: ہر طواف کے بعد دو رکعتیں بیت اللہ کی تعظیم کی تکمیل کے لئے پڑھی جاتی ہیں، بیت اللہ کا طواف بھی اس کی تعظیم ہے، مگر کمال تعظیم یہ ہے کہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے، اور یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ کعبہ شریف معبود نہیں ہے، وہ صرف معظم و محترم جگہ ہے، اس لئے اس کا طواف کیا جاتا ہے اور نمازوں میں اس کی طرف رخ کیا جاتا ہے، جیسے مقام ابراہیم محترم پتھر ہے اس لئے اس کی طرف رخ کیا جاتا ہے وہ بھی معبود نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کعبہ کو بیت اللہ (اللہ کا گھر) کہتے ہیں، معلوم ہوا کہ وہ خود معبود نہیں ہے اور جب کوئی شخص کسی کے گھر کا ارادہ کرتا ہے تو مقصود صاحب مکان ہوتا ہے مگر انتساب کی وجہ سے مکان کو بھی عظمت کا ایک درجہ حاصل ہو جاتا ہے، اور چونکہ اللہ کی ذات غیر مرئی ہے اس لئے ملت کی شیرازہ بندی کے لئے نمازوں میں اس کے گھر کا رخ کیا جاتا ہے اور جذبۂ احترام و عقیدت کے اظہار کے لئے اس کے گھر کے چکر لگائے جاتے ہیں۔

۴- اس کے بعد آپؐ صفا پہاڑی کی طرف نکلے جب آپؐ اس کے بالکل قریب پہنچ گئے تو آیت کریمہ: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ﴾ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم صفا سے اس لئے سعی شروع کر رہے ہیں کہ اللہ پاک نے آیت میں صفا کا ذکر پہلے کیا ہے اور واو اگرچہ مطلق جمع کے لئے ہے اس میں تعقیب کا مفہوم نہیں ہوتا مگر یہاں آیت تلاوت فرما کر آپؐ نے اشارہ کیا کہ آیت میں صفا کی تقدیم محض اتفاقی نہیں ہے بلکہ مذکور کو مشروع کے ساتھ موافق کرنے کے لئے ہے یعنی اس پر عمل کرنے کے لئے ہے، چنانچہ چاروں ائمہ متفق ہیں کہ صفا سے سعی شروع کرنا واجب ہے، اگر کوئی مروہ سے سعی شروع کرے گا تو مروہ اور صفا کے درمیان کا ایک چکر بیکار جائے گا۔

[۳۳] باب ماجاء کیف الطواف؟

[۸۴۷-] حدثنا محمودُ بنُ غَیلانَ، نا یَحییَ بنُ آدمَ، نا سُفیانُ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ مُحَمَّدٍ، عن أبیہ، عَنْ جَابِرٍ، قالَ: لَمَّا قَدِمَ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَکَّۃَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَاسْتَلَمَ الحَجَرَ، ثُمَّ مَضٰی عَلٰی یَمِیْنِہٖ، فَرَمَلَ ثَلاَثًا وَمَشٰی أَرْبَعًا ثُمَّ أَتَی الْمَقَامَ فَقَالَ: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِیْمَ مُصَلّٰی﴾ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ، وَالْمَقَامُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْبَیْتِ، ثُمَّ أَتَی الْحَجَرَ بَعْدَ الرَّکْعَتَیْنِ فَاسْتَلَمَہٗ ثُمَّ خَرَجَ إِلَی الصَّفَا، أَظُنُّہٗ قَالَ: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ﴾.

وفی الباب: عن ابنِ عُمَرَ، قالَ أبو عیسی: حدیثُ جابرٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، والعملُ علی هذا عندَ أهلِ العلمِ.

بابُ ماجاءَ فِی الرَّمَلِ مِنَ الْحَجَرِ إِلَی الْحَجَرِ

طواف کے پورے چکر میں رمل کرنا مسنون ہے

گذشتہ باب میں یہ بتایا ہے کہ آنحضور ﷺ نے عمرۃ القضا میں طواف کے ابتدائی تین چکروں میں رمل کیا تھا، مگر پورے چکر میں رمل نہیں کیا تھا بلکہ جہاں سے مشرکین کو طواف نظر آرہا تھا صرف اسی حصہ میں رمل کیا تھا لیکن حجۃ الوداع میں آپؐ نے ابتدائی تین چکروں میں پورے چکروں میں رمل کیا تھا، اس لئے اب پورے چکر میں رمل کرنا مسنون ہے، اور رمل یہ ہے کہ سینہ تان کر کندھے ہلاتے ہوئے ذرا تیز قدموں سے چلے جیسے پہلوان جب وہ اکھاڑے میں اترتا ہے تو چلتا ہے، اور رمل صرف مرد کریں گے عورتیں رمل نہیں کریں گی، اور اگر کوئی شخص بالقصد رمل نہ کرے یا بھیڑ کی وجہ سے رمل نہ کرے تو اس پر کچھ واجب نہیں، اس لئے کہ رمل سنت ہے، اور بعض علماء کے نزدیک مکی پر رمل نہیں، خواہ وہ مکہ کے اصل باشندے ہوں یا تمتع کی نیت سے باہر سے آئے ہوں اور عمرہ کا احرام کھول کر مکہ میں مقیم ہوگئے ہوں۔ پھر مکہ سے حج کا احرام باندھا ہو تو وہ رمل نہیں کرے گا، مگر احناف کے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ جس طواف کے بعد سعی ہے اس میں رمل ہے اور جس طواف کے بعد سعی نہیں اس میں رمل نہیں، عمرہ کے طواف کے بعد چونکہ سعی ہے اس لئے عمرہ کے طواف میں رمل کریں گے، اور حج میں اگر طواف قدوم کے بعد سعی کرنے کا ارادہ ہے تو رمل کریں گے، پھر طواف زیارت میں رمل نہیں کریں گے، کیونکہ حج کی سعی طواف قدوم کے بعد کی جاچکی ہے پس طواف زیارت کے بعد سعی نہیں کرے گا اس لئے رمل بھی نہیں کرے گا۔ اور اگر طواف قدوم کے بعد سعی کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو اس طواف میں رمل نہیں کرے گا، بلکہ طواف زیارت میں رمل کرے گا، اور یہ قاعدہ کلیہ مکی اور آفاقی سب کے لئے ہے۔

[٣٤] باب ماجاء في الرمل من الحجر إلى الحجر

[٨٤٨--] حدثنا عليُّ بنُ خَشْرَمٍ، نا عبدُ اللهِ بنُ وَهْبٍ، عن مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ محمدٍ، عن أَبِيْهِ، عن جَابِرٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم رَمَلَ مِنَ الْحَجْرِ إِلَى الْحَجْرِ ثَلاَثًا، ومَشٰى أَرْبَعًا.

وفي الباب: عن ابنِ عُمَرَ، قال أبو عيسى: حديثُ جابرٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ على هذا عِنْدَ أهلِ العلمِ.

قال الشافِعِيُّ: إِذَا تَرَكَ الرَّمَلَ عَمْدًا فَقَدْ أَسَاءَ وَلاَ شَيْئَ عَلَيْهِ، وإِذَا لَمْ يَرْمُلْ فِي الْأَشْوَاطِ الثَّلاَثَةِ لَمْ يَرْمُلْ فِيْمَا بَقِيَ، وقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: لَيْسَ على أَهْلِ مَكَّةَ رَمَلٌ وَلاَ عَلٰى مَنْ أَحْرَمَ مِنْهَا.

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص بالقصد رمل ترک کردے تو اس نے برا کیا اور اس پر کچھ واجب نہیں، اور جب اس نے ابتدائی تین چکروں میں رمل نہ کیا تو باقی چکروں میں رمل نہیں ہے یعنی بعد کے چکروں میں تلافی مافات نہیں ہوسکتی۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: اہل مکہ پر رمل نہیں اور نہ اس شخص پر رمل ہے جس نے مکہ سے احرام باندھا ہے (ائمہ اربعہ کا یہ مذہب نہیں)

بابُ ماجاءَ فِيْ اسْتِلاَمِ الْحَجَرِ وَالرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ دُوْنَ مَاسِوَاهُمَا

صرف حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام مسنون ہے کعبہ کے دوسرے کونوں کا استلام مسنون نہیں

کعبہ شریف کے چار کونے ہیں، ایک کونے میں حجر اسود لگا ہوا ہے اس کا استلام بھی ہے اور تقبیل بھی، یعنی اس کو چھونا بھی ہے اور چومنا بھی، اور کعبہ شریف کے جو دو کونے حطیم کی طرف ہیں جو رکن شامی کہلاتے ہیں ان کو نہ چھونا ہے نہ چومنا ہے اور رکن یمانی کا صرف استلام ہے اس کو چومنا نہیں ہے، اور شامی کونوں کا استلام اس لئے نہیں ہے کہ وہاں سے مڑنا نہیں ہوتا بلکہ آگے حطیم سے گزر کر مڑنا ہوتا ہے کیونکہ حطیم کعبہ کا حصہ ہے، پس اگر ہر شخص وہاں استلام کرنے کے لئے رکے گا تو طواف رک جائے گا۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ یہ دونوں کونے اپنی اصلی جگہ پر نہیں ہیں، جب نبی ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ برس کی تھی، اس وقت قریش نے کعبہ شریف تعمیر کیا تھا، کعبہ شریف بوسیدہ ہوگیا تھا۔ آپؐ خود بنائے کعبہ میں شریک تھے اس وقت تعمیر کعبہ کے لئے چندہ کیا گیا تھا اور شرط یہ رکھی گئی تھی کہ صرف حلال وطیب مال ہی چندہ میں دیا جائے، چنانچہ چندہ تھوڑا ہوا اس لئے قریش نے کعبہ چھوٹا بنایا اور حطیم کی طرف کا حصہ کعبہ سے باہر نکال دیا۔ غرض حطیم کعبہ کا جزء ہے اور شامی کنارے اپنی اصلی جگہ پر نہیں ہیں اس لئے ان کا استلام نہیں کیا جاتا۔

حدیث: ابوالطفیل کہتے ہیں: ہم ابن عباسؓ کے ساتھ تھے (یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا واقعہ

ہے) اور حضرت معاویہؓ کعبہ کے ہر کونے کا استلام کرتے تھے ان سے ابن عباسؓ نے کہا: نبی ﷺ نے صرف حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: بیت اللہ کا کوئی حصہ متروک نہیں، یعنی کعبہ کا ہر جز برکت والا ہے، پس چاروں کونوں کا استلام کرنا چاہئے۔

تشریح: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو بات کہی ہے وہ نص کے خلاف ہے، اور نص کے خلاف صحابہ کا قول وفعل حجت نہیں، چہ جائے کہ ائمہ مجتہدین کا، اور دلیل عقلی یہ ہے کہ بیشک کعبہ کا ہر جز بابرکت ہے مگر استلام اسی جزء کا کیا جائے گا جس کا استلام ثابت ہے، ورنہ تو کعبہ کی دیوار پر ہاتھ گھسیٹتے ہوئے طواف کرنا چاہئے، کونوں ہی کی کیا تخصیص ہے؟

[۳۵] باب ماجاء فی استلام الحجر والرکن الیمانی، دون ماسواھما

[-۸۴۹] حدثنا محمودُ بنُ غَیلانَ، نا عبدُ الرَّزّاقِ، نا سُفیانُ، ومَعْمَرٌ، عن ابنِ خُثَیمٍ، عن أبی الطُّفَیْلِ، قال: کُنَّا مَعَ ابنِ عبَّاسٍ، ومُعَاوِیَةُ لایَمُرُّ بِرُکْنٍ إِلاَّ اسْتَلَمَهُ، فَقَالَ لَهُ ابنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ یَکُنْ یَسْتَلِمُ إِلاَّ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ وَالرُّکْنَ الْیَمَانِیَّ، فقالَ مُعَاوِیَةُ: لَیْسَ شَیْءٌ مِنَ الْبَیْتِ مَهْجُوْرًا.

وفی الباب: عن عُمَرَ، قال أبو عیسی: حدیثُ ابنِ عبَّاسٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، والعملُ علی هٰذَا عِنْدَ أَکْثَرِ أهلِ العلمِ أَنْ لاَ یُسْتَلَمَ إِلاَّ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ وَالرُّکْنُ الْیَمَانِیُّ.

بابُ ماجاءَ أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم طَافَ مُضْطَبِعًا

نبی ﷺ نے طواف میں اضطباع کیا تھا

جب آنحضور ﷺ نے طواف کیا تو اضطباع بھی کیا اور اضطباع کے معنی ہیں: دائیں بغل کے نیچے سے چادر نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔ یہ حالت رمل میں سہولت کے لئے ہے، اور رمل آپؐ نے طواف کے شروع کے تین چکروں میں کیا تھا مگر اضطباع آخر تک باقی رکھا تھا اور اضطباع اس طواف میں مسنون ہے جس میں رمل ہے اور رمل اس طواف میں ہے جس کے بعد سعی ہے۔

[۳۶] باب ماجاء أن النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم طَافَ مُضْطَبِعًا

[-۸۵۰] حدثنا محمودُ بنُ غَیلانَ، نا قَبِیصَةُ، عن سُفیانَ، عن ابنِ جُرَیْجٍ، عن عبدِ الحَمِیدِ، عن ابنِ یَعْلَی، عن أَبِیهِ، عن النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: طَافَ بِالْبَیْتِ مُضْطَبِعًا وَعَلَیْهِ بُرْدٌ.

قال أبو عيسى: هذا حديثُ الثوريِّ عن ابنِ جُرَيْجٍ، لانعرفُهُ إلا مِنْ حديثِهِ، وَهُوَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وعبدُ الحَميدِ: هُوَ ابنُ جُبَيْرِ بنِ شَيْبَةَ، عن ابنِ يَعْلَى، عن أبيهِ: وَهُوَ يَعْلَى بنُ أُمَيَّةَ.

بابُ ماجاءَ في تَقْبِيْلِ الْحَجَرِ

حجر اسود کو چومنے کا بیان

مسئلہ یہ ہے کہ جب بھی طواف کرنے والا حجر اسود کے پاس سے گذرے اس کو چھوئے اور چومے اور اژدحام ہو اور چومنا مشکل ہو تو اسے ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چومے اور یہ بھی دشوار ہو تو اس کی طرف ہاتھ سے یا کسی چیز سے اشارہ کرے اور تکبیر کہے۔ نبی ﷺ نے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کیا تھا، پس جب آپ حجر اسود کے سامنے سے گزرتے تو چھڑی سے اشارہ کرتے اور تکبیر کہتے تھے، خیال رہے کہ ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کرنے کی صورت میں ہاتھ کو نہیں چومے گا، اسی طرح حجر اسود کی طرف گھومنا بھی ضروری نہیں، صرف استقبال (منہ کرنا) کافی ہے۔

حدیث: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنی خلافت کے زمانہ میں حج یا عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، بڑا مجمع آپ کے ساتھ تھا، جب طواف کے لئے کعبہ کے پاس پہنچے تو حجر اسود کو چوما اور (لوگوں کے سامنے حجر اسود سے) فرمایا: میں تجھے چوم رہا ہوں مگر میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے یعنی تو معبود نہیں ہے اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا۔

تشریح:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح یہ کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے تقبیل حجر سے لوگوں کو روکنے کا ارادہ فرمایا، پھر ان پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ جب نبی ﷺ نے حجر اسود کو چوما ہے تو ضرور اس کی کوئی وجہ ہوگی اس لئے آپ نے ارادہ بدل دیا۔ لوگوں کو منع نہیں کیا بلکہ خود بھی بوسہ دیا۔ مگر اس سے اچھی تشریح وہ ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس ارشاد اور عمل سے یہ بات واضح ہوئی کہ جو حکم قرآن وحدیث سے ثابت ہو اس کو چون چرا کے بغیر مان لینا چاہئے، خواہ اس کی مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، حجر اسود بالیقین ایک پتھر ہے اس میں معبودیت کی شان نہیں ہے مگر جب نبی ﷺ نے اس کو چوما ہے تو ہم بھی چومیں گے اگرچہ اس کی وجہ ہماری سمجھ میں نہ آئے۔

دین کا مدار ثبوت پر ہے حکم شرعی عقل کی سمائی میں آئے یا نہ آئے، اس پر دین کا مدار نہیں۔ ابوداؤد میں روایت ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اگر دین میں رائے کا دخل ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح اوپر کی بہ نسبت اولیٰ تھا“

کیونکہ گردوغبار نیچے لگتا ہے مگر چونکہ اوپر مسح منصوص ہے اس لئے عقل کو بالائے طاق رکھ دیا جائے گا اور موزوں کے اوپر مسح کیا جائے گا۔ اس سے بھی یہ اصل ثابت ہوئی کہ احکام شرع پر عمل کرنا حکمت (وجہ) جاننے پر موقوف نہیں، احکام شرعیہ کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ وہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔ اس سے بڑی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی، دیگر تمام وجوہ ثانوی درجہ کی چیزیں ہیں مثلاً یہ وجہ کہ حجر اسود ایک متبرک پتھر ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے اتارا گیا ہے، پس وہ پروردگار سے قریب العہد یعنی نیا آیا ہوا ہے اس لئے اس کو تبرکاً چوما جاتا ہے تعظیم وعبادت کے طور پر نہیں چوما جاتا وغیرہ حکمتیں ہیں، اور علت معلوم نہیں۔

فائدہ: محبت اور تبرک کے طور پر کسی چیز کو چومنے میں کوئی حرج نہیں، جیسے قرآن کریم کو چومنا حتی کہ دو روایتوں میں دست بوسی اور قدم بوسی کا بھی تذکرہ آیا ہے، دو واقعات میں نومسلم حضرات خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تھے اور انھوں نے دست بوسی اور قدم بوسی کی تھی۔ ان میں سے ایک روایت ابوداؤد میں ہے جو مشکوۃ میں بھی آئی ہے، یہ دونوں روایتیں اعلی درجہ کی صحیح نہیں مگر وہ چومنا چونکہ تبرک کے طور پر تھا اس لئے گنجائش تھی، پھر جب بات آگے بڑھی اور لوگ بڑوں کو تعظیم کے طور پر چومنے لگے تو علماء نے دست بوسی کو تو ناپسند کیا اور قدم بوسی کو ناجائز قرار دیا، کیونکہ وہ زمین بوسی کے مشابہ تھی اور زمین بوسی سجدہ کے مشابہ ہے، اور علماء نے یہ بات قیام تعظیمی کی جو ممانعت آئی ہے کہ تم اپنے بڑوں کے لئے ایسا قیام نہ کرو جیسا عجمی اپنے بڑوں کے لئے کرتے ہیں اس سے مطلقاً وتعظیماً دست بوسی اور قدم بوسی کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، کیونکہ تعظیم جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو وہ عبادت اور پوجا تک پہنچ جاتی ہے اس لئے سد باب کے طور پر قدم بوسی کو تو مطلقاً ناجائز کہا اور دست بوسی کو نامناسب قرار دیا، اگر محبت میں چومنا ہے تو پیشانی چومے، یہی سنت ہے۔ اور تجربات سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ غلو محترم شخصیات میں پیدا ہوتا ہے دیگر چیزوں میں لوگ غلو نہیں کرتے جیسے قرآن کو جب بھی کوئی چومتا ہے تو برکت ہی کے لئے چومتا ہے یہی حال حجر اسود کا ہے اس لئے اس کا چومنا مشروع ہوا۔ یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب ہے کہ میں سنت کی پیروی میں تجھے چوم رہا ہوں۔

[۳۷] باب ماجاء فی تقبیل الحجر

[۸۵۱-] حدثنا هَنَّادٌ، حدثنا أبو مُعَاوِيَةَ، عن الأَعْمَشِ، عن إبراهيمَ، عن عَابِسِ بنِ رَبِيعَةَ، قال: رَأَيْتُ عُمَرَ بنَ الخطَّابِ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ ويقُوْلُ: إِنِّى أُقَبِّلُكَ وَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، وَلَوْلاَ أَنِّى رَأَيْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يُقَبِّلُكَ لَمْ أُقَبِّلْكَ.

وفى الباب: عن أَبِى بَكْرٍ، وابنِ عُمَرَ، قالَ أبو عيسى: حديثُ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعملُ على هذا عندَ أهلِ العلمِ يَسْتَحِبُّوْنَ تَقْبِيْلَ الْحَجَرِ، فَإِنْ لَمْ يُمْكِنْهُ أَنْ يَصِلَ إِلَيْهِ اسْتَلَمَهُ بِيَدِهِ وَقَبَّلَ يَدَهُ، وإِنْ لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِ اسْتَقْبَلَهُ إِذَا حَاذَى بِهِ، وَكَبَّرَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے وہ حجر اسود کے چومنے کو پسند کرتے ہیں، پس اگر اس تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو اس کو اپنے ہاتھ سے چھوئے اور اپنے ہاتھ کو چومے، اور اگر اس تک نہ پہنچ سکے (یعنی ہاتھ نہ لگا سکے) تو اس کی طرف منہ کرے جب اس کے مقابل ہو اور تکبیر کہے، اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

بَابُ ماجاءَ أنَّهُ يَبْدَأُ بِالصَّفَا قَبْلَ الْمَرْوَةِ

سعی صفا سے شروع کرنی چاہئے

حدیث: نبی ﷺ جب مکہ آئے تو آپؐ نے بیت اللہ کے سات چکر لگائے، پھر مقام ابراہیم پر آئے اور آیت کریمہ: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ پڑھی پھر مقام ابراہیم کے پیچھے طواف کا دوگانہ ادا فرمایا، پھر حجر اسود پر آئے اور اس کا استلام کیا، پھر فرمایا: ہم سعی وہاں سے شروع کریں گے جہاں سے اللہ نے شروع کیا ہے، پس آپؐ نے سعی صفا سے شروع کی اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾

تشریح: یہ حدیث باب ۳۳ میں گذر چکی ہے تفصیل وہاں بیان کی گئی ہے، یہاں دو باتیں جان لینی چاہئیں:

پہلی بات: زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ پر اساف اور نائلہ نامی دو بت رکھے ہوئے تھے، لوگ جب سعی کرتے تھے تو ان بتوں کو ہاتھ لگاتے تھے اور ان سے تبرک حاصل کرتے تھے، جب اسلام آیا تو وہاں سے وہ بت ہٹا دیئے گئے اور آپؐ نے آیت تلاوت کر کے اشارہ کیا کہ سعی ان بتوں کی وجہ سے نہیں کی جاتی بلکہ صفا و مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں، یعنی سعی اس انعام کی یادگار کے طور پر مناسک میں شامل کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پر کیا تھا، مگر یہ عمل بھی درحقیقت اللہ ہی کو یاد کرنے کے لئے ہے۔ حدیث میں ہے کہ جمرات کی رمی اور صفا و مروہ کی سعی اللہ کے ذکر کو برپا کرنے کے لئے ہے اور یہ چیز دیدنی ہے شنیدنی نہیں، صفا و مروہ کے درمیان رات دن ذکر کا وہ زمزمہ بلند ہوتا ہے اور وہ انوار نازل ہوتے ہیں جو بس چشم بصیرت سے دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ الفاظ ان کا نقشہ نہیں کھینچ سکتے!

دوسری بات: شَعَائِرُ: شَعِيْرَةٌ کی جمع ہے اس کے لغوی معنی ہیں: علامت، خاص نشانی، اور قرآن و حدیث کی اصطلاح میں شعائر وہ چیزیں ہیں جو کسی مذہب کی مخصوص علامت ہوتی ہیں، جن کو دیکھتے ہی سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس کا تعلق فلاں مذہب سے ہے، مثلاً جہاں بھی مندر نظر پڑتا ہے تو لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ ہنود کی عبادت گاہ ہے اور صلیب عیسائیوں کا شعار ہے، جب کسی کے گلے میں صلیب پڑی ہوئی دیکھتے ہیں تو ہر شخص سمجھ جاتا ہے کہ یہ عیسائی ہے اور ٹائی صلیب کی نقل ہے، مہذب عیسائی گلے میں صلیب لٹکانا پسند نہیں کرتے اور ان کے مذہب میں صلیب پہننا ضروری ہے، اس لئے انھوں نے صلیب کی جگہ ٹائی باندھنی شروع کی، اور ناواقف مسلمانوں نے اس کو فیشن کے طور پر باندھنا شروع کیا، حالانکہ وہ صلیب کی نقل ہے اس لئے ٹائی باندھنا ٹھیک نہیں، وہ عیسائیوں کا شعار ہے، جیسے مسجد،

مسجد کے منارے، اذان اور قرآن اسلام کے شعائر ہیں، اسلام کے بڑے شعائر چار ہیں: قرآن، نبی، کعبہ اور نماز۔ ان کے علاوہ بھی اسلام کے بہت سے شعائر ہیں ان میں سے صفا و مروہ ہیں۔ کیونکہ یہاں خاص مناسک ادا کئے جاتے ہیں، اور حج اسلام کا شعار ہے پس حج کے ارکان کی ادائیگی کی جگہیں بھی شعائر ہیں۔

فائدہ: احناف کے نزدیک حج میں سعی واجب ہے، پس اگر کوئی شخص سعی کئے بغیر وطن لوٹ جائے تو جب تک مکہ قریب ہے اس پر مکہ واپس لوٹنا اور سعی کرنا ضروری ہے، اور اگر دور آ گیا تو دم واجب ہے، دم دینے سے سعی کی تلافی ہو جائے گی۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سعی فرض ہے، پس جس کی سعی رہ گئی اس کو بہر حال مکہ واپس لوٹنا اور سعی کرنا ضروری ہے، دم سے کام نہیں چلے گا۔

[۳۸] باب ماجاء أنه يَبْدَأُ بالصفا قبل المروة

[۸۵۲-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، نا سفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ محمدٍ، عن أبيه، عن جابرٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم حِينَ قَدِمَ مَكَّةَ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا، وَأَتَى الْمَقَامَ فَقَرَأَ ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ فَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ، ثُمَّ أَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ، ثُمَّ قَالَ: "نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللهُ بِهِ" فَبَدَأَ بِالصَّفَا وَقَرَأَ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ﴾.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. والعملُ على هذا عندَ أهلِ العلمِ أَنَّهُ يَبْدَأُ بِالصَّفَا قَبْلَ الْمَرْوَةِ، فَإِنْ بَدَأَ بِالْمَرْوَةِ قَبْلَ الصَّفَا لَمْ يُجْزِهِ، وَيَبْدَأُ بِالصَّفَا.

واختلَفَ أهلُ العلمِ فِي مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ، وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ حَتَّى رَجَعَ، فقالَ بعضُ أهلِ العلمِ: إِنْ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ حَتَّى خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ، فَإِنْ ذَكَرَ وَهُوَ قَرِيْبٌ مِنْهَا رَجَعَ، فَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَإِنْ لَمْ يَذْكُرْ حَتَّى أَتَى بِلَادَهُ أَجْزَأَهُ، وعليهِ دَمٌ، وَهُوَ قَوْلُ سُفيانَ الثَّوْرِيِّ.

وقالَ بَعْضُهُمْ: إِنْ تَرَكَ الطَّوَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ حَتَّى رَجَعَ إِلَى بِلَادِهِ فَإِنَّهُ لَايُجْزِئُهُ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، قال: الطَّوَافُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاجِبٌ لَايَجُوْزُ الْحَجُّ إِلَّا بِهِ.

ترجمہ: اس پر علماء کا عمل ہے کہ آدمی سعی کو صفا سے شروع کرے، مروہ سے پہلے، پس اگر اس نے مروہ سے سعی شروع کی صفا سے پہلے تو یہ درست نہیں (مروہ سے صفا تک کا ایک چکر محسوب نہ ہوگا) اور شروع کرے وہ صفا سے۔

اور علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس نے بیت اللہ کا طواف کیا مگر صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کی اور لوٹ گیا، پس بعض علماء کہتے ہیں: اگر اس نے صفا و مروہ کی سعی نہیں کی یہاں تک کہ مکہ سے نکل گیا پھر اگر اسے سعی نہ کرنا یاد آیا درانحالیکہ وہ مکہ کے قریب ہے تو واپس آئے اور صفا و مروہ کی سعی کرے، اور اگر یاد نہ آیا یہاں تک کہ

وہ اپنے گھر آ گیا تو اس کا حج درست ہو گیا اور اس پر دم واجب ہے۔ اور یہ سفیان ثوری کا قول ہے —— اور بعض علماء کہتے ہیں: اگر صفا و مروہ کی سعی کو چھوڑ دیا، یہاں تک کہ اپنے وطن لوٹ آیا تو اس کا حج درست نہیں ہوا (اسے واپس لوٹ کر سعی کرنی ہوگی) اور یہ شافعیؒ کا قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صفا و مروہ کی سعی واجب ہے یعنی فرض ہے اس کے بغیر حج درست نہیں ہوگا۔

بابُ ماجاءَ فِي السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

دو ہرے نشانوں کے درمیان دوڑنے کا بیان

صفا و مروہ کے درمیان دو ہرے نشان ہیں ان کے درمیان دوڑنا سنت ہے اور عورتوں، بوڑھوں اور بیماروں کے لئے دوڑنا نہیں ہے اور یہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہ کی ایک یادگار ہے جسے مناسک میں شامل کیا گیا ہے، وہ جگہ جو دو ہرے نشانوں کے درمیان ہے پہلے وہاں نالہ تھا یہ کعبہ شریف تعمیر ہونے سے پہلے کی بات ہے اور مکہ کی ایک جانب اونچی ہے، جب بارش ہوتی ہے تو بالائی حصہ کا پانی اسی نالے سے زیریں حصہ میں آتا ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے جب پانی کی تلاش میں صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کے چکر لگائے تھے تو وہ اس ڈھلان میں دوڑ کر اترتی تھیں اور دوڑ کر سامنے چڑھ جاتی تھیں، ان کا یہ دوڑنا اللہ تعالیٰ کو پسند آیا، چنانچہ اس کو مناسک میں لے لیا گیا، اس کے علاوہ وہاں دوڑنے کی ایک وجہ اور بھی ہے جو درج ذیل حدیث میں ہے:

حدیث (۱): ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف کرتے وقت اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے کے وقت اس لئے دوڑے تھے کہ مشرکین کو اپنی قوت دکھلائیں۔

تشریح: جب نبی ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لائے تو مشرکین مسلمانوں کا طواف اور سعی دیکھنے کے لئے جبل قیقعان پر جمع ہو گئے تھے کیونکہ ان کو خبر پہنچی تھی کہ مدینہ کے بخار نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؐ نے صحابہ کو طواف میں رمل کرنے کا حکم دیا۔ جب مشرکین نے مسلمانوں کو اکڑ کر طواف کرتے دیکھا تو وہ دنگ رہ گئے اور یہ کہہ کر وہاں سے ہٹ گئے کہ کون کہتا ہے: مسلمان کمزور ہو گئے ہیں؟! پھر جب آپؐ سعی کے لئے صفا پر تشریف لے گئے تو کچھ اور مشرکین جنھوں نے طواف کا منظر نہیں دیکھا تھا اس پہاڑ پر آ بیٹھے، وہاں سے دو ہرے نشانوں کے درمیان کا حصہ نظر آتا تھا، چنانچہ آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ اس حصہ میں دوڑیں، جب کفار نے مسلمانوں کو اس حصہ میں دوڑتے دیکھا تو وہ یہ سمجھے کہ مسلمان صفا و مروہ کے درمیان پورا چکر دوڑتے ہوئے سعی کرتے ہیں پس وہ حیران رہ گئے، کیونکہ صفا و مروہ کے درمیان کا فاصلہ کچھ کم نہیں ہے، یہ تھی دو ہرے نشانوں کے درمیان دوڑنے کی وجہ۔ پھر جب آنحضور ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لائے تو آپؐ نے طواف میں رمل بھی کیا

اور آپ دو ہرے نشانوں کے درمیان دوڑے بھی، جبکہ مکہ میں کوئی مشرک نہیں تھا، پس معلوم ہوا کہ میلین اخضرین کے درمیان جو دوڑا جاتا ہے وہ اب مناسک کا حصہ ہے۔ اور ایک چیز کی ''علت'' تو ایک ہوتی ہے مگر ''حکمتیں'' متعدد ہو سکتی ہیں، میلین اخضرین کے درمیان دوڑنے کی یہ دوسری حکمت ہے، پہلی حکمت: حضرت ہاجرہؓ کی یادگار تھی۔

حدیث (۲): کثیر بن جُمہان کہتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مَسعی (دو ہرے نشانوں کے درمیان) میں چلتے ہوئے دیکھا تو میں نے عرض کیا: آپ صفا و مروہ کے درمیان مَسعی میں چل رہے ہیں؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: اگر میں دوڑوں تو (دوڑنا بھی جائز ہے کیونکہ) میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسعی میں دوڑتے ہوئے دیکھا ہے اور اگر میں چلوں تو (یہ بھی جائز ہے کیونکہ) میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسعی میں چلتے ہوئے دیکھا ہے، اس جملہ کا مطلب واضح نہیں، اس لئے کہ آنحضور ﷺ سے دو ہرے نشانوں کے درمیان چلنا ثابت نہیں، اس لئے شاید یہ مطلب ہو کہ جب نبی ﷺ ہرے نشانوں کی دونوں جانب میں چلے ہیں تو ان کے درمیان چلنا بھی جائز ہے، پس یہ ابن عمرؓ کا قیاس (اجتہاد) ہے ـــــ (اس کے بعد ابن عمرؓ نے اپنا عذر بیان کیا) اور میں بوڑھا ہوں (دوڑنا میرے بس کی بات نہیں، اس لئے چل رہا ہوں، معلوم ہوا کہ بوڑھے، مریض اور عورت کے لئے ہرے نشانوں کے درمیان چلنے کا حکم ہے)

فائدہ: حضرت ابن عمرؓ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، بدن موٹا ہو گیا تھا اور گھٹنوں میں تکلیف ہو گئی تھی اس لئے قعدہ میں بھی چارزانو بیٹھتے تھے، بڑھاپے کے اسی عذر کی وجہ سے آپ مسعیٰ میں چلے ہیں۔

[۳۹] باب ماجاء فی السعی بین الصفا والمروۃ

[۸۵۳-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا ابنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عن طَاوُسٍ، عن ابنِ عباسٍ، قال: إِنَّمَا سَعَى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم بِالْبَيْتِ وبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِيُرِىَ الْمُشْرِكِيْنَ قُوَّتَهُ.

قال: وفي الباب: عن عائشةَ، وابنِ عُمَرَ، وجَابِرٍ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وَهُوَ الَّذِىْ يَسْتَحِبُّهُ أهلُ العِلْمِ أَنْ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَإِنْ لَمْ يَسْعَ وَمَشٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ رَأَوْهُ جَائِزًا.

[۸۵۴-] حدثنا يُوسُفُ بنُ عيسىٰ، نا ابنُ فُضَيْلٍ، عن عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، عَنْ كَثِيْرِ بنِ جُمْهَانَ، قال: رَأَيْتُ ابنَ عُمَرَ يَمْشِىْ فِى الْمَسْعٰى، فَقُلْتُ لَهُ: أَتَمْشِىْ فِى الْمَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ؟ فقالَ: لَئِنْ سَعَيْتُ فَقَدْ رَأَيْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يَسْعٰى، ولَئِنْ مَشَيْتُ فَقَدْ رَأَيْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يَمْشِىْ، وأَنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وقَدْ رَوٰى سَعيدُ بنُ جُبَيْرٍ، عَن ابنِ عُمَرَ نَحْوَ هٰذَا.

ترجمہ: اور علماء اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی صفا و مروہ کے درمیان دوڑے (مراد دو ہرے نشانوں کے درمیان دوڑنا ہے) پس اگر نہ دوڑے اور وہ صفا و مروہ کے درمیان چلے تو وہ اس کو جائز سمجھتے ہیں (مَسعیٰ میں دوڑنا سنت ہے واجب نہیں)

بابُ ماجاءَ فی الطَّوَافِ رَاکِبًا

سوار ہو کر طواف کرنے کا بیان

مذاہبِ فقہاء: امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک طواف زیارت پیدل کرنا ضروری ہے، اگر عذر کے بغیر سوار ہو کر طواف زیارت کرے گا تو دم واجب ہوگا، اور سوار ہو کر طواف کرنے کی آج کل تین شکلیں ہیں: اول: حرم شریف کے باہر کچھ لوگ رہتے ہیں جو چارپائی پر بٹھا کر طواف کراتے ہیں اور وہ اجرت پر یہ کام کرتے ہیں۔ دوم: ویل چیر پر طواف کرنا۔ سوم: کوئی چڈی کرے یعنی پیٹھ پر لاد کر طواف کرائے۔ یہ تینوں صورتیں سوار ہو کر طواف کرنے کی ہیں، اور بلا عذر ایسا کرنے سے بڑے دو اماموں کے نزدیک دم واجب ہوتا ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک پیدل طواف زیارت کرنا سنت ہے، پس اگر کوئی عذر کے بغیر بھی سوار ہو کر طواف کرے تو جائز ہے۔

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا، جب آپ حجر اسود کے قریب آتے تو اس کی طرف (چھڑی سے) اشارہ کرتے تھے۔

تشریح: چھوٹے دو امام کہتے ہیں: آنحضور ﷺ کو کوئی عذر نہیں تھا پھر بھی آپؐ نے سوار ہو کر طواف کیا، معلوم ہوا کہ پیدل طواف زیارت کرنا ضروری نہیں، سوار ہو کر بھی کر سکتے ہیں۔ اور بڑے دو امام کہتے ہیں: یہاں عذر ہے اور وہ یہ ہے کہ مجمع بہت بڑا تھا اور سب آپؐ کو طواف کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے، اس لئے اگر آپؐ پیدل طواف کرتے تو سب نہ دیکھ سکتے اس عذر کی وجہ سے سوار ہو کر طواف کرنا جائز ہوا ہے۔ اور بڑے دو اماموں کی دلیل مشہور حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف نماز ہے، البتہ طواف میں بات چیت جائز ہے اور نماز زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا واجب ہے، پس طواف بھی پیدل کرنا ضروری ہے۔

[۴۰] باب ماجاء فی الطواف راکبا

[۸۵۵-] حدثنا بِشْرُ بنُ هِلَالٍ الصَّوَّافُ، نا عبدُ الوَارِثِ، وعبدُ الوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عن خَالِدٍ الحَذَّاءِ، عن عِكْرِمَةَ، عن ابنِ عباسٍ قَالَ: طافَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم على رَاحِلَتِهِ، فَإِذَا انْتَهَى إِلَى الرُّكْنِ أَشَارَ إِلَيْهِ.

وفي الباب: عن جَابِرٍ، وأبي الطُّفَيْلِ، وأُمِّ سَلَمَةَ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العلمِ أَنْ يَطُوْفَ الرَّجُلُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ رَاكِبًا إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: بعض علماء اس کو مکروہ کہتے ہیں کہ آدمی بیت اللہ کا طواف اور سعی سوار ہو کر کرے مگر عذر کی وجہ سے اور یہ شافعیؒ کا قول ہے (یہ بڑے دو اماموں کا مذہب ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بلا عذر بھی سوار ہو کر طواف وسعی کرنا جائز ہے، پس ممکن ہے یہ حضرت امام شافعیؒ کی کوئی روایت ہو)

بابُ ماجاءَ فِيْ فَضْلِ الطَّوَافِ

طواف کے ثواب کا بیان

حرم شریف میں سب سے افضل عبادت طواف ہے، نوافل، ذکر واذکار اور قرآن کی تلاوت وغیرہ دوسرے نمبر پر ہیں، پس جو شخص بتوفیق الٰہی حرم شریف میں پہنچے اسے وہاں زیادہ سے زیادہ طواف کرنے چاہئیں، حدیث میں پچاس طوافوں کی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس تعداد میں نفل، فرض، واجب سب طواف شامل ہیں۔ نیز یہ پچاس طواف ایک سفر میں کرنے ضروری نہیں، پوری زندگی کے طوافوں کا مجموعہ اگر پچاس ہو جائے تو بھی اس فضیلت کا مستحق ہوگا۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے بیت اللہ کے پچاس طواف کئے تو وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح نکل جائے گا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا، یعنی جس طرح آدمی جب پیدا ہوتا ہے تو چھوٹے بڑے سب گناہوں سے پاک ہوتا ہے اسی طرح پچاس طوافوں کی برکت سے سب گناہوں سے پاک ہو جائے گا۔

تشریح: یہ حدیث مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے یعنی ایک سند سے یہ ابن عباسؓ کا قول ہے، مگر ظاہر ہے کہ ثواب مدرک بالقیاس نہیں، پس حدیث حکماً مرفوع ہوگی، اور اس کی سند میں شریک ہیں جو کثیر الخطاء ہیں مگر یہ کوئی بڑی خرابی نہیں اور مجموعی اعتبار سے حدیث ٹھیک ہے۔

اس حدیث پر ایک اشکال یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی دیگر نصوص سے ثابت ہے کہ کبائر کے لئے توبہ شرط ہے اور یہاں یہ ہے کہ پچاس طوافوں کی برکت سے آدمی گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے، یعنی چھوٹے بڑے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، پس یہ تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ توبہ کی دو قسمیں ہیں: قولی اور فعلی۔ قولی توبہ تو ظاہر ہے اور فعلی توبہ یہ ہے کہ آدمی زندگی کا ورق پلٹ دے، گناہوں سے بالکل بیزار ہو جائے اور غلط کاموں کی طرف سے اس کا دھیان ہٹ جائے، یہ فعلی توبہ

جب پچاس طوافوں کے ساتھ مل جائے گی تو مذکورہ فضیلت حاصل ہوگی۔ واللہ اعلم

[٤١] باب ماجاء في فضل الطواف

[٨٥٦-] حدثنا سُفيانُ بنُ وَكِيْعٍ، نا يَحيىَ بنُ اليَمَانِ، عن شَرِيْكٍ، عن أَبِي إِسْحَاق، عن عبدِ الله بنِ سَعِيدِ بنِ جُبَيْرٍ، عن أَبِيْهِ، عن ابنِ عبّاسٍ، قالَ: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ خَمْسِيْنَ مَرَّةً خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ"

قال: وفي الباب: عَنْ أَنَسٍ، وابنِ عُمَرَ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبّاسٍ حديثٌ غريبٌ، سَأَلْتُ محمداً عن هذا الحديثِ، فقالَ: إِنَّمَا يُرْوَى هذا عَنِ ابنِ عَبّاسٍ.

حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن أَيُّوْبَ، قالَ: كَانُوْا يَعُدُّوْنَ عبدَ اللهِ بنَ سَعِيدِ بنِ جُبَيْرٍ أَفْضَلَ مِنْ أَبِيْهِ، وَلَهُ أَخٌ يُقَالُ لَهُ: عبدُ المَلِكِ بنُ سَعِيدِ بنِ جُبَيْرٍ، وقَدْ رَوَى عَنْهُ أَيْضًا.

وضاحت: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ جلیل القدر تابعی ہیں اور وہ آخری آدمی ہیں جن کو حجاج بن یوسف ثقفی نے ظلماً قتل کیا ہے۔ قتل ہونے سے پہلے انھوں نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! اس کتے کو میرے بعد کسی اور پر مسلط نہ فرما! چنانچہ اس کے بعد حجاج بیمار پڑا اور مر گیا۔ اور ان کے صاحب زادے عبداللہ والد سے بھی بڑے بزرگ سمجھے جاتے تھے، ایوب سختیانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم عبداللہ بن سعید کو ان کے والد سے افضل سمجھتے تھے، اور ان کے ایک بھائی عبدالملک ہیں وہ بھی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

بابُ ماجاءَ فِي الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ فِي الطَّوَافِ لِمَنْ يَطُوْفُ

عصر اور فجر کے بعد دوگانۂ طواف پڑھنے کا بیان

مذاہب فقہاء: عصر اور فجر کے بعد طواف کا دوگانہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اس سے قطع نظر کہ طواف کب کیا ہے؟ امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ عدم جواز کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں: اوقاتِ ثلاثہ میں ہر نماز کی اور عصر اور فجر کے بعد نوافل کی احادیث میں ممانعت آئی ہے، اور طواف کا دوگانہ اگر چہ واجب ہے مگر وہ واجب لغیرہ ہے یعنی طواف کی وجہ سے واجب ہوا ہے، ورنہ فی نفسہ نفل ہے، پس بعد العصر اور بعد الفجر طواف کا دوگانہ پڑھنا مکروہ ہے، طلوع شمس کے بعد جب مکروہ وقت گزر جائے اور غروب شمس کے بعد پڑھے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک صرف طواف کا دوگانہ ہی نہیں بلکہ حرم شریف میں ہر وقت ہر نماز پڑھ سکتے ہیں، یعنی ان اماموں کے نزدیک دو استثناء ہیں: ایک حرم شریف کا: اس میں اوقات ممنوعہ نہیں ہیں، وہاں ہر نماز ہر وقت پڑھ سکتے ہیں، دوسرا: طواف کے دوگانہ

کا: اس کو ہر جگہ ہر وقت پڑھ سکتے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ باب میں دو روایتیں ہیں، ایک: مرفوع حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے بنو عبد مناف! یہ بیت اللہ کے متولی تھے اور عبد مناف: نبی ﷺ کے چوتھے والد ہیں، ان کا خاندان شیبی خاندان کہلاتا تھا۔ نبی ﷺ نے جب فتح مکہ کے موقعہ پر کعبہ شریف کے اندر سے اور باہر سے ساری مورتیاں ہٹادیں اور جو تصویریں تھیں وہ مٹادیں اور کعبہ شریف کو دھو کر پاک صاف کردیا اور اس کے چاروں کونوں میں تکبیر کہی اور دو نفل پڑھے، اور باہر تشریف لائے تو جس سے چابی لی تھی اسی کو چابی واپس کی، اور ارشاد فرمایا: ''رات اور دن کی جس گھڑی میں کوئی بیت اللہ کا طواف کرنا چاہے یا وہاں نماز پڑھنا چاہے تو تم اس کو روکو گے نہیں'' یہ حدیث چھوٹے دو اماموں کا مستدل ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے حرم شریف میں ہر وقت نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے اور بنو عبد مناف کو ہدایت دی ہے کہ رات دن کی کسی گھڑی میں بھی لوگوں کو نماز پڑھنے سے نہ روکیں، معلوم ہوا کہ حرم شریف میں اوقاتِ ممنوعہ نہیں ہیں (یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے البتہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں إلا بمكة کا استثناء آیا ہے وہ ضعیف ہے دیکھیں: دار قطنی ص: ۱۶۳ اور مسند احمد ۵: ۱۶۵)

دوسرا واقعہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے، وہ ایک مرتبہ اپنی خلافت کے زمانہ میں مکہ معظمہ آئے واپسی کے وقت حرم شریف میں فجر کی نماز پڑھائی اور بیت اللہ کا طواف کیا اور طواف کا دوگانہ نہیں پڑھا، جب ذُوطوی پہنچے تو سورج نکل کر بلند ہو چکا تھا، وہاں طواف کا دوگانہ پڑھا۔ اگر فجر کے بعد طواف کا دوگانہ پڑھنا جائز ہوتا تو آپؓ مقام ابراہیم پر پڑھتے، مقام ابراہیم کی فضیلت ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ معلوم ہوا کہ جن حدیثوں میں عصر اور فجر کے بعد نوافل کی ممانعت آئی ہے اس میں طواف کا دوگانہ بھی شامل ہے۔ یہ بڑے دو اماموں کی دلیل ہے۔

اور حدیث مرفوع کا جواب یہ ہے کہ اس میں اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس میں کعبہ شریف کے متولیوں کو ان کی ڈیوٹی بتائی گئی ہے اور یہ شریعت کی گفتگو کا ایک انداز ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی ۱: ۴۹۲ کتاب الصلوٰۃ باب ۲۲ میں گذر چکی ہے۔

[۴۲] باب ماجاء في الصلوٰة بعد العصر وبعد الصبح في الطواف لمن يطوف

[۸۵۷-] حدثنا أَبُوْ عَمَّارٍ، وعَلِيُّ بنُ خَشْرَمٍ، قالا: نَا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أبي الزُّبَيْرِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ بَابَاهَ، عن جُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قالَ: "يا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ! لَاتَمْنَعُوا أَحداً طَافَ بِهٰذَا البيتِ، وصَلّٰى أَيَّةَ ساعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهارٍ"

وفي الباب: عنِ ابنِ عبّاسٍ، وأبي ذَرٍّ، قال أبوعيسى: حديثُ جُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ

وقَدْ رَوَاهُ عبدُ اللهِ بنُ أبی نَجِیحٍ، عن عبدِ اللهِ بنِ بَابَاہَ أَیْضًا.

وَقَدْ اختَلَفَ أهلُ العلمِ فِی الصَّلَاۃِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ بِمَکَّۃَ، فقالَ بَعْضُهُمْ: لَابَأْسَ بِالصَّلَاۃِ وَالطَّوَافِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَاحْتَجُّوْا بِحَدِیْثِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم.

وقالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا طافَ بَعْدَ الْعَصْرِ لَمْ یُصَلِّ حتی تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وکَذٰلِکَ إِنْ طافَ بَعْدَ صَلَاۃِ الصُّبْحِ أَیْضًا لَمْ یُصَلِّ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَاحْتَجُّوْا بِحَدِیْثِ عُمَرَ أَنَّهُ طافَ بَعْدَ صَلَاۃِ الصُّبْحِ فَلَمْ یُصَلِّ، وخَرَجَ مِنْ مَکَّۃَ حَتّٰی نَزَلَ بِذِیْ طُوًی، فَصَلّٰی بَعْدَ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ وَمَالِکُ بنِ أَنَسٍ.

ترجمہ: اور علماء کا عصر اور فجر کے بعد مکہ میں نوافل پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: عصر اور فجر کے بعد طواف کا دوگانہ اور دیگر نوافل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے، اور انھوں نے نبی ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے —— اور بعض کہتے ہیں: جب عصر کے بعد طواف کرے تو دوگانہ نہ پڑھے تا آنکہ سورج غروب ہوجائے اور اسی طرح اگر فجر کے بعد طواف کرے تو دوگانہ نہ پڑھے تا آنکہ سورج طلوع ہوجائے اور انھوں نے حضرت عمرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، حضرت عمرؓ نے فجر کے بعد طواف کیا اور دوگانہ نہیں پڑھا اور مکہ سے نکل گئے، یہاں تک کہ ذُوطوی میں اترے، پس سورج طلوع ہونے کے بعد دوگانہ پڑھا اور یہ ثوری اور مالک کا قول ہے۔

نوٹ: باب میں مصری نسخہ میں فی الطواف نہیں ہے۔

بابُ ماجاء مَا یُقْرَأُ فِیْ رَکْعَتَیِ الطَّوَافِ؟

دوگانۂ طواف میں کونسی سورتیں پڑھے؟

ہر طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنا واجب ہے، مگر وہ رکعتیں طواف سے متصل پڑھنا ضروری نہیں دو چار طواف کر کے سب کے دوگانے ایک ساتھ بھی پڑھ سکتا ہے، البتہ ہر طواف کے بعد متصلاً اس کا دوگانہ پڑھ لینا بہتر ہے اور دوگانہ طواف کی وجہ اور اس کی حکمت باب ۳۳ میں گذر چکی ہے اور یہ دوگانہ مختصر پڑھنا مسنون ہے۔ نبی ﷺ ان میں اخلاص کی دو سورتیں یعنی سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھتے تھے، سورۂ کافرون میں اخلاص فی العبادت کا بیان ہے اور قل ھو اللہ احد میں اخلاص فی الاعتقاد کا بیان ہے، اس لئے دونوں سورتیں اخلاص کی سورتیں کہلاتی ہیں، اور دوگانۂ طواف مختصر پڑھنا مسنون اس لئے ہے کہ مقام ابراہیم پر لوگ انتظار میں کھڑے رہتے ہیں ان کا نمبر آئے اس

لئے دوگانہ مختصر پڑھنا چاہئے۔

[٤٣] باب ماجاء ما يَقرأ في ركعتي الطواف؟

[٨٥٨-] حدثنا أبو مُصْعَبٍ قِرَاءَةً عن عبدِ العزيزِ بنِ عِمْرَانَ، عن جَعْفَرِ بنِ محمدٍ، عن أبيهِ، عن جَابِرِ بن عبدِ الله: أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَرَأَ فِيْ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ بِسُوْرَتَيِ الإِخْلَاصِ: قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ، وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ.

[٨٥٩-] حدثنا هَنَّادٌ، نا وَكِيْعٌ، عن سُفيانَ، عن جَعْفَرِ بنِ محمدٍ، عن أَبِيْهِ: أَنَّهُ كانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يَقْرَأَ فِيْ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ بِقُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ، وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ.

قال أبو عيسى: وهذا أَصَحُّ مِنْ حديثِ عبدِ العزيزِ بنِ عِمْرَانَ، وحَدِيثُ جَعْفَرِ بنِ محمدٍ، عن أَبِيْهِ في هٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ جَعْفَرِ بنِ محمدٍ عن أَبِيْهِ عن جَابِرٍ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وعبدُ العزيزِ بنُ عِمْرَانَ ضَعِيْفٌ في الحديثِ.

وضاحت: عبدالعزیز بن عمران نے جعفر بن محمد سے اس حدیث کو مسند روایت کیا ہے، اور سفیان: جعفر سے مرسل روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے مرسل حدیث کو اصح قرار دیا ہے، کیونکہ عبدالعزیز ضعیف راوی ہے۔

بابُ ماجاء في كَرَاهِيَةِ الطَّوَافِ عُرْيَانًا

ننگے طواف کرنا ممنوع ہے

مذاہبِ فقہاء: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طواف میں ستر عورت شرط ہے، اور حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور نماز میں بالاجماع ستر عورت شرط ہے۔ ناف سے گھٹنے تک عورت ہے، اگر کسی عضو کا ایک چوتھائی کھل جائے اور اس حالت میں نماز پڑھی جائے تو نماز نہیں ہوتی، وہی حکم طواف کا ہے، اگر کسی عضو کا چوتھائی حصہ کھلا ہو اور اس حالت میں طواف زیارت کیا جائے تو طواف نہیں ہوگا، البتہ حنفیہ کے نزدیک دم دینے سے تلافی ہو جائے گی، کیونکہ ان کے نزدیک ستر عورت واجب ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شرط ہے اس لئے ان کے نزدیک دم دینے سے تلافی نہیں ہوگی۔ دوبارہ طواف زیارت کرنا ہوگا ورنہ اس کا حج نہیں ہوگا۔

حدیث: زید کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کن باتوں کے ساتھ آپ بھیجے گئے تھے؟ (یعنی سن ۹ ہجری میں حج کے موقعہ پر کیا اعلان کرنے کے لئے آنحضور ﷺ نے آپ کو بھیجا تھا؟) حضرت علیؓ نے فرمایا: چار اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا: (۱) جنت میں صرف مؤمن جائے گا (کفار جو حج کرتے تھے وہ جنت میں

جانے کے لئے کرتے تھے اس اعلان سے ان کی غلط فہمی دور کی گئی کہ ایمان لائے بغیر جنت میں داخلہ ممکن نہیں) (۲) کوئی ننگے بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا (زمانۂ جاہلیت سے یہ تصور چلا آرہا تھا کہ مادرزاد ننگا ہو کر طواف کرنا بڑا ثواب کا کام ہے، چنانچہ کفار ننگے کعبہ شریف کا طواف کرتے تھے اس احمقانہ تصور پر بندش لگائی گئی ہے) (۳) اس سال کے بعد مسلمان اور مشرکین ایک ساتھ حج نہیں کریں گے (یعنی آئندہ سال سے صرف مسلمان حج کے لئے آئیں گے، کسی کافر کو حج کے لئے آنے کی اجازت نہیں ہوگی) (۴) جن قبائل کے ساتھ نبی ﷺ کا کوئی میعادی معاہدہ ہے وہ معاہدہ مقررہ وقت پر پورا ہوگا اور جن قبائل کے ساتھ معاہدے کی مدت متعین نہیں ان کی مدت چار ماہ ہے (اس کے بعد معاہدہ کالعدم ہے)

تشریح:

۱- حج سن ۸ ہجری میں فرض ہوا ہے اور ۹ ہجری میں مسلمانوں نے پہلا حج کیا ہے، نبی ﷺ اس سال حج کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حج کرایا تھا ان کے مکہ روانہ ہونے کے بعد سورۂ براءت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تھیں جن میں حج کے موقعہ پر اعلان براءت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ آنحضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے مکہ بھیجا اور ہدایت کی کہ منی کے دنوں میں یہ اعلان کیا جائے اور حضرت ابو ہریرہ اور کچھ دوسرے صحابہ کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔ اس موقعہ پر جو چار اعلانات کئے گئے تھے ان میں سے ایک اعلان معاہدوں کے بارے میں تھا کہ جن قبائل کے ساتھ آنحضور ﷺ کا میعادی معاہدہ ہے وہ معاہدہ اس کی مدت تک باقی رہے گا اور جن قبائل کے ساتھ معاہدہ تو ہے مگر اس کی کوئی مدت مقرر نہیں ان کو چار مہینے تک مہلت دی جاتی ہے اس کے بعد کسی بھی وقت ان پر حملہ ہوسکتا ہے اور اس زمانہ کا دستور یہ تھا کہ معاہدوں کا اعلان یا تو خود بادشاہ کرتا تھا یا اس کے خاندان کا کوئی فرد کرتا تھا اس لئے دستور کے مطابق اعلان کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔

۲- یہ اعلان کہ "کوئی بیت اللہ کا ننگے طواف نہیں کرے گا" زمانۂ جاہلیت کی رسم پر پابندی لگانے کے لئے تھا، طواف میں ستر عورت شرط ہے یا واجب؟ اس مسئلہ سے اس کا براہ راست کوئی تعلق نہیں اور حدیث میں ہے: الطواف بالبیت صلوۃ فَأَقِلُّوا مِنَ الکلام (نسائی ۵: ۲۲۲ مصری) یعنی بیت اللہ کا طواف نماز ہے، پس طواف میں بات چیت کم کرو، اس حدیث میں نبی ﷺ نے طواف کو نماز کہا ہے اور زیادہ کلام کی ممانعت کی ہے، مگر نماز میں تو کلام کی مطلقاً گنجائش نہیں اور طواف میں اس کی گنجائش ہے مگر زیادہ گفتگو کرنے سے احتراز کرنے کا حکم ہے۔ اب ائمہ میں اختلاف ہوا: ائمہ ثلاثہ نے جس طرح نماز میں ستر عورت شرط ہے یہاں بھی اس کو شرط قرار دیا۔ اور احناف نے اس کو ایک درجہ نیچے اتارا اور واجب قرار دیا، کیونکہ جب حدیث میں استثناء کیا گیا اور کچھ کلام کی گنجائش رکھی گئی تو معلوم ہوا کہ نماز اور طواف کے احکام ایک نہیں ہیں، ان میں درجاتی فرق ہے۔

[٤٤] باب ماجاء فی کراهیة الطواف عُریاناً

[٨٦٠-] حدثنا عَلِیُّ بنُ خَشْرَمٍ، نا سفیانُ بنُ عُیَیْنَةَ، عن أبی إسحاق، عن زَیْدِ بنِ أُثَیْعٍ، قال: سَأَلْتُ عَلِیًّا بِأَیِّ شَیْءٍ بُعِثتَ؟ قال: بِأَرْبَعٍ: لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نفسٌ مُسْلِمَةٌ، وَلَا یَطُوْفُ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ، وَلَا یَجْتَمِعُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِکُوْنَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا، وَمَنْ کَانَ بَیْنَهُ وَبَیْنَ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم عَهْدٌ فَعَهْدُهُ إلی مُدَّتِهِ، وَمَنْ لَا مُدَّةَ لَهُ فَأَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ.

وفی الباب: عن أبی هریرة، قال أبو عیسی: حدیثُ علیٍّ حدیثٌ حسنٌ.

حدثنا ابنُ أبی عُمَرَ، ونَصْرُ بنُ عَلِیٍّ، قالا: نا سفیانُ بنُ عُیَیْنَةَ، عن أَبِی إسحاق نَحْوَهُ، وقالا: زَیْدُ بنُ یُثَیْعٍ، وهذا أَصَحُّ. قال ابو عیسی: وشُعْبَةُ وَهِمَ فِیْهِ فقال: زیدُ بنُ أُثَیْلٍ.

وضاحت: زید کے والد کے نام میں اختلاف ہے، صحیح نام یُثَیع ہے۔ اور شعبہ رحمہ اللہ نے جو اُثَیل کہا ہے وہ ان کا وہم ہے۔

بابُ ماجاءَ فِیْ دُخُوْلِ الْکَعْبَةِ

کعبہ شریف میں داخل ہونے کا بیان

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں: نبی ﷺ میرے پاس سے اس حال میں نکلے کہ آپ ٹھنڈی آنکھ اور خوش دل (ہشاش بشاش) تھے، مگر جب میرے پاس واپس آئے تو غمگین تھے، میں نے آپؐ سے اس کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا: میں کعبہ شریف کے اندر گیا اور مجھے بعد میں خیال آیا کہ (حج کے موقع پر) مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، مجھے ڈر ہے کہ میں نے اپنے بعد اپنی امت کو مشقت میں ڈال دیا یعنی ہر شخص حج کے موقعہ پر بیت اللہ میں داخل ہونا چاہے گا اور وہ مشقت میں پڑے گا (اس حدیث کی بناء پر تمام ائمہ متفق ہیں کہ کعبہ شریف کے اندر جانا مناسک حج میں شامل نہیں)

[٤٥] باب ماجاء فی دخول الکعبة

[٨٦١-] حدثنا ابنُ أبی عُمَرَ، نا وَکِیْعٌ، عن إسماعیلَ بنِ عبدِ المَلِكِ، عن ابنِ أبی مُلَیْکَةَ، عن عائشةَ، قالتْ: خرج النبیُّ صلی اللہ علیه وسلم مِنْ عِنْدِیْ، وَهُوَ قَرِیْرُ العَیْنِ طَیِّبُ النَّفْسِ، فَرَجَعَ إِلَیَّ وَهُوَ حَزِیْنٌ، فَقُلْتُ لَهُ، فقالَ: "إِنِّیْ دَخَلْتُ الْکَعْبَةَ، وَوَدِدْتُ أَنِّیْ لَمْ أَکُنْ فَعَلْتُ، إِنِّیْ أَخَافُ أَنْ

أَكُوْنَ أَتْعَبْتُ أُمَّتِي مِنْ بَعْدِيْ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ في الصَّلٰوة في الْكَعْبَةِ

کعبہ شریف میں نماز پڑھنے کا بیان

نبی ﷺ فتح مکہ کے موقعہ پر کعبہ شریف میں ایک مرتبہ اور بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مرتبہ تشریف لے گئے ہیں، اور حجۃ الوداع میں صرف ایک مرتبہ تشریف لے گئے ہیں، جب آپ کعبہ میں تشریف لے گئے تو آپؐ نے وہاں نماز پڑھی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آپؐ نے کعبہ شریف کے چاروں کونوں میں تکبیر کہی تھی، وہاں نماز نہیں پڑھی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ اس موقع پر آنحضور ﷺ کے ساتھ نہیں تھے، ان سے جیسا کسی نے بیان کیا انھوں نے بیان کر دیا۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتھ تھے ان کا بیان ہے کہ آپؐ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی، وہ باقاعدہ جگہ متعین کر کے بتاتے تھے کہ آپؐ نے فلاں فلاں ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھی تھیں۔ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی آنحضور ﷺ کے ساتھ تھے اور وہ انکار کرتے ہیں، مگر اس کی توجیہ علماء نے یہ کی ہے کہ آنحضور ﷺ نے کعبہ شریف کو غسل دیا تھا اور حضرت اسامہ کی ڈیوٹی زمزم لانے کی اور غسالہ باہر لے جانے کی تھی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی اندر تھی، اس لئے ممکن ہے جب حضرت اسامہ پانی پھینکنے یا لینے کے لئے باہر گئے ہوں اس وقت آپؐ نے نماز پڑھی ہو۔ غرض تمام محدثین نے حضرت بلالؓ کی حدیث کو ترجیح دی ہے، وہ آنحضور ﷺ کا کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھنا ثابت مانتے ہیں۔

مذاہب فقہاء: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کعبہ شریف کے اندر صرف نفل نماز پڑھنا جائز ہے، فرض، واجب، دوگانۂ طواف اور فجر کی سنتیں کعبہ کے اندر پڑھنا جائز نہیں، دیگر تینوں ائمہ فرض و نفل کے درمیان فرق نہیں کرتے ان کے نزدیک کعبہ شریف کے اندر سب نمازیں پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ جب نبی ﷺ سے کعبہ کے اندر نفل نماز پڑھنا ثابت ہے اور طہارت اور استقبال قبلہ میں نفل و فرض کا حکم ایک ہے تو کعبہ شریف کے اندر فرض بھی پڑھ سکتے ہیں۔

[٤٦] باب ماجاء في الصلوٰة في الكعبة

[٨٦٢-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عن عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عن ابنِ عُمَرَ، عن بِلَالٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم صَلّٰى فِيْ جَوْفِ الْكَعْبَةِ، قال ابنُ عبَّاسٍ: لَمْ يُصَلِّ وَلٰكِنَّهُ كَبَّرَ.

وفي الباب: عن أُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، وَالْفَضْلِ بنِ عَبَّاسٍ، وعُثْمَانَ بنِ طَلْحَةَ، وَشَيْبَةَ بنِ عُثْمَانَ، قال

أبو عيسى: حديثُ بِلَالٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعَمَلُ عليهِ عِندَ أكثرِ أهلِ العلمِ: لَايَرَوْنَ بِالصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ بَأْسًا، وقَالَ مَالِكُ بنُ أنسٍ: لَابَأْسَ بِالصَّلَاةِ النَّافِلَةِ فِي الْكَعْبَةِ، وكَرِهَ أَنْ يُصَلَّى الْمَكْتُوبَةَ فِي الْكَعْبَةِ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَابَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ الْمَكْتُوبَةَ وَالتَّطَوُّعَ فِي الْكَعْبَةِ، لِأَنَّ حُكْمَ النَّافِلَةِ وَالْمَكْتُوبَةِ فِي الطَّهَارَةِ وَالْقِبْلَةِ سَوَاءٌ.

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی، ابن عباسؓ کہتے ہیں: آپؑ نے نماز نہیں پڑھی، بلکہ تکبیر کہی ——— اور اس پر اکثر علماء کا عمل ہے، وہ کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں: کعبہ کے اندر نفل نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کعبہ میں فرض اور نفل نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ نفل اور فرض کا حکم طہارت اور استقبال قبلہ میں یکساں ہے۔

بابُ ماجاءَ فِي كَسْرِ الْكَعْبَةِ

کعبہ کی تعمیر نو کا بیان

کعبہ شریف کے لئے لفظ کَسْر (توڑنا) استعمال کیا ہے اور حدیث میں ھَدَمْتُ (ڈھانا) آیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ لفظ استعمال کرنا درست ہے، ہم لوگ مسجد شہید کرنا کہتے ہیں یہ آداب میں مبالغہ ہے اور آداب کی اصل سورۃ الحج کی آیت ۳۰ ہے، فرمایا: ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ حرمات اللہ یعنی قابل احترام چیزیں اور ان کی تعظیم یعنی ان کا پاس ولحاظ رکھنا خود آدمی کے مفاد میں ہے مگر کبھی لوگ آداب بڑھا کر اتنے کر دیتے ہیں کہ ان کو یاد رکھنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن الزبیر نے اپنے دور خلافت میں اسود بن یزید سے پوچھا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے چپکے سے کیا حدیث بیان کرتی تھیں؟ اسود نے کہا: مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اگر تیرے باپ کی قوم کے کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو ڈھا دیتا، اور اس کو بنائے ابراہیمی پر تعمیر کرتا، اور میں اس کے دو دروازے رکھتا یعنی مکہ کے لوگ نئے مسلمان ہوئے ہیں اگر اس وقت میں کعبہ کی تعمیر نو کروں گا تو ممکن ہے وہ لوگوں کی تنفیر کا سبب بن جائے، پھر ابن الزبیر نے کعبہ کی تعمیر نو کی اور منشأ نبوی کے مطابق اس کے دو دروازے رکھے (مگر حجاج نے پھر اس کو حسب سابق کر دیا)

تشریح: کعبہ کی اصل شکل دائیں قدم کی تھی، انگوٹھے کی جگہ حجر اسود لگایا گیا ہے اور چھوٹی انگلی کی جگہ رکن یمانی ہے اور حطیم کی طرف کعبہ ایڑی کی طرح گول تھا اور اس کے دو دروازے تھے، ایک سے لوگ داخل ہوتے تھے، دوسرے سے نکلتے تھے اس وقت لوگ نماز کعبہ کے اندر پڑھتے تھے، نبوت سے پہلے جب آپ کی عمر شریف ۳۵ سال کی تھی قریش نے کعبہ دوبارہ تعمیر کیا تھا اور حطیم کی طرف کا کچھ حصہ کعبہ سے باہر نکال دیا تھا اور کعبہ چھوٹا تعمیر کیا تھا اور ایک دروازہ بند کردیا تھا اور دوسرے دروازے کو قد آدم اونچا کردیا تھا تا کہ اپنی اجارہ داری قائم رکھ سکیں، فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ نے اپنا یہ ارادہ ظاہر فرمایا مگر اس کی تعمیل نہیں کی۔ عبداللہ بن الزبیر نے اس کی تعمیل کی، جب حجاج نے ان کو شکست دی تو ان کا نام باقی نہ رہے اس لئے کعبہ کو بحالہ کردیا۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ ضابطہ نکلا کہ جو کام استحباب کے درجہ کا ہو اگر وہ فتنہ کا باعث بن سکتا ہو تو وہ کام نہیں کرنا چاہئے، پہلے ماحول سازگار کرنا چاہئے پھر وہ کام کرنا چاہئے۔ کعبہ شریف کو بنائے ابراہیمی پر تعمیر کرنا استحباب کے درجہ کا کام تھا اس لئے کہ کعبہ بہر حال کعبہ ہے خواہ وہاں سرے سے کوئی عمارت نہ ہو، اور اسے منہدم کر کے بنائے ابراہیمی پر تعمیر کرنے میں جو لوگ نئے مسلمان ہوئے تھے ان کے بدکنے کا اندیشہ تھا اس لئے آنحضور ﷺ نے یہ کام نہیں کیا مگر صدیقہ کے سامنے خواہش کا اظہار کیا تا کہ جب یہ اندیشہ باقی نہ رہے یہ کام کیا جائے۔ ابن الزبیر کے زمانہ میں وہ اندیشہ باقی نہ رہا تو انھوں نے منشأ نبوی کے مطابق کعبہ شریف تعمیر کردیا، مگر برا ہو حجاج کا اس نے پھر حسب سابق کردیا، مگر حجاج نے صرف حطیم کی طرف کی دیوار نئی بنائی ہے اور ایک دروازہ کردیا ہے اور اونچا کردیا ہے، باقی تعمیر ابن الزبیر ہی کی ہے۔

[٤٧] باب ماجاء فی کسر الکعبة

[٨٦٣-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، نا أبو داوُدَ، عن شُعْبَةَ، عن أبي إسحاق، عن الأَسْوَدِ بنِ يَزِيْدَ، أَنَّ ابنَ الزُّبَيْرِ قالَ لَهُ: حَدِّثْنِي بِمَا كَانَتْ تُفْضِي إِلَيْكَ أُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ يَعْنِي عَائِشَةَ، فقالَ: حَدَّثَتْنِي أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قالَ لَهَا: "لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِالْجَاهِلِيَّةِ لَهَدَمْتُ الْكَعْبَةَ وَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ" فَلَمَّا مَلَكَ ابنُ الزُّبَيْرِ هَدَمَهَا، وَجَعَلَ لَهَا بَابَيْنِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ فی الصَّلَاةِ فِی الحِجْرِ

حطیم میں نماز پڑھنے کا بیان

حِجْر کے معنی ہیں: گھیرا ہوا، اسی سے حجرۃ ہے۔ بیت اللہ کا جو حصہ خارج کردیا گیا ہے اس کا ایک نام حجر ہے

دوسرا نام حطیم ہے۔ حطیم کے معنی ہیں: توڑا ہوا اور جتنا حصہ چار دیواری سے گھرا ہوا ہے وہ سب بیت اللہ کا جزء نہیں ہے، بلکہ دیوار سے چھ ہاتھ تک کعبہ کا جز ہے۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ پورا حصہ بیت اللہ کا جز ہے، اور یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ کعبہ کی وضع دائیں پیر کی وضع پر ہے، پس پیچھے سے ایڑی کی طرح گول ہونا چاہئے۔

اور حطیم کا کعبہ کا جز ہونا اخبار آحاد سے ثابت ہے، قرآن میں یہ بات نہیں ہے، پس صرف حطیم کا استقبال کرنے سے نماز نہ ہوگی ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ میں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے اور حطیم کا بیت اللہ کا جز ہونا صرف اخبار آحاد سے ثابت ہے جو مفید ظن ہیں۔ لیکن حطیم میں نماز پڑھنے سے وہ فضیلت حاصل ہوگی جو کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھنے کی ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ اگرچہ خبر واحد سے جبکہ وہ اعلی درجہ کی ہو کتاب اللہ پر زیادتی جائز کہتے ہیں، مگر یہاں انھوں نے اپنا اصول ترک کر دیا ہے۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میری خواہش تھی کہ میں کعبہ کے اندر جاؤں اور وہاں نماز پڑھوں (جب میں نے اپنی خواہش کا آنحضرت ﷺ سے تذکرہ کیا تو) رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حجر میں لے گئے اور فرمایا: "حجر میں نماز پڑھ لیا کرو جب بھی تمہارا ارادہ بیت اللہ کے اندر جا کر نماز پڑھنے کا ہو، پس وہ بیت اللہ ہی کا جز ہے، لیکن تیری قوم نے چندے کو کم سمجھا جس وقت انھوں نے کعبہ تعمیر کیا پس انھوں نے حطیم کو کعبہ سے باہر نکال دیا"

وضاحت: مذکورہ حدیث میں یہاں بھی اور نسائی میں بھی یہ ہے کہ علقمۃ بن ابی علقمۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ ان کے والد کی نہیں بلکہ ان کی والدہ کی روایت ہے، علقمہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام مرجانہ ہے۔ واللہ اعلم

[٤٨] باب ماجاء فی الصلاة فی الحِجر

[٨٦٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا عبدُ العزيزِ بنُ محمدٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بنِ أَبِي عَلْقَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عن عائشةَ، قالتْ: كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَدْخُلَ الْبَيْتَ فَأُصَلِّيَ فِيهِ، فَأَخَذَ رسولُ الله صلى الله لعيه وسلم بِيَدِي فَأَدْخَلَنِي الْحِجْرَ وَقَالَ:" صَلِّي فِي الْحِجْرِ إِنْ أَرَدْتِ دُخُوْلَ الْبَيْتِ، فَإِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِنَ الْبَيْتِ، ولكِنَّ قَوْمَكِ اسْتَقْصَرُوْهُ حِيْنَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ فَأَخْرَجُوْهُ مِنَ الْبَيْتِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وعَلْقَمَةُ بنُ أَبِي عَلْقَمَةَ: هُوَ عَلْقَمَةُ بنُ بِلَالٍ.

بابُ ماجاءَ فِي فَضْلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَالرُّكْنِ وَالْمَقَامِ

حجر اسود اور مقام ابراہیم کی فضیلت

حجر اسود اور رکن ایک ہیں، واو عطف تفسیری ہے اور حجر اسود کا نام رکن اس وجہ سے ہے کہ وہ کعبہ شریف کے ایک

کونہ میں لگا ہوا ہے۔اور اسود کی وجہ تسمیہ حدیث میں آرہی ہے۔اور مقام سے مقام ابراہیم مراد ہے اور مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر کیا تھا۔

باب میں دو حدیثیں ہیں، اور دونوں امام ترمذی رحمہ اللہ کے افراد میں سے ہیں، یعنی یہ حدیثیں صرف ترمذی میں ہیں دیگر کتب خمسہ میں یہ حدیثیں نہیں ہیں، اور پہلی حدیث صحیح ہے، امام ترمذیؒ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے جبکہ وہ جریر کی عطاء بن السائب سے روایت ہے، اور جریر نے عطاء سے ان کا حافظہ بگڑنے کے بعد پڑھا ہے، مگر صحیح ابن خزیمہ میں اس کا شاہد موجود ہے اور اس کی سند قوی ہے (معارف) اور نسائی (۵:۲۲۶ مصری) میں یہ حدیث حماد کے طریق سے اختصار کے ساتھ ہے: أنّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "الحجر الأسود من الجنۃ" اور حماد نے عطاء سے ان کا حافظہ بگڑنے سے پہلے پڑھا ہے اور دوسری حدیث ضعیف ہے اس کے مرفوع وموقوف ہونے میں اختلاف ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: حجر اسود جنت سے اترا ہے اور اس وقت وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا، پس اس کو انسانوں کی خطاؤں نے میلا کر دیا۔

تشریح: حجر اسود کب جنت سے اتارا گیا ہے؟ اور کیوں اتارا گیا ہے؟ یہ بات قطعیت سے معلوم نہیں، تاریخی روایات میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو جنت کی نشانی کے طور پر ان کو وہ پتھر دیا گیا تھا، پھر وہ کعبہ کے ایک کونہ میں لگا دیا گیا۔ البتہ اتنی بات صحیح روایت سے ثابت ہے کہ یہ پتھر جنت سے اترا ہے اور اس وقت وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا پھر جب انسانوں نے اس کا استلام کیا تو چونکہ سب انسان فرشتے نہیں ہوتے، بعض بندے گناہ گار بھی ہوتے ہیں اس لئے ان کے گناہوں کا اس پر اثر پڑا اور وہ میلا ہو گیا، کالا بمعنی میلا ہے، اسود: محاورہ میں بمعنی میلا استعمال ہوتا ہے۔

سوال: نیک لوگوں کی نیکیوں نے پتھر کو اور سفید کیوں نہیں کیا؟ گنہ گاروں کے گناہوں نے اس کو کالا کیوں کیا؟ یعنی نیکیوں کا اس پر اثر کیوں نہیں پڑا؟

جواب: نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا ہے، اگر دودھ میں پیشاب کا قطرہ گر جائے تو وہ دودھ نہیں بن جاتا بلکہ دودھ پیشاب بن کر ناپاک ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں: کسی چیز کو لوگ مسلسل ہاتھ لگاتے رہیں تو بھی جگہ میلی ہو جاتی ہے، کوہِ نور کو لوگ دس ہزار سال تک مسلسل چھوتے رہیں تو وہ بھی میلا ہو جائے گا، یہ ایک فطری بات ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے پتھروں میں سے دو پتھر ہیں۔ اللہ نے ان کی روشنی ماند کر دی ہے، اگر اللہ تعالیٰ ان کی روشنی ماند نہ کرتے تو وہ دونوں مغرب ومشرق کے درمیان کی ہر چیز کو روشن کر دیتے (جس طرح سورج کی روشنی سے ہر چیز چمک جاتی ہے)

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں محمد بن الحنفیہ کا قول تحریر فرمایا ہے کہ یہ

دونوں پتھر اسی دنیا کے پتھر ہیں، محمد بن الحنفیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والا تبار ذی علم صاحب زادے ہیں، مگر جب میں نے حجۃ اللہ البالغہ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعہ لکھی تو محمد بن الحنفیہ کا یہ قول بہت تلاش کیا مگر مجھے یہ قول کسی کتاب میں نہیں ملا، مگر چونکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے اس لئے اس سے صرف نظر بھی نہیں کی جاسکتی، البتہ چونکہ یہ محمد بن الحنفیہ کا قول ہے اس لئے حدیث مرفوع کے مقابلہ میں اس کو نہیں رکھا جاسکتا، صحیح حدیث سے حجر اسود کا جنت کا پتھر ہونا ثابت ہے۔

[۴۹] باب ماجاء فی فضل الحجر الأسود والركن والمقام

[٨٦٥-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ناجَرِيْرٌ، عَنْ عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، عن سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عن ابنِ عبّاسٍ، قال: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " نَزَلَ الْحَجَرُ الأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ، فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ آدَمَ "

وفى الباب: عن عبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وأبى هريرةَ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[٨٦٦-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا يَزِيْدُ بنُ زُرَيْعٍ، عَنْ رَجَاءٍ أَبِيْ يَحْيىَ، قالَ: سَمِعْتُ مُسَافِعًا الْحَاجِبَ يقولُ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بنَ عَمْرٍو يقولُ: سَمِعْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " إِنَّ الرُّكْنَ والمَقَامَ يَاقُوْتَتَانِ مِن يَاقُوْتِ الْجَنَّةِ، طَمَسَ اللّٰهُ نُوْرَهُمَا، وَلَوْ لَمْ يَطْمِسْ نُوْرَهُمَا لَأَضَاءَ تَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ "

قال أبو عيسى: هٰذَا يُرْوَى عن عبدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو مَوْقُوْفًا قَوْلُهُ، وَفِيْهِ عن أَنَسٍ أَيْضًا وَهُوَ حَدِيثٌ غريبٌ.

وضاحت: عبداللہ بن عمرو کی حدیث کا موقوف ہونا اصح ہے اور اس کو رجاء بن صبیح الحرشی نے مرفوع کیا ہے یہ اس کی غلطی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے (تقریب)

بابُ ماجاءَ فی الْخُرُوْجِ إلی مِنَی وَالْمُقَامِ بِهَا

منی کو جانا اور وہاں قیام کرنا

مِنی (بکسر المیم) اور مُنی (بضم المیم) دونوں طرح درست ہے۔ آنحضرت ﷺ آٹھ ذی الحجہ کو منی تشریف لے گئے اور ظہر تا فجر پانچ نمازیں وہاں پڑھیں، پھر نو ذی الحجہ کی صبح کو عرفات تشریف لے گئے، منی کے اس قیام کا

مناسک میں بہت زیادہ دخل نہیں، اگر کوئی مکہ سے یا میقات سے سیدھا عرفات چلا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ آپؐ نے منیٰ میں قیام اس لئے فرمایا تھا کہ سب لوگ مکہ سے یہاں آ کر جمع ہوجائیں اور ۹ ذی الحجہ کو سب ایک ساتھ عرفہ جائیں، اگر آپ مکہ سے سیدھے عرفات جاتے تو شام تک لوگ آتے رہتے اور بہت سے لوگ شام تک بھی نہ پہنچ سکتے، اس لئے آپؐ آٹھ تاریخ کو منیٰ تشریف لے گئے تا کہ سب وہاں جمع ہوجائیں، اور یہ ایسی ہی مصلحت ہے جس کے تحت آپؐ نے ذوالحلیفہ میں رات گذاری ہے، پس اگر کوئی منیٰ نہ جائے اور نو ذی الحجہ کو سیدھا عرفات چلا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

حدیث (۱): ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہمیں نبی ﷺ نے منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پڑھائیں، پھر ۹ کی صبح عرفات تشریف لے گئے۔

وضاحت: یہ حدیث اسماعیل بن مسلم کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر یہ مضمون کہ آٹھ ذی الحجہ میں پورے دن آپؐ نے منیٰ میں قیام فرمایا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔

حدیث (۲): ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر تا فجر پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھیں پھر نو کی صبح عرفات تشریف لے گئے۔

وضاحت: اس حدیث میں انقطاع ہے اس لئے کہ حکم بن عتیبہ نے مقسم سے صرف پانچ حدیثیں سنی ہیں اور یہ حدیث ان میں نہیں ہے، اور وہ پانچ حدیثیں جو حکم نے مقسم سے سنی ہیں: وتر، قنوت، حرم میں شکار کرنے کی جزاء، طلاق کا ارادہ کرنے اور حائضہ سے صحبت کرنے کا گناہ اور اس کے کفارہ کے سلسلہ میں ہیں (تہذیب ۲: ۴۳۴)

[۵۰] باب ماجاء في الخروج إلى مِنى والمقام بها

[۸۶۷-] حدثنا أَبُوْ سعيدٍ الْأَشَجُّ، نا عبدُاللهِ بنُ الْأَجْلَحِ، عن إسماعيلَ بنِ مُسْلِمٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عن ابنِ عبّاسٍ قال: صَلّٰى بِنَا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِمِنى الظُّهْرَ، والعَصْرَ، وَالْمَغْرِبَ، والْعِشَاءَ، وَالْفَجْرَ، ثُمَّ غَدَا إِلٰى عَرَفَاتٍ.

قال أبو عيسى: وإسماعيلُ بنُ مُسْلِمٍ قَدْ تُكُلِّمَ فِيْهِ.

[۸۶۸-] حدثنا أبو سعيدٍ الْأَشَجُّ، نا عبدُ اللّٰهِ بنُ الأجلحِ، عنِ الْأَعْمَشِ، عنِ الْحَكَمِ، عن مِقْسَمٍ، عنِ ابنِ عبّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم صَلّٰى بِمَنى الظُّهْرَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ غَدَا إِلَى عَرَفَاتٍ.

وفي الباب: عن عبدِ اللهِ بنِ الزُّبَيْرِ، وأنسٍ.

قال أبو عيسى: حديثُ مِقْسَمٍ عن ابنِ عبّاسٍ: قال عليُّ بنُ المَدِيْنِيِّ، قال: يَحْيىَ: قال شُعْبَةُ: لَمْ يَسْمَعِ الحَكَمُ مِنْ مِقْسَمٍ إِلاَّ خَمْسَةَ أشْياءَ، وَعَدَّهَا، وَلَيْسَ هذا الحديثُ فِيمَا عَدَّ شُعْبَةُ.

بابُ ماجاءَ أَنَّ مِنَى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ

منی میں جو پہلے پہنچے وہ اس کی جگہ ہے

حجۃ الوداع میں صحابہ کرام نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ منی میں تین چار دن قیام فرمائیں گے۔ پس کیوں نہ ہم آپ کے لئے منی میں کوئی پختہ عمارت بنادیں جہاں آپ ٹھہریں؟ آپ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا: ”منی اس شخص کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے جو وہاں پہلے پہنچے“ چنانچہ آپ کے لئے منی میں پہلے سے کوئی انتظام نہیں کیا گیا جہاں جگہ مل گئی وہاں آپ کا خیمہ کھڑا کردیا گیا۔ اس حدیث کی وجہ سے آج بھی منی میں عمارت بنانے کا رواج نہیں۔ معلم وقتی طور پر خیمے کھڑے کردیتے ہیں اور حجاج ان میں قیام کرتے ہیں، اور بے شمار مخلوق اِدھر اُدھر اور راستوں میں پڑی رہتی ہے اور پولیس والے ان کو نہیں ہٹاتے، کیونکہ حدیث ہے: مِنی مُناخ من سبق اور جو لوگ راستوں میں پڑے رہتے ہیں ان کی وجہ سے نظام خراب ہوجاتا ہے اور ہر سال منی میں جو حاجی مرتے ہیں اس کا سبب وہی بنتے ہیں، حالانکہ مِنی مُناخ من سبق کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انتظام درست کرنے کے لئے بھی ان کو نہ ہٹایا جائے، نظام کو صحیح اور درست رکھنے کے لئے اور جانوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے راستوں سے لوگوں کو ہٹانا جائز ہے، بلکہ ضروری ہے۔

[۵۱] باب ماجاء أن منى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ

[۸۶۹-] حدثنا يُوْسُفُ بنُ عيسىٰ، ومُحمدُ بنُ أَبَانَ، قالاَ: نَا وَكِيْعٌ، عن إِسْرَائِيْلَ، عن إبراهيمَ بنِ مُهَاجِرٍ، عن يُوْسُفَ بنِ مَاهَكَ، عن أُمِّهِ مُسَيْكَةَ، عن عائشةَ قالتْ: قُلْنَا يَارسولَ اللهِ! أَلاَ نَبْنِي لَكَ بِنَاءً يُظِلُّكَ بِمنىً؟ قال: ”لا: مِنَى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ“

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ.

وضاحت: مُسیکۃ مجہولہ ہیں اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کو صرف حسن کہا ہے مگر مصری نسخہ میں صحیح بھی ہے اور وہی نسخہ صحیح ہے اس لئے کہ صحابہ سے روایت کرنے والے تابعین کے پہلے طبقہ کے احوال اگر پردۂ خفا میں رہ جائیں تو اس سے صرف نظر کی جاتی ہے، چنانچہ خود امام ترمذیؒ نے سورِ ہرۃ کے باب میں جو حدیث ہے اس کو حسن صحیح کہا ہے حالانکہ اس میں حمیدہ اور کبشہ مجہولہ ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ تَقْصِیْرِ الصَّلَاۃِ بِمِنًی

منی میں نمازیں قصر پڑھنے کا بیان

مذاہبِ فقہاء: ایامِ حج میں منی، عرفات اور مزدلفہ میں رباعی نمازیں قصر پڑھی جائیں گی یا پوری؟ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے بھی حج کا احرام باندھا ہے وہ رباعی نمازیں قصر پڑھے گا۔ خواہ مسافر ہو یا مقیم، امام مالکؒ کے نزدیک حج کے دنوں میں قصر: مناسک میں شامل ہے، باقی فقہاء کے نزدیک قصر: مناسک میں شامل نہیں، پس قصر کا جو اصول ہے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا، جو شخص مسافر ہے وہ قصر کرے گا اور جو مقیم ہے وہ پوری نماز پڑھے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے منی وغیرہ میں رباعی نمازیں قصر پڑھائی تھیں، اور کسی نماز میں اعلان نہیں کیا تھا کہ ''امام مسافر ہے، مقیم اپنی نماز پوری کرلیں'' حالانکہ ایسا اعلان کرنے کا معمول تھا، پس یہ قرینہ ہے کہ قصر: حج کی وجہ سے تھا، ائمہ ثلاثہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ میں تین دن نمازیں قصر پڑھائی تھیں اور وہاں اعلان ہوا تھا، اس لئے لوگ مسئلہ جان گئے تھے اور امام کا حال بھی جان گئے تھے اس لئے بار بار اعلان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں منی وغیرہ میں نماز پوری پڑھانی شروع کی اور لوگوں میں بے چینی پیدا ہوئی تو انھوں نے یہ عذر بیان کیا کہ ''میں نے مکہ کے قریب نکاح کرلیا ہے، میں مدینہ سے سیدھا سسرال آتا ہوں، پھر وہاں سے ایک ماہ کے بعد مکہ آتا ہوں اس لئے میں مسافر نہیں ہوتا'' یہ معذرت دلیل ہے کہ منی وغیرہ میں قصر: سفر کی وجہ سے ہے، مناسک میں داخل نہیں۔

فائدہ (۱): حرمین شریفین کی حکومت مالکیہ کی رعایت میں امیر الحج مسافر کو بناتی ہے، وہ عرفات اور مزدلفہ میں نمازیں قصر پڑھاتا ہے پیچھے مقتدیوں کو جو سمجھنا ہے سمجھیں، یہ بہت اچھی بات ہے، مگر رمضان میں وتر میں احناف کی رعایت نہیں کرتے، احناف کے نزدیک وتر کی تینوں رکعتیں ایک سلام سے پڑھنی ضروری ہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ایک رکعت علحدہ پڑھنا صرف افضل ہے، تینوں رکعتیں ایک سلام بھی جائز ہیں، پس حرمین کے ائمہ کو چاہئے کہ احناف کی رعایت میں ایک سلام سے وتر پڑھیں تاکہ احناف کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہو، اب تو احناف کو یہ پریشانی ہے کہ حرم شریف کی جماعت میں شامل ہوتے ہیں تو ان کے وتر صحیح نہیں ہوتے اور بیٹھے رہتے ہیں تو مسلمانوں کا کلمہ متفرق ہوتا ہے، اور اعادہ کرنا ہر کسی کے لئے دشوار ہے، پس کیا اچھا ہو کہ حرم کے ائمہ اپنے مذہب کے افضل کو چھوڑ کر ایک سلام سے وتر کی تینوں رکعتیں پڑھیں تاکہ سب کو سہولت ہو جائے جیسا کہ وہ حج میں کرتے ہیں۔

فائدہ (۲): آج کل ایک مسئلہ یہ بھی زیر بحث ہے کہ منی: مکہ میں داخل ہے یا خارج؟ چند سال پہلے مکہ مکرمہ میں

مدرسہ صولتیہ میں ہندو پاک کے چند اکابرین کا اجتماع ہوا اور اس میں طے کیا گیا کہ اب منیٰ: مکہ میں داخل ہو چکا ہے، پس مقیم و مسافر ہونے میں نزولِ منیٰ سے پہلے مکہ کی مدت اقامت ہی کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ منیٰ، عرفات اور منیٰ کا قیام اور اس کے بعد مکہ کے قیام کا مجموعہ دیکھا جائے گا، اگر ۱۵ دن ہو جائے تو حاجی مقیم ہو گیا، ورنہ نہیں۔ اور اس فیصلہ کا مدار دو باتوں پر تھا: ایک ابنیۂ مکہ کا منیٰ کے ساتھ اتصال، دوسری: منیٰ کا مکہ کی فناء ہونا۔ مگر دوسری رائے یہ ہے کہ ابنیہ کا اتصال ابنیہ کے ساتھ ہونا چاہئے، جبکہ منیٰ صحراء ہے اور منیٰ: مکہ کی فناء نہیں ہو سکتا، کیونکہ فناء وہ جگہ ہے جو شہر کی مصالح کے لئے ہو، اور منیٰ، مزدلفہ اور عرفات: مناسک کی جگہیں ہیں، وہ مکہ کے مصالح کے لئے نہیں ہیں، اس لئے چاہے ابنیہ کا اتصال ہو گیا ہو، سفر و اقامت میں ان کا قیام محسوب نہیں ہوگا، میری ناقص رائے یہی ہے۔

[۵۲] باب ماجاء فی تقصیر الصلاۃ بمنی

[۸۷۰-] حدثنا قُتَیْبَةُ، نا أبو الْأَحْوَصِ، عن أبی إسحاق، عَنْ حَارِثَةَ بنِ وَهْبٍ، قالَ: صَلَّیْتُ مَعَ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِمِنًی آمَنَ مَاکَانَ النَّاسُ وَأَکْثَرَہُ رَکْعَتَیْنِ.

وفی الباب: عنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وابنِ عُمَرَ، وأنسٍ، قال أبو عیسی: حدیثُ حَارِثَةَ بنِ وَهْبٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

[۸۷۱-] وَرُوِیَ عن ابنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّهُ قَالَ: صَلَّیْتُ مَعَ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِمنیً رَکْعَتَیْنِ، ومَعَ أَبِی بَکْرٍ، وَمَعَ عُمَرَ، ومَعَ عُثْمَانَ رَکْعَتَیْنِ صَدْرًا مِنْ إِمَارَتِهِ.

وقَدْ اختَلَفَ أهلُ العلمِ فِیْ تَقْصِیْرِ الصَّلاَةِ بمنی لِأَهْلِ مَکَّةَ: فقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: لَیْسَ لِأَهْلِ مَکَّةَ أَنْ یَقْصُرُوا الصَّلاَةَ بِمَنًی إِلاَّ مَنْ کَانَ بِمنیً مُسَافِرًا، وَهُوَ قَوْلُ ابنِ جُرَیْجٍ، وَسُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ، ویَحیَی بنِ سَعِیدٍ القَطَّانِ، والشافعیِّ وأحمدَ، وإسحاقَ، وقالَ بَعْضُهُمْ: لَابَأْسَ لِأَهْلِ مَکَّةَ أَنْ یَقْصُرُوا الصَّلاَةَ بمنیً، وَهُوَ قَوْلُ الْأَوْزَاعِیِّ، ومَالِكٍ، وسُفْیَانَ بنِ عُیَیْنَةَ، وعبدِ الرحمنِ بنِ مَهْدِیٍّ.

ترجمہ: حضرت حارثہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ منیٰ میں (رباعی نمازیں) دو دو رکعتیں پڑھیں جبکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اطمینان حاصل تھا اور لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں تھے (یعنی کسی کافر کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں تھا، لوگ نہایت اطمینان سے تھے اور ایک لاکھ سے زائد جمع تھے جن کو کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: میں نے نبی ﷺ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں، اور ابو بکرؓ کے ساتھ اور عمرؓ کے ساتھ اور عثمانؓ کے ساتھ ان کی خلافت کے شروع کے سالوں میں دو رکعتیں پڑھیں ——

اور مکہ کے باشندے منیٰ میں قصر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں: اہل مکہ کے لئے منیٰ

میں قصر کرنا جائز نہیں، ہاں جو شخص منی میں مسافر ہو (وہ نماز قصر کرے) اور یہ ابن جریج، ثوری، یحییٰ قطان، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں: اہل مکہ کے لئے بھی منی میں قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور یہ اوزاعی، مالک، ابن عیینہ اور ابن مہدی کا قول ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الوُقُوْفِ بِعَرَفَاتٍ وَالدُّعَاءِ فِیْهَا

وقوفِ عرفہ اور اس میں دعا کا بیان

۹ ذی الحجہ کو عرفات میں جانا ہوتا ہے، وہاں زوال تک کوئی کام نہیں۔ زوال کے بعد امام ظہر وعصر ایک ساتھ پڑھاتا ہے اس کے بعد وقوف شروع ہوتا ہے لوگ عرفہ کے کاموں میں یعنی ذکر واذکار، نوافل وتلاوت وغیرہ میں مشغول ہوجاتے ہیں، اور عرفہ کے کاموں میں سب سے اہم دعا ہے۔

وقوفِ عرفہ کا وقت ذی الحجہ کی نو تاریخ کے زوال سے اگلے دن کی صبح صادق تک ہے، پھر امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ پورا وقت یکساں ہے جو شخص نو کے زوال سے اگلے دن کی صبح صادق تک کسی بھی وقت حج کا احرام باندھ کر عرفات میں آگیا اس کا حج ہوگیا، اور دیگر ائمہ کے نزدیک دن کے ساتھ رات کا ایک حصہ ملانا بھی ضروری ہے اور رات کی دن سے زیادہ اہمیت ہے، پھر احناف اور شوافع کے نزدیک اگر کسی نے صرف دن کا وقوف کیا اور رات کا کوئی حصہ اس کے ساتھ نہیں ملایا یعنی سورج غروب ہونے سے پہلے عرفات سے نکل آیا تو اس پر دم واجب ہے، اور اگر رات میں وقوف کیا اور دن کا کوئی حصہ اس کے ساتھ نہیں ملایا تو کچھ واجب نہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر صرف دن میں وقوف کیا، اور غروب سے پہلے عرفات سے نکل آیا تو اس کا حج نہیں ہوا، اور اگر صرف رات میں وقوف کیا اور دن میں وقوف نہیں کیا تو حج صحیح ہوگیا مگر دم واجب ہے۔

حدیث (۱): یزید بن شیبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمارے پاس ابن مربع الانصاری آئے، ہم عرفات میں ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے، عمرو بن عبداللہ نے اس جگہ کو دور بتایا یعنی جہاں حضرت شیبان ٹھہرے ہوئے تھے وہ جگہ آنحضور ﷺ کی جائے قیام سے دور تھی، ابن مربع الانصاری نے آکر کہا: میں آپ لوگوں کے پاس اللہ کے رسول ﷺ کا بھیجا ہوا ہوں، آپ فرمارہے ہیں کہ آپ لوگ مشاعر کے قریب آئیں (مشاعر اور مناسك مترادف لفظ ہیں، یعنی حج کی جو جگہیں ہیں وہاں آکر ٹھہریں) اس لئے کہ تم ابراہیم علیہ السلام کے طریقوں میں سے ایک طریقہ پر ہو۔

تشریح: آنحضور ﷺ نے عرفات میں ظہر وعصر ایک ساتھ پڑھائی تھیں، جہاں آپؐ نے نماز پڑھائی تھی وہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے جس کا نام مسجد نمرۃ ہے، نماز سے فارغ ہوکر آپؐ اونٹ پر سوار ہوکر جبل رحمت کے پاس تشریف لے گئے، اور اس کے دامن میں وقوف فرمایا اور غروب تک اونٹ ہی پر تشریف فرما رہے، لوگوں کو مختلف ہدایتیں دینا، غریبوں کی

ضرورتیں پوری کرنا، لوگوں کو مسائل بتانا سب کام اونٹ پر ہی کر رہے تھے اور ساتھ ہی ذکر و دعا میں بھی مشغول تھے، یزید بن شیبان اور ان کے ساتھی کہیں دور ٹھہرے ہوئے تھے، عرفات کا میدان بہت وسیع ہے اور پورا میدان موقف (ٹھہرنے کی جگہ) ہے مگر جبلِ رحمت کے قریب وقوف کرنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حج کیا تھا تو وہ جبل رحمت کے دامن میں ٹھہرے تھے اور حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہوتا ہے، اس لئے آنحضور ﷺ نے بھی وہیں وقوف کیا تھا، آپؐ نے ابن مربع انصاری کو یزید بن شیبان وغیرہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ وہ جبل رحمت کے قریب آئیں، اس لئے کہ حج موروثی عبادت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا۔

حدیث (۲): قریش اور وہ لوگ جو قریش کے دھرم پر تھے "حُمس" کہلاتے تھے، وہ مزدلفہ ہی میں ٹھہر جاتے تھے، عرفہ میں نہیں جاتے تھے اور کہا کرتے تھے: "ہم اللہ کے گھر کے باسی ہیں" اور دوسرے لوگ عرفہ میں جاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "پھر تم لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں"

تشریح: زمانہ جاہلیت میں حج میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں ان میں سے ایک خرابی یہ تھی کہ قریش اور جو لوگ قریش کے دین پر تھے وہ منی سے چل کر مزدلفہ میں رک جاتے تھے، وہ عرفات میں نہیں جاتے تھے، باقی سب لوگ عرفات میں جا کر واپس لوٹتے تھے، قریش کہتے تھے: ہم حُمس (دین میں ٹھوس مضبوط) ہیں اور ہم قطین اللہ (اللہ کے گھر کے باسی) ہیں پس ہم حرم سے نہیں نکلیں گے (حالانکہ وہ تجارت کے لئے شام اور یمن کے سفر کرتے تھے) چنانچہ یہ رسم ختم کرنے کے لئے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۹ نازل ہوئی اور حکم دیا گیا: "پھر تم وہاں سے لوٹو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں" چنانچہ آپ ﷺ منی سے عرفات گئے، وہاں سے مزدلفہ پھر منی واپس آئے۔

[۵۳] باب ماجاء فی الوقوف بعرفاتٍ والدعاءِ فیها

[۸۷۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ عبدِ اللهِ بنِ صَفْوَانَ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ شَيْبَانَ، قالَ: أَتَانَا ابنُ مِرْبَعِ الأَنْصارِيُّ، وَنَحْنُ وُقُوْفٌ بِالْمَوْقِفِ، مكاناً يُبَاعِدُهُ عَمْرٌو، فقالَ: إِنِّيْ رسولُ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِلَيْكُمْ، يقولُ: "كُوْنُوْا على مَشَاعِرِكُمْ فَإِنَّكُمْ عَلٰى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ إِبْرَاهِيْمَ"

وفي الباب: عن عليٍّ، وعائشةَ، وجُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ، والشَّرِيْدِ بنِ سُوَيْدٍ الثَّقَفِيِّ.

قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ مَرْبَعٍ حديثٌ حسنٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ ابنِ عُيَيْنَةَ، عن عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، وابنُ مِرْبَعٍ: اسْمُهُ يَزِيْدُ بنُ مِرْبَعٍ الأَنْصارِيُّ، وَإِنَّمَا يُعْرَفُ لَهُ هٰذَا الحديثُ الوَاحِدُ.

[۸۷۳-] حدثنا محمدُ بنُ عبدِ الأَعْلٰى الصَّنْعَانِيُّ البَصْرِيُّ، نا محمدُ بنُ عبدِ الرحمنِ الطُّفَاوِيُّ، نا هِشَامُ بنُ عُرْوَةَ، عن أَبِيْهِ، عن عائشةَ، قَالَتْ: كانتْ قُرَيْشٌ ومَنْ كَانَ على دِيْنِهَا، وَهُمُ الْحُمْسُ،

يَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ، يَقُوْلُوْنَ: نَحْنُ قَطِيْنُ اللّٰهِ، وكَانَ مَنْ سِوَاهُمْ يَقِفُوْنَ بِعَرَفَةَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿ثُمَّ أَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾

قَالَ أبو عيسى: هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، ومَعْنَى هٰذَا الحديثِ أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ كَانُوْا لَايَخْرُجُوْنَ مِنَ الْحَرَمِ، وعَرَفَاتٌ خَارِجٌ مِنَ الْحَرَمِ، فَأَهْلُ مَكَّةَ كَانُوْا يَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَيَقُوْلُوْنَ نَحْنُ قَطِيْنُ اللّٰهِ يَعْنِي سُكَّانَ اللّٰهِ، وَمَنْ سِوَى أَهْلِ مَكَّةَ كَانُوْا يَقِفُوْنَ بِعَرَفَاتٍ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿ثُمَّ أَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ والحُمْسُ: هُمْ أَهْلُ الْحَرَمِ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: ابن مربع کی حدیث کو ہم نہیں جانتے مگر ابن عیینہ کی سند سے، یعنی عمرو بن دینار سے روایت کرنے والے تنہا ابن عیینہ ہیں اور ابن مربع کا نام یزید بن مربع انصاری ہے اور ان سے یہی ایک حدیث مروی ہے ــــ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ حرم سے نہیں نکلتے تھے اور عرفات حرم سے باہر ہے، اور اہل مکہ مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور کہا کرتے تھے: ہم اللہ کے گھر کے رہنے والے ہیں اور اہل مکہ کے سواء سب لوگ عرفات میں جاتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: پھر تم لوٹو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں۔ اور حُمس حرم والے ہیں (یہ مصداق بیان کیا ہے حُمس کے لغوی معنی بیان نہیں کئے اس کے معنی ہیں: دین میں ٹھوس اور مضبوط)

بَابُ مَاجَاءَ أَنَّ عَرَفَةَ كُلَّهَا مَوْقِفٌ

عرفہ کا پورا میدان وقوف کی جگہ ہے

عرفہ بہت وسیع میدان ہے اور پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اس پورے میدان میں کہیں بھی وقوف کیا جاسکتا ہے، مگر اصل موقف جبل رحمت ہے اس لئے کہ حج موروثی عبادت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل رحمت کے دامن میں وقوف کیا تھا اور ان کی اتباع میں آنحضور ﷺ نے بھی وہیں وقوف کیا تھا اور یزید بن شیبانؓ وغیرہ وہاں سے کچھ دور ٹھہرے تھے تو آپؐ نے آدمی بھیج کر ان کو قریب بلا لیا تھا، مگر اب چونکہ ہر سال لاکھوں آدمی حج کرتے ہیں اور وہ سب جبل رحمت کے قریب نہیں ٹھہر سکتے اس لئے پریشانی سے بچنے کے لئے اور عبادت میں یکسوئی حاصل کرنے کے لئے میں تو جبل رحمت کے قریب جانے کی کوشش نہیں کرتا، خیمہ ہی میں وقوف کرتا ہوں تاکہ دلجمعی کے ساتھ عرفہ کے کاموں میں مشغول رہ سکوں۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ میں (جبل رحمت کے دامن میں) وقوف کیا اور فرمایا: "یہ عرفہ ہے اور یہ وقوف کرنے کی جگہ ہے اور پورا عرفہ وقوف کرنے کی جگہ ہے" پھر آپ عرفہ سے واپس لوٹے جبکہ سورج غروب ہوگیا (أَفَاض کے لغوی معنی ہیں: لوٹنا، مگر یہ لفظ عرفہ سے لوٹنے کے لئے خاص ہوگیا

ہے) اور حضرت اسامہؓ کو (اونٹ پر) اپنے پیچھے بٹھالیا، اور آپؐ دست مبارک سے اشارہ کرتے تھے کہ باطمینان چلو (هِيْنَتِهِ کا تلفظ مختلف طریقوں سے کیا گیا ہے، بہتر هِيْنَتِهِ ہے) اور لوگ دائیں بائیں اونٹوں کو مار رہے تھے (تاکہ جلدی مزدلفہ پہنچیں) آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور زبان مبارک سے فرماتے تھے: لوگو! سکینت کو لازم پکڑو، پھر آپؐ مزدلفہ میں آئے (لفظ جَمْعٌ مزدلفہ کے لئے خاص ہے) اور وہاں لوگوں کو مغرب اور عشاء ایک ساتھ پڑھائیں (نماز پڑھ کر آپؐ سو گئے اور اس رات آپؐ نے بالقصد تہجد نہیں پڑھا) پھر جب صبح ہوئی تو (اول وقت میں فجر کی نماز پڑھائی اور) جبل قزح کے پاس آئے اور اس کے دامن میں وقوف کیا یعنی وہاں دعائیں وغیرہ کیں اور فرمایا: ''یہ جبل قُزح ہے اور یہ موقف ہے اور مزدلفہ کا پورا میدان موقف ہے'' پھر (جب طلوع شمس میں پانچ دس منٹ باقی رہ گئے تو) آپؐ (منی کی طرف) واپس لوٹے، یہاں تک کہ وادی محسّر میں پہنچ گئے، پس آپؐ نے اونٹنی کو تیز کر دیا، پس اونٹنی ہلکی ہلکی دوڑنے لگی یہاں تک کہ آپ وادی سے نکل گئے (جب آپؐ وادی سے نکلے تو دیکھا کہ فضل بن عباسؓ پیدل جارہے ہیں) آپؐ نے اونٹنی بٹھائی اور فضل کو پیچھے بٹھالیا، پھر جمرۂ عقبہ پر پہنچے اور اس کو کنکریاں ماریں، پھر قربان گاہ میں آئے اور فرمایا: ''یہ قربان گاہ ہے اور منی پورا قربان گاہ ہے'' (بلکہ پورا حرم قربان گاہ ہے کہیں بھی قربانی کی جاسکتی ہے) اور آپؐ سے قبیلۂ خثعم کی ایک نوجوان عورت نے مسئلہ پوچھا، اس نے کہا: میرے ابا بوڑھے ہوگئے ہیں اور ان کو اللہ کے فریضہ نے پالیا ہے (یعنی ان پر حج فرض ہوگیا ہے مگر اب ان میں حج کرنے کی استطاعت نہیں رہی تو) کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اور آپؐ نے فضل بن عباس کی گردن کو پھیر دیا (جب وہ عورت مسئلہ پوچھ رہی تھی تو فضل بھی اس کو دیکھ رہے تھے اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اس لئے آپؐ نے ہاتھ سے فضل کا چہرہ دوسری جانب گھمادیا تاکہ اس کو نہ دیکھیں) حضرت عباس رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، کسی موقعہ پر انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اپنے بھتیجے کی گردن کیوں پھیر دی تھی؟ آپؐ نے فرمایا: ''میں نے دیکھا لڑکا بھی جوان ہے اور لڑکی بھی، پس مجھے دونوں پر شیطان کا اندیشہ ہوا (اس لئے میں نے گردن پھیر دی تاکہ شیطان ان کا حج خراب نہ کرے) پھر آپؐ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! میں نے حلق کروانے سے پہلے طواف زیارت کرلیا، آپؐ نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں اب حلق کرلو'' یا فرمایا: ''کوئی بات نہیں اب بال کتروالو'' راوی کہتا ہے: اور ایک دوسرا شخص آیا اس نے کہا: یارسول اللہ! میں نے جمرۂ عقبہ کی رمی سے پہلے قربانی کرلی آپؐ نے فرمایا: ''کوئی بات نہیں اب رمی کرلو'' راوی کہتا ہے: پھر آپؐ کعبہ شریف کے پاس آئے اور اس کا طواف کیا (یہ طواف زیارت تھا) پھر زمزم کے کنویں پر آئے، اور فرمایا: ''اے بنو عبد المطلب! (سقایہ کی خدمت آپؐ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سپرد کی تھی وہ خود اور ان کی اولاد اور ان کے غلام حاجیوں کو کنویں سے کھینچ کھینچ کر زمزم پلاتے تھے) اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے تو میں خود کنویں سے زمزم کھینچ کر پیتا'' (یعنی اگر میں ایسا کروں

گا تو میری اتباع میں سب لوگ خود کھینچ کر پانی پینے کی کوشش کریں گے اور تمہیں جو خدمت سپرد کی گئی ہے وہ تمہارے ہاتھ سے چلی جائے گی، اس لئے میں خود کھینچ کر زمزم نہیں پی رہا تمہیں مجھے پلاؤ)

تشریح

۱-مزدلفہ کی طرف سے جب عرفات کے میدان میں داخل ہوتے ہیں تو پہلے ایک برساتی نالہ آتا ہے یہ بطن عُرنہ کہلاتا ہے اس کے بعد عرفہ کا میدان ہے بطن عُرنہ میں وقوف کرنا جائز نہیں، اگر کوئی وہاں وقوف کرے گا تو حج نہیں ہوگا، اور مزدلفہ سے منی کی طرف آتے ہوئے درمیان میں ایک میدان ہے اس کا نام وادی محسر ہے اس میں بھی وقوف کرنا جائز نہیں اور وادی محسر سے آنحضور ﷺ تیزی کے ساتھ کیوں گذرے تھے؟ اس کی وجہ معلوم نہیں اور جو مشہور ہے کہ اصحاب فیل یہاں ہلاک ہوئے ہیں: یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ اصحاب فیل حرم میں داخل نہیں ہوئے تھے اس سے پہلے ہی ہلاک کردیئے گئے تھے اور منی، مزدلفہ اور وادی محسر سب حرم میں ہیں۔

۲-اس حدیث سے چند مسئلے نکلتے ہیں:

(الف) عورت احرام میں چہرہ نہیں چھپائے گی اس کا احرام چہرے میں ہے۔ تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

(ب) عورت کے لئے اگر مجبوری ہو اور وہ پردہ نہ کرسکتی ہو تو مرد پر پردہ کرنا یعنی نظریں پھیر لینا واجب ہے، آنحضور ﷺ نے اسی وجہ سے حضرت فضل کی گردن پھیری تھی۔

(ج) وہ مرد جس سے معاملہ متعلق ہے عورت کو دیکھ سکتا ہے مثلاً عورت بیمار ہے اور وہ ڈاکٹر کو اپنے بدن کا وہ حصہ جسے چھپانا ضروری ہے دکھا رہی ہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے اور ڈاکٹر بھی دیکھ سکتا ہے اس کے لئے بھی مجبوری ہے، مگر وہاں جو دوسرے لوگ بیٹھے ہیں ان کے لئے کوئی مجبوری نہیں، پس ان پر نظریں پھیر لینا واجب ہے۔

(د) احرام میں اگر بیوی ساتھ ہے تو زن وشوئی کے معاملات کا تصور بھی دل میں نہیں لانا چاہئے یہ بھی ایک درجہ میں رفث ہے اس سے بھی حج میں نقصان آتا ہے اور غیر عورت کے بارے میں دل میں کوئی خیال لانا تو نہایت سخت بات ہے۔ اس لئے آنحضور ﷺ نے حضرت فضلؓ کا چہرہ پھیر دیا کیونکہ دونوں جوان تھے، شیطان کسی کے بھی دل میں کوئی وسوسہ ڈال سکتا تھا۔

(ہ) آپؐ نے جو حضرت فضل کا چہرہ گھما دیا تھا تو حضرت عباسؓ نے اس کی وجہ پوچھی تھی، کیونکہ احکام کو سمجھ کر اخذ کرنا ضروری ہے، قرآن میں ہے: ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ حکمت سے مراد احکام کی یہی مصلحتیں ہیں۔

۳-دس ذی الحجہ کو حاجی کو چار کام کرنے ہوتے ہیں، اول: جمرۂ عقبہ کی رمی، دوم: اگر حاجی قارن یا متمتع ہے تو قربانی کرنا (مفرد پر قربانی واجب نہیں، مستحب ہے) سوم: حلق یا قصر کرانا، چہارم: طواف زیارت کرنا۔ طواف زیارت میں اور باقی تین کاموں میں ترتیب بالاجماع سنت ہے واجب نہیں، اور باقی تین کاموں میں ترتیب واجب

ہے یا سنت؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہے، پس اگر کوئی ان میں تقدیم وتاخیر کردے تو کوئی حرج نہیں، اور احناف کے نزدیک ترتیب واجب ہے اگر آگے پیچھے کردے گا تو دم واجب ہوگا، اور حدیث باب میں جو دو مسئلے ہیں ان میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ طواف زیارت پہلے کرلیا، حلق بعد میں کیا تو بالا جماع اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ طواف زیارت میں اور باقی تین کاموں میں بالا جماع ترتیب سنت ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ پہلے قربانی کرلی، پھر رمی کی تو یہ بھی اختلافی مسئلہ نہیں ہے جبکہ سائل مفرد ہو، البتہ اگر سائل قارن یا متمتع ہو تو اس پر قربانی واجب ہے، مگر اب یہ بات معلوم نہیں ہوسکتی کہ سائل مفرد تھا یا متمتع یا قارن اس لئے اس حدیث سے بھی وجوب ترتیب کے قائلین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا، مزید تفصیل آئے گی۔

۴۔ قصر کا مفہوم سر کے تھوڑے تھوڑے بال کتروانا نہیں ہے، اگرچہ اس سے بھی احرام کھلتا ہے بلکہ قصر کا مطلب ہے: پٹھے کٹوانا، زلفیں بنوانا یعنی پیچھے سے بال کٹوانا، قصر میں لمبائی میں کم از کم ایک انملہ اور مقدار میں چوتھائی سر کے برابر بال کٹنے ضروری ہیں، اس سے کم بال کٹوانے سے احرام نہیں کھلے گا، اور عورت کے لئے حلق کرانا حرام ہے وہ قصر کرائے گی اور اس کے لئے بھی لمبائی میں ایک انملہ اور مقدار میں ربع رأس کے بال کٹنے ضروری ہیں، بعض عورتوں کی چوٹی آخر میں پتلی ہوجاتی ہے ان کو تھوڑے اوپر سے بال کاٹنے چاہئیں کیونکہ کٹے ہوئے بال اگر چوتھائی سر کے برابر نہیں ہیں تو احرام نہیں کھلے گا۔

۵۔ مذکورہ حدیث میں عبدالرحمن بن الحارث مدار حدیث ہیں ان سے اوپر ایک ہی سند ہے اور ان سے سفیان ثوری روایت کرتے ہیں اور ثوری سے روایت کرنے والے بہت ہیں۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں تہجد نہیں پڑھا تھا کیونکہ آپؐ بہت سے مستحب امور مجمع عام میں چھوڑ دیتے تھے تاکہ لوگ ان کو لازم نہ سمجھ لیں، جیسے آپؐ کا ہر فرض نماز کے لئے نئی وضو کرنے کا معمول تھا مگر فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے پانچ نمازیں: فجر تا عشاء ایک ہی وضو سے ادا فرمائیں، اور جب حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! آج آپؐ نے وہ کام کیا جو آپؐ کبھی نہیں کرتے تھے تو آپؐ نے فرمایا: ''عمر! قصداً میں نے ایسا کیا ہے'' (یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں گذر چکی ہے) اور اس ترک مستحب میں بھی حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ نو اور دس دونوں دن اعمال سے پُر ہیں اور جسم کا بھی ایک حق ہے جو مزدلفہ کی رات میں پورا کرنا چاہئے۔

[٥٤] باب ماجاء أن عرفة كُلَّها مَوْقِفٌ

[٨٧٤-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا أبو أحمدَ الزُّبَيْرِيُّ، نا سُفيانُ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ الحَارِثِ بنِ عَيَّاشِ بنِ أبي رَبِيْعَةَ، عن زَيْدِ بنِ عليٍّ، عن أبِيهِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بنِ أَبِي رَافِعٍ، عن عليِّ بنِ أَبِي طَالِبٍ، قالَ: وَقَفَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِعَرَفَةَ، فقالَ: '' هٰذِهِ عَرَفَةُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ، وَعَرَفَةُ

كُلُّهَا مَوْقِفٌ" ثُمَّ أَفَاضَ حِيْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ، وأَرْدَفَ أُسَامَةَ بنَ زَيْدٍ، وَجَعَلَ يُشِيْرُ بِيَدِهِ على هِيْنَتِهِ، وَالنَّاسُ يَضْرِبُوْنَ يَمِيْنًا وَشِمَالاً، يَلْتَفِتُ إِلَيْهِمْ وَيقولُ:" يَاأَيُّهَا النَّاسُ! عَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ" ثُمَّ أَتَى جَمْعًا فَصَلَّى بِهِمُ الصَّلاَتَيْنِ جَمِيْعًا، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى قُزَحَ وَوَقَفَ عليهِ، وقال:" هٰذا قُزَحُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ" ثُمَّ أَفَاضَ حتى انْتَهَى إلى وَادِي مُحَسِّرٍ فَقَرَعَ نَاقَتَهُ، فَخَبَتْ حتى جَاوَزَ الْوَادِيَ، فَوَقَفَ وأَرْدَفَ الفَضْلَ، ثُمَّ أَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا، ثُمَّ أَتَى الْمَنْحَرَ، فقالَ:" هٰذا الْمَنْحَرُ وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ" واسْتَفْتَتْهُ جَارِيَةٌ شَابَّةٌ مِنْ خَثْعَمٍ فقالَتْ: إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيْرٌ قَدْ أَدْرَكَتْهُ فَرِيْضَةُ اللّٰهِ فِي الْحَجِّ، أَفَيُجْزِئُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ؟ قالَ:"حُجِّيْ عَنْ أَبِيْكِ" قال: وَلَوَى عُنُقَ الْفَضْلِ، فقالَ العَبَّاسُ يارسولَ اللهِ! لِمَ لَوَيْتَ عُنُقَ ابنِ عَمِّكَ؟ قالَ رَأَيْتُ شَابًّا وَشَابَّةً، فَلَمْ آمَنِ الشَّيْطَانَ عَلَيْهِمَا، فَأَتَاهُ رَجُلٌ فقالَ: يارسولَ اللهِ! إِنِّيْ أَفَضْتُ قَبْلَ أَنْ أَحْلِقَ، قالَ:" احْلِقْ وَلاَ حَرَجَ أَوْ: قَصِّرْ وَلاَ حَرَجَ" قال: وجاءَ آخَرُ فقالَ: يارسولَ اللّٰهِ إِنِّيْ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ؟ قالَ:" ارْمِ وَلاَ حَرَجَ" قال: ثُمَّ أَتَى البَيْتَ فطَافَ بِهِ، ثُمَّ أَتَى زَمْزَمَ فقالَ:" يَا بَنِي عبدِ الْمُطَّلِبِ! لَوْلاَ أَنْ يَغْلِبَكُمْ عليهِ النَّاسُ لَنَزَعْتُ"

وفي الباب: عن جابرٍ، قالَ أبو عيسى: حديثُ عَلِيٍّ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، لاَنَعْرِفُهُ مِنْ حديثِ عليٍّ إِلاَّ مِنْ هٰذَا الوَجْهِ مِنْ حديثِ عبدِ الرحمنِ بنِ الحَارِثِ بنِ عَيَّاشٍ، وقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الثَّوْرِيِّ مِثْلَ هٰذَا.

والعملُ على هذا عندَ أهلِ العلمِ قَدْ رَأَوْا أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ والعَصْرِ بِعَرَفَةَ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ، وقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ فِيْ رَحْلِهِ، وَلَمْ يَشْهَدِ الصَّلاَةَ مَعَ الإِمَامِ: إِنْ شَاءَ جَمَعَ هُوَ بَيْنَ الصَّلاَتَيْنِ مِثْلَ مَا صَنَعَ الإِمَامُ.

وَزَيْدُ بنُ عَلِيٍّ: هُوَ ابنُ حُسَيْنِ بنِ عَلِيِّ بنِ أبي طَالِبٍ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ عرفات میں ظہر اور عصر کے درمیان جمع کیا جائے اور بعض علماء کہتے ہیں: جب آدمی اپنے خیمہ میں نماز پڑھے اور وہ امام کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے حاضر نہ ہو تو اگر وہ چاہے تو ظہرین کے درمیان جمع کرے امام کے کرنے کی طرح، اور زید بن علی حضرت حسینؓ کے پوتے اور حضرت علیؓ کے پرپوتے ہیں ـــــ اور یہی وہ زید ہیں جن کی طرف شیعوں کا زیدی فرقہ منسوب ہے، شیعوں میں بہت فرقے ہیں اور یہ فرقہ اہل السنہ والجماعۃ سے اقرب ہے۔ نیل الاوطار کے مصنف علامہ شوکانی رحمہ اللہ کا تعلق اس زیدی فرقہ سے تھا۔

تشریح: عرفات میں ظہرین کو جمع کرنے کے لئے بالا جماع احرام شرط ہے اور امیر الموسم کی اقتداء میں نماز ادا کرنا شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، احناف کے نزدیک یہ بھی شرط ہے، لہٰذا جو شخص مسجد نمرۃ میں امام کے

پیچھے نماز ادا کرے گا وہی جمع بین الصلوتین کرسکتا ہے اور جو مردوزن اپنے خیموں میں نماز پڑھیں گے خواہ جماعت کے ساتھ پڑھیں یا تنہا پڑھیں ان کے لئے جمع کرنا جائز نہیں، کیونکہ ان کے لئے ہر نماز اس کے وقت میں پڑھنے میں، کوئی دشواری نہیں اور مسجد نمرۃ میں جمع بین الصلوتین کا حکم اس وجہ سے ہے کہ وہاں مجبوری ہے، اگر لوگ پہلے ظہر کی نماز مسجد میں اداء کریں گے پھر جبل رحمت پر وقوف کرنے کے لئے جائیں گے، پھر عصر کے وقت میں دوبارہ مسجد میں آکر عصر ادا کریں گے پھر جبل رحمت پر جا کر وقوف کریں گے تو سارا وقت آنے جانے میں خرچ ہو جائے گا، اس لئے شریعت نے مسجد نمرۃ میں جمع بین الصلوتین کی اجازت دی، اور جو اپنے خیمے میں نماز پڑھ رہا ہے اس کے لئے کیا مجبوری ہے؟ پس اس کے لئے جمع کرنے کی اجازت نہیں، دیگر فقہاء کے نزدیک ہر صورت میں جمع بین الصلوتین کرنا جائز ہے، خواہ امیر الموسم کی اقتداء میں نماز ادا کرے یا اپنے خیمے میں جماعت کے ساتھ پڑھے یا تنہا پڑھے ہر صورت میں جمع کرسکتا ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الإفَاضَةِ مِنْ عَرَفَاتٍ

عرفات سے لوٹنے کا بیان

گذشتہ باب میں جو طویل حدیث آئی ہے اس میں عرفات سے لوٹنے کا ذکر ہے، اور اس باب کی حدیث میں اگرچہ عرفات سے لوٹنے کا ذکر نہیں، مگر یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے، اور اس کے دیگر طرق میں یہ بات مذکور ہے، اس وجہ سے امام ترمذیؒ نے یہ حدیث اس باب میں ذکر کی ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے وادی محسّر میں سواری تیز کردی (أَوْضَعَ إیضاعًا کے معنی ہیں: الإسراع فی السیر تیز چلنا۔ سورۂ توبہ آیت ۴۷ میں ہے: ﴿وَلَأَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ﴾ (وہ گھوڑے دوڑاتے ہیں تم میں، چاہتے ہیں تمہارے درمیان فتنہ ڈالنا) اور حدیث میں بشر نے اضافہ کیا ہے (امام ترمذیؒ کے استاذ الاستاذ تین ہیں، ان میں سے بشر حدیث میں یہ اضافہ کرتے ہیں) ''اور مزدلفہ سے لوٹے درانحالیکہ آپؐ پُرسکون تھے اور آپؐ لوگوں کو پرسکون رہنے کی تلقین کررہے تھے'' اور اس حدیث میں ابونعیم (تیسرے استاذ) نے یہ اضافہ کیا ہے: ''اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ رمی کریں۔ غلیل کے غلہ جیسی کنکری سے'' (الخذف کے اصل معنی ہیں: انگلیوں کے درمیان کنکری پکڑ کر پھینکنا، پھر گوپھن میں اور غلیل میں رکھ کر جو کنکری پھینکتے ہیں اس کو بھی مجازاً خذف کہنے لگے، ایسی کنکری جو غلیل کے غلہ جیسی ہو یعنی نہ بہت چھوٹی ہو اور نہ بڑا پتھر ہو ایسی کنکری سے رمی جمار کرنا مسنون ہے) اور آپؐ نے فرمایا: ''شاید میں تمہیں اس سال کے بعد نہ دیکھ سکوں'' (پس مناسک اچھی طرح سیکھ لو، اس جملہ میں اشارہ ہے کہ آپؐ کی وفات قریب ہے)

[۵۵] باب ماجاء في الإفاضة مِنْ عَرفاتٍ

[۸۷۵-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، نا وَكِيْعٌ، وبِشْرُ بنُ السَّرِيِّ، وأَبُوْ نُعَيْمٍ، قالوا: نا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن أَبِي الزُّبَيْرِ، عن جَابِرٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أَوْضَعَ فِيْ وَادِي مُحَسِّرٍ، وَزَادَ فِيْهِ بِشْرٌ: وَأَفَاضَ مِنْ جَمْعٍ وَعَلَيْهِ السَّكِيْنَةُ وَأَمَرَهُمْ بِالسَّكِيْنَةِ، وَزَادَ فِيْهِ أَبُوْ نُعَيْمٍ: وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَرْمُوْا بِمِثْلِ حَصَا الخَذْفِ، وَقَالَ: " لَعَلِّيْ لاَ أَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا"

وفي الباب: عن أُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، قالَ أبو عيسى: حديثُ جَابِرٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ في الجَمْعِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ایک ساتھ پڑھنا

جس نے بھی حج کا احرام باندھ رکھا ہے وہ مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں ایک ساتھ پڑھے گا۔ عشاء کا وقت داخل ہونے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھنا جائز نہیں، اور جس کا حج کا احرام نہیں وہ مغرب کو مغرب کے وقت میں پڑھے گا اور عشاء کو عشاء کے وقت میں، اس کے لئے جمع بین الصلوتین کرنا جائز نہیں۔ اور مزدلفہ میں عشائین کو جمع کرنے کے لئے امام المسلمین کی اقتداء میں پڑھنا بالاجماع شرط نہیں۔ ہر حاجی کے لئے عشائین کو جمع کرنا جائز ہے خواہ وہ امام المسلمین کی اقتداء میں نماز ادا کرے یا اپنے ڈیرے میں باجماعت پڑھے یا تنہا پڑھے۔

اور عرفات اور مزدلفہ میں امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی اذان نہیں، البتہ دونوں جگہ دونوں نمازوں کے لئے تکبیریں کہی جائیں گی۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عرفات میں بھی اور مزدلفہ میں بھی ایک اذان اور دو تکبیریں ہیں ـــــ اور احناف میں سے امام طحاوی اور ابن الہمام رحمہما اللہ نے امام شافعیؒ کے قول کو اختیار کیا ہے ـــــ اور امام اعظمؒ کے نزدیک عرفات میں ایک اذان اور دو تکبیریں ہیں اور مزدلفہ میں صرف ایک اذان اور ایک تکبیر ہے۔

حدیث: عبداللہ بن مالک سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مزدلفہ میں نماز پڑھی اور دو نمازوں کو تکبیر کے ذریعہ جمع کیا، اور فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو اس جگہ ایسا کرتے دیکھا ہے ـــــ اس جملہ سے حدیث مرفوع ہوگئی۔

تشریح: جو حضرات مزدلفہ میں صرف ایک تکبیر کے قائل ہیں انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ ابن عمر نے ایک اقامت سے دو نمازیں جمع کیں مگر حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ابن عمرؓ نے الگ جماعت کی اور اذان نہیں کہی، کیونکہ مزدلفہ کی مسجد میں اذان ہوگئی تھی، وہ سب کے لئے کافی تھی، صرف اقامت سے دو نمازیں پڑھیں۔ غرض بِإِقَامَةٍ کا مطلب: بإقامة واحدة نہیں ہے بلکہ مطلب ہے: بإقامةٍ فقط اور

ابن عمرؓ نے اپنے عمل کو نبی ﷺ کے عمل کے ساتھ جو تشبیہ دی ہے وہ تشبیہ صرف دونمازیں ایک ساتھ جمع کرنے میں ہے ہر چیز میں تشبیہ نہیں ہے۔

نوٹ: حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ حدیث کی دوسندیں ہیں۔ پہلی سند: سفیان ثوری روایت کرتے ہیں ابواسحاق سے، وہ عبداللہ بن مالک سے، اور وہ ابن عمرؓ سے۔ دوسری سند: اسماعیل بن ابی خالد روایت کرتے ہیں ابواسحاق سے، وہ سعید بن جبیر سے، اور وہ ابن عمرؓ سے۔ یحییٰ قطان نے اور امام ترمذیؒ نے سفیان کی حدیث کو اصح قرار دیا ہے کیونکہ اسرائیل ان کے متابع ہیں اور فرمایا ہے کہ اس حدیث کو سعید بن جبیر نے بھی ابن عمر سے روایت کیا ہے اور وہ سند بھی صحیح ہے مگر وہ سند دوسری ہے، اور ابواسحاق صرف عبداللہ اور ان کے بھائی خالد سے روایت کرتے ہیں، سعید بن جبیر سے روایت نہیں کرتے، سعید بن جبیر سے روایت کرنے والے سلمۃ بن کہیل ہیں۔

[٥٦] باب ماجاء فی الجمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفة

[٨٧٦-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا يَحيىَ بنُ سَعِيدٍ القَطَّانُ، أَخْبَرَنَا سُفيانُ الثَّوْرِيُّ، عن أَبِيْ إِسْحَاق، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مَالِكٍ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ صَلَّى بَجَمْعٍ، فَجَمَعَ بَيْنَ الصَّلاَتَيْنِ بِإِقَامَةٍ، وقَالَ: رَأَيْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَعَلَ مِثْلَ هٰذَا فِي هذا المكانِ.

حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا يَحيىَ بنُ سَعِيدٍ، عن إسماعيلَ بنِ أَبِيْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاق، عن سَعِيدِ بنِ جُبَيْرٍ، عن ابنِ عُمَرَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ: قالَ محمدُ بنُ بَشَّارٍ، قالَ يَحيىَ: والصَّوَابُ حَدِيثُ سُفيانَ.

وفي الباب: عن عَلِيٍّ، وأبي أَيُّوْبَ، وعبدِ اللهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، وجَابِرٍ، وأُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ.

قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عُمَرَ بِرِوَايَةِ سُفْيَانَ أَصَحُّ مِنْ رِوَايَةِ إِسْمَاعِيْلَ بنِ أَبِيْ خَالِدٍ، وَحَدِيْثُ سُفيانَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، قالَ: وَرَوَى إسرائيلُ هذا الحديثَ عن أبي إسحاقَ، عن عبدِ اللهِ وَخَالِدٍ ابْنَيْ مَالِكٍ، عن ابنِ عُمَرَ. وَحَدِيثُ سَعِيدِ بنِ جُبَيْرٍ، عن ابنِ عُمَرَ: هُوَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، رَوَاهُ سَلَمَةُ بنُ كُهَيْلٍ، عَنْ سَعِيدِ بنُ جُبَيْرٍ. وَأَمَّا أبو إسحاقَ فَإِنَّمَا رَوَى عن عبدِ اللهِ وَخَالِدٍ ابْنَيْ مَالِكٍ، عن ابنِ عُمَرَ.

والعملُ عليهِ عندَ أهلِ العلمِ أَنَّهُ لاَيُصَلِّىْ صَلاَةَ الْمَغْرِبِ دُوْنَ جَمْعٍ، فَإِذَا أَتَى جَمْعًا وَهُوَ الْمُزْدَلِفَةُ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلاَتَيْنِ بِإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ، وَلَمْ يَتَطَوَّعْ فِيْمَا بَيْنَهُمَا، وَهُوَ الَّذِيْ اخْتَارَهُ بَعْضُ أهلِ العلمِ وَذَهَبُوْا إِلَيْهِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ.

قال سفيانُ: وإِنْ شَاءَ صَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ تَعَشَّىْ وَوَضَعَ ثِيَابَهُ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى العِشَاءَ.

وقالَ بَعضُ أهلِ العلمِ: يَجْمَعُ بَيْنَ المَغرِبِ والعِشاءِ بِالْمُزدَلِفَةِ بِأَذَانٍ وإِقَامَتَينِ، يُؤَذِّنُ لِصَلاةِ الْمَغرِبِ وَيُقِيمُ وَيُصَلِّي المَغرِبَ، ثُمَّ يُقِيمُ وَيُصَلِّي العِشاءَ، وهُوَ قَوْلُ الشَّافِعيِّ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: ابن عمرؓ کی جو حدیث سفیان ثوری کی روایت سے ہے وہ اصح ہے، اسماعیل بن ابی خالد کی روایت سے۔ اور سفیان کی حدیث حسنٌ صحیحٌ ہے۔ اور فرماتے ہیں: اسرائیل نے یہ حدیث ابواسحاق سے، انھوں نے عبداللہ اور خالد سے جو مالک کے لڑکے ہیں روایت کی ہے، وہ دونوں ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں اور سعید بن جبیر کی حدیث جو ابن عمرؓ سے مروی ہے وہ بھی حسنٌ صحیحٌ ہے اس کو سلمۃ بن کہیل نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے، رہے ابواسحاق تو انھوں نے مالک کے دونوں بیٹوں عبداللہ اور خالد سے، اور انھوں نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے ــــــ اور اس پر علماء کا عمل ہے کہ حاجی مزدلفہ کے علاوہ کسی جگہ مغرب کی نماز نہیں پڑھے گا۔ پس جب وہ مزدلفہ میں پہنچے تو دو نمازوں کو جمع کرے، ایک اقامت کے ساتھ، اور ان کے درمیان نفلیں نہ پڑھے، اور یہ سفیان ثوری کا قول ہے ــــــ سفیان کہتے ہیں: اور اگر چاہے تو مغرب پڑھے پھر شام کا کھانا کھائے اور اپنے کپڑے رکھے یعنی اونٹ پر سے سامان اتارے، پھر اقامت کہے اور عشاء کی نماز پڑھے (یعنی مغرب کے بعد فوراً عشاء پڑھنا ضروری نہیں، درمیان میں ضروری کام انجام دے سکتا ہے اور کھانا وغیرہ کھا سکتا ہے، البتہ اگر مغرب وعشاء کے درمیان فاصلہ ہو جائے تو عشاء سے پہلے بھی تکبیر کہے) اور بعض علماء کہتے ہیں: مزدلفہ میں عشائین کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ جمع کرے، وہ (پہلے) مغرب کے لئے اذان کہے اور اقامت کہے، پھر مغرب پڑھے، پھر اقامت کہے اور عشاء پڑھے۔ اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے (امام طحاویؒ اور ابن الہمامؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے)

بابُ ماجاءَ مَنْ أَدْرَكَ الإِمَامَ بِجَمْعٍ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ

جس نے امام کو مزدلفہ میں پالیا اس نے حج پالیا

حدیث (۱): عبدالرحمٰن بن یَعْمَر سے مروی ہے کہ نجد کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے درانحالیکہ آپؐ عرفہ میں وقوف فرماتے تھے، انھوں نے آپؐ سے بیان کیا: (وہ نجد سے سیدھے عرفہ آئے ہیں، وقت تنگ تھا اس لئے مکہ نہیں گئے) ان کا حج ہوا یا نہیں؟ آپؐ نے ان کو مسئلہ بتایا پھر منادی کروائی تا کہ کسی اور کو یہی صورت پیش آئی ہو تو وہ بھی مسئلہ جان لے) پس منادی کرنے والے نے پکارا: ''عرفہ ہی حج ہے'' (یعنی حج کا اہم ترین رکن وقوف عرفہ ہے، حج میں دو رکن ہیں: طواف زیارت اور وقوف عرفہ، اور طواف زیارت ایسا رکن ہے جس میں تقدیم وتاخیر بھی ہوسکتی ہے

اور دم سے تاخیر کی تلافی بھی ہوسکتی ہے مگر وقوف عرفہ میں نہ تقدیم وتاخیر ہوسکتی ہے اور نہ دم سے اس کی تلافی ہوسکتی ہے اس لئے فرمایا کہ عرفہ ہی حج ہے) ''جو شخص مزدلفہ کی رات میں صبح صادق سے پہلے (عرفہ میں) داخل ہوگیا: اس نے حج پالیا'' وقوف عرفہ کا وقت نو تاریخ کے زوال سے دس کی صبح صادق تک ہے اور یہی رات مزدلفہ کی رات بھی ہے منی کے دن تین ہیں: (گیارہ تا تیرہ) پس جو شخص دو دن رمی کر کے چل دے اس پر کوئی گناہ نہیں، اور جو شخص تاخیر کرے (یعنی تیرہ کی بھی رمی کرے) اس پر بھی کوئی گناہ نہیں'' اور یحیٰ نے اپنی حدیث میں یہ بڑھایا ہے: اور آپؐ نے ایک آدمی کو (حضرت اسامہ کو) اونٹ پر پیچھے بٹھالیا، تاکہ وہ یہ اعلان کرتا رہے۔

تشریح: یہ حدیث مختصر اور نہایت جامع ہے، پورے حج کا اس میں نچوڑ اور خلاصہ آگیا ہے۔ وکیع رحمہ اللہ نے اس کو ''ام المناسک'' کہا ہے اور ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سفیان ثوریؒ نے یہ بہت شاندار حدیث بیان کی ہے، ابواب المناسک میں اتنی جامع کوئی دوسری حدیث نہیں۔

جاننا چاہئے کہ امام ترمذیؒ نے جو باب قائم کیا ہے اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص مزدلفہ کی رات میں امام المسلمین کو مزدلفہ میں پالے خواہ اس نے وقوف عرفہ کیا ہو یا نہ کیا ہو اس کو حج مل گیا۔ یہ بات صحیح نہیں، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ جس نے مزدلفہ کی رات میں صبح صادق سے پہلے وقوف عرفہ کرلیا پھر خواہ اس نے مزدلفہ میں امام المسلمین کو پایا یا نہیں پایا یعنی وہ مزدلفہ گیا یا نہیں گیا اس کو حج مل گیا، اور جس نے مزدلفہ میں امام المسلمین کو تو پالیا مگر اس نے وقوف عرفہ نہیں کیا تو اس کا حج نہیں ہوا۔

حدیث (۲): حضرت عروہ بن مضرسؓ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس مزدلفہ میں آیا جس وقت آپؐ فجر کی نماز پڑھانے کے لئے خیمہ سے نکل رہے تھے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں قبیلۂ طی کے دو پہاڑوں (جبل سلمی اور جبل آجا) کے پاس سے آرہا ہوں، میں نے اپنی سواری کو تھکا دیا اور میں خود بھی تھک گیا ہوں، قسم بخدا! میں نے کوئی پہاڑ (اور ایک نسخہ میں حَبَلَ ہے یعنی کوئی تودہ) نہیں چھوڑا جس پر میں نے وقوف نہ کیا ہو (یعنی راستے میں جتنے پہاڑ اور مٹی کے تودے ملے سب پر ٹھہرتا ہوا آرہا ہوں) پس کیا میرا حج ہوا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو ہمارے ساتھ اس نماز میں شریک ہوا اور ہمارے ساتھ وقوف کیا تا آنکہ (مزدلفہ سے) نکلنے کا وقت ہوگیا اور اس نے اس سے پہلے رات میں یا دن میں وقوف عرفہ کرلیا تو اس کا حج ہوگیا اور اس کا احرام کھولنا درست ہوگیا (اس حدیث کی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: وقوف عرفہ کے سلسلہ میں رات اور دن یکساں ہیں)

وضاحت: عروۃ بن مضرسؓ کا تعلق قبیلہ طی سے ہے یہ یمن کا قبیلہ ہے، حاتم طائی اسی قبیلہ کا تھا اور تفث کے اصل معنی ہیں: میل کچیل، اور یہاں وہ کام مراد ہیں جو محرم احرام کھولتے وقت کرتا ہے یعنی سر منڈانا، نہانا، بدن سے میل صاف کرنا وغیرہ۔ اور اس جملہ کا مفہوم ہے: اس کا احرام کھولنا درست ہوگیا۔

[٥٧] باب ماجاء من أدرك الإمامَ بجمع فَقَدْ أدرك الحج

[٨٧٧-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، قالَ: نا يَحيىَ بنُ سَعيدٍ، وعبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيِّ، قالاَ: نا سُفيانُ، عن بُكَيْرِ بنِ عَطَاءٍ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ يَعْمُرَ: أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ أَتَوْا رسولَ الله صلى الله عليه وسلم وَهُوَ بِعَرَفَةَ، فَسَأَلُوْهُ، فَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى: "اَلْحَجُّ عَرَفَةُ، مَنْ جَاءَ لَيْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ، أَيَّامُ مِنَى ثَلاَثَةٌ: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ، وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ" قالَ محمدٌ: وَزَادَ يَحيىَ: وَأَرْدَفَ رَجُلاً فَنَادَىٰ بِهِ.

حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن سُفيانَ الثَّوْرِيِّ، عن بُكَيْرِ بنِ عَطَاءٍ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ يَعْمُرَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ، قالَ: وقَالَ ابنُ أَبِيْ عُمَرَ: قالَ سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ: وَهٰذَا أَجْوَدُ حَدِيثٍ رَوَاهُ سُفيانُ الثَّوْرِيُّ.

قال أبو عيسى: والعملُ على حَدِيثِ عبدِ الرحمنِ بنِ يَعْمُرَ عندَ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنَّهُ مَنْ لَمْ يَقِفْ بِعَرَفَاتٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ، وَلاَ يُجْزِئُ عَنْهُ إِنْ جَاءَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ، وَيَجْعَلُهَا عُمْرَةً، وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ والشَّافِعِيِّ واحمدَ وإسحاق.

وقَدْ رَوَى شُعْبَةُ عَنْ بُكَيْرِ بنِ عَطَاءٍ نَحْوَ حديثِ الثوريِّ، قال: وَسَمِعْتُ الجَارُوْدَ يقولُ: سَمِعْتُ وَكِيْعًا يقولُ: وَرَوَى هذا الحديثَ، فقالَ: هذا الحديثُ أُمُّ الْمَنَاسِكِ.

[٨٧٨-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، نا سفيانُ، عن دَاوُدَ بنِ أبِى هِنْدٍ، وإِسْمَاعيلَ بنِ أَبِيْ خَالِدٍ، وَزَكَرِيَّا بنِ أبى زَائِدَةَ، عن الشَّعْبِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بنِ مُضَرِّسِ بنِ أَوْسِ بنِ حَارِثَةَ بنِ لاَمَ الطَّائِيِّ، قال: أَتَيْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم بِالْمُزْدَلِفَةِ حِيْنَ خَرَجَ إِلَى الصَّلاَةِ، فَقُلْتُ: يارسولَ الله! إِنِّيْ جِئْتُ مِنْ جَبَلَيْ طَيْءٍ، أَكْلَلْتُ رَاحِلَتِيْ وَأَتْعَبْتُ نَفْسِيْ، واللهِ مَا تَرَكْتُ مِنْ جَبَلٍ إِلاَّ وَقَفْتُ عَلَيْهِ، فَهَلْ لِيْ مِنْ حَجٍّ؟ فقالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "مَنْ شَهِدَ صَلاَتَنَا هٰذِهِ، وَوَقَفَ مَعَنَا حَتّٰى نَدْفَعَ، وَقَدْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَيْلاً أَوْ نَهَارًا، فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ وقَضَى تَفَثَهُ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن یعمر (یہ قلیل الروایہ صحابی ہیں) کی حدیث پر صحابہ اوران کے علاوہ علماء کا عمل ہے کہ جس نے صبح صادق سے پہلے عرفات میں وقوف نہیں کیا اس کا حج فوت ہوگیا۔ اگر وہ عرفات میں صبح صادق کے بعد داخل

ہوا تو اس کا حج صحیح نہیں ہوا، وہ اپنے حج کو عمرہ کردے (یعنی ارکان عمرہ ادا کرکے احرام کھول دے) اور اس پر آئندہ سال حج واجب ہے، یعنی قضا واجب ہے، اور یہ ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور شعبہؒ نے بکیر بن عطاء سے سفیان ثوری کی حدیث کے مانند روایت کیا ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: میں نے جارود سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے وکیع سے سنا، وہ کہتے ہیں (انھوں نے پہلے یہ حدیث بیان کی پھر فرمایا) یہ حدیث ام المناسک ہے، کیونکہ اس میں پورے حج کا نچوڑ اور خلاصہ آگیا ہے۔

بَابُ ماجاءَ فی تَقْدِیْمِ الضَّعَفَةِ مِنْ جَمْعٍ بِلَیْلٍ

کمزوروں کو عرفہ سے سیدھا منی بھیج دینا جائز ہے

مزدلفہ میں رات گذارنا سنت ہے اور صبح صادق کے بعد وقوف مزدلفہ واجب ہے، مگر ایسا واجب ہے جو عذر سے ساقط ہوجاتا ہے، حج میں چھ واجبات ایسے ہیں جو عذر سے ساقط ہوجاتے ہیں، ایک کا ذکر پہلے آیا ہے (سوار ہوکر طواف زیارت کرنا) اور دوسرا واجب یہ ہے۔ پس عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کو عرفہ سے سیدھا منی بھیج دینا جائز ہے، ان پر منی میں رات گذارنا اور وقوف مزدلفہ کرنا واجب نہیں۔ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنی تمام ازواج کو اور خاندان کے بچوں کو سامان کے ساتھ عرفہ سے سیدھا منی بھیج دیا تھا۔ ابن عباسؓ بھی اس وقت بچے تھے اس لئے وہ بھی منی بھیج دیئے گئے تھے۔ دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے رمی نہ کی جائے، دس ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور گیارہ ذی الحجہ کی صبح صادق تک رہتا ہے۔ اس درمیان میں کسی بھی وقت رمی کی جاسکتی ہے اور نبی ﷺ نے جو ہدایت دی ہے کہ سورج نکلنے کے بعد رمی کی جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اندھیرے میں رمی کرنے میں دشواری ہے، جیسے رات میں قربانی کرنے کو علماء نے مکروہ کہا ہے، کیونکہ اندھیرے میں قربانی کرنے میں دشواری بھی ہے اور غلطی کا بھی احتمال ہے، مگر اب بجلی کا زمانہ ہے، پوری روشنی ہو تو رات میں قربانی کرنا بلا کراہیت جائز ہے، اسی طرح اب جمرات پر دن جیسا ماحول ہوتا ہے پس صبح صادق کے بعد رمی کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ مزدلفہ کی رات آدھی گذر جانے کے بعد رمی جائز ہے۔

فائدہ: حج میں چھ واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب عذر کی وجہ سے ساقط ہوجاتا ہے (۱) طواف زیارت پیدل کرنا واجب ہے مگر بیماری کی صورت میں سوار ہوکر بھی جائز ہے (۲) وقوف مزدلفہ واجب ہے مگر عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے لئے واجب نہیں، وہ وقوف مزدلفہ چھوڑ سکتے ہیں (۳) حج کی سعی پیدل کرنا واجب ہے، مگر بیماری کے عذر سے سوار ہوکر بھی کرسکتے ہیں (۴) طواف زیارت کا وقت بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب ہونے تک ہے، مگر حیض ونفاس کے عذر کی وجہ سے تاخیر بھی جائز ہے (۵) حاجی پر طواف وَداع واجب ہے مگر روانگی کے وقت اگر کوئی عورت حیض یا نفاس

میں ہوتو اس پر واجب نہیں (۶) احرام کھولنے کے لئے سر کے بال منڈوانا یا کتروانا واجب ہے، لیکن اگر بال نہ ہوں یا سر میں زخم ہوتو واجب نہیں۔

[۵۸] باب ماجاء فی تقدیم الضعفة من جمع بليل

[۸۷۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عن ابنِ عباسٍ، قالَ: بَعَثَنِی رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِی ثَقَلٍ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ.

وفی الباب: عن عائشة، وأُمِّ حَبِيْبَةَ، وأَسْمَاءَ، والفَضْلِ.

قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عباسٍ:" بَعَثَنِی رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِی ثَقَلٍ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ" حديثٌ صحيحٌ، رُوِیَ عنهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، ورَوَى شُعْبَةُ هذا الحديثَ عَنْ مُشَاشٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عن ابنِ عباسٍ، عن الفَضْلِ بنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النبیَّ صلى الله عليه وسلم قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ، وَهٰذَا حَدِيثٌ خَطَأٌ أَخْطَأَ فِيْهِ مُشَاشٌ، وَزَادَ فِيْهِ عن الفَضْلِ بنِ عَبَّاسٍ، وروَى ابنُ جُرَيْجٍ وغَيْرُهُ هٰذَا الحديثَ عن عَطَاءٍ، عَنِ ابنِ عبّاسٍ، وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عن الفَضْلِ بنِ عَبَّاسٍ.

[۸۸۰-] حدثنا أبو كُرَيْبٍ، نا وكيعٌ، عن المَسْعُوْدِیِّ، عنِ الحَكَمِ، عن مِقْسَمٍ، عن ابنِ عبّاسٍ: أَنَّ النبیَّ صلى الله عليه وسلم قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ، وقالَ:" لَاتَرْمُوْا الجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ"

قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عباس حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ على هذا الحديثِ عِنْدَ أهلِ العلمِ، لَمْ يَرَوْا بَأْسًا أَنْ يَتَقَدَّمَ الضَّعَفَةُ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ بِلَيْلٍ، يَصِيْرُوْنَ إِلٰى مِنًى.

وقال أكثر أهلِ العلمِ بحديثِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُمْ لَايَرْمُوْنَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَرَخَّصَ بَعْضُ أهلِ العلمِ فِی أَنْ يَرْمُوْا بِلَيْلٍ، وَالعملُ على حديثِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم، وهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیِّ وَالشافِعِیِّ.

ترجمہ: ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے بوجھ کے ساتھ (یعنی سامان اور عورتوں کے ساتھ) مزدلفہ کی رات میں (منی) بھیج دیا تھا۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: ابن عباسؓ کی یہ حدیث کہ" مجھے نبی ﷺ نے بوجھ کے ساتھ مزدلفہ کی رات میں منی بھیج دیا تھا" صحیح حدیث ہے، ان سے متعدد سندوں سے مروی ہے اور شعبہ نے اس حدیث کو مشاش سے، انھوں نے عطاء سے، انھوں نے ابن عباس سے اور انھوں نے فضل بن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے خاندان کے کمزوروں کو مزدلفہ کی رات میں پہلے ہی منی بھیج دیا تھا، مگر یہ سند غلط ہے (یعنی

فضل بن عباس کا واسطہ غلط ہے، ابن عباس خود صاحب واقعہ ہیں وہ اس حدیث کو اپنے بھائی سے کیوں روایت کریں گے؟) اس میں مُشاش نے غلطی کی ہے اور اس میں فضل بن عباس کا واسطہ بڑھایا ہے، اور ابن جریج وغیرہ نے اس حدیث کو عطاء سے، انھوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور انھوں نے اس حدیث میں فضل بن عباس کا واسطہ ذکر نہیں کیا —— حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے خاندان کے کمزوروں کو منی میں پہلے بھیج دیا تھا اور فرمایا تھا: ''رمی نہ کرنا یہاں تک کہ سورج نکل آئے'' —— اور اس حدیث پر علماء کا عمل ہے وہ اس میں کوئی تنگی نہیں پاتے کہ کمزور مزدلفہ سے رات ہی میں منی چلے جائیں —— اور اکثر علماء اس حدیث کی وجہ سے کہتے ہیں کہ لوگ رمی نہ کریں یہاں تک کہ سورج نکل آئے۔ اور بعض علماء نے اجازت دی ہے کہ مزدلفہ کی رات میں رمی کر سکتے ہیں اور عمل حدیث پر ہونا چاہئے اور یہ ثوری اور شافعی کا قول ہے۔

بابٌ

دس ذی الحجہ کو نبی ﷺ نے رمی کس وقت کی تھی؟

دس ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے مگر نبی ﷺ نے چاشت کے وقت رمی کی تھی، کیونکہ آپؐ مزدلفہ سے طلوع شمس کے وقت چلے تھے اور چاشت کے وقت جمرات پر پہنچے تھے، باقی تین دنوں میں آپؐ نے زوال کے بعد رمی کی ہے۔ ان دنوں میں رمی کا وقت زوال سے شروع ہو کر اگلی تاریخ کی صبح صادق تک رہتا ہے، البتہ تیرہ تاریخ کی رمی امام اعظم کے ایک قول میں زوال سے پہلے بھی جائز ہے۔

نوٹ: مصری نسخہ میں یہاں یہ باب ہے: باب ماجاء في رمي يوم النحر ضُحَى۔

[٥٩] بابٌ

[٨٨١-] حدثنا عليُّ بنُ خَشْرَمٍ، نا عيسى بنُ يُوْنُسَ، عن ابنِ جُرَيْجٍ، عن أبي الزُّبَيْرِ، عن جَابِرٍ، قال: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَرْمِيْ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحَى، وأمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَبَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ عَلَى هذا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العلمِ أَنَّهُ لَايَرْمِيْ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ إِلَّا بَعْدَ الزَّوَالِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ دس ذی الحجہ کو چاشت کے وقت رمی کیا کرتے تھے اور رہے بعد کے دن تو آپؐ نے زوال کے بعد رمی کی ہے —— اور اس پر اکثر علماء کا عمل ہے کہ حاجی یوم النحر کے بعد رمی نہ کرے مگر زوال کے بعد۔

بابُ ماجاءَ أنَّ الإِفَاضَةَ مِن جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہونا چاہئے

مشرکین مزدلفہ سے اس وقت لوٹتے تھے جب سورج نکل آتا تھا، مزدلفہ میں وقوف جبل قزح کے دامن میں کیا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہیں وقوف کیا تھا، یہ پہاڑ مشرقی جانب میں ہے، سورج اس کی اوٹ میں نکلتا ہے اس لئے نظر نہیں آتا پشت پر ثبیر نامی پہاڑ ہے جب اس کی چوٹی پر دھوپ ظاہر ہوتی تھی تو مشرکین مزدلفہ سے منی کی طرف روانہ ہوتے تھے اور کہتے تھے: أَشْرِقْ ثَبِيْرُ لِكَيْ نُغِيْرُ: ثبیر چمک تاکہ ہم روانہ ہوں۔ جب نبی ﷺ نے حج فرمایا تو آپ سورج نکلنے سے پہلے ہی مزدلفہ سے روانہ ہوگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ نے اپنے عمل سے مشرکین کی مخالفت کی یعنی مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے میں تبدیلی کردی تھی، نبی ﷺ نے اس کو اس کی اصل کی طرف لوٹادیا۔

[٦٠] باب ماجاء أن الإفاضةَ من جَمْعٍ قبل طلوع الشمس

[٨٨٢-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا أبو خَالِدٍ الأَحْمَرُ، عن الأَعْمَشِ، عن الحَكَمِ، عن مِقْسَمٍ، عن ابنِ عبَّاسٍ: أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أَفَاضَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ.

وفي الباب: عن عُمَرَ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وإنَّما كانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَنْتَظِرُوْنَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ يُفِيْضُوْنَ.

[٨٨٣-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، نا أبو داوُد، قالَ: أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، عن أَبِيْ إسحاق، قالَ: سَمِعْتُ عَمْرَو بنَ مَيْمُوْنٍ، يقولُ: كُنَّا وُقُوْفًا بِجَمْعٍ فقالَ عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا لَايُفِيْضُوْنَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ: أَشْرِقْ ثَبِيْرُ، وإنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم خَالَفَهُمْ، فَأَفَاضَ عُمَرُ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: زمانۂ جاہلیت کے لوگ انتظار کرتے تھے یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجاتا تھا پھر وہ لوٹتے تھے ـــــــ عمرو بن میمون کہتے ہیں: ہم مزدلفہ میں وقوف کئے ہوئے تھے (یہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت کا واقعہ ہے) پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیشک مشرکین نہیں لوٹتے تھے تا آنکہ سورج نکل آتا تھا وہ کہا کرتے تھے: ثبیر چمک جا، اور بیشک نبی ﷺ نے ان کی مخالفت کی، پس حضرت عمرؓ سورج طلوع ہونے سے پہلے لوٹ گئے۔

بابُ ماجاء أنَّ الجِمارَ الّتِیْ تُرْمیٰ مِثْلَ حَصَی الخَذْفِ

غُلّہ جیسی کنکری سے رمی کرنی چاہئے

انگلیوں میں پکڑ کر جو کنکری مارتے ہیں اس کا نام خذف ہے، پھر غلیل میں جو کنکری رکھ کر مارتے ہیں اس کو بھی خذف کہتے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے مزدلفہ میں لوگوں کو ہدایت دی تھی کہ کل جو رمی کرنی ہے اس کے لئے یہاں سے کنکریاں لے لو اور وہ غلیل کے غلّہ (مٹی کی گولی) جیسی ہوں یعنی نہ بہت چھوٹی ہوں اور نہ بہت بڑی، دو چنے کے دانوں کے بقدر ہوں۔

[٦١] باب ماجاء أن الجمار التی تُرمٰی مثلَ حَصَی الخَذف

[٨٨٤-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا یحییَ بنُ سَعیدِ القَطَّانُ، نا ابنُ جُرَیْجٍ، عن أَبِی الزُّبَیْرِ، عن جَابِرٍ، قالَ: رَأَیْتُ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَرْمِی الجِمَارَ بِمِثْلِ حَصَی الخَذْفِ.

وفی الباب: عن سُلَیْمَانَ بنِ عَمْرِو بنِ الأَحْوَصِ عن أُمِّہ، وھِیَ أُمُّ جُنْدُبِ الأَزْدِیَّۃُ، وابنِ عبّاسٍ، والفَضْلِ بنِ عَبّاسٍ، وعبدِ الرحمنِ بنِ عُثْمَانَ التَّیْمِیِّ، وعبدِ الرحمنِ بنِ مُعَاذٍ، قال أبوعیسی: ھذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وھُوَ الَّذِیْ اخْتَارَہُ أھلُ العِلْمِ أَنْ تَکُوْنَ الجِمَارُ التی تُرْمَی بھا مِثْلَ حَصَی الخَذْفِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ غلیل کے غلّہ جیسی کنکری سے رمی کرتے تھے ——— اور اسی کو علماء نے پسند کیا ہے جس کنکری کے ذریعہ رمی کی جائے وہ غلیل کی کنکری کے برابر ہو۔

بابُ ماجاءَ فی الرَّمْیِ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ

رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے

نبی ﷺ نے یوم النحر کو تو چاشت کے وقت رمی کی تھی مگر منی کے باقی دنوں میں زوال کے بعد رمی کی تھی اس حدیث کی بناء پر سب ائمہ متفق ہیں کہ ایام منی میں رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق تک باقی رہتا ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ تیرہ کی رمی زوال سے پہلے بھی کر سکتے ہیں۔

[٦٢] باب ماجاء فی الرمی بعد زوال الشمس

[٨٨٥-] حدثنا أحمدُ بنُ عَبْدَۃَ الضَّبِّیُّ البَصْرِیُّ، نا زِیَادُ بنُ عبدِ اللّٰہِ، عن الحجَّاجِ، عن الحَکَمِ، عن مِقْسَمٍ، عن ابنِ عبّاسٍ قالَ: کانَ رسولُ اللہ صلی اللہ لعیہ وسلم یَرْمِیْ الجِمَارَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ.

قال أبو عیسی: ھذا حدیثٌ حسنٌ.

بابُ ماجاءَ فی رَمْیِ الجِمَارِ رَاکِبًا

سوار ہوکر رمی کرنے کا بیان

مصری نسخہ میں راکبا وماشیا ہے اور وہ نسخہ زیادہ بہتر ہے۔ آنحضور ﷺ مزدلفہ سے اونٹ پر سیدھے جمرۂ عقبہ پر تشریف لائے تھے اور اونٹ پر سے ہی آپؐ نے رمی کی تھی تاکہ سب لوگ آپؐ کی رمی دیکھیں اور رمی کرنے کا طریقہ سیکھیں۔ باقی دنوں میں چونکہ آپؐ کا قیام جمرات کے قریب تھا اس لئے آپؐ ظہر پڑھ کر پیدل رمی کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور پیدل ہی واپس لوٹتے تھے، پس آپؐ نے راکباً بھی رمی کی ہے اور ماشیا بھی، اس لئے دونوں طرح رمی جائز ہے۔ اور حنفیہ نے یہ اصول بنایا ہے کہ جس رمی کے بعد رمی ہے وہ پیدل کرنا افضل ہے اور جس کے بعد رمی نہیں ہے وہ سوار ہوکر کرنا افضل ہے، مگر اب سب پیدل ہی رمی کرتے ہیں، جانور پر سوار ہوکر رمی کرنے کی اب کوئی صورت نہیں۔

[٦٣] باب ماجاء فی رَمْیِ الجِمَارِ رَاکِبًا

[٨٨٦-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِیعٍ، نا یَحییَ بنُ زَکَرِیَّا بنِ أبی زَائِدَۃَ، نا الحَجَّاجُ، عن الحَکَمِ، عن مِقْسَمٍ، عن ابنِ عبّاسٍ: أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَمَی الجَمْرَۃَ یَوْمَ النَّحْرِ رَاکِبًا.

وفی الباب: عن جابرٍ، وَقُدَامَۃَ بنِ عبدِ اللہ، وأُمِّ سُلَیْمَانَ بنِ عَمْرِو بنِ الأَحْوَصِ. قال أبو عیسی: حدیثُ ابنِ عبّاسٍ حدیثٌ حسنٌ.

والعَمَلُ عَلَیْہِ عِنْدَ بَعْضِ أَہْلِ العلمِ، واخْتَارَ بَعْضُہُمْ أَنْ یَمْشِیَ إِلی الجِمَارِ، وَوَجْہُ الحدیثِ عِنْدَنَا: أَنَّہُ رَکِبَ فِیْ بَعْضِ الأَیَّامِ لِیُقْتَدَی بِہٖ فی فِعْلِہٖ، وکِلاَ الحَدِیْثَیْنِ مُسْتَعْمَلٌ عِنْدَ أہلِ العلمِ.

[٨٨٧-] حدثنا یُوْسُفُ بنُ عیسیٰ، نا ابنُ نُمَیْرٍ، عن عُبیدِ اللہ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ: أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کانَ إِذَا رَمَی الجِمَارَ مَشَی إِلَیْہِ ذَاہِبًا وَرَاجِعًا.

قال أبو عیسی: ہذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وقَدْ رَوَاہُ بَعْضُہُمْ عن عُبَیْدِ اللہِ وَلَمْ یَرْفَعْہُ.

والعَمَلُ علی ہٰذَا عِنْدَ أَکْثَرِ أَہْلِ العِلمِ، وقَالَ بَعْضُہُمْ: یَرْکَبُ یَوْمَ النَّحرِ، ویَمْشِیْ فِی الأَیَّامِ الَّتِیْ بَعْدَ یَوْمِ النَّحْرِ.

قال أبو عیسی: وکَأَنَّ مَنْ قَالَ ہذا إِنَّمَا أَرَادَ اتِّبَاعَ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ فِعْلِہٖ، لِأَنَّہُ إِنَّمَا رُوِیَ عن النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّہُ رَکِبَ یَوْمَ النَّحرِ، حَیْثُ ذَہَبَ یَرْمِیْ الجِمَارَ، وَلاَ یُرْمَی یَوْمَ النَّحرِ إِلاَّ جَمْرَۃُ الْعَقَبَۃِ.

ترجمہ: بعض علماء نے اس کو پسند کیا ہے کہ جمرات کی طرف پیدل جائے اور اس حدیث کی وجہ (جس میں آپ کا سوار ہوکر رمی کرنا مروی ہے) ہمارے نزدیک یہ ہے کہ بعض ایام میں آپؐ نے سوار ہوکر اس لئے رمی کی تھی کہ آپؐ کے فعل کی پیروی کی جائے، اور دونوں حدیثیں علماء کے نزدیک معمول بہ ہیں (یعنی دونوں طرح رمی کرنا جائز ہے)

——— ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب جمرات کی رمی کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو پیدل جاتے تھے اور پیدل واپس آتے تھے ——— اور بعض رواۃ اس حدیث کو عبید اللہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اس کو مرفوع نہیں کرتے (یعنی اس کو ابن عمرؓ کا فعل بتاتے ہیں کہ وہ جمرات کی رمی کے لئے پیدل جاتے تھے اور پیدل لوٹتے تھے) اور اس پر اکثر علماء کا عمل ہے اور بعض علماء کہتے ہیں: دس ذی الحجہ میں سوار ہوکر رمی کرے اور یوم النحر کے بعد باقی دنوں میں پیدل رمی کرے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اور گویا جس نے یہ بات کہی ہے اس نے نبی ﷺ کے فعل کی پیروی کرنے ہی کا ارادہ کیا ہے اس لئے کہ نبی ﷺ کے بارے میں یہی روایت کیا گیا ہے کہ آپؐ نے یوم النحر میں سوار ہوکر رمی کی تھی جب آپؐ رمی کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے اور یوم النحر میں صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کی جاتی ہے (پس وہی سوار ہوکر مسنون ہے)

بابُ کَیْفَ تُرْمَی الجِمَارُ

رمی کرنے کا طریقہ

جمرات کی رمی چاروں طرف سے درست ہے مگر نبی ﷺ نے میدان کے بیچ میں سے رمی کی تھی اور رمی کرنے کے لئے آپؐ اس طرح کھڑے ہوئے تھے کہ کعبہ شریف آپؐ کی بائیں جانب تھا اور منی دائیں جانب، مگر اب وہاں نہ وادی ہے نہ اس کا بیچ، البتہ رمی کا راستہ سنت کا لحاظ کر کے بنایا گیا ہے، خیال رہے کہ ترمذی کی حدیث میں غلطی ہے صحیح تعبیر بخاری میں ہے۔

حدیث (۱): عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب (رمی کرنے کے لئے) جمرۂ عقبہ کے پاس پہنچے تو آپ وادی کے پیٹ میں کھڑے ہوئے اور کعبہ شریف کو سامنے کرلیا (یہ غلطی ہے اس لئے کہ بطن وادی سے رمی کرنے کی صورت میں کعبہ شریف کی طرف منہ نہیں ہوسکتا، صحیح تعبیر بخاری (حدیث ۱۷۴۸) میں ہے کہ جب ابن مسعودؓ نے جمرۂ کبری کی رمی کی تو آپ وادی میں کھڑے ہوئے اور کعبہ کو اپنی بائیں طرف اور منی کو اپنی دائیں جانب کرلیا) اور کنکری مارنے کے لئے دائیں بھنووں سے نشانہ باندھا (اس لئے کہ دایاں بہتر ہے) پھر سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہہ رہے تھے (تکبیر کہنا سنت ہے اور اگر کوئی بھیڑ میں حواس باختہ ہوجائے اور تکبیر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں) پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں! اس ہستی نے جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی ہے یہیں

سے رمی کی ہے ـــــ سورۂ بقرہ کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ حج کے اکثر احکام اسی سورت میں ہیں، یعنی آنحضرت ﷺ نے اس جگہ سے رمی کی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جمرات کو کنکریاں مارنا اور صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا اللہ کا ذکر برپا کرنے کے لئے ہی مقرر کیا گیا ہے۔

تشریح: جمرہ کے معنی ہیں: پتھر، اسی سے استجمار ہے جس کے معنی ہیں: استنجاء کے لئے پتھر تلاش کرنا، منی میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے تین جگہوں میں پتھر کے تین ستون بنے ہوئے ہیں ان کو جمرات کہتے ہیں، ان ستونوں پر کنکریاں مارنا بھی اعمال حج میں شامل ہے اور اس کی دو حکمتیں ہیں:

پہلی حکمت: یہ عمل ذکر اللہ کی گرم بازاری کے لئے ہے، منی کے ایام میں ان جمرات پر دوپہر سے لے کر رات تک ذکر اللہ کا وہ غلغلہ بلند ہوتا ہے جو بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے، ہزاروں آدمی جب ایک ساتھ اللہ کی بڑائی کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور جمروں پر کنکریاں مارتے ہیں تو وہ منظر اہل بصیرت کے لئے ایک ایمان افروز عمل ہوتا ہے۔

فائدہ: اللہ کا ذکر کنکریاں مارے بغیر بھی ہوسکتا ہے مگر ذکر کے اہتمام کے لئے کوئی تعیین ضروری ہے اور تعیین کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ ذکر کا وقت اور جگہ متعین کردی جائے اور ساتھ ہی کوئی ایسی چیز بھی لگادی جائے جو ذکر کی تعداد کی نگہبانی کرے اسی مصلحت سے ہر تکبیر کے ساتھ ایک کنکری پھینکنے کا عمل تجویز کیا گیا ہے۔

سوال: جب رمی کا عمل اللہ کا ذکر برپا کرنے کے لئے ہے تو پھر سات کنکریوں پر بس کیوں کیا جاتا ہے؟ مناسب یہ تھا کہ لوگ وہاں دیر تک کنکریاں مارتے رہیں اور ذکر کرتے رہیں۔

جواب: ذکر اللہ کی دو قسمیں ہیں:

ایک: وہ ذکر ہے جس کا مقصد یہ اعلان کرنا ہے کہ ذاکر اللہ کے دین کا تابعدار ہے اس نوع کے ذکر کے لئے مجمعوں کا انتخاب کیا جاتا ہے وہ ذکر تنہائی میں نہیں کیا جاتا، اور اس نوع کے ذکر میں تکثیر مطلوب نہیں ہوتی، چند بار نعرہ لگانے پر اکتفا کیا جاتا ہے، چنانچہ منی میں بھی تنہائی میں ذکر کرنا کافی نہیں بلکہ جمرات کے پاس مجمع میں ذکر کرنا ضروری ہے، اور اس موقعہ پر ذکر کی تکثیر کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ سات مرتبہ تکبیر کے ساتھ کنکریاں مارنے کو کافی قرار دیا گیا۔

دوسری نوع: وہ ذکر ہے جس سے مقصود نفس کی تربیت ہوتی ہے یعنی اس کے ذریعہ نفس کی توجہ خدائے قدوس کی طرف موڑنا مقصود ہوتا ہے اس نوع کے ذکر میں تکثیر مطلوب ہوتی ہے اور تنہائی میں کیا جاتا ہے۔

فائدہ: رمی اور سعی میں سات کی تعداد کی وجہ یہ ہے کہ طاق عدد ایک مبارک عدد ہے اور ایک: امام الاوتار ہے اور تین اور سات اس کے خلیفہ وصی اور قائم مقام ہیں۔ اور یہاں یہ تعداد کافی تھی پس اس سے تجاوز مناسب نہیں، تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ اللہ (۲: ۱۹۴-۱۹۸)

دوسری حکمت: بعض تاریخی اور تفسیری روایات میں یہ بات آئی ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم الٰہی کی تعمیل سے روکنے کی کوشش کی تھی اور ہر بار آپ نے اسے سات کنکریاں مار کر دفع کیا تھا، منیٰ میں آج تک انہی مقامات میں یہ محبوب عمل دوہرایا جاتا ہے کیونکہ اکابر کے ایسے بابرکت عمل کی نقل کرنے سے نفس کو نہایت قوی تنبیہ ہوتی ہے کہ اسے بھی اپنے اوپر شیطان کا داؤ نہیں چلنے دینا چاہئے۔

اور سعی میں بھی دو حکمتیں ہیں: ایک: یہ یادگاری عمل ہے۔ دوسری: یہ ذکر اللہ کی گرم بازاری کے لئے ہے اور اس سلسلہ میں کچھ کلام کتاب الحج باب ۳۸ میں گذر چکا ہے، تفصیل کے لئے رحمۃ اللہ (۴: ۲۱۲) دیکھیں۔

[٦٤] باب كَيْفَ تُرْمَى الجمارُ

[٨٨٨-] حدثنا يُوسُفُ بنُ عيسى، نا وَكِيْعٌ، نا المَسْعُوْدِيُّ، عن جَامِعِ بنِ شَدَّادٍ أَبِيْ صَخْرَةَ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ يَزِيْدَ، قالَ: لَمَّا أَتَى عبدُ اللهِ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ اسْتَبْطَنَ الْوَادِيَ، وَاسْتَقْبَلَ الْكَعْبَةَ، وَجَعَلَ يَرْمِيْ الْجَمْرَةَ على حَاجِبِهِ الأَيْمَنِ، ثُمَّ رَمَى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ، ثُمَّ قَالَ: واللهِ الَّذِيْ لاَ إِلٰهَ غَيْرُهُ! مِنْ هٰهُنَا رَمَى الَّذِيْ أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ.

حدثنا هَنَّادٌ، نا وَكِيعٌ، عن المَسْعُوْدِيِّ بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

قال: وفي الباب: عن الفَضْلِ بنِ عَبَّاسٍ، وابنِ عبّاسٍ، وابنِ عُمَرَ، وجَابِرٍ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ مَسْعُوْدٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعَمَلُ على هذا عِنْدَ أهلِ العلمِ يَخْتَارُوْنَ أَنْ يَرْمِيَ الرَّجُلُ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ ويُكَبِّرَ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ، وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أهلِ العلمِ إِنْ لَمْ يُمْكِنْهُ أَنْ يَرْمِيَ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ: رَمَى مِنْ حَيْثُ قَدَرَ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ بَطْنِ الْوَادِيْ.

[٨٨٩-] حدثنا نَصْرُ بنُ عليٍّ الجَهْضَمِيُّ، وعليُّ بنُ خَشْرَمٍ، قالا: نا عيسى بنُ يُوْنُسَ، عن عُبَيدِ اللهِ بنِ أبي زِيَادٍ، عن القَاسِمِ بنِ مُحمدٍ، عن عائشةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قال: " إِنَّمَا جُعِلَ رَمْيُ الْجِمَارِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لإِقَامَةِ ذِكْرِ اللهِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: اس پر علماء کا عمل ہے وہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی وادی کے اندر سے سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور بعض علماء اجازت دیتے ہیں کہ اگر اس کے لئے وادی کے اندر سے رمی کرنا ممکن نہ ہو تو جہاں سے اس کو آسانی ہو وہاں سے رمی کرے اگرچہ وہ جگہ وادی کے اندر نہ ہو۔

بابُ ماجاءَ فی کَرَاهِيَةِ طَرْدِ النَّاسِ عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ

جمرات کی رمی کے وقت لوگوں کو ہٹانا مکروہ ہے

حدیث: قدامۃ بن عبداللہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو ان کی اونٹنی پر سوار ہوکر جمرات پر کنکریاں مارتے دیکھا، اس وقت نہ کسی کو مارا گیا نہ کسی کو دھکا دیا گیا اور نہ ہٹو بچو کی آواز لگائی گئی۔

تشریح: آنحضور ﷺ نے پہلے دن اونٹ پر سوار ہوکر رمی کی تھی اور باقی دنوں میں پروانوں کے جھرمٹ میں رمی کی تھی، آپؐ کے لئے رمی کرنے کا الگ سے کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا، چنانچہ آج تک یہی طریقہ ہے، سعودی حکومت کے ارباب طواف میں تو بادشاہوں اور وزراء کے لئے کچھ اہتمام کرتے ہیں اور وہ اہتمام بھی ایسا ہوتا ہے کہ طواف کرنے والوں کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی، طواف برابر جاری رہتا ہے مگر جمرات پر کوئی انتظام نہیں کیا جاتا حتی کہ اپنے بادشاہ کے لئے بھی کوئی انتظام نہیں کیا جاتا، اس لئے کہ نبی ﷺ نے مجمع میں رمی کی تھی، آپؐ کے لئے حفاظتی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔

[۶۵] باب ماجاء فی کراهية طَرْدِ الناسِ عند رمی الجمار

[۸۹۰-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا مَرْوَانُ بنُ مُعَاوِيَةَ، عن أَيْمَنَ بنِ نَابِلٍ، عن قُدَامَةَ بنِ عبدِ اللهِ، قال: رَأَيْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم يَرْمِي الجِمَارَ عَلٰى نَاقَتِهِ، لَيْسَ ضَرْبٌ وَلاَ طَرْدٌ، وَلاَ إِلَيْكَ إِلَيْكَ.

وفی الباب: عن عبدِ اللهِ بنِ حَنْظَلَةَ، قال أبو عيسى: حديثُ قُدَامَةَ بنِ عبدِ الله حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وإِنَّمَا يُعْرَفُ هذا الحديثُ مِنْ هذا الوَجْهِ، وَهُوَ حديثُ أَيْمَنَ بنِ نَابِلٍ، وَهُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ أهلِ الحديثِ.

بابُ ماجاءَ فی الإِشْتِرَاكِ فی البَدَنَةِ وَالْبَقَرَةِ

اونٹ اور گائے بھینس میں کتنے آدمی شریک ہوسکتے ہیں؟

اونٹ اور گائے بھینس کی قربانی میں زیادہ سے زیادہ سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص تنہا بڑے جانور کا مالک ہو، اور وہ اپنی فیملی کی طرف سے قربانی کرے تو سب کی طرف سے قربانی صحیح ہے اگرچہ اس کی فیملی میں سات سے زیادہ افراد ہوں۔ اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک اونٹ میں دس آدمی شریک ہوسکتے ہیں۔

اس باب میں دو حدیثیں ہیں، پہلی حدیث صحیح بھی ہے اور صریح بھی۔ اور دوسری حدیث صحیح تو ہے مگر صریح نہیں،

یعنی اس کی دلالت محکم نہیں۔

پہلی حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے حدیبیہ کے سال گائے کی سات آدمیوں کی طرف سے اور اونٹ کی سات آدمیوں کی طرف سے قربانی کی۔

تشریح: حدیبیہ میں جب احصار واقع ہوا تو سب نے قربانی کی اور احرام کھول دیا، کیونکہ احصار کی صورت میں احرام کھولنے کے لئے قربانی شرط ہے اور احصار کی قربانی کا جو مسئلہ ہے وہی عید کی قربانی کا ہے، پس یہ حدیث دوٹوک ہے کہ اونٹ میں زیادہ سے زیادہ سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں۔

دوسری حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، پس عید الاضحیٰ کا دن آیا تو ہم گائے میں سات آدمی شریک ہوئے، اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے۔

تشریح: اس حدیث سے امام اسحاق رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ اونٹ کی قربانی میں دس آدمی شریک ہوسکتے ہیں، مگر ان کا استدلال تام نہیں، کیونکہ اس موقع پر جو جانور ذبح کئے گئے تھے وہ عید الاضحیٰ کی قربانی بھی ہوسکتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ خوشی کے موقع پر کھانے کے لئے ذبح کئے گئے ہوں، کیونکہ مسافر پر قربانی واجب نہیں، پس یہ حدیث صریح نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ لشکر میں جانور امیر کی نگرانی میں ذبح ہوتے ہیں پھر فوجیوں میں گوشت تقسیم ہوتا ہے لیکن عید کے دن آپؐ نے گوشت کے بجائے جانور تقسیم کئے تاکہ لوگ خود ذبح کر کے کھائیں، پکنک (Picnic) منائیں، کیونکہ وہ خوشی کا دن تھا، پس گائے سات آدمیوں کو دی اور اونٹ دس کو، کیونکہ اس میں گوشت زیادہ ہوتا ہے۔ اور قربانی کرنے کے لئے تقسیم کئے ہوں یہ بھی احتمال ہے۔ پس حدیث کی دلالت قطعی نہیں، اس لئے استدلال درست نہ ہوگا۔ اور پہلی حدیث صحیح بھی ہے اور صریح بھی اس لئے اس کو لینا ضروری ہے۔

[٦٦] باب ماجاء في الاشتراك في البدنة والبقرة

[٨٩١-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا مالكُ بنُ أَنَسٍ، عن أَبِي الزُّبَيْرِ، عن جَابِرٍ، قالَ: نَحَرْنَا مَعَ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم عامَ الْحُدَيْبِيَّةِ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ.

وفي الباب: عن ابنِ عُمَرَ، وأَبِي هُرَيْرَةَ، وعائشةَ، وابنِ عبَّاسٍ، قال أبو عيسى: حديثُ جابرٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعَمَلُ على هذا عِنْدَ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، يَرَوْنَ الجَزُوْرَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وأحمدَ.

وَرُوِىَ عنِ ابنِ عبَّاسٍ، عن النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم: أَنَّ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرَ عَنْ عَشْرَةٍ، وَهُوَ قَوْلُ إسحاق، واحْتَجَّ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ، وحديثُ ابنِ عبَّاسٍ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ وَجْهٍ وَاحِدٍ.

[۸۹۲-] حدثنا الحُسَيْنُ بنُ حُرَيْثٍ، وغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: نا الفَضْلُ بنُ مُوسَى، عَنْ حُسَيْنِ بنِ وَاقِدٍ، عن عِلْبَاءَ بنِ أَحْمَرَ، عن عِكْرِمَةَ، عنِ ابنِ عَبَّاسٍ، قالَ: كُنَّا مَعَ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الأَضْحٰى فَاشْتَرَكْنَا فِيْ الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وفِي الجَزُوْرِ عَشْرَةً.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وهُوَ حديثُ حُسَيْنِ بنِ وَاقِدٍ.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ اور ان کے علاوہ علماء کا عمل ہے وہ اونٹ کو سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے کو سات آدمیوں کی طرف سے دیکھتے ہیں (جزور: قصائی کے اونٹ کو کہتے ہیں، وہ مال برداری اور سواری کے کام نہیں آتا صرف کھانے کے کام آتا ہے) اور یہ سفیان ثوری، شافعی اور احمد کا قول ہے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ گائے سات کی طرف سے ہے اور اونٹ دس کی طرف سے، اور یہ اسحاق کا قول ہے، اور انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور ابن عباس کی حدیث کو ہم صرف ایک سند سے جانتے ہیں، اس کے بعد ابن عباس کی حدیث سند کے ساتھ لائے ہیں، اور حسین بن واقد مدار حدیث ہیں ان سے اوپر ایک سند ہے۔

بابُ ماجاءَ فِيْ إِشْعَارِ البُدْنِ

اونٹ کا اشعار کرنا نبی ﷺ سے ثابت ہے

آنحضور ﷺ حجۃ الوداع میں مدینہ منورہ سے تریسٹھ اونٹ ساتھ لے گئے تھے۔ ذوالحلیفہ میں اپنے دست مبارک سے ان کا اشعار فرمایا تھا، لفظ اشعار کے معنی ہیں: علامت لگانا۔ اور آپؐ نے اشعار اس طرح کیا تھا کہ اونٹ کی کوہان کی دائیں جانب میں ذرا سی کھال کاٹی اور جو خون نکلا اس کو پونچھ ڈالا۔ اور ان کے گلوں میں چپلوں کا ہار ڈالا، اور حضرت ناجیہ خزاعی رضی اللہ عنہ اور دیگر چند حضرات کے ساتھ ان کو مکہ روانہ کیا۔

اور آپؐ نے اشعار اس لئے فرمایا تھا کہ یہ علامت لگانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے متوارث چلا آرہا تھا اور اس میں حکمت یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں غارت گری اور لوٹ کھسوٹ بہت ہوتی تھی مگر وہ لوگ ہدیوں کا احترام کرتے تھے، نہ صرف یہ کہ لوٹتے نہیں تھے بلکہ ان کی خدمت کرتے تھے اور ملک میں ابھی تک پوری طرح امن قائم نہیں ہوا تھا اور ہدی کے یہ اونٹ ساتھ نہیں تھے، حضرت ناجیہؓ کے ساتھ الگ سے مکہ بھیجے گئے تھے، اس لئے یہ علامت قائم کی گئی تھی تا کہ راستہ میں کوئی ان کو نہ لوٹے۔

مذاہبِ فقہاء: صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اشعار سنت ہے اور حضرت ابراہیم نخعی اور امام اعظم رحمہما اللہ

فرماتے ہیں: اشعار بدعت اور مثلہ ہے۔ مثلہ: حضرت ابراہیم نخعیؒ کی تعبیر ہے اور بدعت: امام اعظمؒ کی۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا زمانہ تو مقدم ہے مگر جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اشعار کو بدعت کہا تو سب نے ان پر اعتراضات کی بوچھار کردی کہ جو چیز نبی ﷺ سے ثابت ہے امام ابوحنیفہ اس کو بدعت کہتے ہیں! لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جس طرح صلوٰۃ الاستسقاء میں اور خرص کے مسئلہ میں امام اعظمؒ کے قول کو صحیح نہیں سمجھا گیا، یہاں بھی غلط فہمی ہوئی ہے۔ امام اعظمؒ نے مطلق اشعار کو بدعت نہیں کہا بلکہ ان کے زمانہ میں جس طرح لوگ بے دردی سے اشعار کرتے تھے اس کو بدعت کہا ہے۔ آنحضور ﷺ نے تو اپنے دستِ مبارک سے اشعار فرمایا تھا اور ذراسی کھال کاٹی تھی اور خون پونچھ ڈالا تھا اور عرب کا ملک گرم خشک ہے دو چار دن میں زخم خشک ہو جائے گا اور اشعار کی علامت کوہان پر باقی رہ جائے گی، بعد میں لوگ شیخ (سیٹھ) بن گئے، نوکروں کو اشعار کرنے کا حکم دیتے تھے، ان کو کیا پڑی تھی وہ بے دردی سے اشعار کرتے تھے، جس میں کھال کے ساتھ گوشت بھی کاٹ دیتے تھے اور عراق کا علاقہ مرطوب تھا، چنانچہ زخم میں کیڑے پڑ جاتے تھے۔ امام اعظمؒ نے اس اشعار کو بدعت کہا ہے، مطلق اشعار کو بدعت نہیں کہا۔ اور امام اعظمؒ کے قول کا یہ مطلب امام طحاوی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے جو مذہب حنفی کے سب سے زیادہ واقف کار تھے۔

[٦٧] باب ماجاء في إشعار البُدْنِ

[۸۹۳-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نا وكيعٌ، عن هِشَامٍ الدَّسْتَوَائِيِّ، عن قَتَادَةَ، عن أبي حَسَّانَ الْأَعْرَجِ، عن ابنِ عبّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَلَّدَ نَعْلَيْنِ، وأَشْعَرَ الْهَدْيَ فِي الشِّقِّ الْأَيْمَنِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، وَأَمَاطَ عَنْهُ الدَّمَ.

قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وَأَبُوْ حَسَّانَ الْأَعْرَجُ: اسْمُهُ مُسْلِمٌ.

والعملُ على هذا عِنْدَ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: يَرَوْنَ الإِشْعَارَ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ، والشَّافِعِيِّ، وأحمدَ، وإسحاق.

قالَ: سَمِعْتُ يُوْسُفَ بنَ عيسى، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ وَكِيْعًا يَقُوْلُ: حِيْنَ رَوَى هذا الحديثَ، فقالَ: لاتَنْظُرُوْا إِلَى قَوْلِ أهلِ الرَّأْيِ في هٰذَا، فَإِنَّ الإِشْعَارَ سُنَّةٌ، وقَوْلَهُم بِدْعَةٌ.

قال: وسَمِعْتُ أَبَا السَّائِبِ يَقُوْلُ: كُنَّا عِنْدَ وَكِيْعٍ فَقَالَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ يَنْظُرُ فِي الرَّأْيِ: أَشْعَرَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم، ويقولُ أَبُوْحَنِيْفَةَ: هُوَ مُثْلَةٌ؟! قالَ الرَّجُلُ: فَإِنَّهُ قَدْ رُوِيَ عن إبراهيمَ النَّخَعِيِّ أَنَّهُ قالَ: الإِشْعَارُ مُثْلَةٌ، قالَ: فَرَأَيْتُ وَكِيْعًا غَضِبَ غَضَبًا شَدِيْدًا، وقالَ: أقولُ لَكَ قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم، وتَقُوْلُ: قالَ إبراهيمُ! ما أَحَقَّكَ بِأَنْ تُحْبَسَ ثُمَّ لَا تُخْرَجَ حَتَّى تَنْزِعَ عَنْ قَوْلِكَ هٰذَا.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے دو جوتوں کا ہار پہنایا اور ہدی کی دائیں جانب میں

اشعار کیا ذوالحلیفہ میں اور اس پر سے خون صاف کیا ــــــ اس پر صحابہ اور ان کے علاوہ علماء کا عمل ہے، وہ اشعار کو سنت کہتے ہیں اور یہ ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: میں نے یوسف بن عیسیٰ سے سنا، وہ کہتے ہیں: میں نے وکیعؒ سے سنا، جب انھوں نے یہ حدیث بیان کی تو فرمایا: ''آپ لوگ اس مسئلہ میں اہل الرائے کے قول کی طرف دھیان نہ دیں بیشک اشعار سنت ہے اور اہل الرائے کا قول بدعت ہے'' امام ترمذیؒ کہتے ہیں: میں نے ابو السائب سے سنا وہ کہتے ہیں: ہم وکیعؒ کے پاس تھے پس انھوں نے ایک ایسے شخص سے جو رائے (فقہ) میں دیکھتا تھا یعنی فقہ کا طالب علم تھا فرمایا: ''نبی ﷺ نے اشعار کیا ہے اور ابوحنیفہ کہتے ہیں: یہ مثلہ ہے (پس بتا کس کا قول لیا جائے گا؟ وہ طالب علم ہوشیار تھا اس نے بات الٹ دی، اس نے کہا: ابوحنیفہ نے یہ بات ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ اشعار مثلہ ہے۔ وکیعؒ لاجواب ہو گئے اور کھسیانی بلی کھمبا نوچے، انھوں نے اس آدمی کو بہت ڈانٹا) ابو السائب کہتے ہیں: میں نے وکیعؒ کو دیکھا وہ سخت غصہ ہوئے اور فرمایا: میں تجھ سے رسول اللہ ﷺ کا قول بیان کرتا ہوں اور تو کہتا ہے: ابراہیم نے یہ کہا تو اس کا زیادہ حقدار ہے کہ قید کر دیا جائے، پھر تجھے قید سے اس وقت تک نہ نکالا جائے جب تک تو اپنے قول سے رجوع نہ کرے۔

تشریح: حضرت وکیع رحمہ اللہ بڑے پایہ کے محدث، بزرگ اور اللہ والے تھے، کوفہ کے رہنے والے تھے، جب انھوں نے طلبہ سے ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث بیان کی تو فرمایا: اس حدیث سے نبی ﷺ کا اشعار کرنا ثابت ہوتا ہے، اور اہل الرائے جو کہتے ہیں کہ اشعار بدعت ہے ان کا قول غلط ہے، یہاں تک تو بات ٹھیک تھی، ہر محدث حدیث پڑھاتے وقت جو اس کی رائے ہو اس کو بیان کرتا ہے، مگر ان کا امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کو نبی ﷺ کے فعل کے مقابلہ میں پیش کرنا اور وہ بھی اس طالب علم کو چڑانے کے لئے جو امام اعظمؒ کے قول سے متفق تھا: ایک نازیبا اور زائد بات تھی، اس لئے کہ مجتہدین کے بارے میں یہ وسوسہ دل میں لانا کہ انھوں نے بالقصد نبی ﷺ کی سنت کی مخالفت کی ہے: نہایت سخت بات ہے، بہر حال طالب علم سمجھ دار تھا اس نے کہا: اشعار مثلہ ہے یہ بات صرف امام اعظمؒ نے نہیں کہی، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے، پس جیسے برسنا ہو ابراہیم نخعی پر برسے، بیچارے ابوحنیفہ ہی پر یہ عنایت کیوں؟ ابراہیم نخعیؒ کا کوفہ میں بڑا مقام تھا، ان کے خلاف اگر کوئی بات زبان سے نکالی جاتی تو شامت آجاتی۔ اس لئے وکیعؒ اس طالب علم پر برس پڑے اور کہا: میں نبی ﷺ کا قول پیش کر رہا ہوں اور تو کہہ رہا ہے کہ ابراہیم نخعیؒ نے یہ بات کہی ہے، تجھے قید خانہ میں بھیج دینا چاہئے، اور جب تک تو توبہ نہ کرے رہائی نہیں دینی چاہئے! مگر ان کی ہمت نہ ہوئی کہ ابراہیم نخعیؒ کے بارے میں کچھ کہتے، باقی امام اعظم کے قول کی حقیقت وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور وکیعؒ کی ''سنت سے محبت'' کی حقیقت اس واقعہ سے عیاں ہے جو ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء (۹: ۱۶۰) میں بیان کیا ہے۔ وکیع رحمہ اللہ نے مکہ مکرمہ میں عبد اللہ بہی کا منقطع قول بیان کیا تھا کہ وفات کے بعد نبی ﷺ کا پیٹ پھول گیا تھا اور چھوٹی انگلی مڑ گئی تھی۔ یہ بے سروپا روایت بیان

کرنے پر حاکم مکہ نے وکیع کو سولی دینے کا فیصلہ کردیا، اور سولی حرم سے باہر کھڑی بھی کردی گئی، مگر سفیان بن عیینہ نے سفارش کی اور بڑی مشکل سے ان کو بچایا۔ یہ واقعہ متعدد تاریخوں میں مذکور ہے۔

بابٌ

نبی ﷺ نے ہدی کے اونٹ کہاں سے خریدے تھے؟

حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ہدیاں قُدید سے خریدی تھیں۔

تشریح: یہ حدیث ترمذی کے افراد میں سے ہے باقی کتب خمسہ میں نہیں ہے اور یہ بات کہ آنحضرت ﷺ نے قُدید (جو مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) سے ہدیاں خریدی تھیں غلط ہے۔ آپ مدینہ منورہ سے ہدیاں ساتھ لائے تھے اور ذوالحلیفہ میں ان کا اشعار فرمایا تھا جیسا کہ گذشتہ باب میں ابن عباسؓ کی حدیث گذری ہے، اور یہ حدیث درحقیقت موقوف ہے یعنی یہ ابن عمرؓ کا عمل ہے انھوں نے مقام قُدید سے ہدی خریدی تھی۔ بخاری (حدیث ۱۶۹۳) میں اس کی صراحت ہے، اور اس حدیث کو مرفوع کرنے میں یحییٰ بن الیمان نے غلطی کی ہے وہ اس حدیث کو تنہا ثوری سے روایت کرتا ہے اور وہ صدوق ہے مگر کثیر الخطاء ہے (تقریب) امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی تضعیف کی ہے (تہذیب ۱۱: ۳۰۶)

[٦٨] بابٌ

[٨٩٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، وأَبُوْ سَعِيدٍ الأَشَجُّ، قالاَ: حدثنا ابنُ اليَمَانِ، عن سُفيانَ، عن عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم اشْتَرَى هَدْيَهُ مِنْ قُدَيْدٍ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ لاَنَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ إِلاَّ مِنْ حَدِيثِ يَحيىَ بنِ الْيَمَانِ، وَرُوِيَ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابنَ عُمَرَ اشْتَرَى مِنْ قُدَيْدٍ، قال أبو عيسى: وَهٰذَا أَصَحُّ.

بابُ ماجاءَ فِيْ تَقْلِيْدِ الْهَدْيِ لِلْمُقِيْمِ

کوئی ہدی بھیجے اور حج یا عمرہ کے لئے نہ جائے تو وہ محرم نہیں ہوتا

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کی ہدی کے جانوروں کے ہار خود بٹے ہیں، پھر آپؐ نہ محرم ہوئے اور نہ آپؐ نے کوئی کپڑا ترک کیا۔

تشریح: نبی ﷺ نے سن ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سو بکریاں برائے قربانی مکہ بھیجی تھیں اور آپؐ مدینہ منورہ میں حلال رہے، یعنی حالت احرام میں جو چیزیں حرام ہوتی ہیں، مثلاً سلا ہوا کپڑا، پگڑی، خوشبو

وغیرہ آپؐ نے ترک نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ صرف ہدی بھیجنے سے آدمی محرم نہیں ہوتا جب تک وہ احرام نہ باندھے، اور اس میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ بخاری (حدیث ۱۷۰۰) میں ہے زیاد بن ابی سفیان نے حضرت عائشہ کو لکھا کہ ابن عباسؓ کا فتوی یہ ہے کہ جو شخص ہدی بھیجے اس پر احرام سے متعلق تمام چیزیں حرام ہوجاتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: ایسا نہیں ہے، میں نے خود آنحضور ﷺ کی ہدی کے ہار اپنے ہاتھ سے بٹے ہیں، پھر آپؐ نے خود ہار پہنائے ہیں اور ان کو میرے والد کے ساتھ بھیجا ہے، اس کے باوجود کوئی چیز آپ پر حرام نہیں ہوئی تھی۔

[۶۹] باب ماجاء في تقليد الهدى للمقيم

[۸۹۵-] حدثنا قُتيبةُ، نا اللَّيْثُ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ القَاسِمِ، عَن أَبِيْهِ، عن عائشةَ، أَنَّها قالتْ: فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ لَمْ يُحْرِمْ وَلَمْ يَتْرُكْ شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ على هذا عندَ بَعْضِ أهلِ العلمِ، قال: إِذَا قَلَّدَ الرَّجُلُ الهَدْيَ وَهُوَ يرِيْدُ الْحَجَّ لَمْ يَحْرُمْ عليهِ شِيْئٌ مِنَ الثِّيَابِ وَالطِّيْبِ حَتَّى يُحْرِمَ، وقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: إِذَا قَلَّدَ الرَّجُلُ الْهَدْيَ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ مَاوَجَبَ على المُحْرِمِ.

ترجمہ: اس پر بعض علماء کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: جب آدمی نے ہدی کو قلادہ پہنایا درانحالیکہ اس کا حج کا ارادہ ہے تو اس پر کپڑوں اور خوشبو میں سے کچھ حرام نہیں ہوتا تا آنکہ وہ احرام باندھے، اور بعض علماء کہتے ہیں: جب آدمی نے ہدی کو قلادہ پہنایا تو اس پر وہ چیزیں واجب ہوگئیں جو محرم پر واجب ہوتی ہیں۔

بابُ ماجاءَ في تَقْلِيْدِ الغَنَمِ

بکریوں کو ہار پہنانے کا بیان

مذاہب فقہاء: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اونٹوں کی طرح بکریوں کو بھی ہار پہنانا سنت ہے، اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک ہار پہنانا اونٹ اور گائے کے ساتھ خاص ہے بکریوں کو ہار پہنانا مشروع نہیں۔

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نبی ﷺ کی تمام بکریوں کے لئے ہار بٹا کرتی تھی پھر آپ محرم نہیں ہوتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث چھوٹے دواماموں کی دلیل ہے اور بڑے دواماموں کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں بکریوں کا تذکرہ اسود بن یزید کا تفرد ہے، اور نبی ﷺ سے بکریاں لے جانا ثابت نہیں، چنانچہ متعدد تابعین: عروۃ بن الزبیر، عمرۃ بنت عبدالرحمن، قاسم، ابوقلابہ، مسروق اور اسود بن یزید رحمہم اللہ حضرت عائشہؓ سے اس

حدیث کو روایت کرتے ہیں، اور سوائے اسود بن یزید کے کوئی اس حدیث میں بکریوں کا تذکرہ نہیں کرتا (دیکھئے مسلم ۱:۴۲۵ باب استحباب بعث الهدى إلى الحرم) مگر صحیح بات یہ ہے کہ اسود ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے، اور نبی ﷺ اگر چہ حجۃ الوداع میں اپنے ساتھ اونٹ لے کر گئے تھے مگر سن ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جو ہدیاں بھیجی تھیں وہ سب بکریاں تھیں، مذکورہ حدیث میں اسی کا بیان ہے اور آپؐ نے ان کو ہار پہنایا تھا، البتہ ان کا ہار جوتوں کا نہیں تھا، بلکہ وہ اون کے ہار تھے، بکری کمزور جانور ہے وہ جوتوں کے ہار کا تحمل نہیں کرسکتی، اور امام اعظمؒ وغیرہ سے جو تقلید غنم کا انکار مروی ہے وہ چپلوں کے ہار کا انکار ہے، مطلق ہار کا انکار نہیں۔

[۷۰] باب ماجاء في تقليد الغنم

[۸۹۶-] حدثنا مُحَمَّدُ بنُ بَشَّارٍ، نا عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، عن سُفيانَ، عن مَنْصُورٍ، عن إبراهيمَ، عن الأسْوَدِ، عن عائشةَ، قالتْ: كُنْتُ أَفْتِلُ قَلاَئِدَ هَدْيِ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم كُلَّهَا غَنَمًا، ثُمَّ لاَيُحْرِمُ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. والعملُ على هذا عندَ بَعْضِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ يَرَوْنَ تَقْلِيْدَ الْغَنَمِ.

بابُ ماجاء إِذَا عَطِبَ الهديُ مَا يُصْنَعُ بِه؟

اگر ہدی راستہ میں ہلاک ہونے لگے تو کیا کرے؟

اگر واجب ہدی یعنی نذر کی ہدی راستہ میں ہلاک ہونے لگے تو اس کے بدلہ میں دوسرا جانور قائم مقام کردے، اور قریب المرگ ہدی کو ذبح کردے، پھر جو چاہے کرے، خواہ خود کھائے یا غنی وفقیر کو کھلائے یا فروخت کردے، کیونکہ وہ جانور ہدی سے نکل گیا۔ اور اگر ہدی نفلی ہے تو وہ صرف غرباء کا حق ہے اس کو ذبح کردے اور گوشت غرباء کو بانٹ دے، خود مالک اور اغنیاء اس میں سے نہ کھائیں اور اگر وہاں آدمی نہ ہوں تو ہدی کے گلے کا چپل خون میں تر کرکے کوہان پر چھاپ ماردے اور اس کو لوگوں کے لئے چھوڑ دے، غرباء اس کو کھالیں گے۔

اور نفل ہدی میں سے کھانا اس لئے ممنوع ہے کہ احناف کے نزدیک نفل ہدی ذبح کے لئے متعین ہوجاتی ہے، اب اس کو قربت ہی میں خرچ کرنا ضروری ہے، اور قربت حرم میں اہراقِ دم ہے اور حرم کے علاوہ میں فقراء کو کھلانا ہے، اغنیاء کو کھلانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ پس اگر مالک نے یا غنی نے اس میں سے کھالیا تو گوشت کی قیمت کا ضمان واجب ہوگا۔ اور واجب ہدی متعین نہیں ہوتی اس لئے اس کی جگہ دوسرا جانور قائم مقام کرنا ضروری ہے، پس اس کا

تصدق بھی ضروری نہیں، حنفیہ کے علاوہ امام احمد کا اور مالکیہ میں سے ابن القاسم کا یہی مسلک ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر ہدی نفل ہے تو مالک کو اس میں ہر قسم کے تصرف کا حق ہے اور اگر وہ نذر کی ہے تو ذبح کرتے ہی اس کی ملکیت سے نکل گئی، اب وہ صرف مسکینوں کا حق ہے۔

حدیث: ناجیہ خزاعی رضی اللہ عنہ (جن کے ہمراہ آپؐ نے ہدیاں مکہ بھیجی تھیں) کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر (راستہ میں) کوئی ہدی ہلاک ہونے لگے تو میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اس کو ذبح کر دینا، پھر اس کے نعل کو اس کے خون میں بھگو کر (جگہ جگہ) ٹھپا لگا دینا، پھر لوگوں کے درمیان اور اس کے درمیان چھوڑ دینا، لوگ اس کو کھالیں گے۔

تشریح: یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے کہ نفل ہدی ذبح کر کے غریبوں کے لئے چھوڑ دی جائے، خود مالک اس میں سے نہیں کھا سکتا، نہ کوئی مالدار اس کو کھا سکتا ہے، کیونکہ نبی ﷺ کی ہدیاں بظاہر نفلی تھیں اتنی ساری ہدیاں واجب نہیں ہو سکتیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے جو بات فرمائی ہے وہ ان کے اصول پر مبنی ہے کہ نفل عبادت شروع کرنے کے بعد بھی نفل رہتی ہے اور احناف کے نزدیک شروع کرنے سے پہلے تو نفل ہوتی ہے مگر شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے۔

[۷۱] باب ماجاء إذا عَطِبَ الهديُ ما يصنع به؟

[۸۹۷-] حدثنا هَارُوْنُ بنُ إسحاق الهَمْدَانِيُّ، نا عَبْدَةُ بنُ سَلَيْمَانَ، عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عن أَبِيْهِ، عن نَاجِيَةَ الْخُزَاعِيِّ، قال: قُلْتُ: يارسولَ اللهِ! كَيْفَ أَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْهَدْيِ؟ قالَ: " انْحَرْهَا ثُمَّ اغْمِسْ نَعْلَهَا فِيْ دَمِهَا ثُمَّ خَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهَا فَيَأْكُلُوْهَا"

وفي الباب: عن ذُوَيْبٍ، وأبي قَبِيْصَةَ الخُزَاعِيِّ، قال أبو عيسى: حديثُ نَاجِيَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعَمَلُ على هذا عندَ أهلِ العلمِ، قَالُوْا فِيْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ: إِذَا عَطِبَ لَايَأْكُلُ هُوَ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ رُفْقَتِهِ، ويُخَلّٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ يَأْكُلُوْنَهُ، وَقَدْ أَجْزَأَ عَنْهُ. وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وأحمدَ، وإسحاقَ، وقَالُوا: إِنْ أَكَلَ مِنْهُ شَيْئًا غَرِمَ مِقْدَارَ مَا أَكَلَ مِنْهُ، وقَالَ بعضُ أهلِ العلمِ: إِذَا أَكَلَ مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ شَيْئًا فَقَدْ ضَمِنَ.

ترجمہ: اور اس پر علماء کا عمل ہے وہ نفل ہدی کے بارے میں کہتے ہیں: جب وہ ہلاک ہونے کے قریب ہو جائے تو نہ وہ خود اسے کھائے اور نہ اس کے ساتھیوں میں سے کوئی کھائے اور اس کو اپنے اور لوگوں کے درمیان چھوڑ دے تا کہ وہ اس کو کھائیں، اور وہ اس کی طرف سے کافی ہے (یعنی بدلہ میں دوسری قربانی کرنی ضروری نہیں) اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے (امام شافعی کی یہ کوئی روایت ہوگی ورنہ ان کا مذہب علامہ نووی نے یہ بیان کیا ہے کہ نفل ہدی میں

مالک کو تصرف کا کامل اختیار ہے) اور وہ کہتے ہیں: اگر اس میں سے کچھ کھالیا تو اس میں سے جتنا کھایا ہے اس کے بقدر ضمان دے، اور بعض اہل علم کہتے ہیں: اگر نفل ہدی میں سے کچھ کھائے گا تو ضمان واجب ہوگا۔

بابُ ماجاءَ فی رُکُوْبِ الْبَدَنَةِ

ہدی کے اونٹ پر سواری کرنا

تمام ائمہ متفق ہیں کہ ہدی کے جانور پر سواری کرنا یا اس کا دودھ استعمال کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ہدایا قابل احترام ہیں، اور ان سے انتفاع میں ان کی ہتک ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾ البتہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ضرورت (حاجت) کے وقت انتفاع جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک اضطرار (مجبوری) کی حالت میں انتفاع جائز ہے، مثلاً سواری کا جانور مرگیا اور وہ چلنے سے قطعاً معذور ہے اور دوسری کوئی سواری میسر نہیں تو ہدی کے اونٹ پر سواری کرسکتا ہے یا سخت بھوک لگی ہے اور کچھ کھانے کو موجود نہیں تو ہدی کے جانور کا دودھ پی سکتا ہے۔ حنفیہ کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، فرمایا: ارکبها بالمعروف إذا ألجئت إليها حتى تجد ظهراً یعنی بدنہ پر اچھی طرح سے سواری کرو جب تم اس کی طرف مجبور ہوجاؤ یعنی اس پر سوار ہوئے بغیر چارہ نہ رہے تا آنکہ سواری کے لئے دوسرا جانور پاؤ (مسلم ۱: ۴۲۶ باب جواز ركوب البدنة إلخ)

[۷۲] باب ماجاء في ركوب البدنة

[۸۹۸-] حدثنا قُتيبةُ، نا أَبُوْ عَوَانَةَ، عن قَتَادَةَ، عن أنسِ بنِ مالِكٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم رَأَى رَجُلاً يَسُوْقُ بَدَنَةً، فقالَ لَهُ: ارْكَبْهَا، فقال: يارسولَ الله! إِنَّهَا بَدَنَةٌ، فقالَ لَهُ في الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الرَّابِعَةِ: ارْكَبْهَا وَيْحَكَ أَوْ: وَيْلَكَ:

وفي الباب: عن عليٍّ، وأبي هريرةَ، وجابرٍ، قال أبو عيسى: حديثُ أنسٍ حديثٌ صحيحٌ حسنٌ. وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ فِيْ رُكُوْبِ الْبَدَنَةِ إِذَا احْتَاجَ إِلَى ظَهْرِهَا، وهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وأَحْمدَ، وإسحاقَ. وقَالَ بَعْضُهُمْ: لَايَرْكَبُ مَالَمْ يُضْطَرَّ إِلَيْهِ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو اونٹ کو ہانک رہا تھا، آپؐ نے فرمایا: اس پر سوار ہوجا، وہ کہنے لگا: یارسول اللہ! یہ ہدی ہے، آپؐ نے اس سے تیسری مرتبہ میں یا چوتھی مرتبہ میں فرمایا: تیرا ناس ہو! سوار ہوجا (وَيْلَكَ فرمایا یا وَيْحَكَ فرمایا۔ دونوں مترادف لفظ ہیں اور بطور تکیہ کلام کے استعمال ہوتے ہیں ان کے ذریعہ ڈانٹنا یا برا کہنا مقصود نہیں ہوتا) ـــــ اور صحابہ اور ان کے علاوہ علماء میں سے بعض نے اونٹ پر سوار ہونے کی اجازت دی ہے جبکہ اس پر سوار

ہونے کی ضرورت ہو، اور یہ شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا قول ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: اس وقت تک سوار ہونا جائز نہیں جب تک کہ وہ اس پر مجبور نہ ہو جائے۔

بابُ ماجاء بِأَیِّ جَانِبِ الرَّأسِ یَبْدَأُ فِی الْحَلْقِ

کونسی جانب سے سر منڈانا شروع کرے

پہلے دائیں طرف کے سر کا حلق کرائے پھر بائیں طرف کا، اور یہ افضل ہے۔ اور جائز یہ ہے کہ کسی بھی جانب سے حلق کرائے۔ اور حالق کا دایاں مراد نہیں بلکہ محلوق کا دایاں مراد ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ نے جمرۂ عقبہ کی رمی کر لی تو اپنی قربانی ذبح کی، پھر حالق کو اپنے سر کی دائیں جانب دی اس نے اس کو مونڈا، آپؐ نے وہ بال حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو دیئے، پھر حالق کو سر مبارک کی بائیں جانب دی، اس نے وہ بال کاٹے، آپؐ نے وہ بال بھی ابوطلحہؓ کو دیئے اور فرمایا: ان کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔

تشریح: یہ حدیث اور اس جیسی دوسری حدیثیں تبرکات کی اصل ہیں، بخاری (کتاب الوضوء باب الماء الذی یغسل به شعر الإنسان) میں ابن سیرین سے مروی ہے: قال: قلتُ لِعَبِیْدَةَ: عندنا من شعر النبیؐ صلی الله علیه وسلم، أصبناه مِنْ قِبَلِ أنسٍ، أو: مِنْ قِبَلِ أهلِ أنسٍ، فقال: لأن تکون عندی شعرة منه أحبّ إلی من الدنیا ومافیها ابن سیرین کہتے ہیں: میں نے عبیدۃ (بروزن کریمۃ) بن قیس سے کہا: ہمارے پاس موئے مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، یا کہا: حضرت انسؓ کے خاندان کی جانب سے پہنچے ہیں، عبیدۃ نے کہا: اگر میرے پاس ان میں سے ایک بال بھی ہوتا تو وہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ پسند تھا۔ ایسی ہی روایات تبرک کی اصل ہیں۔

اور حدیث باب سے متبادر یہ ہے کہ آپؐ نے دائیں جانب کے بال حضرت ابوطلحہؓ کو دیدیئے تھے اور بائیں جانب کے بال تقسیم کرنے کے لئے دیئے تھے، اور مسلم (۴۲۱:۱) میں ہے کہ دائیں جانب کے بال آپؐ نے خود لوگوں میں تقسیم فرمائے اور بائیں طرف کے بال ابوطلحہ کو دیئے، اور مسلم ہی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ام سُلیم کو دیئے، علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس تعارض کو اس طرح حل کیا ہے کہ دراصل دونوں جانبوں کے بال نبی ﷺ نے حضرت ابوطلحہ کو دیئے تھے، پھر دائیں جانب کے بال حضرت ابوطلحہ نے نبی ﷺ کے حکم سے لوگوں میں تقسیم کر دیئے تھے اور بائیں جانب کے بال آپؐ کے حکم سے اپنی اہلیہ حضرت ام سُلیم کو دیدیئے تھے (عمدۃ القاری ۴:۳۸)

[۷۳] باب ماجاء بِأَیِّ جانب الرأس یَبْدَأُ فی الحلق

[۸۹۹-] حدثنا أَبُوْ عَمَّارٍ، نا سفیانُ بنُ عُیَیْنَةَ، عن هِشَامِ بنِ حَسَّانٍ، عن ابنِ سِیْرِیْنَ، عن أَنَسِ بنِ

مَالكٍ، قالَ: لَمَّا رَمَى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْجَمْرَةَ نَحَرَ نُسُكَهُ، ثُمَّ نَاوَلَ الحَالِقَ شِقَّهُ الأَيْمَنَ، فَحَلَقَهُ فَأَعْطَاهُ أَبَا طَلْحَةَ، ثُمَّ نَاوَلَهُ شِقَّهُ الأَيْسَرَ فَحَلَقَهُ، فقال: "اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ"

حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن هِشَامٍ نَحْوَهُ، هذا حديثٌ حسنٌ.

بابُ ماجاءَ في الحَلْقِ وَالتَّقْصِيْرِ

سر منڈوانے اور بال کتروانے کا بیان

حج اور عمرہ کے ارکان ادا کرنے کے بعد احرام کھولنے کے لئے سر منڈانا یا بال ترشوانا ضروری ہے، قصر میں بال لمبائی میں ایک انملہ کے بقدر اور مقدار میں چوتھائی سر کے بقدر کٹوانا ضروری ہے، اور عورتوں کے لئے حلق کرانا حرام ہے وہ صرف بال ترشوائیں گی۔ اور بعض عورتوں کی چوٹی آخر سے پتلی ہوجاتی ہے ان پر ذرا اوپر سے بال کاٹنا ضروری ہے، تاکہ چوتھائی سر کے برابر بال کٹ جائیں ورنہ احرام نہیں کھلے گا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک پورے سر کا حلق یا قصر ضروری ہے، ایک بال بھی رہ گیا تو احرام نہیں کھلے گا، اور صاحبین کے نزدیک آدھے سر کا حلق یا قصر ضروری ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تین بال کاٹنے سے بھی احرام کھل جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چوتھائی سر کا حلق یا قصر ضروری ہے غرض مسح رأس میں جو اختلاف ہے وہی اختلاف یہاں بھی ہے۔

حدیث: (حجۃ الوداع میں) نبی کریم ﷺ نے سر منڈایا اور آپؐ کے اصحاب میں سے بڑی جماعت نے سر منڈایا اور بعض نے بال ترشوائے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائیں، ایک مرتبہ یا دو مرتبہ یہ دعا دی، پھر فرمایا: اور بال ترشوانے والوں کی بھی (جب آپؐ نے سر منڈانے والوں کو دعا دی تو لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بال ترشوانے والوں کو بھی دعا میں شامل فرمائیں، آپؐ نے تیسری مرتبہ قصر کرانے والوں کو بھی دعا میں شامل کیا)

تشریح: سر منڈانے والوں کے لئے تین بار اور قصر کرانے والوں کے لئے ایک بار دعا کرنے سے حلق کی فضیلت ثابت ہوئی، اور سر منڈا کر احرام کھولنا دو وجہ سے افضل ہے۔

پہلی وجہ: جب لوگ بادشاہوں کے دربار میں جاتے ہیں تو صفائی کا خوب اہتمام کرتے ہیں، حجاج بھی احرام کھول کر طواف زیارت کے لئے دربار خداوندی میں جائیں گے، پس ان کو بھی خوب صاف ہو کر حاضر ہونا چاہئے۔ اور سر منڈانے سے سر کا میل کچیل اچھی طرح صاف ہوجاتا ہے اس لئے یہ افضل ہے۔

دوسری وجہ: سر منڈا کر احرام کھولنے کا اثر کئی روز تک باقی رہتا ہے، جب تک بال بڑھ نہیں جائیں گے ہر دیکھنے والا محسوس کرے گا کہ اس نے حج کیا ہے، پس اس سے حج کی شان بلند ہوگی اس لئے حلق افضل ہے۔

فائدہ: احرام کھولنے کا افضل طریقہ حلق ہے اور قصر کرانا بھی جائز ہے اور احرام کھولنے کے لئے یہ طریقہ دو وجہ سے تجویز کیا گیا ہے۔

اول: احرام سے نکلنے کا یہ ایک مناسب طریقہ ہے جو متانت کے منافی نہیں، اگر لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا تو وہ احرام سے نکلنے کے لئے معلوم نہیں کیا کیا طریقے اختیار کریں گے، کوئی جماع سے احرام کھولے گا کوئی کچھ اور کرے گا۔

دوم: حلق کرانے سے سر کا میل کچیل خوب صاف ہو جاتا ہے اس لئے یہ طریقہ افضل ہے (مزید تفصیل رحمۃ اللہ ۴: ۲۰۷ میں ہے)

فائدہ: جب آدمی حج یا عمرہ کے تمام ارکان سے فارغ ہو جائے تو خود اپنا سر بھی مونڈ سکتا ہے اور دوسرے ایسے شخص کا بھی سر مونڈ سکتا ہے جو ارکان سے فارغ ہو گیا ہے، اس میں کوئی جنایت نہیں، جیسے میاں بیوی دونوں تمام ارکان سے فارغ ہو گئے، پس مرد: عورت کی چوٹی کاٹ سکتا ہے، اور عورت خود بھی اپنی چوٹی کاٹ سکتی ہے۔ بخاری شریف کی حدیث (نمبر ۲۷۳۱ و ۲۷۳۲ کتاب الشروط) میں یہ مسئلہ صراحۃً مذکور ہے، اور اگر حالق یا محلوق یا دونوں کے ارکان پورے نہیں ہوئے تو حالق پر صدقہ واجب ہے اور محلوق پر دم (زبدۃ المناسک ص ۱۷۶ مولانا شیر محمد صاحبؒ)

[۷۴] باب ماجاء فی الحلق و التقصیر

[۹۰۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا اللَّيْثُ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ، قالَ: حَلَقَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَحَلَقَ طَائِفَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ، قالَ ابنُ عُمَرَ: إِنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قال: "رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِيْنَ" مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: "وَالْمُقَصِّرِيْنَ"

وفي الباب: عن ابنِ عبّاسٍ، وابنِ أُمِّ الْحُصَيْنِ، ومَارِبَ، وأبي سَعِيدٍ، وأبي مَرْيَمَ، وحُبْشِيِّ بنِ جُنَادَةَ، وأَبِيْ هُرَيْرَةَ، قالَ: هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعملُ على هٰذَا عِنْدَ أهلِ العلمِ يَخْتَارُوْنَ لِلرَّجُلِ أَنْ يَحْلِقَ رأْسَهُ، وَإِنْ قَصَّرَ يَرَوْنَ أَنَّ ذٰلِكَ يُجْزِئُ عَنْهُ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، والشَّافِعِيِّ، وأحمدَ، وإسحاقَ.

ترجمہ: اس پر علماء کا عمل ہے وہ آدمی کیلئے حلق کرانے کو پسند کرتے ہیں، اور اگر قصر کرائے تو وہ اس کو بھی جائز کہتے ہیں۔

بابُ ماجاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ الْحَلْقِ لِلنِّسَاءِ

عورتوں کے لئے سر منڈانا حرام ہے

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عورت کو اپنا سر منڈانے سے منع فرمایا۔

تشریح: عورتوں کے لئے احرام کھولتے وقت سر منڈانا دو وجہ سے ممنوع ہے: ایک: اس سے عورت کی شکل بگڑ جاتی ہے اور مثلہ یعنی صورت بگاڑنا مطلقاً ممنوع ہے۔ اور دوسری وجہ: یہ ہے کہ اس سے عورت: مرد کی ہم شکل بن جاتی ہے اور عورتوں کے لئے مردوں کی شکل اختیار کرنا بھی مطلقاً ممنوع ہے۔

نوٹ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ترمذی کے افراد میں سے ہے اور اس میں اضطراب بھی ہے کہ یہ حضرت علی کی حدیث ہے یا حضرت عائشہ کی؟ ہمام نے حضرت علی تک اس کی سند پہنچائی ہے اور حماد نے حضرت عائشہ تک، اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ حدیث مسند ہے یا منقطع؟ یعنی خلاس بن عمرو کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے —— جاننا چاہئے کہ خلاس بن عمرو ثقہ ہیں، صحاح ستہ میں ان کی روایتیں ہیں، اور حضرت عائشہؓ، حضرت عمار اور ابن عباسؓ سے ان کا سماع ثابت ہے، لیکن حضرت علیؓ سے سماع ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے (تہذیب) مگر حدیث کے ضعف سے مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا، کیونکہ باب میں صحیح احادیث موجود ہیں، ابن عباس سے یہ حدیث مروی ہے کہ: ''عورتوں پر حلق نہیں، صرف بال ترشوانا ہے'' (مشکوۃ حدیث ۲۶۵۴)

[۷۵] باب ماجاء في كراهية الْحَلْقِ للنِّسَاءِ

[۹۰۱-] حدثنا محمدُ بنُ مُوسَى الجُرَشِيُّ الْبَصْرِيُّ، نا أبو داودَ الطَّيَالِسِيُّ، نا هَمَّامٌ، عن قَتَادَةَ، عن خِلَاسِ بنِ عَمْرٍو، عن عَلِيٍّ، قالَ: نَهَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ تَحْلِقَ الْمَرْأَةُ رَأْسَهَا.

حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا أبو دَاوُدَ، عن هَمَّامٍ، عن خِلَاسٍ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عن عَلِيٍّ، قال أبو عيسى: حديثُ عَلِيٍّ فِيْهِ اضْطِرَابٌ.

[۹۰۲-] وَرُوِيَ هذا الحديثُ عن حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عن عَائِشَةَ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى أَنْ تَحْلِقَ الْمَرْأَةُ رَأْسَهَا.

والعملُ على هذا عِنْدَ أهلِ العلمِ لَايَرَوْنَ على الْمَرْأَةِ حَلْقًا، ويَرَوْنَ أَنَّ عَلَيْهَا التَّقْصِيْرَ.

بابُ ماجاء فِيْ مَنْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَّذْبَحَ أَوْ نَحَرَ قَبْلَ أَنْ يَّرْمِيَ

قربانی سے پہلے حلق کرانا یا رمی سے پہلے قربانی کرنا

۱۰ ذی الحجہ کو منی میں چار کام کرنے ہوتے ہیں: پہلے رمی، پھر قربانی، پھر سر منڈا کر یا زلفیں بنوا کر احرام کھولنا، پھر طواف زیارت کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ مناسک اسی ترتیب سے ادا فرمائے ہیں اور یہی ترتیب صحابہ کرام کو بتائی گئی تھی، اب اختلاف ہے کہ ان میں ترتیب واجب ہے یا سنت؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قارن اور متمتع پر رمی، ذبح اور حلق میں ترتیب واجب ہے، تقدیم وتاخیر کی صورت میں دم واجب ہوگا، اور طواف زیارت میں ترتیب واجب نہیں، البتہ مسنون یہ ہے کہ مناسک ثلاثہ کے بعد طواف زیارت کرے اور مفرد پر چونکہ قربانی واجب نہیں اس لئے اس پر صرف رمی اور حلق میں ترتیب واجب ہے۔ احناف کے یہاں فتوی اسی پر ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک مذکورہ چاروں مناسک میں ترتیب سنت ہے، پس تقدیم وتاخیر سے کوئی دم واجب نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ منی میں رسول اللہ ﷺ سے مناسک کی تقدیم وتاخیر کے سلسلہ میں متعدد سوالات ہوئے ہیں مثلاً: (۱) کسی نے قربانی سے پہلے سر منڈالیا (۲) کسی نے رمی سے پہلے قربانی کرڈالی (۳) کسی نے رمی سے پہلے سر منڈالیا (۴) کسی نے شام کو رمی کی (۵) کسی نے سر منڈانے سے پہلے طواف زیارت کرلیا۔ آپؐ نے سب کو یہی جواب دیا ہے کہ أفعل ولاحَرج کوئی بات نہیں، آگے کا کام کرو (یہ سب روایات مشکوۃ باب التحلل إلخ میں ہیں) آپؐ نے کسی کو دم دینے کا حکم نہیں دیا اور حاجت کے موقع پر خاموشی بیان ہوتی ہے، یعنی اگر کفارہ واجب ہوتا تو آپؐ اس کی وضاحت فرماتے۔ خاموشی کا صاف مطلب یہ ہے کہ دم واجب نہیں، پس ثابت ہوا کہ مناسک اربعہ میں ترتیب سنت ہے، یہ جمہور کا استدلال ہے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ لَاحَرَج والی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے (رواہ البخاری، مشکوۃ حدیث ۲۶۵۶) پھر ابن عباسؓ کا فتوی ہے: مَن قَدَّم شيئًا من حجه أو أخره فَلْيُهرِق لذلك دَمًا یعنی جو مناسک میں تقدیم وتاخیر کردے اس کو چاہئے کہ دم دے، اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈالیا تو دم واجب ہے، پھر آپؐ نے دلیل میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۶ پڑھی: ﴿وَلَا تَحلِقُوا رُؤُسَكُم حَتّٰى يَبلُغَ الهَدىُ مَحِلَّهُ﴾ یعنی اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے (یہ دونوں روایتیں ابن ابی شیبہ نے سند صحیح سے روایت کی ہیں اعلاء السنن ۱۰: ۱۵۹) اور سورۃ الحج کی آیات ۲۶-۲۹ سے بھی حلق پر قربانی کی تقدیم صاف مفہوم ہوتی ہے اور طواف کی ترتیب پر دلالت کرنے والا کوئی حرف نہیں اور رمی کی تقدیم سب مناسک پر فعل نبوی اور ارشاد: خُذُوا مناسلکم سے ثابت ہے۔

اور لَاحَرَجَ والی روایات میں تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، جب کوئی نیا مسئلہ بتایا جاتا ہے تو جو فوری الجھن پیش آتی ہے اس میں شریعت سہولت دیتی ہے اور دلیل حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو آگے باب فی الذبح بعد الصلوۃ میں آرہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ماموں کو ایک سال سے کم عمر کی بکری کی قربانی کی اجازت دی تھی، اور فرمایا تھا: لَاتُجزِئُ جَذَعَةٌ بعدك۔ یعنی یہ سہولت صرف تمہارے لئے ہے، اوروں کے لئے نہیں یہی تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، چونکہ یہ حج کا پہلا موقع تھا اور لوگوں کو اگرچہ مناسک کی ترتیب سمجھادی گئی تھی مگر

عدم مزاولت کی وجہ سے خلاف ورزی ہوگئی، اس لئے آپ نے درگذر کیا اور کفارہ کا حکم نہیں دیا۔

اور دلیل یہ ہے کہ ان سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ ایک صاحب نے طواف زیارت سے پہلے سعی کرلی تو آپؐ نے فرمایا: لَا حَرَجَ کوئی بات نہیں (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ حدیث ۲۶۵۸) حالانکہ اس صورت میں بالاجماع دم واجب ہے۔

اور ترتیب کے وجوب کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ منیٰ میں سوال کرنے والوں کا ہجوم ہوگیا تھا، لوگ گھبرائے ہوئے مسائل دریافت کررہے تھے، وہ اسی وجہ سے تھا کہ مناسک میں ترتیب واجب تھی۔ اور یہ بات صحابہ کو بتا بھی دی گئی تھی اگر ترتیب محض سنت ہوتی تو صحابہ کے لئے پریشانی کی کیا بات تھی؟ پس بیان کے موقع پر سکوت کی بات یہاں برمحل نہیں، کیونکہ صحابہ کو یہ بات پہلے سے بتائی جا چکی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

[۷۶] باب ماجاء فی من حَلَقَ قبلَ أن یذبح، أو نَحَرَ قبل أن یرمی

[۹۰۳-] حدثنا سَعِیدُ بنُ عبدِ الرحمنِ الْمَخْزُوْمِیُّ، وابنُ أَبِیْ عُمَرَ، قالاَ: نا سُفیانُ بنُ عُیَیْنَةَ، عن الزُّهْرِیِّ، عن عیسی بنِ طَلْحَةَ، عن عبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو: أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رسولَ اللهِ صلی اللہ علیه وسلم، قالَ: حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ، فقالَ: "اذْبَحْ وَلاَ حَرَجَ" وَسَأَلَهُ آخَرُ، فقالَ: نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِیَ قالَ: "ارْمِ وَلاَ حَرَجَ"

وفی الباب: عن عَلِیٍّ، وجَابِرٍ، وابنِ عبّاسٍ، وابنِ عُمَرَ، وأُسَامَةَ بنِ شَرِیْكٍ، قال أبو عیسی: حدیثُ عبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

والعملُ علی هذا عِندَ أکثرِ أهلِ العلمِ، وَهُوَ قَوْلُ أحمدَ وإسحاقَ، وقالَ بَعْضُ أهلِ العِلْمِ: إِذَا قَدَّمَ نُسُكًا قَبْلَ نُسُكٍ فَعَلَیْهِ دَمٌ.

ترجمہ: ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: میں نے قربانی سے پہلے سر منڈالیا، آپؐ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، اب قربانی کرلو، اور آپؐ سے دوسرے شخص نے پوچھا: میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کرلی آپؐ نے فرمایا: کوئی بات نہیں، اب رمی کرلو —— اس پر اکثر علماء کا عمل ہے، اور یہ احمد اور اسحاق کا قول ہے، اور بعض اہل علم کہتے ہیں: جب ایک کام کو دوسرے کام پر مقدم کرے تو اس پر دم واجب ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الطِّیْبِ عِنْدَ الإِحْلاَلِ قَبْلَ الزِّیَارَةِ

حلال ہونے کے بعد طوافِ زیارت سے پہلے خوشبو لگانے کا حکم

مذاہبِ فقہاء: جب محرم سر منڈا کر احرام کھول دے تو اس کے لئے بیوی کے علاوہ تمام ممنوعات حلال ہوجاتے

ہیں اور بیوی طوافِ زیارت کے بعد حلال ہوتی ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، البتہ طوافِ زیارت سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک طوافِ زیارت سے پہلے خوشبو لگانا بلا کراہیت جائز ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ عدم جواز کے قائل ہیں، اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔ اور بعض حضرات نے امام محمد رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے، مگر ان کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں۔ امام محمدؒ نے موطا محمد باب مایحرم علی الحاج بعد رمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر میں پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر تحریر کیا ہے کہ ''جس نے جمرۂ عقبہ کی رمی کرلی اس کے لئے تمام ممنوعات احرام حلال ہوجاتے ہیں، علاوہ عورت اور خوشبو کے'' پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث لکھی ہے: ''میں نے خود اپنے ہاتھوں سے نبی ﷺ کو طوافِ زیارت سے پہلے خوشبو لگائی ہے'' پھر امام محمد فرماتے ہیں: وبھذا نأخذ فی الطیب قبل زیارۃ البیت، وندع ماروی عمر وابن عمر، وھو قول أبی حنیفۃ والعامۃ من فقھائنا یعنی ہم اس کو یعنی حضرت عائشہؓ کی روایت کو لیتے ہیں طوافِ زیارت سے پہلے خوشبو لگانے کے مسئلہ میں اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے جو مروی ہے اس کو نہیں لیتے، یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے سبھی علماء کا قول ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ جمہور کے ساتھ ہیں (موطا محمد ص:۲۳۱)

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کو احرام باندھنے سے پہلے اور طوافِ زیارت سے پہلے ایسی خوشبو لگائی جس میں مشک شامل تھی۔

تشریح: یہ حدیث جمہور کا مستدل ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے جو اوپر مذکور ہوا، اور ابن الزبیر کی حدیث سے ہے جو مستدرک حاکم میں ہے: فإذا رمی الجمرۃَ الکبری حل له کلُّ شیئ حَرُمَ علیه إلا النساء والطیب حتی یزور البیت: جب جمرۂ عقبہ کی رمی کرلی تو تمام ممنوعات احرام حلال ہوگئے، علاوہ عورت اور خوشبو کے، یہاں تک کہ وہ طوافِ زیارت کرے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو علی شرط الشیخین بتایا ہے (مستدرک حاکم ۱:۴۶۱ فضیلۃ الحج ماشیا) ان روایات کا جواب یہ ہے کہ اقوالِ صحابہ: فعل نبوی کی موجودگی میں حجت نہیں، پس ان کو اس پر محمول کریں گے کہ ان کے علم میں یہ فعل نبوی نہیں ہوگا، پس انھوں نے خوشبو کو دواعیٔ جماع میں شمار کرکے ممنوع کہا ہوگا یا یہ کہیں گے کہ انھوں نے سدِّ ذرائع کے طور پر اس کی ممانعت کی ہوگی۔

فائدہ: حدیث شریف میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ احرام سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے، جمہور اسی کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں: احرام سے پہلے ہر قسم کی خوشبو لگانا بلا کراہیت جائز ہے، خواہ وہ دیر تک باقی رہنے والی خوشبو ہو یا جلدی اڑ جانے والی خوشبو ہو، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کو احرام سے پہلے مُشک ملی ہوئی خوشبو لگائی تھی جو دیرپا ہوتی ہے۔ اور امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک احرام سے پہلے ایسی خوشبو لگانا مکروہ ہے جس کا اثر

احرام کے بعد بھی باقی رہے۔ جاننا چاہئے کہ جمہور احرام کے کپڑوں پر خوشبو لگانے کے جواز کے قائل نہیں، اسی طرح کانوں میں عطر کا پھاہا رکھنا بھی جائز نہیں، صرف بدن پر خوشبو لگانا جائز ہے۔

[۷۷] باب ماجاء فی الطیب عند الإحلال قبل الزیارة

[۹۰٤-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيعٍ، نا هُشَيْمٌ، نا مَنْصُوْرُ بنُ زَاذَانَ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ الْقَاسِمِ، عن أَبِيْهِ، عن عائشةَ، قالتْ: طَيَّبْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ، وَيَوْمَ النَّحْرِ قَبْلَ أَنْ يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ، بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ.

وفي الباب: عن ابنِ عبّاسٍ، قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعملُ على هذا عَندَ أكثرِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ يَرَوْنَ أَنَّ الْمُحْرِمَ إِذَا رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ وَذَبَحَ وَحَلَقَ أَوْ قَصَّرَ فَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ حَرُمَ عَلَيْهِ إِلاَّ النِّسَاءَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وأحمدَ وإسحاقَ.

[۹۰٥-] وقَدْ رُوِىَ عن عُمَرَ بنِ الخَطَّابِ أَنَّهُ قالَ: حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلاَّ النِّسَاءَ وَالطِّيْبَ، وقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أهلِ العلمِ إِلَى هٰذَا مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ أهلِ الْكُوْفَةِ.

ترجمہ: اس پر صحابہ اور ان کے علاوہ اکثر علماء کا عمل ہے وہ کہتے ہیں: محرم جب یوم النحر میں جمرۂ عقبہ کی رمی کرلے اور قربانی ذبح کردے اور سر منڈادے یا بال ترشوادے تو اس کے لئے ہر وہ چیز حلال ہوجاتی ہے جو اس پر حرام تھی، علاوہ عورت کے۔ اور یہ شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاق کا قول ہے۔ اور حضرت عمرؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ اس کے لئے ہر چیز حلال ہے، علاوہ عورت اور خوشبو کے۔ اور صحابہ اور ان کے علاوہ بعض علماء اس اثر کی طرف گئے ہیں، اور یہ اہل کوفہ کا قول ہے (مگر یہ احناف کا قول نہیں، کوفہ کے دیگر مجتہدین کا قول ہوگا)

بابُ ماجاءَ مَتَى يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ فِيْ الْحَجِّ؟

حج میں تلبیہ کب بند کرے؟

حج وعمرۃ کا احرام باندھنے کے بعد تلبیہ افضل ذکر ہے پس احرام کی حالت میں خوب تلبیہ پڑھنا چاہئے، پھر جب دس ذی الحجہ کو جمرہ کی رمی کرے اس وقت تلبیہ بند کردے اور عمرہ میں جب طواف کے لئے کعبہ کے پاس پہنچے اور حجر اسود کو بوسہ دے اس وقت تلبیہ بند کردے، یہ جمہور کا مذہب ہے، اور اس میں امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کا اختلاف۔

[۷۸] باب ماجاء متی یقطع التلبیة فی الحج؟

[۹۰۶-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا یحییٰ بنُ سَعیدٍ القَطَّانُ، عن ابنِ جُرَیْجٍ، عن عَطَاءٍ، عن ابنِ عبّاسٍ، عن الفَضْلِ بنِ عبّاسٍ، قال: أَرْدَفَنِیْ رسولُ اللہ صلی اللہ علیه وسلم مِنْ جَمْعٍ إِلٰی مِنًی، فَلَمْ یَزَلْ یُلَبِّیْ حَتّٰی رَمیٰ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ.

وفی الباب: عن علیٍّ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وابنِ عبّاسٍ، قال أبو عیسی: حدیثُ الفَضْلِ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

والعَمَلُ علی هذا عِندَ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی اللہ علیه وسلم وغَیْرِهِمْ أَنَّ الحَاجَّ لَایَقْطَعُ التَّلْبِیَةَ حَتّٰی یَرْمِیَ الْجَمْرَةَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ، وأحمدَ وإسحاق.

ترجمہ: فضل بن عباس کہتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ سے منیٰ تک اپنی اونٹنی کے پیچھے بٹھالیا، آپؐ برابر تلبیہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کی ـــــ اور اس پر صحابہ اوران کے علاوہ کا عمل ہے کہ حاجی تلبیہ بند نہ کرے، یہاں تک کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کرے اور یہ شافعی، احمد، اسحاق (اور امام اعظم) کا قول ہے۔

بابُ ماجاءَ مَتیٰ یَقْطَعُ التَّلْبِیَةَ فِیْ العُمْرَةِ؟

عمرہ میں تلبیہ کب بند کرے؟

عمرہ کرنے والا تلبیہ کب ختم کرے؟ امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب حجر اسود کا استلام کرے اس وقت تلبیہ ختم کردے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک افتتاح طواف پر تلبیہ ختم کرے۔ یہ دونوں قول ایک ہی ہیں، اس لئے کہ استلام کے بعد فوراً طواف شروع ہوتا ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر احرام میقات سے باندھا ہے تو حدود حرم میں داخل ہوتے ہی تلبیہ بند کردے، اور اگر حل سے یعنی جعرانہ یا تنعیم سے احرام باندھا ہے تو جب مکہ کی آبادی میں داخل ہو یا مسجد حرام میں داخل ہو اس وقت تلبیہ بند کردے۔

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور وہ حدیث کو مرفوع کرتے ہیں کہ نبی ﷺ عمرہ میں تلبیہ ختم کردیا کرتے تھے جب آپؐ حجر اسود کو چھوتے تھے اور چومتے تھے۔

تشریح: یہ فعلی حدیث ہے اور ابوداؤد میں اسی سند سے قولی حدیث مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: معتمر تلبیہ کہتا رہے تا آنکہ حجر اسود کا استلام کرے (حدیث ۱۸۱۷) اور فعلی حدیث کی سند میں ابن ابی لیلیٰ صغیر ہیں جو ضعیف راوی ہیں، مگر امام ترمذیؒ نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں: عبدالملک بن ابی سفیان اور ہمام نے

بواسطہ عطاء: ابن عباس سے اس حدیث کو موقوف روایت کیا ہے اور اس باب میں عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث بھی ہے اور وہ مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ نے تین عمرے کئے اور سب ذی قعدہ میں کئے، آپؐ برابر تلبیہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ حجر اسود کا استلام کیا۔

[۷۹] باب ماجاء متى يقطع التلبية في العمرة؟

[۹۰۷-] حدثنا هَنَّادٌ، نا هُشَيْمٌ، عن ابنِ أَبي لَيْلٰى، عن عَطَاءٍ، عن ابنِ عبَّاسٍ، قال — يَرْفَعُ الحديثَ —: كانَ يُمْسِكُ عن التَّلْبِيَةِ فِي الْعُمْرَةِ إِذَا اسْتَلَمَ الْحَجَرَ.

وفي الباب: عن عبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبَّاسٍ، حديثٌ صحيحٌ.

والعَمَلُ عليهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أهلِ العلمِ، قَالُوْا: لَايَقْطَعُ الْمُعْتَمِرُ التَّلْبِيَةَ حَتّٰى يَسْتَلِمَ الْحَجَرَ، وقَالَ بَعْضُهُمْ: إِذَا انْتَهَى إِلٰى بُيُوْتِ مَكَّةَ قَطَعَ التَّلْبِيَةَ، والعملُ على حديثِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وبهِ يقولُ سُفيانُ، وَالشَّافِعِيُّ، واحمدُ، وإسحاقُ.

ترجمہ: اس پر اکثر علماء کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: عمرہ کرنے والا تلبیہ ختم نہ کرے، یہاں تک کہ حجر اسود کا استلام کرے اور بعض علماء کہتے ہیں: جب مکہ کے گھروں تک پہنچے تلبیہ ختم کردے اور عمل نبی ﷺ کی حدیث کے مطابق ہونا چاہئے اور اسی کے سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق قائل ہیں۔

بابُ ماجاءَ فِيْ طَوَافِ الزِّيَارَةِ بِاللَّيْلِ

رات میں طواف زیارت کرنے کا بیان

حج کا دوسرا رکن طواف زیارت ہے اور اس کا وقت ۱۰-۱۲ ذی الحجہ ہے، اس درمیان میں ہر وقت، رات میں بھی اور دن میں بھی طواف زیارت کرنا جائز ہے اور اگر بارہ کے غروب تک کوئی شخص طواف زیارت نہ کرسکا تو اس پر دم واجب ہوگا اور اسے طواف بھی کرنا ہوگا، اور اس میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

اور نبی ﷺ نے طواف زیارت دن میں کیا تھا یا رات میں؟ اس میں روایات میں اختلاف ہے، اور تمام محدثین وفقہاء متفق ہیں کہ آپؐ نے طواف زیارت دن میں کیا تھا اور اکثر روایتوں میں بھی یہی بات مروی ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ طواف زیارت کے لئے آپ ظہر سے پہلے تشریف لے گئے تھے یا ظہر کے بعد؟ اور آپؐ نے ظہر کہاں پڑھی تھی، منی میں یا مکہ میں؟ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپؐ نے رات تک طواف زیارت مؤخر کیا تھا۔ علماء نے اس کی متعدد توجیہیں کی ہیں، سب سے شاندار بات وہ ہے جو ابن حبانؒ نے فرمائی ہے

کہ آپؐ یوم النحر میں منیٰ میں ظہر پڑھا کر مکہ تشریف لے گئے تھے اور اونٹ پر سوار ہو کر طواف زیارت کیا تھا اور عصر سے پہلے منیٰ میں لوٹ آئے تھے، پھر عشاء پڑھا کر دوبارہ مکہ تشریف لے گئے تھے اور نفل طواف کیا تھا جس کو غلط فہمی سے طواف زیارت سمجھ لیا گیا (عمدۃ القاری ۱۰: ۶۸ باب الزيارة يوم النحر) اور علامہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپؐ نے منیٰ کی ہر رات میں نفل طواف کیا ہے (عمدۃ)

[۸۰] باب ماجاء فی طواف الزیارۃ باللیل

[۹۰۸-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نا سُفیانُ، عن أبی الزُّبَیْرِ، عن ابنِ عبّاسٍ، وعائشةَ: أنَّ النبیَّ صلی اللہ علیه وسلم أَخَّرَ طَوَافَ الزِّیَارَةِ إِلَی اللَّیْلِ.

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ، وقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أهلِ العلمِ فِیْ أَنْ یُؤَخِّرَ طَوَافَ الزِّیَارَةِ إِلَی اللَّیْلِ، واستَحَبَّ بَعْضُهُمْ أَنْ یَزُوْرَ یَوْمَ النَّحْرِ، وَوَسَّعَ بَعْضُهُمْ أَنْ یُؤَخِّرَ وَلَوْ إِلَی آخِرِ أَیَّامِ مِنیً.

ترجمہ: بعض علماء طواف زیارت کو رات تک مؤخر کرنے کی اجازت دیتے ہیں، اور بعض نے یوم النحر میں طواف زیارت کرنے کو پسند کیا ہے اور بعض نے اس کو منیٰ کے آخری دن تک (بارہ ذی الحجہ تک) مؤخر کرنے کی گنجائش رکھی ہے (اگر بارہ کا سورج غروب ہو گیا اور کسی نے طواف زیارت نہیں کیا تو بالاجماع دم واجب ہوگا اور طواف بھی کرنا ہوگا، اور حائضہ پاک ہو کر طواف کرے گی اور اس پر کوئی دم نہیں ہوگا)

بابُ ماجاءَ فِیْ نُزُوْلِ الأَبْطَحِ

ابطح میں اترنے کا بیان

آنحضور ﷺ جب تیرہ کی رمی کر کے منیٰ سے لوٹے تو مکہ سے باہر ابطح [1] نامی میدان میں پڑاؤ کیا تھا، ظہر تو منیٰ میں ادا فرمائی تھی، عصر تا عشاء چار نمازیں یہاں ابطح میں ادا فرمائیں اور عشاء کے بعد طواف وداع کر کے آدھی رات کے قریب مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے (بخاری حدیث ۱۷۶۳) آپ کا پڑاؤ ابطح میں عادت کے طور پر تھا یا عبادت

(۱) ابطح، بطحاء، مُحَصَّب اور خیفِ بنی کنانہ ایک ہی جگہ کے نام ہیں اور یہ وہی میدان ہے جہاں قریش نے قسمیں کھائی تھیں اور آپ کا، ابو طالب کا، بنو ہاشم کا اور بنو عبدالمطلب کا بائیکاٹ کیا تھا کہ جب تک وہ نبی کریم ﷺ کو ہمیں نہ سونپ دیں گے ان کے ساتھ کوئی راہ ورسم نہیں رکھی جائے گی، نہ شادی بیاہ کے معاملات ہونگے، نہ خرید وفروخت ہوگی، چنانچہ تین سال آپؐ نے اور آپؐ کے خاندان نے مشقت کے ساتھ گذارے تھے، پھر آپؐ نے اطلاع دی کہ قریش نے جس عہد نامہ کو خانہ کعبہ میں لٹکایا ہے اس کو دیمک نے چاٹ لیا ہے، تب جا کر قید سے چھٹکارا ملا اور بائیکاٹ ختم ہوا۔

کے طور پر؟ یعنی یہ نزول مناسک میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن عمرؓ اس کو سنت کہتے ہیں، اور ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ اس کو محض راستہ کی ایک منزل قرار دیتے ہیں، مناسک میں شمار نہیں کرتے۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپؐ نے وہاں پڑاؤ اس لئے کیا تھا کہ سب ساتھی وہاں جمع ہوجائیں اور وہاں سے ایک ساتھ واپسی عمل میں آئے (یہ حدیث اگلے باب میں آرہی ہے)

اور بخاری شریف میں ایک روایت (حدیث ۱۵۹۰) ہے کہ آپؐ نے منی کے ایام میں فرمایا تھا: ہم کل خیفِ بنی کنانہ میں پڑاؤ کریں گے جہاں قریش اور کنانہ نے باہم قسمیں کھائی تھیں یعنی رسول اللہ ﷺ کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا۔ اس روایت سے بعض حضرات نے یہ بات سمجھی ہے کہ آپؐ کا ابطح میں نزول ارادی تھا، دین کی رفعت شان کے لئے آپؐ وہاں اترے تھے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ نزول مناسک میں شامل نہیں، جیسے آپؐ حج کے موقع پر بیت اللہ میں داخل ہوئے تھے مگر اس میں اتفاق ہے کہ وہ مناسک میں شامل نہیں۔ غرض ائمہ اربعہ کے نزدیک تحصیب (ابطح میں اترنا) مناسک میں داخل نہیں مگر چونکہ آپؐ اور حضرات شیخین وہاں اترتے تھے اس لئے بیشتر علماء کے نزدیک تحصیب مستحب ہے (مگر اب وہاں مکانات بن گئے ہیں، وہاں نزول کی اب کوئی صورت نہیں)

[۸۱] باب ماجاء فی نزولِ الأبطَحِ

[۹۰۹-] حدثنا إسحاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، قالَ: حدثنا عبدُ الرَّزَّاقِ، نا عُبَيْدُ اللّٰهِ بنُ عُمَرَ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ، قالَ: كانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم وَأبُوْ بَكْرٍ وعُمَرُ وَعُثْمَانُ يَنْزِلُوْنَ الأَبْطَحَ.

وفي البابِ: عن عائشةَ، وأبي رَافِعٍ، وابنِ عبَّاسٍ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عبدِ الرزاقِ، عن عُبَيْدِ اللهِ بنِ عُمَرَ.

وقَدِ اسْتَحَبَّ بَعْضُ أهلِ العلمِ نُزُوْلَ الأَبْطَحِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَرَوْا ذٰلِكَ واجِبًا، إِلَّا مَنْ أَحَبَّ ذٰلِكَ: قال الشَّافِعِيُّ: ونُزُوْلُ الأَبْطَحِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ، إِنَّمَا هُوَ مَنْزِلٌ نَزَلَهُ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم.

[۹۱۰-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، نا سفيانُ، عن عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عن عَطَاءٍ، عن ابنِ عباسٍ، قالَ: لَيْسَ التَّحْصِيْبُ بِشَيْءٍ، إِنَّمَا هُوَ مَنْزِلٌ نَزَلَهُ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم.

قال أبو عيسى: التَّحْصِيْبُ نُزُوْلُ الأَبْطَحِ، قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: ابن عمرؓ کی حدیث کو ہم صرف عبدالرزاق کی سند سے جانتے ہیں۔ اور بعض علماء ابطح میں اترنے کو مستحب کہتے ہیں اس کو واجب جانے بغیر، ہاں جو شخص اس کو پسند کرے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اور ابطح میں اترنا مناسک میں

داخل نہیں، وہ صرف ایک منزل تھی جہاں رسول اللہ ﷺ اترے تھے۔ التحصیبُ کے معنی ہیں: ابطح میں اترنا۔

[۸۲] بابٌ

[۹۱۱-] حدثنا محمدُ بنُ عبدِ الأعلٰى، نا يَزِيْدُ بنُ زُرَيْعٍ، نا حَبِيْبُ الْمُعَلِّمُ، عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عن أَبِيْهِ، عن عائشةَ، قالتْ: إِنَّمَا نَزَلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الأَبْطَحَ لِأَنَّهُ كانَ أَسْمَحَ لِخُرُوْجِهِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

حدثنا ابن أبي عُمَرَ، نا سُفيانُ، عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ نَحْوَهُ

ترجمہ: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ ابطح میں صرف اس لئے اترے تھے کہ واپسی میں سہولت ہو، یعنی سب لوگ وہاں اکٹھے ہوجائیں پھر ایک ساتھ مدینہ کے لئے چلیں۔

بابُ ماجاءَ فِيْ حَجِّ الصَّبِيِّ

بچے کے حج کا بیان

تمام ائمہ متفق ہیں کہ نابالغ بچے پر حج فرض نہیں، لیکن اگر وہ حج کرے تو اس کا حج صحیح ہے، البتہ وہ فرض حج کے قائم مقام نہیں ہوگا، بالغ ہونے کے بعد بشرط استطاعت دوبارہ حج کرنا ہوگا۔ پھر اگر بچہ سمجھ دار ہے تو وہ ارکانِ حج خود ادا کرے گا اور اگر نا سمجھ ہے تو ولی یا سرپرست اس کی طرف سے ارکان ادا کرے گا، اور اس بچہ کو بھی احرام پہنانا اور عرفات لے جانا ضروری ہے۔ اور ولی اور سرپرست جس نے بچہ کی طرف سے ارکان ادا کئے ہیں وہ ثواب کا مستحق ہوگا، یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی مذہب ہے، اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم (۱:۴۳۲) میں جو لکھا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بچہ کا حج صحیح نہیں: یہ انتساب صحیح نہیں۔

حدیث (۱): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک عورت نے اپنا بچہ اٹھا کر نبی ﷺ کو دکھایا اور دریافت کیا: یارسول اللہ! کیا اس بچہ کا حج ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں اور تجھے ثواب ملے گا (کیونکہ تو بچہ کی طرف سے ارکان ادا کرے گی)

حدیث (۲): سائب بن یزید کہتے ہیں: حجۃ الوداع میں میرے ابا نے مجھے ساتھ لے کر نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا (معلوم ہوا کہ سمجھ دار بچہ کا حج صحیح ہے اور وہ ارکان خود ادا کرے گا)

حدیث (۳): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا تو ہم عورتوں کی طرف سے تلبیہ پڑھتے تھے اور بچوں کی طرف سے رمی کرتے تھے۔

تشریح: حضرت جابرؓ کی یہ حدیث غریب بھی ہے اور ضعیف بھی ہے، اشعث ضعیف راوی ہے اور ابو الزبیر مدلس ہیں، اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں اور ابن ماجہ، مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: حَجَجْنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعنا النِّسَاءُ والصِّبْيَانُ فَلَبَّيْنَا عن الصبيان ورَمَيْنَا عنهم یعنی ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا اور ہمارے ساتھ عورتیں اور بچے تھے پس ہم نے بچوں کی طرف سے تلبیہ پڑھا اور ان کی طرف سے رمی کی۔ حدیث کے یہ الفاظ اشبہ بالصواب ہیں، کیونکہ تمام ائمہ متفق ہیں کہ عورت خود تلبیہ پڑھے گی، تلبیہ میں نیابت جائز نہیں، اور یہاں جو حدیث ہے اس کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ عورتوں کی طرف سے رفع صوت میں نیابت مراد ہے یعنی عورتیں آہستہ تلبیہ پڑھتی تھیں اور ہم ان کی طرف سے زور سے تلبیہ پڑھتے تھے ــــ اور بچے کی طرف سے تلبیہ اور رمی میں نیابت اس وقت جائز ہے جبکہ بچہ ناسمجھ ہو اگر بچہ سمجھ دار ہو تو وہ خود تلبیہ پڑھے گا اور خود ہی رمی کرے گا۔

[۸۳] باب ماجاء في حج الصبي

[۹۱۲-] حدثنا محمدُ بنُ طَرِيْفٍ الكُوْفِيُّ، نا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عن مُحمدِ بنِ سُوْقَةَ، عن محمدِ بنِ المُنْكَدِرِ، عن جابرِ بنِ عبدِ اللهِ، قال: رَفَعَتِ امْرَأَةٌ صَبِيًّا لَهَا إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فقالَتْ: يارسولَ اللهِ! أَلِهٰذَا حَجٌّ؟ قال: "نَعَمْ وَلَكِ أَجْرٌ"

وفي الباب: عن ابنِ عبّاسٍ، حديثُ جَابِرٍ حديثٌ غريبٌ.

حدثنا قُتَيبةُ، نا قَزَعَةُ بنُ سُوَيْدٍ الْبَاهِلِيُّ، عن محمدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ، عن جَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وقَدْ رُوِيَ عن محمدِ بنِ الْمُنْكَدِرِ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلاً.

[۹۱۳-] حدثنا قُتَيبةُ بنُ سَعِيدٍ، نا حَاتِمُ بنُ إسماعيلَ، عن محمدِ بنِ يُوْسُفَ، عن السَّائِبِ بنِ يَزِيْدَ، قالَ: حَجَّ بِيْ أَبِيْ مَعَ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، وَأَنَا ابنُ سَبْعِ سِنِيْنَ،

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ العِلْمِ أَنَّ الصَّبِيَّ إِذَا حَجَّ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَ فَعَلَيْهِ الحَجُّ إِذَا أَدْرَكَ، لَاتُجْزِئُ عَنْهُ تِلْكَ الْحَجَّةُ عَنْ حَجَّةِ الإِسْلَامِ، وكَذٰلِكَ الْمَمْلُوْكُ إِذَا حَجَّ فِي رِقِّهِ، ثُمَّ أُعْتِقَ فَعَلَيْهِ الحَجُّ إِذَا وَجَدَ إِلَى ذٰلِكَ سَبِيْلاً، وَلَا يُجْزِئُ عَنْهُ مَا حَجَّ فِي حالِ رِقِّهِ. وهُوَ قولُ الثَّوْرِيِّ، والشَّافِعِيِّ، وأَحْمَدَ وإسحاقَ.

[۹۱٤-] حدثنا محمدُ بنُ إسماعيلَ الوَاسِطِيُّ، قالَ: سَمِعْتُ ابنَ نُمَيْرٍ، عن أَشْعَثَ بنِ سَوَّارٍ، عن أبي الزُّبَيْرِ، عن جَابِرٍ، قال: كُنَّا إِذَا حَجَجْنَا مَعَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فَكُنَّا نُلَبِّي عَنِ النِّسَاءِ وَنَرْمِي عَنِ الصِّبْيَانِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ لَانَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ هٰذَا الوَجْهِ، وقَدْ أَجْمَعَ أَهلُ العِلْمِ أَنَّ الْمَرْأَةَ لَايُلَبِّيْ عَنهَا غيرُهَا، بَلْ هِيَ تُلَبِّيْ ويُكْرَهُ لَهَا رَفْعُ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ.

وضاحت: پہلی حدیث جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے غریب ہے، محمد بن المنکدر سے اوپر ایک سند ہے، مگر تمام راوی ثقہ ہیں اور محمد بن سوقہ جو صحاح ستہ کے راوی ہیں حدیث کو مسند روایت کرتے ہیں، اور قزعۃ بن سوید باہلی ان کے متابع ہیں مگر وہ ضعیف راوی ہے اور بعض رواۃ محمد بن المنکدر سے اس کو مرسل روایت کرتے ہیں یعنی آخر میں حضرت جابر کا تذکرہ نہیں کرتے۔

ترجمہ: اور علماء کا اتفاق ہے کہ اگر بچہ بالغ ہونے سے پہلے حج کرے تو بالغ ہونے کے بعد اس پر حج فرض ہوگا، بچپن میں کیا ہوا حج فرض شمار نہیں ہوگا، ایسے ہی غلام، غلامی کے زمانہ میں حج کرے پھر آزاد ہو جائے تو اس پر حج فرض ہوگا جبکہ وہ بیت اللہ تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو، یعنی اس کے پاس زاد و راحلہ ہو اور جو حج اس نے غلامی کے زمانہ میں کیا ہے وہ کافی نہیں۔

اور تیسری حدیث بھی غریب ہے ہم اس کو نہیں جانتے مگر اس سند سے، اور علماء کا اجماع ہے کہ عورت کی طرف سے کوئی تلبیہ نہیں پڑھے گا بلکہ وہ خود تلبیہ پڑھے گی، البتہ عورت کے لئے زور سے تلبیہ پڑھنا مکروہ ہے۔

بابُ ماجاءَ في الحجِّ عن الشَّيْخِ الْكَبِيْرِ والْمَيِّتِ

شیخ فانی اور میت کی طرف سے حج بدل کا بیان

تمام ائمہ متفق ہیں کہ عبادت بدنی میں نیابت جائز نہیں، اور عبادت مالی میں مطلقاً نیابت جائز ہے۔ اور جو عبادت بدن اور مال سے مرکب ہے اور ایسی عبادت صرف حج ہے، اس میں حالت اضطرار میں نیابت جائز ہے اور حالت اختیار میں جائز نہیں، البتہ اضطرار کی حالت کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صرف موت اضطرار کی حالت ہے، پس زندہ شخص خواہ وہ بوڑھا ہو یا کوئی اور عذر ہو، حج بدل نہیں کرا سکتا بلکہ اس پر حج بدل کی وصیت کرنا ضروری ہے اور وصیت تہائی ترکہ میں نافذ ہوگی۔ باقی تینوں فقہاء کے نزدیک موت کے علاوہ بڑھاپا وغیرہ بھی عذر ہیں، پس جو شخص بڑھاپے کی وجہ سے، یا لنگڑا لولا، اندھا اور اپاہج ہونے کی وجہ سے خود حج نہیں کر سکتا تو اس کا حج بدل کرنا جائز ہے۔

چند مسائل:

(۱) اگر میت پر حج فرض تھا اور اس نے حج بدل کی وصیت کی، اور تہائی ترکہ سے حج بدل کیا جا سکتا ہے، یا سب

ورثاء عاقل بالغ ہیں اور وہ سب تہائی ترکہ سے زیادہ سے حج بدل کرانے کی اجازت دیتے ہیں یا جو عاقل بالغ ہیں وہ اپنے حصہ میں سے حج کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو زیادہ سے بھی حج کیا جاسکتا ہے، اور یہ حج بدل میت کے حق میں محسوب ہوگا، گویا اس نے خود حج کیا۔

(۲) اور اگر میت نے وصیت نہیں کی اور کوئی اس کی طرف سے اپنے پیسے سے حج بدل کرے تو اللہ کے فضل سے امید باندھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میت کے حساب میں لے لیں، یقین سے یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ وہ حج میت کے حساب میں محسوب ہوگا۔

(۳) اور اگر میت نے وصیت کی ہے، مگر تہائی ترکہ ناکافی ہے اور ورثاء زیادہ سے حج کی اجازت نہیں دیتے تو استحساناً میت کو فریضہ سے سبکدوش کرنے کے لئے اس جگہ سے حج کرایا جائے گا جہاں سے ثلث مال سے حج ہوسکتا ہے (بدائع الصنائع ۲: ۲۷۰ و أما بیان حکم فوات الحج)

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر میت کے ذمہ حج فرض تھا یا نذر کی وجہ سے اس کے ذمہ حج لازم ہوا ہے تو اس کی حیثیت قرضہ کی ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے، پس خواہ وہ وصیت کرے یا نہ کرے، اس کی طرف سے حج بدل کرانا ورثاء کی ذمہ داری ہے، اور وہ حج جمیع ترکہ سے ہوگا۔

حدیث: قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! میرے باپ کو اللہ کے فریضۂ حج نے پالیا ہے اور وہ بہت بوڑھے ہیں، اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھنے کی سکت نہیں رکھتے (تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟) آپؐ نے فرمایا: ''تم ان کی طرف سے حج کرو''

تشریح: استطاعتِ بدنی: نفسِ وجوبِ حج کے لئے شرط ہے یا وجوبِ اداء کے لئے؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک نفس وجوب کے لئے شرط ہے، پس اگر کوئی شخص بہت بوڑھا ہے، سواری پر نہیں بیٹھ سکتا، نہ ارکانِ حج ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور ایسی حالت میں زادوراحلہ کا مالک ہوا تو اس پر حج کرنا یا حج بدل کرانا یا حج کی وصیت کرنا فرض نہیں، کیونکہ جب اس میں حج ادا کرنے کی طاقت ہی نہیں تو اس پر حج فرض کرنا تکلیف مالایطاق ہے، ہاں اگر اُسے استطاعت مالی کے ساتھ استطاعت بدنی بھی حاصل تھی، مگر حج میں تاخیر کی یہاں تک کہ قدرت اور قوت ختم ہوگئی تو بالاتفاق اس پر حج فرض ہے، اگر خود نہ کرسکے تو حج بدل کرائے یا وصیت کرے۔ اور صاحبین کے نزدیک: استطاعتِ بدنی وجوب ادا کے لئے شرط ہے، نفس وجوب کے لئے شرط نہیں۔ پس جسے استطاعت مالی کے ساتھ استطاعت بدنی بھی حاصل ہو اس پر تو خود حج کرنا فرض ہے وہ حج بدل نہیں کراسکتا، اور جسے استطاعت بدنی حاصل نہیں اور وہ زادوراحلہ کا مالک ہوا تو اس پر حج بدل کرانا یا وصیت کرنا ضروری ہے، اور حدیث باب سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ سائلہ کے باپ پر شیخ کبیر ہونے کی حالت میں حج فرض ہوا ہے، پس اس سے صاحبین کے قول کی

تائید ہوتی ہے، مگر یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حج فرض ہونے کے بعد شیخ فانی ہوگیا ہو پس وہ جمہور کے موافق ہوگی۔

ملحوظہ: مذکورہ حدیث ابن عباسؓ سے چار طرح سے مروی ہے (۱) فضل بن عباس کے واسطہ سے (۲) حصین بن عوف کے واسطہ سے (اس سند کا ذکر مصری نسخہ میں ہے) (۳) سنان بن عبداللہ اور ان کی پھوپھی کے واسطہ سے (۴) براہ راست ابن عباسؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے امام بخاریؒ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا تو انھوں نے فضل بن عباس کے واسطہ والی حدیث کو اصح قرار دیا، کیونکہ آپؐ سے یہ سوال مزدلفہ اور منی کے راستہ میں کیا گیا تھا، اس وقت آنحضور ﷺ کے ردیف حضرت فضلؓ تھے اور ابن عباسؓ سامان کے ساتھ عرفہ سے سیدھے منی بھیج دیئے گئے تھے، مگر امام بخاریؒ نے دیگر اسانید کو بھی صحیح کہا ہے کیونکہ ممکن ہے ابن عباسؓ نے حصین بن عوف سے اور ابن عبداللہ اور ان کی پھوپھی سے بھی یہ حدیث سنی ہو، پھر کبھی مرسل بھی روایت کی ہو یعنی درمیان کے واسطوں کو حذف کر کے براہ راست نبی ﷺ کی طرف نسبت کی ہو۔

فائدہ: امام ترمذیؒ نے ترجمۃ الباب میں میت کا ذکر بطریق دلالۃ النص کیا ہے، جب شیخ فانی جو ابھی حیات ہے حج بدل کرا سکتا ہے تو میت کا عذر تو اس سے قوی ہے پس اس کی طرف سے بھی بدرجۂ اولیٰ حج بدل کرانا جائز ہے۔

[۸٤] باب ماجاء فی الحج عن الشیخ الکبیر والمیّت

[۹۱۵-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِیعٍ، قالَ: حدثنا رَوْحُ بنُ عُبَادَةَ، نا ابنُ جُرَیْجٍ، قالَ: أَخْبَرَنِی ابنُ شِهَابٍ، قال: حدَّثَنِی سُلَیْمَانُ بنُ یَسَارٍ، عن عبدِ اللهِ بنِ عبَّاسٍ، عن الفَضْلِ بنِ عبّاسٍ: أَنَّ امْرَأَةً مِنْ خَثْعَمٍ قَالَتْ: یارسولَ اللهِ! إِنَّ أَبِیْ أَدْرَکَتْهُ فَرِیْضَةُ اللهِ فِیْ الْحَجِّ وَهُوَ شَیْخٌ کَبِیْرٌ لاَ یَسْتَطِیْعُ أَنْ یَسْتَوِیَ علی ظَهْرِ البَعِیْرِ؟ قالَ: "حُجِّیْ عَنْهُ"

وفی الباب: عن علیٍّ، وبُرَیْدَةَ، وحُصَیْنِ بنِ عَوْفٍ، وأبی رَزِیْنٍ العُقَیْلِیِّ، وسَوْدَةَ، وابنِ عبّاسٍ،

قال أبو عیسی: حدیثُ الفضلِ بنِ عبّاسٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وَرُوِیَ عن ابنِ عبّاسٍ [عن حُصَیْنِ بنِ عَوْفٍ المُزَنِیِّ عن النبیِّ صلی الله علیه وسلم، وَرُوِیَ عن ابنِ عبّاسٍ] عن سِنَانِ بنِ عبدِ اللهِ الجُهَنِیِّ، عَنْ عَمَّتِهِ، عن النبیِّ صلی الله علیه وسلم، وَرُوِیَ عن ابنِ عبّاسٍ عن النبیِّ صلی الله علیه وسلم، فَسَأَلْتُ محمداً عن هذهِ الرِّوَایَاتِ، فقالَ: أَصَحُّ شیءٍ فی هذا مَارَوَی ابنُ عبّاسٍ، عنِ الفَضْلِ بنِ عبّاسٍ، عن النبیِّ صلی الله علیه وسلم، قالَ محمدٌ: وَیَحْتَمِلُ أَنْ یَکُوْنَ ابنُ عَبّاسٍ سَمِعَهُ مِنَ الْفَضْلِ وَغَیْرِهِ عن النبیِّ صلی الله علیه وسلم، ثُمَّ رَوَی هذا [عن النبی صلی الله علیه وسلم] فَأَرْسَلَهُ، وَلَمْ یَذْکُرِ الَّذِیْ سَمِعَهُ مِنْهُ.

قال أبو عيسى: وقَدْ صَحَّ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم في هذا البابِ غيرُ حديثٍ، والعَمَلُ عَلَى هذا عندَ أهلِ العلمِ مِنْ أصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ، وبِهِ يقولُ الثَّوْرِيُّ، وابنُ المباركِ، والشافِعِيُّ، وأحمدُ، وإسحاقُ: يَرَوْنَ أنْ يُحَجَّ عنِ الْمَيِّتِ، وقالَ مَالِكٌ: إذَا أَوْصَى أنْ يَحُجَّ عَنْهُ حُجَّ عَنْهُ، وقَدْ رَخَّصَ بَعْضُهُمْ أنْ يَحُجَّ عن الحَيِّ إذَا كانَ كَبِيْرًا، وبِحَالٍ لايَقْدِرُ أنْ يَحُجَّ، وَهُوَ قَوْلُ ابنِ المُبَارَكِ، والشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن عباس یہ حدیث فضل سے روایت کرتے ہیں اور [حصین کے واسطہ سے] اور سنان بن عبد اللہ سے بھی روایت کرتے ہیں، وہ اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں، وہ نبی ﷺ سے۔ اور ابن عباسؓ براہ راست بھی نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، پس میں نے امام بخاریؒ سے ان اسانید کے بارے میں پوچھا: انھوں نے فرمایا: ان میں سب سے زیادہ صحیح وہ حدیث ہے جو ابن عباس نے فضل بن عباس سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے۔ اور امام بخاری نے فرمایا: اور اس کا بھی احتمال ہے کہ ابن عباسؓ نے اس حدیث کو فضل بن عباس سے اور ان کے علاوہ سے مرسل (منقطع) روایت کیا ہو، یعنی جن سے یہ حدیث سنی ہے ان کا تذکرہ نہ کیا ہو، امام ترمذیؒ کہتے ہیں: نبی ﷺ سے اس باب میں متعدد صحیح حدیثیں مروی ہیں اور اس پر صحابہ اور ان کے علاوہ علماء کا عمل ہے، اور ثوریؒ، ابن المبارکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاق اسی کے قائل ہیں۔ وہ سب میت کی طرف سے حج کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب میت نے اپنی طرف سے حج کرانے کی وصیت کی ہو تو اس کی طرف سے حج کیا جائے گا، اور بعض علماء زندہ کی طرف سے بھی حج کرنے کی اجازت دیتے ہیں، جبکہ وہ بوڑھا ہو اور اس حال میں ہو کہ حج کرنے پر قادر نہ ہو، اور یہ ابن المبارک اور شافعی کا قول ہے۔

بابٌ مِنْهُ

دوسرے کی طرف سے عمرہ کرنے کا بیان

حدیث (۱): ابورزین عقیلی سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! بیشک میرے والد بہت بوڑھے ہیں، نہ حج کی طاقت رکھتے ہیں نہ عمرہ کی، اور نہ وہ جانور پر سواری کرنے کی طاقت رکھتے ہیں (الظَّعن (عین کے فتح اور سکون کے ساتھ) کے لغوی معنی ہیں: اونٹ پر سواری کرنا، پھر مطلقاً سواری کرنے کے لئے اس کا استعمال ہونے لگا) آپؐ نے فرمایا: ''تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو اور عمرہ کرو''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر کی طرف سے عمرہ بھی کیا جاسکتا ہے اور اس میں معذور ہونے کی بھی شرط نہیں ہے، کیونکہ عمرہ فرض نہیں اور جب زندہ کی طرف سے عمرہ کیا جاسکتا ہے تو میت کی طرف سے بھی بدرجہ اولیٰ

کیا جاسکتا ہے۔

حدیث (۲): حضرت بُریدہؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: بیشک میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس نے حج نہیں کیا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: "ہاں تم اس کی طرف سے حج کرو" (غالباً یہ کوئی اور عورت ہے، قبیلہ خَثْعَم کی عورت نہیں ہے جس کا سوال گذشتہ باب میں آیا ہے)

[۸۵] بابٌ مِنْهُ

[۹۱۶-] حدثنا يُوْسُفُ بنُ عيسى، نا وَكِيْعٌ، عن شُعْبَةَ، عنِ النُّعْمَانِ بنِ سَالِمٍ، عن عَمْرِو بنِ أَوْسٍ، عن أَبِي رَزِيْنٍ العُقَيْلِيِّ: أَنَّهُ أَتَى النبيَّ صلى الله عليه وسلم، فقالَ: يارسولَ اللهِ! إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَايَسْتَطِيْعُ الْحَجَّ وَلَا العُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ، قالَ: "حُجَّ عن أَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ"

قالَ أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وإِنَّمَا ذُكِرَتِ الْعُمْرَةُ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم في هذا الحديثِ: أَنْ يَعْتَمِرَ الرَّجُلُ عَنْ غَيْرِهِ، وأَبُوْ رَزِيْنٍ العُقَيْلِيُّ: اسْمُهُ لَقِيْطُ بنُ عَامِرٍ.

[۹۱۷-] حدثنا محمدُ بنُ عبدِ الأَعْلَى، نا عبدُ الرَّزَّاقِ، عن سُفيانَ الثَّوْرِيِّ، عن عبدِ اللهِ بنِ عَطَاءٍ، عن عَبْدِ اللهِ بنِ بُرَيْدَةَ، عن أَبِيْهِ، قالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فقالَتْ: إِنَّ أُمِّيْ مَاتَتْ وَلَمْ تَحُجَّ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قال: "نَعَمْ حُجِّيْ عَنْهَا"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دوسرے کی طرف سے عمرہ کرنے کے سلسلہ میں مرفوع روایت بس یہی ایک ہے (البتہ حج بدل کی روایات متعدد ہیں)

بابُ ماجاءَ في العُمْرَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ أَمْ لَا؟

کیا عمرہ واجب ہے؟

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک حج کی طرح زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ بھی واجب (بمعنی فرض) ہے اور حج کے ساتھ عمرہ کرنے سے بھی یہ واجب ادا ہو جاتا ہے اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک عمرہ سنت ہے واجب نہیں، اور باب میں جو حدیث ہے وہ بڑے دو اماموں کی دلیل ہے، مگر وہ حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے اس کے باوجود امام ترمذیؒ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے اور ان کی اصل دلیل عدم دلیل ہے، عمرہ کا وجوب ثابت کرنے والی کوئی نص موجود نہیں، اور آیت پاک: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ سے نہ تو حج کی فرضیت

ثابت ہوتی ہے اور نہ عمرہ کی، حج کی فرضیت: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ سے ثابت ہوتی ہے اور عمرہ کے بارے میں نہ کوئی دوسری آیت ہے اور نہ حدیث، مگر چونکہ آپؐ نے عمرے کئے ہیں اس لئے عمرہ کا زیادہ سے زیادہ سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور چھوٹے دواماموں کی دلیل ابن عمر اور ابن عباس کے اقوال ہیں وہ عمرہ کو واجب کہتے تھے (بخاری اوائل کتاب العمرۃ)

[۸۶] باب ماجاء في العمرةِ: أواجبة هي أم لا؟

[۹۱۸-] حدثنا محمدُ بنُ عبدِ الأعلى الصَّنْعَانيُّ، ثَنَا عُمَرُ بنُ عليٍّ، عن الحَجَّاجِ، عن محمدِ بنِ المُنْكَدِرِ، عن جَابِرٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم سُئِلَ عَنِ العُمْرَةِ: أَوَاجِبَةٌ هِيَ؟ قال: "لا، وأَنْ يَعْتَمِرُوْا هُوَ أَفْضَلُ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أهلِ العلمِ قَالُوْا: العُمْرَةُ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ، وكَانَ يُقَالُ: هُمَا حَجَّانِ: الْحَجُّ الأَكْبَرُ يَوْمَ النَّحْرِ، وَالْحَجُّ الأَصْغَرُ العُمْرَةُ.

وقالَ الشَّافِعِيُّ: العُمْرَةُ سُنَّةٌ، لاَنَعْلَمُ أَحَدًا رَخَّصَ فِيْ تَرْكِهَا، وَلَيْسَ فِيْهَا شَيْئٌ ثَابِتٌ بِأَنَّهَا تَطَوُّعٌ، قال: وقَدْ رُوِيَ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ ضَعِيْفٌ، لاَتَقُوْمُ بِمِثْلِهِ الْحُجَّةُ، وقَدْ بَلَغَنَا عَنِ ابنِ عبَّاسٍ أَنَّهُ كانَ يُوْجِبُهَا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے عمرہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ واجب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "نہیں، اور لوگ عمرہ کریں یہ اچھی بات ہے" —— اور یہ بعض علماء کا قول ہے، وہ کہتے ہیں: عمرہ واجب نہیں اور کہا جاتا تھا کہ یہ دو حج ہیں: حج اکبر یوم النحر کو ہوتا ہے اور حج اصغر عمرہ ہے، یعنی شریعت کی اصطلاح میں حج وعمرہ دونوں حج ہیں اور فرق کرنے کے لئے اصغر واکبر کی قید بڑھاتے ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عمرہ سنت ہے (أی ثابتٌ بالسنة) ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے عمرہ ترک کرنے کی اجازت دی ہو، اور ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے عمرہ کا نفل ہونا ثابت ہوتا ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور یہ (یعنی عمرہ کا نفل ہونا) نبی ﷺ سے مروی ہے مگر وہ حدیث ضعیف ہے اس جیسے مسئلہ میں اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، اور ہمیں ابن عباس سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ عمرہ کو واجب کہا کرتے تھے۔

تشریح: امام شافعیؒ کا استدلال عجیب ہے، عمرہ کے سنت ونفل ہونے کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، اس کے لئے بس اتنی بات کافی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عمرے کئے ہیں، ہاں وجوب ثابت کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور وجوب پر دلالت کرنے والی کوئی نص نہیں، پس عدم دلیل ہی عمرہ کے عدم وجوب کی دلیل ہے۔

بابٌ مِنْهُ

کیا اشہر حج میں عمرہ کرنا جائز ہے؟

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عمرہ حج میں قیامت کے دن تک داخل ہوگیا!''

تشریح: زمانۂ جاہلیت کا یہ تصور تھا کہ جس شخص کو جس سال حج کرنا ہو اس سال وہ اشہر حج میں عمرہ نہیں کرسکتا اس حدیث سے یہ تصور ختم کیا گیا ہے۔ اب عمرہ حج میں داخل ہوگیا، پس اشہر حج میں بھی عمرہ کیا جاسکتا ہے اور حج کے سفر میں بھی عمرہ ہوسکتا ہے اور حج کے ساتھ ملا کر قران بھی کیا جاسکتا ہے۔ حدیث کا یہی مطلب ہے اور بعض حضرات نے حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قارن پر عمرہ کے افعال الگ سے واجب نہیں، حج کے طواف وسعی سے عمرہ کے طواف وسعی بھی ہوجاتے ہیں مگر حدیث کا یہ مطلب نہیں، پہلا مطلب ہی صحیح ہے، اور قارن پر ایک طواف اور ایک سعی ہے یا دو طواف اور دو سعی: یہ مسئلہ آگے آرہا ہے۔

فائدہ: میقات دو ہیں: میقاتِ مکانی اور وہ پانچ ہیں: تفصیل پہلے گذر چکی ہے اور میقاتِ زمانی اور وہ ڈھائی مہینے ہیں، شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کا عشرۂ اولیٰ۔ اور حج وعمرہ کا احرام میقات مکانی سے پہلے باندھنا مستحب ہے اور میقاتِ زمانی یعنی شوال کا چاند نظر آنے سے پہلے حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے۔

[۸۷] بابٌ مِنْهُ

[۹۱۹-] حدثنا أحمدُ بنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ، ثنا زِيَادُ بنُ عبدِ اللّٰهِ، عن يَزِيْدَ بنِ أَبِىْ زِيَادٍ، عن مُجَاهِدٍ، عن ابنِ عبّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال:'' دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِى الْحَجِّ إلى يَوْمِ الْقِيَامَةِ''

وفى الباب: عن سُرَاقَةَ بنِ مَالِكِ بنِ جُعْشَمٍ، وجَابِرِ بنِ عبدِ الله، قال أبوعيسى: حديثُ ابنِ عبّاسٍ حديثٌ حسنٌ.

ومَعْنى هذا الحديثِ: أَنْ لَا بَأْسَ بِالْعُمْرَةِ فِىْ أَشْهُرِ الْحَجِّ، وهٰكَذَا قالَ الشَّافِعِيُّ وأحمدُ وإسحاقُ.

ومَعنى هذا الحديثِ: أَنَّ أَهلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا لَايَعْتَمِرُوْنَ فِىْ أَشْهُرِ الْحَجِّ، فَلَمَّا جَاءَ الإِسْلَامُ رَخَّصَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم فِىْ ذٰلِكَ، قالَ:'' دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِى الْحَجِّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ'' يعنى لابَأْسَ بِالْعُمْرَةِ فِىْ أَشْهُرِ الْحَجِّ.

وأَشْهُرُ الْحَجِّ: شَوَّالٌ وذُو القَعْدَةِ وعَشْرٌ مِنْ ذِى الْحِجَّةِ: لَايَنْبَغِىْ لِلرَّجُلِ أَنْ يُهِلَّ بِالْحَجِّ إِلَّا فِىْ أَشْهُرِ الْحَجِّ.

وأَشْهُرُ الحُرُمِ: رَجَبٌ وَذو القَعْدَةِ وَذو الحِجَّةِ والمُحَرَّمُ، هكذا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ العلمِ

مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اشہر حج میں عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور شافعی، احمد اور اسحاق یہی بات کہتے ہیں، اور اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ اشہر حج میں عمرہ نہیں کیا کرتے تھے، پس جب اسلام آیا تو نبی ﷺ نے اس کی اجازت دیدی اور فرمایا: ''عمرہ حج میں داخل ہوگیا قیامت کے دن تک'' یعنی اب اشہر حج میں عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اشہر حج: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہیں، کسی آدمی کے لئے حج کا احرام باندھنا مناسب نہیں، مگر اشہر حج میں —— اور اشہر حرم (محترم مہینے) رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ صحابہ اور ان کے علاوہ متعدد علماء سے یہی مروی ہے۔

بابُ ماجاءَ فِيْ ذِكْرِ فَضْلِ الْعُمْرَةِ

عمرہ کے ثواب کا بیان

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کفارہ ہے ان گناہوں کا جو درمیان میں ہوئے ہیں۔ اور حج مبرور کا بدلہ جنت ہی ہے''

تشریح: شعائر اللہ (بیت اللہ) کی تعظیم اور رحمت الٰہی کے سمندر میں غوطہ زن ہونا گناہوں کو مٹاتا ہے اور جنت میں پہنچاتا ہے اور حج مبرور کی فضیلت سے بہرہ ور ہونے کے لئے حج کے سفر میں رفث فسوق اور جدال سے احتراز ضروری ہے، تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

[۸۸] باب ماجاء في ذكر فضل العمرة

[۹۲۰-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نا وَكِيْعٌ، عن سُفيانَ، عن سُمَيٍّ، عن أَبِيْ صَالِحٍ، عن أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قالَ: قالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " العُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ تُكَفِّرُ مَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلاَّ الْجَنَّةُ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ في العُمْرَةِ مِنَ التَّنْعِيْمِ

تنعیم سے عمرہ کرنے کا بیان

حجۃ الوداع میں جب مکہ میں پہنچنے کے بعد وحی آئی کہ جن کے پاس ہدی نہیں ہے وہ حج کے احرام کو عمرہ کا احرام

کردیں اور ارکانِ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے، پھر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ ہی سے دوبارہ حج کا احرام باندھیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی حج کے احرام کو عمرے کا احرام کر دیا مگر وہ حالت حیض میں تھیں اس لئے عمرہ کے ارکان ادا نہیں کر سکیں، ابھی انھوں نے ارکانِ عمرہ ادا نہیں کئے تھے کہ یوم الترویہ آ گیا۔ نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ عمرہ کا احرام توڑ دیں اور فرمایا: نہا کر اور سر میں کنگھی کر کے حج کا احرام باندھ لو، چنانچہ انھوں نے عمرہ کا احرام توڑ دیا اور حج کا احرام باندھ لیا اور منی، عرفات وغیرہ گئیں، پھر مزدلفہ کی رات میں وہ پاک ہوئیں، تیرہ ذی الحجہ کو نبی ﷺ نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن کو حکم دیا کہ وہ اپنی بہن کو تنعیم لے جائیں اور وہاں سے عمرہ کرائیں، پھر فلاں مقام میں آ کر قافلہ میں مل جائیں وہاں میں انتظار کروں گا۔ غرض حضرت عائشہؓ نے مقام تنعیم سے عمرہ کیا ہے اور یہ جگہ کعبہ شریف سے قریب ترین حل ہے، تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے اور اب وہاں مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے، اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر عورت نے عمرہ کا احرام باندھا ہے اور حیض کی وجہ سے ارکانِ عمرہ ادا نہ کر سکے اور آٹھ ذی الحجہ آ جائے تو وہ عمرے کا احرام توڑ دے اور حج کا احرام باندھ لے، پھر حج کے بعد عمرہ کی قضا کرے۔

[۸۹] باب ماجاء في العمرة من التنعيم

[۹۲۱-] حدثنا يَحيى بنُ مُوسى، وابنُ أَبِي عُمَرَ، قالا: نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عن عَمْرِو بنِ أَوْسٍ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ أبي بَكْرٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أَمَرَ عبدَ الرحمنِ بنَ أَبِي بَكْرٍ أَنْ يُعْمِرَ عَائِشَةَ مِنَ التَّنْعِيمِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ في العُمْرَةِ مِنَ الْجِعْرَانَةِ

جعرانہ سے عمرہ کرنے کا بیان

فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے مکہ معظمہ میں انیس دن قیام فرمایا ہے، پھر حنین تشریف لے گئے، وہاں سے طائف گئے اور ایک مہینے تک اس کا محاصرہ کیا، پھر جعرانہ میں آ کر حنین کی غنیمت تقسیم کی، اس لئے یہاں کئی دن قیام رہا، پھر جب مدینہ لوٹنے کا وقت آیا تو آپ نے ایک رات جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا، اور عمرہ ادا کر کے صبح سے پہلے جعرانہ لوٹ آئے، اس لئے اکثر لوگوں سے یہ عمرہ مخفی رہا، پھر اگلے دن زوال کے بعد مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی، میدانِ سرف کے بیچ میں سے جو راستہ گذرتا ہے آپ اس پر چلے اور جہاں مکہ کے بالائی اور زیریں حصوں کے راستے ملتے ہیں اس پر آ کر مدینہ کے روڈ پر چلے۔

ملحوظہ: آج کل تنعیم سے جو عمرہ کیا جاتا ہے اس کو چھوٹا عمرہ کہتے ہیں، کیونکہ وہ جگہ کعبہ سے نزدیک ہے اس میں خرچ کم ہوتا ہے اور جعرانہ سے جو عمرہ کیا جاتا ہے اس کو بڑا عمرہ کہتے ہیں اس میں خرچ زیادہ ہوتا ہے وہ مکہ سے بعید ترین حل کی جگہ ہے (اور یہ لفظ جِعْرَانة اور جِعِرَّانة دونوں طرح درست ہے)

[۹۰] باب ماجاء في العمرة من الجِعْرَانةِ

[۹۲۲-] حدثنا محمدُ بنُ بَشّارٍ، نا يَحيىَ بنُ سَعيدٍ، عن ابنِ جُرَيْجٍ، عَنْ مُزَاحِمِ بنِ أَبِي مُزَاحِمٍ، عن عبدِ العزيزِ بنِ عبدِ الله، عن مُحَرِّشٍ الكَعْبِيِّ: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم خَرَجَ مِنَ الْجِعْرَانَةِ لَيْلاً مُعْتَمِرًا، فَدَخَلَ مَكَّةَ لَيْلاً، فَقَضَى عُمْرَتَهُ، ثُمَّ خَرَجَ مِنْ لَيْلَتِهِ، فَأَصْبَحَ بِالْجِعْرَانَةِ كَبَائِتٍ، فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْغَدِ خَرَجَ فِي بَطْنِ سَرِفَ حَتَّى جَاءَ مَعَ الطَّرِيْقِ، طَرِيْقِ جَمْعٍ بِبَطْنِ سَرِفَ، فَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ خَفِيَتْ عُمْرَتُهُ على النَّاسِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَلاَ نَعْرِفُ لِمُحَرِّشٍ الكَعْبِيِّ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم غَيْرَ هذا الحديثِ.

ترجمہ: محرش کعبی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جعرانہ سے رات میں عمرہ کا احرام باندھ کر نکلے اور مکہ میں رات میں داخل ہوئے اور عمرہ کے ارکان ادا کئے، پھر مکہ سے رات ہی میں نکلے اور جعرانہ میں اس طرح صبح کی کہ گویا آپؐ نے یہیں رات گذاری ہے، پھر جب اگلے دن سورج ڈھلا تو آپؐ سرف کے بیچ میں سے جو راستہ جاتا ہے اس پر چلے یہاں تک کہ روڈ پر آگئے یعنی ہائے وے پر آگئے جو مقام سرف کے بیچ سے گذرتا ہے۔ پس اسی وجہ سے آپؐ کا یہ عمرہ لوگوں پر مخفی رہ گیا —— محرش الکعبی قلیل الروایہ صحابی ہیں، ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔

بابُ ماجاءَ في عُمْرَةِ رَجَبٍ

رجب میں آپؐ نے عمرہ نہیں کیا

نبی ﷺ نے چار عمرے کئے ہیں اور چاروں حقیقتاً یا حکماً ذوالقعدہ میں کئے ہیں، رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا، مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایسا یاد رہ گیا کہ آپؐ نے ایک عمرہ رجب میں بھی کیا ہے اس لئے انھوں نے طلبہ کے سامنے یہی بات بیان کی، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات پہنچی تو انھوں نے فرمایا: اللہ ابو عبدالرحمٰن (یہ ابن عمر کی کنیت ہے) کو معاف فرمائیں! رسول اللہ ﷺ نے جتنے عمرے کئے ہیں سب میں ابن عمرؓ آپؐ کے ساتھ تھے، مگر آپؐ نے کوئی عمرہ رجب میں نہیں کیا (ابن عمرؓ یہ سن کر خاموش رہے، ان کو اپنے تسامح کا احساس ہوگیا)

[۹۱] باب ماجاء في عمرةِ رجبٍ

[۹۲۳-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نا يَحيىَ بنُ آدَمَ، عن أبی بَكْرِ بنِ عَيَّاشٍ، عن الأَعْمَشِ، عن حَبِيْبِ بنِ أَبِیْ ثَابِتٍ، عن عُرْوَةَ، قالَ: سُئِلَ ابنُ عُمَرَ فِیْ أَیِّ شَهْرٍ اعْتَمَرَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم؟ فقالَ فِیْ رَجَبٍ، قالَ: فَقَالَتْ عائشةُ: ماَاعْتَمَرَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم إِلاَّ وَهُوَ مَعَهُ، تَعْنِیْ ابنَ عُمَرَ، وَمَا اعْتَمَرَ فِیْ شَهْرِ رَجَبٍ قَطُّ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ، سَمِعْتُ محمداً يقولُ: حَبِيْبُ بنُ أَبِیْ ثَابِتٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ.

[۹۲٤-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، نا الحَسَنُ بنُ مُوْسَى، نا شَيْبَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عن مُجَاهِدٍ، عن ابنِ عُمَرَ: أَنَّ النبیَّ صلى الله عليه وسلم اعْتَمَرَ أَرْبَعًا إِحْدَاهُنَّ فِیْ رَجَبٍ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: ابن عمرؓ سے پوچھا گیا: رسول اللہ ﷺ نے کس مہینے میں عمرہ کیا؟ آپ نے فرمایا: رجب میں، عروہ کہتے ہیں: حضرت عائشہؓ نے فرمایا: نبی ﷺ نے کوئی عمرہ نہیں کیا مگر ابن عمر آپؐ کے ساتھ تھے اور آپؐ نے ماہ رجب میں کبھی عمرہ نہیں کیا ـــــ اس حدیث میں انقطاع ہے کیونکہ حبیب بن ابی ثابت کا حضرت عروہ سے سماع نہیں ـــــ ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے چار عمرے کئے ان میں سے ایک عمرہ رجب میں کیا ہے (یہی وہ روایت ہے جس پر حضرت عائشہؓ نے نقد کیا ہے)

بابُ ماجاءَ فِیْ عُمْرَةِ ذِی الْقَعْدَةِ

ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کا بیان

نبی ﷺ نے چاروں عمرے ذی قعدہ میں کئے ہیں، حدیبیہ کے سال بھی ذی قعدہ میں عمرہ کے لئے تشریف لے جارہے تھے، مگر مشرکین نے جانے نہیں دیا، پس یہ ایک عمرہ ہوا۔ پھر آئندہ سال ذی قعدہ میں اس کی قضا کی، اور جعرانہ سے جو عمرہ کیا تھا وہ بھی ذی قعدہ میں کیا تھا اور حج کے ساتھ جو عمرہ کیا تھا اس کا احرام بھی ذی قعدہ میں باندھا تھا۔

[۹۲] باب ماجاء في عمرة ذی القعدة

[۹۲۵-] حدثنا العَبَّاسُ بنُ محمدٍ الدُّوْرِیُّ، ثنا إسحاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ السَّلُوْلِیُّ الكُوْفِیُّ، عن إسرائيلَ،

عن أبي إسحاق، عن البَرَاءِ: أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم اعْتَمَرَ فِي ذِي القَعْدَةِ.
قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ فِي عُمْرَةِ رَمَضَانَ

رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت

آنحضرت ﷺ نے رمضان میں کوئی عمرہ نہیں کیا، البتہ رمضان میں عمرہ کی فضیلت بیان کی ہے کہ وہ حج کے برابر ہے، یہاں اگر کوئی سوال کرے کہ جب رمضان کے عمرہ کی یہ فضیلت ہے تو آپؐ نے رمضان میں عمرہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے بعد ایک خاص موقع پر یہ بات فرمائی تھی مگر اس کے بعد آپؐ کو رمضان نہیں ملا، ربیع الاول میں انتقال ہوگیا، اس لئے آپؐ نے رمضان میں عمرہ نہیں کیا۔

اور اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ایک خاتون ام معقل رضی اللہ عنہا ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق تھا اور آپؐ کے ساتھ حج کرنے کی ان کی بڑی آرزو تھی، چنانچہ انھوں نے اونٹ وغیرہ خرید کر تیاری کرلی تھی مگر وہ حضور ﷺ کے ساتھ حج میں نہیں جاسکیں، جب آپؐ حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ مراجعت فرما ہوئے تو وہ ملاقات کے لئے آئیں، آپؐ نے پوچھا: ام معقل! تم نے تو حج کی پوری تیاری کررکھی تھی، پھر حج میں کیوں نہیں آئیں؟ انھوں نے شکستہ دل سے جواب دیا: یارسول اللہ! آرزو تو بہت تھی مگر کیا کرتی ابومعقل کو چیچک نکل آئی اس لئے دل مسوس کررہ گئی! آپؐ نے فرمایا: ''رمضان میں عمرہ کرلینا میرے ساتھ حج کرنے کا ثواب مل جائے گا''

اس حدیث میں سب سے پہلی بات غور طلب یہ ہے کہ یہ فضیلت اس رمضان کے ساتھ خاص تھی یا قیامت تک کے رمضانوں کے لئے ہے؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ فضیلت صرف ام معقلؓ کے لئے ہے یا ہر شخص کے لئے ہے؟ حدیث سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ فضیلت ام معقل ہی کے لئے تھی اور اس مخصوص رمضان کے لئے تھی، لیکن پوری امت متفق ہے کہ یہ فضیلت عام ہے، ام معقلؓ کے ساتھ خاص نہیں، اور اس مخصوص رمضان کے لئے بھی نہیں، ہر رمضان میں عمرہ کرنے کی یہ فضیلت ہے۔ پس جب پوری امت کی رائے یہ ہے تو ہماری بھی رائے یہی ہے، البتہ ایک حدیث میں لفظ مَعی آیا ہے یعنی رمضان میں عمرہ کرنے کا ثواب نبی ﷺ کے ساتھ حج کرنے کے ثواب کے برابر ہے، اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ لفظ مَعی میں اول تو راوی کو شک ہے پھر لفظ مَعی کو علماء نے عام نہیں کیا، ام معقل کے ساتھ خاص رکھا ہے، کیونکہ انھوں نے آپؐ کے ساتھ حج کی پوری تیاری کرلی تھی، مگر شوہر کی خدمت کے لئے رک گئیں، اس لئے ان کو یہ صلہ ملا۔ چنانچہ علماء بس اتنی بات کہتے ہیں کہ رمضان میں عمرہ کرنے سے حج کا ثواب ملتا ہے۔ حضور ﷺ کے ساتھ حج کرنے کا ثواب ملتا ہے یہ بات کوئی نہیں کہتا۔

فائدہ: عمرہ چھوٹا حج ہے کیونکہ حج میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں: ایک: شعائر اللہ کی تعظیم، دوسری: لوگوں کا اجتماعی طور پر اللہ کی رحمت کو طلب کرنا، اور عمرہ میں صرف پہلی بات پائی جاتی ہے اس لئے اس کا درجہ حج سے کم ہے، مگر رمضان کے عمرہ میں دونوں باتیں پائی جاتی ہیں، رمضان میں نیکوکاروں کے انوار ایک دوسرے پر پلٹتے ہیں اور روحانیت کا نزول ہوتا ہے اور اب تو رمضان کے عمرہ میں حج جیسا منظر ہوتا ہے، لوگوں کا بڑا اجتماع ہوتا ہے اس لئے رمضان کے عمرہ کو جو حج کے برابر گردانا گیا ہے وہ خوب سمجھ میں آجاتا ہے۔

[۹۳] باب ماجاء فی عمرة رمضان

[۹۲۶-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، نا أبو أحمدَ الزُّبَيْرِيُّ، حدثنا إسْرَائِيْلُ، عن أَبِيْ إِسْحَاقَ، عنِ الأَسْوَدِ بنِ يَزِيْدَ، عن ابنِ أُمِّ مَعْقِلٍ، عن أُمِّ مَعْقِلٍ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ: "عُمْرَةٌ فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً"

وفي الباب: عن ابنِ عبَّاسٍ، وجَابِرٍ، وأبي هريرةَ، وأنسٍ، وَوَهْبِ بنِ خَنْبَشٍ، قالَ أبو عيسى: وَيُقَالُ هَرِمُ بنُ خَنْبَشٍ: قَالَ بَيَانٌ وَجَابِرٌ عن الشَّعْبِيِّ: عن وَهْبِ بنِ خَنْبَشٍ، وَقَالَ دَاوُدُ الأَوْدِيُّ، عن الشَّعْبِيِّ: عن هَرِمِ بنِ خَنْبَشٍ، وَوَهْبٌ أَصَحُّ، وَحَدِيْثُ أُمِّ مَعْقِلٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ مِنْ هٰذا الوَجْهِ.

وقالَ أحمدُ وإسحاقُ: قَدْ ثَبَتَ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّ عُمْرَةً فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً، قالَ إسحاقُ: مَعْنَى هذا الحديثِ مِثْلَ مَارُوِيَ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ فَقَدْ قَرَأَ ثُلُثَ القُرآنِ"

ترجمہ: باب میں جن صحابہ کی حدیثوں کا حوالہ ہے ان میں ایک صحابی وہب بن خنبش ہیں، ان کے نام میں اختلاف ہے، بیان بن بشر اور جابر جعفی: وہب بن خنبش کہتے ہیں اور داؤد اودی: ہرم بن خنبش کہتے ہیں۔ صحیح نام وہب ہے (ہرم نہیں) ——— امام احمد اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے، اسحاق کہتے ہیں: اس حدیث کا مطلب ایسا ہی ہے جیسا سورۂ اخلاص کی فضیلت میں مروی حدیث کا ہے، آپؐ نے فرمایا: جس نے سورۂ اخلاص پڑھی اس نے تہائی قرآن پڑھا (یعنی سورۂ اخلاص پڑھنے سے تہائی قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، مذکورہ حدیث بھی اسی انداز پر ہے، یعنی رمضان میں عمرہ کرنے کا فضلی (انعامی) ثواب حج کے اصلی ثواب کے برابر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حج کی ضرورت نہیں، اس کی اہمیت اپنی جگہ پر ہے اس لئے کہ حج کا اصلی اور فضلی ثواب بے حساب ہے۔ تفصیل کتاب الصلوٰۃ باب ۵۲ میں ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الَّذِیْ یُهِلُّ بِالْحَجِّ فَیُکْسَرُ أَوْ یَعْرَجُ

جوشخص حج کا احرام باندھے پھر اس کی ہدی ٹوٹ جائے یا لنگڑا ہو جائے تو کیا کرے؟

کسی شخص نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا، پھر کوئی حادثہ پیش آیا اور لنگڑا ہو گیا یا ایکسیڈنٹ ہوا اور ہڈیاں ٹوٹ گئیں، یا کسی شدید مرض میں مبتلا ہو گیا یا کسی جرم کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے جیل میں چلا گیا یا سب مال واسباب چوری ہو گیا اور سفر کے اسباب نہ رہے یا دشمن نے روک دیا تو ان سب صورتوں میں احناف کے نزدیک احصار متحقق ہوگا۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک احصار صرف دشمن کی وجہ سے ہوتا ہے دیگر اعذار کی وجہ سے احصار متحقق نہیں ہوتا۔

اور احصار میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: جہاں احصار ہوا ہے محصر وہیں قربانی کر کے اور سر منڈا کر احرام کھول دے گا، اور اس پر اس حج یا عمرہ کی قضا واجب نہیں، اور چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دشمن کے علاوہ اعذار کی صورت میں احصار متحقق نہیں ہوتا اس لئے ان اعذار کی صورت میں اُسے بہر حال مکہ پہنچنا ہوگا، پھر عمرے کا احرام تو ارکانِ عمرہ ادا کرنے سے کھلتا ہے اور حج کا احرام ارکانِ حج ادا کرنے سے بھی کھلتا ہے اور حج کے دن گذر چکے ہوں تو عمرہ کے افعال کرنے سے بھی کھل جائے گا۔ اور اس حج کی قضا واجب ہوگی، اس کے علاوہ ان کے نزدیک احرام سے نکلنے کی دوسری کوئی صورت نہیں۔

اور احناف کے نزدیک: ہر عذر سے احصار متحقق ہوتا ہے اور احرام ختم کرنے کے لئے ہدی (قربانی) حرم میں بھیجنی ضروری ہے، جب وہاں ہدی ذبح ہوگئی تو احرام کھل گیا، اور اس حج یا عمرہ کی قضا واجب ہوگی، اور احرام کھولنے کے لئے سر منڈانا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ائمہ ثلاثہ کی طرح با قاعدہ سر منڈا کر احرام کھولنا ضروری ہے، اور طرفین کے نزدیک جب حرم میں ہدی ذبح ہوگئی تو خود بخود احرام کھل گیا، سر منڈانے کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں تین دلائل ہیں جن پر مسائل کا مدار ہے: ایک قرآن کریم کی آیت ہے، دوسرا نبی ﷺ کا واقعہ ہے اور تیسری حدیثِ باب ہے، جو اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، اگرچہ ہمارے نسخوں میں صرف حسنٌ ہے مگر مصری نسخہ میں صحیحٌ بھی ہے۔

واقعہ اور آیت: سن ۶ ہجری میں نبی ﷺ نے ایک خواب دیکھا جس کا تذکرہ سورۃ الفتح (آیت ۲۷) میں ہے کہ آپؐ مع اصحاب مکہ مکرمہ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے اور سب نے باطمینان عمرہ ادا کیا، اس خواب کی وجہ سے (نبی کا خواب وحی ہوتا ہے) آپؐ کا اور صحابہ کا اشتیاق بڑھ گیا، چنانچہ آپؐ ۱۵۰۰ صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے، خیال رہے کہ کعبہ شریف سب کی مشترک عبادت گاہ تھی، وہاں حج یا عمرے کے لئے آنے والوں کو روکنے کا کسی کو حق نہیں

تھا، مگر جب یہ قافلہ حدیبیہ پہنچا تو اطلاع ملی کہ مکہ والوں کا ارادہ ٹھیک نہیں، وہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، چنانچہ آپؐ حدیبیہ میں رک گئے، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دے کر مکہ بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے، عمرہ کرنے آئے ہیں، پھر مکہ سے یکے بعد دیگرے کئی وفد آئے بالآخر صلح ہوگئی کہ آپؐ اور صحابہ امسال واپس جائیں، اس موقعہ پر سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۶ نازل ہوئی: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ، فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ، وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ ترجمہ: اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے لئے، پس اگر تم روک دیئے جاؤ تو تم پر قربانی ہے جو تمہیں بسہولت میسر آئے، اور اپنے سروں کو نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی اس کی جگہ پہنچ جائے۔ اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ قربانیاں کرکے احرام کھول دو، مگر صحابہ پر غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا تھا، انہیں اب بھی امید تھی کہ عمرہ کریں گے آپؐ کا خواب جھوٹا نہیں ہوسکتا، اس لئے انھوں نے قربانیاں نہیں کیں، آپ خیمہ میں تشریف لے گئے اس سفر میں ام سلمہؓ ساتھ تھیں، آپؐ نے ان سے ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا: ''تیرے باپ کی قوم میری بات نہیں مانتی!'' حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسا نہیں ہے لوگ غمگین ہیں، پس آپؐ کسی سے کچھ نہ کہیں، اپنی قربانی ذبح کرکے سر منڈا کر احرام کھول دیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا، جب آپؐ کا احرام کھل گیا تو صحابہ کی امید پر پانی پھر گیا، انھوں نے بھی قربانیاں کرکے احرام کھول دیئے۔

حدیثِ باب: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کی ہڈی توڑ دی گئی یا وہ لنگڑا ہوگیا[1] تو اس کا احرام کھل گیا، اور اس کے ذمہ دوسرا حج ہے۔

ائمہ ثلاثہ: نے شان نزول والے واقعہ کو اصل قرار دیا اور فرمایا کہ اس واقعہ میں احصار دشمن کی طرف سے تھا اور نبی ﷺ نے اور سب صحابہ نے حدیبیہ ہی میں قربانیاں کی تھیں، حرم میں قربانیاں روانہ نہیں کی تھیں اور سر منڈا کر احرام کھولا تھا، اس لئے احصار صرف دشمن کی وجہ سے ہوتا ہے اور جہاں احصار ہو وہیں قربانی کرکے احرام کھولا جائے گا اور باقاعدہ سر منڈانا ضروری ہے، اور دیگر اعذار شانِ نزول والے واقعہ کے درجہ کے نہیں ہیں، اس لئے ان سے احصار نہیں ہوگا، جیسے ایک صحابی نے رمضان میں بیوی سے صحبت کرکے روزہ توڑ دیا تھا اور آپؐ نے قضا اور کفارہ کا حکم دیا تھا، پس جو صحبت کرکے روزہ توڑے اس پر تو بالاجماع قضا اور کفارہ واجب ہونگے اور جو کھا پی کر روزہ توڑے اس پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ چھوٹے دو اماموں کے نزدیک اس میں کفارہ واجب نہیں، وہ

(۱) جاننا چاہئے کہ فعل لازم کا بھی کبھی مجہول آتا ہے اور یہ قاعدہ کہ فعل لازم کا مجہول اور مفعول نہیں آتے یہ اکثری قاعدہ ہے، بلکہ مفعول تو ہر فعل کا ہوتا ہے خواہ فعل لازم ہو یا متعدی، بس اتنا فرق ہے کہ فعل متعدی کے فاعل ومفعول الگ الگ ہوتے ہیں اور فعل لازم کا جو فاعل ہوتا ہے وہی مفعول بھی ہوتا ہے جیسے: جلس زیدٌ: اس میں فعل جلوس خود زید پر واقع ہوا ہے اور أجلس عمراً میں جلوس عمرو پر واقع ہوا ہے ۱۲

فرماتے ہیں کہ اکل وشرب: جماع کے معنی میں نہیں، جماع میں بہت زیادہ مزہ ہے، اکل وشرب میں وہ مزہ نہیں، پس یہ دونوں جماع کے درجہ میں نہیں، اسی طرح دشمن کی طرف سے جو احصار ہوتا ہے اس کی نوعیت الگ ہے اور دیگر اعذار کی وجہ سے جو احصار ہوتا ہے اس کی نوعیت الگ ہے پس ان کا حکم بھی الگ ہے۔ اور باب کی حدیث سے انھوں نے صرف نظر کیا ہے اور ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل: حدیث اشتراط ہے جو اگلے باب میں آرہی ہے، وہ کہتے ہیں: اگر احصار ہر عذر سے ہوتا ہے تو اشتراط کی کیا ضرورت ہے؟

اور حنفیہ کہتے ہیں: جو احصار دشمن کی وجہ سے ہوتا ہے اس کے لئے لفظ حَصَر (مجرد) آتا ہے اور جو احصار دیگر موانع سے ہوتا ہے اس کے لئے باب افعال سے إحصار آتا ہے، اکثر اہل لغت نے یہی فرق لکھا ہے اور آیت میں أُحْصِرْتُمْ (باب افعال) سے ہے جبکہ حدیبیہ میں دشمن کی طرف سے احصار ہوا تھا، یعنی آیت میں دیگر موانع سے احصار کا ذکر ہے۔ اور آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے احرام کھول دیا تھا، کیونکہ آیت کا حکم احصار کی اقوی صورت کو بھی شامل ہے جیسے: ﴿وَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ﴾ سے ضرب وشتم اور ہر طرح کی ایذا رسانی کی حرمت دلالۃ النص سے ثابت ہوتی ہے، اسی طرح دلالت النص سے دشمن کے احصار کا حکم بھی آیت سے معلوم ہو گیا پس آیت اور واقعہ کے مجموعہ سے ثابت ہوا کہ احصار ہر صورت میں ہوتا ہے۔ اور دوسری دلیل باب کی حدیث ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دشمن کے علاوہ دیگر اعذار کی وجہ سے بھی احصار ہوتا ہے۔

اور حنفیہ جو کہتے ہیں کہ قربانی حرم میں ذبح کرنی ضروری ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت پاک میں دومرتبہ لفظ ھدی آیا ہے اور ہدی کی تعریف ہے: ما يُهْدىٰ إلى الحرم: وہ جانور جو حرم میں ذبح کیا جائے، اور ارشادِ پاک ہے: ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ یعنی جب تک ہدی اس کی جگہ میں نہ پہنچ جائے ممنوعاتِ احرام سے بچو، محلہ سے حرم مراد ہے، پس ثابت ہوا کہ قربانی حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، جہاں احصار پیش آیا ہے وہاں جانور ذبح کرنا جائز نہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حدیبیہ کا ایک حصہ حل میں ہے اور ایک حصہ حرم میں، آپ کا قافلہ تو حل میں رکا تھا مگر قربانیاں حرم میں کی گئی تھیں۔

اور ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک احصار کی صورت میں سر منڈا کر احرام کھولنا ضروری ہے اور طرفین کے نزدیک قربانی ذبح ہوتے ہی خود بخود احرام کھل جائے گا سر منڈا کر احرام کھولنا ضروری نہیں، اس مسئلہ میں جمہور کی دو دلیلیں ہیں: اول: حدیبیہ میں نبی ﷺ نے اور صحابہ نے باقاعدہ سر منڈا کر احرام کھولا تھا۔ دوم: آیت پاک: ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ ہدی ذبح ہونے کے بعد سر منڈاؤ، اور طرفین فرماتے ہیں: اول تو مفہوم مخالف معتبر نہیں، ثانیاً آیت میں احرام کھولنے کا بیان نہیں ہے بلکہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ جب تک حرم میں قربانی ذبح نہ ہو جائے ممنوعات احرام کا ارتکاب نہ کرو، کیونکہ آیت منفی ہے، اگر احرام کھولنے کا

طریقہ بیان کرنا مقصود ہوتا تو آیت مثبت ہوتی: واحلقوا رؤسکم إذا بلغ الهدی محله فرمایا جاتا یعنی جب قربانی اس کی جگہ پہنچ جائے تو سر منڈاؤ مگر آیت نہی ہے یعنی اس میں احرام کھولنے کا طریقہ بیان نہیں کیا گیا بلکہ قربانی ذبح ہونے تک ممنوعات احرام سے بچنے کا حکم ہے، اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ کے مشورہ پر سر منڈایا تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپؐ کا احرام کھل گیا، تاکہ آپؐ کی اتباع میں سب احرام کھول دیں، غرض آپؐ نے علامت کے طور پر سر منڈایا تھا اور صحابہ نے آپؐ کی اتباع میں سر منڈایا تھا، احرام کھولنے کے لئے سر نہیں منڈایا تھا، وہ تو خود بخود کھل گیا تھا۔

اور محصر پر حج یا عمرہ کی قضا واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قضا واجب نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک قضا واجب ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے عمرۂ حدیبیہ کی قضا کی تھی، چنانچہ آپؐ نے اگلے سال جو عمرہ کیا تھا اس کا ایک نام عمرۃ القضاء بھی ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کا نام صرف عمرۃ القضیہ ہے یعنی باہمی معاہدہ کے مطابق آپؐ نے اگلے سال عمرہ کیا تھا وہ گذشتہ عمرہ کی قضا نہیں تھی، اور احناف کے نزدیک وہ عمرۃ القضیہ بھی تھا اور عمرۃ القضا بھی۔ اور دوسری دلیل باب کی حدیث ہے، آپؐ نے فرمایا: ''جس شخص کی ہڈی توڑ دی گئی یا وہ لنگڑا ہو گیا تو اس کا احرام کھل گیا اور اس کے ذمہ دوسرا حج ہے''

فائدہ: دورِ اول میں جب تابعین کسی سے کوئی حدیث سنتے تھے تو اکابر صحابہ کو وہ حدیث سناتے تھے، حضرت عکرمہ نے باب کی حدیث جب حجاج بن عمرو سے سنی تو چونکہ وہ قلیل الروایہ صحابی ہیں اس لئے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کو وہ حدیث سنائی، دونوں نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے، اور عکرمہ اور حجاج بن عمروؓ کے درمیان واسطہ ہے یا نہیں؟ اس میں یحییٰ بن ابی کثیر کے تلامذہ میں اختلاف ہے، حجاج الصواف کوئی واسطہ ذکر نہیں کرتے اور معمر اور معاویہ بن سلام: عبداللہ بن رافع کا واسطہ ذکر کرتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے حجاج بن الصواف کی توثیق کی ہے مگر امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے معمر اور معاویہ کی حدیث کو جس میں واسطہ ہے اصح قرار دیا ہے، ہمارے نزدیک دونوں سندیں صحیح ہیں اور امام بخاریؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ واسطہ والی سند مزید فی متصل الاسناد ہے۔

[۹۴] باب ماجاء فی الذی یُهِلُّ بالحج فَیُکْسَرُ أَوْ یَعْرَجُ

[۹۲۷-] حدثنا إسحاقُ بنُ مَنْصُورٍ، نا رَوْحُ بنُ عُبَادَةَ، نا حَجَّاجٌ الصَّوَّافُ، نا یَحییٰ بنُ أَبِی کَثِیرٍ، عن عِکْرِمَةَ، قالَ: حدثنی الحَجَّاجُ بنُ عَمْرٍو، قالَ: قالَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "مَنْ کُسِرَ أَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ، وَعَلَیْهِ حَجَّةٌ أُخْرَی" فَذَکَرْتُ ذٰلِكَ لِأَبِی هُرَیْرَةَ وابنِ عباسٍ، فَقَالَا: صَدَقَ.
حدثنا إسحاقُ بنُ مَنْصُورٍ، نا محمدُ بنُ عبدِ اللہِ الأنصاریُّ، عن الحَجَّاجِ مِثْلَهُ، قالَ: وَسَمِعْتُ

رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُهُ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ، وهٰكذا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْحَجَّاجِ الصَّوَّافِ نَحْوَ هذا الحديثِ، وَرَوَى مَعْمَرٌ ومُعَاوِيَةُ بنُ سَلَّامٍ هذا الحديثَ عن يَحيىَ بنِ أَبِىْ كَثِيْرٍ، عن عِكْرِمَةَ، عن عبدِ اللهِ بنِ رَافِعٍ، عَنِ الْحَجَّاجِ بنِ عَمْرٍو، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَحَجَّاجُ الصَّوَّافُ لَمْ يَذْكُرْ فِيْ حَدِيْثِهِ عبدَ اللهِ بنَ رَافِعٍ، وَحَجَّاجٌ ثِقَةٌ حَافِظٌ عندَ أهلِ الحديثِ، وسَمِعْتُ محمداً يقولُ: رِوَايَةُ مَعْمَرٍ وَمُعَاوِيَةَ بنِ سَلَّامٍ أَصَحُّ.

حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، نا عبدُ الرَّزَّاقِ، نا مَعْمَرٌ، عن يَحيىَ بنِ أَبِىْ كَثِيْرٍ، عن عِكْرِمَةَ، عن عبدِ اللهِ بنِ رَافِعٍ، عن الحَجَّاجِ بنِ عَمْرٍو، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسی طرح متعدد حضرات نے حجاج الصواف سے (واسطہ کے بغیر) روایت کیا ہے۔ اور معمر اور معاویہ بن سلام نے اس حدیث کو یحییٰ بن ابی کثیر سے، انھوں نے عکرمۃ سے، انھوں نے عبداللہ بن رافع سے، انھوں نے حجاج بن عمرو سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے اور حجاج الصواف نے اپنی حدیث میں عبداللہ بن رافع کا ذکر نہیں کیا اور حجاج الصواف محدثین کے نزدیک ثقہ اور حافظ حدیث ہیں۔ اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا کہ معمر اور معاویہ بن سلام کی حدیث اصح ہے، اس کے بعد واسطہ والی حدیث ذکر کی ہے۔

بابُ ماجاء في الإِشْتِرَاطِ في الحَجِّ

حج میں شرط لگانے کا بیان

حدیث: حضرت ضُباعہؓ نبی ﷺ کے پاس آئیں۔ یہ حضرت زبیر بن العوام کی صاحبزادی اور آپؐ کی پھوپھی زاد بہن ہیں، یہ کمزور دل کی تھیں، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری خواہش آپؐ کے ساتھ حج کرنے کی ہے لیکن میرا دل دھڑکتا ہے پس کیا میں شرط بدلوں؟ یعنی شرط لگالوں؟ آپؐ نے فرمایا: بدلو! کہنے لگیں: یارسول اللہ! جب میں شرط بدوں تو کیا کہوں؟ آپؐ نے فرمایا: اس طرح کہو: لبيك اللّٰهم لبيك مَحِلِّيْ من الأرض حيث تَحْبِسُنِيْ یعنی تلبیہ میں یہ جملہ بڑھادو کہ "میرے احرام کھولنے کی جگہ وہ ہے جہاں آپؐ مجھے روک دیں" پھر وہ آپ کے ساتھ حج میں شریک ہوئیں اور حج کر کے بعافیت لوٹ آئیں، یعنی کوئی مانع پیش نہیں آیا۔

اس حدیث کی وجہ سے امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: حج اور عمرہ کے احرام میں شرط لگانا جائز ہے، اور اس صورت میں دشمن کے علاوہ دیگر موانع سے بھی احصار ہوگا، خواہ کوئی عذر پیش آئے وہ قربانی کر کے احرام کھول سکتا ہے۔ اب ارکانِ عمرہ یا ارکانِ حج ادا کر کے ہی احرام کھولنا ضروری نہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ نے احصار کے مسئلہ میں جو

دیگر موانع کو عذر قرار نہیں دیا تو ان کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے، وہ فرماتے ہیں: اگر دشمن کے علاوہ موانع سے احصار ہوتا ہے تو اشتراط کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت ضُباعہ کو جہاں بھی عذر پیش آتا جانور ذبح کرکے احرام کھول دیتیں۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک: اشتراط باطل ہے، امام مالک اصل مسئلہ میں تو دو چھوٹے اماموں کے ساتھ ہیں مگر یہاں علحدہ ہوگئے، وہ فرماتے ہیں: اشتراط کی وجہ سے احرام کھولنا جائز نہیں اور ان کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جو آئندہ باب میں آرہی ہے، ابن عمرؓ نے شرط بدنے پر نکیر کی ہے اور فرمایا ہے: کیا تمہارے لئے نبی ﷺ کی سنت کافی نہیں؟! یعنی حدیبیہ کے سال آپؐ کو اور صحابہ کو یقین نہیں تھا کہ وہ ضرور عمرہ کریں گے، یہ احتمال تھا کہ کفار: مکہ میں داخل نہ ہونے دیں، پھر بھی آپؐ نے اور صحابہ نے احرام میں کوئی شرط نہیں لگائی، اگر اشتراط جائز ہوتا تو حدیبیہ کے سال آپؐ کوئی شرط ضرور لگاتے۔

اور حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ حضرت ضُباعہ کو شرط بدنے کے لئے نبی ﷺ نے نہیں فرمایا بلکہ یہ بات انھوں نے خود کہی ہے اور لیلۃ القدر کی روایات میں امام شافعیؒ کا یہ قول گذرا ہے کہ نبی ﷺ کبھی صحابہ کو ان کے رجحان کے مطابق جواب دیتے تھے، امام شافعیؒ نے فرمایا: جب کوئی نبی ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھتا تو آپؐ اس کا ذہن پڑھتے اور جس طرف اس کا رجحان ہوتا اس رات میں شب قدر تلاش کرنے کا حکم دیتے، یہاں بھی جب حضرت ضُباعہ نے شرط بدنے کی بات کہی تو آپؐ نے فرمایا: بدلو! آپؐ نے منع نہیں کیا۔

سوال: جب اشتراط لاحاصل ہے تو حضور ﷺ نے فعل عبث کی اجازت کیوں دی؟ اور نہ صرف اجازت دی بلکہ طریقہ بھی سکھلایا ایسا کیوں کیا؟

جواب: اشتراط میں فی الجملہ (کچھ نہ کچھ) فائدہ ہے دل کی دھڑکن رک جائے گی اور ایک گونہ اطمینان حاصل ہوجائے گا، اس لئے آپؐ نے اشتراط کی اجازت دی، یعنی اس میں حضرت ضُباعہ کا ذاتی فائدہ تھا اگرچہ مسئلہ کی رو سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

[۹۵] باب ماجاء فی الاشتراط فی الحج

[۹۲۸-] حدثنا زِیَادُ بنُ أَیُّوبَ البَغْدَادِیُّ، نا عَبَّادُ بنُ العَوَّامِ، عن هِلَالِ بنِ خَبَّابٍ، عن عِکْرِمَةَ، عن ابنِ عبَّاسٍ: أَنَّ ضُبَاعَةَ بِنْتَ الزُّبَیْرِ أَتَتِ النبیَّ صلی الله علیه وسلم، فَقَالَتْ: یارسولَ اللهِ! إِنِّی أُرِیْدُ الْحَجَّ أَفَأَشْتَرِطُ؟ قال نَعَمْ، قَالَتْ: کَیْفَ أَقُوْلُ؟ قال: قُوْلِیْ: لَبَّیْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ، مَحِلِّیْ مِنَ الأَرْضِ حَیْثُ تَحْبِسُنِیْ.

وفی الباب: عن جَابِرٍ، وأَسْمَاءَ، وعائشةَ، قال أبو عیسی: حدیثُ ابنِ عبَّاسٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

والعَمَلُ على هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ يَرَوْنَ الإشتِرَاطَ فِي الحَجِّ، وَيقُولُوْنَ: إنِ اشْتَرطَ فَعَرَضَ لَهُ مَرَضٌ أَوْ عُذْرٌ فَلَهُ أَنْ يَحِلَّ وَيَخرُجَ مِنْ إحْرَامِهِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وأحمدَ، وإسحاقَ، وَلَمْ يَرَ بَعْضُ أهلِ العلمِ الاشْتِرَاطَ فِي الْحَجِّ، وقالوا: إنِ اشْتَرَطَ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَخرُجَ مِنْ إحْرَامِهِ، وَيَرَوْنَهُ كَمَنْ لَمْ يَشْتَرِطْ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے وہ حج میں شرط لگانے کو جائز کہتے ہیں، اور کہتے ہیں: اگر شرط لگائی پھر اس کو بیماری یا کوئی اور عذر پیش آیا تو اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے، اور وہ اپنے احرام سے نکل سکتا ہے۔ اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور بعض علماء حج میں شرط لگانے کو جائز نہیں کہتے، وہ کہتے ہیں: اگر شرط لگائی تو بھی اس کے لئے احرام سے نکلنا جائز نہیں۔ وہ اس کو اس شخص کی طرح قرار دیتے ہیں جس نے شرط نہیں لگائی یعنی ان کے نزدیک اشتراط باطل ہے۔

[۹۶] بابٌ منه

[۹۲۹-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا عبدُ اللهِ بنُ المباركِ، أَخْبَرَنِي مَعْمَرٌ، عن الزُّهْرِيِّ، عن سَالِمٍ، عن أَبِيْهِ: أَنَّهُ كَانَ يُنْكِرُ الإشْتِرَاطَ فى الْحَجِّ، ويَقُوْلُ: أَلَيس حَسْبُكُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ؟!

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حج میں شرط لگانے پر نکیر کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: کیا تمہارے لئے تمہارے نبی ﷺ کی سنت کافی نہیں؟! یعنی نبی ﷺ نے حدیبیہ کے سال احرام باندھتے وقت کوئی شرط نہیں لگائی تھی۔

بابُ ماجاءَ فِى الْمَرْأَةِ تَحِيْضُ بَعْدَ الإِفَاضَةِ

طواف زیارت کے بعد عورت کو حیض آجائے تو کیا حکم ہے؟

حاجی پر طواف وَداع واجب ہے، مگر حائضہ پر بالاجماع طواف وَداع واجب نہیں، یعنی روانگی کے وقت اگر عورت حالت حیض میں ہو تو طواف کئے بغیر لوٹ سکتی ہے۔

مسئلہ: اگر حاجی نے طواف زیارت کے بعد کوئی بھی نفل طواف کیا ہے پھر وہ طواف وَداع کئے بغیر لوٹ گیا تو وہ نفل طواف طواف وَداع کے قائم مقام بن جائے گا، پس اس پر دم واجب نہیں ہوگا، مگر افضل یہ ہے کہ رخصت ہوتے

وقت طواف وداع کی نیت سے طواف کر کے لوٹے۔

حدیث: منیٰ کے ایام میں نبی ﷺ خیمہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں، آپؐ نے خیال فرمایا کہ شاید انھوں نے طواف زیارت نہیں کیا اس لئے رو رہی ہیں، آپؐ نے فرمایا: ''کیا صفیہ ہمیں روک دیں گی؟'' یعنی ان کی وجہ سے پورے قافلہ کو رک جانا پڑے گا؟ دیگر ازواج نے عرض کیا: یارسول اللہ! انھوں نے طواف زیارت کرلیا ہے (اس کے بعد ایام شروع ہوئے ہیں، اور وہ طواف وداع نہ کر سکنے پر رو رہی ہیں) آپؐ نے فرمایا: فلا إذًا: پس تب تو نہیں، یعنی اگر وہ طواف زیارت کر چکی ہیں تو قافلہ کو نہیں رکنا پڑے گا، کیونکہ حائضہ کے ذمہ طواف وداع نہیں۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر عورت کو وقوف عرفہ کے بعد ماہواری شروع ہو جائے اور وہ طواف زیارت نہ کر سکی ہو تو اسے رکنا پڑے گا، طواف زیارت کئے بغیر وطن نہیں لوٹ سکتی، اور بالفرض ساتھی نہ رک سکتے ہوں تو وہ اچھی طرح کپڑے باندھ کر اسی حالت میں طواف کرلے اور بَدَنہ (بڑے جانور) کا دم دے۔ اور یہ گنجائش صرف فقہ حنفی میں ہے۔

[۹۷] باب ماجاء في المرأة تحيض بعد الإفاضة

[۹۳۰-] حدثنا قُتيبةُ، نا اللَّيْثُ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ القَاسِمِ، عن أبيه، عن عائشةَ، قالتْ: ذُكِرَ لِرَسُولِ الله صلى الله عليه وسلم أنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ حَاضَتْ فِي أَيَّامِ مِنىً، فقالَ: " أَحَابِسَتُنَا هِيَ؟" قالوا: إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَتْ، فقالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " فَلاَ إِذًا"

وفي الباب: عن ابنِ عُمَرَ، وابنِ عبَّاسٍ، قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعمل على هذا عندَ أهلِ العلمِ: أنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا طَافَتْ طَوَافَ الإِفَاضَةِ ثُمَّ حَاضَتْ فَإِنَّهَا تَنْفِرُ، وَلَيْسَ عَلَيْهَا شَيْئٌ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ والشَّافِعِيِّ وأحمدَ وإسحاقَ.

[۹۳۱-] حدثنا أبو عَمَّارٍ، نا عِيسَى بنُ يُوْنُسَ، عن عُبَيْدِ اللهِ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ، قالَ: مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ، إِلاَّ الْحُيَّضَ، وَرَخَّصَ لَهُنَّ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم.

قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ على هذا عِنْدَ أهلِ العلمِ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض علماء کا عمل ہے کہ عورت جب طواف زیارت کرلے پھر اسے حیض آجائے تو وہ منیٰ سے سیدھی وطن لوٹ سکتی ہے (النفو: منیٰ سے لوٹنے کے لئے خاص ہے، پھر بارہ تاریخ کو لوٹیں تو النفر الأول ہے اور تیرہ میں لوٹیں تو النفر الثانی ہے) اور اس پر کچھ (دم یا فدیہ) واجب نہیں، اور یہ ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول

ہے ـــــ ابن عمرؓ فرماتے ہیں: جو شخص بیت اللہ کا حج کرے، پس چاہئے کہ اس کی سب سے آخری ملاقات بیت اللہ سے ہو، یعنی طوافِ وداع کر کے لوٹے مگر حائضہ مستثنیٰ ہے اس کو رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہے۔

بابُ ماجاءَ ما تَقْضِی الحَائِضُ مِنَ الْمَنَاسِكِ

حائضہ کیا کیا ارکان ادا کرسکتی ہے؟

حائضہ حج کا ہر رکن اداء کرسکتی ہے صرف طوافِ زیارت نہیں کرسکتی اور چونکہ سعی طوافِ زیارت کے بعد ہوتی ہے اس لئے سعی بھی نہیں کرسکتی۔ خیال رہے کہ مسعی آج بھی مسجد سے خارج ہے، پس اگر کسی عورت نے طوافِ زیارت کرلیا اور سعی نہ کی تو وہ سعی کرسکتی ہے، اور حیض کی حالت میں طوافِ زیارت جائز نہ ہونے کی وجہ شرح وقایہ میں یہ لکھی ہے کہ طواف کے لئے مسجد میں جانا ہوگا اور حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی، مگر صحیح وجہ یہ ہے کہ طوافِ زیارت کے لئے طہارت شرط ہے جو حائضہ کو حاصل نہیں۔

حدیث (۱): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے ایام چل رہے تھے، پس آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں حج کے تمام ارکان ادا کروں، سوائے بیت اللہ کے طواف کے۔

تشریح: حضرت عائشہؓ مکہ پہنچنے سے پہلے حائضہ ہوگئی تھیں اور یوم الترویہ تک وہ پاک نہیں ہوئی تھیں۔ نبی ﷺ نے ان کو عمرہ توڑ کر حج کا احرام باندھنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ وہ حج کے تمام ارکان ادا کریں، البتہ طوافِ زیارت پاک ہونے کے بعد کریں۔ معلوم ہوا کہ حائضہ تمام ارکان حیض کی حالت میں ادا کرے گی، صرف طوافِ زیارت کو پاک ہونے تک مؤخر کرے گی ـــــ اس حدیث کی سند میں جابر بن یزید جُعفی مشہور کذاب راوی ہے، مگر اس کی صحیح سند بخاری (حدیث ۱۶۵۰) میں ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: نفاس والی عورت اور حائضہ غسل کریں اور احرام باندھیں اور حج کے تمام ارکان ادا کریں مگر وہ بیت اللہ کا طواف نہ کریں تا آنکہ وہ پاک ہوجائیں ـــــ یہ حدیث خُصیف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

[۹۸] باب ماجاء ما تقضی الحائض من المناسك؟

[۹۳۲-] حدثنا عَلِیُّ بنُ حُجْرٍ، نا شَرِیْكٌ، عن جَابِرٍ، وَهُوَ ابنُ یَزِیْدَ الْجُعْفِیُّ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ الأسْوَدِ، عن أَبِیْهِ، عن عائشةَ، قَالَتْ: حِضْتُ فَأَمَرَنِی النبیُّ صلی اللہ علیه وسلم أَنْ أَقْضِیَ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَیْتِ.

قال أبو عيسى: والعَمَلُ على هذا الحديثِ عِنْدَ أهلِ العلمِ أَنَّ الْحَائِضَ تَقْضِي الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا مَاخَلَا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ، وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عن عائشةَ مِنْ غَيْرِ هذا الوَجْهِ أَيْضًا.

[۹۳۳-] حدثنا زِيَادُ بنُ أَيُّوبَ، نا مَرْوَانُ بنُ شُجَاعٍ الجَزَرِيُّ، عَنْ خُصَيْفٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، وَمُجَاهِدٍ، وَعَطَاءٍ، عن ابنِ عبَّاسٍ، رَفَعَ الحديثَ إلى النبيِّ صلى الله عليه وسلم: "أَنَّ النُّفَسَاءَ وَالْحَائِضَ، تَغْتَسِلُ وَتُحْرِمُ وَتَقْضِيَ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ أَنْ لَاتَطُوفَ بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرَ"

هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ من هذا الوَجْهِ.

بابُ ماجاءَ مَنْ حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ

جوشخص حج یا عمرہ کرے اس کی آخری ملاقات کعبہ شریف سے ہونی چاہئے

تمام ائمہ متفق ہیں کہ طوافِ وداع صرف حاجی پر واجب ہے، معتمر پر طوافِ وداع واجب نہیں، اگرچہ اس کے لئے بھی افضل یہ ہے کہ جب وطن لوٹے تو سب سے آخر میں طوافِ وداع کرے۔ اور باب میں حارث بن عبداللہ کی جو حدیث ہے اس میں أو اعتمر بھی ہے، اس وجہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب میں أو اعتمر بڑھایا ہے یعنی معتمر پر بھی طوافِ وداع واجب ہے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں، اور یہ حدیث حجاج بن ارطاۃ اور عبدالرحمٰن بن البیلمانی کی وجہ سے ضعیف ہے اور ابوداؤد (حدیث ۲۰۰۴) میں یہی حدیث دوسری سند سے ہے، اس میں عمرہ کا ذکر نہیں ہے۔ اور یہاں حدیث مختصر ہے اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ حارث بن عبداللہؓ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا: اگر عورت کو طوافِ زیارت کے بعد حیض آجائے تو کیا حکم ہے؟ آپؓ نے فرمایا: اس کی سب سے آخری ملاقات کعبہ شریف سے ہونی چاہئے، یعنی وہ مکہ میں ٹھہری رہے اور پاک ہونے کے بعد طوافِ وداع کر کے لوٹے، حضرت حارثؓ نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے یہ بات پوچھی تھی آپؐ نے بھی یہی جواب دیا تھا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا اور فرمایا: تو اپنے ہاتھوں کے بل گرے (یہ محاورہ ہے) جب تو نے نبی ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا تھا تو مجھ سے کیوں پوچھا؟ کیا تیرا ارادہ ہے کہ میں نبی ﷺ کے خلاف جواب دوں! —— غرض اس واقعہ میں عمرہ کا ذکر نہیں ہے، یہاں اختصار کرنے کی وجہ سے مضمون بدل گیا ہے، اور حائضہ عورت طوافِ وداع کئے بغیر لوٹ سکتی ہے یہ بات صحیح حدیثوں سے ثابت ہے جیسا کہ گذشتہ باب میں گذرا۔

[۹۹] باب ماجاء من حج أو اعتمر فليكن آخرُ عهده بالبيت

[۹۳٤-] حدثنا نَصْرُ بنُ عبدِ الرحمنِ الكُوْفِيُّ، نا الْمُحَارِبِيُّ، عن الحَجَّاجِ بنِ أَرْطَاةَ، عن عبدِ

الْمَلِكِ بنِ مُغِيْرَةَ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ البَيْلَمَانِيِّ، عَنْ عَمْرِو بنِ أَوْسٍ، عن الْحَارِثِ بنِ عبدِ اللهِ بنِ أَوْسٍ، قالَ: سَمِعْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم يقولُ:" مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ، فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ" فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: خَرَرْتَ مِنْ يَدَيْكَ! سَمِعْتَ هذا مِنْ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم، وَلَمْ تُخْبِرْنَا بِهِ؟

وفي البابِ: عن ابنِ عبّاسٍ، قال أبو عيسى: حديثُ الحَارِثِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ أَوْسٍ حديثٌ غريبٌ، وهٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْحَجَّاجِ بنِ أَرْطَاةَ مِثْلَ هٰذَا، وَقَدْ خُوْلِفَ الْحَجَّاجُ فِي بَعْضِ الإِسْنَادِ.

ترجمہ: حارث بن عبداللہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس کی آخری ملاقات بیت اللہ سے ہونی چاہئے، پس حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا: تو ہاتھوں کے بل گرے! تو نے یہ حدیث نبی ﷺ سے سنی پھر ہمیں نہیں بتلائی؟ ـــــ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اسی طرح متعدد حضرات نے حجاج بن ارطاۃ سے ایسا ہی روایت کیا ہے اور حجاج کی بعض اسناد میں مخالفت کی گئی ہے (یعنی حجاج کے استاذ عبدالملک کے دیگر تلامذہ کی سند اس سے مختلف ہے اور آخر: اگر کان کا اسم ہے تو بالبیت خبر ہے اور اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے)

بابُ ماجاءَ أَنَّ الْقَارِنَ يَطُوْفُ طَوَافًا وَاحِدًا

قارن حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک طواف اور ایک سعی کرے

قارن پر ایک طواف اور ایک سعی ہے، یا دو طواف اور دو سعی؟ یعنی قران میں افعالِ حج اور افعالِ عمرہ میں تداخل ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ اور یہ معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تداخل ہوتا ہے، پس قارن صرف ایک طواف اور ایک سعی کرے گا۔ یعنی دس ذی الحجہ کو طوافِ زیارت اور اس کے بعد سعی کرے گا، یہ طواف اور سعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہیں، عمرہ کے لئے الگ سے طواف وسعی کرنے کی حاجت نہیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک تداخل نہیں ہوتا، پس قارن عمرہ کے لئے طواف وسعی الگ کرے گا اور حج کے لئے الگ، یعنی قارن کے ذمہ دو طواف اور دو سعی ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قارن جب مکہ پہنچے گا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف طوافِ قدوم کرے گا، جو سنت ہے اور اس کے بعد سعی نہیں کرے گا، پھر وقوفِ عرفہ کے بعد طواف اور سعی کرے گا، یہی حج کا طوافِ زیارت ہے اور یہی عمرہ کا طواف ہے اور سعی حج کی بھی سعی ہے اور عمرہ کی بھی۔ اور احناف کے نزدیک: قارن مکہ پہنچ کر پہلے عمرہ کا طواف

وسعی کرے گا، پھر احرام نہیں کھولے گا، پھر طواف قدوم کرے گا اس کے بعد اگر چاہے تو حج کی سعی کرسکتا ہے، اور اگر چاہے تو سعی مؤخر بھی کرسکتا ہے، پھر وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت کرے گا اور اس کے بعد حج کی سعی کرے گا اگر طواف قدوم کے بعد سعی نہیں کی، اور اگر پہلے طواف قدوم کے بعد حج کی سعی کرلی ہے تو اب طواب زیارت کے بعد سعی نہیں کرے گا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ائمہ ثلاثہ کے پاس متعدد دلائل ہیں ان میں سے دو حدیثیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے پیش کی ہیں اور احناف کے پاس بھی متعدد دلائل ہیں مگر وہ امام ترمذی نے پیش نہیں کئے اور دونوں کی حدیثوں میں تھوڑا تھوڑا کلام ہے۔ اور اختلاف کی بنیاد نص فہمی کا اختلاف ہے۔ تمام ائمہ متفق ہیں کہ نبی ﷺ نے حج کے موقعہ پر تین طواف کئے تھے، ایک طواف آپؐ نے مکہ میں داخل ہوتے ہی کیا تھا، دوسرا: طواف زیارت کیا تھا اور تیسرا: طواف وداع کیا تھا، اب اختلاف اس میں ہے کہ پہلا طواف جو آپؐ نے مکہ میں داخل ہوتے ہی کیا تھا وہ طواف قدوم تھا یا طواف عمرہ؟ ائمہ ثلاثہ کا خیال ہے کہ وہ طواف قدوم تھا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: آپؐ نے دس ذی الحجہ کو جو طواف کیا تھا وہ حج اور عمرہ دونوں کے لئے تھا اور اس کے بعد جو سعی کی تھی وہ حج اور عمرہ دونوں کے لئے تھی۔ اور احناف کا خیال ہے کہ پہلا طواف طواف عمرہ تھا، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے اس کے بعد سعی بھی کی تھی، جبکہ طواف قدوم کے بعد سعی نہیں ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ فرماتے ہیں: بعض صحیح حدیثوں میں آپؐ کا راکبا سعی کرنا مروی ہے اور بعض حدیثوں میں ماشیا اور وہ بھی صحیح ہیں۔ اور رفع تعارض کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ کہا جائے: آپؐ نے دو سعیاں کی ہیں۔ ایک راکبا اور ایک ماشیا (تفسیر مظہری ۱: ۲۳۰)

غرض حدیثوں میں ایک طواف اور ایک سعی بھی مروی ہے اور ان میں کلام بھی ہے اور وہ مؤوّل بھی ہیں۔ اور دو طواف اور دو سعی بھی مروی ہیں اور ان میں بھی کلام ہے مگر ان کی کوئی تاویل ممکن نہیں (تفصیل کے لئے اعلاء السنن دیکھیں)

حدیث (۱): حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حج اور عمرہ کو ملایا یعنی قران کیا اور دونوں کے لئے ایک طواف کیا۔

تشریح: اس حدیث کی سند میں حجاج بن ارطاۃ مشہور ضعیف راوی ہے۔ اور طاف لھما کا جو مطلب ائمہ ثلاثہ لیتے ہیں وہ بھی ہوسکتا ہے، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ آپؐ نے طواف عمرہ میں طواف قدوم کا تداخل کیا یعنی الگ سے طواف قدوم نہیں کیا، بلکہ طواف عمرہ میں طواف قدوم کی بھی نیت کرلی، جس طرح مسجد میں داخل ہونے والا سنتوں یا فرضوں میں تحیۃ المسجد کی بھی نیت کرسکتا ہے، اور یہ مطلب اس لئے راجح ہے کہ اس صورت میں روایتوں میں تعارض ختم ہوجائے گا۔ غرض حدیث ضعیف ہونے کے ساتھ محکم الدلالۃ نہیں۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا اس کے لئے دونوں کی

طرف سے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے، یہاں تک کہ وہ ان دونوں سے ایک ساتھ حلال ہو۔ یعنی قارن دس ذی الحجہ میں جو طواف وسعی کرے گا وہ حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہونگے، اور اس طواف وسعی کے بعد دونوں کا ایک ساتھ احرام کھل جائے گا۔

تشریح: یہ حدیث عبد العزیز بن محمد دراوردی کی عبید اللہ بن عمر عمری سے روایت ہے۔ اور وہ صدوق ہیں، مگر عبید اللہ عمری کی روایتوں میں بالاتفاق ضعیف ہیں۔ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیثه عن عُبید الله العمری مُنکَرٌ: اس کی عبید اللہ عمری سے روایتیں نہایت ضعیف ہوتی ہیں۔ اور حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ دوسروں کی کاپیوں سے حدیثیں نقل کرتے تھے اور غت ربود بھی کرتے تھے (تقریب ص: ۳۵۸) اور ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لاَیُحتج به۔ اور ابو زرعہؒ فرماتے ہیں: هو سَیِّیُ الحفظ (میزان ۲: ۶۳۳) اور امام طحاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: الدراوردی عن عبید الله لاَیُحتج به (طحاوی ۱: ۱۹۷) علاوہ ازیں اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں بھی اختلاف ہے، عبید اللہ کے دوسرے سب شاگرد اس حدیث کو موقوف بیان کرتے ہیں، یعنی یہ ابن عمرؓ کا فتوی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔ صرف دراوردی اس کو مرفوع کرتے ہیں۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث موقوف کو اصح قرار دیا ہے اور مرفوع حدیث کو بھی حسنٌ صحیحٌ کہا ہے، حالانکہ جب موقوف حدیث اصح ہے تو مرفوع حدیث خود بخود گر گئی، وہ حسن صحیح کیسے ہوسکتی ہے؟ مگر چونکہ یہ حدیث امام ترمذیؒ کے ائمہ کی دلیل ہے اس لئے ہزار خرابیوں کے باوجود حسنٌ صحیحٌ ہے!

[۱۰۰] باب ماجاء أنَّ القارن یطوف طوافاً واحداً

[۹۳۵-] حدثنا ابنُ أَبِی عُمَرَ، نا أَبُوْ مُعَاوِیَةَ، عن الحَجَّاجِ، عن أبی الزُّبَیْرِ، عن جَابِرٍ: أَنَّ رسولَ الله صلی الله علیه وسلم قَرَنَ الحَجَّ وَالعُمْرَةَ، فَطَافَ لَهُمَا طَوَافًا وَاحِدًا.

وفی الباب: عن ابنِ عُمَرَ، وابنِ عبّاسٍ، قالَ أبو عیسی: حدیثُ جابرٍ حدیثٌ حسنٌ.

والعملُ عَلَی هٰذا عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم وَغَیْرِهِمْ قَالُوْا: القَارِنُ یَطُوْفُ طَوَافًا وَاحِدًا، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ وَأحمدَ وإسحاق.

وقَالَ بعضُ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم وَغَیْرِهِمْ: یَطُوْفُ طَوَافَیْنِ، وَیَسْعَی سَعْیَیْنِ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیِّ وَأَهْلِ الْکُوْفَةِ.

[۹۳۶-] حدثنا خَلَّادُ بْنُ أَسْلَمَ الْبَغْدَادِیُّ، نا عبدُ العزیزِ بْنُ محمدٍ، عن عُبَیْدِ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ، قالَ: قالَ رسولُ الله صلی الله علیه وسلم: "مَنْ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ أَجْزَأَهُ

طَوَافٌ وَاحِدٌ وَسَعْيٌ وَاحِدٌ مِنْهُمَا، حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيْعًا"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ صحيحٌ، تَفَرَّدَ بِهِ الدَّرَاوَرْدِيُّ على ذٰلِكَ اللَّفْظِ، وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بنِ عُمَرَ، وَلَمْ يَرْفَعُوْهُ، وَهُوَ أَصَحُّ.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ اوران کے علاوہ بعض علماء کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: قارن ایک طواف کرے گا اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور صحابہ اوران کے علاوہ بعض علماء کہتے ہیں: قارن دو طواف اور دو سعی کرے گا، اور یہ ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے —— امام ترمذیؒ کہتے ہیں: ابن عمر کی حدیث حسن غریب اور صحیح ہے اور اس کو مذکورہ الفاظ کے ساتھ روایت کرنے میں دراوردی متفرد ہیں۔ اور اس حدیث کو عبید اللہ بن عمر سے متعدد حضرات نے روایت کیا ہے اور وہ اس کو مرفوع نہیں کرتے اور وہی اصح ہے۔

بابُ ماجاءَ أنَّ مَكْثَ المُهَاجِرِ بِمَكَّةَ بَعْدَ الصَّدْرِ ثَلاثًا

مہاجر: منی سے لوٹ کر صرف تین دن مکہ میں قیام کرے

طواف وداع کا دوسرا نام طواف صدر بھی ہے، صدر کے معنی ہیں: حج سے فارغ ہوکر منی سے لوٹنا، منی سے لوٹنے کے لئے دو لفظ ہیں: النفر اور الصدر —— نبی ﷺ نے مہاجرین کو یہ حکم دیا کہ وہ ایام منی کے بعد مکہ میں زیادہ سے زیادہ تین دن ٹھہریں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں، اور یہ حکم خاص ان مہاجرین کے لئے تھا جنھوں نے مکہ سے ہجرت کی تھی اور وجہ یہ تھی کہ وطن کی محبت فطری چیز ہے کسی نے حدیث گڑھی ہے حبُّ الوطن من الإيمان اس لئے اندیشہ تھا کہ کوئی مکہ میں رک جائے اور اس کی ہجرت باطل ہوجائے۔ اس لئے آپؐ نے تین دن سے زیادہ مکہ میں ٹھہرنے کی ممانعت کردی، اب ایسا کچھ نہیں، حج کے بعد جتنا چاہے مکہ میں رہ سکتا ہے۔

[۱۰۱] باب ماجاء أن مَكْثَ المهاجر بمكة بعد الصدر ثلاثا

[۹۳۷-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ حُمَيْدٍ، سَمِعْتُ السَّائِبَ بنَ يَزِيْدَ، عن العَلاَءِ بنِ الحَضْرَمِيِّ، يَعْنِيْ مَرْفُوْعًا، قالَ: "يَمْكُثُ المُهَاجِرُ بَعْدَ قَضَاءِ نُسُكِهِ بِمَكَّةَ ثَلاَثًا"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ هذا الوَجْهِ بِهٰذَا الإِسْنَادِ مَرْفُوْعًا.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: مہاجر ارکانِ حج ادا کرنے کے بعد مکہ میں تین دن ٹھہرے (زیادہ نہ ٹھہرے) یعنی مرفوعاً یعنی یہ حدیث مرفوع ہے اگرچہ حضرت علاء نے قالَ رسولُ الله نہیں کہا اور دیگر اسانید سے تو یہ صراحۃً

مرفوع آئی ہے۔

بابُ ماجاءَ مایَقُوْلُ عند القُفُوْلِ مِنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ؟

حج اور عمرہ سے واپسی میں کیا ذکر کرے؟

جب آدمی حج یا عمرہ کرنے کے لئے جاتا ہے تو تلبیہ پڑھتا ہوا جاتا ہے اور دیگر اذکار بھی کرتا ہے، مگر واپسی میں گھر کی محبت اور بیوی بچوں سے ملاقات کا شوق غالب آجاتا ہے اور ذکر سے غافل کر دیتا ہے، حالانکہ اللہ کے ذکر سے غفلت محرومی ہے۔ نبی ﷺ جب سفر میں جاتے تھے تو بھی ذکر کرتے تھے اور جب واپس لوٹتے تھے تب بھی ذکر کرتے تھے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں: جب آپؐ غزوہ سے یا حج سے یا عمرہ سے واپس لوٹتے اور زمین کے کسی تودے پر چڑھتے یا کسی بھی بلند جگہ پر چڑھتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے، پھر فرماتے: ترجمہ: کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں، سوائے اللہ کے، جو یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے فرمانروائی ہے اور وہی تعریفوں کا مستحق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اب ہم واپس لوٹ رہے ہیں اپنے قصوروں اور لغزشوں سے توبہ کرنے والے ہیں اپنے پروردگار کی عبادت کرنے والے ہیں، اپنے رب کے لئے سیر وسیاحت کرنے والے ہیں، اور اپنے پروردگار کی حمد وثنا کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی (نبی ﷺ مراد ہیں) مدد فرمائی، اور جتھوں کو (غزوۂ خندق کے جتھے مراد ہیں) تنہا شکست دی۔

[۱۰۲] باب مایقول عند القفول مِن الحج والعمرة؟

[۹۳۸-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نا إسماعيلُ بنُ إبراهيمَ، عن أَيُّوْبَ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ، قال: كان النبيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوَةٍ أَوْ حَجٍّ أَوْعُمْرَةٍ فَعَلَا فَدْفَداً مِنَ الْأَرْضِ أَوْشَرَفًا: كَبَّرَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ: " لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، آيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَائِحُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ"

وفي الباب: عن البَرَاءِ، وأنسٍ، وَجَابِرٍ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء في الْمُحْرِمِ يَمُوْتُ فِيْ إِحْرَامِهِ

جس کا حالتِ احرام میں انتقال ہو اس کی تجہیز وتکفین کا طریقہ

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک جس کا حالت احرام میں انتقال ہو اس کا مرنے کے بعد بھی احرام باقی

رہتا ہے، پس اس کی تجہیز و تکفین میں احرام کی رعایت کی جائے گی، یعنی اس کا سر اور چہرہ کھلا رکھیں گے اور اسے خوشبو نہیں لگائیں گے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک موت کے بعد احرام ختم ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله یعنی موت پر اعمال ختم ہو جاتے ہیں پس محرم کی تجہیز و تکفین عام اموات کی طرح کی جائے گی۔

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے اونٹ سے گر گیا تھا اور اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور اس کا انتقال ہو گیا تھا، درانحالیکہ وہ محرم تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو بیری کے پتوں کے پانی سے نہلاؤ اور اس کو اسی کے دونوں کپڑوں میں کفن دو اور اس کے سر کو (ابوداؤد میں ہے: اور چہرے کو) مت ڈھانکو، پس بیشک یہ قیامت کے دن تلبیہ پڑھتا ہوا اٹھے گا۔

تشریح: یہ حدیث چھوٹے دو اماموں کا مستدل ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اس میت کا سر اور چہرہ ڈھانکنے سے منع فرمایا۔ معلوم ہوا اس کا احرام باقی ہے، پس اس کی تجہیز و تکفین میں احرام کی رعایت کی جائے گی۔ اور بڑے دو اماموں کی دلیل ابن عمرؓ کا واقعہ ہے ان کے صاحبزادے واقد کا بحالت احرام انتقال ہوا، ابن عمرؓ نے عام اموات کی طرح ان کو کفن پہنایا، یعنی ان کے سر اور چہرہ کو چھپایا اور فرمایا: ہم تجھے خوشبو بھی لگاتے مگر ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم احرام میں ہیں، خوشبو کو ہاتھ نہیں لگا سکتے (موطا مالک ص: ۱۲۶)

اور باب کی حدیث میں بھی اشارہ ہے کہ موت کے بعد احرام ختم ہو گیا تھا، چنانچہ آپؐ نے بیری کے پتوں سے نہلانے کا حکم دیا جو بمنزلہ صابن ہے اور احرام میں صابن اور اس کے مانند چیزیں استعمال نہیں کر سکتے، اور آپؐ نے اس میت کا سر اور چہرہ ڈھانکنے سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ اسے اس کی احرام کی چادروں میں کفن دیا گیا تھا اس کے پاس زائد کپڑے نہیں تھے۔ اور احرام کی چادریں عام طور پر اتنی بڑی نہیں ہوتیں کہ سارا جسم ڈھک جائے، اس لئے آپؐ نے چہرہ اور سر کھلا رکھنے کے لئے فرمایا، کیونکہ ان کی موت بے سروسامانی، غریب الوطنی اور لاچاری کی حالت میں ہوئی تھی، جس کا ان کو صلہ ملا کہ وہ قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھیں گے۔ جیسے احادیث میں پچاس سے زائد لوگوں کو شہید کہا گیا ہے، ان کو یہ فضیلت ان کی لاچاری اور حادثاتی موت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔

فائدہ: اصل ضابطہ ایسی صورت میں یہ ہے کہ سر ڈھانکا جائے گا اور پیروں کو کسی چیز سے چھپایا جائے گا، جیسے حضرت حمزہؓ کے ساتھ کیا گیا تھا، مگر خلاف ضابطہ اس میت کا سر کھلا رکھا گیا، یہ اس کے احرام کی برکت تھی، جیسے اصل ضابطہ یہ ہے کہ شہداء کو دفن کیا جائے، مگر آپؐ نے حضرت حمزہؓ کو ویسے ہی چھوڑ دینے کا ارادہ فرمایا تھا، یہ خلاف ضابطہ بات تھی، اور اگر آپؐ ایسا کرتے تو وہ حضرت حمزہؓ کی شہادت کی اہمیت کی بناء پر ہوتا۔

[۱۰۳] باب ماجاء في المحرم يموت في إحرامه

[۹۳۹-] حدثنا ابنُ أبي عُمَرَ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن عَمْرِو بنِ دِيْنَارٍ، عن سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عن ابنِ عبّاسٍ، قالَ: كُنَّا مَعَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ سَفَرٍ، فَرَأَىٰ رَجُلاً سَقَطَ عَنْ بَعِيْرِهِ، فَوُقِصَ فَمَاتَ وَهُوَ مُحْرِمٌ، فقالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "اغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وكَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْهِ، وَلاَ تُخَمِّرُوْا رَأْسَهُ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُهِلُّ أَوْ: يُلَبِّيْ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. وهو قَوْلُ سُفيانَ الثَّوْرِيِّ والشَّافِعِيِّ وأحمدَ وإسحاق، وقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: إِذَا مَاتَ الْمُحْرِمُ انْقَطَعَ إِحْرَامُهُ، ويُصْنَعُ بِهِ مَا يُصْنَعُ بِغَيْرِ الْمُحْرِمِ.

ترجمہ: بعض علماء کہتے ہیں: جب محرم کا انتقال ہوجائے تو اس کا احرام ختم ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ کیا جائے گا جیسا غیر محرم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

بابُ ماجاءَ أنَّ الْمُحْرِمَ يَشْتَكِيْ عَيْنَهُ فَيَضْمِدُهَا بَالصَّبِرِ

اگر محرم کی آنکھیں دکھیں تو وہ ایلوے کا لیپ کرے

صَبِر کے معنی ہیں: ایلوا: ایک کڑوا پودا اور اس کا عرق، جب آنکھیں دکھتی ہیں تو ایلوے کا لیپ کرتے ہیں، محرم کے لئے یہ لیپ کرنا بالاتفاق جائز ہے، کیونکہ اس میں خوشبو نہیں ہوتی، اور لیپ کرنے سے جو چہرہ چھپتا ہے اس کو عرف میں چہرہ چھپانا نہیں کہتے جیسے حائضہ اگر باہر کھڑی ہو کر مسجد میں سے کوئی چیز لیلے تو جائز ہے، کیونکہ عرف میں اس کو مسجد میں داخل ہونا نہیں کہتے۔ اسی طرح آنکھوں کے اردگرد ایلوے کا لیپ کرنا چہرے کو چھپانا نہیں ہے اس لئے جائز ہے، اور یہی حکم دوسری دواؤں کا ہے۔ البتہ اگر دوا میں خوشبو ہو تو اس کو نہیں لگا سکتے، کیونکہ محرم کے لئے خوشبو ممنوع ہے اور وِکس میں میرے نزدیک بدبو ہے محرم اسے لگا سکتا ہے۔

[۱۰۴] باب ماجاء أن المحرم يَشْتَكِيْ عينه فَيَضْمِدُهَا بالصَّبِرِ

[۹۴۰-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن أَيُّوْبَ بنِ مُوْسَى، عَنْ نُبَيْهِ بنِ وَهْبٍ: أَنَّ عُمَرَ بنَ عُبَيْدِ الله بنِ مَعْمَرٍ اشْتَكَى عَيْنَيْهِ، وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَسَأَلَ أَبَانَ بنَ عُثْمَانَ، فقالَ: اضْمِدْهُمَا بِالصَّبِرِ، فَإِنِّيْ سَمِعْتُ عُثْمَانَ بنَ عَفَّانَ يَذْكُرُهُ عن رسولِ الله صلى الله عليه وسلم، يقولُ: "اضْمِدْهَا بِالصَّبِرِ"

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، والعملُ علی هذا عِنْدَ أهلِ العلمِ لَایَرَوْنَ بَأْسًا أَنْ یَتَدَاوَی الْمُحْرِمُ بِدَوَاءٍ مَالَمْ یَکُنْ فِیْهِ طِیْبٌ.

ترجمہ: نُبیہ کہتے ہیں: عمر بن عبیداللہ کی آنکھیں دکھنے آئیں، جبکہ وہ محرم تھے، انھوں نے ابان بن عثمان سے مسئلہ پوچھا: (وہ امیر الموسم تھے) انھوں نے فرمایا: ''آنکھوں پر ایلوے کا لیپ کرو'' بیشک میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ''محرم آنکھوں پر ایلوے کا لیپ کرے'' —— اس پر علماء کا عمل ہے وہ اس بات میں کچھ حرج نہیں سمجھتے کہ آدمی ایسی دوا کے ذریعہ علاج کرے جس میں خوشبو نہ ہو۔

بابُ ماجاء فی الْمُحْرِمِ یَحْلِقُ رَأْسَهُ فِیْ إِحْرَامِهِ مَا عَلَیْهِ؟

محرم اگر عذر کی وجہ سے سر منڈائے تو کیا حکم ہے؟

حدیبیہ کے میدان میں نبی ﷺ حضرت کعب بن عجرۃ کے پاس سے گذرے، وہ ہانڈی پکا رہے تھے، آپؐ نے دیکھا: ان کے سر سے جوئیں جھڑ رہی ہیں، آپؐ نے پوچھا: ''کیا تمھیں یہ کیڑے پریشان کرتے ہیں؟'' انھوں نے کہا: یارسول اللہ! بہت پریشان کرتے ہیں! پس آیت نازل ہوئی: ﴿فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَرِیْضًا أَوْ بِهِ أَذًی مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْیَةٌ مِّنْ صِیَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُکٍ﴾ (سورۂ بقرہ آیت ۱۹۶) ترجمہ: پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو وہ سر منڈا کر اس کا فدیہ دیدے: روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے ان سے فرمایا: سر منڈا دو اور فدیہ دیدو، کیونکہ جب تک سر نہیں منڈائے گا بالوں کی جڑوں میں سے میل ختم نہیں ہوگا اور جوؤں کی پیدائش بند نہیں ہوگی —— اور فدیہ تین چیزیں ہیں: تین روزے رکھے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا جانور ذبح کرے، تینوں میں سے جو چاہے کرے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کرے تو اس پر فدیہ واجب ہے اور فدیہ یہی ہے: تین روزے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا قربانی کرنا۔ آدمی کو تینوں میں اختیار ہے جو چاہے کرے، اور بغیر عذر کے ممنوعات احرام کا ارتکاب کرے تو دم واجب ہوگا۔ اب روزے رکھنے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے سے کام نہیں چلے گا، قربانی ہی کرنی ہوگی۔

[۱۰۵] باب ماجاء فی المحرم یَحْلِقُ رأسه فی إحرامه: ما علیه؟

[۹۴۱-] حدثنا ابنُ أَبِی عُمَرَ، نا سُفیانُ بنُ عُیَیْنَةَ، عن أَیُّوْبَ، وابنِ أَبِیْ نَجِیْحٍ، وَحُمَیْدٍ الْأَعْرَجِ، وعبدِ الْکَرِیْمِ، عن مُجَاهِدٍ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ أبی لَیْلَی، عَنْ کَعْبِ بنِ عُجْرَةَ: أَنَّ النبیَّ صلی الله

عليه وسلم مَرَّ بِهِ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ أَنْ يَدخُلَ مَكَّةَ وَهُوَ مُحرِمٌ، وَهُوَ يُوقِدُ تَحتَ قِدْرٍ، والقَمْلُ يَتَهافَتُ على وَجْهِهِ، فَقَالَ: "أَتُؤْذِيكَ هوامُّكَ هٰذِهِ؟" فقالَ: نَعَمْ، فقالَ " احْلِقْ، وأَطْعِمْ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ" والفَرَقُ: ثَلاَثَةُ آصُعٍ "أَوْ صُمْ ثَلاَثَةَ أيَّامٍ أَوِ انْسُكْ نَسِيْكَةً" قالَ ابنُ أَبِيْ نَجِيْحٍ:" أَوِ اذْبَحْ شَاةً"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ على هذا عندَ أَهْلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ أَنَّ الْمُحْرِمَ إِذَا حَلَقَ أَوْ لَبِسَ مِنَ الثِّيَابِ مَالاَ يَنْبغِي لَهُ أَنْ يَلْبَسَ فِيْ إِحْرَامِهِ أَوْ تَطَيَّبَ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ بِمِثْلِ مَا رُوِيَ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ان کے پاس سے گذرے درانحالیکہ وہ حدیبیہ میں تھے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے اور وہ محرم تھے اور وہ ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور جوئیں ان کے چہرے پر گر رہی تھیں، آپؐ نے پوچھا: کیا آپ کو یہ کیڑے ستاتے ہیں، انھوں نے کہا: ہاں، پس آپؐ نے فرمایا: سر منڈادو اور ایک فرق چھ مسکینوں کو کھلاؤ اور ایک فرق: تین صاع کا ہوتا ہے، یا تین دن کے روزے رکھو یا کوئی قربانی کرو، ابن جریج کے الفاظ ہیں: اذبح شاۃ یعنی بکری ذبح کرو ـــــــ اس پر صحابہ اور ان کے علاوہ علماء کا عمل ہے کہ محرم جب سر منڈائے یا ایسے کپڑے پہنے جن کو احرام کی حالت میں پہننا جائز نہیں یا خوشبو لگائے تو اس پر کفارہ (فدیہ) واجب ہے اس کے مانند جو نبی ﷺ سے مروی ہے۔

بابُ ماجاءَ فِي الرُّخصَةِ لِلرُّعَاةِ أَنْ يَّرْمُوْا يَوْمًا وَيَدَعُوْا يَوْمًا

چرواہوں کے لئے رخصت ہے کہ وہ ایک دن رمی کریں اور ایک دن نہ کریں

پہلا مسئلہ: منی کی راتیں منی میں گذارنا امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک سنت ہے، اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک واجب ہے، پھر امام مالکؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص ایک رات بھی منی میں نہیں گذارے گا تو اس پر دم واجب ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک منی میں ایک رات نہ گذارنے سے ایک درہم، دو راتیں نہ گذارنے سے دو درہم، اور تینوں راتیں نہ گذارنے سے دم واجب ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: ایام منی میں ہر دن کی رمی اسی دن کرنی ضروری ہے، بصورت دیگر دم واجب ہوگا اور اس پر اجماع ہے، البتہ اونٹوں کے چرواہوں کو یہ اجازت ہے کہ وہ منی میں راتیں نہ گذاریں۔ اسی طرح یہ بھی اجازت ہے کہ وہ دو دنوں کی رمی ایک ساتھ کریں، البتہ وہ جمع تاخیر کریں، جمع تقدیم جائز نہیں۔

عرب کی صورت حال یہ ہے کہ ہر طرف پہاڑ ہی پہاڑ اور ریت ہی ریت ہے نہ ہریالی ہے نہ گھاس پتے، کہیں کہیں درخت ہیں، چرواہے جب اونٹوں کو چرانے جاتے ہیں تو دور تک نکل جاتے ہیں۔ کبھی دس میل تک دور جانا پڑتا ہے اس لئے منی میں راتیں گذارنے میں اور روزانہ کی رمی روزانہ کرنے میں ان کے لئے دشواری ہے، چنانچہ ان کو یہ سہولت دی گئی کہ وہ دس تاریخ کی رمی کریں اور ارکانِ حج ادا کر کے اونٹ لے کر چرانے نکل جائیں اور گیارہ کو نہ لوٹیں، گیارہ اور بارہ دونوں دنوں کی رمی ایک ساتھ بارہ میں کرلیں یا دس اور گیارہ کو گیارہ کی رمی کر کے چلے جائیں اور بارہ کو نہ لوٹیں تیرہ میں آکر بارہ اور تیرہ دونوں دنوں کی رمی کرلیں، غرض شریعت نے اونٹوں کے چرواہوں کو یہ سہولتیں دی ہیں اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

[۱۰۶] باب ماجاء في الرخصة للرِّعَاةِ أن يرموا يوما ويدعوا يوما

[۹۴۲-]حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، نا سُفيانُ، عن عبدِ اللهِ بنِ أَبِي بَكْرِ بنِ محمدِ بنِ عَمْرِو بنِ حَزْمٍ، عن أَبِيهِ، عن أَبِي البَدَّاحِ بنِ عَدِيٍّ، عن أَبِيهِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمًا وَيَدَعُوا يَوْمًا.

قال أبو عيسى: هٰكَذَا رَوَى ابنُ عُيَيْنَةَ، وروَى مَالِكُ بنُ أنسٍ، عن عبدِ اللهِ بنِ أَبِي بَكْرٍ، عن أَبِيهِ، عن أَبِي البَدَّاحِ بنِ عَاصِمِ بنِ عَدِيٍّ، عن أَبِيهِ، وَرِوَايَةُ مَالِكٍ أَصَحُّ، وقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ لِلرِّعَاةِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمًا وَيَدَعُوا يَوْمًا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

[۹۴۳-]حدثنا الحسنُ بنُ عليٍّ الخَلَّالُ، نا عبدُ الرَّزَّاقِ، نا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، قالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بنُ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عن أبي البَدَّاحِ بنِ عَاصِمِ بنِ عَدِيٍّ، عن أَبِيهِ، قَالَ: رَخَّصَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم لِرِعَاءِ الإِبِلِ فِي البَيْتُوتَةِ: أَنْ يَرْمُوا يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ يَجْمَعُوا رَمْيَ يَوْمَيْنِ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ، فَيَرْمُونَهُ فِي أَحَدِهِمَا، قَالَ مَالِكٌ: ظَنَنْتُ أَنَّهُ قَالَ: فِي الأَوَّلِ مِنْهُمَا، ثُمَّ يَرْمُونَ يَوْمَ النَّفْرِ.

وهذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وهُوَ أَصَحُّ مِنْ حديثِ ابنِ عُيَيْنَةَ، عن عبدِ اللهِ بنِ أَبِي بَكْرٍ.

ترجمہ اور وضاحت: نبی ﷺ نے چرواہوں کو اجازت دی کہ وہ ایک دن رمی کریں اور ایک دن رمی نہ کریں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: ابن عیینہ نے حدیث اسی طرح روایت کی ہے یعنی سند کے ایک راوی کا نام ابوالبداح بن عدی لیا ہے اور امام مالکؒ نے اس کا نام ابوالبداح بن عاصم بن عدی لیا ہے۔ اور امام مالکؒ کی روایت اصح ہے، یعنی صحیح نام: ابوالبداح بن عاصم بن عدی ہے۔ اور بعض علماء نے چرواہوں کو اس کی اجازت دی ہے کہ وہ ایک دن رمی کریں اور ایک دن رمی نہ کریں، اور یہ شافعیؒ کا قول ہے۔

(حدیث ۹۴۳) رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو منی میں راتیں گذارنے کے سلسلہ میں سہولت دی بایں طور کہ وہ یوم النحر (دس ذی الحجہ) میں رمی کریں پھر یوم النحر کے بعد دو دن کی رمی جمع کریں (یعنی یوم النحر کی رمی تو اس کے وقت میں کریں، پھر گیارہ بارہ کی یا بارہ تیرہ کی رمی ایک ساتھ کریں) پس رمی کریں وہ ان دو دنوں میں سے ایک میں (یعنی بارہ میں گیارہ بارہ دونوں کی رمی کریں یا تیرہ میں بارہ اور تیرہ دونوں کی رمی کریں جمع تقدیم کا کوئی قائل نہیں) امام مالکؒ کہتے ہیں: میرا گمان یہ ہے کہ استاذ نے یہ لفظ بولا تھا: فی الأول منھما یعنی دو دنوں میں سے پہلے دن میں پھر یوم النفر کو (یعنی منی سے لوٹنے کے دن) رمی کریں (اس عبارت سے ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک بارہ کی رمی گیارہ میں کی جاسکتی ہے یعنی جمع تقدیم کر سکتے ہیں مگر یہ امام مالکؒ کا مذہب نہیں۔ موطا مالک (ص:۱۵۹) میں اس حدیث کی وضاحت خود امام مالکؒ نے یہ فرمائی ہے کہ بارہ میں گیارہ اور بارہ دونوں دنوں کی رمی کریں۔ بارہ کی رمی گیارہ میں کرنا جائز نہیں اور یہ حدیث حسنٌ صحیحٌ ہے اور یہ ابن عیینہ کی روایت سے اصح ہے (یعنی راوی کا صحیح نام ابو البداح بن عاصم بن عدی ہے اور یہ معمولی بات نہیں ہے، عن ابیہ کے مصداق کی تعیین میں یہ بڑی اہم بات ہے کہ صحابی کا کیا نام ہے جن کی یہ حدیث ہے)

باب [ماجاء فی الإحرام المُبْهَمِ]

گول مول احرام باندھنے کا بیان

حجۃ الوداع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے آئے تھے اور نبی ﷺ کے لئے ۳۳ اونٹ لے کر آئے تھے، آپؐ نے ان سے پوچھا: احرام شروع کرتے وقت تم نے کیا نیت کی تھی، میرے ساتھ تمہاری اہلیہ ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے یہ نیت کی تھی کہ جیسا نبی ﷺ کا احرام ہے ویسا میرا ہے، آپؐ نے فرمایا: میرے ساتھ قربانیاں ہیں اس لئے میرا احرام نہیں کھل سکتا، پس تمہارا بھی نہیں کھل سکتا۔ چنانچہ آپؐ نے ان کو اپنی قربانیوں میں شریک کر لیا اور انھوں نے بھی قران کیا۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص گول مول احرام باندھے تو درست ہے مگر اس کو طواف شروع کرنے سے پہلے حج یا عمرہ کی تعیین کرنی ہوگی، اگر تعیین کئے بغیر طواف شروع کر دے گا تو وہ خود بخود عمرہ کا احرام ہو جائے گا۔

[۱۰۷] باب [ماجاء فی الإحرام المُبْهَمِ]

[۹۴۴-] حدثنا عبدُ الْوَارِثِ بنُ عبدِ الصَّمَدِ بنِ عبدِ الْوَارِثِ، قالَ حَدَّثَنِی أَبِی، نَاسَلِیْمُ بنُ حَیَّانَ، قالَ: سَمِعْتُ مَرْوَانَ الْأَصْفَرَ، عن أنسِ بنِ مَالِكٍ: أَنَّ عَلِیًّا قَدِمَ علی رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْیَمَنِ، فقالَ: "بِمَا أَهْلَلْتَ؟" قالَ: أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رسولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم، قالَ:

"لَوْلاَ أنَّ مَعِیَ هَدْیًا لَأحْلَلْتُ"

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ من هذا الوَجْهِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس یمن سے آئے، آپؐ نے پوچھا: تم نے کیسا احرام باندھا ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے ویسا ہی احرام باندھا ہے جیسا نبی ﷺ نے باندھا ہے، آپؐ نے فرمایا: اگر میرے ساتھ قربانیاں نہ ہوتیں تو میں (عمرہ کرکے) احرام کھول دیتا۔

نوٹ: یہ باب میں نے باندھا ہے، مصری نسخہ میں بھی باب خالی ہے۔

بابُ [ماجاء فی یوم الحج الأکبر]

حج اکبر کا دن: کونسا ہے؟

شریعت کی اصطلاح میں حج اکبر حج کا نام ہے جو یوم النحر کو ہوتا ہے اور عمرہ: حج اصغر ہے، اس باب میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ سن ۹ ہجری میں جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حج اکبر کے دن چار اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا تو انھوں نے دریافت کیا تھا: یارسول اللہ! حج اکبر کا دن کونسا ہے؟ یعنی حج کے پانچ دن ہیں مجھے اعلان کس دن کرنا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: قربانی کے دن یعنی دس ذی الحجہ حج اکبر کا دن ہے اس دن یہ اعلانات کرنا۔

[۱۰۸] باب [ماجاء فی یوم الحج الأکبر]

[۹۴۵-] حدثنا عبدُ الوَارِثِ بنُ عبدِ الصَّمَدِ بنِ عبدِ الْوَارِثِ، نا أَبِیْ، عن أَبِیْهِ، عن محمدِ بنِ إسحاقَ، عن أبی إسحاق، عن الحَارِثِ، عن عَلِیٍّ قالَ: سَأَلْتُ رسولَ الله صلی الله علیه وسلم عَنْ یَوْمِ الْحَجِّ الأَکْبَرِ؟ فقالَ: "یَوْمُ النَّحْرِ"

[۹۴۶-] حدثنا ابنُ أَبِیْ عُمَرَ، نا سُفیانُ بنُ عُیَیْنَةَ، عن أَبِیْ إسحاق، عن الحَارِثِ، عن عَلِیٍّ، قالَ: یَوْمُ الحَجِّ الأَکْبَرِ: یَوْمُ النَّحْرِ، وَلَمْ یَرْفَعْهُ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِیْثِ الأَوَّلِ، وَرِوَایَةُ ابنِ عُیَیْنَةَ مَوْقُوْفًا أَصَحُّ مِنْ رِوَایَةِ محمدِ بنِ إسحاق مَرْفُوْعًا.

قال أبو عیسی: هکذا رَوَی غَیْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحُفَّاظِ عن أَبِیْ إسحاق عن الْحَارِثِ عن عَلِیٍّ مَوْقُوْفًا.

وضاحت: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث موقوف ہے یا مرفوع؟ ابواسحاق ہمدانی کے تلامذہ میں اختلاف ہے، محمد بن اسحاق مرفوع بیان کرتے ہیں اور ابن عیینہ موقوف۔ امام ترمذیؒ نے حدیث موقوف کو اصح قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: ابواسحاق سے متعدد حفاظ ابن عیینہ کی طرح اس کو موقوف روایت کرتے ہیں۔

نوٹ: باب کاعنوان مصری نسخہ سے بڑھایا ہے۔

بابُ [ماجاء فی استلام الرکنین]

حجر اسود اور رکن یمانی کو ہاتھ لگانے کی فضیلت

حدیث: عبید بن عُمیر کہتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کعبہ کے دوکونوں (حجر اسود اور رکن یمانی) پر بھیڑ میں پڑتے تھے یعنی ان کو ہاتھ لگا کر ہی آگے بڑھتے تھے، میں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! آپ ان دوکونوں پر بھیڑ میں پڑتے ہیں، ایسا بھیڑ میں پڑنا کہ میں نے صحابہ میں سے کسی کو اس طرح بھیڑ میں پڑتے نہیں دیکھا، یعنی دیگر صحابہ اگر موقع ہوتا ہے تو استلام کرتے ہیں اور اگر موقع نہیں ہوتا تو اشارہ کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ استلام کرنے کے لئے بھیڑ میں نہیں پڑتے اس کی کیا وجہ ہے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: میں ایسا اس لئے کرتا ہوں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے: ''ان دونوں کونوں کو ہاتھ لگانے سے یقیناً گناہ معاف ہوجاتے ہیں'' ——— پھر انھوں نے ایک اور حدیث سنائی کہ جو شخص کعبہ کے سات چکر لگائے اور ان کو شمار کرے، یعنی اچھی طرح یاد رکھے تو وہ ایک غلام آزاد کرنے والے کی طرح ہوگا، یعنی ایک طواف کا ثواب ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے ——— پھر تیسری حدیث سنائی کہ ''طواف کرنے والا جو بھی قدم رکھتا ہے اور جو بھی قدم اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں ایک غلطی معاف فرماتے ہیں اور اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھتے ہیں، یعنی ہر قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

فائدہ: جریر اور حماد بن زید دونوں اس حدیث کو عطاء بن السائب سے روایت کرتے ہیں اور دونوں کی حدیثوں میں یہ فرق ہے کہ جریر سند کے آخر میں عن أبیہ کا اضافہ کرتے ہیں اور حماد بن زید یہ واسطہ نہیں بڑھاتے، اور پہلے یہ بات بتائی ہے کہ جریر نے عطاء بن السائب سے حافظہ بگڑنے کے بعد پڑھا ہے اور حماد نے پہلے پڑھا ہے اس لئے حماد کی حدیث اصح ہے۔

نوٹ: باب کاعنوان مصری نسخہ سے بڑھایا ہے۔

[۱۰۹] بابُ [ماجاء فی استلام الرکنین]

[۹۴۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا جَرِيْرٌ، عن عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، عن ابنِ عُبَيْدِ بنِ عُمَيْرٍ، عن أَبِيْهِ: أَنَّ ابنَ عُمَرَ كانَ يُزَاحِمُ على الرُّكْنَيْنِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عبدِ الرحمنِ! إِنَّكَ تُزَاحِمُ على الرُّكْنَيْنِ زِحَامًا مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم يُزَاحِمُ عَلَيْهِ، فقالَ: إِنْ أَفْعَلْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "إِنَّ مَسْحَهُمَا كَفَّارَةُ الْخَطَايَا" وسَمِعْتُهُ يقولُ: "مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ سُبُوْعًا فَأَحْصَاهُ كانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ" وسَمِعْتُهُ يقولُ: "لَايَضَعُ قَدَمًا وَلَا يَرْفَعُ أُخْرَى إِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عنهُ بِهَا

خَطِيئَةً، وَكُتِبَتْ لَهُ بِهَا حَسَنَةً.

قال أبو عيسى: وَرَوَى حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عن عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، عن ابنِ عُبَيْدِ بنِ عُمَيْرٍ، عن ابنِ عُمَرَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ أَبِيهِ، وهٰذَا حديثٌ حسنٌ.

بابُ [ماجاء في الكلام في الطواف]

طواف میں بات چیت کرنا جائز ہے

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کعبہ شریف کا طواف نماز کی طرح ہے'' پس جو چیزیں نماز کے لئے شرط ہیں مثلاً طہارت، ستر عورت: طواف میں بھی شرط ہیں مگر بعض چیزوں میں فرق ہے۔ مثلاً طواف میں استقبال قبلہ نہیں ہے بلکہ حول کعبہ گھومنا ہے اسی طرح نماز میں بات چیت کی گنجائش نہیں، مگر طواف میں بات چیت کر سکتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ فضول باتیں کرے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی خیر کی بات کہنی پڑے تو کہہ سکتے ہیں، اسی طرح طواف کرتے ہوئے کوئی جان پہچان کا مل جائے تو دعا سلام اور مصافحہ کر سکتے ہیں، کسی کو مسئلہ بتا سکتے ہیں، کسی سے مسئلہ پوچھ سکتے ہیں طواف کے دوران یہ خیر کے کام کرنے کی گنجائش ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''بیت اللہ کے اردگرد گھومنا نماز کی طرح ہے مگر تم طواف میں بات چیت کر سکتے ہو، پس جو شخص دورانِ طواف بات چیت کرے وہ خیر کے علاوہ کوئی دوسری بات نہ کرے''

فائدہ: یہ حدیث درحقیقت ابن عباسؓ کا فتوی ہے، عطاء بن السائب نے غلطی سے اس کو مرفوع کر دیا ہے، ان کا حافظہ آخری عمر میں بگڑ گیا تھا اور جریر نے حافظہ بگڑنے کے بعد ان سے پڑھا ہے، چنانچہ دوسرے روات طاؤس کے صاحبزادے سے اس حدیث کو موقوف روایت کرتے ہیں۔

[۱۱۰] بابُ [ماجاء في الكلام في الطواف]

[۹۴۸-] حدثنا قُتيبةُ، نا جَرِيرٌ، عن عطاءِ بنِ السَّائِبِ، عن طَاوُسٍ، عن ابنِ عبَّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلَاةِ، إِلَّا أَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُونَ فِيهِ، فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيهِ فَلَا يَتَكَلَّمْ إِلَّا بِخَيْرٍ"

قال أبو عيسى: وقَدْ رُوِيَ عن ابنِ طاوُسٍ وغَيْرِهِ عن طَاوُسٍ، عن ابنِ عبَّاسٍ مَوْقُوفًا، وَلَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حديثِ عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ.

والعملُ على هٰذا عِنْدَ أهلِ العلمِ يَسْتَحِبُّونَ أَنْ لَا يَتَكَلَّمَ الرَّجُلُ فِي الطَّوَافِ إِلَّا لِحَاجَةٍ أَوْ بِذِكْرِ اللهِ تَعَالَى، أَوْ مِنَ الْعِلْمِ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اور ابن طاؤس سے اور ان کے علاوہ سے روایت کیا گیا ہے، وہ طاؤس سے اور وہ ابن عباسؓ سے موقوف روایت کرتے ہیں، اور ہم اس حدیث کو مرفوع نہیں جانتے مگر عطاء بن السائب کی حدیث سے، اور اس پر اکثر علماء کا عمل ہے، وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی دورانِ طواف بات چیت نہ کرے، مگر کسی ضرورت سے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا کوئی علمی بات کرے یعنی کسی کو کوئی دینی بات بتائے یا پوچھے۔

نوٹ: باب کا عنوان مصری نسخہ سے بڑھایا ہے۔

بابُ [ماجاء فی الحجر الأسود]

حجر اسود کی خصوصیت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا: قسم بخدا! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجر اسود کو اس شان سے نئی زندگی دیں گے کہ اس کی دو آنکھیں ہونگی، جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا، اور اس شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے برحق طور پر اس کو چھویا ہے، یعنی حجر اسود دیکھنے میں اگرچہ پتھر ہے مگر اس کی ایک خصوصیت ہے، وہ اس شخص کو پہچانتا ہے جو بہ نیتِ تعظیم اس کا استلام کرتا ہے اور قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گا۔ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: ہم نے آنکھوں سے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ بیت اللہ شریف گویا روحانیت سے بھرا ہوا ہے اور حجر اسود اس کا ایک جز ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس کو آخرت میں وہ چیز دی جائے جو زندوں کی خاصیت ہے یعنی آنکھیں اور زبان دی جائے کیونکہ جو پتھر مدتِ مدید تک الطاف الٰہی کا مورد رہا ہو، اگر وہ آخرت میں ذی عقل مخلوق بن جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے! مولانا روم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سگ اصحاب کہف روزے چند ❁ پئے نیکاں گرفت: مردُم شُد

نوٹ: باب کا عنوان مصری نسخہ سے بڑھایا ہے۔

[۱۱۱] بابُ [ماجاء فی الحجر الأسود]

[۹٤۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا جَرِيْرٌ، عن ابنِ خُثَيْمٍ، عن سَعِيْدِ بنِ جُبَيْرٍ، عن ابنِ عبَّاسٍ، قالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي الحَجَرِ: " وَاللهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا، ولِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ، يَشْهَدُ على مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ.

بابُ [ماجاء في الدُّهْنِ غير المُقتَّتِ]

احرام میں بغیر خوشبو کا تیل لگا سکتے ہیں؟

حدیث: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حالتِ احرام میں بغیر خوشبو کا زیتون کا تیل لگایا۔

تشریح: حالتِ احرام میں سر یا بدن پر کسی بھی قسم کا تیل لگانا جائز نہیں، نہ خوشبودار اور نہ بے خوشبو، اور اس پر اتفاق ہے، کیونکہ تیل لگانا زینت ہے اور محرم کو زینت سے بچنا ہے۔ اور حدیث باب تنہا فرقد سَبَخی روایت کرتا ہے اور وہ ضعیف ہے — مُقَتَّت کے معنی ہیں: مُطَیَّب: خوشبودار کیا ہوا، اور تیل کو خوشبودار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بے خوشبو کے تیل میں گلاب کے پتے مثلاً ڈال کر پکائیں یہاں تک کہ وہ پتے جل جائیں پھر چھان کر تیل نکال لیں تو وہ خوشبودار ہو جائیگا۔

نوٹ: باب کا عنوان میں نے بڑھایا ہے، مصری نسخہ میں بھی باب خالی ہے۔

[١١٢] باب[ماجاء في الدُّهْنِ غير المُقَتَّتِ]

[٩٥٠-] حدثنا هَنَّادٌ، نا وَكِيْعٌ، عن حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، عن فَرْقَدٍ السَّبَخِيِّ، عن سَعيدِ بنِ جُبَيْرٍ، عن ابنِ عُمَرَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كانَ يَدَّهِنُ بالزَّيْتِ وَهُوَ مُحْرِمٌ غَيْرِ الْمُقَتَّتِ.

قال أبو عيسى: مُقَتَّتٌ: مُطَيَّبٌ، هذا حديثٌ غريبٌ لانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ فَرْقَدٍ السَّبَخِيِّ، عن سَعيدِ بنِ جُبَيْرٍ، وقَدْ تَكَلَّمَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ فِيْ فَرْقَدٍ السَّبَخِيِّ، وَرَوَى عنهُ النَّاسُ.

بابُ [ماجاء في ماءِ زمزم]

مائے زمزم کی فضیلت

حدیث: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ وہ جب مدینہ لوٹتی تھیں تو زمزم ساتھ لے جاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ نبی ﷺ بھی زمزم ساتھ لے جاتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے تمام حجاج اپنے ساتھ زم زم لاتے ہیں۔ زم زم کی فضیلت میں بہت روایات ہیں۔ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں زم زم کی فضیلت کا باب قائم کر کے سب روایات جمع کی ہیں۔

نوٹ: باب کا عنوان مصری نسخہ سے بڑھایا ہے۔

[١١٣]بابُ [ماجاء في ماء زمزم]

[٩٥١-] حدثنا أبو كُرَيْبٍ، نا خَلَّادُ بنُ يَزِيْدَ الجُعْفِيُّ، نا زُهَيْرُ بنُ مُعَاوِيَةَ، عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ،

عن أبِيْهِ، عن عائشةَ: أنّها كانَتْ تَحْمِلُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمٍ، وتُخْبِرُ أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم كانَ يَحْمِلُهُ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ لانَعْرِفُهُ إلَّا مِنْ هٰذَا الوَجْهِ.

بابُ [ماجاء فی نزول الأبطَح]

ابطح میں اترنا مناسک میں شامل نہیں

حدیث: عبدالعزیز بن رُفیع کہتے ہیں: میں نے حضرت انسؓ سے کہا: آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتلائیں اگر آپ کو صحیح یاد ہو کہ آپؐ نے یوم الترویہ کوظہر کی نماز کہاں پڑھی؟ حضرت انس نے کہا: منی میں، عبد العزیز نے پوچھا: اور یوم النفر (تیرہ ذی الحجہ) میں عصر کی نماز کہاں پڑھی؟ انھوں نے فرمایا: ابطح میں، پھر حضرت انسؓ نے فرمایا: تمہارے امراء جو کرتے ہیں وہ کرو۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعد میں امراء کا طریقہ بدل گیا تھا اس لئے حضرت انسؓ نے فرمایا کہ امراء جو کرتے ہیں وہ کرو، کیونکہ ابطح میں اترنا مناسک میں شامل نہیں۔

نوٹ: باب کا عنوان میں نے بڑھایا ہے، مصری نسخہ میں بھی باب خالی ہے۔

[۱۱٤] بابُ [ماجاء فی نزول الأبطَح]

[۹۵۲-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، ومحمدُ بنُ الوَزِيْرِ الوَاسِطِيُّ، المَعْنَى وَاحِدٌ، قالاَ: نا إسحاقُ بنُ يُوْسُفَ الأَزْرَقُ، عن سُفيانَ، عن عبدِ العزيزِ بنِ رُفَيْعٍ، قالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: حَدِّثْنِي بِشيءٍ عَقَلْتَهُ عن رسولِ الله صلى الله عليه وسلم: أَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ؟ قالَ: بِمنى، قالَ: قُلْتُ: وأَيْنَ صَلَّى العَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ؟ قالَ: بالأَبْطَحِ، ثُمَّ قالَ: افْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ أُمَرَاؤُكَ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، يُسْتَغْرَبُ مِنْ حديثِ إسحاقَ الأَزْرَقِ عن الثَّوْرِيِّ.

﴿آخر أبواب الحج﴾

الحمدللہ کتاب الحج کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی

أَبْوَابُ الْجَنَائِزِ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بابُ ماجاءَ فی ثَوَابِ الْمَرَضِ

بیماری کا ثواب

حدیث (۱): آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب بھی کسی مؤمن کو کوئی کانٹا چبھتا ہے یا اس سے معمولی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بڑھاتے ہیں اور اس کی وجہ سے اس کا ایک گناہ مٹاتے ہیں۔

تشریح

۱- جب آدمی بیمار پڑتا ہے تو بہیمیت کمزور ہوتی ہے اس لئے برائیوں کا ازالہ ہوتا ہے اور دنیا کی طرف سے کچھ دل اکھڑتا ہے اور آخرت کی طرف مائل ہوتا ہے، اس لئے بیماری سے گناہ جھڑتے ہیں، اور اس حدیث کے عموم میں مرض موت بھی داخل ہے، اس کی وجہ سے بھی سیئات معاف ہوتے ہیں اور درجات بڑھتے ہیں، آئندہ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "جب اللہ تعالیٰ کو کسی بندے کے ساتھ خیر منظور ہوتی ہے تو اسے دنیا ہی میں سزا دیدیتے ہیں" اور مسند احمد میں حدیث ہے کہ جب کسی بندے کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور اعمال خیر سے اس کا دامن خالی ہوتا ہے جو گناہوں کے لئے کفارہ بن سکیں تو اللہ تعالیٰ اس کو موت سے پہلے مصائب میں مبتلا کرتے ہیں اور وہ بتوفیق الٰہی اس پر صبر کرتا ہے اور اللہ کی تعریف کرتا ہے تو وہ گناہوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے اور وہ اس دن کی طرح ہوجاتا ہے جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا (مشکوۃ حدیث ۱۵۷۹ و ۱۵۸۰)

اور بدکردار کی اچانک موت کو اللہ کے غصہ کی پکڑ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہ باقی رکھتے ہیں تاکہ قیامت کے دن اس کا حساب چکائیں (مشکوۃ حدیث ۱۵۶۵) غرض موت سے پہلے کی تکالیف میں بندوں کا فائدہ ہے اور کونسا مرض کفارۂ سیئات بنتا ہے اور کس مرض میں درجات بلند ہوتے ہیں؟ اس کی علامت علماء نے یہ لکھی ہے کہ اگر بندہ مرض پر شاکی ہو، ہر کسی کے سامنے بیماری کا

رونا روئے تو مرض کفارۂ سیئات ہوتا ہے، اور اگر بندہ مرض پر صابر ہو اور ہر حال میں اللہ کی تعریف کرے تو اس مرض سے درجات بلند ہوتے ہیں۔

۲- جب تک آدمی کے نامۂ اعمال میں سیئات ہیں بیماری سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور درجات بھی بڑھتے ہیں اور جب گناہ باقی نہیں رہتے تو صرف درجات بلند ہوتے ہیں۔

۳- قولہ: فما فوقها: فوقیت کبھی بڑا ہونے میں ہوتی ہے اور کبھی چھوٹا ہونے میں، ارشاد پاک ہے: ﴿إِنَّ اللهَ لَايَسْتَحْيِیْ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ مچھر یا اس سے بھی چھوٹی مخلوق کی مثال بیان کرنے سے شرماتے نہیں، اس آیت میں اور اس حدیث میں فوقیت فی الصغر مراد ہے، پس جب کانٹے کی تکلیف اور اس سے معمولی تکلیف کفارۂ سیئات بنتی ہے تو مرض کی تکلیف تو اس سے کہیں زیادہ ہے اس لئے وہ ضرور کفارہ بنے گی۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جو بھی چیز مؤمن کو پہنچتی ہے خواہ تھکن ہو یا غم ہو یا بیماری ہو (الوَصَبَ کے معنی ہیں: بیماری، دائمی مرض، جسم کی لاغری اور کبھی سستی اور تھکن کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے) حتی کہ سوچ وچار (ٹینشن) جو آدمی کو پریشانی میں مبتلا کرتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے بھی اس کی سیئات کو مٹاتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کے راوی امام وکیع رحمہ اللہ ہیں، انھوں نے تلامذہ سے یہ حدیث بیان کرکے فرمایا: یہ بات کہ پریشان کن سوچ وچار بھی کفارہ بنتے ہیں، اسی حدیث میں آئی ہے، دوسری کسی حدیث میں یہ مضمون نہیں آیا۔

أبواب الجنائز

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱] باب ماجاء في ثواب المرض

[۹۵۳-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عن الأَعْمَشِ، عن إبراهيمَ، عن الأَسْوَدِ، عن عائشةَ، قالتْ: قالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " لَايُصِيْبُ الْمُؤْمِنَ شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً"

وفي الباب: عن سَعْدِ بنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ، وأَبِيْ عُبَيْدَةَ بنَ الجَرَّاحِ، وأَبِيْ هُرَيْرَةَ، وأَبِيْ أُمَامَةَ، وَأَبِيْ سَعِيْدٍ، وأَنَسٍ، وعبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وأَسَدِ بنِ كُرْزٍ، وَجَابِرٍ، وعبدِ الرحمنِ بنِ أَزْهَرَ، وأَبِيْ مُوْسَى.

قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۹۵۴-] حدثنا سُفيانُ بنُ وَكِيْعٍ، نا أَبِيْ، عن أُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، عن محمدِ بنِ عَمْرِو بنِ عَطَاءٍ، عَنْ

عَطَاءِ بنِ يَسَارٍ، عن أَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ قالَ: قالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "مَا مِنْ شَيْئٍ يُصِيْبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا حَزَنٍ وَلَا وَصَبٍ، حَتَّى الْهَمُّ يَهُمُّهُ، إِلَّا يُكَفِّرُ اللّٰهُ بِهِ عَنْهُ سَيِّآتِهِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ فی هذا الباب. قالَ: وسَمِعْتُ الجَارُوْدَ، يقولُ سَمِعْتُ وَكِيْعًا، يَقُوْلُ: إِنَّهُ لَمْ يُسْمَعْ فِیْ الهَمِّ أَنَّهُ يَكُوْنُ كَفَّارَةً إِلَّا فی هذا الحَدِيْثِ، وقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الحديثَ عن عَطَاءِ بنِ يَسَارٍ، عن أَبِیْ هُرَيْرَةَ، عن النبیِّ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے جارود سے سنا کہ وکیع فرماتے ہیں: بیشک ھَمّ (سوچ وچار، ٹینشن) کے بارے میں یہ بات کہ وہ کفارۂ سیئات ہوتی ہے صرف اس حدیث میں آئی ہے، اور بعض رواۃ نے اس حدیث کی سند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچائی ہے (بخاری حدیث ۵۶۴۱ و ۵۶۴۲)

بابُ ماجاءَ فی عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ

بیمار پرسی کا ثواب

بیمار پرسی حقوقِ اسلام میں سے ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں: ان میں سے ایک حق مریض کی عیادت کرنا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۱۵۲۵)

اور عیادت کا فائدہ یہ ہے کہ مریض کو سکون ملتا ہے وہ خود کو بے سہارا محسوس نہیں کرتا، نیز اس سے رشتۂ الفت استوار ہوتا ہے اس لئے اس میں اجر وثواب رکھا گیا ہے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کرتا ہے تو وہ برابر جنت کے چنیدہ میووں میں رہتا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ عیادت کرنا دخولِ جنت کا سبب ہے، کیونکہ جنت کے میوے جنت میں داخل ہونے کے بعد ہی ملیں گے، پس عیادت کرنے والے کا جنت میں داخل ہونا یقینی ہے۔

فائدہ: ابو قلابہ نے ابو اسماء رَحَبی سے ان کی تمام روایات براہ راست سنی ہیں، مگر یہ حدیث ابوالاشعث کے واسطہ سے سنی ہے اور جو لوگ ابوالاشعث کا واسطہ ذکر نہیں کرتے ان کی سند صحیح نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی واسطہ والی حدیث کو اصح قرار دیا ہے۔

حدیث (۲): ابو فاختہ سعید بن علاقہ کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: آؤ حسینؓ کی عیادت کر آئیں، پس ہم نے ان کے پاس ابو موسیٰ اشعری کو پایا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا: اے ابو موسیٰ! آپ عیادت

کے لئے آئے ہیں یا ملاقات کے لئے؟ انھوں نے کہا: نہیں، بلکہ عیادت کے لئے آیا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو بھی مسلمان دوسرے مسلمان کی صبح میں عیادت کرتا ہے تو اس کے لئے ستر ہزار فرشتے دعائیں کرتے ہیں یہاں تک کہ شام ہوجاتی ہے اور اگر شام کو عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے صبح تک دعائیں کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے جنت میں ایک باغ ہوگا۔

تشریح: اس حدیث میں جو دوسرا مضمون ہے کہ عیادت کرنے والے کو جنت میں باغ ملتا ہے یہ مضمون تو اوپر والی حدیث میں آگیا (لم یزل فی خُرفة الجنة) اور چونکہ دونوں حدیثوں کے راوی الگ الگ ہیں، اس لئے ایک دوسرے کے لئے شاہد ہے مگر پہلا مضمون صرف اسی روایت میں آیا ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے، ثُوَیر پرلے درجہ کا ضعیف راوی ہے۔

[۲] باب ماجاء فی عیادة المریض

[۹۵۵-] حدثنا حُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، نا يَزِيْدُ بنُ زُرَيْعٍ، نا خَالِدٌ الحَذَّاءُ، عن ابى قِلَابَةَ، عن أَبِى أَسْمَاءَ الرَّحَبِيِّ، عن ثَوْبَانَ، عن النبىِّ صلى الله عليه وسلم قال: " إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِىْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ"

وفى الباب: عن عَلِيٍّ، وأبى مُوسَى، والبَرَاءِ، وأبى هريرةَ، وأنسٍ، وجَابِرٍ.

قال أبو عيسى: حديثُ ثَوْبَانَ حديثٌ حسنٌ، وَرَوَى أَبُوْ غِفَارٍ، وعَاصِمٌ الأَحْوَلُ هذا الحديثَ عن أبى قِلَابَةَ، عن أَبِى الأَشْعَثِ، عن أَبِىْ أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ، عن النبىِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، قال: وَسَمِعْتُ محمداً يَقُوْلُ: مَنْ رَوَى هذا الحديثَ عن أَبِى الأَشْعَثِ عن أَبِىْ أَسْمَاءَ فَهُوَ أَصَحُّ، قالَ محمدٌ: وَأَحَادِيْثُ أَبِى قِلَابَةَ إِنَّمَا هِىَ عن أَبِىْ أَسْمَاءَ إِلَّا هذا الحديثَ، وَهُوَ عِنْدِىْ عن أبى الأَشْعَثِ عن أبى أَسْمَاءَ.

[۹۵۶-] حدثنا محمدُ بنُ الوَزِيْرِ الْوَاسِطِيُّ، نا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، عن عَاصِمٍ الأَحْوَلِ، عن أَبِى قِلَابَةَ، عن أَبِىْ الأَشْعَثِ، عن أَبِىْ أَسْمَاءَ، عَنْ ثَوْبَانَ عن النبىِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ وَزَادَ فِيْهِ: قِيْلَ: ما خُرْفَةُ الْجَنَّةِ؟ قالَ:" جَنَاهَا"

حدثنا أحمدُ بنُ عَبْدَةَ الضَّبِّىُّ، نا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عن أَيُّوْبَ، عن أَبِىْ قِلَابَةَ، عن أَبِىْ أَسْمَاءَ، عَن ثَوْبَانَ، عن النبىِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ حَدِيثِ خَالِدٍ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ عن أَبِى الأَشْعَثِ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ هذا الحديثَ عن حَمَّادِ بنِ زَيْدٍ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

[۹۵۷-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، نا الحَسَنُ بنُ محمدٍ، نا إِسْرَائِيْلُ، عن ثُوَيْرٍ، عن أَبِيْهِ قالَ: أَخَذَ

عَلِيٌّ بِيَدِيْ فقالَ: انْطَلِقْ بِنَا إِلَى الْحُسَيْنِ نَعُوْدُهُ، فَوَجَدْنَا عِنْدَهُ أَبَا مُوْسٰى، فقالَ عَلِيٌّ: أَعَائِدًا جِئْتَ يَاأَبَا مُوْسَى أَمْ زَائِرًا؟ فقالَ: لاَ، بَلْ عَائِدًا، فقالَ عَلِيٌّ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مامِنْ مُسْلِمٍ يَعُوْدُ مُسْلِمًا غُدْوَةً إِلاَّ صَلَّى عليهِ سبعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُمْسِيَ، وإِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً إِلاَّ صلى عليهِ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُصْبِحَ، وكانَ لَهُ خَرِيفٌ فِي الْجَنَّةِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ حسنٌ، وقد رُوِيَ عن عَلِيٍّ هذا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، ومِنْهُمْ مَنْ وَقَفَهُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ، واسْمُ أَبِي فَاخِتَةَ: سَعِيدُ بنُ عِلاَقَةَ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابوغفار اور عاصم الاحول نے اس حدیث کو ابوقلابہ سے، انھوں نے ابو الاشعث سے، انھوں نے ابواسماء سے، انھوں نے ثوبان سے، اور انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے (یعنی ابو الاشعث کا واسطہ ذکر کیا ہے) امام ترمذیؒ کہتے ہیں: میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا کہ جس نے اس حدیث کو ابو الاشعث کے واسطہ سے روایت کیا ہے وہ اصح ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور ابوقلابہ کی حدیثیں ابواسماء ہی سے ہیں، یعنی ابوقلابہ نے تمام حدیثیں براہ راست ابواسماء سے سنی ہیں علاوہ اس حدیث کے، پس وہ میرے نزدیک ابوالاشعث کے واسطہ سے ہے ـــــ اس کے بعد عاصم الاحول کی سند ہے جس میں واسطہ ہے، اور اس میں یہ مضمون زائد ہے کہ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! خرفۃ الجنہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جنت کے پکے ہوئے میوے (خُرفہ: غیر معروف لفظ تھا اس لئے صحابہ نے وضاحت چاہی، آپؐ نے معروف لفظ جَنًا سے وضاحت فرمائی۔ یہ لفظ سورۂ رحمٰن آیت ۵۴ میں آیا ہے ﴿وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ﴾ یعنی دونوں باغوں کے پکے ہوئے میوے جھکنے والے ہیں) اس کے بعد ایوب سختیانی کی سند ہے وہ بھی خالد الحذاء کی طرح واسطہ کے بغیر روایت کرتے ہیں۔ اور بعض حضرات نے اس حدیث کو حماد بن زید سے روایت کیا ہے مگر مرفوع نہیں کیا ـــــ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور بعض روات نے اس کو موقوف بیان کیا ہے اور ثویر کے والد کا نام سعید بن علاقہ ہے اور کنیت ابوفاختہ ہے۔

بابُ ماجاءَ فی النَّهْيِ عَنِ التَّمَنِّيْ لِلْمَوْتِ

موت کی تمنا کرنے کی ممانعت

کبھی زندگی میں آخر وقت میں اتنی شدید پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ آدمی موت کی تمنا کرنے لگتا ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اس لئے کہ موت کی تمنا ہی خودکشی کا سبب بنتی ہے، پس یہ ممانعت سداً للذرائع ہے، البتہ دل کی بھڑاس نکالنے کی اجازت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دعا کرے: "اے اللہ! جب تک میرے لئے خیر مقدر ہے

مجھے زندہ رکھ اور جب دنیا میں میرے لئے خیر نہ رہے تو مجھے موت دیدے" اس سے دل کی بھڑاس نکل جائے گی اور عقلاً بھی موت کی تمنا نہیں کرنی چاہئے کیونکہ جو شخص یقین سے جانتا ہے کہ اس کی آئندہ زندگی خوشگوار ہے تو وہ موت کی تمنا کرے، مگر یہ بات کسے معلوم ہے؟ ممکن ہے آگے اس سے بھی زیادہ پریشانی پیش آئے، پس یہیں رہنا بہتر ہے۔

[۳] باب ماجاء في النهي عن التمني للموت

[۹۵۸-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا محمدُ بنُ جعفرٍ، نا شُعْبَةُ، عن أَبِیْ إسحاقَ، عن حَارِثَةَ بنِ مُضَرِّبٍ، قال: دَخَلْتُ على خَبَّابٍ وقَدِ اكْتَوَى في بَطْنِهِ فقالَ: مَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم لَقِيَ مِنَ الْبَلَاءِ مَالَقِيْتُ، لَقَدْ كُنْتُ وَمَا أَجِدُ دِرْهَمًا على عَهْدِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وفي نَاحِيَةِ بَيْتِيْ أَرْبَعُوْنَ أَلْفًا، وَلَوْلَا أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم نَهَانَا أَوْ: نَهَى أَنْ يَتَمَنَّى الْمَوْتَ: لَتَمَنَّيْتُ.

وفي الباب: عن أَبِی هريرةَ، وأنسٍ، وجَابِرٍ، قال أبوعيسى: حديثُ خَبَّابٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۹۵۹-] وقَدْ رُوِیَ عن أَنَسِ بنِ مَالِكٍ عن النبیِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: " لَايَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهِ، وَلْيَقُلْ: اللّٰهُمَّ أَحْيِنِیْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِیْ، وَتَوَفَّنِیْ إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِیْ" حدثنا بذلِكَ عِلِیُّ بنُ حُجْرٍ، نا إسماعيلُ بنُ إبراهيمَ، نا عبدُ العزيزِ بنُ صُهَيْبٍ، عن أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، عن النبیِّ صلى الله عليه وسلم بِذَلِكَ، قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: حارثہ کہتے ہیں: میں حضرت خبابؓ کے پاس گیا جبکہ انھوں نے پیٹ کی بیماری کی وجہ سے لوہا گرم کر کے دغوایا تھا، انھوں نے فرمایا: میں نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو نہیں جانتا جس کو اتنی آزمائشیں پہنچی ہوں جتنی مجھے پہنچی ہیں، بخدا! واقعہ یہ ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اپنے پاس ایک درہم بھی نہیں پاتا تھا اور آج میرے گھر کے کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہیں (مگر زندگی سے اتنا بیزار ہوں کہ) اگر نبی ﷺ نے ہمیں موت کی تمنا کرنے سے نہ روکا ہوتا یا فرمایا: موت کی تمنا کرنے سے نہ روکا ہوتا تو میں موت کی تمنا کرتا (نَهَانَا اور نَهٰی کا فرق واضح کیا ہے ایک میں ضمیر نَا ہے دوسرے میں نہیں ہے) —— حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اس مصیبت کی وجہ سے جو اس پر نازل ہوئی ہے، اور چاہئے کہ یہ دعا کرے: اے اللہ! مجھے زندہ رکھ جب تک میرے لئے زندہ رہنے میں خیر ہے، اور مجھے موت دیدے جب میرے لئے مرنے میں خیر ہے۔

تشریح: عربوں میں علاج کا ایک طریقہ کَیْ تھا یعنی لوہا گرم کر کے پھوڑوں اور دیگر زخموں کو داغتے تھے، نبی

ﷺ نے اس کو پسند بھی کیا ہے اور اس سے منع بھی کیا ہے۔ بخاری میں حدیث ہے کہ تین چیزوں میں شفا ہے: حجامت، شہد اور کَیّ میں۔ مگر میں نے اپنی امت کو دغوانے سے منع کیا ہے (مشکوۃ حدیث ۴۵۱۶) معلوم ہوا کہ بدرجۂ مجبوری کَیّ کے ذریعہ علاج کرایا جاسکتا ہے۔ غزوۂ خندق میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی رگ کٹ گئی تھی، آپؐ نے اس جگہ خود داغ لگایا تھا تاکہ خون بند ہو جائے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بھی بدرجۂ مجبوری پیٹ پر داغ لگوایا تھا اور کئی مرتبہ دغوایا تھا، جس کی وجہ سے نہایت تکلیف تھی اور زندگی سے طبیعت اچاٹ ہوگئی تھی، مگر چونکہ نبی ﷺ نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے اس لئے انھوں نے موت کی آرزو نہیں کی۔

مسئلہ: دنیوی مصائب کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا حرام ہے لیکن اگر دین پر کوئی آفت آئے تو موت کی تمنا کرسکتا ہے اور میجر آپریشن کا معاملہ کَیّ جیسا ہے، ضرورتِ شدیدہ کے بغیر اس پر اقدام نہیں کرنا چاہئے۔

بابُ ماجاءَ فی التَّعوُّذِ لِلْمَرِيْضِ

مریض پر دم کرنے کی دعائیں

نبی ﷺ نے چند کامل اور تام جھاڑیں اور دعائیں بتلائی ہیں جو اللہ کے ذکر پر مشتمل ہیں اور جن میں اللہ تعالیٰ سے استعانت کی گئی ہے، اس لئے کہ زمانۂ جاہلیت میں ایسی جھاڑوں اور منتروں کا رواج تھا، جن میں شیطانی طاقتوں سے استعانت کی جاتی تھی۔ پس لوگوں کو اس سے روکنا ضروری تھا، اس لئے علاج بالمثل کے طور پر ان ناجائز منتروں کی جگہ بہترین اور مفید دعائیں سکھلائیں ہیں، تاکہ لوگ ان مشرکانہ طریقوں سے بچ جائیں۔

حدیث (۱): حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا: کیا آپؐ کی طبیعت ناساز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جی ہاں! حضرت جبرئیل نے آپ کو اس دعا سے جھاڑا: "میں اللہ کے نام سے آپ کو جھاڑتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف پہنچا رہی ہے، ہر نفس کی برائی سے اور ہر جلنے والی آنکھ سے، اللہ تعالیٰ آپ کو شفا بخشیں، اللہ کے نام سے میں آپ کو جھاڑتا ہوں، اللہ آپ کو شفا بخشیں (پھر دم کرے)

حدیث (۲): عبدالعزیز بن صہیب کہتے ہیں: میں اور ثابت بُنانی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ثابت نے عرض کیا: اے ابوحمزہ! میری طبیعت ناساز ہے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا: کیا میں تجھے نبی ﷺ کی جھاڑ سے نہ جھاڑوں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! یعنی ضرور جھاڑیئے۔ پس حضرت انسؓ نے اس دعا سے جھاڑا: "اے اللہ! اے انسانوں کے پروردگار! تکلیف کو دور فرما اور شفا عطا فرما، آپ ہی شفا دینے والے ہیں اور آپ ہی کی شفا شفا ہے، ایسی کامل شفا جو بالکل بیماری نہ چھوڑے"

فائدہ: احادیث شریفہ میں اور بھی دعائیں آئی ہیں جو ترجمہ اور وضاحت کے ساتھ رحمۃ اللہ الواسعہ (۶۲۲:۳)

میں درج کی گئی ہیں ان دعاؤں کو تین، پانچ یا سات مرتبہ پڑھ کر مریض پر دم کرے، اور دم کرنے کا طریقہ یہ ہے اس طرح پھونکے کہ ہوا کے ساتھ تھوک کے ہلکے ذرات بھی جائیں، اس کا نام نفث ہے ﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ﴾ اور اگر کسی خاص حصہ میں درد ہو تو دعا پڑھتے وقت اپنا دایاں ہاتھ مریض کے جسم پر پھیرے اور دم کرے۔ ان جھاڑوں سے خود اپنے اوپر بھی دم کرسکتا ہے اس صورت میں ضمیریں بدلیں گی مثلاً حضرت جبرئیل کا رقیہ اس طرح پڑھے گا: بسم الله أَرْقِيْنِيْ من كل شيئ يُؤْذِيْنِيْ، من شر كل نفس وعين حاسدة، بسم الله أرقيني والله يشفيني۔

[٤] باب ماجاء في التعوذ للمريض

[٩٦٠-] حدثنا بِشْرُ بنُ هِلاَلٍ الصَّوَّافُ الْبَصْرِيُّ، نا عبدُ الْوَارِثِ بنُ سَعِيدٍ، عن عبدِ العزيزِ بنِ صُهَيْبٍ، عن أَبِيْ نَضْرَةَ، عن أَبِيْ سَعِيدٍ: أَنَّ جِبْرَئِيْلَ أَتَى النبيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: يا محمدُ أَشْتَكَيْتَ؟ قالَ: نَعَمْ، قَالَ: " بِسْمِ اللهِ أَرْقِيْكَ، مِنْ كُلِّ شَيْئٍ يُؤْذِيْكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَعَيْنٍ حَاسِدَةٍ، بِسْمِ اللهِ أَرْقِيْكَ، وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ"

[٩٦١-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا عبدُ الوَارِثِ بنُ سَعِيدٍ، عن عبدِ العزيزِ بنِ صُهَيْبٍ، قالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ على أنسِ بنِ مَالِكٍ، فقالَ ثَابِتٌ: يَا أَبَا حَمْزَةَ اشْتَكَيْتُ، فقالَ أَنَسٌ: أَفَلاَ أَرْقِيْكَ بِرُقْيَةِ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم؟ قالَ: بَلَى، قالَ: " اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ، مُذْهِبَ الْبَأْسِ، اِشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ، لاَشَافِيَ إِلاَّ أَنْتَ، شِفَاءً لاَيُغَادِرُ سَقَمًا"

وفى الباب: عن أَنَسٍ، وعائشةَ، قالَ أبو عيسى: حديثُ أبي سعيدٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

قالَ: وَسَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ عن هذا الحديثِ، فَقُلْتُ لَهُ: رِوَايَةُ عبدِ العزيزِ، عن أَبِيْ نَضْرَةَ، عن أَبِيْ سَعِيدٍ أَصَحُّ أَوْ حَدِيْثُ عَبْدِ العزيزِ عن أنسٍ؟ قالَ: كِلاَهُمَا صَحِيْحٌ، أَخْبرنا عبدُ الصَّمَدِ بنُ عبدِ الْوَارِثِ، عن أَبيهِ، عن عبدِ العزيزِ بنِ صُهَيْبٍ، عن أبي نَضْرَةَ، عن أَبِيْ سَعِيدٍ، وعن عبدِ العزيزِ بنِ صُهَيْبٍ، عن أنسٍ.

وضاحت: حدیث انس کی سند بعض حضرات حضرت ابو سعید خدریؓ تک پہنچاتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے ابو زرعہؒ سے پوچھا: دونوں میں سے کونسی سند اصح ہے، حضرت انسؓ کی یا ابو سعید خدریؓ کی؟ انھوں نے فرمایا: دونوں سندیں صحیح ہیں، عبدالعزیز بن صہیب نے اس دعا کو براہ راست حضرت انسؓ سے بھی روایت کیا ہے اور ابو نضرہ کے واسطہ سے ابو سعیدؓ سے بھی روایت کیا ہے۔ آخر میں ابو زرعہ نے اپنی سند بیان کی ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الحَثِّ عَلَی الْوَصِیَّةِ

وصیت کرنے کی ترغیب

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: "کسی مسلمان کے لئے لائق نہیں کہ وہ دوراتیں گذارے درانحالیکہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس میں وصیت کرنی چاہئے مگر اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہئے"

تشریح: زندگی ایک بلبلا ہے، کب ٹوٹ جائے پتہ نہیں، اس لئے آدمی کو ہمیشہ یادداشت لکھ رکھنی چاہئے یا ضروری باتیں دوسرے کو بتادینی چاہئیں، تاکہ اگر اچانک موت آجائے تو متعلقین معاملات سلجھا سکیں، ورنہ حقوق ذمہ پر باقی رہ جائیں گے۔ اور داؤد ظاہری کے نزدیک وصیت کرنا واجب ہے، مگر دیگر فقہاء فرماتے ہیں: اگر ذمہ پر کوئی واجب حق ہے مثلاً کسی سے قرض لیا ہے یا نماز روزے باقی ہیں تو وصیت واجب ہے اور اگر کوئی واجب حق نہیں ہے تو وصیت کرنا مستحب ہے۔

حدیث کی ترکیب: ما: اور إلا: نفی اور اثبات: کلماتِ حصر ہیں جو جملہ اسمیہ خبریہ پر داخل ہوتے ہیں اور مضمون کو محصور کرتے ہیں، جیسے: زیدٌ قائمٌ میں کہیں گے: ما زیدٌ إلا قائمٌ: نہیں ہے زید مگر کھڑا، یعنی زید کھڑا ہی ہے، إلا: نفی کو باطل کرتا ہے —— اور حَقّ: کے معنی ہیں: امر ثابت، اور امر لازم۔ کہا جاتا ہے: حَقَّ الأمرُ: ثابت اور واجب ہونا ما: نے حق کی نفی کی ہے إلا: اس کو ثابت کرے گا، یعنی مسلمان آدمی پر لازم ہے —— إمرئٍ: مضاف الیہ ہے مسلمٍ: اس کی صفت ہے، یعنی مسلمان آدمی پر لازم ہے، مسلمان کے معنی ہیں حکم شرعی کا فرمانبردار۔ ظاہر ہے جو حکم مانے گا اسی پر وصیت کرنا لازم ہوگا، دوسرا تو شترِ بے مہار ہوگا وہ اس حکم شرعی کی کیا پرواہ کرے گا؟ پس گویا اس پر لازم نہیں —— یَبِیتُ لیلتین: جملہ فعلیہ امرأ: کی صفت ہے اور صفت قید ہوتی ہے دوراتیں گذارے یعنی تھوڑا وقت گذرے کیونکہ فوراً ہر بات لکھ لینا دشوار ہوتا ہے، لیکن لمبے وقت تک یوم وفردا کرنا بھی مناسب نہیں، کچھ وقت مثلاً دو راتیں گذرتے گذرتے یادداشت لکھ لینی چاہئے —— له شیئٌ یُوصی فیه: جملہ حالیہ ہے یبیتُ: کے فاعل سے حال ہے اور یُوصی فیه: جملہ فعلیہ شیئٌ: کی صفت ہے، یعنی اس کے پاس کوئی قابل وصیت چیز ہو تو اسے لکھ لینا چاہئے، ہر ہر بات لکھنا ضروری نہیں، کیونکہ اس میں دشواری ہے وصیتُه: مبتدا، مکتوبة: خبر، عنده: ظرف: خود بھی جملہ اسمیہ خبریہ ہے جو محصور ہوا ہے۔

[٥] باب ماجاء فی الحث علی الوصیة

[٩٦٢-] حدثنا إسحاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، نا عبدُ اللهِ بنُ نُمَیْرٍ، نا عُبَیْدُ اللهِ بنُ عُمَرَ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ

عُمَرَ: أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قالَ: "مَاحَقُّ امرِيءٍ مُسلِمٍ، يَبِيتُ لَيلَتَينِ، وَلَهُ شَيئٌ يُوصِي فِيهِ، إِلَّا وَصِيَّتُهُ مَكتُوبَةٌ عِندَهُ"

وفى الباب: عن ابنِ أَبِي أَوفَى، قالَ أبو عيسى: حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ فى الوَصِيَّةِ بالثُّلُثِ والرُّبُعِ

تہائی یا چوتھائی کی وصیت کرنا

آدمی کو اپنے مال میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے، لیکن زندگی کے آخری لحات میں یعنی مرض موت میں مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے اس لئے مرض موت میں زیادہ سے زیادہ تہائی ترکہ میں تبرع (نفلی خیرات، ہبہ وغیرہ) کر سکتا ہے اس سے زیادہ تبرع کرنے کا حق نہیں، اگر زیادہ کی وصیت کرے گا تو وصیت صرف تہائی مال میں نافذ ہوگی، اسی طرح مریض خود بھی زیادہ سے زیادہ تہائی مال خیرات کر سکتا ہے، البتہ مرض موت میں کوئی چیز خریدنا یا بیچنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں مال باقی رہے گا گو جنس بدل جائے گی۔

اور کیا کسی صورت میں تہائی سے زیادہ کی وصیت نہیں ہو سکتی؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بہر صورت زائد کی وصیت باطل اور کالعدم ہے، اور احناف کے نزدیک دو صورتوں میں زیادہ کی وصیت معتبر ہے، ایک: میت کا کوئی وارث نہ ہو، دوسری: ورثاء عاقل بالغ ہوں اور زائد وصیت نافذ کرنے پر راضی ہوں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خواہ میت کا کوئی وارث ہو یا نہ ہو اور خواہ تمام ورثاء راضی ہوں تو بھی صرف تہائی ترکہ میں وصیت نافذ ہوگی، باقی دو تہائی ترکہ بیت المال میں جائے گا یا ورثاء کو ملے گا۔ اور احناف کہتے ہیں: تہائی ترکہ سے زائد کی وصیت ورثاء کے حق کی وجہ سے ممنوع تھی پس اگر ورثاء نہ ہوں یا راضی ہوں تو زائد کی وصیت بھی درست ہے، ہاں بچے اور ناسمجھ کی اجازت اس کے حصہ میں معتبر نہیں، بالغ ورثاء اپنے حصوں میں زائد کی اجازت دے سکتے ہیں۔

فائدہ: جس طرح عام طور پر لوگ دور کی جگہوں میں خرچ کرنے کو ثواب سمجھتے ہیں اور قریب کی جگہوں میں خرچ نہیں کرتے اسی طرح لوگ تبرع یعنی خیرات وغیرہ کرنے کو ثواب سمجھتے ہیں اور ورثاء کے لئے مال چھوڑنے کو ثواب کا کام نہیں سمجھتے حالانکہ اس میں زیادہ ثواب ہے، پس جب یہ بات ہے تو اگرچہ آدمی کو تہائی میں وصیت کرنے کا حق ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ پورے تہائی کی وصیت نہ کرے، بلکہ چوتھائی کی یا اس سے بھی کم کی وصیت کرے تا کہ ورثاء کے لئے زیادہ سے زیادہ بچے، اگر میت پورے تہائی کی وصیت کردے گا تو اس نے ورثاء کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ باقی دو تہائی تو شریعت نے ان کے لئے متعین کر دیئے ہیں اس میں میت کا کیا احسان ہے؟!

حدیث: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (فتح مکہ کے موقع پر یا حجۃ الوداع میں) مکہ میں بیمار ہو گئے، ان

کا خیال تھا کہ وہ جانبر نہ ہوسکیں گے اس لئے انھوں نے اپنے کل ترکہ کی فی سبیل اللہ وصیت کردی۔ نبی ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے، آپؐ نے پوچھا: کیا تم نے وصیت کی ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! آپؐ نے پوچھا: کتنے مال کی وصیت کی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: کل مال کی راہِ خدا میں (جہاد میں) خرچ کرنے کی وصیت کی ہے، آپؐ نے فرمایا: اپنی اولاد کے لئے کیا چھوڑا؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ایک بیٹی ہے جو شادی شدہ ہے اور اچھے حال میں ہے، یعنی کھاتے پیتے گھر میں اس کی شادی ہوئی ہے اس لئے اس کو مال کی حاجت نہیں (جواب معقول تھا، مگر) آپؐ نے فرمایا: ترکہ میں سے دسویں حصہ کی وصیت کرو۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں: میں برابر آپؐ سے کھینچا تانی کرتا رہا یعنی آپؐ گھٹاتے رہے اور میں زیادہ کی اجازت مانگتا رہا[1] یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا: تہائی ترکہ کی وصیت کرو اور تہائی بھی بہت زیادہ ہے (اور ایک روایت میں بجائے کبیرؐ کے کثیرؐ ہے) اور بخاری (حدیث ۲۷۴۲) میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ و یہ بہتر ہے، اس سے کہ ان کو اس حال میں چھوڑو کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پساریں'' اور دوسری بات یہ فرمائی کہ تم میرے بعد تک زندہ رہوگے اور ایک قوم تم سے فائدہ اٹھائے گی اور ایک قوم نقصان اٹھائے گی، ہاں قابل رحم سعد بن خولہ ہیں (انھوں نے مکہ سے ہجرت کی تھی پھر مکہ میں بیمار پڑے اور مکہ میں ان کا انتقال ہوگیا آپؐ نے ان کے لئے دعاء مغفرت کی۔ اور سعد بن ابی وقاص تندرست ہوگئے اور آپؐ کے بعد طویل عرصہ تک زندہ رہے، عراق کے فاتح آپ ہی ہیں) ابوعبدالرحمٰن کہتے ہیں: پس ہم پسند کرتے ہیں کہ آدمی تہائی سے کم کی وصیت کرے نبی ﷺ کے ارشاد: والثلث کبیرٌ کی وجہ سے۔

نوٹ: مذکورہ حدیث جریر کی عطاء سے ہے اور جریر نے عطاء سے حافظہ بگڑنے کے بعد پڑھا ہے مگر اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ حدیث کی اور سندیں بھی ہیں۔

[٦] باب ماجاء في الوصية بالثُّلُثِ والرُّبُعِ

[٩٦٣-] حدثنا قُتيبةُ، نا جَرِيرٌ، عن عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ، عن أَبِي عَبدِ الرحمنِ السُّلَمِيِّ، عن سَعْدِ بنِ مَالِكٍ، قالَ: عَادَنِي رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَأَنَا مَرِيضٌ، فَقَالَ: "أَوْصَيْتَ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: "بِكَمْ؟" قُلْتُ: بِمَالِي كُلِّهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، قَالَ: "فَمَا تَرَكْتَ لِوَلَدِكَ؟" قَالَ: هُمْ أَغْنِيَاءُ بِخَيْرٍ، فقالَ: "أَوْصِ بِالعُشْرِ" قَالَ: فما زِلْتُ أُنَاقِصُهُ حَتّٰى قَالَ: "أَوْصِ بِالثُّلُثِ، والثُّلُثُ كَبِيرٌ" قالَ أبو عبدِ

(۱) قوله أُنَاقِصُه: بغیر نقطہ کی ص کے ساتھ بھی مروی ہے اور نقطہ والی ض کے ساتھ بھی مروی ہے، پہلی صورت میں طیبی رحمہ اللہ نے حدیث کے معنی کئے ہیں: لم أزل أراجعه في النُّقصان أي أعُدُّ ما ذَكَرَ ناقصاً اور دوسری صورت میں ابن الملک نے یہ معنی کئے ہیں: مازلتُ أُنَاقِضُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، مِن المُنَاقَضَةِ أي يَنْقُضُ عليه الصلاة والسلام قولي، وأَنْقُضُ قولَه، أراد به المراجعة، حِرْصًا على الزيادة (مرقات شرح مشکوٰۃ ۶: ۱۸۳ باب الوصايا)

الرحمنِ: فَنَحْنُ نَستَحِبُّ أَنْ يُنقَصَ مِنَ الثُّلُثِ لِقَوْلِ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم: "والثُّلُثُ كَبِيرٌ"
وفي الباب: عن ابنِ عبّاسٍ، قال أبو عيسى: حديثُ سَعْدٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقد رُوِىَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، وقَدْ رُوِىَ عَنْهُ "كَبِيرٌ" ويُرْوَى "كثيرٌ".
والعملُ على هذا عِنْدَ أهلِ العلمِ لايَرَوْنَ أَنْ يُوْصِيَ الرَّجُلُ بأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ، ويَستَحِبُّوْنَ أَنْ يُنْقَصَ مِنَ الثُّلُثِ، وقالَ سُفيانُ الثَّوْرِيُّ: كانوا يَسْتَحِبُّوْنَ في الْوَصِيَّةِ الْخُمسَ دُوْنَ الرُّبُعِ، والرُّبُعَ دُوْنَ الثُّلُثِ، ومَنْ أَوْصَى بالثُّلُثِ فَلَمْ يَتْرُكْ شَيْئًا، وَلَا يَجُوْزُ لَهُ إِلَّا الثُّلُثُ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور اس حدیث میں کبیر بھی روایت کیا گیا ہے اور کثیر بھی، اور اس پر علماء کا عمل ہے، وہ اس کو جائز نہیں سمجھتے کہ آدمی تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے اور وہ ثلث سے کم کی وصیت کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور ثوریؒ فرماتے ہیں: چوتھائی سے پانچویں کی وصیت بہتر ہے اور تہائی سے چوتھائی کی، اور جس نے تہائی کی وصیت کردی تو اس نے (اپنے حق میں سے) کچھ نہیں چھوڑا، اور آدمی کے لئے صرف تہائی مال کی وصیت جائز ہے اس سے زیادہ کی جائز نہیں۔

بابُ ماجاءَ في تَلْقِيْنِ الْمَرِيْضِ عِنْدَ المَوْتِ، والدُّعَاءِ لَهُ

سکرات میں کلمہ کی تلقین اور مریض کو دعا دینا

اس باب میں دو باتیں ہیں:
پہلی بات: جو شخص سکرات میں ہو اُسے کلمہ کی تلقین کرنی چاہئے، اور تلقین کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص مریض کے پاس بیٹھ کر اتنے جہر سے کہ مریض سنے: کلمہ پڑھے، جب مریض کلمہ سنے گا تو وہ خود پڑھے گا۔ مریض کو کلمہ پڑھنے کے لئے کہا نہ جائے، کبھی سکرات میں سخت تکلیف ہوتی ہے پس ممکن ہے مریض جھلا کر کلمہ پڑھنے سے انکار کردے، اور جب مریض ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لے تو تلقین بند کردے، پھر اگر وہ کوئی دینی بات بولے یا ذکر کرے تو کوئی حرج نہیں، اور اگر دنیوی بات بولے مثلاً استنجاء کرنے کے لئے کہے یا کسی سے ملنے کے لئے یا کچھ کھانے پینے کے لئے کہے تو دوبارہ تلقین کی جائے۔ ابن المبارک رحمہ اللہ کو بوقت نزع کسی نے کلمہ کی تلقین کی، آپؒ نے روز سے کلمہ پڑھا پھر بھی تلقین کرنے والا تلقین کرتا رہا تو آپؒ نے فرمایا: "جب تیرے کلمہ پڑھنے پر میں نے کلمہ پڑھ لیا تو یہ میرا آخری کلام ہے" امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن المبارکؒ نے ایک حدیث کی شرح کی ہے: مَن کان آخرُ کلامه لا إله إلا الله دخل الجنة کا مطلب بیان کیا ہے، اللہ والوں کے بھی عجیب حالات ہیں، نزع میں بھی ہوش کا

یہ عالم ہے کہ لوگوں کو حدیث کا مطلب سمجھا رہے ہیں اور مسئلہ کی وضاحت کررہے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب واقعہ حضرت ابوزرعہ رحمہ اللہ کا ہے، بوقت نزع ان کے پاس بڑے بڑے محدثین (ان کے شاگرد) حاضر تھے، کوئی کلمہ کی تلقین کرنے کی ہمت نہیں کررہا تھا، ہر ایک سوچ رہا تھا کہ اتنے بڑے محدث کو کلمہ کی تلقین کیسے کریں؟ ایک صاحب کو ایک ترکیب سوجھی، انھوں نے حدیث سنائی: حدثني هذا الشيخ (اور ابوزرعہ کی طرف اشارہ کیا) قال: نا فلان، نا فلان: أن النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال: من كان آخر كلامه...... یہ کہہ کر رک گئے، حضرت ابوزرعہؒ نے فرمایا: لا إله إلا الله، اور اسی کے ساتھ روح پرواز کرگئی۔

دوسری بات: جب کسی کا انتقال ہوجائے تو جو لوگ تعزیت یا جنازہ میں شرکت کے لئے آئیں وہ میت کے حق میں کلمہ خیر کہیں اور اپنے لئے بھی اور میت کے لئے بھی مغفرت طلب کریں، اس لئے کہ اس وقت کی دعا پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔ لوگ اس موقعہ پر یہ غلطی کرتے ہیں کہ میت کے لئے تو دعا کرتے ہیں مگر خود کو بھول جاتے ہیں، حالانکہ اس وقت کی دعا پر فرشتے آمین کہتے ہیں، پس پہلے اپنے لئے مغفرت طلب کرنی چاہئے، پھر میت کے لئے۔ آنحضور ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو ان کے شوہر ابوسلمہ کی وفات پر جو دعا سکھلائی تھی اس میں پہلے اپنے لئے پھر میت کے لئے دعائے مغفرت تھی۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''اپنے مردوں کو لا إله إلا الله کی تلقین کرو''

تشریح

۱- بریلویوں کے نزدیک اس حدیث میں موتی سے حقیقی مردے مراد ہیں، چنانچہ ان کے یہاں تلقین کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ میت کی تدفین سے فارغ ہوکر ایک شخص سرہانے یا پائینتی کھڑا ہوتا ہے اور اس کا نام لے کر کہتا ہے: اے فلاں! یاد کر تو مسلمان تھا اور لا إله إلا الله کا قائل تھا۔ باقی امت متفق ہے کہ حدیث میں مجاز مایؤل ہے، یعنی جس شخص کا نزع شروع ہوچکا ہو، جو تھوڑی دیر کے بعد مرنے والا ہے: اس کو کلمہ کی تلقین کی جائے، یعنی مردے سے قریب المرگ مراد ہے۔

۲- کیا محمد رسول اللہ کی بھی تلقین کی جائے؟ پہلے میری رائے تھی کہ لا إله إلا الله عنوان تعبیری ہے، مراد پورا کلمہ یعنی شہادتین ہیں درمختار میں بھی یہی لکھا ہے، مگر اب میری رائے بدل گئی ہے، صرف لا إله إلا الله کی تلقین بھی کافی ہے، ہدایہ، نُقایہ، وقایہ اور کنز کی تعبیرات اسی طرف مشیر ہیں، مگر لا إله إلا الله میں محمد رسول اللہ شامل ہونا چاہئے، پس عیسائیوں اور یہودیوں کا لا إله إلا الله کافی نہیں، کیونکہ ان کے لا إله إلا الله میں محمد رسول اللہ شامل نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عقائد کو پھیلائیں تو بہت ہیں، بہشتی زیور میں چھیالیس عقیدے مذکور ہیں، مگر ان کا نچوڑ سات عقیدے ہیں جو ایمان مفصل میں آئے ہیں، لن سات کا بھی خلاصہ دو عقیدے ہیں: اللہ کی وحدانیت اور نبی ﷺ کی

رسالت، کلمہ طیبہ میں یہی دو عقیدے لئے گئے ہیں، پھر ان کا مرجع پہلا عقیدہ لا إله إلا الله ہے، باقی سب عقیدے اس میں شامل ہیں، اس لئے صرف لا إله إلا الله پڑھنا بھی کافی ہے، مگر وہ لا إله إلا الله پڑھنا ضروری ہے جس میں محمد رسول اللہ بھی ہو، اگر عیسائی لا إله إلا الله پڑھے تو کافی نہیں کیونکہ اس کے کلمہ کے پہلے جزء میں عیسیٰ کلمۃ اللہ ہے، محمد رسول اللہ نہیں ہے، اسی طرح یہودیوں کے کلمہ میں موسیٰ کلیم اللہ ہے، عیسی کلمة الله اور محمد رسول اللہ نہیں ہے اور مسلمانوں کے کلمہ میں موسیٰ کلیم اللہ بھی ہے، عیسی کلمۃ اللہ بھی ہے اور محمد رسول اللہ بھی، اور اسی کلمہ پر نجات موقوف ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم مریض یا فرمایا: میت کے پاس جاؤ تو بھلی بات کہو، اس لئے کہ ملائکہ اس بات پر جو تم بولو گے آمین کہیں گے۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں: جب ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نبی ﷺ کے پاس گئی اور عرض کیا: یارسول اللہ! ابو سلمہ کا انتقال ہوگیا ہے (میں کیا کہوں؟) آپؐ نے فرمایا: یہ کہو: ”اے اللہ! میری اور ابو سلمہ کی مغفرت فرما اور مجھے ان کا اچھا عوض عطا فرما“ ام سلمہ کہتی ہیں: میں نے یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہ کے عوض میں وہ ہستی عطا فرمائی جو ابو سلمہ سے بہتر ہے، مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

تشریح: ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دل میں اپنے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی نہایت محبت و عظمت تھی وہ خود فرماتی ہیں: جب نبی ﷺ نے مجھے یہ دعا سکھلائی تو میں سوچتی تھی کہ ابو سلمہ سے بہتر کون ہوسکتا ہے؟ مگر میں نے یہ دعا کی۔ جب عدت کے بعد نبی ﷺ کا نکاح کا پیغام آیا تو سمجھ میں آیا کہ ابو سلمہ سے بھی بہتر کوئی شوہر ہوسکتا ہے۔

[۷] باب ماجاء فی تلقین المریض عند الموت، والدعاءِ له

[۹۶۴-] حدثنا أبو سَلَمَةَ يَحْيَى بنُ خَلَفٍ البَصْرِيُّ، نا بِشْرُ بنُ المُفَضَّلِ، عن عُمَارَةَ بنِ غَزِيَّةَ، عن يَحْيَى بنِ عُمَارَةَ، عن أبى سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، عن النبىِّ صلى الله عليه وسلم، قالَ: " لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ"

وفى الباب: عن أبى هريرةَ، وأُمِّ سَلَمَةَ، وعائشةَ، وجابرٍ، وسُعْدَى المُرِّيَّةِ، وهىَ امْرَأَةُ طَلْحَةَ بنِ عُبيدِ اللّٰهِ، قال أبو عيسى: حديثُ أبى سعيدٍ حديثٌ غريبٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۹۶۵-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أبو مُعَاوِيَةَ، عن الأَعْمَشِ، عن شَقِيْقٍ، عن أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: قَالَ لَنَا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ أَوْ: المَيِّتَ فَقُوْلُوْا خَيْرًا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ على مَاتَقُوْلُوْنَ" قالتْ: فَلَمَّا مَاتَ أَبُوْ سَلَمَةَ أَتَيْتُ النبىَّ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ: يارسولَ اللهِ إِنَّ أَبَا سَلَمَةَ مَاتَ، قالَ: فَقُوْلِىْ: " اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ وَلَهُ، وأَعْقِبْنِىْ مِنْهُ عُقْبَى حَسَنَةً" قالتْ: فَقُلْتُ، فَأَعْقَبَنِى اللّٰهُ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ: رسولُ الله صلى الله عليه وسلم.

قال أبو عيسى: شَقِيقٌ: هُوَ ابنُ سَلَمَةَ، أَبُوْ وَائِلٍ الأَسَدِيُّ، قال أبو عيسى: حديثُ أُمِّ سَلَمَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وقد كانَ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُلَقَّنَ المَرِيْضُ عِنْدَ الْمَوْتِ قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: إِذَا قَالَ ذٰلِكَ مَرَّةً فَمَالَمْ يَتَكَلَّمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَا يَنْبَغِيْ أَنْ يُلَقَّنَ، وَلَا يُكْثَرَ عَلَيْهِ فِي هذا، وَرُوِيَ عن ابنِ المباركِ: أَنَّهُ لَمَّا حَضَرَتْهُ الوَفَاةُ جَعَلَ رَجُلٌ يُلَقِّنُهُ لا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وأَكْثَرَ عَلَيْهِ، فقالَ لَهُ عبدُ اللّٰهِ: إِذَا قُلْتُ مَرَّةً، فَأَنَا على ذٰلِكَ، مَالَمْ أَتَكَلَّمْ بِكَلَامٍ، وإِنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ عبدِ اللّٰهِ: إِنَّمَا أَرَادَ مَا رُوِيَ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم: مَنْ كَانَ آخِرُ قَوْلِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: اور پسند کیا جاتا ہے کہ مریض کو مرتے وقت کلمۂ طیبہ کی تلقین کی جائے، اور بعض علماء کہتے ہیں: جب مریض نے یہ کلمہ ایک مرتبہ کہہ لیا تو اس کے بعد جب تک وہ کوئی (دنیوی) بات نہ کرے (دوبارہ) تلقین کیا جانا مناسب نہیں اور اس سلسلہ میں اس پر زیادتی نہ کی جائے یعنی بار بار کلمہ نہ کہلوایا جائے، اور ابن المبارک کے بارے میں مروی ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو ایک شخص ان کو لا إله إلا الله کی تلقین کرنے لگا اور وہ بار بار تلقین کرتا رہا تو ابن المبارکؒ نے کہا: جب میں نے ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لیا تو میں اسی پر ہوں (یعنی وہ میرا آخری کلام ہے) اور عبداللہ بن المبارکؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اس حدیث کی شرح کی ہے جو نبی ﷺ سے مروی ہے کہ: ”جس شخص کا آخری کلام لا إله إلا الله ہو وہ جنت میں داخل ہوگا“

بابُ ماجاءَ في التَّشْدِيْدِ عِنْدَ المَوْتِ

موت کے وقت سختی کا پیش آنا

حدیث(۱): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جبکہ جان کنی کا وقت تھا، آپؐ کے پاس ایک پیالہ رکھا تھا جس میں پانی تھا، آپؐ اپنا ہاتھ پیالے میں ڈالتے تھے اور بھیگا ہوا ہاتھ چہرہ پر پھیرتے تھے اور فرماتے تھے: ”اے اللہ! موت کی سختیوں میں میری مدد فرما! (مصری نسخہ میں أو ہے راوی کو شک ہے کہ آپؐ نے لفظ غَمَرات فرمایا یا سَكَرات، دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی سختیاں)

تشریح: آنحضور ﷺ کی بے چینی اور دعا دلیل ہے کہ آپؐ کو جان کنی کے وقت سخت تکلیف تھی جبکہ کائنات میں آپؐ سے افضل کوئی نہیں، پس موت کے وقت کی تکلیف خواہ کتنی ہی سخت ہو، آدمی کے گنہ گار ہونے کی دلیل نہیں شدائد الموت کی اور بھی مصلحتیں ہوتی ہیں اس کا محبوبیت ومبغوضیت سے کچھ تعلق نہیں۔

نوٹ: اس حدیث کا ایک راوی موسیٰ بن سرجس مجہول ہے اس سے روایت کرنے والا ایک ہی راوی ہے، اس

لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غریب بمعنی ضعیف کہا ہے۔

حدیث (۲): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں کسی پر موت کی آسانی کی وجہ سے رشک نہیں کرتی جب سے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کی سختی دیکھی ہے، یعنی اگر کسی کی موت آسانی سے چٹ پٹ ہوجاتی ہے تو یہ کوئی قابل رشک بات نہیں، کیونکہ موت کی آسانی محبوبیت کی دلیل اور سختی مبغوضیت کی دلیل نہیں ہے، پس موت خواہ آسانی سے آئے یا سختی سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ موت کی سختی کبھی رفع درجات کے لئے ہوتی ہے، اور نرمی اس لئے ہوتی ہے کہ اس کی حسنات کا بدلہ اسی دنیا میں دیدیا جائے، کیونکہ آگے اس کا کوئی حصہ نہیں۔

[۸] باب ماجاء فی التشدید عند الموت

[۹٦٦-] حدثنا قُتيبةُ، نا اللَّيْثُ، عن ابنِ الهَادِ، عن مُوسَى بنِ سَرْجِسٍ، عن القَاسِمِ بنِ محمدٍ، عن عائشةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: رَأَيْتُ رسولَ اللهِ صلی الله علیه وسلم وَهُوَ بِالْمَوْتِ، وعِنْدَهُ قَدَحٌ فِيْهِ مَاءٌ، وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِيْ الْقَدَحِ، ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالْمَاءِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: "اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ أَوْ: سَكَرَاتِ الْمَوْتِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ.

[۹٦۷-] حدثنا الحَسَنُ بنُ الصَّبَّاحِ البَزَّارُ، نا مُبَشِّرُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ الحَلَبِيُّ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ العَلاَءِ، عن أَبِيْهِ، عن ابنِ عُمَرَ، عن عائشةَ قالتْ: ما أَغْبِطُ أَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِیْ رَأَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رسولِ اللهِ صلی الله علیه وسلم.

قالَ: وَسَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ عن هذا الحديثِ، قُلْتُ لَهُ: مَنْ عَبْدُ الرحمنِ بنُ العَلاَءِ؟ قالَ هُوَ ابنُ العَلاَءِ بنِ اللَّجْلاجِ، وإِنَّمَا أَعْرِفُهُ مِنْ هٰذَا الوَجْهِ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابوزرعہؒ سے اس حدیث کے (ایک راوی کے) بارے میں پوچھا کہ: عبدالرحمٰن بن العلاء کون ہے؟ انھوں نے فرمایا: جس کے دادا کا نام لَجْلَاج ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں اس کو صرف اسی سند سے جانتا ہوں۔

باب [ماجاء أن المؤمن يموت بِعَرَقِ الجبين]

مؤمن ماتھے کے پسینہ سے مرتا ہے

تشریح: یہ حدیث ہی کے الفاظ ہیں، اور اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔

ایک: مؤمن کو بوقتِ موت سخت تکلیف ہوتی ہے، ماتھے کا پسینہ موت کی شدت سے کنایہ ہے، کیونکہ انسان کے جسم میں بعض حصے وہ ہیں جہاں پسینہ جلد آتا ہے جیسے بغل، اور بعض حصوں میں دیر سے پسینہ آتا ہے جیسے ہتھیلی اور ماتھا، جب سخت مشقت پیش آتی ہے تب ماتھے پر پسینہ آتا ہے، پس مؤمن کے ماتھے پر بوقت موت پسینہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے مرتے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔

اور دوسرا مطلب: یہ ہے کہ جب روح پرواز کرتی ہے تو مؤمن کے ماتھے پر پسینہ پھوٹ آتا ہے، اور یہ اس کے ایماندار ہونے کی علامت ہے، اور میرے خیال میں دونوں ہی مطلب مراد ہیں۔ واللہ اعلم

نوٹ: باب کا عنوان مصری نسخہ سے بڑھایا ہے۔

[۹] باب [ماجاء أن المؤمن يموت بِعَرَقِ الجبين]

[۹۶۸-] حدثنا ابنُ بَشَّارٍ، نا يَحيىَ بنُ سَعيدٍ، عن المُثَنَّى بنِ سَعيدٍ، عن قَتَادَةَ، عن عبدِ اللهِ بنِ بُرَيْدَةَ، عن أبيهِ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ: "المُؤْمِنُ يَمُوْتُ بِعَرَقِ الْجَبِيْنِ"

وفي الباب: عن ابنِ مسعودٍ. قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ، وقالَ بعضُ أهلِ الحديثِ: لانَعرِفُ لِقَتَادَةَ سَمَاعًا مِنْ عَبدِ اللهِ بنِ بُرَيْدَةَ.

ترجمہ: بعض محدثین کہتے ہیں: ہم قتادہ کا عبداللہ بن بریدہ سے سماع نہیں جانتے، پس حدیث میں انقطاع ہوسکتا ہے۔

باب [ماجاء في الخوف والرجاء عند الموت]

بوقتِ موت امید وبیم کا اجتماع پسندیدہ ہے

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک نوجوان کے پاس تشریف لے گئے، اس کا تقریباً نزع شروع ہو چکا تھا، آپؐ نے پوچھا: تو اپنے آپ کو کیسا پاتا ہے؟ یعنی تیری طبیعت کیسی ہے؟ اس نوجوان نے لفظوں کی گنجائش سے فائدہ اٹھا کر جواب دیا: مجھے اللہ کی رحمت کی بھی امید ہے اور میں اپنے گناہوں سے بھی ڈرتا ہوں۔ آپؐ نے یہ جواب پسند کیا اور فرمایا: نہیں جمع ہوتیں یہ دونوں باتیں کسی مؤمن کے دل میں اس جیسے وقت میں (یعنی جان کنی کے وقت میں) مگر اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا فرماتے ہیں جس کی وہ امید باندھتا ہے اور اس چیز سے بچاتے ہیں جس سے وہ ڈرتا ہے۔

تشریح: ایمان: خوف ورجاء کی ملی جلی کیفیت کا نام ہے، محض خوف مایوسی پیدا کرتا ہے اور اللہ کی رحمت سے مایوسی

کفر ہے ﴿إِنَّهُ لَا يَيْئَسُ مِنْ رَوْحِ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ﴾ (سورۂ یوسف آیت ۸۷) اور صرف امید گناہوں پر بے باک کرتی ہے، دنیا میں ایسے مسلمان بھی ہیں جن کو اگر گناہوں پر ڈرایا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں: اللہ غفور و رحیم ہیں! بیشک اللہ غفور رحیم ہیں مگر ان کی پکڑ بھی تو سخت ہے، سورۂ حجر میں ہے: ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ، وَأَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيْمُ﴾ (آیت ۴۹-۵۰) اور سورۃ المائدہ میں ہے: ﴿اِعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [الآیۃ ۹۸] پس ایک صفت پر تکیہ کرلینا اور دوسری صفت کو بھول جانا کونسی عقلمندی کی بات ہے؟ غرض بیم ورجاء کی مرکب کیفیت کا نام ایمان ہے۔ اور علماء فرماتے ہیں: تندرستی کے زمانہ میں خوف کی کیفیت غالب رہنی چاہئے تا کہ بندہ زیادہ سے زیادہ اعمالِ صالحہ کرے اور برائیوں سے بچے، اور سکرات میں امید کا پہلو غالب ہوجانا چاہئے، کیونکہ اب عمل کا وقت ختم ہوگیا، اب امید ہی کا آسرا ہے۔

[۱۰] باب [ماجاء في الخوف والرجاء عند الموت]

[۹۶۹-] حدثنا عبدُ اللهِ بنُ أَبِيْ زِيَادٍ، وهَارُوْنُ بنُ عبدِ اللهِ البَزَّازُ البَغْدَادِيُّ، قالاَ: نَا سَيَّارُ بنُ حَاتِمٍ، نَا جَعْفَرُ بنُ سُلَيْمَانَ، عن ثَابِتٍ، عن أَنَسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ علىٰ شَابٍّ، وَهُوَ بِالْمَوْتِ، فقالَ: "كَيْفَ تَجِدُكَ؟" قالَ: واللهِ يارسولَ اللهِ! إِنِّيْ أَرْجُوْ اللهَ، وَإِنِّيْ أَخَافُ ذُنُوْبِيْ، فقالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "لاَيَجْتَمِعَانِ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ، إِلاَّ أَعْطَاهُ اللهُ مَايَرْجُوْ، وآمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ، وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هذا الحديثَ عن ثَابِتٍ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلاً.

بابُ ماجاءَ في كَرَاهِيَةِ النَّعْيِ

موت کی تشہیر کرنے کی ممانعت

موت کی تشہیر کے لئے اقوام عالم مختلف طریقے اختیار کرتی ہیں، زمانۂ جاہلیت میں موت کی تشہیر کا ایک طریقہ یہ تھا کہ قبر پر اونٹنی باندھ دیتے تھے، وہ وہیں بھوکی پیاسی مرجاتی تھی۔ اور یہ طریقہ بھی تھا کہ رونے والیوں کو بلاتے تھے، وہ معاہدہ کے مطابق روزانہ میت کے گھر آکر روتی تھیں اور میت کے فضائل بیان کرتی تھیں وہ یہ کام اجرت پر کرتی تھیں۔ ہندوستان میں ہندوؤں میں موت کی تشہیر کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی مرد یا عورت پیرانہ سالی میں مرتی ہے تو برادری کی دعوت کی جاتی ہے، مرگھٹ پر ایک طرف میت جلتی ہے اور دوسری طرف کھانا پکتا ہے۔ اسی طرح ماتم

کرنا یعنی سینہ پیٹنا، کپڑے پھاڑنا، سر اور بھنوؤں منڈا دینا وغیرہ بھی موت کی تشہیر کے طریقے ہیں، اور آج کل کے نئے طریقوں میں سے یہ ہے کہ اخباروں میں دیا جاتا ہے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نشر کیا جاتا ہے جبکہ مرنے والے کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ یہ سب طریقے ممنوع ہیں، البتہ رشتہ داروں کو، اصحاب کو یعنی میت سے تعلق رکھنے والوں کو، شاگردوں اور مریدوں کو اور نیک لوگوں کو کسی کی موت کی خبر دینا تاکہ وہ جنازہ میں شرکت کریں یا میت کے لئے دعائے خیر کریں جائز ہے، البتہ اقارب کے انتظار میں تدفین میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔

حدیث (۱): حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو وصیت کی: جب میں مرجاؤں تو کسی کو میری موت کی خبر نہ کرنا، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ موت کی تشہیر نہ ہوجائے۔ اور میں نے نبی ﷺ کو سنا ہے: آپ موت کی تشہیر کرنے سے روکتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کا یہ حصہ تو مرفوع ہے کہ آپ نے موت کی تشہیر سے منع فرمایا ہے، اور دوسرا حصہ صحابی کا فہم ہے جیسے سورِ ہرہ کے مسئلہ میں: إنها من الطوافين عليكم أو الطوافات مرفوع ہے، اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا برتن جھکا کر بلی کو پانی پلانا پھر اس کے سور سے وضو کرنا: صحابی کا فہم ہے، اول حجت ہے اور ثانی میں اختلاف ہے، اس حدیث کا بھی یہی حال ہے، چنانچہ تمام علماء کی رائے یہ ہے کہ اقارب کو، اصحاب کو، اہل خیر کو اور عام لوگوں کو کسی کی موت کی خبر دینا تاکہ وہ جنازہ میں شرکت کریں یا دعائے خیر کریں جائز ہے، ممنوع تشہیر میں یہ بات داخل نہیں، اور حضرت حذیفہؓ نے غایت احتیاط سے اس کو بھی موت کی تشہیر میں لیا ہے اور دلیل إني أخاف ہے یعنی یہ بات یقینی نہیں۔

نوٹ: مذکورہ حدیث مصری نسخہ میں بعد میں ہے اور وہی نسخہ صحیح ہے اس لئے کہ امام ترمذیؒ نے وفی الباب میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ اور یہ بات امام ترمذیؒ کی عادت کے خلاف ہے، وہ جس حدیث کو بیان کرچکے ہوں وفی الباب میں اس کا حوالہ نہیں دیتے اور پوری کتاب میں جہاں بھی ایسا ہوا ہے وہاں نسخوں کا اختلاف ہے، البتہ امام ترمذیؒ وفی الباب میں حدیث کا حوالہ دینے کے بعد پھر اسی باب میں اس حدیث کی تخریج کرتے ہیں۔ یہاں بھی حضرت حذیفہ کی حدیث بعد میں ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: موت کی تشہیر کرنے سے بچو، اس لئے کہ موت کی تشہیر ہندوانہ طریقہ ہے، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: النعی کے معنی ہیں: موت کی بانگ دینا۔

تشریح: ایک ہے اعلام یعنی خبر دینا، اطلاع کرنا۔ اور اذان کے معنی ہیں: بانگ دینا۔ یہ اعلام سے اوپر کا درجہ ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نَعْیٌ کے ترجمہ میں اعلام لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ لفظ اذان استعمال کیا ہے، پس دونوں میں فرق کرنا چاہئے۔ اور یہ حدیث ضعیف ہے ابوحمزہ میمون الاعور کی محدثین نے تضعیف کی ہے، نیز اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں بھی اختلاف ہے، عنبسہ: ابوحمزہ سے مرفوع روایت کرتے ہیں، اور سفیان ثوری موقوف

بیان کرتے ہیں اور امام ترمذیؒ نے حدیث موقوف کو اصح قرار دیا ہے یعنی یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔

[۱۱] باب ماجاء في كراهية النعي

[۹۷۰-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، نا عبدُ القُدُّوْسِ بنُ بَكْرِ بنِ خُنَيْسٍ، نا حَبِيْبُ بنُ سُلَيْمٍ العَبْسِيُّ، عن بِلَالِ بنِ يَحيىَ العَبْسِيِّ، عن حُذيفةَ، قالَ: إِذَا مِتُّ فَلاَ تُؤْذِنُوْا بِيْ أَحَدًا، فَإِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يَكُوْنَ نَعْيًا، وإِنِّيْ سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَنْهَى عن النَّعْيِ، هذا حديثٌ حسنٌ.

[۹۷۱-] حدثنا محمدُ بنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ، نا حَكَّامُ بنُ سَلْمٍ، وَهَارُوْنُ بنُ المُغِيْرَةِ، عَنْ عَنْبَسَةَ، عن أَبِيْ حَمْزَةَ، عن إبراهيمَ، عن عَلْقَمَةَ، عن عَبْدِ اللّٰهِ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ: "إِيَّاكُمْ وَالنَّعْيَ! فَإِنَّ النَّعْيَ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ" قالَ عبدُ اللّٰهِ: والنَّعْيُ: أَذَانٌ بِالْمَيِّتِ.

وفي الباب: عَنْ حُذَيْفَةَ.

حدثنا سَعيدُ بنُ عبدِ الرحمنِ المَخْزُوْمِيُّ، نا عبدُ اللهِ بنُ الوَلِيْدِ العَدَنِيُّ، عن سُفيانَ الثَّوْرِيِّ، عن أَبِيْ حَمْزَةَ، عن إبراهيمَ، عن عَلْقَمَةَ، عن عبدِ اللهِ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: " وَالنَّعْيُ أَذَانٌ بِالْمَيِّتِ" وهذا أَصَحُّ مِنْ حديثِ عَنْبَسَةَ عن أَبِيْ حَمْزَةَ، وأَبُوْ حَمْزَةَ: هُوَ مَيْمُوْنُ الأَعْوَرُ، وَلَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ أهلِ الحديثِ.

قال أبو عيسى: حديثُ عبدِ اللهِ حديثٌ غريبٌ، وقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أهلِ العلمِ النَّعْيَ، وَالنَّعْيُ: عِنْدَهُمْ أَنْ يُنَادَى فِي النَّاسِ بِأَنَّ فُلاَنًا مَاتَ، لِيَشْهَدُوْا جَنَازَتَهُ، وقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: لَابَأْسَ بِأَنْ يُعْلِمَ الرَّجُلُ قَرَابَتَهُ وَإِخْوَانَهُ، وَرُوِيَ عن إبراهيمَ أَنَّهُ قَالَ: لَابَأْسَ بِأَنْ يُعْلِمَ الرَّجُلُ قَرَابَتَهُ.

ترجمہ: بعض علماء نے موت کی تشہیر کو ناپسند کیا ہے اور ان کے نزدیک تشہیر یہ ہے کہ لوگوں میں اعلان کیا جائے کہ فلاں شخص کا انتقال ہوگیا تاکہ وہ اس کے جنازہ میں شرکت کریں۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی میت کے رشتہ داروں کو اور اس کے اصحاب کو خبر کرے۔ اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی میت کے رشتہ داروں کو خبر کرے۔

بابُ ماجاء أَنَّ الصَّبْرَ في الصَّدْمَةِ الأُوْلٰى

کامل صبر وہ ہے جو صدمہ کی ابتداء میں ہو

صدمہ: کے معنی ہیں: ٹکرانا۔ احادیث شریفہ میں مصائب پر صبر کرنے کے بڑے فضائل آئے ہیں، مگر وہ ثواب

اس وقت صبر کرنے میں ہے جب پہلی بار مصیبت دل کے ساتھ ٹکرائے، کیونکہ ایک وقت کے بعد تو ہر ایک کو صبر آہی جاتا ہے اور علماء نے فرمایا ہے کہ جب بھی مصیبت یاد آئے اور اس پر صبر کرے تو اس میں بھی ثواب ہے، بعض حادثے ایسے ہوتے ہیں کہ جب بھی یاد آتے ہیں دل میں ایک کسک اٹھتی ہے اور دل بھر آتا ہے اس وقت بھی صبر کرنے پر ثواب ملتا ہے، جیسے سیرت نبوی کا مطالعہ کر رہے ہوں اور آپ کی وفات کا ذکر آئے تو دل بھر آتا ہے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں اس صبر پر بھی ثواب ملے گا۔ لیکن صبر پر جو وعدے ہیں وہ جب ہیں کہ حادثہ پیش آنے پر صبر کیا جائے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''صبر صدمہ کی ابتداء میں ہے'' اور اس حدیث کا شان ورود یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ قبرستان کے قریب سے گزر رہے تھے آپ نے ایک عورت کو قبر پر روتے ہوئے دیکھا اس کا نوجوان بیٹا وفات پا گیا تھا، وہ اس کی قبر پر رو رہی تھی آپ نے اس کو صبر کی تلقین کی۔ اس نے پہچانے بغیر کہا: جاؤ! جو مصیبت مجھ پر آئی ہے اگر تم پر آتی تو میں دیکھتی تم کیسا صبر کرتے ہو! آپ برا مانے بغیر وہاں سے چلے گئے، بعد میں جب اس عورت کو بتایا گیا کہ جو صاحب صبر کی تلقین کر رہے تھے وہ آنحضرت ﷺ تھے تو وہ اپنے بچہ کا غم بھول گئی اور آپ کی بے حرمتی کا فکر سوار ہو گیا، چنانچہ بھاگی ہوئی آپ کے گھر پہنچی آپ گھر میں موجود نہیں تھے، وہ بیٹھ کر رونے لگی، اس سے وجہ پوچھی گئی تو بتاتی نہیں، جب آپ گھر لوٹے تو بتایا گیا کہ ایک عورت بیٹھی رو رہی ہے اور وجہ نہیں بتاتی، آپ نے اس کو دیکھا تو پہچان لیا، اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا، آپ نے فرمایا: الصبر عند الصدمة الأولى یعنی جس وقت صدمہ پہنچے اس وقت صبر کرنے کا بڑا ثواب ہے، دیر سویر تو سب کو صبر آہی جاتا ہے (بخاری حدیث ۱۲۸۳)

[۱۲] باب ماجاء أن الصبر في الصدمة الأولى

[۹۷۲-] حدثنا قُتيبةُ، نا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيْدَ بنِ أَبِي حَبِيْبٍ، عن سَعْدِ بنِ سِنَانٍ، عن أنسٍ، أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: " الصَّبْرُ فِي الصَّدْمَةِ الأُوْلَى "

قال أبو عيسى: هٰذا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذا الوجْه.

[۹۷۳-] حدثنا محمدُ بنُ بَشّارٍ، نا محمدُ بنُ جَعْفَرٍ، عن شُعْبَةَ، عن ثَابِتِ البُنَانِيِّ، عن أنسِ بنِ مَالِكٍ، أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: " الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الأُوْلَى "

قال أبو عيسى: هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی دو سندیں پیش کی ہیں، پہلی سند غریب ہے، اس میں سعید بن سنان ضعیف راوی ہے اور دوسری سند صحیح ہے۔

بابُ ماجاءَ فی تَقْبِیْلِ الْمَیِّتِ

میت کو چومنے کا بیان

جس طرح زندے کی تقبیل جائز ہے، مردے کی تقبیل بھی جائز ہے۔ مرنے کے بعد اگرچہ میت کا جسم ناپاک ہوجاتا ہے اس لئے غسل فرض ہے، اس کے بغیر نماز جنازہ جائز نہیں، مگر یہ نجاست حکمی ہے حقیقی نجاست نہیں۔ پس ظاہر بدن پاک ہے اس لئے میت کو چوم سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کے بعد چوما ہے۔ حضرت عثمانؓ آنحضور ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، انھوں نے دو ہجرتیں کی تھیں، زہاد صحابہ میں ان کا شمار تھا اور مہاجرین میں سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تھا، جب ان کی وفات ہوئی اور آپؐ کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ تشریف لے گئے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اس وقت آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور خود نبی پاک ﷺ کو وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چوما ہے اور فرمایا: طِبْتَ حَیًّا و مَیِّتًا: آپؐ جب زندہ تھے تب بھی ستھرے تھے اور وفات کے بعد بھی ستھرے ہیں۔ غرض میت کی تقبیل جائز ہے اور اس میں اتفاق ہے۔

[۱۳] باب ماجاء فی تقبیل المیت

[۹۷۴-] حدثنا محمدُ بنُ بَشّارٍ، نا عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِیٍّ، نا سُفیانُ، عن عَاصِمِ بنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ، عن القَاسِمِ بنِ محمدٍ، عن عائشةَ: أنَّ النبیَّ صلی اللہ علیه وسلم قَبَّلَ عُثمانَ بنَ مَظْعُوْنٍ وَھُوَ مَیِّتٌ وَھُوَ یَبْکِی أَوْ قَالَ: عَیْنَاہُ تَذْرِفَانِ.

وفی الباب: عن ابنِ عبّاسٍ وجَابِرٍ، وعائشةَ، قالوا: إِنَّ أَبَا بَکْرٍ قَبَّلَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیه وسلم وَھُوَ مَیِّتٌ.

قال أبو عیسی: حدیثُ عائشةَ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عثمان بن مظعون کو چوما درانحالیکہ وہ وفات پاچکے تھے اور آپ رو رہے تھے یا فرمایا: آپؐ کی آنکھیں بہہ رہی تھیں۔

باب میں ابن عباس، جابر اور عائشہ کی روایتیں ہیں ان کا مشترک مضمون یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو چوما درانحالیکہ آپ وفات پاچکے تھے۔

امام ترمذیؒ نے حضرت عائشہ کی حدیث کو حسنٌ صحیحٌ کہا ہے جبکہ اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ ہیں، یہ حضرت عمرؓ کے صاحب زادے عاصم کے پوتے ہیں اور ضعیف ہیں۔

بابُ ماجاءَ فی غُسْلِ الْمَیِّتِ

میت کونہلانے کا بیان

میت کونہلانے کا کوئی خاص طریقہ نہیں، جس طرح زندگی میں جنابت کاغسل کرتے ہیں اسی طرح میت کونہلایا جائے۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ میت کونہلانے کا کوئی خاص طریقہ ہے، جوشخص طریقہ جانتا ہے وہی نہلاسکتا ہے، مگر دیہات کے لوگ اور عورتیں خود ہی نہلاتی ہیں۔ اس لئے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ میت کونہلانے کا کوئی خاص طریقہ نہیں، زندگی میں آدمی جس طرح غسلِ جنابت کرتا ہے اسی طرح میت کوبھی نہلانا ہے، البتہ عام طور پر میت کامنہ بند ہوجاتا ہے اس لئے کلی کی جگہ بھیگی ہوئی روئی وغیرہ مضمضہ کی نیت سے تین مرتبہ میت کے ہونٹوں پر پھیرنے سے مضمضہ ہوجاتا ہے اور منہ کھلا ہوتو اندر کا حصہ بھیگی ہوئی روئی سے صاف کیا جائے، اور بھیگی ہوئی روئی سے میت کی ناک اچھی طرح صاف کرنے سے استنشاق ہوجاتا ہے، بہرحال میت کے منہ اور ناک میں پانی نہیں ڈالا جائے گا، کیونکہ اس کونکالنا مشکل ہوگا باقی جواحکام غسلِ جنابت کے ہیں وہی میت کے غسل کے بھی ہیں یعنی غسل جنابت میں جوفرائض، سنن اور مستحبات ہیں وہی فرائض، سنن اور مستحبات غسل میت میں بھی ہیں، اور جس طرح سنن ومستحبات کالحاظ کئے بغیرغسل کرنے سے غسل صحیح ہوجاتا ہے اسی طرح میت کونہلانے میں بھی سنن ومستحبات کی رعایت نہ کی جائے تو بھی غسل صحیح ہوجاتا ہے۔ غسل میت میں اصل یہ ہے کہ میت کواچھی طرح دھوڈالا جائے اوراس کوصاف ستھرا کردیا جائے۔

اورمیت کونہلانے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ کا جوبندہ دنیا سے رخصت ہوکرآخرت کی راہ لیتا ہے، شریعت نے حکم دیا ہے کہ اس کواعزاز واکرام کے ساتھ رخصت کیا جائے، اورمیت کی تکریم کا اس سے بہترکوئی طریقہ نہیں کہ اس کو نہایت پاکیزہ حالت میں نہلاکراوراچھے کپڑے پہناکررخصت کیا جائے۔

حدیث: ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی ﷺ کی ایک صاحبزادی کا انتقال ہواوہ صاحبزادی یاتوحضرت ام کلثوم تھیں (کما ورد فی ابن ماجه) یاحضرت زینب تھیں، اوراصح یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت زینبؓ کا ہے (کما ورد فی المسلم) جب خواتین ان کونہلانے کے لئے جمع ہوئیں توآپؐ نے ان کویہ ہدایات دیں: میت کوطاق مرتبہ دھوؤ! تین دفعہ یاپانچ دفعہ یااس سے زیادہ اگرتم ضرورت محسوس کرو (یعنی اگرپانچ مرتبہ میں بھی میت صاف نہ ہوتو زیادہ دھوؤمگرطاق عدد کا خیال رکھو) اورتم اس کوبیری کے جوش دیئے ہوئے پتوں کے پانی سے نہلاؤ، اورآخرمیں کافورکو، یافرمایا: کچھ کافورکوگردانو (یعنی آخری بارکافورملے ہوئے پانی سے دھوؤ) پس جب تم فارغ ہوجاؤتومجھے خبر کرو (ام عطیہؓ کہتی ہیں) جب ہم غسل دے چکے توہم نے آنحضرت ﷺ کوخبرکی۔ آپؐ نے (باہرسے) ہماری

طرف اپنی لنگی پھینکی (جو آپؐ ساتھ لائے تھے) اور فرمایا: اس کو میت کے جسم سے متصل رکھو (یعنی اس کو کفن میں اس طرح رکھو کہ وہ میت کے بدن سے لگی رہے) ام عطیہ کہتی ہیں: اور ہم نے صاحبزادی کے بالوں کی تین چوٹیاں بنائیں اور ہم نے ان کو پیچھے ڈال دیا۔ نیز ام عطیہ کہتی ہیں: اور ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میت کی دائنی جانب سے اور وضو کے اعضاء سے شروع کرو۔

تشریح

۱- بیری کے پتے ابالے ہوئے پانی سے غسل دینے کی، اور تین سے زیادہ مرتبہ دھونے کی وجہ یہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے احتمال ہے کہ میت کا بدن چرکیں ہوگیا ہو اور بدبو پیدا ہوگئی ہو اس لئے تین بار دھونے پر اکتفا نہ کی جائے، بلکہ ضرورت ہو تو زیادہ بھی دھویا جائے۔ اور بیری کے پتے ابالا ہوا پانی جسم سے میل خوب صاف کرتا ہے جس طرح لوگ صابن سے نہاتے ہیں اسی طرح یہ پانی استعمال کیا جاتا تھا، پس اگر بیری کے پتے میسر نہ ہوں تو صابن بھی کافی ہے۔

۲- آخری مرتبہ کافور ملا ہوا پانی استعمال کرنے میں چار فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: اس سے جسم جلدی خراب نہیں ہوتا، کافور میں یہ خاصیت ہے کہ جس چیز میں وہ استعمال کیا جاتا ہے اس میں جلدی تغیر نہیں آتا۔

دوسرا فائدہ: کافور لگانے سے موذی جانور، کیڑے وغیرہ پاس نہیں آتے اسی لئے لوگ کتابوں اور کپڑوں میں کافور کی گولیاں رکھتے ہیں۔

تیسرا فائدہ: کافور ایک سستی خوشبو ہے جس سے جسم معطر ہوجاتا ہے۔

چوتھا فائدہ: کافور تیز خوشبو ہے پس اگر اچھی طرح نہلانے کے باوجود جسم میں کچھ بدبو رہ گئی ہوگی تو وہ کافور کی خوشبو سے دب جائے گی۔

۳- آنحضرت ﷺ نے کفن میں شامل کرنے کے لئے اپنی لنگی اس لئے عنایت فرمائی تھی کہ برکت ہو، اور یہ برکت کی اصل ہے، اور برکت کی دوسری اصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے دودھ نوش فرمایا، دائیں ام ہانی تھیں، آپؐ نے بچا ہوا ان کو دیا، انھوں نے روزہ ہونے کے باوجود اس کو پی لیا اور روزہ توڑ دیا، کیونکہ روزہ کی تو قضا بھی ہوسکتی ہے اور تبرک ہاتھ سے چلا جائے گا تو اگلی پی جائے گی اور وہ محروم رہ جائیں گی، نیز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس ایک جبہ تھا جس کی انھوں نے زندگی بھر حفاظت کی تھی اور وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ مجھے اس جبہ میں کفن دیا جائے کیونکہ میں نے یہ جبہ پہن کر بدر کی جنگ لڑی ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے میری ان مستعمل چادروں میں کفن دیا جائے، گھر والوں نے عرض کیا: ہم آپ کو نئے کپڑوں میں کفن دیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: میں نے ان چادروں میں نمازیں پڑھی ہیں۔

غرض تبرک کا ثبوت ہے مگر تبرک اپنے محل میں کام کرتا ہے غیر محل میں کام نہیں کرتا۔ نبی ﷺ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول کو کفن میں پہنانے کے لئے اپنا کرتا عنایت فرمایا تھا مگر وہ اس کے لئے بے کار تھا۔

۴-حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جن عورتوں نے نہلایا تھا انھوں نے ان کے بالوں کی تین چوٹیاں بنائی تھیں اور ان کو پیچھے ڈالا تھا، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی ہدایت نہیں دی تھی اس لئے عورت کے بال کس طرح اور کہاں رکھے جائیں؟ اس میں اختلاف ہوا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک بالوں کے دو حصے کئے جائیں اور دائیں بائیں کندھے سے نکال کر سینہ پر رکھے جائیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بالوں کی تین چوٹیاں بنا کر پیچھے رکھی جائیں۔

۵-مردے کو نہلاتے وقت سب سے پہلے وضو کرائیں گے اور مردے کا منہ بند ہو تو بھیگی ہوئی روئی اس کے ہونٹوں پر پھیر دیں اور منہ کھلا ہو تو بھی روئی وغیرہ بھگو کر اس کے منہ کے اندر پھیر دیں، منہ میں پانی نہ ڈالیں کیونکہ اس کا نکالنا دشوار ہوگا۔ اسی طرح ناک کے اندر بھی روئی پھیریں، اس سے مضمضہ اور استنشاق ہو جائے گا، پھر پورے بدن پر پانی ڈال کر دھوئیں اور جہاں دایاں، بایاں ہے وہاں دائیں کو مقدم کریں جیسے پہلے دائیں کروٹ پر پانی ڈال کر دھوئیں اور جسم کی داہنی جانب سے غسل شروع کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ مردہ کا غسل زندہ کے غسل کی طرح ہے، زندگی میں نہانے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ دائیں جانب سے شروع کیا جائے، اسی طرح مردے کے غسل میں بھی یہ بات ملحوظ رکھی جائے، کیونکہ اس میں دائیں جانب کے اعضاء کا احترام ہے۔

[۱٤] باب ماجاء فی غُسل المیت

[۹۷۵-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِیعٍ، نا هُشَیْمٌ، نَاخَالِدٌ، وَمَنْصُوْرٌ، وَهِشَامٌ، فَأَمَّا خَالِدٌ وَهِشَامٌ فَقَالاَ: عَنْ محمدٍ وَحَفْصَةَ، وقالَ مَنْصُوْرٌ: عن محمدٍ، عَن أُمِّ عَطِیَّةَ، قَالَتْ: تُوُفِّیَتْ إِحْدَی بَنَاتِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، فقَالَ:" اغسِلْنَهَا وِتْرًا: ثَلاَثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَیْتُنَّ، واغسِلْنَهَا بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، واجْعَلْنَ فِی الآخِرَةِ كَافُوْرًا أَوْ: شَیْئًا مِنْ كَافُوْرٍ، فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِی" فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ، فَأَلْقَی إِلَیْنَا حِقْوَهُ، فَقَالَ:" أَشْعِرْنَهَا بِهِ" قالَ هُشَیْمٌ: وفی حدیثِ غَیْرِ هٰؤُلاَءِ، وَلاَ أَدْرِی لَعَلَّ هِشَامًا مِنْهُم، قَالَتْ: وَضَفَرْنَا شَعْرَهَا ثَلاَثَةَ قُرُوْنٍ، قالَ هُشَیْمٌ: أَظُنُّهُ قالَ: فَأَلْقَیْنَاهُ خَلْفَهَا، قالَ هُشَیْمٌ: فَحَدَّثَنَا خَالِدٌ مِنْ بَیْنِ الْقَوْمِ، عَنْ حَفْصَةَ، ومحمدٍ، عن أُمِّ عَطِیَّةَ قَالَتْ: وقالَ لَنَا رسولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم:" ابْدَأْنَ بِمَیَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ"

وفی الباب: عن أُمِّ سُلَیْمٍ، قالَ أبو عیسی: حدیثُ أُمِّ عَطِیَّةَ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

والعملُ علی هذا عِنْدَ أهلِ العلمِ، وقَدْ رُوِیَ عن إبراهیمَ النَّخَعِیِّ أَنَّهُ قالَ: غُسْلُ الْمَیِّتِ كالغُسْلِ

مِنَ الجَنَابَةِ، وقالَ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ: لَيْسَ لِغُسْلِ الْمَيِّتِ عِنْدَنَا حَدٌّ مُوَقَّتٌ، وَلَيْسَ لِذٰلِكَ صَفَةٌ مَعْلُوْمَةٌ، ولكِنْ يُطَهَّرُ.

قالَ الشَّافِعِيُّ: إِنَّمَا قَالَ مَالِكٌ قَوْلاً مُجْمَلاً: يُغَسَّلُ وَيُنَقّٰى، وإِذَا أُنْقِيَ الْمَيِّتُ بِمَاءِ الْقَرَاحِ أَوْ مَاءِ غَيْرِهِ أَجْزَأَ ذٰلِكَ مِنْ غُسْلِهِ، ولكنْ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُغْسَلَ ثَلاَثًا فَصَاعِدًا، لاَيُنْقَصُ عن ثَلاَثٍ، لِمَا قالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: "اغْسِلْنَهَا ثَلاَثًا أَوْ خَمْسًا" وإِنْ أَنْقَوْا فِيْ أَقَلَّ مِنْ ثَلاَثِ مَرَّاتٍ أَجْزَأَ.

وَلاَ يَرٰى أَنَّ قَوْلَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم إِنَّمَا هُوَ على مَعْنَى الإِنْقَاءِ ثَلاَثًا أَوْ خَمْسًا وَلَمْ يُوَقِّتْ، وكَذٰلِكَ قالَ الفُقَهَاءُ، وَهُمْ أَعْلَمُ بمعانِي الحديثِ.

وقالَ أحمدُ وإسحاقُ: وتَكُوْنُ الغَسَلاَتُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَيَكُوْنُ فِي الآخِرَةِ شَيْئٌ مِنَ الْكَافُوْرِ.

وضاحت: حضرت ام عطیہ کی حدیث ان سے صرف محمد بن سیرین اور حفصہ بنت سیرین (بھائی بہن) روایت کرتے ہیں، پھر ان سے متعدد روات روایت کرتے ہیں، جیسے: خالد حذاء، منصور بن زاذان، ہشام بن حسان، ایوب سختیانی اور ام الہذیل وغیرہ۔ امام ترمذی نے ہشیم بن بشیر (بروزعظیم) کی روایت لکھی ہے وہ تین اسانید سے یعنی خالد، منصور اور ہشام سے روایت کرتے ہیں، پھر خالد اور ہشام تو محمد بن سیرین اور حفصہ بنت سیرین دونوں سے روایت کرتے ہیں اور منصور صرف محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں۔

ہشیم کہتے ہیں: اور ان تین اساتذہ کے علاوہ کی روایت میں ـــــ اور میں نہیں جانتا شاید ہشام ان میں سے ہوں (یعنی شاید ہشام کی روایت میں بھی اگلا مضمون ہے) ـــــ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اور ہم نے صاحبزادی کے بالوں کی تین چوٹیاں بٹیں، ہشیم کہتے ہیں: میرا گمان ہے کہ اس غیر (علاوہ) راوی نے یہ بھی کہا کہ ہم نے بالوں کو میت کے پیچھے ڈال دیا (یہ سارا مضمون صراحتاً مرفوع نہیں، یعنی نبی ﷺ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا یا نہلانے والیوں نے خود ایسا کیا تھا، یہ بات صاف نہیں) ہشیم کہتے ہیں: میرے تین اساتذہ میں سے خالد حذاء نے حفصہ اور محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہوئے یہ بھی بیان کیا کہ ام عطیہؓ نے کہا: اور ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صاحب زادی کی دائیں جانب سے اور وضو کے اعضاء سے نہلانا شروع کرو (یہ مضمون صراحتاً مرفوع ہے)

غسل میت کے سلسلہ میں یہی بنیادی حدیث ہے، تمام مسائل کا اسی پر مدار ہے اور اس حدیث میں جو کچھ آیا ہے اس پر اتفاق ہے، بس ایک مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عورت کے بال کس طرح رکھے جائیں؟ اس حدیث میں یہ ہے کہ نہلانے والیوں نے صاحبزادی کے بالوں میں کنگھی کر کے تین چوٹیاں بٹی تھیں اور ان کو پیٹھ کے پیچھے ڈالا تھا مگر کنگھی کرنا اور چوٹیاں بٹنا زینت کے لئے ہوتا ہے اور میت اس سے مستغنی ہے اور فقہاء بھی کنگھی کرنے کے قائل نہیں، اور کنگھی نہ کرنے کی صورت میں چوٹیاں بٹنا مشکل ہے اس لئے احناف کہتے ہیں کہ بالوں کے دو حصے کر کے سینہ پر ڈال دیئے

جائیں۔ اور اعلاء السنن (۱۸۲:۸) میں الأمر واسعٌ ہے یعنی خواہ یوں کر دیا ووں کر وسب درست ہے۔

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میت کا غسل جنابت کے غسل کی طرح ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک میت کو نہلانے کی کوئی حد متعین نہیں، نہ اس کے لئے کوئی مخصوص طریقہ ہے، بس مردہ کو دھو کر صاف ستھرا کر دیا جائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام مالکؒ نے مجمل بات کہی ہے کہ مردے کو دھو دیا جائے اور صاف ستھرا کر دیا جائے، پس جب میت سادہ پانی سے یا اس کے علاوہ پانی سے (یعنی بیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیئے ہوئے پانی سے) صاف کر دی جائے تو اس کا غسل ہو گیا (اب امام شافعیؒ اپنی رائے بیان فرماتے ہیں) اور مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ مردہ کو تین یا اس سے زیادہ مرتبہ دھویا جائے، تین مرتبہ سے کم نہ کیا جائے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''اس کو دھوؤ تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ'' اور اگر میت تین مرتبہ سے کم میں صاف ہو جائے تو کافی ہے (یعنی تین یا پانچ مرتبہ دھونا ضروری نہیں، امام شافعیؒ کی بات پوری ہوئی، اب امام ترمذیؒ فرماتے ہیں) اور امام شافعی رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ ثلاثاً أو خمساً سے مقصود انقاء ہی ہے، اور انھوں نے کسی عدد کی تعیین نہیں کی۔ اور فقہاء یہی بات کہتے ہیں اور وہ حدیث کی مراد کو بہتر جانتے ہیں (مگر استنجاء بالاحجار کے مسئلہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ یہ بات کیوں بھول گئے!) اور احمد واسحاق فرماتے ہیں: اور میت کو بیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیئے ہوئے پانی سے نہلائیں اور آخری مرتبہ میں پانی میں کچھ کافور بھی ملائیں۔

بابُ ماجاءَ فِی الْمِسْكِ لِلْمَیِّتِ

مردے کو مشک لگانا جائز ہے

مشک ایک خوشبو ہے، اور نہایت قیمتی خوشبو ہے۔ ختن (چین) میں ایک خاص قسم کا ہرن ہوتا ہے اس کے نافہ میں پورے بدن سے خون جمع ہوتا ہے اور وہ خشک ہو کر جم جاتا ہے تو مشک تیار ہو جاتا ہے، پھر وہ نافہ خود بخود گر جاتا ہے اس میں سے مشک نکلتا ہے۔ مشک بالاتفاق پاک ہے، احادیث میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے مشک ملی ہوئی خوشبو استعمال فرمائی ہے اور جب زندہ آدمی مشک استعمال کر سکتا ہے تو میت کو بھی وہ خوشبو لگا سکتے ہیں، رہی یہ بات کہ وہ خون ہے اور خون ناپاک ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ماہیت بدل گئی تو احکام بھی بدل گئے، اور مشک سب سے اعلی درجہ کی خوشبو ہے، نبی ﷺ سے مشک کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ وہ پاک ہے یا ناپاک اور اس کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟) تو آپؐ نے فرمایا: وہ تمہاری خوشبوؤں میں سب سے اعلی قسم کی خوشبو ہے'' یعنی آپؐ نے اس کو استعمال کرنے کی اجازت دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وفات سے قبل لوگوں کو مشک دیا اور فرمایا: مجھے بعد از مرگ یہ خوشبو لگانا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو جو خوشبو لگائی گئی تھی یہ اس کا باقی ماندہ ہے (مستدرک حاکم) غرض

جمہور کے نزدیک مشک لگانا جائز ہے، زندہ شخص بھی مشک استعمال کرسکتا ہے اور میت کو بھی لگا سکتے ہیں۔ اور بعض علماء کے نزدیک میت کو مشک لگانا مکروہ ہے کیونکہ مشک سیاہی مائل ہوتا ہے اس لئے تفاولاً نہیں لگانا چاہئے، مگر احادیث کی موجودگی میں ان کا یہ قول حجت نہیں۔

[۱۵] باب ماجاء في المِسْكِ للميت

[۹۷۶-] حدثنا سُفيانُ بنُ وَكِيْعٍ، نا أَبِيْ، عن شُعْبَةَ، عن خُلَيْدِ بنِ جَعْفرٍ، عن أَبِيْ نَضْرَةَ، عن أَبِيْ سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم سُئِلَ عن المِسْكِ؟ فقالَ: "هُوَ أَطْيَبُ طِيْبِكُمْ!"

حدثنا محمودُ بنُ غَيْلاَنَ، نا أبو داودَ، وشَبَابَةُ، قالاَ: نا شُعْبَةُ، عن خُلَيْدِ بنِ جَعْفرٍ نَحْوَهُ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ. والعملُ على هذا عندَ بعضِ أهلِ العلمِ، وَهُوَ قَوْلُ أحمدَ، وإسحاقَ، وقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أهلِ العلمِ المِسْكَ لِلْمَيِّتِ، وقَدْ رَوَاهُ الْمُسْتَمِرُّ بنُ الرَّيَّانِ أَيْضًا عن أَبِيْ نَضْرَةَ، عن أَبِيْ سَعِيْدٍ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قالَ عَلِيٌّ: قالَ يَحيىَ بنُ سَعِيْدٍ: المُسْتَمِرُّ بنُ الرَّيَّانِ ثِقَةٌ، وخُلَيْدُ بنُ جَعْفرٍ ثِقَةٌ.

وضاحت: مستمر بن الریان: خلید بن جعفر کے متابع ہیں اور مستمر اور خلید دونوں ثقہ ہیں، یحییٰ قطان نے ان کی توثیق کی ہے۔

بابُ ماجاء في الغُسْلِ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ

میت کو نہلانے والے خود بھی نہالیں

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: "میت کو نہلانے سے غسل ہے اور اس کو (میت کو) اٹھانے سے وضو ہے"

تشریح: جو لوگ میت کو نہلائیں ان کو فارغ ہو کر خود بھی نہالینا چاہئے، اور جو لوگ میت کو نہلاتے وقت اٹھائیں ان کو وضو کرلینا چاہئے۔ اصحاب ظواہر کے نزدیک میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنا اور اٹھانے والوں پر وضو کرنا فرض ہے، اور جمہور فقہاء کے نزدیک مستحب ہے۔ اور میت کو نہلانے کے بعد نہانے کی دو حکمتیں ہیں:

پہلی حکمت: میت کو نہلاتے وقت بدن پر چھینٹیں پڑتی ہیں اور وہ ناپاک ہوسکتی ہیں اور کہاں کہاں پڑی ہیں اس کا اندازہ نہیں ہوتا، اس لئے نہلانے والا نہالے تو جسم پاک ہوجائے گا۔

دوسری حکمت: جو لوگ میت کو نہلانے کے عادی نہیں جب وہ کسی میت کو نہلاتے ہیں تو ان پر خوف اور گھبراہٹ طاری ہوتی ہے، نہالینے سے یہ حالت بدل جائے گی، نیز وساوس بھی منقطع ہوجائیں گے جیسے جانور کو ذبح کرتے وقت

دوسرے جانور جو اس کے قریب ہوتے ہیں ان پر خوف طاری ہوتا ہے، اسی طرح موت کا اثر مردہ کو نہلانے والے پر بھی پڑتا ہے اس لئے اس کو غسل کا حکم دیا گیا۔ اور اٹھانے والوں پر اس کا اثر کم پڑتا ہے اس لئے ان کو صرف وضو کرنے کا حکم دیا۔

[۱٦] باب ماجاء في الغُسل من غُسل الميت

[۹۷۷-] حدثنا محمدُ بنُ عبدِ الْمَلِكِ بنِ أَبِي الشَّوَارِبِ، نا عبدُ العزيزِ بنُ الْمُخْتَارِ، عن سُهَيْلِ بنِ أَبِي صَالِحٍ، عن أَبِيْهِ، عن أَبِي هُرَيْرَةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قال: "مِنْ غُسْلِهِ الغُسْلُ، ومِنْ حَمْلِهِ الْوُضُوْءُ" يَعْنِي الْمَيِّتَ.

وفي الباب: عن عَلِيٍّ، وعائشةَ، قال أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ، وقَدْ رُوِيَ عن أَبِي هُرَيْرَةَ مَوْقُوفًا.

وقد اخْتَلَفَ أهلُ العلمِ في الَّذِيْ يُغَسِّلُ الْمَيِّتَ، فقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: إِذَا غَسَّلَ مَيِّتًا فَعَلَيْهِ الْغُسْلُ، وقالَ بَعْضُهُمْ: عَلَيْهِ الْوُضُوْءُ، وقالَ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ: أَسْتَحِبُّ الغُسْلَ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ، وَلاَ أَرَى ذٰلِكَ وَاجِبًا، وهٰكَذَا قالَ الشَّافِعِيُّ. وقالَ أحمدُ: مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا أَرْجُوْ أَنْ لاَيَجِبَ عليهِ الغُسْلُ، وأَمَّا الْوُضُوْءُ فَأَقَلُّ مَاقِيْلَ فِيْهِ، وقالَ إسحاقُ: لاَبُدَّ مِنَ الْوُضُوْءِ، وقد رُوِيَ عن عبدِ اللهِ بنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قالَ: لاَيَغْتَسِلُ وَلاَ يَتَوَضَّأُ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں انقطاع ہے، ابوصالح نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے نہیں سنی ہے (فتح الباری ۳: ۱۲۷) اور اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں بھی اختلاف ہے ــــــ اور علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو میت کو نہلائے، صحابہ اور ان کے علاوہ بعض علماء کہتے ہیں کہ جب کسی نے میت کو نہلایا تو نہلانے والے پر غسل کرنا ضروری ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں: اس پر وضو ضروری ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں میت کو نہلانے کی وجہ سے غسل کرنے کو پسند کرتا ہوں اور میں اس کو واجب نہیں کہتا۔ اور یہی بات امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے میت کو نہلایا میں امید کرتا ہوں کہ اس پر غسل واجب نہیں، اور رہا وضو تو وہ کم سے کم وہ بات ہے جو اس مسئلہ میں کہی گئی ہے، اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: وضو ضروری ہے، اور عبداللہ بن المبارک سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: میت کو نہلانے کی وجہ سے نہ غسل ضروری ہے اور نہ وضو ضروری ہے۔

فائدہ: جمہور جو حدیث باب کو استحباب پر محمول کرتے ہیں ان کا مستدل درج ذیل احادیث ہیں:

پہلی حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ليس عليكم في غسل ميتكم غـ

إذا اغتسلتموه، إنه مسلم مؤمن طاهر، وإن المسلم ليس بنجس فحسبكم أن تغسلوا أيديكم: مردے کونہلانے کی وجہ سے تم پر غسل فرض نہیں۔ وہ مسلمان مؤمن اور پاک ہے اور مسلمان ناپاک نہیں ہوتا، پس ہاتھوں کو دھولینا کافی ہے۔ یہ حدیث بیہقی میں ہے اور حافظ رحمہ اللہ نے التلخیص الحبیر (۱۳۸:۱) میں اس کی تحسین کی ہے۔

دوسری حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ہم میت کو نہلایا کرتے تھے اور ہم میں سے بعض اس کے بعد غسل کرتے تھے اور بعض غسل نہیں کرتے تھے'' حافظ نے التلخیص الحبیر میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

تیسری حدیث: موطا مالک میں ہے کہ اسماء بنت عُمیس (جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں) نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کو نہلایا پھر وہاں جو مہاجرین وانصار موجود تھے ان سے پوچھا کہ سردی شدید ہے اور میں روزے سے ہوں، کیا مجھ پر غسل ضروری ہے۔ سب نے کہا: نہیں (موطا مالک ص: ۲۴۰ غسل المیت)

غرض یہ احادیث صریح ہیں کہ میت کو نہلانے والے پر غسل فرض نہیں، پس باب کی حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث جن میں غاسل کو غسل کرنے کا امر ہے وہ سب استحباب پر محمول ہیں۔

بابُ ماجاءَ مایُستَحَبُّ مِنَ الأَکْفَانِ

مستحب کفن کا بیان

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے کپڑوں میں سے سفید کپڑے پہنو، کیونکہ سفید کپڑا تمہارے کپڑوں میں سب سے بہتر ہے اور اس میں اپنے مردوں کو کفن دو''

تشریح: کفن میں سفید کپڑا یا نیا کپڑا دینا ضروری نہیں، کوئی بھی کپڑا جو پاک صاف ہو اس میں کفن دینا جائز ہے، اور اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو کپڑا زندگی میں پہننا جائز ہے اس میں کفن دینا بھی جائز ہے اور جس کپڑے کو پہننا مکروہ ہے اس میں کفن دینا بھی مکروہ ہے اور جس کپڑے کو پہننا حرام ہے اس میں کفن دینا بھی حرام ہے، جیسے عورت کو ریشمی کپڑے میں کفن دینا جائز ہے، مرد کو حرام ہے۔ اور ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس کپڑے کو پہن کر آدمی نے نمازیں پڑھی ہیں اور عبادتیں کی ہیں ان میں کفن دینا مستحب ہے۔

[۱۷] باب ماجاء مایُستَحَبُّ من الأکفان

[۹۷۸-] حدثنا قُتیبةُ، نا بِشْرُ بنُ المُفَضَّلِ، عن عبدِ اللهِ بنِ عُثْمَانَ بنِ خُثَیْمٍ، عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ، عن ابنِ عبّاسٍ، قَالَ قَالَ رسولُ الله صلى الله علیه وسلم: "اِلْبَسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ البَیَاضَ، فَإِنَّهَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ، وَکَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاکُمْ"

وفي الباب: عن سَمُرَةَ، وابنِ عُمَرَ، وعائشةَ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وهُوَ الَّذِىْ يَسْتَحِبُّهُ أهلُ العلمِ، وقالَ ابنُ الْمُبَارَكِ: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُكَفَّنَ فِيْ ثِيَابِهِ الَّذِىْ كَانَ يُصَلِّىْ فِيْهَا، وقالَ أحمدُ وإسحاقُ: أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَيْنَا أَنْ يُكَفَّنَ فِيْهَا: البَيَاضُ، ويُسْتَحَبُّ حُسْنُ الْكَفَنِ.

ترجمہ: اور سفید کپڑے کو علماء نے پسند کیا ہے اور ابن المبارکؒ فرماتے ہیں: مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ ان کپڑوں میں کفن دیا جائے جن میں وہ نماز پڑھا کرتا تھا اور احمد و اسحاق فرماتے ہیں: ہمیں کفن کے کپڑوں میں زیادہ پسند سفید کپڑا ہے اور اچھا کفن دینا مستحب ہے۔

باب[منه]

کفن کے سلسلہ میں دوسرا باب

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا ذمہ دار بنے تو چاہئے کہ وہ اس کے کفن کو اچھا کرے'' یعنی صاف ستھرے اور پاکیزہ کپڑے میں کفن دے قیمتی کفن دینا مراد نہیں۔

تشریح: کفن میں اعتدال کی راہ اپنانی چاہئے اور افراط و تفریط سے بچنا چاہئے۔ افراط: یہ ہے کہ مسنون تعداد سے زیادہ کپڑوں میں کفن دیا جائے یا کفن میں بیش قیمت کپڑا استعمال کیا جائے، اور تفریط: یہ ہے کہ استطاعت کے باوجود مسنون تعداد سے کم کپڑوں میں کفن دیا جائے یا پھٹے پرانے ردّی کپڑوں میں کفن دیا جائے، اور اعتدال کی راہ یہ ہے کہ مسنون تعداد میں اور درمیانی قیمت کے کپڑے میں کفن دیا جائے۔

[۱۸] باب[منه]

[۹۷۹-] حدثنا محمدُ بْنُ بَشَّارٍ، نا عُمرُ بْنُ يُوْنُسَ، نا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ، عن هِشَامِ بنِ حَسَّانَ، عن محمدِ بنِ سِيْرِيْنَ، عن أَبِىْ قَتَادَةَ، قالَ قالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: '' إِذَا وَلِىَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ''

وفيه: عن جَابِرٍ، قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

وقال ابنُ المباركِ: قالَ سَلَّامُ بنُ مُطِيْعٍ فِيْ قَوْلِهِ: '' وَلْيُحْسِنْ أَحَدُكُمْ كَفَنَ أَخِيْهِ'' قال: هُوَ الصَّفَاءُ، وَلَيْسَ بِالْمُرْتَفِعِ.

ترجمہ: ابن المبارکؒ کہتے ہیں: سلام بن مطیع نے حدیث: ولیحسن أحدکم کفن أخیه کی شرح میں فرمایا: ''کفن صاف ستھرا ہونا چاہئے بیش قیمت ہونا مراد نہیں (سلام بن مطیع: بخاری و مسلم کے راوی ہیں، ثقہ اور صاحب سنت ہیں)

بابُ ماجاءَ فی کَمْ کُفِّنَ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا؟

مرد کا سنت کفن تین کپڑے ہیں: تہبند، کرتا اور لفافہ (بڑی چادر) اور کفنِ کفایت حُلّہ (دو کپڑوں کا جوڑا) ہے یعنی تہبند اور لفافہ۔ اور عورت کے لئے سنت کفن پانچ کپڑے ہیں: تہبند، کرتا، اوڑھنی، سینہ بند اور لفافہ۔ اور کفن کفایت تین کپڑے ہیں۔ اور مرد وعورت دونوں کے لئے کفن ضرورت ایسا ایک کپڑا ہے جس میں ساری میت چھپ جائے، یا پھر جس قدر بھی یا جو چیز بھی میسر ہو، اسی میں کفن دیا جائے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک: تین کپڑے تین لفافے ہیں یعنی میت کے کفن میں قمیص نہیں ہے اور ان کی دلیل باب کی حدیث ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کو تین یمنی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا، ان میں نہ قمیص تھی نہ پگڑی۔

اور حنفیہ کا استدلال ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے جو ابوداؤد (۱: ۴۴۹) میں ہے: کُفِّنَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثلاثۃ أثواب نجرانیۃ، الحلۃ ثوبان، وقمیصہ الذی مات فیہ: آپؐ کی قمیص غسل کے وقت اتاری نہیں گئی تھی اسی کو کفن میں شمار کیا گیا ہے، اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں قمیص معتاد کی نفی ہے، قمیصِ میت کی نفی نہیں ہے، اور قمیص میت میں نہ آستینیں ہوتی ہیں نہ کلیاں، نہ وہ سلی ہوئی ہوتی ہے بلکہ وہ گردن سے پاؤں تک ایک کپڑا ہوتا ہے جس کا ایک حصہ میت کے اوپر ہوتا ہے اور دوسرا نیچے اور کندھے پر سے اس کو سی لیا جاتا ہے اور اوپر کے حصہ میں گریبان چیر دیا جاتا ہے تاکہ اس کو گردن میں پہنایا جاسکے، یا کہا جائے گا کہ قمیص کا انکار حضرت عائشہ کے علم کے اعتبار سے ہے، چونکہ وہ تجہیز وتکفین کے موقع پر موجود نہیں تھیں اس لئے ابن عباس کی روایت کو ترجیح دی جائے گی جس میں قمیص کا اثبات ہے۔

فائدہ: آنحضرت ﷺ کے کفن کے لئے مختلف حضرات نے مختلف کپڑے پیش کئے تھے، اس طرح سات کپڑے اکٹھا ہوگئے تھے، لیکن صحابہ نے ان میں سے تین کپڑوں میں کفن دیا تھا، باقی واپس کردیئے تھے، اور آپؐ کو جن تین کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا وہ تینوں سفید تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: نبی ﷺ کے کفن کے لئے حِبَری (منقش) چادر لائی گئی تھی مگر صحابہ نے اس کو واپس کردیا تھا۔ اس میں آپؐ کو کفن نہیں دیا تھا۔

[۱۹] باب ماجاء فی کم کفن النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟

[۹۸۰-] حدثنا قُتیبۃُ، نا حَفصُ بنُ غِیاثٍ، عن ہِشامِ بنِ عُروَۃَ، عن أبِیہِ، عن عائشۃَ، قالتْ: کُفِّنَ

النبيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيْضٍ يَمَانِيَّةٍ، لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَلاَ عِمَامَةٌ، قال: فَذَكَرُوْا لِعَائِشَةَ قَوْلَهُمْ: فِيْ ثَوْبَيْنِ وَبُرْدٍ حِبَرَةٍ، فَقَالَتْ: قَدْ أُتِيَ بِالْبُرْدِ، وَلٰكِنَّهُمْ رَدُّوْهُ، وَلَمْ يُكَفِّنُوْهُ فِيْهِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۹۸۱-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، نا بِشْرُ بنُ السَّرِيِّ، عن زَائِدَةَ، عن عبدِ اللهِ بنِ محمدِ بنِ عَقِيْلٍ، عن جَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَفَّنَ حَمْزَةَ بْنَ عبدِ الْمُطَّلِبِ فِيْ نَمِرَةٍ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ.

وفي الباب: عن عَلِيٍّ، وابنِ عبّاسٍ، وعبدِ اللهِ بنُ مُغَفَّلٍ، وابنِ عُمَرَ، قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وقَدْ رُوِيَ في كَفَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم رِوَايَاتٌ مُخْتَلِفَةٌ، وحديثُ عائشةَ أَصَحُّ الْأَحَادِيْثِ الَّتِيْ رُوِيَتْ فِيْ كَفَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

والعملُ على هذا عِندَ أَكْثَرِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَقَالَ سُفيانُ الثَّوْرِيُّ: يُكَفَّنُ الرَّجُلُ فِيْ ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ، إِنْ شِئْتَ فِيْ قَمِيْصٍ وَلِفَافَتَيْنِ، وإِنْ شِئْتَ فِيْ ثَلَاثِ لَفَائِفَ، وَيُجْزِئُ ثَوْبٌ وَاحِدٌ إِنْ لَمْ يَجِدُوْا ثَوْبَيْنِ، وَالثَّوْبَانِ يُجْزِيَانِ، والثَّلَاثَةُ لِمَنْ وَجَدُوْا أَحَبُّ إِلَيْهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وأحمدَ، وإسحاقَ، وَقَالُوْا تُكَفَّنُ الْمَرْأَةُ فِيْ خَمْسَةِ أَثْوَابٍ.

ترجمہ اور وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ کو کفن دیا گیا تین یمنی سفید چادروں میں جن میں نہ قمیص تھی اور نہ پگڑی۔ راوی کہتا ہے لوگوں نے حضرت عائشہ سے ان صحابہ کا قول ذکر کیا جو دو کپڑوں میں اور ایک منقش چادر میں کفن دیا جانا بیان کرتے ہیں (ابوداؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ کو دو کپڑوں میں اور حبری چادر میں کفن دیا گیا، جب یہ حدیث حضرت عائشہ کو سنائی گئی تو آپ نے فرمایا: چادر بیشک لائی گئی تھی لیکن صحابہ نے وہ چادر واپس کردی تھی اور اس میں آپ کو کفن نہیں دیا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہیں ہوا اس لئے انھوں نے حبری چادر میں کفن دیئے جانے کی بات کہی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک دھاری دار اونی چادر میں کفن دیا (نَمِرَۃٌ: وہ اونی چادر جس میں سیاہ وسفید دھاریاں ہوں، معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ایک کپڑے میں کفن دینا بھی جائز ہے)

اور نبی ﷺ کے کفن کے سلسلہ میں مختلف روایات مروی ہیں۔ ان میں سب سے اچھی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے، اور اس پر صحابہ اور ان کے علاوہ اکثر علماء کا عمل ہے، اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: آدمی کو تین

کپڑوں میں کفن دیا جائے اور اگر آپ چاہیں تو (کفن دیں) ایک قمیص اور دو چادروں میں اور اگر آپ چاہیں تو تین کپڑوں میں (کفن دیں) اور ایک کپڑا بھی کافی ہے اگر لوگ دو کپڑے نہ پائیں۔ اور دو کپڑے کافی ہیں (یعنی دو کپڑے کفن کفایت ہیں) اور تین کپڑوں میں کفن دینا اس شخص کے لئے جسے کپڑے میسر ہوں علماء کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے اور وہ فرماتے ہیں: عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

بابُ ماجاء فی الطَّعَامِ یُصْنَعُ لِأَهْلِ الْمَیِّتِ

میت کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرنا

حدیث: عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر آئی تو نبی ﷺ نے (ازواج مطہرات سے) فرمایا: ''جعفرؓ کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو اس لئے کہ ان کے یہاں ایسی خبر آئی ہے جس نے ان کو مشغول کر دیا ہے''

تشریح: حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے تھے اس وقت وہ بالکل نوجوان تھے، آنحضرت ﷺ کو ان کی شہادت کی خبر وحی کے ذریعہ معلوم ہوئی تھی، آپؐ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، بچوں کو بلایا اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ حضرت جعفرؓ کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ سمجھ گئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپؐ کیوں روئے؟ کیا جعفر اور ان کے رفقاء کے متعلق آپؐ کو کوئی اطلاع ملی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ وہ آج شہید ہو گئے۔ اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں: یہ بات سنتے ہی میری چیخ نکل گئی اور عورتیں میرے پاس جمع ہو گئیں، اور آنحضرت ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے، اور ازواج مطہرات کو یہ ہدایت دی کہ جعفرؓ کے گھر کھانا پکا کر بھیجو، آج وہ اپنے صدمہ سے نڈھال ہیں، خود آنحضرت ﷺ پر اس صدمہ کا بہت اثر تھا، آپ اس غم میں تین دن تک مسجد میں تشریف فرما رہے (زرقانی بحوالہ سیرۃ المصطفی ۲:۷۴) اس حدیث کی بنا پر مستحب یہ ہے کہ جس گھر میں موت واقع ہو اس کے اقارب یا پڑوسی وہاں اتنا کھانا پکا کر بھیجیں جو ایک رات دن کے لئے کافی ہو تاکہ وہ اپنی مصیبت کے وقت کھانے کی فکر میں مبتلا نہ ہوں۔ اس سلسلہ میں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ کئی کئی گھروں سے کھانا بھیج دیتے ہیں جو زائد از ضرورت ہونے کی وجہ سے اہل میت کے لئے دردسر بن جاتا ہے اس لئے پہلے یہ بات اہل میت کو بتا دینی چاہئے کہ وہ کھانا بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہے تاکہ اگر کوئی دوسرا کھانا بھیجنا چاہے تو اس کو منع کر دیں، اسی طرح بعض جگہ ہفتہ عشرہ تک کھانا بھیجنے کا رواج ہے یہ بھی صحیح نہیں، حدیث سے شبانہ روز ہی کھانا بھیجنے کا ثبوت ہے۔

اور لوگوں میں جو رواج ہے کہ میت کے گھر والے اس موقع پر رشتہ داروں اور تعزیت کے لئے آنے والوں کے لئے کھانے کا انتظام کرتے ہیں یہ طعام المیت ہے جو ممنوع ہے۔ اسی طرح چالیسویں اور بیسویں دن کا کھانا بھی

طعام المیت ہے جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ دعوت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے غم کے موقع پر کوئی دعوت نہیں ہوتی۔ اور جو اقارب دور دراز سے آئے ہوں ان کو خود اپنے کھانے کا انتظام کرنا چاہئے، لیکن اگر مجبوری ہو اور اہل میت کے یہاں جو کھانا آیا ہے اس میں گنجائش ہو تو اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ مزید تفصیل تحفۃ الالمعی (۱:۱۸۷ کتاب الطہارۃ باب ۱) میں دیکھیں۔

[۲۰] باب ماجاء في الطعام يُصْنَعُ لأهل الميت

[۹۸۲-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، وعَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، قالاَ: نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بنِ خَالِدٍ، عن أبيهِ، عن عبدِ اللهِ بنِ جَعْفَرٍ، قالَ: لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ قالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "اصْنَعُوْا لِأَهْلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا، فَإِنَّهُ قَدْ جَاءَ هُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ. وقَدْ كَانَ بَعْضُ أهلِ العلمِ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى أهلِ المَيِّتِ بِشَيءٍ لِشُغْلِهِمْ بِالْمُصِيبَةِ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَجَعْفَرُ بْنُ خَالِدٍ: هُوَ ابنُ سَارَةَ، وَهُوَ ثِقَةٌ، رَوَى عَنْهُ ابنُ جُرَيْجٍ.

ترجمہ: مذکورہ حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور وہ اعلی درجہ کی صحیح حدیث ہے، مصری نسخہ میں صحیح بھی ہے۔ اور بعض علماء اس کو پسند کرتے ہیں کہ میت کے گھر کوئی چیز (کھانا وغیرہ) بھیجی جائے ان کے مصیبت میں مشغول ہونے کی وجہ سے اور یہ شافعی کا قول ہے (یہ اجماعی مسئلہ ہے) اور جعفر بن خالد کے دادا کا نام سارہ ہے اور وہ ثقہ ہیں ان سے ابن جریج نے روایت کی ہے۔

بابُ ماجاءَ في النَّهْيِ عَنْ ضَرْبِ الخُدُوْدِ وَشَقِّ الجُيُوْبِ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ

مصیبت کے وقت رخسار پیٹنا اور گریبان پھاڑنا ممنوع ہے

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص (غم یا موت کے موقع پر) گریبان پھاڑے، اور رخسار پیٹے، اور جاہلی انداز پر پکاریں پکارے وہ ہم میں سے نہیں (یعنی وہ اسلامی تہذیب کے خلاف ہندوانہ تہذیب پر عمل پیرا ہے)

تشریح: غم اور موت کے موقع پر نوحہ ماتم کرنا جائز نہیں، یہ ہندوانہ طریقہ ہے۔ اور حدیث میں جو تین باتیں ذکر کی ہیں وہ عربوں کی عادت کے مطابق ہیں، پس سینہ پیٹنا، دیوار سے سر پھوڑنا، چوڑیاں توڑنا اور سر منڈوانا سب ماتم میں داخل ہیں اور ممنوع ہیں۔

فائدہ: میت پر نوحہ ماتم کرنا تین وجوہ سے ممنوع ہے:

پہلی وجہ: یہ چیزیں غم میں ہیجان پیدا کرتی ہیں۔ اور جس کا کوئی آدمی مرجاتا ہے وہ بمنزلۂ مریض کے ہوتا ہے۔ مریض کا علاج ضروری ہے تاکہ مرض میں تخفیف ہو اس کے مرض میں اضافہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں، اسی طرح مصیبت زدہ کا ذہن کچھ وقت کے بعد حادثہ سے ہٹ جاتا ہے پس بالقصد اس صدمہ میں گھسنا کسی طرح مناسب نہیں، جب لوگ تعزیت کے لئے آئیں گے اور نوحہ ماتم کریں گے تو پسماندگان کو بھی خواہی نخواہی اس میں شریک ہونا پڑے گا اور ان کا صدمہ تازہ ہوگا، پس یہ تعزیت نہ ہوئی تعزیر ہوگئی۔

دوسری وجہ: کبھی بے چینی میں ہیجان قضاء الٰہی پر عدم رضا کا سبب بن جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہنا ضروری ہے، پس جو چیز اس میں خلل انداز ہو وہ ممنوع ہونی ہی چاہئے۔

تیسری وجہ: زمانۂ جاہلیت میں لوگ بہ تکلف (بناوٹی) درد وغم کا اظہار کیا کرتے تھے اور یہ بری اور نقصان رساں عادت ہے اس لئے شریعت نے نوحہ ماتم کو ممنوع قرار دیا۔

[۲۱] باب ماجاء في النهي عن ضرب الخدود، وشق الجيوب عند المصيبة

[۹۸۳-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا يَحيىَ بنُ سَعيدٍ، عن سُفيانَ، قالَ: حَدَّثَنِيْ زُبَيْدٌ الأَيَامِيُّ، عن إبراهيمَ، عن مَسْرُوْقٍ، عن عبدِ اللهِ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قالَ:" لَيْسَ مِنَّا مَنْ شَقَّ الْجُيُوْبَ وضَرَبَ الخُدُوْدَ ودَعَا بِدَعْوَةِ الْجَاهِلِيَّةِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ في كَرَاهِيَةِ النَّوْحِ

نوحہ ماتم کرنا ممنوع ہے

میت پر رونا یعنی آنسو بہانا اور اس پر حزن وملال ہونا ایک فطری امر ہے اس سے بچنا انسان کی استطاعت سے باہر ہے۔ اس لئے اس سے بالکلیہ نہیں روکا گیا اور کیسے روکا جاتا یہ چیز تو رقّت قلبی کا نتیجہ ہے اور رحم دلی امر محمود ہے، عمرانی زندگی میں باہمی الفت ومحبت اس پر موقوف ہے، اور انسان کی سلامتی مزاج کا بھی تقاضا ہے اس لئے میت پر آنسو بہانا جائز ہے مگر اس طرح رونا جو نوحہ کی حد تک پہنچ جائے یعنی زور زور سے رونا اور چیخ وپکار کرنا یا میت کے مبالغہ آمیز فضائل بیان کرنا: ان امور کی بالکل اجازت نہیں۔ آنحضور ﷺ حضرت سعد بن عبادۃ کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور آپؐ ان کا حال دیکھ کر رو پڑے، دوسرے لوگ بھی رونے لگے، آپؐ نے فرمایا: سنو اللہ تعالیٰ آنسو بہانے پر اور دل کے حزن وملال پر سزا نہیں دیتے، بلکہ اس کی وجہ سے سزا دیتے ہیں، اور آپؐ نے اپنی زبان مبارک

کی طرف اشارہ کیا، یا مہربانی فرماتے ہیں، یعنی اگر زبان سے ناشکری، بے صبری اور بے ادبی کے کلمات نکالے تو مستحق عذاب ہوگا اور حمد وترجیع کی تو مستحق ثواب ہوگا (رواہ البخاری، مشکوٰۃ حدیث ۱۷۲۴) پس معمولی رونا جائز ہے اور سخت واویلا کرنا جو نوحہ کی حد تک پہنچ جائے جائز نہیں (نوحہ کے معنی ہیں: میت پر چلا چلا کر رونا)

حدیث (۱): علی بن ربیعہ کہتے ہیں: ایک انصاری کا انتقال ہوا، ان کا نام قُرظہ بن کعب تھا ان کو رویا گیا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ (جو کوفہ کے گورنر تھے) تشریف لائے اور (تقریر کے لئے) ممبر پر چڑھے، اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا: اسلام میں نوحہ کی کیا گنجائش ہے؟! سنو! میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ جس پر رویا گیا اس کو آہ وبکا کرنے کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے۔

تشریح: اگر میت نے رونے کی اور نوحہ ماتم کرنے کی وصیت کی ہے جیسا کہ عربوں میں رواج تھا یا وہ خود زندگی میں نوحہ ماتم کیا کرتا تھا یا اپنے گھر والوں کو رونے پیٹنے سے منع نہیں کیا کرتا تھا تو پسماندگان کے آہ وبکا کرنے سے میت کو عذاب ہوگا، اور اگر یہ باتیں نہ ہوں، نہ اس نے نوحہ ماتم کرنے کی وصیت کی ہے، اور نہ وہ زندگی میں اس کو اچھا سمجھتا تھا، بلکہ منع کرتا تھا، پھر بھی اس پر نوحہ کیا گیا تو میت کو عذاب نہیں ہوگا کیونکہ اب اس کا کوئی قصور نہیں، نوحہ کرنے والے خود ذمہ دار ہیں، تفصیل آئندہ باب میں آرہی ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاہلیت کی چار باتیں میری امت میں ہمیشہ رہیں گی، لوگ ان کو بالکلیہ ترک نہیں کریں گے: ایک: نوحہ کرنا، یعنی میت پر چلا چلا کر رونا۔ دوم: نسب میں طعن کرنا یعنی دوسروں کے نسب میں کیڑے نکالنا (اور مشکوٰۃ میں ہے حَسب (خاندانی خوبیوں) پر فخر کرنا یعنی اپنی بڑائی جتانا) سوم: عدوی: یعنی مرض کے متعدی ہونے کا عقیدہ رکھنا: ایک اونٹ خارش زدہ ہوجاتا ہے تو سو اونٹوں کو خارش زدہ کردیتا ہے، مگر پہلے اونٹ کو خارش زدہ کس نے کیا؟ چہارم: پچھتروں کا عقیدہ یعنی یہ کہنا کہ فلاں پچھتر لگا اس لئے بارش ہوئی۔

تشریح: نبی ﷺ نے فراستِ نبوت سے یہ بات سمجھی کہ لوگ مذکورہ باتوں سے بالکلیہ کنارہ کش نہیں ہونگے، کیونکہ وہ باتیں بشری طبیعت کے حد اعتدال سے نکل جانے کا نتیجہ ہیں۔ اور یہ ایسا ہی تقاضا ہے جیسا شدت شہوت کا تقاضا جس سے شہوت پرست جدا نہیں ہوسکتا، اسی طرح بعض لوگ ڈینگیں مارنے اور لاف زنی کے عادی ہوتے ہیں، وہ اپنی خاندانی خوبیوں پر اتراتے ہیں، اور دوسروں کی خوبیاں ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتیں، وہ لوگوں کے حسب ونسب میں کیڑے نکالتے ہیں، اسی طرح لوگوں میں مُردوں کی الفت ومحبت پائی جاتی ہے جو ان کو نوحہ کرنے پر ابھارتی ہے، اسی طرح رصد بندی یعنی سیاروں کا مشاہدہ کرنے کا سلسلہ بھی ہمیشہ سے جاری ہے، چنانچہ آج بھی دنیا کے سبھی لوگوں میں خواہ عرب ہوں یا عجم یہ سلسلہ جاری ہے، اور عدوی یعنی تعدیۂ مرض کا عقیدہ بھی غلط ہے، مگر لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ سو اونٹوں کے ریوڑ میں کوئی خارش زدہ اونٹ آجاتا ہے تو سب اونٹ خارش

زدہ ہوجاتے ہیں، معلوم ہوا کہ مرض متعدی ہوتا ہے، آپؐ نے فرمایا: اس سے پوچھو: پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی؟ لامحالہ وہ یہی کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو خارش لگائی، پس یہی بات ہر اونٹ کے بارے میں کیوں نہیں کہتے؟!

جاننا چاہئے کہ عرب بعض بیماریوں کو بذاتہ متعدی سمجھتے تھے۔ نبی ﷺ نے اس فاسد عقیدے کو رد کیا ہے، البتہ بعض بیماریوں میں مریض کے ساتھ اختلاط منجملۂ اسباب مرض ہے، اور اسباب اختیار کرنے کی شریعت نے تعلیم دی ہے، پس ایسی بیماریوں میں احتیاطاً مریض سے دور رہنا خود شریعت کا حکم ہے۔ بخاری کی روایت ہے: ''کوڑھی کے پاس سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو'' (مشکوٰۃ حدیث ۴۵۷۷) مگر یہ عقیدہ رکھنا کہ ایسے مریض کے پاس جائیں گے تو ضرور بیماری لگ جائے گی: صحیح نہیں، اور تجربہ کے خلاف ہے۔

فائدہ: مذکورہ حدیث کا منشا یہ ہے کہ ان چار برائیوں کا ازالہ چونکہ مشکل سے ہوتا ہے اس لئے لوگ ان سے پیچھا چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کریں، جیسے کپڑے پر ایسا داغ لگ جائے جس کا ازالہ مشکل ہو تو لوگ مختلف تدبیروں سے وہ داغ چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور داغ نکال کر ہی چین لیتے ہیں، اسی طرح مصلحین امت کو بھی ان خرابیوں کے ازالہ کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئے۔

[۲۲] باب ماجاء فی کراهیة النَّوْح

[۹۸۴-] حدثنا احمدُ بنُ مَنِیعٍ، نا قُرَّانُ بنُ تَمَّامٍ، ومَرْوَانُ بنُ مُعَاوِیَةَ، ویزیدُ بنُ هَارُوْنَ، عن سَعِیْدِ بنِ عُبَیْدٍ الطَّائِیِّ، عن عَلِیِّ بنِ رَبِیْعَةَ الأَسَدِیِّ، قال: مَاتَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ یُقَالُ لَهُ قَرَظَةُ بنُ کَعْبٍ، فَنِیْحَ علیه، فَجَاءَ الْمُغِیْرَةُ بنُ شُعْبَةَ، فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى علیه، وقال: مَابَالُ النَّوْحِ فِی الإِسْلَامِ! أَمَا إِنِّی سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم یَقُوْلُ: "مَنْ نِیْحَ عَلَیْهِ عُذِّبَ بِمَا نِیْحَ عَلَیْهِ"

وفی الباب: عن عُمَرَ، وعَلِیٍّ، وأَبِی مُوسَى، وقَیْسِ بنِ عَاصِمٍ، وأَبِی هُرَیْرَةَ، وجُنَادَةَ بنِ مَالِكٍ، وأَنَسٍ، وأُمِّ عَطِیَّةَ، وسَمُرَةَ، وأَبِی مَالِكٍ الأَشْعَرِیِّ، قال أبو عیسى: حدیثُ المُغِیْرَةِ حدیثٌ غریبٌ حسنٌ صحیحٌ.

[۹۸۵-] حدثنا محمودُ بنُ غَیْلَانَ، نا أَبُوْ داودَ، نا شعبةُ، والمَسْعُوْدِیُّ، عن عَلْقَمَةَ بنِ مَرْثَدٍ، عن أَبِی الرَّبِیْعِ، عن أَبِی هریرةَ، قالَ: قال رسولُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم: " أَرْبَعٌ فِی أُمَّتِی مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ، لَنْ یَدَعَهُنَّ النَّاسُ: النِّیَاحَةُ، والطَّعْنُ فِی الأَحْسَابِ، وَالْعَدْوَى: أَجْرَبَ بَعِیْرٌ فَأَجْرَبَ مِائَةَ بَعِیْرٍ، مَنْ أَجْرَبَ الْبَعِیْرَ الأَوَّلَ؟ والأَنْوَاءُ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ کَذَا وَکَذَا"

قال أبو عیسى: هذا حدیثٌ حسنٌ.

وضاحت: أَجْرَبَ بَعِیْرٌ سے پہلے یقولون مقدر ہے، اور مَنْ أَجْرَبَ سے پہلے قُلْ مقدر ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْبُكَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ

میت پر رونے کی ممانعت

یہ دو باب ہیں ان میں یہ مسئلہ ہے کہ میت پر رونا جائز ہے یا نہیں؟ گذشتہ باب میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کسی کی موت پر رنجیدہ اور غمگین ہونا، آنکھوں سے آنسو نکلنا فطری بات ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ آدمی کے دل میں محبت اور دردمندی کا جذبہ موجود ہے جو امر محمود ہے، اس لئے شریعت نے اس پر پابندی نہیں لگائی، البتہ نوحہ اور ماتم کی ممانعت فرمائی ہے اور وجہ گذشتہ باب میں تفصیل سے گذر چکی ہے۔

حدیث (۱): حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میت کے گھر والوں کے رونے سے میت عذاب میں مبتلا کی جاتی ہے''

تشریح: یہ بات رسول اللہ ﷺ سے حضرت عمرؓ کے علاوہ ان کے صاحب زادے حضرت ابن عمر، حضرت مغیرہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی روایت کرتے ہیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار کرتی ہیں۔ آئندہ باب میں حدیث آرہی ہے: حضرت عائشہؓ کے سامنے جب ابن عمرؓ کی یہ حدیث نقل کی گئی تو انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن کی مغفرت فرمائیں! انھوں نے بالقصد جھوٹ نہیں بولا، بلکہ وہ بھول گئے یا چوک گئے یعنی جس موقع پر وہ حدیث ارشاد فرمائی گئی تھی اس کو بھول گئے یا حدیث سمجھنے میں ان سے غلطی ہوگئی۔ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ایک یہودی بڑھیا کا انتقال ہوا، اس پر ماتم کیا جارہا تھا۔ نبی ﷺ وہاں سے گذرے تو فرمایا: ''یہ بڑھیا کو رو رہے ہیں اور بڑھیا قبر میں سزا پارہی ہے'' یعنی اگر رونا ہی تھا تو کسی اچھے آدمی کو روتے، ایسے کو رو رہے ہیں جو قبر میں عذاب میں مبتلا ہے، حضرت عائشہ کے اس نقد کا حاصل یہ ہے کہ حدیث کا محمل خاص ہے، مسلمانوں کے تعلق سے یہ حدیث نہیں ہے، اور بڑھیا کو قبر میں جو عذاب ہو رہا تھا وہ اس کے اعمال کی وجہ سے ہو رہا تھا، پسماندگان کے ماتم کرنے کی وجہ سے نہیں ہو رہا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں قرآن کریم کی آیت: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ﴾ سے بھی استدلال کیا ہے، اس آیت میں یہ قاعدہ اور یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی کے گناہ کی سزا دوسرے آدمی کو نہیں دی جاتی، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ روئیں گھر والے اور سزا پائے مرنے والا؟! لیکن حضرت عائشہ کا نقد صحیح نہیں، کتاب الطہارۃ باب ۸ میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے متعدد صحابہ پر نقد کیا ہے۔ علامہ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ نے ایک کتاب میں ان کو جمع کیا ہے جس کا نام الإصابة في ما استدركته السيدة عائشة على الصحابة ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ کے بیشتر اعتراضات صحیح نہیں، بلکہ روایتیں صحیح ہیں، البتہ کچھ

اعتراضات صحیح ہیں۔ یہاں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن عمرؓ کی طرف جو وہم کی نسبت کی ہے وہ محل نظر ہے، کیونکہ اس مضمون کی روایات متعدد صحابہ سے مروی ہیں اور سب سے بھول ہوگئی ہو یہ بات بعید از قیاس ہے اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے مگر وہ الگ واقعہ ہے، اور یہ حدیث مسلمانوں کے تعلق سے ہے۔ اور حضرت عائشہؓ نے درایۃً جو اعتراض کیا ہے اس کا جواب ابن المبارکؒ نے دیا ہے کہ جس شخص نے اپنے گھر والوں کی اسلامی تربیت کی ہے اور وہ ان کو نوحہ کرنے سے منع کیا کرتا تھا پھر بھی پسماندگان نے نوحہ کیا تو وہ اس کے ذمہ دار ہونگے، ان کے گناہ کی سزا میت کو نہیں دی جائے گی، اور جس نے نوحہ اور ماتم کرنے کی وصیت کی ہے، جیسا کہ عربوں میں اس کا رواج تھا یا اس کے خاندان اور قبیلہ میں نوحہ کرنے کا رواج تھا اور اس نے گھر والوں کی اسلامی تربیت نہیں کی اور نہ ان کو زندگی میں کبھی اس کام سے روکا، پھر جب وہ مرا تو اس پر نوحہ کیا گیا تو اس میں میت کا قصور ہے وہ اس نوحہ اور ماتم کا سبب ہے، اس لئے میت کو بھی سزا دی جائے گی۔ اور یہ دوسرے کے گناہوں کی گٹھری نہیں ہے بلکہ اپنی ہی گٹھری ہے، کیونکہ وہ نوحہ کرنے کا سبب بنا ہے۔

حدیث (۲): نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو بھی شخص مرتا ہے، پھر اس پر رونے والا کھڑا ہوتا ہے، اور کہتا ہے: واجبلَاهْ (ہائے پہاڑ!) وَاسَيِّدَاهْ (ہائے آقا!) یا اس کے مانند کوئی بات کہتا ہے تو اس پر دو فرشتے مسلط کئے جاتے ہیں جو اس کو مکے مارتے ہیں اور کہتے ہیں: اچھا جناب! آپ ایسے تھے؟

تشریح: اوپر کی حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ پسماندگان کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے، یہی حدیث بخاری میں اس اضافہ کے ساتھ ہے: المیت لَيُعَذَّبُ ببعض بكاءِ أهله عليه: یعنی میت کو پسماندگان کے کچھ رونے سے عذاب دیا جاتا ہے (بخاری حدیث ۱۲۸۷) وہ کچھ رونا یہی ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، جو رونا جائز ہے اس کی وجہ سے عذاب نہیں ہوتا، البتہ وہ رونا جس میں چیخ و پکار کی جائے، میت کے جھوٹے سچے فضائل بیان کئے جائیں اور اس کو آسمان پر چڑھایا جائے تو اس کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ جب نوحہ کرنے والا میت کی کوئی ایسی جھوٹی خوبی بیان کرتا ہے تو فرشتے اس کے سینہ پر مکہ مارتے ہیں اور کہتے ہیں: وابھینساہ! واپہاڑاہ! واالّو کا پٹھاہ! اور یہ مکے ہی وہ عذاب ہیں جو پسماندگان کے رونے سے کھانے پڑتے ہیں، حدیث میں عذاب سے یہی مراد ہیں۔

[۲۳] باب ماجاء في كراهية البكاء على الميت

[۹۸۶-] حدثنا عبدُ اللهِ بنُ أبى زِيَادٍ، نا يَعقوبُ بنُ إبراهيمَ بنِ سَعْدٍ، نا أبى، عن صَالِحِ بنِ كَيْسَانَ، عن الزُّهْرِيِّ، عن سَالِمِ بنِ عَبدِ اللهِ، عن أَبِيْهِ، قالَ: قالَ عُمَرُ بنُ الْخطَّابِ: قالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: " المَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ"

وفي الباب: عن ابنِ عُمَرَ، وعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، قال أبو عيسى: حديثُ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.
وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العِلْمِ الْبُكَاءَ عَلَى الْمَيِّتِ، وَقَالُوْا: الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ، وَذَهَبُوْا إِلَى هذا الحديثِ، وقالَ ابنُ المباركِ: أَرْجُوْ إِنْ كَانَ يَنْهَاهُمْ فِيْ حَيَاتِهِ: أَنْ لَايَكُوْنَ عَلَيْهِ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئٌ.

[۹۸۷-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نا محمدُ بنُ عَمَّارٍ، قالَ: حَدَّثَنِيْ أُسَيْدُ بنُ أَبِيْ أُسَيْدٍ، عن مُوْسَى بنِ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ: أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قال: "مَامِنْ مَيِّتٍ يَمُوْتُ، فَيَقُوْمُ بَاكِيْهِمْ فَيَقُوْلُ: وَاجَبَلَاهُ! واسَيِّدَاهُ! أو نَحْوَ ذٰلِكَ: إِلَّا وُكِّلَ بِهِ مَلَكَانِ يَلْهَزَانِهِ: أَهٰكَذَا كُنْتَ؟!"
قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

ترجمہ: بعض اہل علم نے میت پر آہ وبکا کرنے کو مکروہ کہا ہے، وہ کہتے ہیں: میت پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ اور وہ اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور ابن المبارک فرماتے ہیں: میں امید کرتا ہوں اگر وہ پسماندگان کو اپنی زندگی میں نوحہ کرنے سے روکا کرتا تھا تو اس پر نوحہ کرنے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

بابُ ماجاء في الرُّخصَةِ فِيْ الْبُكَاءِ عَلَى المَيِّتِ

میت پر رونے کی اجازت

یہ اوپر والے باب کا مقابل باب ہے۔ اس باب میں دو حدیثیں ہیں: ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں انھوں نے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث پر نقد کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کو دوسندوں سے ذکر کیا ہے۔ دوسری حدیث اس وقت کی ہے جب آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی تھی۔

حدیث (۱): عمرۃ کہتی ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ابن عمرؓ کا تذکرہ کیا گیا کہ وہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ میت پر زندوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اللہ ابوعبدالرحمٰن کی مغفرت فرمائیں! بیشک انھوں نے (بالقصد) جھوٹ نہیں بولا، البتہ وہ بھول گئے یا چوک گئے یعنی یا تو وہ حدیث کا محل ورود بھول گئے یا اس کے سمجھنے میں ان سے غلطی ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی عورت کے گھر کے پاس سے گذرے جس پر لوگ رو رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: "یہ اس پر رو رہے ہیں اور وہ اپنی قبر میں عذاب دی جارہی ہے" یعنی ان لوگوں کا معذب پر رونا بے عقلی کی بات ہے کسی اچھے شخص کو روتے تو ایک بات بھی تھی (اس حدیث کی وضاحت اور اس کا جواب اوپر آچکا)

حدیث (۲): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "میت پسماندگان کے رونے

سے عذاب میں مبتلا کی جاتی ہے'' راوی کہتا ہے: حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اللہ ابن عمر پر رحم فرمائیں! انھوں نے جھوٹ نہیں بولا، لیکن ان سے غلطی ہوگئی، بیشک رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ایک ایسے شخص کے بارے میں فرمائی تھی جو یہودیت کی حالت میں مرا تھا کہ میت یقیناً عذاب دی جارہی ہے اور پسماندگان اس پر رو رہے ہیں!

فائدہ: جس طرح شک راوی میں دو باتوں میں سے کوئی ایک بات صحیح ہوتی ہے یہاں بھی ایک حدیث میں یہودیہ کا واقعہ ہے اور دوسری میں یہودی کا یہ شک راوی کی طرح ہے، کوئی ایک بات صحیح ہے اور اس سے مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حدیث (۳): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان کو لے کر اپنے صاحبزادے ابراہیم کے پاس گئے (یہ صاحب زادے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، وہ آپؐ کی سُرِّیّہ تھیں۔ سُریہ وہ باندی کہلاتی ہے جس سے اس کا آقا صحبت کرتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ جب غلام باندیوں کا دور تھا تو آقا تمام باندیوں سے صحبت نہیں کرتا تھا جس سے صحبت کرنا چاہتا تھا اسی کو صحبت کے لئے خاص کرتا تھا، اور حضرت ماریہ قبا میں رہتی تھیں آپؐ گاہے ماہے وہاں تشریف لے جاتے تھے) آپؐ نے بچہ کو اس حال میں پایا کہ وہ اپنی جان کی سخاوت کر رہا تھا یعنی جان کنی کا وقت تھا، آپؐ نے بچہ کو گود میں لیا (اور آپؐ کی گود ہی میں بچہ نے دم توڑ دیا) پس آپؐ روئے اور فرمایا: آنکھیں اشکبار ہیں، دل غمگین ہے، مگر ہم زبان سے وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا پروردگار راضی ہے، اور ہم اے ابراہیم! تیری جدائیگی سے مغموم ہیں! پھر آپؐ نے إِنَّا لِلّٰهِ إلخ پڑھا (پھر کسی دوسرے موقع پر عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس مسئلہ کو سمجھنا چاہا انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! فلاں موقع پر آپ روئے تھے، حالانکہ آپؐ نے اس سے منع کیا تھا) آپؐ نے فرمایا: نہیں (یعنی میں نے مطلقاً رونے سے منع نہیں کیا ہے) بلکہ میں نے دو احمقانہ آوازوں سے منع کیا ہے جو گناہ میں مبتلا کرنے والی ہیں، ایک: مصیبت کے وقت چلانا، چہرے کو نوچنا، گریبان پھاڑنا اور شیطان کی طرح آہ و بکا کرنا۔ دوسری: بانسری یعنی گانے کی آواز (امام ترمذی رحمہ اللہ نے دوسری احمقانہ آواز کو جس سے آدمی گنہ گار ہوتا ہے حذف کر دیا ہے۔ حضرت کو حذف کرنے کا اور روایت کو مختصر کرنے کا بڑا شوق ہے حالانکہ جو ٹکڑا حذف کیا ہے اس کو لکھتے تو اتنی جگہ نہ گھیرتا جتنی جگہ وفی الحدیث إلخ نے گھیری ہے، وہ جملہ وصوت المزامیر (بانسری اور گانے کی آواز) ہے۔

[۲۴] باب ماجاء في الرخصة في البكاء على الميت

[۹۸۸-] حدثنا قُتيبةُ، نا مَالِكٌ ح: وثَنَا إسحاقُ بنُ مُوسَى الأَنْصَارِيُّ، نا مَعْنٌ، نا مَالِكٌ، عن عبدِ اللهِ بنِ أبي بَكْرٍ، وهُوَ ابنُ محمدِ بنِ عَمْرِو بنِ حَزْمٍ، عن أَبِيهِ، عن عَمْرَةَ: أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ، وذُكِرَ لَهَا أَنَّ ابنَ عُمَرَ يَقُولُ: إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ، فَقَالَتْ عائشةُ: غَفَرَ اللهُ لِأَبِي

عَبدِ الرحمنِ! أَمَا إِنَّهُ لَمْ يَكْذِبْ، ولٰكِنَّهُ نَسِيَ أَوْ أَخطأَ، إِنَّمَا مَرَّ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى يَهُوْدِيَّةٍ يُبْكَى عَلَيْهَا، فقالَ: " إِنَّهُمْ لَيَبْكُوْنَ عَلَيْهَا، وإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۹۸۹-] حدثنا قُتيبةُ، نا عَبَّادُ بنُ عَبَّادٍ المُهَلَّبِيُّ، عن محمدِ بنِ عَمْرٍو، عن يَحيىَ بنِ عبدِ الرحمنِ، عن ابنِ عُمَرَ: عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ:" المَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ" قالَ: فَقَالَتْ عَائِشَةُ: يَرْحَمُهُ اللّٰهُ! لَمْ يَكْذِبْ، ولٰكِنَّهُ وَهِمَ، إِنَّمَا قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لِرَجُلٍ مَاتَ يَهُوْدِيًّا:" إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ، وَإِنَّ أَهْلَهُ لَيَبْكُوْنَ عَلَيْهِ"

وفي الباب: عن ابنِ عَبَّاسٍ، وقَرَظَةَ بنِ كَعْبٍ، وأبي هريرةَ، وابنِ مَسعُودٍ، وأُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عن عائشةَ. وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أهلِ العلمِ إلى هٰذا، وَتَأَوَّلُوْا هٰذِهِ الآيَةَ: ﴿ وَلَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَى ﴾ وهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

[۹۹۰-] حدثنا عَلِيُّ بنُ خَشْرَمٍ، نا عيسى بنُ يُوْنُسَ، عن ابنِ أَبِيْ لَيْلٰى، عن عَطَاءٍ، عن جَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ، قالَ: أَخَذَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم بِيَدِ عبدِ الرحمنِ بنِ عَوْفٍ، فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى ابْنِهِ إِبْرَاهِيْمَ، فَوَجَدَهُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهِ، فَأَخَذَهُ النبيُّ صلى الله عليه وسلم فَوَضَعَهُ فِيْ حِجْرِهِ فَبَكَى، فقالَ لَهُ عبدُ الرحمنِ: أَتَبْكِيْ، أَوَ لَمْ تَكُنْ نَهَيْتَ عن البُكَاءِ؟ قالَ:"لَا. وَلٰكِنْ نَهَيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ: صَوْتٍ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ: خَمْشِ وُجُوْهٍ، وَشَقِّ جُيُوْبٍ، وَرَنَّةِ شَيْطَانٍ، وفي الحديثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں (یعنی وہ کہتے ہیں کہ پسماندگان کے آہ وبکا کرنے کی وجہ سے میت کو عذاب نہیں ہوتا) اور انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ﴿وَلَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَى﴾ (یہ درایۃ اعتراض ہے، ابن المبارکؒ نے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے، تفصیل اُوپر گذر چکی ہے) اور یہ شافعیؒ کا قول ہے۔

بابُ ماجاءَ في المَشْيِ أَمَامَ الْجَنَازَةِ

جنازہ کے آگے چلنے کا بیان

یہ دو باب ہیں، ان میں یہ مسئلہ ہے کہ جنازہ کے آگے چلنا چاہئے یا پیچھے؟ جاننا چاہئے کہ جنازہ کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں ہر طرف چلنے کی اجازت ہے اور اس پر اجماع ہے، البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک پیچھے چلنا افضل ہے۔

پہلا باب امام ترمذی رحمہ اللہ نے بہت طویل لکھا ہے، مگر اس میں صرف ایک حدیث ہے اور اس میں سے بھی آدھی امام زہری کی مرسل روایت ہے، اور امام زہری کی مرسل روایت بالاجماع ضعیف ہوتی ہے۔

حدیث: ابن شہاب زہری کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے چلا کرتے تھے (یہ جز مرسل ہے) پھر انھوں نے فرمایا: مجھ سے سالم نے بیان کیا کہ ان کے والد ابن عمر بھی جنازہ کے آگے چلتے تھے یہ جزء مسند ہے، مگر حدیث مرفوع نہیں، صحابی کا فعل ہے غرض حدیث کے دو حصے ہیں جو حصہ مرفوع ہے وہ مرسل ہے اور جو حصہ مسند ہے وہ موقوف ہے۔ اور جن ائمہ کے نزدیک جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے ان کی یہی ایک دلیل ہے۔

یہ حدیث پوری مسند بھی مروی ہے مگر اس کی سند صحیح نہیں اور اس پورے باب کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کی وہ سند جس سے پوری حدیث مسند مروی ہے صحیح نہیں، بلکہ اس کا ایک جز مرسل ہے اور ایک جز مسند، اور محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ ابن عیینہ کی غلطی ہے۔

اور اگلا باب جنازہ کے پیچھے چلنے کے سلسلہ میں ہے، اس باب میں بھی امام ترمذیؒ ایک ایسی روایت لائے ہیں جو صحیح نہیں، اس طرح امام ترمذیؒ نے دونوں بابوں میں توازن قائم کیا ہے کہ دونوں فریقوں کی روایتیں ضعیف ہیں اور باب کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی روایت صحیح نہیں۔ یہ دونوں بابوں کا خلاصہ ہے۔

اس کے بعد تین باتیں جاننی چاہئیں:

پہلی بات: اس مسئلہ میں نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، جو لوگ جنازہ کے ساتھ جاتے ہیں وہ کس غرض سے جاتے ہیں؟ احناف کے نزدیک رخصت کرنے کے لئے جاتے ہیں اور رخصت کرنے والا مہمان کے پیچھے چلتا ہے، اس لئے احناف نے دوسرے باب کی حدیث کو ترجیح دی ہے۔ اور شوافع کے نزدیک سفارش کرنے کے لئے جاتے ہیں اور سفارش کرنے والا آگے چلتا ہے اس لئے انھوں نے پہلے باب کی حدیث کو ترجیح دی ہے۔

دوسری بات: امام ترمذی رحمہ اللہ کی یہ بات کہ دونوں بابوں میں کوئی روایت صحیح نہیں محل نظر ہے، آگے دو تین روایتیں آرہی ہیں جو صحیح ہیں، خود امام ترمذیؒ نے ان کو صحیح کہا ہے، وہ امام اعظم کی دلیلیں ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کو وہ روایات اس باب میں لانی چاہئے تھیں مگر نہیں لائے پس ہم کیا کریں؟!

تیسری بات: پہلے باب کی حدیث جس کو امام ترمذیؒ نے لمبی بحث کر کے غیر صحیح قرار دیا ہے ہم اس کو صحیح مان لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے چلتے تھے، کیونکہ وہ تینوں حضرات امیر المؤمنین تھے، وہ اپنے اپنے زمانۂ خلافت میں آگے چلتے تھے، کیونکہ وہ اگر مجمع میں لوگوں کے ساتھ چلیں گے تو مجمع کو چلنے میں تکلف ہوگا، بڑے لوگوں کو یا تو آگے چلنا چاہئے یا پیچھے، تاکہ لوگ بے تکلف جنازہ لے کر چلیں، جیسے کسی جنازہ میں طلبہ اور اساتذہ ہوتے ہیں تو اساتذہ پیچھے چلتے ہیں، کیونکہ وہ اگر طلبہ کے ساتھ چلیں گے تو ان کو تکلف ہوگا اور دلیل حضرات

ثلاثہ کی تخصیص ہے، اگر سبھی لوگ جنازے کے آگے چلتے ہوتے تو راوی ان حضرات کی تخصیص نہ کرتا، معلوم ہوا کہ عام لوگ جنازہ کے پیچھے چلتے تھے اور یہ حضرات مذکورہ مصلحت سے آگے چلتے تھے۔

سوال: ابن عمرؓ جنازہ کے آگے چلتے تھے جبکہ وہ امیر نہیں تھے اور نہ ان کی وجہ سے لوگوں کو تکلف ہوتا تھا؟

جواب: ابن عمرؓ کی شان نرالی تھی وہ ایسی سنتوں کی بھی پیروی کرتے تھے جن کی پیروی مطلوب نہیں۔ حج اور عمرہ کے سفر میں نبی ﷺ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان جہاں جہاں پیشاب فرمایا ہے ابن عمرؓ نے وہ جگہیں یاد رکھی تھیں اور وہ وہاں پیشاب کرنے کی ہیئت بنا کر بیٹھتے تھے، مگر پیشاب نہیں کرتے تھے۔ وہ اسی جذبہ سے جنازہ کے آگے چلتے تھے، پھر یہاں بھی وہی بات ہے کہ اگر سارے مسلمان جنازہ کے آگے چلتے تھے تو راوی نے ابن عمرؓ کی تخصیص کیوں کی، یہ تخصیص دلیل ہے کہ دوسرے مسلمان جنازہ کے پیچھے چلتے تھے۔ علاوہ ازیں آگے چلنا مصلحت کے بھی خلاف ہے، اگر لوگ جنازہ کے آگے چلیں گے تو جن چار کندھوں پر جنازہ ہوگا وہی قبرستان تک جنازہ لے جائیں گے کوئی ان کا تعاون کرنے والا نہ ہوگا، کیونکہ آگے چلنے والا پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا، اور لوگ پیچھے چلیں گے تو ایک دوسرے کا تعاون کریں گے۔

[۲۵] باب ماجاء في المشي أمام الجنازة

[۹۹۱-] حدثنا قُتيبةُ بنُ سَعيدٍ، وأحمدُ بنُ مَنِيعٍ، وإسحاقُ بنُ مَنْصُورٍ، ومحمودُ بنُ غَيْلاَنَ، قَالُوْا: نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن الزُّهرِيِّ، عن سَالِمٍ، عن أَبِيْهِ، قال: رَأَيْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَمْشُوْنَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ.

[۹۹۲-] حدثنا الحَسَنُ بنُ على الخَلاَّلُ، نَا عَمْرُو بنُ عَاصِمٍ، نَا هَمَّامٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، وبَكْرٍ الكُوْفِيِّ، وَزِيَادٍ، وَسُفيانَ: كُلُّهُمْ يَذْكُرُ أَنَّهُ سَمِعَ عن الزُّهْرِيِّ، عن سَالِمِ بنِ عبدِ اللهِ، عن أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَمْشُوْنَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ.

[۹۹۳-] حدثنا عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، نا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، نَامَعْمَرٌ، عن الزُّهْرِيِّ، قَالَ: كَانَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يَمْشُوْنَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ، قَالَ الزُّهْرِيُّ: وأَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يَمْشِيْ أَمَامَ الْجَنَازَةِ.

وفي الباب: عن أنسٍ.

قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عُمَرَ هٰكَذَا رَوَى ابنُ جُرَيْجٍ، وَزِيَادُ بنُ سَعْدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ نَحْوَ حَدِيثِ ابنِ عُيَيْنَةَ، وَرَوَى مَعْمَرٌ، وَيُوْنُسُ بنُ يَزِيْدَ، ومَالِكٌ وغَيرُهُمْ مِنَ الحُفَّاظِ عن الزُّهْرِيِّ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَمْشِيْ أَمَامَ الْجَنَازَةِ، وأَهلُ الحديثِ كُلُّهُمْ يَرَوْنَ أَنَّ الحديثَ الْمُرْسَلَ فِيْ ذٰلِكَ أَصَحُّ.

قال أبو عيسى: وسَمِعتُ يحيى بنَ مُوسَى، يقولُ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّزَّاقِ يَقُوْلُ: قَالَ ابنُ الْمُبَارَكِ: حديثُ الزُّهرِيِّ فِي هٰذَا مُرسَلٌ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابنِ عُيَيْنَةَ، قَالَ ابنُ الْمُبَارَكِ: وأُرَى ابنَ جُرَيْجٍ أَخَذَهُ عن ابنِ عُيَيْنَةَ.

قال أبو عيسى: وَرَوَى هَمَامُ بنُ يَحيىَ هذا الحديثَ عن زِيَادٍ، هُوَ ابنُ سَعْدٍ، ومَنْصُوْرٍ، وبَكْرٍ، وسُفْيَانَ، عن الزُّهرِيِّ، عن سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، وإِنَّمَا هُوَ سُفيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، رَوَى عنهُ هَمَّامٌ.

واخْتَلَفَ أهلُ العلمِ فِي الْمَشْيِ أَمَامَ الْجَنَازَةِ فَرَأَى بَعْضُ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْمَشْيَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ أَفْضَلُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وأحمدَ.

[۹۹۴-] حدثنا محمدُ بنُ الْمُثَنَّى، نا محمدُ بنُ بَكْرٍ، نا يُوْنُسُ بنُ يَزِيْدَ، عن الزُّهرِيِّ، عن أنسِ بنِ مالكٍ قالَ: كَانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَمْشِيْ أَمَامَ الْجَنَازَةِ وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ.

وسَأَلْتُ مُحمداً عن هذا الحديثِ فقالَ: هذا حديثٌ أَخْطَأَ فِيْهِ محمدُ بنُ بَكْرٍ، وإِنَّمَا يُرْوَى هذا الحديثُ عن يُوْنُسَ، عن الزُّهرِيِّ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوْا يَمْشُوْنَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ، قالَ الزُّهرِيُّ: وأَخْبَرَنِيْ سَالِمٌ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يَمْشِي أَمَامَ الْجَنَازَةِ، قالَ محمدٌ: وهذا أَصَحُّ.

وضاحت: باب کی پہلی حدیث (نمبر۹۹۱) سفیان بن عیینہ کی حدیث ہے جو ان سے چار حضرات روایت کرتے ہیں ان کی سند مرفوع متصل ہے یعنی سفیان: زہریؒ سے، وہ سالم سے، وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو اور شیخین کو ابن عمرؓ نے جنازہ سے آگے چلتے ہوئے دیکھا ہے۔

باب کی دوسری حدیث (نمبر۹۹۲) ہمام کی حدیث ہے، وہ چار اساتذہ سے روایت کرتے ہیں، ان میں سفیان بن عیینہ بھی ہیں۔ یہ سب حضرات بھی حدیث نمبر ایک کی طرح سند مرفوع متصل بیان کرتے ہیں اور مضمون واحد ہے (مگر درحقیقت اس حدیث کے راوی ابن عیینہ ہی ہیں، باقی تین کے جو نام بڑھائے ہیں وہ صحیح نہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے)

باب کی تیسری حدیث (نمبر۹۹۳) معمر کی حدیث ہے جس کو وہ امام زہری سے روایت کرتے ہیں جس کا پہلا جز مرسل اور دوسرا جز مسند ہے (یہی حدیث صحیح ہے)

امام ترمذیؒ کہتے ہیں: ابن عمر کی حدیث کو ابن جریج اور زیاد بن سعد وغیرہ بھی ابن عیینہ کی طرح روایت کرتے ہیں، یعنی یہ سب ابن عیینہ کے متابع ہیں، لیکن معمر، یونس اور امام مالک وغیرہ حفاظ امام زہری سے پہلا جز مرسل روایت کرتے ہیں۔ اور تمام محدثین متفق ہیں کہ یہ مرسل روایت ہی اصح ہے۔ اور ابن المبارکؒ فرماتے ہیں: میرا گمان یہ ہے کہ ابن جریج نے یہ حدیث ابن عیینہ سے لی ہے یعنی زہری سے نہیں سنی (ابن المبارک نے مرفوع متصل

حدیث کا ایک راوی کم کردیا)

اس کے بعد امام ترمذیؒ نے مکرر بیان کیا ہے کہ باب کی دوسری حدیث میں ہمام نے سفیان کے علاوہ جو تین نام بڑھائے ہیں وہ صحیح نہیں، یہ حدیث صرف ابن عیینہ کی ہے۔

اور علماء کا جنازہ کے آگے چلنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے، اور یہ امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے۔

اور باب کی چوتھی حدیث (نمبر ۹۹۴) یونس کی اسناد ہے، وہ زہری سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے اس سند کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: یہ سند غلط ہے، یونس کے شاگرد محمد بن بکر سے اس کی سند میں چوک ہوگئی ہے درحقیقت یہ یونس کی زہری سے مرسل روایت ہے، البتہ اس کا دوسرا جزء مسند ہے (جیسا کہ باب کی تیسری حدیث میں گذرا) اور یہی اصح ہے۔

بابُ ماجاءَ فی المَشْیِ خَلْفَ الْجَنازَةِ

جنازہ کے پیچھے چلنے کا بیان

حدیث: ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے نبی ﷺ سے جنازہ کے پیچھے چلنے کے بارے میں پوچھا (یعنی جنازہ کے پیچھے چلنا تو طے ہے لیکن آہستہ چلنا چاہئے یا تیز؟ اس سلسلہ میں پوچھا) آپؐ نے فرمایا: خَبَب (ہلکے دوڑنے) سے کم (تیز) چلنا چاہئے چلنے کا پہلا درجہ مَشْیٌ (چلنا) ہے، پھر ھَرْوَلَۃٌ (تیز چلنا) ہے پھر اسراعٌ (اور تیز چلنا) ہے، پھر خَبَبٌ (ہلکا دوڑنا) ہے، پھر عَدْوٌ (تیز دوڑنا) ہے پس جنازہ کے پیچھے تیز چلنا چاہئے، اور جب لوگ تیز چلیں گے تو جنازہ بھی تیز چلے گا۔ اور جنازہ کو تیز لے چلنے میں مصلحت یہ ہے کہ میت اگر نیک ہے تو وہ جلدی نعمتوں سے ہمکنار ہوجائے گی، اور اگر بد ہے تو جلدی خس کم جہاں پاک! یعنی بری چیز سے جلدی پیچھا چھوٹ جائے گا۔ آگے فرمایا: جنازہ متبوع ہے (جس طرح خادم اور مخدوم مقابل ہیں اسی طرح تابع اور متبوع مقابل ہیں، لوگ تابع ہیں اور جنازہ متبوع) اور جنازہ پیروی نہ کرے یعنی جنازہ پیچھے نہ رہے (یہ الجنازۃ متبوعۃ کی وضاحت ہے) جو شخص جنازہ سے آگے چلا اس کا جنازہ کے ساتھ جانے والوں میں شمار نہیں۔

یہ حدیث ابو ماجد کی وجہ سے ضعیف ہے، یہ راوی مجہول ہے، مگر پہلے یہ قاعدہ بیان کیا جاچکا ہے کہ صحابہ سے روایت کرنے والا تابعین کا پہلا طبقہ: اگر اس کے احوال پردۂ خفا میں رہ جائیں تو اس سے چشم پوشی کی جانی چاہئے، کیونکہ اس وقت راویوں کے احوال کا ریکارڈ تیار کرنے کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا، لہٰذا ابو ماجد کی جہالت مضر نہیں، کیونکہ وہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں اور ابن مسعود کا انتقال بہت جلدی دور عثمانی میں ہوا ہے، پس یہ قدیم راوی

ہے اس لئے اس کی جہالت سے صرف نظر کرنا چاہئے۔

[۲۶] باب ماجاء فی المشی خلف الجنازة

[۹۹۵-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، نَاوَهْبُ بنُ جَرِيْرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عن يَحيىَ إِمَامِ بَنِىْ تَيمِ اللهِ، عن أَبِىْ مَاجِدٍ، عن عبدِ اللهِ بنِ مِسْعُوْدٍ، قالَ سَأَلْنَا رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْمَشْيِ خَلْفَ الْجَنَازَةِ، فقالَ:" مَادُوْنَ الخَبَبِ، فَإِنْ كَانَ خَيرًا عَجَّلْتُمُوْهُ، وإِنْ كَانَ شَرٌّ فَلاَ يُبْعَدُ إِلاَّ أَهلُ النَّارِ، الْجَنَازَةُ مَتبُوْعَةٌ، وَلاَ تَتبَعُ، لَيْسَ مِنهَا مَنْ تَقَدَّمَهَا"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ لاَنَعْرِفُهُ مِنْ حديثِ ابنِ مَسْعُوْدٍ إِلاَّ مِنْ هٰذَا الوَجْهِ، وَسَمِعْتُ محمدَ بنَ إسماعيلَ يُضَعِّفُ حديثَ أَبِىْ مَاجِدٍ هذا، وقالَ محمدٌ: قالَ الحُمَيْدِيُّ: قالَ ابنُ عُيَيْنَةَ: قِيْلَ لِيَحْيىَ: مَنْ أَبُوْ مَاجِدٍ هٰذَا؟ فقالَ: طَائِرٌ طَارَ، فَحَدَّثَنَا.

وقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ إِلىٰ هٰذَا، ورَأَوْا أَنَّ الْمَشْيَ خَلْفَهَا أَفْضَلُ، وبهِ يقولُ الثَّوْرِيُّ وإسحاقُ.

وأَبُوْ مَاجِدٍ: رَجُلٌ مَجْهُوْلٌ، ولَهُ حَدِيْثَانِ عَن ابنِ مَسْعودٍ، ويَحيىَ إِمَامُ بَنِى تَيْمِ اللّٰهِ: ثِقَةٌ، يُكْنَى أَبَا الحَارِثِ، ويُقَالُ لَهُ: يَحيىَ الجَابِرُ، ويُقَالَ لَهُ: يَحيىَ الْمُجْبِرُ أَيْضًا، وَهُوَ كُوْفِيٌّ، رَوَى لَهُ شُعْبَةُ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وأبو الأَحْوَصِ وَسُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ.

ترجمہ: وہ چال جو خبب سے وَرے ہے، پس اگر میت اچھی ہے تو تم اس کو جلدی پہنچادو گے، اور اگر بری ہے تو دوزخی ہی دور کیا جائے گا۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اس حدیث کو ابن مسعود کی حدیث سے ہم نہیں جانتے مگر اسی سند سے، اور میں نے امام بخاریؒ سے سنا وہ ابو ماجد کی اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے، امام بخاری کہتے ہیں: یحیٰ قطان سے پوچھا گیا: ''یہ ابو ماجد کون ہیں؟'' انھوں نے فرمایا: ایک پرندہ تھا جو ہمیں حدیث سنا کر اڑ گیا (اس جملہ میں تقدیم وتاخیر ہے، اصل طائرٌ حدَّثنا فطارَ ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ راوی مجہول ہے) اور صحابہ وغیرہ بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے، اور اس کے قائل ثوری اور اسحاق ہیں، اور ابو ماجد مجہول آدمی ہیں، ان کی ابن مسعودؓ سے صرف دو حدیثیں ہیں اور قبیلہ بنی تیم اللہ کے امام یحیٰ: ثقہ ہیں، ان کی کنیت ابوالحارث ہے ان کو یحیٰ الجابر اور یحیٰ المجبر بھی کہتے ہیں اور وہ کوفہ کے باشندے تھے، ان سے شعبہ، سفیان ثوری، ابوالاحوص اور سفیان بن عیینہ نے روایت کی ہے۔

بابُ ماجاء فی کراھیة الرکوب خلف الجنازة

جنازہ کے پیچھے سوار ہوکر چلنے کی ممانعت

جنازہ کے ساتھ سوار ہوکر جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آمنے سامنے دو باب ہیں، کیونکہ روایات میں گونہ اختلاف ہے۔

حدیث: حضرت ثوبان کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے، آپؐ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو گھوڑوں پر سوار تھے (حدیث میں اگرچہ لفظ فرس نہیں ہے مگر وہ مراد ہے) آپؐ نے ان سے فرمایا: ''آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی، اللہ کے فرشتے پیروں پر چل رہے ہیں اور تم جانوروں کی پیٹھوں پر سوار ہو!''

تشریح: حدیث کا مطلب واضح ہے اور ملائکۃ اللہ سے اگر حقیقی معنی مراد لیں تو حدیث سے ثابت ہوگا کہ جنازہ میں فرشتے بھی شرکت کرتے ہیں اور مجازی معنی مراد لیں تو صحابہ مراد ہونگے، جو جنازہ کے ساتھ چل رہے تھے، کیونکہ جو انسان فرشتہ صفت ہوتا ہے اسے فرشتہ کہہ دیا جاتا ہے مگر یہ احتمال ضعیف ہے، حقیقی معنی مراد لینا ہی بہتر ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں، فرشتے بہت سی جگہوں میں حاضر ہوتے ہیں، نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں، ذکر کی مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں اسی طرح جنازہ میں بھی حاضر ہوتے ہیں۔

[۲۷] باب ماجاء فی کراھیة الرکوب خلف الجنازة

[۹۹۶-] حدثنا عَلِیُّ بنُ حُجْرٍ، نا عیسیٰ بنُ یُوْنُسَ، عن بَکْرِ بنِ أَبِیْ مَرْیَمَ، عن رَاشِدِ بنِ سَعْدٍ، عن ثَوْبَانَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ جَنَازَةٍ فَرَأَی نَاسًا رُکْبَانًا، فقالَ: '' أَلاَ تَسْتَحْیُوْنَ! إِنَّ مَلاَئِکَةَ اللّٰهِ عَلیٰ أَقْدَامِهِمْ، وأَنْتُمْ علی ظُهُوْرِ الدَّوَابِّ!''

وفی الباب: عن المُغِیْرَةِ بنِ شُعْبَةَ، وجَابِرِ بنِ سَمُرَةَ، قالَ أبوعیسیٰ: حدیثُ ثَوْبَانَ قَدْ رُوِیَ عَنْهُ مَوْقُوْفًا.

وضاحت: مذکورہ سند میں بکر بن ابی مریم اور راشد بن سعد دو ضعیف راوی ہیں، اور یہ حدیث موقوف بھی مروی ہے یعنی حضرت ثوبان کا قول مروی ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الرُّخصَةِ فی ذٰلِكَ

جنازے کے ساتھ سوار ہوکر جانے کی اجازت

حدیث (۱): جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم ابن الدحداح کے جنازے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

تھے اور آپؐ اپنے گھوڑے پر سوار تھے، وہ دوڑ رہا تھا اور ہم آپؐ کے ارد گرد تھے، وہ آپؐ کے ساتھ اٹکھیلیاں کر رہا تھا یعنی گھوڑا اچھل کود کر رہا تھا کیونکہ اس کی لگام کھینچ رکھی تھی۔

حدیث (۲): جابر بن سمرۃ کہتے ہیں: نبی ﷺ ابن الدحداح کے جنازے میں پیدل گئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر لوٹے۔

تشریح: بعض روایات میں ابوالدحداح آیا ہے وہ صحیح نہیں، ابوالدحداح نبی ﷺ کے بعد تک حیات رہے ہیں اور پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ جاتے ہوئے سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے، مگر یہ صحیح نہیں، دوسری حدیث میں صراحت ہے کہ واپسی میں کسی نے گھوڑا پیش کیا تھا تو آپ سوار ہو گئے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبرستان سے واپسی کے وقت سوار ہونے میں کوئی حرج نہیں، البتہ قبرستان پیدل جانا چاہئے اگر کوئی عذر ہو مثلاً بوڑھا ہو، یا بیمار ہو تو رکشے وغیرہ میں بیٹھ کر جا سکتا ہے مگر رکشا لوگوں سے پیچھے چلنا چاہئے تاکہ لوگوں کو چلنے میں دشواری نہ ہو۔ اور یورپ میں دس بیس کلو میٹر جنازہ دفن کرنے کے لئے لے جایا جاتا ہے، وہاں جنازہ بھی گاڑی میں جاتا ہے اور لوگ بھی گاڑی میں جاتے ہیں، یہ بھی عذر ہے، وہاں اس کے علاوہ کوئی شکل نہیں۔

[۲۸] باب ماجاء في الرخصة في ذلك

[۹۹۷-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلانَ، نا أبو داودَ، نا شُعْبَةُ، عن سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، قالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بنَ سَمُرَةَ يقولُ: كُنَّا مَعَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فِي جَنَازَةِ ابنِ الدَّحْدَاحِ، وَهُوَ على فَرَسٍ لَه، يَسْعٰى، ونَحْنُ حَوْلَهُ، وَهُوَ يَتَوَقَّصُ بِهِ.

[۹۹۸-] حدثنا عبدُ اللهِ بن الصَّبَّاحِ الهَاشِمِيُّ، نا أبو قتيبة، عن الجَرَّاحِ، عن سِمَاكٍ، عن جَابِرِ بنِ سَمُرَةَ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم اتَّبَعَ جَنَازَةَ ابنِ الدَّحْدَاحِ مَاشِيًا، وَرَجَعَ عَلٰى فَرَسٍ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ في الإِسْرَاعِ بِالْجَنَازَةِ

جنازہ جلدی لے چلنے کا بیان

جنازہ لے کر تیز چلنا چاہئے خراماں نہیں چلنا چاہئے، دوڑنا بھی نہیں چاہئے اس سے جنازہ کی بے وقعتی ہوتی ہے اور آہستہ لے کر چلنا بھی صحیح نہیں۔ اور جنازہ تیز لے چلنے میں حکمت یہ ہے کہ اگر جنازہ نیک آدمی کا ہے تو جلدی اس کو خیر سے ہمکنار کر دیا جائے گا، اور اگر بد ہے تو جلدی بدی سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔

[۲۹] باب ماجاء فی الإسراع بالجنازة

[۹۹۹-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، نا ابنُ عُيَيْنَةَ، عن الزُّهْرِيِّ، سَمِعَ سَعيدَ بنَ المُسَيِّبِ، عن أَبِي هُرَيْرَةَ، يَبْلُغُ بِهِ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، قالَ: " أَسْرِعُوْا بِالْجِنَازَةِ، فَإِنْ تَكُ خَيْرًا تُقَدِّمُوْها إِلَيْهِ، وإِنْ تَكُ شَرًّا تَضَعُوْهُ عَنْ رِقَابِكُمْ"

وفي الباب: عن أبي بَكْرَةَ، قال أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ پہنچتے ہیں حدیث کے ساتھ نبی ﷺ تک، آپؐ نے فرمایا: جنازہ کو لے کر تیز چلو اس لئے کہ اگر جنازہ اچھا ہے تو تم جنازہ کو خیر کی طرف آگے بڑھا رہے ہو اور اگر بد ہے تو تم اس بدی کو اپنے کندھوں سے رکھ رہے ہو۔

بابُ ماجاء فی قَتْلٰی أُحُدٍ، وَذِكْرِ حَمْزَةَ

شہدائے احد کا اور حضرت حمزہؓ کا تذکرہ

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ جنگ احد کے موقعہ پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش پر آئے اور اس کے پاس کھڑے ہوئے، آپؐ نے دیکھا: ان کی نعش بگاڑ دی گئی ہے (یعنی دشمنوں نے ان کے ناک، کان کاٹ دیئے ہیں اور پیٹ پھاڑ کر کلیجہ لے گئے ہیں، آپؐ کو یہ دیکھ کر بہت صدمہ ہوا) آپؐ نے فرمایا: اگر صفیہؓ (حضرت حمزہؓ کی بہن، نبی ﷺ کی پھوپی اور حضرت زبیر کی زوجہ) کے غمگین ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا (وجد فی نفسہ: غمگین ہونا، صدمہ پہنچنا) تو میں حمزہ کی نعش کو ایسے ہی چھوڑ دیتا (دفن نہ کرتا) تاکہ طالب رزق چرند و پرند آکر اس کو کھالیں، تاکہ قیامت کے دن ان کا حشر جانوروں کے پیٹوں سے ہو (اور ان کی مظلومیت خوب ظاہر ہو، لیکن اس سے صفیہؓ کو صدمہ پہنچے گا کہ سب لاشوں کو تو دفن کیا مگر میرے بھائی کو یونہی پڑا رہنے دیا، اس لئے میں اسے بھی دفن کر رہا ہوں) راوی کہتا ہے: پھر آپؐ نے اونی چادر منگوائی اور اس میں ان کو کفن دیا (شہدا کے سامان میں جو چادریں تھیں انہی میں ان کو کفن دیا گیا تھا۔ حضرت حمزہؓ کے سامان میں ایک اونی دھاری دار چادر تھی ان کو اسی میں کفن دیا گیا، اور بعض شہداء کے پاس کچھ بھی نہیں تھا اس لئے ایک ایک چادر میں دو دو، تین تین شہیدوں کو دفن کیا گیا اور حضرت حمزہ کو جس چادر میں کفن دیا گیا تھا وہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ) جب اس کو سر کی طرف کھینچا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں کی طرف کھینچا جاتا تو سر کھل جاتا تھا، راوی کہتا ہے: شہداء زیادہ تھے اور کپڑے کم تھے اس لئے ایک دو اور تین آدمیوں کو ایک کپڑے میں کفن دیا گیا۔ پھر وہ ایک قبر میں دفن کئے گئے (غزوۂ احد میں ستر شہداء تھے اور عرب کی

زمین پتھریلی ہے، سب کے لئے قبریں کھودنا مشکل تھا، پھر سب صحابہ بشمول نبی ﷺ زخمی تھے اس لئے ایک ایک قبر میں دو دو اور تین تین شہداء کو دفن کیا گیا) راوی کہتا ہے: پس رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں پوچھتے تھے کہ ان میں سے قرآن کس کو زیادہ یاد تھا؟ آپ اس کو قبلہ کی طرف آگے رکھتے تھے۔ راوی کہتا ہے: رسول اللہ ﷺ نے ان کو دفن کیا اور ان کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔

تشریح:

۱- اگر کسی مجبوری میں ایک کپڑے میں ایک سے زیادہ لاشوں کو دفن کرنا پڑے تو دو لاشوں کے درمیان فصل کرنا چاہئے، خواہ کپڑے کے ذریعہ فصل کیا جائے یا گھاس پتے یا کاغذ وغیرہ کے ذریعہ۔

۲- جس قبر میں متعدد اموات دفن کرنی ہوں اس کو کھودنے کے دو طریقے ہیں: ایک: شمال جنوب لمبی قبر کھودی جائے اس کو پاٹنا آسان ہوتا ہے، ہندوستان میں جگہ جگہ جو نوگزہ پیر ہیں یعنی لمبی قبریں ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہاں جنگ ہوئی ہے یا کوئی وبا آئی ہے اس لئے ایک قبر میں کئی کئی اموات دفن کی گئی ہیں۔ دیوبند میں بھی ایک لمبی قبر ہے، یہ اس وقت کی ہے جب دیوبند میں طاعون پھیلا تھا، جس سے روزانہ سیکڑوں آدمی مرتے تھے دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر المدرسین حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ بھی اسی وبا میں شہید ہوئے ہیں (مگر آپ کی قبر نانوتہ میں لب سڑک ہے) اس موقع پر شمال جنوب لمبی قبریں کھود کر ایک ایک قبر میں کئی کئی میتیں دفن کی گئی تھیں، یہ ہے نوگزہ پیر کی حقیقت۔ نوگز لمبا کوئی آدمی نہیں ہوتا یہ تصور مہمل ہے۔

اور قبر کھودنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مشرق و مغرب چوڑی قبر کھودی جائے اس کو پاٹنے میں دشواری ہوگی، غزوۂ احد میں چوڑی قبریں کھودی گئی تھیں اس حدیث سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔

۳- امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ نہیں ہے۔ اسے غسل اور نماز کے بغیر دفن کیا جائے گا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ واجب ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے، علماء کہتے ہیں: روایات سے اوفق امام احمد کا مذہب ہے (یہاں یہ مسئلہ ضمناً آیا ہے آگے اس سلسلہ میں مستقل باب آرہا ہے)

فائدہ: شہید کی نماز جنازہ کے بارے میں جو اختلاف ہوا ہے اس پر مجھے بڑی حیرت ہے کیونکہ نبی ﷺ نے انیس جنگیں لڑی ہیں ہر جنگ میں کچھ نہ کچھ شہید ہوتے تھے، آپ ان کی نماز جنازہ پڑھتے تھے یا نہیں؟ یہ بات پردۂ خفا میں کیسے رہ گئی؟ پھر آنحضرت ﷺ کے بعد سو سال تک صحابہ نے جنگیں لڑی ہیں اور ان میں بے شمار مسلمان شہید ہوئے ہیں، پس صحابہ کا طریقہ کیا تھا؟ وہ شہداء کی نماز جنازہ پڑھتے تھے یا نہیں؟ یہ بات تواتر سے منقول ہونی چاہئے تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کچھ مروی نہیں نہ حضور ﷺ کا طریقہ مروی ہے اور نہ صحابہ کا طرز عمل منقول

ہے، صرف غزوۂ احد کے بارے میں روایات ہیں اور وہ بھی مختلف ہیں، بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے شہدائے احد کی نماز جنازہ پڑھی اور حضرت حمزہ کی تو ستر مرتبہ پڑھی، اور اس روایت میں یہ ہے کہ آپؐ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، ایسی صورت میں حنفیہ احتیاط کا پہلو لیتے ہیں اور احتیاط نماز پڑھنے میں ہے، اگرچہ واجب نہ ہو پھر بھی پڑھی جائے تو اس میں شہداء کا مزید اکرام ہے۔ واللہ اعلم

[۳۰] باب ماجاء في قتلىٰ أُحُدٍ، وذكرِ حمزة

[۱۰۰۰-] حدثنا قُتيبةُ، نا أَبُوْ صَفْوَانَ، عن أُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، عن ابنِ شِهَابٍ، عن أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قالَ: أَتَى رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى حَمْزَةَ يَوْمَ أُحُدٍ، فَوَقَفَ عَلَيْهِ، فَرَآهُ قَدْ مُثِّلَ بِهِ، فقالَ: "لَوْلَا أَنْ تَجِدَ صَفِيَّةُ فِيْ نَفْسِهَا لَتَرَكْتُهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ العَافِيَةُ، حتى يُحْشَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ بُطُوْنِهَا" قَالَ: ثُمَّ دَعَا بِنَمِرَةٍ فَكَفَّنَهُ فِيْهَا، فَكَانَتْ إِذَا مُدَّتْ على رَأْسِهِ بَدَتْ رِجْلَاهُ، وإِذَا مُدَّتْ على رِجْلَيْهِ بَدَا رَأْسُهُ، قالَ: فَكَثُرَ الْقَتْلَى وقَلَّتِ الثِّيَابُ، قالَ: فَكُفِّنَ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَالثَّلَاثَةُ فِيْ الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، ثُمَّ يُدْفَنُوْنَ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ، قَالَ: فَجَعَلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَسْأَلُ عَنْهُمْ: أَيُّهُمْ أَكْثَرُ قُرْآنًا؟ فَيُقَدِّمُهُ إِلى القِبْلَةِ، قالَ: فَدَفَنَهُمْ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ.

قال أبو عيسى: حديثُ أَنَسٍ حديثٌ حسنٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ مِنْ حديثِ أَنَسٍ إِلَّا مِنْ هٰذَا الوَجْهِ.

بابٌ آخَرُ

جنازہ میں شرکت کرنا سنت ہے

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ بیمار پرسی کیا کرتے تھے اور جنازہ میں شرکت کیا کرتے تھے (اسی ٹکڑے کی وجہ سے یہ حدیث ابواب الجنائز میں لائے ہیں اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر شخص کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو جنازہ میں شریک ہونا چاہئے) اور گدھے پر سواری کیا کرتے تھے اور غلام کی دعوت قبول کیا کرتے تھے (غلام بے چارہ کیا کھلائے گا؟ مگر آپؐ اس کی بھی دعوت قبول فرماتے تھے) اور بنوقریظہ کی جنگ کے موقعہ پر آپ ایک ایسے گدھے پر سوار تھے، جو کھجور کی چھال کی رسی سے لگام دیا ہوا تھا اور اس پر کھجور کی چھال کا پالان بندھا ہوا تھا ____ لِیف: کھجور کے درخت کی چھال یعنی وہ جھلی جو پتوں کی جڑوں سے علحدہ ہوکر سوکھ کر نیچے گرتی ہے اس کو لمبی کاٹ کر اس سے رسی بٹتے ہیں، یہ حبلِ لیف ہے، اور اسی کو کوٹ کر تکیوں، گدوں اور پالانوں میں بھرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ غزوۂ بنوقریظہ میں کمانڈر انچیف تھے مگر گدھے پر سوار تھے اس کی لگام بھی معمولی تھی اور اس پر

جو پالان تھا وہ بھی معمولی تھا، پالان: زین کی طرح گدھے کی پیٹھ پر باندھا جاتا ہے تاکہ بیٹھنے میں آسانی ہو، اس میں کھجور کی چھال کا برادہ بھرا ہوا تھا، یہ غایت درجہ تواضع ہے۔

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کی زندگی کی پانچ باتیں اکٹھا کر کے اپنے زمانے کے امراء پر نکیر کی ہے، ان امراء کا طریقہ بدل گیا تھا، وہ ٹھاٹھ کی زندگی گذارنے لگے تھے، معمولی زندگی میں اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے، حالانکہ نبی ﷺ بھی امیر المؤمنین اور سربراہِ مملکت تھے، تاہم آپؐ کو بیمار کی عیادت، جنازہ میں شرکت، عام آدمی کی دعوت قبول کرنے میں عار اور ہر قسم کی سواری پر سوار ہونے میں تکلف نہیں تھا پس امراء کو بھی یہ کام کرنے چاہئیں۔ ان کا رتبہ آنحضور ﷺ سے بڑھا ہوا نہیں ہے، پھر ان کو یہ کام کرنے میں عار کیوں آتا ہے؟

[۳۱] بابٌ آخَرُ

[۱۰۰۱-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نا عَلِيُّ بنُ مُسْهِرٍ، عن مُسْلِمٍ الأَعْوَرِ، عن أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قال: كانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَعُوْدُ المَرِيْضَ، ويَشْهَدُ الجَنَازَةَ، ويَرْكَبُ الحِمَارَ، ويُجِيْبُ دَعْوَةَ العَبْدِ، وكَانَ يَوْمَ بَنِيْ قُرَيْظَةَ على حِمَارٍ مَخْطُوْمٍ بِحَبْلٍ مِنْ لِيْفٍ، عَلَيْهِ إِكَافُ لِيْفٍ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ لاَنَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ حديثِ مُسْلِمٍ، عن أَنَسٍ. ومُسْلِمٌ الأَعْوَرُ يُضَعَّفُ، وهُوَ مُسْلِمُ بنُ كَيْسَانَ المُلاَئِيُّ.

وضاحت: اس حدیث کو حضرت انسؓ سے تنہا مسلم الاعور روایت کرتا ہے، یہ راوی ضعیف ہے اور اس کے باپ کا نام کیسان ہے اور نسبت مُلائی ہے، مُلاءَ ۃ کے معنی ہیں: سوتی چادر، یہ اس کی تجارت کرتا ہوگا اس لئے ملائی کہلاتا تھا۔

بابٌ

نبی ﷺ کی گھر میں تدفین آپؐ کی خصوصیت ہے

حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی ﷺ کی وفات ہوگئی تو صحابہ میں آپؐ کی تدفین کے مسئلہ کو لے کر اختلاف ہوا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے کچھ سنا ہے، جس کو میں بھولا نہیں، آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کسی نبی کی روح قبض نہیں کرتے مگر اس جگہ جہاں وہ دفن ہونا پسند کرتا ہے'' پس صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے بستر کی جگہ میں دفن کیا۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد کئی مسئلوں میں اختلاف ہوا تھا اور وہ مختلف طریقوں سے حل کئے گئے تھے، ایک یہ اختلاف ہوا تھا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ بعض نے رائے دی کہ آپؐ کا اصل وطن مکہ ہے، پس

مکہ میں دفن کیا جائے۔ بعض کا خیال تھا کہ نبیوں کی سرزمین بیت المقدس ہے، پس وہاں آپ کو دفن کیا جائے، اسی طرح کسی کی رائے کچھ تھی کسی کی کچھ، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا، وہ امیر المؤمنین تھے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے، اور وہ حدیث مجھے خوب یاد ہے بھولا نہیں ہوں، پھر مذکورہ حدیث سنائی۔ حدیث سامنے آنے کے بعد اختلاف ختم ہو گیا اور آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن کیا گیا اور جس چارپائی پر آپ کی روح قبض ہوئی تھی، ٹھیک اس کے نیچے قبر تیار کی گئی۔

مسئلہ: گھر میں کسی نیک آدمی کی یا عام آدمی کی قبر بنانا جائز نہیں، سب کی تدفین گورغریباں میں ہونی چاہئے، آپ کا ارشاد ہے: صلوا فی بیوتکم ولا تتخذوھا قبوراً: اپنے گھروں میں نماز پڑھو، اور ان کو قبریں مت بناؤ۔ اور رسول اللہ ﷺ کی تدفین جو مکان میں ہوئی ہے وہ آپ کی خصوصیت ہے (دیکھئے کتاب الصلوٰۃ باب ۲۱۶)

اسی طرح اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوا تھا کہ آپ کے کپڑے اتار کر نہلایا جائے یا کپڑوں سمیت نہلایا جائے؟ مشورہ کرتے ہوئے اچانک سب اونگھنے لگے، پھر کسی نے کونے میں سے آواز دی کہ آپ کو کپڑوں سمیت نہلاؤ، یہ سنتے ہی سب کی آنکھ کھل گئی اور اس آواز کو اللہ کی طرف سے رہنمائی سمجھا گیا اور آپ کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔

اسی طرح اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوا تھا کہ آپ کی نماز جنازہ کہاں پڑھی جائے؟ (مصلی الجنائز میں یا کسی اور جگہ؟ مسجد نبوی سے متصل جنازے پڑھنے کی جگہ تھی جس کا نام مصلی الجنائز تھا) یہ مسئلہ بھی صدیق اکبر کے سامنے رکھا گیا، آپؓ نے فرمایا: ھو إمامکم حیاً ومیتاً: آپ ہی امام ہیں حیات میں بھی اور وفات کے بعد بھی، لہٰذا لوگ فرادی فرادی حجرہ میں جائیں اور نماز پڑھیں۔ آنحضور ﷺ کی تدفین میں جو غیر معمولی تاخیر ہوئی ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگوں نے فرادی فرادی نماز پڑھی تھی، سب نے حجرۂ عائشہ میں جا کر نماز پڑھی تھی آپ کا جنازہ باہر نہیں نکالا گیا تھا اور حجرہ چھوٹا تھا اس لئے نماز میں دیر لگی، پس تدفین میں تاخیر ہوئی۔

فائدہ: منطقی قاعدے کلیے ہوتے ہیں اور خطابی قاعدے عمومی ہوتے ہیں، اگر منطقی قاعدے سے ایک جزئیہ بھی خارج ہو جاتا ہے تو اعتراض کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس جزئیہ میں قاعدہ کلیہ کیوں جاری نہیں ہوا؟ اور خطابات (باہمی گفتگو) میں جو قاعدے بیان کئے جاتے ہیں وہ اکثری ہوتے ہیں پس اگر کوئی ایسی مثال ملے کہ ایک جگہ نبی کو دفن ہونا پسند تھا مگر وہاں ان کی وفات نہیں ہوئی، دوسری جگہ ہوئی جیسے یوسف علیہ السلام کو کنعان میں دفن ہونا پسند تھا مگر ان کا انتقال مصر میں ہوا ہے تو اس سے مذکورہ حدیث پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ خطابی ضابطے عمومی ہوتے ہیں کلیے نہیں ہوتے۔

[۳۲] بابٌ

[۱۰۰۲-] حدثنا أبو كُرَيْبٍ، نا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ أَبِي بَكْرٍ، عن ابنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عن عائشةَ، قَالَتْ: لَمَّا قُبِضَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم اخْتَلَفُوْا فِيْ دَفْنِهِ، فقالَ أَبُو بَكْرٍ:

سَمِعْتُ مِنْ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم شيئًا مَا نَسِيْتُهُ، قالَ: "مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلاَّ فى المَوْضِعِ الذى يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيْهِ" فَدَفَنُوْهُ فِي مَوْضِعِ فِرَاشِهِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ، وعبدُ الرحمنِ بنُ أبى بَكْرٍ المُلَيْكِيُّ يُضَعَّفُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ، وقَدْ رُوِيَ هذا الحديثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، رَوَاهُ ابنُ عَبّاسٍ، عن أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث غریب (بمعنی ضعیف) ہے، عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی حافظہ کی جانب سے تضعیف کی گئی ہے۔ اور یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، اس حدیث کو ابن عباسؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

بابٌ آخَرُ

مُردوں کی خوبیاں بیان کرنا اور برائیوں سے کفِ لسان کرنا

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے زبان روکے رہو''

تشریح: یہ حدیث شانِ ورود کے اعتبار سے خاص ہے، مگر علماء نے اس کو عام کیا ہے۔ شانِ ورود یہ ہے کہ میت کی نہلانے والوں کے سامنے کبھی خوبیاں آتی ہیں اور کبھی برائیاں، نہلاتے وقت کبھی جسم سے خوشبو آتی ہے، چہرہ روشن ہوجاتا ہے، تو ان خوبیوں کا تذکرہ کرنا چاہئے، زُرارۃ بن اوفی ایک تابعی ہیں، انھوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک ان کو ان کا آخری انجام معلوم نہیں ہوگا ہنسیں گے نہیں، چنانچہ زندگی بھر وہ نہیں ہنسے، انتقال کے بعد جب جنازہ نہلانے کے لئے لیا گیا تو کھل کھلا کر ہنس پڑے، اور جب تک جنازہ نہلایا جاتا رہا ہنستے رہے، جب میت کو کفن پہنایا تب ہنسا موقوف کیا، پس اگر میت کی ایسی کوئی خوبی سامنے آئے تو اس کا خوب تذکرہ کرنا چاہئے تاکہ لوگوں میں نیک بننے کا جذبہ پیدا ہو، اور کبھی معاملہ برعکس ہوتا ہے، میت کے جسم سے بدبو آتی ہے، چہرہ کالا پڑ جاتا ہے، چہرہ قبلہ سے پھر جاتا ہے یا کوئی اور عیب سامنے آتا ہے تو خاموش رہنا چاہئے، اس کا تذکرہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ گندگی میں ڈھیلا پھینکنے سے کیا فائدہ؟! ——— غرض شانِ ورود کے اعتبار سے حدیث کا مطلب یہی ہے مگر علماء نے اس کو عام کیا ہے وہ کہتے ہیں: جس شخص کا انتقال ہوگیا اس کی صرف خوبیاں بیان کی جائیں اور اس کی برائیوں سے باز رہا جائے اور یہ بات صحیح ہے، کیونکہ اگر وہ بدکار تھا تو اس نے اپنی برائی کا بدلہ پالیا، اب اس کی برائی کرنے سے کیا فائدہ؟! مگر اس صورت میں حدیث میں ایک استثناء ہے اور وہ یہ ہے کہ گمراہوں کی غلطیاں جن سے ملک وملت کو نقصان پہنچ سکتا ہے ان کا تذکرہ کرنا ضروری ہے، جیسے مودودی صاحب کی افکار کی غلطیاں بیان کرنا ضروری ہے، اگر نہیں بیان کریں گے

تو لوگ گمراہ ہونگے، البتہ ان کی ذاتی زندگی میں کوئی خرابی ہو تو اس کو نہ چھیڑا جائے مگر ان کی افکار کی غلطیاں بیان کرنا ضروری ہے۔ خود نبی ﷺ نے بعض گذرے ہوئے لوگوں کی برائیوں کا تذکرہ کیا ہے، وہ شخص جس نے عربوں میں بت پرستی کا رواج ڈالا تھا، آپ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ میں نے اس کو جہنم میں دیکھا ہے، اسی طرح اور بھی لوگوں کی برائیاں حضور ﷺ نے بیان کی ہیں، ابوجہل کو اس امت کا فرعون کہا ہے اور گذشتہ امتوں کے بعض بدکردار لوگوں کا تذکرہ کیا ہے۔

[۳۳] بابٌ آخَرُ

[۱۰۰۳-] حدثنا أبو كُرَيْبٍ، نا مُعَاوِيَةُ بنُ هِشَامٍ، عن عِمرانَ بنِ أَنَسٍ المَكِّيِّ، عن عَطَاءٍ، عن ابنِ عُمَرَ: أَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قالَ: "اذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ، وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ، قالَ: سَمِعتُ محمداً يقولُ: عِمرانُ بنُ أَنَسٍ المَكِّيُّ مُنكَرُ الحديثِ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عن عطاءٍ، عن عائشةَ، وعِمرانُ بنُ أَبِيْ أَنَسٍ مِصْرِيٌّ أَثْبَتُ وَأَقْدَمُ مِنْ عِمْرَانَ بنِ أَنَسٍ المَكِّيِّ.

وضاحت: عمران بن انس جو مکی ہے اور اس حدیث کا راوی ہے وہ پرلے درجہ کا ضعیف راوی ہے، دوسرے عمران بن ابی انس (کنیت کے ساتھ) مصری ہیں، وہ ثقہ ہیں اور زمانہ کے اعتبار سے مقدم ہیں۔

بابُ ماجاءَ في الجُلُوْسِ قَبْلَ أَنْ تُوْضَعَ

جنازہ رکھنے سے پہلے بیٹھنا

تُوضع: کے دو مطلب ہیں، ایک: جنازہ کندھوں سے نیچے رکھنا، دوسرا: جنازہ قبر میں اتارنا۔

مسئلہ: اگر جنازہ کے ساتھ لوگ تھوڑے ہوں تو جب تک جنازہ زمین پر نہ رکھ دیا جائے لوگوں کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے، کیونکہ جنازہ اگرچہ چار آدمی اٹھاتے ہیں، مگر اتارتے وقت اور آدمیوں کی مدد کی ضرورت ہوگی، پس اگر لوگ بیٹھ جائیں گے تو کھڑے ہوتے ہوتے جنازہ گر پڑے گا اس لئے سب لوگوں کو کھڑے رہنا چاہئے اور ضرورت پڑے تو مدد کرنی چاہئے، پھر جب جنازہ زمین پر رکھ دیا جائے تو اب بیٹھنے اور کھڑے رہنے میں اختیار ہے۔ اور اگر جنازہ کے ساتھ بہت آدمی ہوں تو جو جنازہ کے اردگرد ہیں ان کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے باقی لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔

اور جنازہ قبر میں اتارنے سے پہلے بیٹھنا جائز ہے۔ نبی ﷺ اور صحابہ کا پہلے طریقہ یہ تھا کہ جب تک جنازہ قبر میں نہیں اتار دیا جاتا تھا کوئی نہیں بیٹھتا تھا، سب کھڑے رہتے تھے، ایک مرتبہ وہاں سے ایک یہودی عالم گذرا، اس

نے یہ منظر دیکھ کر کہا: ہمارے یہاں بھی یہی طریقہ ہے جب تک میت کو قبر میں نہیں رکھ دیا جاتا کوئی نہیں بیٹھتا، اس دن آپؐ نے لوگوں کو ہدایت دی کہ ان کی مخالفت کرو۔ پس آپؐ کا پہلا طریقہ منسوخ ہوگیا، اب جنازہ قبر میں اتارنے سے پہلے بیٹھنا جائز ہے۔

حدیث: حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ جب جنازہ کے پیچھے جاتے (لفظ اتَّبَعَ میں اشارہ ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے) تو بیٹھتے نہیں تھے، یہاں تک کہ جنازہ قبر میں رکھ دیا جاتا تھا، پس آپؐ کے سامنے ایک بڑا یہودی عالم آیا اور اس نے کہا: اے محمد! ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں، پس نبی ﷺ بیٹھنے لگے اور فرمایا: ''یہود کی مخالفت کرو''

تشریح: اس حدیث میں تین راوی مسلسل ضعیف ہیں، بشر بن رافع، عبداللہ بن سلیمان اور اس کا باپ سلیمان، بلکہ سلیمان تو نہایت نکما راوی ہے، البتہ عبداللہ کے دادا جنادہ تابعی ہیں اور ثقہ ہیں۔

[۳۴] باب ماجاء فی الجلوس قبل أن تُوضع

[۱۰۰۴-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا صَفْوَانُ بنُ عیسیٰ، عَنْ بِشْرِ بنِ رَافِعٍ، عن عبدِ اللهِ بنِ سُلَیْمَانَ بنِ جُنَادَةَ بنِ أَبِیْ أُمَیَّةَ، عن أَبِیْهِ، عَنْ جَدِّهِ، عن عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ، قالَ: کانَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم إِذَا اتَّبَعَ الْجَنَازَةَ لَمْ یَقْعُدْ حَتّٰی تُوْضَعَ فِیْ اللَّحْدِ، فَعَرَضَ لَهُ حِبْرٌ فقالَ: هٰکَذَا نَصْنَعُ یامحمدُ، فَجَلَسَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم، وقَالَ "خَالِفُوْهُمْ"

قال أبو عیسی: هذا حدیثٌ غریبٌ، وبِشْرُ بنُ رَافِعٍ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ فِیْ الحَدِیثِ.

بابُ فَضْلِ الْمُصِیْبَةِ إِذَا احْتُسِبَ

مصیبت پر ثواب کی امید رکھنے کی فضیلت

جب کوئی مصیبت آئے، موت کی تخصیص نہیں، اگر اس پر ثواب کی امید سے صبر کیا جائے تو اس کی کیا فضیلت ہے؟

حدیث: ابوسنان کہتے ہیں: میں نے اپنے بیٹے سنان کو دفن کیا (یعنی اس کو قبر میں اتارنے کے لئے خود قبر میں اترا) اور ابوطلحہ خولانی (تابعی) قبر کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے، جب (میت قبر میں رکھ چکا اور) نکلنے کا ارادہ کیا تو ابو طلحہ خولانی نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا: اے ابوسنان! کیا میں آپ کو خوشخبری نہ سناؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں (ضرور سنایئے) پس ابوطلحہ نے (سند کے ساتھ) یہ حدیث سنائی: مجھ سے ضحاک بن عبدالرحمن بن عرزب نے بیان کیا، وہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی بندے کا بچہ مرتا ہے اور فرشتے

اس کی روح لے کر بارگاہ ایزدی میں پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں: ''تم نے میرے بندے کے بچہ کو وصول کرلیا؟'' وہ کہتے ہیں: ہاں وصول کرلیا، پس اللہ پوچھتے ہیں: ''تم نے اس کے دل کے پھل کو لے لیا؟'' وہ کہتے ہیں: ہاں لے لیا، اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں: (جب تم نے بچہ کو وصول کیا تو اس وقت) میرے بندہ نے کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں: اس نے آپ کی تعریف کی اور إنَّا لِلّٰهِ إلخ پڑھا، پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میرے بندے کے لئے جنت میں ایک مکان بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو''

تشریح: اس حدیث میں خاص یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنی چاہئے پھر ترجیع یعنی إنَّا للّٰهِ إلخ پڑھنا چاہئے، عام طور پر لوگ مصیبت کے وقت إنَّا للّٰهِ إلخ تو پڑھتے ہیں مگر حمد وثنا کرنا بھول جاتے ہیں۔

مصیبت کے وقت ترجیع کی حکمت تو واضح ہے، مگر حمد وثنا کی حکمت سمجھنے کے لئے پیرانِ پیر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ سنیں (شیخ جیلانی کو ہندوستان کے بدعتی غوثِ اعظم کہتے ہیں، پس یاد رکھنا چاہئے کہ غوث (فریاد رس) صرف اللہ تعالیٰ ہیں ان کے علاوہ کوئی غوث نہیں، نہ بڑا نہ چھوٹا) پیرانِ پیر بڑے مالدار تھے، تجارت کرتے تھے، مال ایکسپورٹ امپورٹ ہوتا تھا، ایک مرتبہ تجارتی مال پانی کے راستہ سے کہیں جارہا تھا کہ جہاز ڈوب گیا اور سب مال ہلاک ہوگیا، آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے سر جھکا لیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا: الحمدللہ (اللہ کا شکر ہے) لوگوں کو حیرت ہوئی مگر سب خاموش رہے، پھر ایک عرصہ کے بعد حضرت کو تجارت میں بڑے نفع کی اطلاع دی گئی تو آپ نے سر جھکا لیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور کہا: الحمد للہ! (اللہ کا شکر ہے!) لوگوں نے عرض کیا: حضرت اس موقع پر تو حمد کرنا سمجھ میں آتا ہے مگر فلاں موقع پر جب آپ کو نقصان کی خبر دی گئی تھی اس وقت بھی آپ نے حمد کی تھی اس کی مناسبت سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا: میں نے نہ نقصان پر حمد کی ہے نہ نفع پر۔ بلکہ میں نے دونوں حالتوں میں دل کا جائزہ لیا کہ میرے دل نے اس کا اثر قبول کیا یا نہیں، معلوم ہوا کہ کوئی اثر نہیں پڑا، دل نے نقصان کو بھی اللہ کی طرف سے سمجھا اور نفع کو بھی، اس کیفیت پر میں نے اللہ کی حمد کی۔ پس جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت پہنچتی ہے تو سبھی لوگ حمد کرتے ہیں مگر مصیبت کے وقت حمد کرنا بڑا کمال ہے۔

[۳۵] باب فضل المصيبة إذا احْتُسِبَ

[۱۰۰۵-] حدثنا سُوَيْدُ بنُ نَصْرٍ، نا عبدُ اللهِ بنُ الْمُبَارَكِ، عن حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، عن أَبِيْ سِنَانٍ، قَالَ: دَفَنْتُ ابنِيْ سِنَانًا، وأبو طلحة الخَوْلَانِيُّ جَالِسٌ على شَفِيْرِ القَبْرِ، فَلَمَّا أَرَدْتُ الْخُرُوْجَ أَخَذَ بِيَدِيْ فقالَ: أَلَا أُبَشِّرُكَ يَا أَبَا سِنَانٍ؟ قُلْتُ: بَلَى، قالَ: حَدَّثَنِي الضَّحَّاكُ بنُ عبدِ الرحمنِ بنِ عَرْزَبٍ، عن أبي

مُوسَى الْأشعَرِيِّ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قالَ:" إِذَا مَاتَ وَلَدُ العَبْدِ قالَ اللهُ لِمَلَائِكَتِهِ: قَبَضْتُم وَلَدَ عَبْدِیْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ، فَيَقُوْلُ: قَبَضْتم ثَمَرَةَ فُؤَادِهِ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ، فَيَقُوْلُ: مَاذَا قَالَ عَبْدِیْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: حَمِدَكَ واسْتَرْجَعَ، فَيَقُوْلُ اللهُ: ابْنُوا لِعَبْدِیْ بَيْتًا فِی الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

بابُ ماجاء في التَّكْبِيْرِ عَلَى الْجَنَازَةِ

جنازہ میں کتنی تکبیریں کہی جائیں؟

آنحضرت ﷺ نے جنازہ کی نماز میں پانچ تکبیریں بھی کہی ہیں اور چار بھی، اور صحابہ نے اس سے زیادہ بھی کہی ہیں، مگر آپ کا پہلا عمل پانچ تکبیریں کہنے کا تھا اور آخری عمل چار کا، اس لئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام صحابہ کا اتفاق ہوگیا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی جائیں۔ اور چاروں ائمہ بھی اس پر متفق ہیں کہ جنازہ میں چار تکبیریں کہی جائیں۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے نجاشیؒ کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

تشریح: نجاشی رحمہ اللہ کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا وہ ایمان قبول کر چکے تھے مگر مدینہ میں نہیں آسکے تھے، ان کی خواہش اور تمنا تھی مگر حکومت کی مشغولیت مانع بنی، جیسے مغل بادشاہوں نے بشمول عالمگیر رحمہ اللہ کسی نے حج نہیں کیا کیونکہ اس زمانہ میں سفر حج میں چھ ماہ لگتے تھے۔ اب اگر بادشاہ حکومت کا کام چھوڑ کر اتنے دنوں تک ملک سے غائب رہے گا تو حکومت کا کیا بنے گا؟ اس لئے کسی مغل بادشاہ نے حج نہیں کیا، اس وقت کے علماء نے فتوی دیا تھا کہ حکومت کے عذر کی وجہ سے بادشاہ حج بدل کراسکتا ہے، چنانچہ مغل بادشاہ حج بدل کرایا کرتے تھے۔

اسی طرح نجاشی رحمہ اللہ کی تمنا اور آرزو تھی کہ خدمت اقدس میں حاضر ہوکر شرف باریابی حاصل کریں مگر حکومت کی مشغولیت مانع بنی، جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو خبر دی، آپ صحابہ کو لے کر اس میدان میں جہاں عید پڑھی جاتی تھی تشریف لے گئے، مسجد نبوی کے قریب اگرچہ مصلی الجنائز (جنازہ پڑھنے کی جگہ) تھی مگر آپ شہر سے باہر عیدگاہ تشریف لے گئے، وہاں صحابہ کی صفیں درست کیں اور غائبانہ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی۔

مذاہب فقہاء: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے، ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں، ان کے نزدیک نماز جنازہ کے لئے میت کا سامنے ہونا ضروری ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں بہت سے لوگوں کا مدینہ سے باہر انتقال ہوا مگر آپ نے کسی کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، جنگ موتہ میں جو حضرات شہید ہوئے ان کی شہادت کا

آپ پر بہت اثر تھا مگران کی بھی آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی، اگر غائبانہ نماز جنازہ مشروع ہوتی تو نبی ﷺ ان کی نماز جنازہ ضرور پڑھتے، اور نجاشی رحمہ اللہ کی جو نماز پڑھی ہے وہ یا تو نجاشی رحمہ اللہ کی خصوصیت ہے یا آنحضور ﷺ کی یا دونوں کی، پس اس سے استدلال درست نہیں۔

حدیث (۲): ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جنازہ کی نماز میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے پانچ تکبیریں کہیں، ہم نے ان سے پوچھا تو فرمایا: نبی ﷺ نے پانچ تکبیریں بھی کہی ہیں۔

تشریح: جہراً یا سراً بسم اللہ کے مسئلہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ صغار صحابہ نے بعض وہ حدیثیں جو منسوخ تھیں اور مرور زمانہ کی وجہ سے لوگ ان کو بھولتے جارہے تھے ان پر حفاظت حدیث کی غرض سے عمل شروع کیا، کیونکہ جو چیز کر کے دکھائی جاتی ہے وہ اوقع فی النفس ہوتی ہے۔ حضرت زید نے بھی جنازہ پر پانچ تکبیریں اسی مقصد سے کہی تھیں (مزید تفصیل کے لئے دیکھیں کتاب الصلوۃ باب ۶۷)

[۳۶] باب ماجاء فی التکبیر علی الجنازة

[۱۰۰۶-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، حدَّثَنَا إسماعيلُ بنُ إبراهيمَ، نا مَعْمَرٌ، عن الزُّهْرِيِّ، عن سَعِيدِ بنِ المُسَيِّبِ، عن أبي هريرةَ، أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى عَلَى النَّجَاشِيِّ، فَكَبَّرَ أَرْبَعًا.

وفي الباب: عن ابنِ عباسٍ، وابنِ أَبِي أَوْفَى، وجَابِرٍ، وأنسٍ، ويَزِيْدَ بنِ ثَابِتٍ.

قال أبوعيسى: ويَزِيْدُ بنُ ثَابِتٍ: هُوَ أَخُو زَيْدِ بنِ ثَابِتٍ، وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْهُ، شَهِدَ بَدْرًا، وَزَيْدٌ لَمْ يَشْهَدْ بَدْرًا.

قال أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعَملُ على هذا عِندَ أَكْثَرِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ يَرَوْنَ التَّكْبِيْرَ عَلَى الْجَنَازَةِ أَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ، وَهُوَ قَوْلُ سُفيانَ الثَّوْرِيِّ ومَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وابنِ المُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وأحمدَ وإسحاقَ.

[۱۰۰۷-] حدثنا محمدُ بنُ المُثنَّى، نا محمدُ بنُ جَعْفَرٍ، نا شُعْبَةُ، عَن عَمْرِو بنِ مُرَّةَ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ أَبِي لَيْلَى، قالَ: كانَ زَيْدُ بنُ أَرْقَمَ يُكَبِّرُ عَلَى جَنَائِزِنَا أَرْبَعًا، وإِنَّهُ كَبَّرَ على جَنَازَةٍ خَمْسًا، فَسَأَلْنَاهُ عن ذٰلِكَ، فقالَ: كانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُكَبِّرُهَا.

قال أبو عيسى: حديثُ زَيْدِ بنِ أَرْقَمَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أهلِ العلمِ إِلَى هٰذَا مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: رَأَوْا التَّكْبِيْرَ على الْجَنَازَةِ خَمْسًا، وقَالَ أحمدُ وإسحاقُ: إِذَا كَبَّرَ الإِمَامُ على الْجَنَازَةِ خَمْسًا فَإِنَّهُ يُتَّبَعُ الإِمَامُ.

ترجمہ: باب میں یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بڑے

بھائی ہیں اور بدری صحابی ہیں، اور حضرت زیدؓ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے ——— اس حدیث پر صحابہ اور ان کے علاوہ اکثر علماء کا عمل ہے، وہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں مانتے ہیں ——— صحابہ اور ان کے علاوہ بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں، وہ جنازہ میں پانچ تکبیروں کے قائل ہیں (پہلے صحابہ کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف تھا پھر جب دور فاروقی میں اس سلسلہ میں مشورہ ہوا تو سب صحابہ چار تکبیروں پر متفق ہوگئے) اور امام احمد اور امام اسحاق فرماتے ہیں: اگر امام جنازہ پر پانچ تکبیریں کہے تو امام کی پیروی کی جائے ——— باقی ائمہ کے نزدیک لوگ پانچویں تکبیر میں امام کی پیروی نہیں کریں گے، خاموش کھڑے رہیں گے، جیسے کوئی حنفی، شافعی امام کی اقتداء میں فجر کی نماز ادا کرے تو جب امام دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قنوت پڑھے تو حنفی مقتدی خاموش کھڑا رہے۔ قنوت میں امام کی پیروی نہ کرے، اور شافعی مقتدی کو حنفی امام کے پیچھے قنوت پڑھنا چاہئے، اگرچہ چھوٹے سے چھوٹا قنوت ہو، جیسے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ صرف اتنا پڑھ لینا بھی کافی ہے، اسی طرح امام اگر پانچویں تکبیر کہے تو لوگ خاموش کھڑے رہیں امام کی پیروی نہ کریں۔

بابُ مَایقولُ فی الصَّلاۃِ عَلَی الْمیِّتِ

نمازِ جنازہ کی دعا

نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد حمد وثنا ہے (امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک) یا سورۂ فاتحہ ہے (امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک) اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف ہے۔ یہ دونوں چیزیں دعا کی تمہید ہیں اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا ہے، پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام ہے، اور چونکہ نماز جنازہ خود دعا ہے اس لئے سلام کے بعد دعا نہیں ہے۔

حدیث (۱): ابو ابراہیم الاشہلی کے والد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی جنازہ پڑھتے تو اس طرح دعا کرتے: اے اللہ! ہمارے زندوں کی اور مردوں کی، موجودین کی اور غائبین کی، چھوٹوں کی اور بڑوں کی، مردوں کی اور عورتوں کی مغفرت فرما۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے: "اے اللہ! آپ جس کو ہم میں سے زندہ رکھیں اس کو اسلام پر زندہ رکھیں اور جس کو آپ ہم میں سے وفات دیں اس کو ایمان پر وفات دیں"

تشریح: اس حدیث کی صحیح سند صرف وہی ہے جو باب کے شروع میں ہے یعنی اوزاعی روایت کرتے ہیں یحییٰ بن ابی کثیر سے، وہ ابو ابراہیم الاشہلی سے اور وہ اپنے والد سے، دیگر سندیں صحیح نہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) ہشام دستوائی اور علی بن المبارک روایت کرتے ہیں یحییٰ بن ابی کثیر سے، وہ ابو سلمہ سے، وہ نبی ﷺ سے (یہ سند مرسل ہے)

(۲) عکرمہ بن عمار روایت کرتے ہیں یحییٰ بن ابی کثیر سے، وہ ابوسلمہ سے، وہ حضرت عائشہ سے اور وہ نبی ﷺ سے (یہ سند صحیح نہیں، عکرمہ کبھی یحییٰ کی سندوں میں غلطی کرتے ہیں)

(۳) یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں عبداللہ بن ابی قتادۃ سے، وہ اپنے والد سے، وہ نبی ﷺ سے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلی سند کو یعنی ابوابراہیم الاشہلی کے والد کی حدیث کو اصح قرار دیا ہے، پس دیگر سندیں صحیح نہیں، اور ابوابراہیم کے والد کا نام امام بخاری کو معلوم نہیں تھا۔

حدیث (۲): عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے ایک جنازہ پڑھایا میں نے کان لگا کر سنا تو آپؐ نے یہ دعا پڑھی: ''اے اللہ! اس میت کی مغفرت فرما، اس پر رحم فرما اور اس کو اولوں سے دھوڈال جس طرح کپڑا دھویا جاتا ہے''

تشریح: نماز جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد کوئی بھی دعا پڑھ سکتے ہیں، صرف اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس میں میت کے لئے دعائے مغفرت ہونی چاہئے۔ اور اولوں کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ برف خواہ قدرتی ہو یا کارخانہ کا بنا ہوا میل کچیل اور چکناہٹ کو دور کرتا ہے، اور مذکورہ دعا یہاں مختصر ہے پوری دعا مشکوٰۃ (حدیث ۱۶۵۵) میں ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اُس حدیث کو باب کی صحیح ترین روایت قرار دیا ہے۔

[۳۷] باب مايقول في الصلاة على الميت؟

[۱۰۰۸-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، حدثنا هِقْلُ بنُ زِيَادٍ، نا الْأَوْزَاعِيُّ، عن يَحيى بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، قال: حدثني أبو إبراهيمَ الْأَشْهَلِيُّ، عن أَبِيْهِ، قالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا صَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ، قَالَ: "اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا، وشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا، وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا، وذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا" قالَ يَحيىَ: وحدَّثَنِي أَبُوْ سَلَمَةَ بنُ عبدِ الرحمنِ، عن أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَ ذٰلِكَ، وَزَادَ فِيْهِ: "اللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الإِسْلَامِ، ومَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فتَوَفَّهُ على الإِيْمَانِ"

وفي الباب: عن عبدِ الرحمنِ بنِ عوفٍ، وعائشةَ، وأبي قَتَادَةَ، وجابرٍ، وعَوْفِ بنِ مَالِكٍ.

قال أبو عيسى: حديثُ وَالِدِ أَبِيْ إبراهيمَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَرَوَى هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ، وعَلِيُّ بنُ الْمُبَارَكِ هذا الحديثَ عن يَحيى بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عن أَبِيْ سَلَمَةَ بنِ عبدِ الرحمنِ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم مُرْسَلًا، وَرَوَى عِكْرِمَةُ بنُ عَمَّارٍ، عن يَحيىَ بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عن أبي سَلَمَةَ، عن عائشةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وحديثُ عِكْرِمَةَ بنِ عَمَّارٍ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ، وعِكْرِمَةُ رُبَّمَا يَهِمُ في حديثِ يحيىَ، ورُوِيَ عن يَحيىَ بنِ أبي كَثِيْرٍ، عن عبدِ اللهِ بنِ أَبِيْ قَتَادَةَ، عن أَبِيْهِ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

قال أبو عيسى: وسَمِعْتُ محمداً يقولُ: أَصَحُّ الرِّوَايَاتِ في هذا حديثُ يَحيىَ بنِ أبي كَثِيْرٍ، عن أبي إبراهيمَ الأَشْهَلِيِّ، عن أَبِيْهِ، قالَ: وَسَأَلْتُهُ عن اسمِ أَبِيْ إِبْراهيمَ الأشْهَلِيِّ، فَلَمْ يَعْرِفْهُ.

[۱۰۰۹-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نَا عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نا مُعَاوِيَةُ بنُ صَالِحٍ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ جُبَيْرِ بنِ نُفَيْرٍ، عن أَبِيْهِ، عن عَوْفِ بنِ مالكٍ، قالَ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي على مَيِّتٍ فَفَهِمْتُ مِنْ صَلاَتِهِ عَلَيْهِ: "اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، وارْحَمْهُ، واغْسِلْهُ بِالْبَرَدِ كَمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقالَ محمدُ بنُ إسماعيلَ: أَصَحُّ شَيْءٍ في هذا الباب هذا الحديثُ.

بابُ ماجاء في القِرَاءَةِ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا بیان

مذاہب فقہاء: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک سنت نہیں، البتہ ان کے نزدیک ثنا کی نیت سے فاتحہ پڑھنا جائز ہے۔ اور اس سلسلہ میں صرف ایک روایت ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی اور اس میں سورۂ فاتحہ پڑھی، نماز کے بعد لوگوں نے سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا: یہ سنت ہے۔ مگر غور طلب بات یہ ہے کہ اگر یہ سنت ہے تو سب مسلمان اس سنت پر عمل پیرا کیوں نہیں؟ ابن عباسؓ سے اس سلسلہ میں سوال کرنا دلیل ہے کہ اس وقت مسلمان نماز جنازہ میں فاتحہ نہیں پڑھتے تھے، اس لئے جب ایک صحابی کا نیا عمل سامنے آیا تو لوگوں نے سوال کیا، اور ابن عباسؓ نے جو اس کو سنت کہا ہے تو وہ آپؓ کا اجتہاد تھا اور سنت بمعنی جائز ہے۔ صحابہ کبھی اپنے مجتہدات کے لئے بھی لفظ سنت استعمال کرتے تھے، خود امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کے احوال کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کبھی صحابہ اپنے مجتہدات کے لئے بھی لفظ سنت استعمال کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کا یہ قول علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے العرف الشذی میں اسی باب میں ذکر کیا ہے، پس لفظ سنت سے ایسا سمجھنا کہ نبی ﷺ نے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھی ہے: صحیح نہیں، ہاں صحابہ نے بیان جواز کے لئے پڑھی ہے۔

فائدہ: یہ حدیث مرفوع بھی مروی ہے یعنی ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنازہ کی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھی، مگر وہ صحیح نہیں، حقیقت میں یہ ابن عباسؓ کا عمل ہے، انھوں نے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھی تھی، اور مرفوع حدیث کی سند میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان ضعیف راوی ہے، یہ راوی مصنف ابن ابی شیبہ کے مصنف کا دادا ہے اور تراویح

کے مسئلہ میں ابن عباسؓ سے جو روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بیس رکعت تراویح پڑھی تھی وہ روایت اسی راوی کی ہے۔

[۳۸] باب ماجاء فی القراءۃ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب

[۱۰۱۰-]حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا زَيْدُ بنُ حُبَابٍ، نا إبراهيمُ بنُ عُثْمَانَ، عنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عن ابنِ عبّاسٍ أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَرأَ على الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

وفى الباب: عن أُمِّ شَرِيْكٍ، قالَ أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبّاسٍ حديثٌ لَيسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ القَوِيِّ، إبراهيمُ بنُ عُثْمَانَ: هُوَ أَبُوْ شَيْبَةَ الوَاسِطِيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ، وَالصَّحِيْحُ عن ابنِ عباسٍ قَوْلُهُ: مِنَ السُّنَّةِ القِرَاءَ ةُ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

[۱۰۱۱-]حدثنا محمدُ بنُ بَشّارٍ، نا عبدُ الرحمنِ بن مَهْدِيٍّ، نا سُفيانُ، عن سَعْدِ بنِ إبراهيمَ، عن طَلْحَةَ بنِ عبدِ اللهِ بنِ عَوْفٍ، أنَّ ابنَ عَبّاسٍ صَلَّى على الجَنَازَةِ فَقَرأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، فَقُلْتُ لَهُ؟ فَقَالَ: إِنَّهُ مِنَ السُّنَّةِ أَوْ: مِنْ تَمَامِ السُّنَّةِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ على هذا عندَ بَعْضِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ يَخْتَارُوْنَ أَنْ يَقْرأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ بَعْدَ التَّكْبِيْرَةِ الْأُوْلٰى، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافعيِّ، وأحمدَ وإسحاقَ.

وقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: لاَيَقْرأُ فى الصَّلاَةِ على الْجَنَازَةِ، إِنَّمَا هُوَ الثَّنَاءُ على اللهِ، والصَّلاَةُ على نَبِيِّهِ صلى الله عليه وسلم، والدُّعَاءُ لِلْمَيِّتِ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ.

ترجمہ: اس پر صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم کا عمل ہے، وہ پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں: جنازہ کی نماز میں قرآن نہ پڑھے، وہ صرف اللہ کی حمد، نبی ﷺ پر درود اور میت کے لئے دعا ہے۔

بابٌ كَيْفُ الصَّلاَةُ عَلَى الْمَيِّتِ، وَالشَّفَاعَةُ لَهُ؟

نمازِ جنازہ کس طرح پڑھی جائے اور میت کے لئے شفاعت کس طرح کی جائے؟

حدیث: مرثد بن عبداللہ کہتے ہیں: حضرت مالک بن ہبیرۃ رضی اللہ عنہ جب کسی جنازہ کی نماز پڑھاتے اور جنازہ پر لوگوں کو کم دیکھتے تو لوگوں کو تین صفوں میں بانٹ دیتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس میت کی نماز جنازہ تین صفیں پڑھیں اس کے لئے جنت واجب (ثابت) ہوگئی''

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس میت کی نماز جنازہ بڑی جماعت پڑھے اس کی مغفرت ہوجائے

گی، اور بڑی جماعت سے مراد مصلی الجنائز کی تین صفیں ہیں، جن میں تقریباً سو آدمی آتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان کا انتقال ہو جائے اور اس کی نماز جنازہ مسلمانوں کی بڑی جماعت پڑھے جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور وہ سب اس کے لئے سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرماتے ہیں'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑی جماعت سے مراد سو آدمی ہیں۔ مگر مالک بن ہُبیرہؓ لوگوں کی کمی کی صورت میں حیلہ کرتے تھے اور لوگوں کو تین صفوں میں کھڑا کرتے تھے، کیونکہ رحمتِ حق بہانہ می جوید، بہانمی جوید!

اور تین صفیں بنانے کے لئے امام کے ساتھ سات آدمی ضروری ہیں، دو آدمیوں سے کم کی صف نہیں ہوسکتی، اور مالک بن ہبیرۃ جو حیلہ کرتے تھے وہ حدیث کی تاویل بعید ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ نصوص کی تاویل بعید غیر معتبر ہے، البتہ اگر وہ تاویل بعید کسی فقیہ صحابی سے مروی ہو تو وہ معتبر ہے، مالک بن ہبیرہ صحابی ہیں، پس یہ تاویل معتبر ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تین صفوں کا نماز جنازہ پڑھنا فعلی شفاعت ہے۔ شفاعتیں دو ہیں: قولی اور فعلی: قولی شفاعت یہ ہے کہ آدمی زبان سے میت کے لئے مغفرت کی دعا کرے اور تین صفیں بنا کر نماز جنازہ پڑھنا فعلی شفاعت ہے، پس امام ترمذیؒ کے باب کا مطلب یہ ہے کہ میت کی نماز جنازہ پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟ اور اس کے لئے شفاعت کس طرح کرنی چاہئے؟ پھر یہ روایت لا کر بتایا کہ یہ فعلی شفاعت بھی اختیار کرنی چاہئے، اور نمازی کم ہوں تو بھی تین صفیں بنانی چاہئیں۔

فائدہ: بعض علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ نماز جنازہ میں صفیں طاق ہونی چاہئیں اور وہ اس کا بڑا اہتمام کرتے ہیں[1] حالانکہ تین صفوں کے بعد طاق اور جفت سے کوئی فرق نہیں پڑتا، دیوبند میں اس کا کوئی اہتمام نہیں کرتا اور لفظ ثلاثۃ کا یہ مطلب سمجھنا کہ جنازہ میں صفیں طاق ہوں یہ بات صحیح نہیں، خواہ صفوں کی جو بھی تعداد ہو نماز درست ہے۔

[۳۹] باب کیف الصلاةُ علی المیت، والشفاعةُ له؟

[۱۰۱۲-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نا عبدُ اللهِ بنُ الْمُبَارَكِ، ويُوْنُسُ بنُ بُكَيْرٍ، عن محمدِ بنِ إسحاق، عن يَزِيْدَ بنِ أَبِي حَبِيْبٍ، عن مَرْثَدِ بنِ عبدِ اللهِ الْيَزَنِيِّ، قال: كَانَ مَالِكُ بنُ هُبَيْرَةَ إِذَا صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فَتَقَالَّ النَّاسَ عَلَيْهَا، جَزَّأَهُمْ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ، ثُمَّ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ صَلَّى عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوْفٍ فَقَدْ أَوْجَبَ"

(۱) تعلیم الاسلام (۶۲:۴) میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''اگر آدمی زیادہ ہوں تو تین یا پانچ یا سات صفیں بنانا بہتر ہے'' کیونکہ حدیث ہے: إن الله وتر، يحب الوتر: اللہ تعالیٰ یگانہ ہیں، وہ طاق کو پسند کرتے ہیں، یہ ایک عام ادب ہے، جنازہ کی صفوف میں بھی اس کا لحاظ رہنا چاہئے، مگر اس کا واجب کی طرح اہتمام درست نہیں ۱۲

وفي الباب: عن عائشةَ، وأُمِّ حَبِيبَةَ، وأبِيْ هُريرةَ، ومَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قال أبو عيسى: حديثُ مَالِكِ بنِ هُبَيْرَةَ حديثٌ حسنٌ، هٰكَذَا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عن محمدِ بنِ إسحاق، وَرَوَى إبراهيمُ بنُ سَعْدٍ، عن محمدِ بنِ إسحاق هذا الحديثَ، وأَدْخَلَ بَيْنَ مَرْثَدٍ وَمَالِكِ بنِ هُبَيْرَةَ رَجُلًا، وَرِوَايَةُ هٰؤُلاءِ أَصَحُّ عِنْدَنَا.

[۱۰۱۳-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، نا عبدُ الوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، عن أَيُّوْبَ ح: وثنا أحمدُ بنُ مَنِيْعٍ، وعَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، قالَا: نا إِسْمَاعِيلُ بنُ إبراهيمَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عن أَبِيْ قِلَابَةَ، عن عبدِ اللهِ بنِ يَزِيْدَ - رَضِيْعٍ كَانَ لِعَائِشَةَ - عن عَائِشَةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ: " لَايَمُوْتُ أَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، يَبْلُغُوْا أَنْ يَكُوْنُوْا مِائَةً، فَيَشْفَعُوْا لَهُ إِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ" وقَالَ عَلِيٌّ فِيْ حدِيْثِهِ: " مِائَةً فَمَا فَوْقَهَا"

قال أبو عيسى: حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ أَوْقَفَهُ بَعْضُهُمْ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

وضاحت: مالک بن ہبیرۃ کی حدیث کو ابراہیم بن سعد نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے، اور وہ مرثد اور حضرت مالک کے درمیان واسطہ بڑھاتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں۔ مرثد براہ راست حضرت مالکؓ سے روایت کرتے ہیں ـــــ حضرت عائشہؓ سے ان کی حدیث کو عبداللہ بن یزید روایت کرتے ہیں، یہ حضرت عائشہؓ کے رضاعی بھائی ہیں اور بعض حضرات نے اس حدیث کو موقوف روایت کیا ہے اور وہ حدیث سنن سعید بن منصور میں ہے، مگر حدیث کو مرفوع کرنا زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔

بابُ ماجاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّلاَةِ عَلَى الْجَنَازَةِ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوْبِهَا

طلوع وغروب کے وقت نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے

تین اوقات میں یعنی طلوع، استواء اور غروب کے وقت ہر نماز مکروہ ہے حتی کہ سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ بھی مکروہ ہے، البتہ اگر ان اوقات ہی میں جنازہ آجائے یا آیت سجدہ تلاوت کرے تو ان اوقات میں نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور سجدۂ تلاوت بھی کرسکتے ہیں، لیکن اگر پہلے سے جنازہ آیا ہوا ہو یا دوسرے وقت میں آیت سجدہ تلاوت کی ہو تو اوقات ثلاثہ میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور سجدۂ تلاوت بھی۔

حدیث: عقبۃ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں نبی ﷺ نے تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا (نمازِ جنازہ کے علاوہ نمازیں بھی مراد ہیں) اور ان تین اوقات میں ہمیں ہمارے مردے دفن کرنے سے بھی حضور ﷺ نے منع کیا: جس وقت سورج طلوع ہونا شروع ہوتا آنکہ وہ بلند ہوجائے (بازغۃ: صفت کاشفہ ہے اور سورج

پورے چار منٹ میں نکلتا ہے مگر جب تک سورج لال تھالی ہو: وہ وقت طلوع کے ساتھ ملحق ہے، پس مکروہ وقت تقریباً دس منٹ ہے) اور جس وقت سورج ٹھہرے ٹھہرنے والی دوپہر میں تا آنکہ وہ (مغرب کی طرف) مائل ہو یعنی زوال ہو جائے (قائم الظهيرة: درحقیقت مرکب توصیفی ہے، عبارت کو سبک کرنے کے لئے مرکب اضافی بنایا گیا ہے، پس تقدیرِ عبارت ہے: ظهيرة قائمة (ٹھہرنے والی دوپہر) ہے، اور یہ بات عرب میں ہوتی ہے وہاں جب دوپہر ہوتی ہے تو لوگ گھروں میں بند ہو جاتے ہیں، سڑکیں سنسان ہو جاتی ہیں، حتی کہ ہوائیں بھی بند ہو جاتی ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے ہر چیز ٹھہر گئی ہے) اور جس وقت سورج غروب ہونے کے لئے مائل ہوتا آنکہ وہ غروب ہو جائے (غروب شروع ہونے سے پہلے جب سورج لال تھالی ہو جائے وہ وقت غروب کے ساتھ ملحق ہے مائل ہونے کا یہی مطلب ہے)

تشریح: نهي أن نقبر فيهن موتانا کا کیا مطلب ہے؟ احناف کے نزدیک اس سے نمازِ جنازہ پڑھنا مراد ہے یعنی ان تین اوقات میں نمازِ جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے، میت کو ان اوقات میں دفن کرنا جائز ہے۔ امام احمد کی بھی یہی رائے ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں میت کو دفن کرنا مکروہ ہے، نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے، پس یہ نص فہمی کا اختلاف ہے۔

فائدہ: فجر کی نماز کے بعد طلوع سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد سورج پیلا پڑنے سے پہلے نمازِ جنازہ بلا کراہیت جائز ہے، اس میں لوگوں کو غلط فہمی ہے۔ تعلیم الاسلام (حصہ چہارم ص: ۳۸) میں ہے: (۱) صبح صادق ہونے کے بعد۔ فجر کی دو رکعت سنتوں کے علاوہ۔ فرضوں سے پہلے نفل نماز مکروہ ہے (۲) فرضوں کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے نفل نماز مکروہ ہے (۳) عصر کے فرضوں کے بعد آفتاب متغیر ہونے سے پہلے نفل نماز مکروہ ہے۔ لیکن ان تینوں وقتوں میں فرض نماز کی قضا اور واجب نماز کی قضا اور نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت بلا کراہیت جائز ہے۔ بڑے بڑے لوگ بھی یہ مسئلہ نہیں جانتے، وہ ان اوقات میں بھی جنازہ نہیں پڑھتے، یہ غلط فہمی ہے۔

[۴۰] باب ماجاء في كراهية الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس وعند غروبها

[۱۰۱۴-] حدثنا هَنَّادٌ، نا وَكِيعٌ، عن مُوسَى بنِ عُلَيِّ بنِ رَبَاحٍ، عن أَبِيهِ، عن عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ الجُهَنِيِّ، قالَ: ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كانَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِنَّ أَوْ: نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا: حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتَّى تَرْتَفِعَ، وحِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ حَتَّى تَمِيلَ، وَحِينَ تَضَيَّفُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ على هذا عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ يَكْرَهُوْنَ الصَّلَاةَ عَلَى الْجَنَازَةِ فِي هٰذِهِ السَّاعَاتِ.

وقالَ ابنُ المبارك: مَعْنَى هذا الحديثِ: " أَوْ أَنْ نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا" يَعْنِي الصَّلَاةَ على الْجَنَازَةِ، وكَرِهَ الصَّلَاةَ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وعِنْدَ غُرُوْبِهَا وإِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ حَتَّى تَزُوْلَ الشَّمْسُ، وَهُوَ قَوْلُ أحمدَ وإسحاق.

وقالَ الشَّافِعِيُّ: لَابَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ على الْجَنَازَةِ فِي السَّاعَاتِ التي يُكْرَهُ فِيهِنَّ الصَّلَاةُ.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ اہل علم کا عمل ہے، وہ ان اوقات میں جنازہ پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں، اور ابن المبارکؒ نے فرمایا: حدیث: ''ہم ان اوقات ثلاثہ میں اپنے مردوں کو دفن نہ کریں'' کا مطلب یہ ہے کہ ہم جنازہ کی نماز نہ پڑھیں، اور طلوع اور غروب کے وقت اور جب نصف النہار ہو یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے جنازہ کی نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور یہ احمد اور اسحاق کا قول ہے، اور امام شافعی فرماتے ہیں: ان اوقات میں جن میں نمازیں مکروہ ہیں جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں (ان کے نزدیک ان اوقات میں تدفین مکروہ ہے)

بابُ فی الصَّلاَةِ عَلَى الأَطْفَالِ

بچے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے اگر تخلیق مکمل ہوگئی ہو

امام احمدؒ کے نزدیک ہر اس بچہ کی نمازِ جنازہ ہے جس کی تخلیق مکمل ہو چکی ہے، خواہ وہ بچہ زندہ پیدا ہوا ہو یا مرا ہوا پیدا ہوا ہو، اور تخلیق مکمل ہونے کی علامت یہ ہے کہ جنین کے سر پر بال نکل آئے ہوں۔ اور اگر بچہ ادھورا پیدا ہوا ہو، اس کی تخلیق مکمل نہیں ہوئی تو اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے، اور دیگر فقہاء کے نزدیک اگر بچہ زندہ پیدا ہوا ہو، پھر مر گیا ہو تو اس کی نمازِ جنازہ ہے، اور اگر بچہ مرا ہوا پیدا ہوا ہو تو اس کو دھو کر کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے، اس کی نمازِ جنازہ نہیں ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: سوار جنازہ کے پیچھے چلے اور جنازہ کے ساتھ پیدل جانے والا جہاں چاہے چلے (جنازہ کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں ہر طرف چل سکتا ہے، یہ جواز کا بیان ہے) اور بچہ کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر بچہ کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی خواہ زندہ پیدا ہوا ہو یا مردہ، اس لئے کہ حدیث عام ہے اس میں نمازِ جنازہ پڑھنے کے لئے بچہ کے زندہ پیدا ہونے کی قید نہیں ہے، مگر حدیث میں تخلیق مکمل ہونے کا تذکرہ بھی نہیں ہے، پس یہ قید کہاں سے بڑھائیں گے؟

سوال: بچہ گناہوں سے پاک ہوتا ہے اس کی نمازِ جنازہ کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: نمازِ جنازہ کا مقصد صرف استغفار نہیں ہے، یہ تو ضمنی مقصد ہے، اصل مقصد میت کی تعظیم ہے، چنانچہ انبیاء کی بھی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے حالانکہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔

[٤١] بابٌ في الصلاة على الأطفال

[١٠١٥-] حدثنا بِشْرُ بنُ آدمَ بنِ بِنْتِ أَزْهَرَ السَّمَّانِ، نا إسماعيلُ بنُ سَعيدِ بنِ عُبيدِ الله، نا أَبِي، عن زِيَادِ بنِ جُبَيْرِ بنِ حَيَّةَ، عن أبيه، عن المُغِيرَةِ بنِ شُعْبَةَ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قالَ: "الرَّاكِبُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ، والمَاشِي حَيْثُ شاءَ مِنهَا، والطِّفْلُ يُصَلَّى عَلَيْهِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، ورَوَى إسرائيلُ وغَيْرُ وَاحِدٍ عن سَعِيدِ بنِ عُبَيْدِ الله.

والعملُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ قَالُوْا: يُصَلَّى عَلَى الطِّفْلِ وإِنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ، بَعْدَ أَنْ يُعْلَمَ أَنَّهُ خُلِقَ، وَهُوَ قَوْلُ أحمدَ وإسحاقَ.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: بچہ کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے اگر چہ وہ نہ چلائے (یعنی اس کی حیات متحقق نہ ہو) اس کے بعد کہ اس کی تخلیق کا مکمل ہونا معلوم ہو جائے اور یہ احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

بابُ ماجاءَ فِيْ تَرْكِ الصَّلاَةِ عَلَى الطِّفْلِ حَتَّى يَسْتَهِلَّ

بچے کی نمازِ جنازہ اس وقت پڑھی جائے گی جب وہ زندہ پیدا ہو

اگر نومولود بچہ چلائے یعنی اس کی حیات متحقق ہو جائے، پھر مر جائے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، اور اگر زندگی کے آثار ظاہر نہ ہوں، بلکہ مرا ہوا پیدا ہوا ہو تو اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، یہ جمہور کی رائے ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی رائے گذشتہ باب میں آگئی۔

جاننا چاہئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اوپر جو حدیث گذری ہے وہ اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، مگر وہ صریح نہیں، اس لئے جمہور نے اس ضعیف روایت کے ذریعہ اس صحیح روایت کی تفسیر کی ہے، جیسے حج کی فرضیت کے لئے استطاعت کا شرط ہونا قرآن سے ثابت ہے: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ اور زاد و راحلہ شرط ہونے کی سب روایات ضعیف ہیں، ان سے زاد و راحلہ کا شرط ہونا ثابت نہیں ہو سکتا، مگر ان ضعیف روایتوں سے آیت کی تفسیر ہو سکتی ہے، چنانچہ جمہور نے ان روایتوں سے آیت کی تفسیر کی ہے اور زاد و راحلہ کو شرط قرار دیا ہے، اسی طرح یہ حدیث بھی ضعیف ہے، دلیل نہیں بن سکتی، مگر اس کے ذریعہ صحیح حدیث کی تفسیر کی جا سکتی ہے، چنانچہ جمہور نے تفسیر کی اور فرمایا: گذشتہ حدیث میں جو الطفل آیا ہے اس سے مراد وہ بچہ ہے جو زندہ پیدا ہوا ہو، اگر زندگی کے آثار محسوس نہ

ہوں تو اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: بچہ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، نہ وہ دوسرے کا وارث ہوگا نہ دوسرا اس کا وارث ہوگا، یہاں تک کہ چلائے۔

تشریح: اس حدیث میں جو دو مسئلے اور ہیں، ان میں امام احمد رحمہ اللہ جمہور کے ساتھ ہیں، وہ بھی کہتے ہیں کہ جب نومولود میں حیات کے آثار ظاہر ہوں تب وہ دوسرے کا وارث ہوگا، اور اس کی میراث اس کے ورثاء کو ملے گی۔ اور اگر حیات کے آثار محسوس نہ ہوں تو وہ وارث ہوگا نہ مورث۔ اور امام احمدؒ ان دونوں مسئلوں میں حتی یستهل کی قید کا لحاظ اس لئے کرتے ہیں کہ کوئی معارض روایت نہیں ہے اور پہلے مسئلہ میں معارض روایت موجود ہے اور وہ حسنؒ صحیحؒ ہے اور یہ روایت ضعیف ہے، اس لئے انھوں نے پہلے مسئلہ میں اوپر والی حدیث کو لیا اس میں حتی یستهل کی قید نہیں ہے اور باقی دو مسئلوں میں اس روایت کو لیا معلوم ہوا کہ اگر باب میں صحیح روایت موجود نہ ہو تو فقہاء ضعیف روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

نوٹ: یہ حدیث اسماعیل بن مسلم کی وجہ سے ضعیف ہے اور یہ مرفوع ہے یا موقوف؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔

[٤٢] باب ماجاء في ترك الصلاة على الطفل حتى يَسْتَهِلَّ

[١٠١٦-] حدثنا أبو عَمَّارٍ الحُسَيْنُ بنُ حُرَيْثٍ، نا محمدُ بنُ يَزِيْدَ، عن إسماعيلَ بنِ مُسْلِمٍ، عن أَبِي الزُّبَيْرِ، عن جَابِرٍ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ: " الطِّفْلُ لاَيُصَلَّى عَلَيْهِ، وَلاَيَرِثُ، وَلاَيُوْرَثُ حَتَّى يَسْتَهِلَّ "

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ قد اضْطَرَبَ النَّاسُ فِيْهِ، فَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عن أَبِى الزُّبَيْرِ عن جَابِرٍ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم مَرْفُوْعًا، وَرَوَى أَشْعَثُ بنُ سَوَّارٍ وغَيْرُ وَاحِدٍ عن أَبِى الزُّبَيْرِ عن جَابِرٍ مَوْقُوفًا، وكَأَنَّ هٰذا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيْثِ الْمَرْفُوْعِ.

وقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أهلِ العلمِ إلى هٰذَا، وَقَالُوْا: لاَيُصَلَّى على الطِّفْلِ حَتَّى يَسْتَهِلَّ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اس حدیث میں رواۃ نے اختلاف کیا ہے، بعض اس کو ابوالزبیر سے مرفوع روایت کرتے ہیں، اور اشعث بن سوار وغیرہ نے ابوالزبیر سے موقوف روایت کیا ہے اور گویا یہ (موقوف حدیث) مرفوع حدیث سے اصح ہے، اور بعض علماء اس کی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں: بچہ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی یہاں تک کہ وہ چلائے (یعنی اس پر حیات کے آثار ظاہر ہوں) اور یہ ثوری اور شافعی کا قول ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الصَّلاۃِ عَلَی الْمَیِّتِ فِیْ الْمَسْجِدِ

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا بیان

مذاہبِ فقہاء: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک مسجد الجماعۃ میں جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے، اگرچہ ان کے نزدیک بھی اولیٰ یہ ہے کہ جنازہ مسجد سے الگ کسی جگہ پڑھا جائے لیکن اگر مسجد میں پڑھا گیا تو بلا کراہیت درست ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مسجد الجماعۃ میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، پھر ایک قول کراہیت تنزیہی کا ہے اور دوسرا قول کراہیت تحریمی کا اور صحیح یہ ہے کہ یہ اساءۃ کا درجہ ہے، یعنی مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا برا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اگر جنازہ مسجد سے باہر ہو اور نمازی مسجد میں ہوں یا جنازہ اور نمازی سب مسجد میں ہوں یا جنازہ اور بعض نمازی باہر ہوں اور بعض نمازی مسجد میں ہوں: سب صورتوں کا ایک ہی حکم ہے اور اعذار کی صورت میں مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے، مثلاً بارش ہو رہی ہو یا کرفیو لگا ہوا ہو اور باہر جمع ہونے کی اجازت نہ ہو تو مسجد میں جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ اسی طرح حرمین شریفین میں بھی عذر ہے وہاں لاکھوں نمازی ہوتے ہیں اگر دوسری جگہ جنازہ پڑھا جائے گا تو لوگوں کے لئے حرم میں فرض پڑھ کر جنازہ پڑھنے کے لئے دوسری جگہ جانا مشکل ہوگا، اس لئے حرمین میں جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔

مستدلاتِ فقہاء:

۱- مسلم شریف میں روایت ہے: جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور فاتح عراق ہیں) کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے درخواست کی کہ ان کا جنازہ مسجد نبوی میں پڑھا جائے، وہ بھی جنازہ پڑھنا چاہتی ہیں، مگر صحابہ حضرت سعدؓ کا جنازہ مسجد میں نہیں لائے اور حضرت عائشہؓ جنازہ نہیں پڑھ سکیں، اس موقع پر حضرت عائشہ نے فرمایا: لوگ کتنی جلدی بھول گئے نبی ﷺ نے بیضاء کے لڑکے سہیلؓ کا جنازہ مسجد میں پڑھا ہے (مسلم مصری ۷: ۳۸) صحابہ کا جنازہ کو مسجد میں نہ لانا دلیل ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ جائز نہیں، اور سہیل کا جنازہ کسی عذر یا خصوصیت کی بناء پر مسجد میں پڑھا گیا ہوگا۔

۲- نبی ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی سے متصل مصلی الجنائز بنا ہوا تھا، جنازے وہاں پڑھے جاتے تھے، مسجد میں جنازے نہیں پڑھے جاتے تھے، یہ بات حاشیہ میں قاضی عیاض مالکی اور امام احمد کے حوالہ سے لکھی ہے، نیز حضرت عائشہؓ کی درخواست کا صاف مطلب یہ ہے کہ جنازے مسجد میں نہیں پڑھے جاتے تھے کسی اور جگہ پڑھے جاتے تھے۔

۳- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: من صَلّٰی علی جنازۃ فی المسجد

فلا شيئ له: جس نے مسجد میں جنازہ پڑھا اس کے لئے کوئی ثواب نہیں (ابوداؤد۲: ۴۵۴) اور ایک روایت میں ہے: فلاشیئ علیه یعنی مسجد میں جنازہ پڑھنے میں کوئی گناہ نہیں۔

چھوٹے دواماموں نے مسلم شریف کی روایت کو یعنی سہیل کے جنازہ کے واقعہ کو اور فلا شیئ علیه کے اضافہ کو لے کر یہ طے کیا کہ مسجد الجماعۃ میں جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور بڑے دوامام پہلی بات تو یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اور صحابہ کے زمانہ میں مسجد نبوی کے اندر جنازے نہیں پڑھے جاتے تھے، جنازے پڑھنے کے لئے الگ سے جگہ تھی اگر مسجد کے اندر جنازہ پڑھنا جائز ہوتا تو مصلی الجنائز الگ سے بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور ابوداؤد کی حدیث میں اصل الفاظ فلا شیئ له ہیں، بڑے دواماموں نے انہی الفاظ کو اصل قرار دیا ہے اور حضرت سہیل والے واقعہ کا یہ جواب دیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے کسی عذر سے مسجد میں جنازہ پڑھا ہوگا، مثلاً یہ عذر کہ آپؐ اعتکاف میں ہوں گے اور معتکف جنازہ پڑھنے کے لئے مسجد سے نہیں نکل سکتا، اور نبی ﷺ کے جنازہ پڑھنے سے قبر میں روشنی ہوتی ہے، اس لئے آپؐ نے مسجد میں جنازہ منگوا کر پڑھا ہوگا، جیسے آپؐ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا: یہ بر بنائے عذر تھا۔ عذر کیا تھا؟ یہ معلوم نہیں، اور اگر بیانِ جواز کے لئے آپؐ نے ایسا کیا تھا تو بیان جواز خود مستقل عذر ہے، اسی طرح یہاں بھی بر بنائے عذر مسجد کے اندر جنازہ پڑھا گیا ہے اور عذر کیا تھا؟ یہ معلوم نہیں، اور اگر آپؐ نے بیان جواز کے لئے ایسا عمل کیا ہے تو بیانِ جواز خود عذر ہے، علاوہ ازیں جنازہ مسجد میں لانے میں مسجد کی تلویث کا اندیشہ ہے، اس لئے بھی جنازے مسجد سے باہر پڑھنے چاہئیں۔

[۴۳] باب ماجاء في الصلاة على الميت في المسجد

[۱۰۱۷-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نا عبدُ العَزِيزِ بنُ مُحمدٍ، عن عَبْدِ الْوَاحِدِ بنِ حَمْزَةَ، عن عَبَّادِ بنِ عَبْدِ اللهِ بنِ الزُّبَيْرِ، عن عائشةَ، قَالَتْ: صَلَّى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى سُهَيْلِ بنِ الْبَيْضَاءِ فِي الْمَسْجِدِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ، والعملُ على هذا عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ، قَالَ الشَّافِعِيُّ: قَالَ مَالِكٌ: لَايُصَلَّى عَلَى الْمَيِّتِ فِي الْمَسْجِدِ، وقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُصَلَّى عَلَى الْمَيِّتِ فِي الْمَسْجِدِ، واحْتَجَّ بِهٰذَا الحديثِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے لڑکے سہیل کا جنازہ مسجد میں پڑھا ـــــ اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: امام مالکؒ نے فرمایا: مسجد میں میت کی نماز نہیں پڑھی جائے گی اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں: مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

بابُ ماجاءَ أَيْنَ يَقُوْمُ الإِمَامُ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ؟

مردوزن کا جنازہ پڑھاتے وقت امام کہاں کھڑا ہو؟

مذاہبِ فقہاء: مالکیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے امام میت کے سر کے مقابل کھڑا ہو، خواہ جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا، اور حنفیہ کے نزدیک سینہ کے مقابل کھڑا ہو، اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگر مرد کا جنازہ ہے تو سر کے مقابل اور عورت کا جنازہ ہے تو نصف بدن کے مقابل کھڑا ہو، جاننا چاہئے کہ احناف کے نزدیک عورت کے جنازہ میں سینہ کے مقابل کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے جب جنازہ اچھی طرح ڈھکا ہوا ہو، ورنہ امام کو نصف بدن کے مقابل کھڑا ہونا چاہئے تاکہ پردہ ہوجائے۔

حدیث: ابوغالب کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک شخص کا جنازہ پڑھا (یہ ابن عمرؓ کا جنازہ تھا) آپ میت کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے، پھر لوگ ایک قریشی عورت کا جنازہ لائے اور عرض کیا: اے ابوحمزہ! اس کی بھی نمازِ جنازہ پڑھائیے۔ حضرت انسؓ اس کی چارپائی کے بیچ (یعنی میت کے نصف بدن کے مقابل) کھڑے ہوئے، علاء بن زیاد نے ان سے پوچھا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو عورت کے جنازے پر جہاں آپ کھڑے ہوئے، وہاں اور مرد کے جنازے پر جہاں آپ کھڑے ہوئے وہاں کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھاتے دیکھا ہے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: ہاں، پھر جب لوگ تدفین سے فارغ ہوئے اور لوٹنے کا وقت آیا تو آپؓ نے لوگوں سے کہا: میرے اس عمل کو یاد رکھنا۔

تشریح: یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کا مستدل ہے مگر اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مرد کے سر اور عورت کے کمر کے مقابل کھڑا ہونا سنت ہے تو سبھی مسلمانوں کو اس کا علم ہونا چاہئے تھا، یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، پھر علاء نے سوال کیوں کیا؟ اور حضرت انسؓ نے لوگوں کو ان کا عمل یاد رکھنے کی ہدایت کیوں دی؟ معلوم ہوا کہ یہ معمول نہیں تھا اور آنحضور ﷺ جو عورت کی کمر کے مقابل کھڑے ہوتے تھے، وہ پردہ کے مقصد سے کھڑے ہوتے تھے، پس اگر عورت کا جنازہ کھلا ہوا ہو تو امام کو کمر کے مقابل کھڑا ہونا چاہئے تاکہ پردہ ہوجائے۔ اور اگر عورت کے جنازہ پر نعش ہے اور میت چھپی ہوئی ہے تو عورت اور مرد دونوں کے جنازوں میں امام سینہ کے مقابل کھڑا ہو، کیونکہ دل محلِ ایمان ہے اور نمازِ جنازہ ایمان کی وجہ سے شفاعت ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکلا کہ اگر متعدد جنازے جمع ہوں تو افضل یہ ہے کہ ہر جنازہ علحدہ پڑھا جائے۔ حضرت انسؓ نے دونوں جنازے الگ الگ پڑھائے تھے، فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے، درمختار میں ہے: وإذا اجتمعت الجنائز فإفراد الصلاة علی کل واحدة أولی من الجمع (شامی ۱: ۶۴۸) لوگوں میں اس

مسئلہ میں بھی غلط فہمی پائی جاتی ہے، لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ سب جنازے ایک ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے، حالانکہ یہ صرف جائز ہے، بہتر الگ الگ نماز پڑھنا ہے۔

[٤٤] باب ماجاء أين يقوم الإمام من الرجل والمرأة؟

[١٠١٨-] حدثنا عبدُ اللهِ بنُ مُنِيْرٍ، عن سَعيدِ بنِ عَامِرٍ، عن هَمَّامٍ، عن أَبِيْ غَالِبٍ، قالَ: صَلَّيْتُ مَعَ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ عَلَى جَنَازَةِ رَجُلٍ، فَقَامَ حِيَالَ رَأْسِهِ، ثُمَّ جَاءُوْا بِجَنَازَةِ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَقَالُوْا: يَاأَبَا حَمْزَةَ! صَلِّ عَلَيْهَا، فَقَامَ حِيَالَ وَسْطِ السَّرِيْرِ، فقالَ لَهُ العَلاَءُ بنُ زِيَادٍ: هٰكَذَا رَأَيْتَ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم: قَامَ على الْجَنَازَةِ مَقَامَكَ مِنْهَا، ومِنَ الرَّجُلِ مَقَامَكَ مِنْهُ؟ قالَ: نَعَمْ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: احْفَظُوْا.

وفي الباب: عن سَمُرَةَ، قال أبو عيسى: حديثُ أنسٍ حديثٌ حسنٌ. وقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ هَمَّامٍ مِثْلَ هٰذَا، وَرَوَى وَكِيْعٌ هذا الحديثَ عَنْ هَمَّامٍ فَوَهِمَ فِيْهِ، فقالَ: عن غَالِبٍ عن أَنَسٍ، والصَّحِيْحُ عن أَبِيْ غَالِبٍ، وقَدْ رَوَى هذا الحديثَ عبدُ الْوَارِثِ بنُ سَعيدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عن أَبِيْ غَالِبٍ مِثْلَ رِوَايَةِ هَمَّامٍ، واخْتَلَفُوْا فِيْ اسْمِ أَبِيْ غَالِبٍ هٰذَا: فقالَ بَعْضُهُمْ: اسْمُهُ نَافِعٌ، ويُقَالُ رَافِعٌ.

وقد ذَهَبَ بَعْضُ أهلِ العلمِ إلىٰ هذا، وَهُوَ قَوْلُ أحمدَ وإسحاقَ.

[١٠١٩-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نا ابنُ الْمُبَارَكِ، والفَضْلُ بنُ مُوْسَى، عن الحُسَيْنِ المُعَلِّمِ، عن عبدِ اللهِ بنِ بُرَيْدَةَ، عن سَمُرَةَ بنِ جُنْدُبٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى على امْرَأَةٍ فَقَامَ وَسْطَهَا.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ رَوَى شُعْبَةُ عن الحُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ نَحْوَهُ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: متعدد حضرات نے ہمام سے یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے یعنی ہمام کے استاذ کا نام ابوغالب (کنیت) بیان کیا ہے، اور وکیع رحمہ اللہ نے بھی یہ حدیث ہمام سے روایت کی ہے اور اس میں غلطی کی ہے، انھوں نے عن غالب کہا ہے اور صحیح عن أبی غالب ہے۔ اور اس حدیث کو عبدالوارث وغیرہ نے ابوغالب سے ہمام کی روایت کی طرح روایت کیا ہے (یعنی ان حضرات نے بھی ابوغالب نام لیا ہے) اور ابوغالب کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں: ان کا نام نافع ہے اور رافع بھی کہا گیا ہے ـــــ اور بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور یہ احمد واسحاق کا قول ہے۔

حدیث: سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عورت کا جنازہ پڑھایا اور آپؐ اس کے بیچ

میں کھڑے ہوئے (یہ قیام عارض کی وجہ سے تھا جس عورت کی نعش ڈھکی ہوئی نہ ہو، امام کو اس کے بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے تا کہ پردہ ہو جائے)

بابُ ماجاءَ فی تَرْكِ الصَّلاَةِ عَلَی الشَّهِیْدِ

شہید کی نمازِ جنازہ نہیں

شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ یہ مسئلہ پہلے ضمناً گذر چکا ہے اور یہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ نبی ﷺ نے شہدائے احد کا جنازہ نہیں پڑھا تھا، مگر ایسی حدیثیں بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے شہدائے احد کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے حضرت حمزہؓ کی نمازِ جنازہ پڑھی، پھر یکے بعد دیگرے جنازے لائے گئے اور آپؐ نمازیں پڑھاتے رہے اور حضرت حمزہ کا جنازہ آخر تک وہیں رکھا رہا۔ یہ حدیث مسند احمد میں ہے (نصب الرایہ ۲:۳۰۹باب الشہید) مگر یہ حدیث ابن مسعودؓ سے شعبی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں اور شعبیؒ کا ابن مسعودؓ سے لقاء وسماع نہیں، مگر چونکہ وہ ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں اس لئے ان کے مراسیل معتبر ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مرسل الشعبی صحیح، لایکادُ یُرسل إلا صحیحاً (تذکرۃ الحفاظ ۱:۷۹)

اور بخاری (حدیث ۴۰۸۵) میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صحابہ کو لے کر شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے اور جس طرح میت کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے اسی طرح نماز پڑھی، اور ان کے علاوہ بھی روایات ہیں جن سے شہدائے احد پر نمازِ جنازہ پڑھنا ثابت ہے اور نماز کی نفی کرنے والی روایات بھی ہیں اور وہ بھی صحیح ہیں، پھر جب مجتہدین کا دور آیا تو امام احمد رحمہ اللہ نے ہر دو روایات کو جمع کیا اور شہید کی نمازِ جنازہ کو مستحب قرار دیا یعنی پڑھو تو سبحان اللہ اور نہ پڑھو تو کوئی بات نہیں اور دوسرے اماموں نے ترجیح سے کام لیا، پھر دو اماموں نے لم یصل کی روایت کو اصح قرار دیا اور نمازِ جنازہ کی نفی کی، اور امام اعظم رحمہ اللہ نے احتیاط والا پہلو لیا احتیاط بہر حال نماز پڑھنے میں ہے۔

اور جو امام عدم صلوٰۃ کے قائل ہیں ان کی دلیل عقلی یہ ہے کہ شہید مغفور لہ ہے، پس نمازِ جنازہ کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ استغفار نمازِ جنازہ کا ضمنی فائدہ ہے اصل مقصد میت کی تعظیم ہے، چنانچہ انبیاء کی بھی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے جبکہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور شہداء احترام کے زیادہ مستحق ہیں، پس ان کی بھی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہئے ——— اور مجھے اس اختلاف میں امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب زیادہ پسند ہے۔

فائدہ: نبی ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں انیس جنگیں لڑی ہیں مگر روایات صرف غزوۂ احد کے بارے میں ہیں اور وہ بھی متضاد ہیں، حالانکہ اور جنگوں میں بھی صحابہ شہید ہوئے ہیں آپؐ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں روایات خاموش ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام کا سو سالہ دور ہے اور انھوں نے بہت سی جنگیں لڑی ہیں، مگر ان کے بارے میں بھی کوئی روایت نہیں کہ وہ شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھتے تھے یا نہیں؟ مجھے اس پر بڑی حیرت ہے کہ اتنی عام بات پردۂ خفا میں کیسے رہ گئی؟ یہ بات تو تواتر سے منقول ہونی چاہئے تھی، پس تعامل امت سب سے بڑی دلیل ہوتی اور روایت کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی، مگر ایسا نہیں ہوا اس پر مجھے بڑی حیرت ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ احد کے شہداء میں سے دو دو کو ایک کپڑے میں جمع کرتے تھے، پھر پوچھتے: ان میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد تھا؟ جب ان میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا (کہ فلاں کو قرآن زیادہ یاد تھا) تو آپؐ اس کو قبر میں پہلے رکھتے، اور آپؐ نے فرمایا: ''میں قیامت کے دن ان کے حق میں گواہی دوں گا'' اور آپؐ نے ان کو ان کے خونوں میں دفن کرنے کا حکم دیا اور آپؐ نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی، نہ وہ نہلائے گئے (شہید کو غسل نہ دینے کے بارے میں اتفاق ہے)

تشریح: آنحضرت ﷺ قیامت کے دن جن لوگوں نے آپؐ کی دعوت قبول کی ہے ان کے حق میں اور جنھوں نے انکار کیا ہے ان کے خلاف گواہی دیں گے، یہ مضمون سورۃ الحج آیت ۷۸ میں ہے —— یاد رکھنا چاہئے کہ تین مضمون ملتے جلتے ہیں اس لئے ان کو الگ الگ کر لینا چاہئے، عام طور پر ان میں اشتباہ واقع ہوا ہے۔

پہلا مضمون: قیامت کے دن تمام انبیاء اپنی امتوں کے خلاف گواہیاں دیں گے اور حضور اقدس ﷺ بھی اپنی امت دعوت کے خلاف گواہی دیں گے، یہ مضمون صرف دو جگہ آیا ہے سورۃ النساء آیت ۴۰ میں اور سورۃ النحل آیت ۸۹ میں، سورۃ النساء میں مقصود منظر کشی ہے اور سورۃ النحل میں مقصود مضمون کو مدلل کرنا ہے۔

دوسرا مضمون: قیامت کے دن امت محمدیہ، پچھلی امتوں کے خلاف، انبیاء کرام کی حمایت میں گواہی دے گی اور جب ان امتوں کی طرف سے جرح ہوگی کہ یہ امت سب سے آخری امت ہے انھوں نے ہمارا زمانہ کہاں پایا ہے؟ پھر یہ گواہی کیسے دے رہی ہے؟ تو آنحضور ﷺ تشریف لائیں گے اور اپنی امت کے حق میں گواہی دیں گے کہ میری امت سچ کہہ رہی ہے ان کو مجھ سے اور قرآن سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے —— یہ مضمون سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳ میں ہے۔

تیسرا مضمون: آنحضرت ﷺ اپنے زمانہ کے لوگوں (امت دعوت) کے خلاف گواہی دیں گے اور آپؐ کی امت اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کے خلاف گواہی دے گی، کیونکہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی طرف مبعوث ہیں آپؐ کی امت بھی آپؐ کی طرف سے لوگوں کی طرف مبعوث ہے، پس جو ذمہ داری اللہ کے رسول کی ہے وہی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کے رسولوں کی بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری دعوت وارشاد ہے پس وہی ذمہ داری امت کی بھی ہے، یہ مضمون صرف سورۃ الحج آیت ۷۸ میں آیا ہے (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ جلد دوم ص: ۵۰ تا ۵۵ میں اور تفسیر ہدایت القرآن پارہ ۱۴ ص: ۱۵۸ میں ہے)

[٤٥] باب ماجاء فی ترك الصلاة علی الشهید

[١٠٢٠-] حدثنا قُتیبةُ بنُ سَعیدٍ، نا اللَّیْثُ، عن ابنِ شِهَابٍ، عن عَبدِ الرحمنِ بنِ کَعْبِ بنِ مَالِكٍ، أنَّ جابرَ بنَ عبدِ اللهِ أخبَرَهُ: أنَّ النبیَّ صلی الله علیه وسلم کَانَ یَجْمَعُ بَیْنَ الرَّجُلَیْنِ مِنْ قَتْلٰی أُحُدٍ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، ثُمَّ یَقُوْلُ: "أیُّهُمَا أَکْثَرُ حِفظًا لِلْقُرْآنِ؟" فإذَا أُشِیْرَ لَهُ إِلیٰ أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِی اللَّحْدِ، فقالَ: "أنَا شَهِیْدٌ عَلٰی هٰؤُلَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ" وَأَمَرَ بِدَفْنِهِمْ فِیْ دِمَائِهِمْ، وَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْهِمْ، وَلَمْ یُغَسَّلُوْا.

وفی الباب: عن أنسِ بنِ مالكٍ، قالَ أبو عیسی: حدیثُ جابرٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وقَدْ رُوِیَ هذا الحدیثُ عن الزُّهْرِیِّ عن أنسٍ عن النبیِّ صلی الله علیه وسلم، وَرُوِیَ عن الزُّهْرِیِّ عن عَبْدِ اللّٰهِ بنِ ثَعْلَبَةَ بنِ أَبِیْ صُعَیْرٍ عن النبیِّ صلی الله علیه وسلم، ومِنْهُمْ مَنْ ذَکَرَهُ عَنْ جَابِرٍ.

وقد اخْتَلَفَ أهلُ العلمِ فِی الصَّلَاةِ علی الشَّهِیْدِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَایُصَلّٰی عَلَی الشَّهِیْدِ، وَهُوَ قَوْلُ أهلِ الْمَدِیْنَةِ، وبهِ یَقُوْلُ الشَّافِعِیُّ، واحمدُ، وقالَ بَعْضُهُمْ: یُصَلّٰی علی الشَّهِیْدِ، واحْتَجُّوْا بِحَدِیْثِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم أنَّهُ صَلّٰی عَلٰی حَمْزَةَ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیِّ وأهلِ الْکُوْفَةِ، وبِهِ یَقُوْلُ إسحاقُ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: یہ حدیث زہری عن انس عن النبی ﷺ کے طریق سے بھی مروی ہے (یہ حدیث ابوداؤد میں اسامۃ بن زید اللیثی کی سند سے ہے اور وہ راوی سیئ الحفظ ہے) اور زہری عن عبداللہ بن ثعلبۃ عن النبی ﷺ کے طریق سے بھی مروی ہے (یہ حدیث مسند احمد میں محمد بن اسحاق کی سند سے اور طبرانی میں عبدالرحمٰن بن اسحاق اور عمرو بن الحارث کی سندوں سے ہے) اور بعض نے اس کو حضرت جابرؓ سے ذکر کیا ہے اور علماء کا شہید کی نماز جنازہ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں: شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور اسی کے قائل ہیں: امام شافعی اور امام احمد (امام احمدؒ کے نزدیک شہید کی نمازِ جنازہ پڑھنا مستحب ہے) اور بعض علماء کہتے ہیں: شہید کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور انھوں نے نبی ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپؐ نے حضرت حمزہؓ کی نمازِ جنازہ پڑھی (یہ حضرت جابر کی حدیث ہے جو مستدرک حاکم میں ہے اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کا مدار ابوحماد الحنفی پر ہے جو متروک ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایک مختلف فیہ راوی ہے، بعض ائمہ نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ میزان ۴: ۱۶۸) اور یہ ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے اور اسحاق اسی کے قائل ہیں۔

بابُ ماجاءَ فی الصَّلاَۃِ عَلَی الْقَبْرِ

قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا بیان

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے، خواہ میت جنازہ پڑھ کر دفن کی گئی ہو یا جنازہ پڑھے بغیر دفن کی گئی ہو، پھر امام احمدؒ کے نزدیک قبر پر ایک ماہ تک نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد نہیں پڑھ سکتے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی قید نہیں، ہمیشہ پڑھ سکتے ہیں۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اگر میت کو جنازہ پڑھ کر دفن کیا گیا ہے تو قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں، اور اگر جنازہ پڑھے بغیر دفن کی گئی ہے تو جب تک خیال ہو کہ میت پھولی پھٹی نہیں ہوگی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں، اور جب یہ خیال ہو کہ مردہ پھول پھوٹ گیا ہوگا تو نماز نہیں پڑھ سکتے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں دو حدیثیں ہیں، ایک حدیث یہ ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ تبوک میں تشریف لے گئے تو پیچھے حضرت سعد بن عبادۃ کی والدہ کا انتقال ہوا لوگوں نے جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا، ایک ماہ کے بعد جب آپؐ واپس تشریف لائے تو آپؐ نے ان کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک حبشی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی اس کا انتقال ہو گیا لوگوں نے جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا، آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع نہ کی، آپؐ نے جب مسجد نبوی میں تنکے پڑے ہوئے دیکھے تو لوگوں سے پوچھا: وہ بوڑھیا کہاں ہے جو جھاڑو دیا کرتی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کا انتقال ہو گیا، آپؐ نے فرمایا: مجھے خبر کیوں نہ کی؟ صحابہ نے عرض کیا: رات کا وقت تھا ہم نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا، ہم نے خود جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ اور ترمذی میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے ایک قبر دیکھی جو بالکل علحدہ تھی، آپؐ نے دریافت کیا یہ نئی قبر کس کی ہے؟ عرض کیا گیا: یہ قبر اس حبشی عورت کی ہے جو مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی، آپؐ نے صحابہ کی صفیں بنائیں اور اس عورت کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی اور فرمایا: یہ قبریں مردوں پر تاریکی سے پر ہوتی ہیں، میرے ان پر نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ان قبروں کو روشن کرتے ہیں (مشکوٰۃ حدیث ۱۶۵۹)

چھوٹے دو اماموں نے ان حدیثوں کی بنیاد پر قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے، پھر امام احمدؒ فرماتے ہیں: چونکہ نبی ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ کی قبر پر ایک مہینہ کے بعد نمازِ جنازہ پڑھی ہے اس لئے ایک مہینہ تک قبر پر نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں اس کے بعد نہیں پڑھ سکتے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں: آنحضور ﷺ کا ایک ماہ کے بعد نماز پڑھنا محض اتفاق تھا اگر آپؐ دو ماہ کے بعد لوٹتے تو بھی نمازِ جنازہ پڑھتے، جیسے آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر مکہ معظمہ میں انیس دن قیام فرمایا اور نمازیں قصر پڑھیں، مگر انیس دن کو مدت اقامت قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ اگر

آپؐ ۲۰ ویں دن ٹھہرتے تو بھی نماز قصر پڑھتے، اسی طرح یہاں بھی اگر آپ ڈیڑھ دو ماہ کے بعد بھی لوٹتے تو نمازِ جنازہ پڑھتے، اس لئے مدت کی تحدید صحیح نہیں۔

اور بڑے دو امام اس کو حضور ﷺ کی خصوصیت قرار دیتے ہیں، آپؐ نے خود اس کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ قبریں مردوں پر تاریکی سے بھری ہوئی ہوتی ہیں میرے ان پر نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ان کو روشن کرتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ بات امت کو حاصل نہیں، امت میں ایسا کون ہے جس کی نماز سے قبریں روشن ہوں؟

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ولی نے جنازہ نہ پڑھا ہو اور نہ اس نے نماز کی اجازت دی ہو تو اگرچہ میت جنازہ پڑھ کر دفن کی گئی ہو: ولی قبر پر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے اور امت کے ولی حضور اقدس ﷺ ہیں، پس آپؐ کا قبر پر نماز پڑھنا ولی ہونے کی حیثیت سے تھا، اور ولی کے ساتھ دوسرے لوگ بھی نمازِ جنازہ میں شریک ہوسکتے ہیں۔

[٤٦] باب ماجاء في الصلاة على القبر

[١٠٢١-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا الشَّيْبَانِيُّ، نا الشَّعْبِيُّ، قالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ رَأَى النبيَّ صلى الله عليه وسلم، وَرَأَى قَبْرًا مُنْتَبِذًا، فَصَفَّ أَصْحَابَهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ، فَقِيْلَ لَهُ: مَنْ أَخْبَرَكَ؟ فَقَالَ ابنُ عَبَّاسٍ.

وفي الباب: عن أنسٍ، وبُرَيْدَةَ، ويَزِيْدَ بنِ ثَابِتٍ، وأَبِي هُرَيْرَةَ، وعَامِرِ بنِ رَبِيْعَةَ، وأَبِي قَتَادَةَ، وسَهْلِ بنِ حُنَيْفٍ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عَبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعملُ على هذا عِنْدَ أَكْثَرِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وإسحاقَ، وقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: لَايُصَلَّى عَلَى الْقَبْرِ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أنسٍ، وقالَ ابنُ الْمُبَارَكِ: إِذَا دُفِنَ المَيِّتُ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ: صُلِّيَ على الْقَبْرِ، وَرَأَى ابنُ المباركِ الصَّلَاةَ على الْقَبْرِ، وقالَ أحمدُ وإسحاقُ: يُصَلَّى على القَبْرِ إِلَى شَهْرٍ، وَقَالَا: أَكْثَرُ مَا سَمِعْنَا عن ابنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى على قَبْرِ أُمِّ سَعْدِ بنِ عُبَادَةَ بَعْدَ شَهْرٍ.

[١٠٢٢-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا يَحيىَ بنُ سَعِيدٍ، عن سَعِيدِ بنِ أَبِي عَرُوْبَةَ، عن قَتَادَةَ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ وَالنبيُّ صلى الله عليه وسلم غَائِبٌ، فَلَمَّا قَدِمَ صَلَّى عَلَيْهَا وَقَدْ مَضَى لِذٰلِكَ شَهْرٌ.

ترجمہ: شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھے اس شخص نے جس نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے یہ واقعہ بتلایا کہ آپؐ نے ایک قبر علحدہ بنی ہوئی دیکھی، پس آپؐ نے اپنے اصحاب کی صف بنائی اور اس قبر پر نماز جنازہ پڑھی، شعبیؒ سے پوچھا

گیا: آپ کو یہ واقعہ کس نے بتایا؟ شعبیؒ نے کہا: ابن عباسؓ نے (یہاں سے معلوم ہوا کہ رواۃ کبھی مروی عنہ کا نام یاد ہوتے ہوئے بھی کسی مصلحت سے ظاہر نہیں کرتے تھے) اور اس پر صحابہ وغیرہ میں سے اکثر علماء کا عمل ہے اور یہی امام شافعیؒ اور امام اسحاق کا قول ہے۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں: قبر پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اور یہ امام مالکؒ کا قول ہے، اور ابن المبارکؒ فرماتے ہیں: جب مردہ دفن کیا گیا ہو اور اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی ہو تو قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، اور ابن المبارکؒ نے قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنے کو جائز کہا (مگر وہ علی الاطلاق جائز نہیں کہتے، خاص صورت میں جائز کہتے ہیں اور انھوں نے جو بات کہی ہے وہی امام اعظم کا مسلک ہے) اور احمد واسحاق کہتے ہیں: قبر پر ایک ماہ تک نماز پڑھی جائے گی، وہ فرماتے ہیں: زیادہ سے زیادہ مدت جو ہم نے ابن المسیبؒ سے سنی ہے وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے سعد بن عبادہ کی والدہ کی قبر پر ایک ماہ کے بعد نماز جنازہ پڑھی ہے۔ سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ کا انتقال ہوا درانحالیکہ نبی ﷺ (مدینہ منورہ میں) موجود نہیں تھے پس جب آپؐ واپس تشریف لائے تو ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی اور اس واقعہ کو ایک مہینہ گذر چکا تھا۔

بابُ ماجاءَ في صلاةِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم عَلَى النَّجَاشِيِّ

نبی ﷺ نے نجاشی رحمہ اللہ کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے

یہ مسئلہ پہلے آچکا ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ جائز ہے اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل نجاشی رحمہ اللہ کا واقعہ ہے، ان کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا، نبی ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ مدینہ منورہ میں پڑھی تھی، پس غائبانہ نمازِ جنازہ جائز ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ نبی ﷺ کی یا نجاشی رحمہ اللہ کی یا دونوں کی مشترکہ خصوصیت تھی، اور دلیل یہ ہے کہ آپؐ کی حیات میں بہت سے مسلمانوں کا مدینہ سے باہر انتقال ہوا مگر آپؐ نے کسی کی نمازِ جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی، اگر غائبانہ نمازِ جنازہ جائز ہوتی تو آپؐ ان کا جنازہ ضرور پڑھتے، کیونکہ آپؐ کی نماز سے قبر میں روشنی ہوتی ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپؐ کے اور نجاشیؒ کے جنازہ کے درمیان سے تمام حجابات اٹھادیئے گئے تھے اور ان کا جنازہ آپؐ کے سامنے تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: كُشف للنبي صلى الله عليه وسلم عن سرير النجاشي حتى رآه وصلى عليه پس یہ نماز غائبانہ نہیں تھی، اس لئے اس سے استدلال درست نہیں۔

[۴۷] باب ماجاء في صلاة النبي صلى الله عليه وسلم على النجاشي

[۱۰۲۳-] حدثنا أبو سَلَمَةَ يَحْيَى بنُ خَلَفٍ، وحُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، قالا: نابِشْرُ بنُ الْمُفَضَّلِ، نا

يُونُسُ بنُ عُبَيْدٍ، عن محمدِ بنِ سِيرِينَ، عن أبي الْمُهَلَّبِ، عن عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، قالَ: قالَ لَنَا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ أخَاكُمُ النَّجَاشِيَّ قَدْمَاتَ، فَقُومُوْا فَصَلُّوْا عَلَيْهِ" قالَ: فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا كَمَا يُصَفُّ على المَيِّتِ، وصَلَّيْنَا عَلَيْهِ كَمَا يُصَلَّى عَلَى الْمَيِّتِ.

وفي الباب: عن أبِيْ هُرَيْرَةَ، وجَابِرِ بنِ عبدِ الله، وأبي سَعِيدٍ، وحُذَيْفَةَ بنِ أُسِيْدٍ، وجَرِيْرِ بنِ عبدِ اللهِ، قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الوَجْهِ، وقَدْ رَوَاهُ أَبُوْ قِلَابَةَ عن عَمِّهِ أَبِي الْمُهَلَّبِ عن عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، وأَبُوْ المُهَلَّبِ: اسْمُهُ عبدُ الرحمنِ بنُ عَمْرٍو، ويُقَالُ لَهُ: مُعَاوِيَةُ بنُ عَمْرٍو.

ترجمہ: عمران بن حصینؓ کہتے ہیں: ہم سے نبی ﷺ نے فرمایا: تمہارے بھائی نجاشیؒ کا انتقال ہوگیا پس تم کھڑے ہوؤ اور ان کی نماز جنازہ پڑھو، حضرت عمرانؓ فرماتے ہیں: پس ہم کھڑے ہوئے اور ہم نے صفیں بنائیں، جس طرح میت پر صفیں بنائی جاتی ہیں، اور ہم نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی جس طرح میت کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے ——
یہ حدیث صحیح ہے مگر غریب ہے ابوالمہلب سے اوپر اس کی ایک ہی سند ہے اور ابوقلابہ نے بھی اس حدیث کو اپنے چچا ابو المہلب سے روایت کیا ہے اور ابوالمہلب کا نام عبدالرحمٰن بن عمرو ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ معاویہ بن عمرو ہے۔

بابُ ماجاءَ فِيْ فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ

نمازِ جنازہ پڑھنے کا ثواب

حدیث: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جنازہ کی نماز پڑھی اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو جنازہ کے ساتھ رہا تا آنکہ اس کی تدفین مکمل ہوگئی تو اس کے لئے دو قیراط ثواب ہے، ان میں سے ایک یا فرمایا: ان میں سے چھوٹا احد پہاڑ کے برابر ہے'' (أو شک راوی کا ہے مگر أصغرھما کی تاویل مشکل ہے اس لئے کہ قیراط قیراط برابر ہوتے ہیں، پس صحیح أحدھما ہے) ابوسلمہ کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث ابن عمرؓ کے سامنے ذکر کی تو انھوں نے ایک شخص کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور ان سے حدیث کے بارے میں دریافت کیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ابوہریرہ نے صحیح بیان کیا، پس ابن عمرؓ نے کہا: ''ہم نے تو بہت سے قیراط ضائع کردیئے!'' یعنی ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ جنازہ پڑھنے سے میت کا حق ادا ہوگیا، اس لئے ہم جنازہ پڑھ کر لوٹ جاتے تھے، اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تدفین میں شریک ہونے سے مزید ایک قیراط ملتا ہے تو ہم ضرور تدفین تک شریک رہتے اور مزید ایک قیراط پاتے۔

تشریح: قیراط: درہم کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں، اور یہاں دنیا کا قیراط مراد نہیں بلکہ آخرت کا قیراط مراد ہے اور آخرت کا قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے اور تدفین میں شریک لوگوں کو دوسرا قیراط اس وقت ملتا ہے جب وہ آخر تک

شریک رہیں، اور تدفین میں حصہ لیں، بعض جگہ لوگ تین مٹھیاں مٹی ڈال کر چل دیتے ہیں، پھر جہاں گورکن ہوتا ہے تو وہ قبر بھرتا ہے مگر جہاں لوگ خود کھودتے بھرتے ہیں اگر وہاں لوگ ایسا کریں گے تو پیچھے صرف میت کے ورثاء رہ جائیں گے اور ان کو قبر بھرنے میں دشواری ہوگی، اس لئے آخر تک رہنا اور قبر بھرنے میں تعاون کرنا دوسرا قیراط ملنے کی وجہ ہے۔

فائدہ: اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ صحابی نے صحابی کی حدیث پر بے اطمینانی ظاہر کی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تصدیق چاہی ہے، یہ بات الصحابة کلهم عدول کے قاعدہ کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ابن عمر کو بے اطمینانی اس وجہ سے نہیں تھی کہ وہ ابو ہریرہ کی حدیث ہے، بلکہ یہ بات پہلی مرتبہ ان کے سامنے آئی تھی، اور ایسی صورت میں ایسا ہوتا ہی ہے، ہمارے ساتھ بھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔ ایک فتوی سامنے آتا ہے اول وہلہ میں تذبذب ہوتا ہے، پھر جب کتابوں کی مراجعت کی جاتی ہے اور جزئیہ مل جاتا ہے تو اطمنان ہوجاتا ہے، پس یہ مفتی پر بے اطمینانی نہیں ہے بلکہ بے اطمینانی کی وجہ ہمارا عدم علم ہے، اسی طرح ابن عمرؓ کو اس وجہ سے بے اطمنانی نہیں ہوئی تھی کہ وہ ابو ہریرہ کی حدیث ہے بلکہ مضمون سے ناواقفیت بے اطمینانی کی وجہ تھی، اس مضمون کو بغور سمجھ لیا جائے، ذرا دقیق ہے۔

[۴۸] باب ماجاء في فضل الصلاة على الجنازة

[١٠٢٤-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عن محمدِ بنِ عَمْرٍو، نا أَبُوْ سَلَمَةَ، عن أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فَلَهُ قِيْرَاطٌ، وَمَنْ تَبِعَهَا حَتّٰى يُقْضٰى دَفْنُهَا فَلَهُ قِيْرَاطَانِ، أَحَدُهُمَا أو: أَصْغَرُهُمَا مِثْلُ أُحُدٍ" فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لابنِ عُمَرَ فَأَرْسَلَ إِلٰى عَائِشَةَ فَسَأَلَهَا عَنْ ذٰلِكَ، فقالتْ: صَدَقَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ، فقالَ ابنُ عُمَرَ: لَقَدْ فَرَّطْنَا فِيْ قَرَارِيْطَ كَثِيْرَةٍ.

قال: وفي الباب: عن البَرَاءِ، وعبدِ اللهِ بنِ مُغَفَّلٍ، وعبدِ اللهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، وأَبِيْ سَعِيْدٍ، وأُبَيِّ بنِ كَعْبٍ، وابنِ عُمَرَ، وثَوْبَانَ، قالَ أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَرُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ.

بابٌ آخَرُ

جنازے کو کندھا دینے کا بیان

حدیث: ابو المہزم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دس سال رہے ہیں، مگر ضعیف راوی ہیں، انھوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث سنی ہے کہ جو شخص جنازے کے پیچھے گیا اور اس کو تین مرتبہ کندھا دیا تو اس نے جنازہ کا وہ حق ادا کر دیا جو اس پر تھا۔

تشریح: جس شخص نے تین مرتبہ جنازہ کو کندھا دیا اس نے جنازہ کا حق ادا کردیا: کندھا دینے کا کوئی خاص طریقہ نہیں، اور موطا محمد میں جو لکھا ہے کہ پہلے دائیں طرف کے اگلے پایہ کو پکڑ کر دس قدم چلے پھر پچھلے پایہ کو پکڑ کر دس قدم چلے، پھر بائیں طرف کے اگلے پایہ کو، پھر پچھلے پایہ کو پکڑ کر دس دس قدم چلے۔ یہ طریقہ لوگوں کی سہولت کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ حدیث میں نہ پایوں کی تعیین ہے نہ قدموں کی۔ حسب سہولت جس طرح موقع ہو کندھا دے سکتا ہے اور یہ بات حضرت گنگوہی قدس سرہ نے الکوکب الدری میں بیان فرمائی ہے۔

[٤٩] بابٌ آخَرُ

[١٠٢٥-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا رَوْحُ بنُ عُبَادَةَ، نا عَبَّادُ بنُ مَنْصُوْرٍ، قالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْمُهَزِّمِ يقولُ: صَحِبْتُ أَبَاهُرَيْرَةَ عَشْرَ سِنِيْنَ، فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً، وحَمَلَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ مِنْ حَقِّهَا"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ، وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ بِهٰذَا الإِسْنَادِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَأَبُو الْمُهَزِّمِ اسْمُهُ: يَزِيْدُ بنُ سُفيانَ، وَضَعَّفَهُ شُعْبَةُ.

وضاحت: مذکورہ حدیث غریب بمعنی ضعیف ہے ابوالمہزم متروک راوی ہے، اور بعض حضرات اس حدیث کو اسی سند سے موقوف روایت کرتے ہیں، یعنی یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور ابوالمہزم کا نام یزید بن سفیان ہے، شعبہؒ نے اس کی تضعیف کی ہے۔

بابُ ماجاءَ فِي القِيَامِ لِلْجَنَازَةِ

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا بیان

آنحضرت ﷺ کا پہلے طریقہ تھا کہ آپؐ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، پھر جب جنازہ رکھ دیا جاتا یا آگے بڑھ جاتا تو آپؐ بیٹھ جاتے تھے، اور آپؐ نے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا تھا، بعد میں آپؐ کا عمل بدل گیا، جنازہ دیکھ کر آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے اور صحابہ کو بھی اس سے منع کردیا، پس پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کا حکم دیا تھا پھر بعد میں آپؐ بیٹھے اور ہمیں بھی بیٹھنے کا حکم دیا (مشکوۃ حدیث ۱۶۸۲) شاہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دونوں عملوں کی درج ذیل حکمتیں بیان کی ہیں:

جب جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا مشروع تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ موت کو یاد کرنا جو زندگی مٹانے والی ہے اور بھائیوں کی موت سے عبرت پکڑنا امر مطلوب ہے، مگر چونکہ یہ امر مخفی تھا یعنی کس نے عبرت پکڑی اور کس نے نہیں پکڑی اس کا پتا

چلانا مشکل تھا اس لئے نبی ﷺ نے جنازہ کے لئے کھڑا ہونا متعین کیا تا کہ موت سے لوگوں کی عبرت پذیری کا اندازہ ہو جائے۔

پھر جب یہ حکم منسوخ کر دیا گیا تو نسخ کی وجہ یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں قیام تعظیمی کا رواج تھا شریعت میں ایسا قیام ممنوع ہے، ابوداؤد کی روایت ہے: لاتقوموا کما یقوم الأعاجم: یُعظِّمُ بعضُها بعضًا یعنی نہ کھڑے ہوؤ جس طرح عجمی کھڑے ہوتے ہیں وہ اس طرح کھڑے ہو کر ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہیں، اور جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا عبرت پذیری کے لئے تھا تعظیم کے لئے نہیں تھا، مگر آنحضرت ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کو غیر محل میں استعمال نہ کرنے لگیں، یعنی ممکن ہے وہ یہ خیال کرنے لگیں کہ جب مردے کے لئے کھڑے ہونے کا حکم ہے تو زندے تو اس کے بدرجۂ اولیٰ مستحق ہیں اور اس طرح ایک ناجائز کام کا رواج چل پڑے، اس لئے فساد کا دروازہ بند کرنے کے لئے جنازہ کے لئے قیام ختم کر دیا گیا۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، یہاں تک کہ جنازہ تم کو پیچھے کر دے یا جنازہ نیچے رکھ دیا جائے''

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ پس جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے وہ ہرگز نہ بیٹھے یہاں تک کہ جنازہ زمین پر رکھ دیا جائے''

تشریح: یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے کہ جب جنازہ نماز پڑھنے کی جگہ یا قبرستان پہنچ جائے تو جب تک جنازہ نیچے نہ رکھ دیا جائے لوگوں کو بیٹھنا نہیں چاہئے، کیونکہ بعض مرتبہ جنازہ اتارنے میں اچانک مدد کی ضرورت پیش آتی ہے، پس اگر لوگ بیٹھے ہوئے ہونگے تو ان کے کھڑے ہونے تک جنازہ گر پڑے گا، البتہ اگر لوگ جنازہ میں زیادہ ہوں تو جو لوگ جنازہ کے اردگرد ہیں ان کو نہیں بیٹھنا چاہئے، باقی لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔ اسی طرح جب لوگ زیادہ ہوتے ہیں تو کچھ لوگ جنازہ سے پہلے قبرستان پہنچ جاتے ہیں اور ادھر اُدھر بیٹھ جاتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔

[۵۰] باب ماجاء في القيام للجنازة

[۱۰۲۶-] حدثنا قُتيبةُ، نا اللَّيثُ، عن ابنِ شِهَابٍ، عن سَالِمِ بنِ عبدِ اللهِ، عن أبِيهِ، عن عَامِرِ بنِ رَبِيعَةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، ح: ونا قُتَيبَةُ، نا اللَّيثُ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ، عن عَامِرِ بنِ رَبِيعَةَ، عن رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قالَ: "إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا لَهَا حَتّٰى تُخَلِّفَكُمْ أَوْ تُوْضَعَ"

وفي الباب: عن أَبِي سَعِيدٍ، وجَابِرٍ، وسَهْلِ بنِ حُنَيْفٍ، وقَيْسِ بنِ سَعْدٍ، وأبي هريرةَ، قال أبو عيسى: حديثُ عَامِرِ بنِ رَبِيعَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۰۲۷-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ الجَهْضَمِيُّ، والحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الحُلْوَانِيُّ، قالاَ: نا وَهْبُ بنُ جَرِيْرٍ، نا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ، عن يَحيى بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عن أَبِيْ سَلَمَةَ، عن أَبِيْ سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قال: قال رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا، فَمَنْ تَبِعَهَا فَلاَ يَقْعُدَنَّ حَتَّى تُوْضَعَ"

قال أبو عيسى: حديثُ أبي سعيدٍ في هذا البابِ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَهُوَ قَوْلُ أحمدَ وإسحاقَ، قالاَ: مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً فَلاَ يَقْعُدْ حَتَّى تُوْضَعَ عن أَعْنَاقِ الرِّجَالِ، وقَدْ رُوِيَ عن بَعْضِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا يَتَقَدَّمُوْنَ الْجَنَازَةَ، وَيَقْعُدُوْنَ قَبْلَ أَنْ تَنْتَهِيَ إِلَيْهِمُ الْجَنَازَةُ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

ترجمہ: امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں: جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے وہ نہ بیٹھے یہاں تک کہ جنازہ لوگوں کے کندھوں سے نیچے رکھ دیا جائے اور صحابہ وغیرہ بعض اہل علم سے مروی ہے کہ وہ جنازہ سے پہلے پہنچ جاتے تھے اور جنازہ کے قبرستان پہنچنے سے پہلے بیٹھ جاتے تھے اور یہ شافعیؒ کا قول ہے (امام ترمذیؒ نے یہ مسئلہ غیر محل میں بیان کیا ہے، یہ باب جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کے بیان میں ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ اگر کچھ لوگ جنازہ سے پہلے قبرستان پہنچ جائیں اور ادھر ادھر بیٹھ جائیں تو کوئی حرج نہیں)

بابٌ في الرُّخْصَةِ فِيْ تَرْكِ القِيَامِ لَهَا

جنازہ دیکھ کر کھڑے نہ ہونے کا بیان

حدیث: مسعود بن الحکم نے جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا تذکرہ کیا، یہاں تک کہ جنازہ نیچے رکھ دیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے پھر بیٹھے'' یعنی دور اول میں جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوتے تھے پھر بعد میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔

تشریح: امام احمد رحمہ اللہ نے دونوں حدیثوں کو جمع کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''اگر چاہے تو کھڑا ہو اور اگر چاہے تو کھڑا نہ ہو'' یعنی قیام واجب نہیں، کھڑے ہونے نہ ہونے کا اختیار ہے۔ اور یہ تطبیق مجھے زیادہ پسند ہے اس لئے کہ میت کو دیکھ کر گھبراہٹ ہوتی ہے اور بے اختیار آدمی کھڑا ہو جاتا ہے اور ناسخ و منسوخ قرار دیں گے تو جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا جائز نہیں ہوگا، پس آدمی گنہ گار ہوگا۔

[۵۱] بابٌ في الرخصة في ترك القيام لها

[۱۰۲۸-] حدثنا قُتَيبةُ، نا اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ، عن يَحيى بنِ سَعِيْدٍ، عن وَاقِدٍ ــ وَهُوَ ابنُ عَمْرِو بنِ سَعْدِ

بنِ مُعاذٍ ـ عَنْ نَافِعِ بنِ جُبَيْرٍ، عن مَسْعُوْدِ بنِ الحكَمِ، عن عَلِيِّ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ، أَنَّهُ ذَكَرَ القِيَامَ فِي الْجَنَائِزِ حَتّٰى تُوْضَعَ، فقالَ عَلِيٌّ: قَامَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ قَعَدَ.

وفي الباب: عن الحَسَنِ بنِ عَلِيٍّ، وابنِ عبَّاسٍ، قال أبو عيسى: حديثُ عليٍّ حسنٌ صحيحٌ، وفِيْهِ رِوَايَةُ أَرْبَعَةٍ مِنَ التَّابِعِيْنَ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ.

والعملُ على هذا عندَ بَعْضِ أهلِ العلمِ، قالَ الشَّافِعِيُّ: وهٰذَا أَصَحُّ شَيْئٍ فِيْ هٰذَا البَابِ، وَهٰذَا الحديثُ نَاسِخٌ لِلْحَدِيْثِ الْأَوَّلِ: "إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنازَةَ فَقُوْمُوْا"

وقال أحمدُ: إِنْ شَاءَ قَامَ، وإِنْ شَاءَ لَمْ يَقُمْ، واحْتَجَّ بِأَن النبيَّ صلى الله عليه وسلم قَدْ رُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَامَ ثُمَّ قَعَدَ، وهٰكَذَا قَالَ إسحاقُ بنُ إبراهيمَ.

ومَعْنَى قولِ عليٍّ: قَامَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم فِي الْجَنَازَةِ ثُمَّ قَعَدَ، يَقُوْلُ: كان النبيُّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْمُ إِذَا رَأَى الْجَنَازَةَ، ثُمَّ تَرَكَ ذٰلِكَ بَعْدُ، فَكَانَ لَايَقُوْمُ إِذَا رَأَى الْجَنَازَةَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: اس حدیث میں چار تابعین ہیں، بعض بعض سے روایت کرتے ہیں (پہلے تابعی یحییٰ بن سعید انصاری ہیں) اور اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: یہ اس باب کی سب سے اچھی روایت ہے اور یہ حدیث پہلی حدیث ''جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہوؤ'' کے لئے ناسخ ہے، اور امام احمدؒ فرماتے ہیں: ''اگر چاہو تو کھڑے ہوؤ اور اگر چاہو تو کھڑے نہ ہوؤ'' اور انھوں نے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپؐ کھڑے ہوئے پھر بیٹھے (پس دونوں باتیں ثابت ہوئیں، پس دونوں باتیں جائز ہیں) اور یہی بات اسحاق فرماتے ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول: ''نبی ﷺ کھڑے ہوئے پھر بیٹھے'' کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ (دور اول میں) کھڑے ہوتے تھے جب جنازہ دیکھتے تھے پھر بعد میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا، پس جب جنازہ دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے (پس یہ ناسخ ومنسوخ ہونگے اور دونوں عمل جائز نہیں ہونگے)

بابُ ماجاء في قول النبيِّ صلى الله عليه وسلم "اللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا"

''بغلی قبر ہمارے لئے ہے اور صندوقچی دوسروں کے لئے'': کا مطلب

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بغلی قبر ہمارے لئے ہے اور صندوقچی قبر ہمارے علاوہ کے لئے ہے''

تشریح: اس حدیث میں مسئلہ کا بیان نہیں ہے بلکہ یہ ایک پیشین گوئی ہے، آنحضور ﷺ نے اپنے تعلق سے فرمایا ہے کہ دوسروں کی قبر چاہے بغلی بناؤ چاہے صندوقچی، مگر میری قبر بغلی بنانا، پس اس سے لحد کی فضیلت ثابت

ہوئی۔ چنانچہ آپؐ کے انتقال کے بعد جب اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ قبر اطہر بغلی بنائی جائے یا صندوقچی؟ اور یہ حدیث سامنے نہیں تھی تو فیصلہ اس طرح کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں دو صحابی تھے جو قبر کھودتے تھے، ایک لحد بناتے تھے دوسرے شق۔ دونوں کے پاس آدمی بھیجے گئے اور طے کیا گیا کہ جو پہلے آئے وہ اپنا کام کرے، پھر ہوا یہ کہ جو صحابی شق بناتے تھے وہ گھر پر نہیں ملے اور جو لحد بناتے تھے وہ آئے اور انھوں نے اپنا کام کیا، اس طرح تکوینی طور پر آنحضور ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

اس کی نظیر حدیث: الأئمة من قريش: ہے اس میں بھی مسئلہ کا بیان نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ایک پیشین گوئی ہے، خلافت کے مسئلہ میں اختلاف رونما ہونے والا تھا، انصار کہیں گے: منا أميرٌ ومنكم أمير یعنی دو امیر المؤمنین منتخب کئے جائیں، ایک انصار میں سے اور ایک مہاجرینؓ میں سے، اس سلسلہ میں یہ ارشاد ہے کہ امیر صرف ایک ہوگا اور وہ مہاجرین میں سے اور قریش میں سے ہوگا، اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں جہاں بھی مسلمان بستے ہیں ان پر لازم ہے کہ قریشی ہی کو امیر بنائیں، اس لئے کہ وہاں قریشی امیر کہاں سے لائیں گے؟ دوسرے ملک سے قریشی امیر طلب کریں گے تو وہ اِس ملک کی تہذیب سے واقف نہیں ہوگا پھر وہ حکومت کیسے چلائے گا؟

اور لحد کی فضیلت دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ: بغلی قبر میں میت کا زیادہ اکرام ہے، کیونکہ بے ضرورت میت کے چہرے پر مٹی ڈالنا بے ادبی ہے۔

دوسری وجہ: بغلی قبر میں میت مردار خور جانوروں سے محفوظ رہتی ہے، جانور نرم مٹی کھودتا رہتا ہے اور میت ایک طرف رہ جاتی ہے، اس کے ہاتھ نہیں آتی۔

فائدہ: مردہ کو قبر میں دائیں کروٹ لٹانا چاہئے یا چت لٹا کر قبلہ کی طرف منہ کرنا چاہئے؟ فقہ کی کتابوں میں عام طور پر یہ لکھا ہے کہ میت کو دائیں کروٹ پر لٹانا چاہئے، مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی قدس سرہ (صاحب احسن الفتاوی) نے وصیت کی تھی کہ ان کو قبر میں کروٹ پر لٹایا جائے، اور فقہ کی بعض عبارتوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مردہ کو چت لٹا کر اس کا منہ قبلہ کی طرف کرنا چاہئے، دیوبند اور سہارن پور میں اسی پر عمل ہے۔ میرے نزدیک دونوں طریقے جائز ہیں اور کروٹ پر لٹانا افضل ہے، اور لحد کی فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں کروٹ دینے میں آسانی ہوتی ہے اور شق میں کروٹ پر لٹانے میں دشواری ہے، دیوبند، سہارن پور کی زمین نرم ہے، اس لئے یہاں صندوقچی قبر بنائی جاتی ہے اور میت کو چت لٹا کر قبلہ رخ کر دیا جاتا ہے، اور کروٹ دینے کے لئے میت کے پیچھے مٹی بھرنی ہوگی، ورنہ وہ کھڑی نہیں رہے گی۔

نوٹ: لحد: قبر کے گڑھے میں جدار قبلی میں کھود کر جگہ بناتے ہیں پھر اس میں میت کو رکھ کر پیچھے پتھر یا اینٹوں سے چن دیتے ہیں۔ اور شق میں قبر کے گڑھے کے بیچ میں دوسرا گڑھا کھودتے ہیں اور اس میں میت کو لٹاتے ہیں، اور

اوپر تختے رکھ کر پاٹ دیتے ہیں۔

[۵۲] باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "اللحد لَنا والشَّقُّ لغیرنا"

[۱۰۲۹-] حدثنا أَبُو كُرَيبٍ، ونَصْرُ بنُ عبدِ الرحمنِ الكُوْفِيُّ، ويُوْسُفُ بنُ مُوسَى القَطَّانُ البَغْدَادِيُّ، قَالُوْا: نا حَكَّامُ بنُ سَلْمٍ، عن عَلِيِّ بنِ عبدِ الأعْلَى، عن أَبِيْهِ، عن سَعِيدِ بنِ جُبَيْرٍ، عن ابنِ عبّاسٍ، قالَ: قالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "اللَّحْدُ لَنَا والشَّقُّ لِغَيْرِنَا"

وفي الباب: عن جَرِيْرِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ، وعائشةَ، وابنِ عُمَرَ، وجَابِرٍ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبّاسٍ حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الوَجْهِ.

وضاحت: یہ حدیث غریب ہے، حکام بن سلم سے اوپر اس کی یہی سند ہے اور علی بن عبدالاعلی کی ابو حاتم اور دار قطنی نے تضعیف کی ہے، اور امام بخاری اور امام ترمذی نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے، حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صدوق یَہِمُ (تقریب) اور اس کا باپ عبدالاعلی بھی ضعیف ہے، امام احمد ابوزرعہ اور ابن معین نے اس کی تضعیف کی ہے۔ حافظؒ نے صدوق یَہِمُ فرمایا ہے (تقریب)

بابُ ماجاءَ مَايَقُوْلُ إِذَا أُدْخِلَ الْمَيِّتَ قَبْرَهُ؟

جب میت کو قبر میں اتارے تو کیا کہے؟

جب میت قبر میں اتاری جائے تو یہ دعا پڑھی جائے: بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔ اور دوسری روایت میں ہے: وعلی سنۃ رسول اللہ دونوں کا حاصل ایک ہے، پس دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ ہر چیز کا تسمیہ جدا ہے، وضو کا تسمیہ: بسم اللہ والحمدللہ ہے، کھانے کا تسمیہ: بسمِ اللہ وعلی بَرَکَۃِ اللہ ہے، تفصیل مع احادیث (کتاب الطہارۃ باب ۲۰ میں گذر چکی ہے)

[۵۳] باب ماجاء مایقول إذا أدخل المیت قبره؟

[۱۰۳۰-] حدثنا أَبُوْ سَعِيْدٍ الأَشَجُّ، نا أَبُوْ خَالِدٍ الأَحْمَرُ، نا الحَجَّاجُ، عن نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم إِذَا أُدْخِلَ الْمَيِّتَ القَبْرَ قَالَ: وَقَالَ أَبُوْ خَالِدٍ: إِذَا وَضَعَ الْمَيِّتَ فِي لَحْدِهِ، قَالَ مَرَّةً: "بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ وَعَلَى مِلَّةِ رسولِ اللهِ" وقالَ مَرَّةً: "بِسْمِ الله وباللهِ وعَلَى سُنَّةِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الوَجْهِ، وقَدْ رُوِيَ هذا الحديثُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الوَجْهِ أَيْضًا عَنِ ابنِ عُمَرَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، رَوَاهُ أَبُوْ الصِّدِّيْقِ النَّاجِيُّ، عنِ ابنِ عُمَرَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي الصِّدِّيْقِ، عن ابنِ عُمَرَ مَوْقُوْفًا أَيْضًا.

ترجمہ اور وضاحت: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب میت قبر میں اتارتے تھے تو کہتے تھے، اور ابو خالد نے کہا: جب میت اس کی بغلی میں رکھتے تھے تو ایک مرتبہ کہا: بسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله اور دوسری مرتبہ کہا: بسم الله وبالله وعلى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

تشریح: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے مگر اس سند سے غریب ہے، اس لئے کہ اس کو حجاج بن ارطاۃ سے صرف ابو خالد احمر روایت کرتے ہیں اور حجاج صدوق، کثیر الخطاء اور مدلس ہیں (تقریب) اور ابو خالد کے بارے میں حافظ رحمہ اللہ کہتے ہیں: صدوق يُخطِئُ. اور یہ حدیث اس کے علاوہ دیگر اسانید سے بھی ابن عمرؓ سے مروی ہے اس کو ابو الصدیق الناجی نے ابن عمرؓ سے مرفوع روایت کیا ہے (یہ روایت ابوداؤد میں ہے) اور ابو الصدیق کے واسطہ سے ابن عمرؓ سے موقوف بھی مروی ہے (یہ حدیث نسائی میں ہے)

بابُ ماجاءَ فی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ يُلْقَى تحتَ المَيِّتِ فِي الْقَبْرِ

قبر میں میت کے نیچے کپڑا بچھانے کی روایت

تمام ائمہ متفق ہیں کہ بے ضرورت قبر کے اندر میت کے نیچے کوئی چیز نہیں بچھائی جائے گی، البتہ بوقت ضرورت بچھا سکتے ہیں، مثلاً: بارش کی وجہ سے قبر کے اندر کی مٹی گیلی ہے یا نیچے سے پانی نکل رہا ہے تو کپڑا یا چٹائی وغیرہ بچھا کر اس پر میت کو رکھ سکتے ہیں، اور اس باب میں جو حدیث ہے کہ شُقران (نبی ﷺ کے آزاد کردہ) نے آپؐ کی قبر میں سرخ قالین بچھایا تھا یہ بات صحیح نہیں، بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جو حضرات قبر میں اترے تھے انھوں نے وہ قالین نکال کر باہر ڈال دیا تھا اور آپؐ کے نیچے قبر میں کوئی چیز نہیں رہنے دی تھی (العرف الشذی) جیسے حضور اکرم ﷺ کے کفن کے لئے سات کپڑے لائے گئے تھے مگر صحابہ نے ان میں سے تین استعمال کئے تھے باقی واپس کر دیئے تھے، اسی طرح قالین بھی باہر کر دیا تھا۔

[٥٤] باب ماجاء فی الثوب الواحد يُلْقَى تحتَ الميت فی القبر

[١٠٣١-] حدثنا زَيْدُ بنُ أَخْزَمَ الطَّائِيُّ، نا عُثْمَانُ بنُ فَرْقَدٍ، قالَ: سَمِعْتُ جَعْفَرَ بنَ مُحَمَّدٍ، عن أَبِيْهِ قَالَ: الَّذِيْ أَلْحَدَ قَبْرَ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَبُوْ طَلْحَةَ، وَالَّذِيْ أَلْقَى الْقَطِيْفَةَ تَحْتَهُ

شُقْرَانُ، مَوْلَى لِرسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم.

قالَ جَعْفَرٌ: وَأَخْبَرَنِيْ ابنُ رَافِعٍ، قالَ: سَمِعْتُ شُقْرَانَ يَقُوْلُ: أَنَا وَاللّهِ! طَرَحْتُ القَطِيْفَةَ تَحْتَ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ الْقَبْرِ.

وفي الباب: عن ابنِ عبّاسٍ، قال أبو عيسى: حديثُ شُقْرَانَ حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَرَوَى عَلِيُّ بنُ الْمَدِيْنِيُّ، عن عُثْمَانَ بنِ فَرْقَدٍ هٰذَا الحديثَ.

[۱۰۳۲-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا يَحيىَ بنُ سَعِيدٍ، عن شُعْبَةَ، عن أَبِيْ جَمْرَةَ، عنِ ابنِ عباسٍ قالَ: جُعِلَ فِيْ قَبْرِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَطِيْفَةٌ حَمْرَاءُ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ رَوَى شُعْبَةُ عن أَبِي حَمْزَةَ القَصَّابِ، واسْمُهُ: عِمْرَانُ بنُ أَبِيْ عَطَاءٍ، وَرُوِيَ عن أَبِيْ جَمْرَةَ الضُّبَعِيِّ، واسْمُهُ: نَصْرُ بنُ عِمْرَانَ، وكِلاَهُمَا مِن أَصْحَابِ ابنِ عَبَّاسٍ.

وقَدْ رُوِيَ عن ابنِ عباسٍ: أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يُلْقَى تَحْتَ الْمَيِّتِ فِيْ الْقَبْرِ شَيْئٌ، وإِلَى هذا ذَهَبَ بَعْضُ أهلِ العلمِ.

وقالَ محمدُ بنُ بَشَّارٍ فِيْ مَوْضِعٍ آخَرَ: حَدَّثَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ، ويَحيىَ، عن شُعْبَةَ، عن أَبِيْ جَمْرَةَ، عن ابنِ عَبَّاسٍ، وهذا أَصَحُّ.

ترجمہ اور وضاحت: محمد باقر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس نے نبی ﷺ کی قبر کو بغلی بنایا وہ ابوطلحہؓ تھے (اور حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح شق بناتے تھے) اور جس نے آپؐ کے نیچے قالین بچھایا وہ شُقران تھے جو نبی ﷺ کے ایک آزاد کردہ ہیں (یہ حدیث مرسل ہے، کیونکہ محمد باقر تابعی ہیں، اس کے بعد سند بدل رہی ہے) جعفر صادق کہتے ہیں: مجھے ابن رافع (جن کا نام عبید اللہ ہے اور جو حضرت علیؓ کے سکریٹری تھے) نے بتایا کہ انھوں نے شقران سے سنا: (اب حدیث موصول ہوگئی) قسم بخدا! میں نے نبی ﷺ کے نیچے قبر میں قالین بچھایا تھا۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں: شقران کی حدیث حسن غریب ہے (کیونکہ عثمان بن فرقد سے اوپر ایک سند ہے) اور علی بن المدینی نے بھی اس حدیث کو عثمان بن فرقد سے روایت کیا ہے (معلوم ہوا کہ اس کی اور کوئی سند نہیں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی قبر میں سرخ قالین بچھایا گیا تھا ــــــ اس حدیث کو شعبہؒ نے ابوحمزۃ القصاب سے جن کا نام عمران بن ابی عطاء ہے روایت کیا ہے اور ابوجمرۃ الضُّبَعی سے بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے اور ان کا نام نصر بن عمران ہے اور یہ دونوں ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں اور ابن عباس سے مروی ہے کہ میت کے نیچے قبر میں کوئی چیز بچھانا مکروہ ہے، اور بعض اہل علم اس کی طرف گئے ہیں (یہ اجماعی مسئلہ ہے) اور محمد

بن بشار نے (اپنی کتاب میں) دوسری جگہ مذکورہ حدیث کی یہ سند لکھی ہے: ہم سے حدیث بیان کی محمد بن جعفر اور یحییٰ قطان نے، دونوں روایت کرتے ہیں شعبہ سے، وہ ابو جمرۃ سے، وہ ابن عباس سے اور یہ اصح ہے (یہ ابو جمرۃ کی سند لکھی ہے اور یہ حدیث اصح اس لئے ہے کہ ابو جمرۃ اعلی درجہ کا راوی ہے اور ابو حمزۃ قصاب معمولی درجہ کا راوی ہے)

بابُ ماجاء فی تَسْوِیَۃِ الْقَبْرِ

قبروں کو ہموار کرنے کا بیان

قبریں بہت اونچی نہیں بنانی چاہئیں اس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے۔ ہندوستان میں جہاں پختہ اور اونچی قبریں ہیں وہاں جا کر دیکھیں کیا کیا خرافات ہوتے ہیں، اور جو قبر جتنی شاندار اور اونچی ہوتی ہے وہاں اسی قدر خرافات زیادہ ہوتے ہیں چاہے اندر گدھا دفن ہو اس لئے قبر زمین سے صرف اتنی اونچی ہونی چاہئے کہ اس کا قبر ہونا معلوم ہوتا کہ لوگ اس پر چلنے، پھرنے، بیٹھنے، اٹھنے، استنجاء کرنے اور گندگی ڈالنے سے بچیں۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوالہیاج اسدی (تابعی) سے فرمایا: (یہ حضرت علیؓ کے دور خلافت کا واقعہ ہے) میں آپ کو ایک ایسے کام کے لئے روانہ کر رہا ہوں جس کام کے لئے نبی ﷺ نے مجھے بھیجا تھا: ''جاؤ! جو بھی قبر اونچی دیکھو اسے پھاڑ کر زمین کے برابر کر دو اور جو بھی تصویر دیکھو اسے مٹا دو''

تشریح: اسلامی حکومت میں ایک شعبہ ہوتا ہے جس کا نام محکمۂ احتساب (دار و گیر کا شعبہ) ہے، اس شعبہ کے ذمہ داروں کا کام یہ ہے کہ جہاں بھی کوئی امر منکر دیکھیں اس پر نکیر کریں اور ضرورت پڑے تو طاقت سے اس کی اصلاح کریں۔ نبی ﷺ اپنے زمانہ میں بذاتِ خود یہ کام کرتے تھے، حدیث شریف میں ہے کہ آپؐ ایک مرتبہ بازار تشریف لے گئے، ایک دکان پر شاندار گندم دیکھا، آپؐ نے اندر ہاتھ ڈالا تو اندر سے بھیگا ہوا نکلا، آپؐ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ دکان والے نے عرض کیا: یارسول اللہ! بارش سے یہ گیہوں بھیگا ہے آپؐ نے فرمایا: اس کو اندر کیوں چھپایا ہے؟ اوپر کیوں نہیں رکھا؟ یہی احتساب ہے۔

اور یاد رکھنا چاہئے کہ منکرات پر دار و گیر حکومت کے کارندے ہی کر سکتے ہیں اگر عام لوگ یہ کام کرنے لگیں گے تو فتنہ ہوگا، اور قبرستان پر نظر رکھنا اور وہاں ایسی ویسی کوئی بات نہ ہونے دینا حکومت کی ذمہ داری ہے، اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوالہیاج رحمہ اللہ کو بھیجا کہ جو بھی اونچی قبر نظر آئے اس کو زمین کے برابر کر دیں اور جو بھی تصویر ملے اس کو مٹا دیں۔ اور فرمایا: حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے یہ کام لیا ہے (محکمۂ احتساب کے تحت کیا کیا کام آتے ہیں، اس سلسلہ میں عمر سنامی رحمہ اللہ کی کتاب نصاب الاحتساب (جو مطبوعہ ہے اور مفتی بہ کتابوں میں ہے) کا مطالعہ مفید ہوگا)

[۵۵] باب ماجاء في تسوية القبر

[۱۰۳۳-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نا سُفيانُ، عن حَبِيْبِ بنِ أَبِيْ ثَابِتٍ، عن أَبِيْ وَائِلٍ، أَنَّ عَلِيًّا قالَ لِأَبِيْ الهَيَّاجِ الأَسَدِيِّ: أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِيْ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: أَنْ لَا تَدَعَ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ، وَلَا تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ.

وفي الباب: عن جابرٍ، قالَ أبو عيسى: حديثُ عَلِيٍّ حديثٌ حسنٌ.

والعملُ على هذا عندَ بَعْضِ أهلِ العلمِ، يَكْرَهُوْنَ أَنْ يُرْفَعَ القَبْرُ فَوْقَ الأَرْضِ، قالَ الشَّافِعِيُّ: أَكْرَهُ أَنْ يُرْفَعَ الْقَبْرُ إِلَّا بِقَدْرِ مَا يُعْرَفُ أَنَّهُ قَبْرٌ لِكَيْلَا يُوطَأَ وَلَا يُجْلَسَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے وہ قبر کو زمین سے اونچی بنانے کو مکروہ کہتے ہیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: میں ناپسند کرتا ہوں قبر اونچی بنانے کو مگر اتنی اونچی (بنانا جائز ہے) جس سے یہ بات معلوم ہوجائے کہ یہ قبر ہے تاکہ وہ روندی نہ جائے اور اس پر بیٹھا نہ جائے۔

بابُ ماجاء فِيْ كَرَاهِيَةِ الوَطْءِ عَلَى الْقُبُوْرِ والْجُلُوْسِ عَلَيْهَا

قبروں پر چلنے اور بیٹھنے کی ممانعت

وَطْیٌ اور وَطْءٌ کے معنی ہیں: روندنا، چلنا، اسی سے موطا مالک ہے، اور اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ قبروں کی توہین بھی نہیں کرنی چاہئے اور غایت درجہ تعظیم بھی نہیں کرنی چاہئے۔ آگے باب آرہا ہے کہ قبریں پختہ بنانا اور ان پر کتبے لگانا ممنوع ہے، پس دونوں بابوں کا خلاصہ یہ ہے کہ قبور کے ساتھ معاملہ میں افراط وتفریط سے بچا جائے، نہ ان کی توہین کی جائے اور نہ تعظیم، بلکہ ان کے ساتھ اعتدال برتا جائے۔ افراط: یہ ہے کہ قبریں اونچی اونچی بنائی جائیں، پختہ بنائی جائیں، قبروں پر گنبد بنایا جائے، ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی جائے، ان پر کتبہ لگایا جائے، ان پر پھول ڈالے جائیں، ان پر چادریں چڑھائی جائیں، اور ان پر چراغاں کیا جائے، یہ سب افعال شرکیہ ہیں یعنی ان کا مآل شرک ہے۔ اور تفریط: یہ ہے کہ ان کو روندا جائے، ان پر چلا جائے، ان پر بیٹھا جائے، اور ان پر قضاء حاجت کی جائے اور اعتدال: یہ ہے کہ دل میں قبور کی قدر ومنزلت ہو اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو سنت سے ثابت ہے، یعنی قبروں کی زیارت کے لئے جانا اور ان کے پاس کھڑے ہوکر ایصال ثواب کرنا اور دعائے مغفرت کرنا فقط۔ اور قبر پر بیٹھنا، مراقبہ کرنا اور ذکر وغیرہ کرنا ثابت نہیں۔ علامہ ابن الہمام فتح القدیر (۱۰۲:۲) میں تحریر فرماتے ہیں: والمعهودُ من السنة ليس إلا زيارتها والدعاء عندها قائما كما كان يفعل النبي صلى الله عليه وسلم في الخروج

إلی البقیع (سنتِ نبوی سے جانی ہوئی بات نہیں ہے مگر قبور کی زیارت کرنا اور ان کے پاس کھڑے ہوکر دعا کرنا، جس طرح نبی ﷺ کیا کرتے تھے جب آپ بقیع میں تشریف لے جاتے تھے)

واقعہ: حضرت الاستاذ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہ (صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) کے ساتھ میں کئی مرتبہ قبرستان قاسمی گیا ہوں، جہاں سے قبرستان شروع ہوتا ہے حضرت بجلی کے کھمبے کے پاس رک جاتے تھے اور تقریباً دس منٹ کھڑے ہوکر کچھ پڑھتے تھے پھر واپس لوٹ جاتے تھے، بس یہی سنت ہے۔

فائدہ: بعض لوگ قبروں پر مراقبہ کرتے ہیں، گھنٹوں سر جھکائے بیٹھے رہتے ہیں اور بعض لوگ ذکر جہری کرتے ہیں، یہ سب باتیں غیر ثابت اور بدعت ہیں ان سے احتراز چاہئے، اور اس سلسلہ میں کسی بھی بزرگ کا عمل حجت نہیں، حجت قرآن وحدیث اور قرونِ ثلاثہ کا تعامل ہے، جب حضرت حاجی امداداللہ صاحب قدس سرہٗ کا رسالہ ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' چھپا اور وہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچایا گیا تو آپ نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا بلکہ طالب علم سے فرمایا: اس کو حمام میں جھونک دو، اور فرمایا: ''ہم نے حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت طریقت میں کی ہے شریعت میں نہیں کی'' اور یہ واقعہ ہے کہ بعض حضرات انتہائی کبرسنی میں کچھ بدعات کی طرف مائل ہوجاتے ہیں اس لئے اگر بزرگوں کا عمل کتاب وسنت کے مطابق ہے تو سرآنکھوں پر، ورنہ کالائے بد بہ ریش خاوند!

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: قبروں پر مت بیٹھو (یہ حکم اہانت سے بچنے کے لئے ہے یا یہ حکم بھی تعظیم کے قبیل سے ہے اور بیٹھنے سے مراد مراقبہ کرنا ہے) اور ان کی طرف منہ کرکے نماز مت پڑھو (یہ حکم غایت تعظیم سے بچنے کے لئے ہے)

تشریح: قبروں پر بیٹھنے کی جو ممانعت کی گئی ہے اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں، ایک: مجاور بن کر بیٹھنا یا مراقبہ کرنا اس صورت میں یہ حکم باب افراط سے ہے، دوسرا: قبروں پر آرام کرنے کے لئے یا استنجاء کرنے کے لئے بیٹھنا اس صورت میں یہ حکم باب تفریط سے ہے یعنی اکرام میت کے خلاف ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں ابن المبارکؒ نے بسر بن عبیداللہ اور واثلۃ بن الاسقع کے درمیان ابوادریس خولانی کا واسطہ بڑھایا ہے اور ولید بن مسلم نے بھی یہ حدیث عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے روایت کی ہے، مگر وہ یہ واسطہ نہیں بڑھاتے اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ بُسر بن عبیداللہ کا حضرت واثلہ سے لقاء وسماع ہے وہ براہ راست ان سے روایت کرتے ہیں۔

[۵۶] باب ماجاء فی کراهیة الوَطْءِ علی القبور، والجلوسِ علیها

[۱۰۳۴-] حدثنا هَنَّادٌ، نا ابنُ المبارکَ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ یَزِیْدَ بنِ جَابِرٍ، عن بُسْرِ بنِ عُبَیْدِ اللّٰهِ، عن أَبِی إِدْرِیْسَ الْخَوْلَانِیِّ، عن وَاثِلَةَ بنِ الأَسْقَعِ، عن أَبِی مَرْثَدٍ الْغَنَوِیِّ قَالَ: قَالَ النبیُّ صلی

الله عليه وسلم: " لَاتَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ، وَلَا تُصَلُّوْا إِلَيْهَا"

وفي الباب: عن أبي هريرةَ، وعَمْرِو بنِ حَزْمٍ، وبَشِيْرِ بنِ الْخَصَاصِيَّةِ.

حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، عن عبدِ اللهِ بنِ الْمُبَارَكِ بِهٰذَا الإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، وأَبُوْ عَمَّارٍ، قالاَ: نا الوَلِيْدُ بنُ مُسْلِمٍ، عن عَبْدِ الرحمنِ بنِ يَزِيْدَ بْنِ جَابِرٍ، عن بُسْرِ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عن وَاثِلَةَ بنِ الأَسْقَعِ، عن أَبِيْ مَرْثَدٍ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَلَيْسَ فِيْهِ:" عن أَبِيْ إِدْرِيْسَ" وهذا الصَّحِيْحُ.

قال أبو عيسى: قالَ محمدٌ: حديثُ ابنِ المُبَارَكِ خطَأٌ، أَخطَأَ فِيْهِ ابنُ الْمُبَارَكِ، وَزَادَ فِيْهِ: عن أَبِيْ إِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيِّ، وإِنَّمَا هُوَ بُسْرُ بنُ عُبَيْدِ اللّٰه، عن وَاثِلَةَ بنِ الأَسْقَعِ، هٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عبدِ الرحمنِ بنِ يَزِيْدَ بنِ جَابِرٍ، وَلَيْسَ فِيْهِ:" عن أَبِيْ إِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيِّ" وبُسْرُ بنُ عُبيدِ اللّٰهِ قَدْ سَمِعَ مِنْ وَاثِلَةَ بنِ الأَسْقَعِ.

ترجمہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ابن المبارک کی حدیث میں چوک ہے اس میں ابن المبارکؒ نے غلطی کی ہے، انھوں نے اس میں ابوادریس خولانی کا واسطہ بڑھایا ہے، صحیح سند: بسر بن عبید اللہ عن واثلۃ الاسقع ہے، متعدد حضرات نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے اسی طرح روایت کیا ہے، ان کی حدیثوں میں عن أبي إدريس الخولاني نہیں ہے اور بسر بن عبید اللہ نے واثلۃ بن الاسقع سے سنا ہے۔

بابُ ماجاءَ فی كَرَاهِيَةِ تَجْصِيْصِ الْقُبُوْرِ والْكِتَابَةِ عَلَيْهَا

قبریں پختہ بنانا اور ان پر کتبے لگانا ممنوع ہے

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبریں پختہ بنانے سے، اور ان پر کتبے لگانے سے، اور ان پر عمارت بنانے سے اور ان کو روندنے سے منع فرمایا۔

تشریح: شراح حدیث لکھتے ہیں کہ قبریں پختہ بنانا، ان پر کتبہ لگانا اور ان پر گنبد بنانا تعظیم کی وجہ سے ممنوع ہے اور ان کو روندنے کی ممانعت ان کی اہانت کی وجہ سے ہے، قبور کی نہ غایت درجہ تعظیم کرنی چاہئے نہ توہین، ان کے ساتھ معتدل معاملہ کرنا ضروری ہے۔ اور میرے نزدیک پختہ قبریں بنانے کی، ان پر کتبے لگانے کی اور ان پر گنبد بنانے کی ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قبرستان بار بار استعمال ہوتا ہے یا ہونا چاہئے، پس اگر قبریں پکی بنائی جائیں گی اور ان پر کتبے لگائے جائیں گے تو وہ جگہ ریزرو ہو جائے گی، اس کو دوبارہ استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر قبریں پختہ نہیں ہوں گی، نہ ان پر کتبے

ہوں گے تو ایک وقت کے بعد قبر کا نشان مٹ جائے گا اور وہ جگہ دوبارہ تدفین میں استعمال ہوسکے گی، مکہ معظمہ کا قبرستان حَجُون اور مدینہ منورہ کا قبرستان بقیع اسلام سے پہلے کے ہیں ان میں اربوں کھربوں انسان دفن ہوگئے اور آج بھی دفن ہورہے ہیں وہاں طریقہ یہ ہے کہ ایک طرف سے قبریں بناتے چلے جاتے ہیں جب آخر تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر شروع سے قبریں بنانے لگتے ہیں، اس طرح وہ قبرستان بار بار استعمال ہوتے ہیں۔ اور ہندوستان میں مسلمانوں کے جو پرانے شہر ہیں ان کے چاروں طرف قبرستان ہی قبرستان ہیں، کیونکہ جب قبریں پکی بن گئیں اور ان پر کتبہ لگ گیا تو اب وہ جگہ دوبارہ استعمال نہیں ہوسکتی، چنانچہ قبرستان کے لئے دوسری جگہ خریدی جاتی ہے، اور پرانے قبرستان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا ان میں جانور گھومتے ہیں، لوگ پاخانہ کرتے ہیں کیا یہ بہتر ہے یا ان کو دوبارہ تدفین کے لئے استعمال کرنا؟ پھر آبادی بہرحال بڑھے گی، کدھر بڑھے گی؟ چاروں طرف بڑھے گی، اس وقت قبرستان میں سڑکیں بنیں گی، لوگ ناجائز قبضے کرکے مکانات بنائیں گے اور مردوں کی جو توہین ممکن ہے وہ ہوگی، پس کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ایک قبرستان بار بار استعمال ہوتا کہ وہاں آمدورفت رہے اور اس کی حفاظت ممکن ہو، مگر ہندوستان کا مسلمان تو سمجھتا ہی نہیں، اس کو سب کچھ گوارہ ہے مگر دوبارہ قبرستان کا استعمال اس کے گلے نہیں اترتا، اللہ تعالیٰ سمجھ بوجھ عطا فرمائیں (آمین)

فائدہ: لوگ قبروں پر کتبہ کے تعلق سے کہتے ہیں کہ اس کا امت میں تعامل ہے اور فقہ کی کتابوں میں اس کو جائز لکھا ہے کہ بڑے آدمی کی قبر پر کتبہ لگا سکتے ہیں، اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ ''العرف الشذی'' میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا قول ہے کہ لوگ قبروں پر کتبے لگاتے ہیں اور حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، پس جو نیا طریقہ شروع ہوا ہے اس میں جواز کی کوئی دلیل نہیں، یعنی تعامل اس وقت حجت ہوتا ہے جب وہ نص کے خلاف نہ ہو، جیسے سود اور شراب کا بھی تعامل ہوگیا ہے مگر وہ نص کے خلاف ہے اس لئے وہ حجت نہیں، اسی طرح جب کتبے لگانے کی ممانعت کے سلسلہ میں اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث موجود ہے تو تعامل کیسے حجت ہوسکتا ہے؟ اور بڑا آدمی کون ہے یہ کیسے طے کیا جائے گا؟ یعنی اس کا معیار کیا ہوگا؟ ہر شخص کے نزدیک اس کا مورث بڑا آدمی ہے، چنانچہ ہر شخص کتبہ لگاتا ہے بلکہ بعض تو صرف اس لئے کتبہ لگاتے ہیں کہ جگہ ریزرو ہوجائے، وہ دوسری مرتبہ استعمال نہ ہو۔

رہا فقہی جزئیہ تو ہماری کتب فقہ میں بہت سی ایسی جزئیات ہیں جن پر ہم اس لئے فتوی نہیں دیتے کہ یا تو ان کا کچھ ثبوت نہیں یا وہ نص کے خلاف ہیں جیسے: تثویب کا تذکرہ کتب فقہ میں ہے اور نمک سے کھانا شروع کرنے کا تذکرہ بھی شامی میں ہے مگر اس پر ہم اس لئے فتوی نہیں دیتے کہ ان کا کچھ ثبوت نہیں، اسی طرح قبر پر پھول رکھنے کا تذکرہ بھی شامی میں ہے مگر اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں، اس لئے اس کو بدعت کہتے ہیں، اسی طرح کتبہ کا جزئیہ اگرچہ موجود ہے مگر وہ نص صحیح صریح کے خلاف ہے اس لئے اس پر نہ فتوی دینا چاہئے اور نہ اس پر عمل کرنا چاہئے، آج مسلمانوں کے قبرستان میں جا کر دیکھیں، عیسائیوں کے قبرستان اور مسلمانوں کے قبرستان میں کچھ فرق نہیں رہا، یہ اس حدیث پر

عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمائیں اور حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

[۵۷] باب ماجاء فی کراهية تَجْصِيْصِ القبور والكتابة عليها

[۱۰۳۵-] حدثنا عبدُ الرحمنِ بنُ الأَسْوَدِ أَبُوْ عَمْرٍو الْبَصْرِيُّ، نا مُحَمَّدُ بنُ رَبِيْعَةَ، عن ابنِ جُرَيْجٍ، عن أبي الزُّبَيْرِ، عن جَابِرٍ، قالَ: نَهَى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم أَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُوْرُ، وأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا، وأَنْ يُبْنَى عَلَيْهَا، وأَنْ تُوطَأَ.

قالَ أبو عيسى: هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرٍ.

وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أهلِ العلمِ — مِنْهُمُ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ — فِيْ تَطْيِيْنِ الْقُبُوْرِ، وقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَابَأْسَ أَنْ يُطَيَّنَ الْقَبْرُ.

وضاحت: تطیین القبور یعنی قبر تیار ہونے کے بعد پانی ڈال کر مٹی کو جمانا تاکہ ہوا سے مٹی اڑ نہ جائے: یہ تجصیص القبور نہیں ہے، یہ جائز ہے، حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تطیین القبور جائز ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تطیین القبور میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے نزدیک قبر چوگوشہ اور مسطح بنانا افضل ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کوہان نما قبر بنانا افضل ہے، بخاری (كتاب الجنائز: باب ماجاء فی قبر النبی صلی الله علیه وسلم) میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی قبر مبارک مسنّم یعنی اونٹ کی کوہان کی طرح ہے۔

بابُ مايقولُ الرَّجُلُ إِذَا دَخَلَ الْمَقَابِرَ؟

جب قبرستان میں جائے تو کیا کہے؟

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے قبرستان کے پاس سے گذرے اور قبروں کی طرف چہرے کے ساتھ متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائیں، تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمہارے نشانِ قدم پر آرہے ہیں'' (بالأثَر اور بالإثْر دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں)

تشریح: زیارتِ قبور کے وقت پہلے قبور کی طرف رخ کرے پھر سلام کرے اس کے بعد اپنے لئے اور مردوں کے لئے دعائے مغفرت کرے، لوگ غلطی کرتے ہیں: مردوں کے لئے تو دعائے مغفرت کرتے ہیں مگر خود کو بھول جاتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں اور زیارتِ قبور کا مقصد موت کو یاد کرنا ہے، حدیث کے تیسرے جزء میں یہی مضمون ہے۔

[۵۸] باب مایقول الرجل إذا دخل المقابر؟

[۱۰۳۶-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، نَا محمدُ بنُ الصَّلْتِ، عن أَبِيْ كُدَيْنَةَ، عَنْ قَابُوْسَ بنِ أَبِيْ ظَبْيَانَ، عن أَبِيْهِ، عنِ ابنِ عَبَّاسٍ قالَ: مَرَّ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِقُبُوْرِ الْمَدِيْنَةِ، فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: " السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ! يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ، أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالأَثَرِ"

وفى الباب: عن بُرَيْدَةَ، وعائشةَ، حديثُ ابنِ عباسٍ حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وأَبُوْ كُدَيْنَةَ: اسْمُهُ يَحيىَ بنُ الْمُهَلَّبِ، وأَبُوْ ظَبْيَانَ: اسْمُهُ حُصَيْنُ بنُ جُنْدُبٍ.

وضاحت: اس حدیث کی سند کے ساتھ ابو کدینہ متفرد ہے، اس لئے حدیث غریب ہے اور ابو کدینہ کا نام یحیٰ بن المہلب ہے اور قابوس کے ابا ابوظبیان کا نام حصین بن جندب ہے۔

بابُ ماجاء فی الرُّخصةِ فِیْ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ

زیارت قبور کے لئے قبرستان جانے کی اجازت

اس باب میں مَردوں کے تعلق سے مسئلہ بیان کیا ہے کہ ان کے لئے زیارت قبور کے لئے قبرستان جانا جائز ہے اور عورتوں کے تعلق سے مسئلہ آئندہ باب میں آرہا ہے ——— شروع میں زیارت قبور کے لئے قبرستان جانا مطلقاً ممنوع تھا اور یہ ممانعت حضور اقدس ﷺ کے لئے بھی تھی، آپ کی اپنی والدہ کی قبر پر حاضری کی بڑی خواہش تھی مگر اجازت نہیں تھی، کچھ عرصہ کے بعد آپ کو والدہ ماجدہ کی قبر پر حاضری کی اجازت مل گئی اس سے آپؐ نے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ جب ایک قبر پر جانے کی اجازت مل گئی تو ممانعت مرتفع ہوگئی، اب ہر شخص ہر قبر پر جاسکتا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: ''میں نے آپ لوگوں کو زیارت قبور سے روکا تھا، اب محمد ﷺ کو ان کی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت مل گئی ہے، لہٰذا آپ لوگ قبرستان جایا کریں'' اور شروع میں زیارت قبور سے اس لئے روکا گیا تھا کہ عام مسلمانوں کے دلوں میں ابھی توحید کا بیج پوری طرح جما نہیں تھا اس لئے اندیشہ تھا کہ قبرستان جانے سے قبور پرستی کا سلسلہ شروع ہوجائے گا چنانچہ قبروں پر جانے سے منع کیا گیا، پھر جب امت کا توحیدی مزاج پختہ ہوگیا اور اسلام کی بنیادی تعلیمات دلوں میں جڑ پکڑ گئیں اور دلوں میں شرک کی نفرت بیٹھ گئی اور قبور پر جانے میں شرک کا اندیشہ نہ رہا تو آپؐ نے قبور پر جانے کی اجازت دیدی اور جواز کی وجہ یہ بیان کی کہ زیارت قبور میں بڑا فائدہ ہے، اس سے آدمی کو اپنی موت یاد آتی ہے اور وہ انقلابات دہر سے عبرت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

فائدہ: اب لوگوں میں زیارت قبور کا سلسلہ تقریباً ختم ہوگیا ہے، سال کا سال گذر جاتا ہے اور گور غریباں میں

کوئی نہیں جاتا، یہ بریلویوں کے ساتھ اختلاف کا ردعمل ہے، لوگوں نے ایسا سمجھ لیا ہے کہ ہم دیوبندیوں کو قبرستان بالکل نہیں جانا چاہئے یہ صالح ذہنیت نہیں ہے، زیارتِ قبور مامور بہ ہے، اس میں اموات کا بڑا فائدہ ہے اور زندوں کا بھی فائدہ ہے، اپنی موت یاد آتی ہے اور دنیا سے دل اکھڑتا ہے، پس گاہ بہ گاہ عام قبرستان میں جانا چاہئے اس کی طرف سے غفلت ٹھیک نہیں۔

اور یہ جو بزرگوں کی قبروں پر جانے کا سلسلہ ہے یہ بیشک جاری ہے بلکہ دن بدن بڑھتا جارہا ہے مگر یہ دیوبندیت نہیں ہے، بریلویت ہے، یہی سلسلہ بڑھ کر قبر پرستی کی شکل اختیار کرے گا، پھر اس زیارت میں زندوں کا کوئی فائدہ نہیں، اولیاء کی قبور پر جا کر اپنی موت کو کوئی یاد نہیں کرتا، یہ مقصد تو گورغریباں میں جا کر پورا ہوتا ہے پس ہر مہینہ کم از کم ایک مرتبہ زیارتِ قبور کے لئے جانا چاہئے۔ واللہ الموفق۔

[۵۹] باب ماجاء فی الرخصة فی زيارة القبور

[۱۰۳۷-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، ومَحْمُوْدُ بنُ غَيْلاَنَ، والحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الخَلاَّلُ، قَالُوْا: نَا أَبُوْعَاصِمِ النَّبِيْلُ، نَا سُفيَانُ، عَنْ عَلْقَمَةَ بنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ بُرَيْدَةَ، عن أَبِيْهِ، قَالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " قَدْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَقَدْ أُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِيْ زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ، فَزُوْرُوْهَا، فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الآخِرَةَ"

وفي الباب: عن أَبِيْ سَعِيدٍ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وأنسٍ، وأبي هريرةَ، وأُمِّ سَلَمَةَ، قال أبو عيسى: حَدِيْثُ بُرَيْدَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعملُ على هذا عِنْدَ أهلِ العلمِ، لاَيَرَوْنَ بِزِيَارَةِ الْقُبُوْرِ بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ ابنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وأحمدَ وإسحاقَ.

بابُ ماجاءَ فی كَرَاهِيَةِ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ لِلنِّسَاءِ

عورتوں کے لئے قبرستان جانے کی ممانعت

عورتیں قبرستان جاسکتی ہیں یا نہیں؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں کراہیت کا لفظ استعمال کیا ہے، یعنی عورتوں کے لئے قبرستان جانا جائز نہیں، اور دوسرا باب گول مول ہے، لفظ رخصت استعمال نہیں کیا، کیونکہ مسئلہ طے نہیں ہے، علماء میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ سے بھی دو روایتیں مروی ہیں جواز کی بھی اور عدم جواز کی بھی۔ اور حضرت نانوتوی قدس سرہ کی رائے یہ ہے کہ عورتوں کے لئے قبرستان

جانے سے احتراز ضروری ہے، حضرت کی یہ رائے فیوض قاسمیہ میں ہے [1] اور بہشتی گوہر (بہشتی زیور حصہ گیارہ ص:۱۰۲) میں زیارتِ قبور کا استحباب مردوں کے تعلق سے بیان کیا ہے، عورتوں کا تذکرہ نہیں کیا۔ اور فتاوی دار العلوم (۶:۴۱۸) میں ہے: راجح یہی ہے کہ عورت زیارتِ قبور کو نہ جاوے۔

پہلے باب میں یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے زوّرات القبور پر لعنت فرمائی ہے، یہ حدیث معمول بہا ہے یا منسوخ یعنی جب قبرستان جانے کی عام ممانعت تھی مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی، اس زمانہ کی یہ حدیث ہے یا بعد کی ہے؟ اگر دور اول کی ہے تو منسوخ ہے اور بعد کی ہے تو معمول بہ ہے اور ممانعت صرف مردوں کے تعلق سے ختم ہوئی ہے عورتوں کے تعلق سے باقی ہے، مگر کوئی قرینہ نہیں ہے جس سے یہ بات طے کی جائے۔ اور اگر یہ فرض کریں کہ یہ روایت بعد کی ہے یعنی عورتوں کے تعلق سے ممانعت باقی ہے تو پھر دو احتمال ہیں: زوّرات سے مبالغہ مراد ہے یا وہ بمعنی زائرات ہے، اگر مبالغہ مراد ہے تو حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کے لئے بکثرت قبرستان جانا ممنوع ہے، گاہے ماہے جاسکتی ہیں، اور اگر بمعنی زائرات ہے تو مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے لئے قبرستان جانا مطلقاً ممنوع ہے، غرض حدیث بھی فیصلہ کن نہیں۔

اور دوسرے باب میں یہ حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبد الرحمٰن کی قبر پر گئی تھیں، عبد الرحمٰن کا انتقال حُبشی گاؤں میں ہوا تھا جو مکہ سے بیس میل ہے، وہاں سے ان کا جنازہ مکہ لاکر دفن کیا گیا تھا، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج یا عمرہ کے لئے مکہ آئیں تو اپنے بھائی کی قبر پر گئیں اور فرمایا: اگر میں آپ کے انتقال کے وقت موجود ہوتی تو قبر پر نہ آتی، حضرت عائشہؓ قبر پر آئی بھی ہیں اور نہ آنے کی بات بھی کہہ رہی ہیں، اس لئے یہ روایت بھی فیصلہ کن نہیں، مگر اس حدیث سے اتنی بات ضرور نکلتی ہے کہ زوّرات سے مبالغہ مراد ہے یعنی بکثرت قبرستان آنا جانا ممنوع ہے، کبھی کبھار کوئی عورت قبرستان جائے تو ممنوع نہیں، کیونکہ زوّرات اگر مطلق زیارت کے معنی میں ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک بار بھی بھائی کی قبر پر نہ جاتیں، اور بکثرت قبرستان جانے کی ممانعت کی علت ہے: **قِلّۃُ صبرِهن و کثرۃُ جزعهن** یعنی عورتیں قبرستان جا کر روئیں گی دھوئیں گی اس وجہ سے ممانعت ہے، اور عورتوں کے لئے بزرگوں کی قبروں پر جانے کی ممانعت کی علت فسادِ اعتقاد ہے وہ وہاں جائیں گی تو مرادیں مانگیں گی، اور کردنی ناکردنی کریں گی۔ اور رشتہ داروں کی قبروں پر جانے کی ممانعت کی وجہ جزع فزع ہے وہ وہاں بے صبری کا مظاہرہ کریں گی، اس لئے ان کا بکثرت قبور پر جانا ممنوع ہے، البتہ کبھی کبھار رشتہ دار کی قبر پر چلی جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

---

(۱) فیوضِ قاسمیہ (مکتوب اول) میں ہے: آرے در بارۂ زناں کہ بہر زیارتِ قبور روند لعنتِ خدا در احادیث مروی است، بناءً علیہ زناں را احتراز ضروری است ۱۲

[۶۰] باب ماجاء في كراهية زيارة القبور للنساء

[۱۰۳۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عُمَرَ بنِ أَبِيْ سَلَمَةَ، عن أَبِيْهِ، عن أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ.

وفي الباب: عن ابنِ عباسٍ، وحَسَّانَ بنِ ثَابِتٍ، قالَ أبو عيسى: هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وقَدْ رَأَى بَعْضُ أهلِ العلمِ: أَنَّ هٰذا كانَ قَبْلَ أَنْ يُرَخِّصَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم فِيْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَلَمَّا رَخَّصَ دَخَلَ فِيْ رُخْصَتِهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ.وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّمَا كُرِهَ زِيَارَةُ الْقُبُوْرِ لِلنِّسَاءِ، لِقِلَّةِ صَبْرِهِنَّ وَكَثْرَةِ جَزَعِهِنَّ.

ترجمہ: بعض اہل علم کہتے ہیں: لعنت والی حدیث زیارتِ قبور کی اجازت سے پہلے کی ہے، پس جب آپ ؐ نے اجازت دیدی تو اجازت میں مرد وزن سب شامل ہوگئے یعنی ممانعت سب کے لئے ختم ہوگئی، کیونکہ عورتیں احکام میں مردوں کے تابع ہیں۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: عورتوں کے لئے زیارتِ قبور مکروہ ہے ان میں صبر کے کم ہونے کی وجہ سے اور رونا دھونا زیادہ ہونے کی وجہ سے یعنی علت باقی ہے تو حکم بھی باقی ہے۔

بابُ ماجاءَ في الزِّيَارَةِ لِلْقُبُوْرِ لِلنِّسَاءِ

عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا حکم

حدیث: عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا حبشی میں انتقال ہوا، یہ مکہ کے قریب ایک گاؤں ہے، ان کا جنازہ مکہ لاکر دفن کیا گیا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج یا عمرہ کے لئے آئیں تو اپنے بھائی کی قبر پر گئیں اور دو شعر پڑھے جو تمیم بن نُویرہ یربوعی کے ہیں جو اس نے اپنے بھائی مالک کے مرثیہ میں کہے ہیں، اس کے اور مالک کے درمیان گہری دوستی تھی، وصالِ نبوی کے بعد جب ارتداد کا فتنہ پھیلا تو حضرت خالد بن الولیدؓ کے ایک فوجی حضرت ضرار بن ازور کے ہاتھ سے مالک قتل ہوا[1] اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

ہم جذیمہ[2] کے دو مصاحبوں کی طرح تھے، ایک لمبے عرصہ تک: یہاں تک کہ کہا گیا: یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہونگے۔

پھر جب ہم جدا ہوگئے (یعنی بھائی مارا گیا اور میں زندہ رہا) تو گویا میں اور مالک: لمبے عرصہ تک ساتھ رہنے کے

(۱) مالک بن نویرہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کئے گئے تھے (اسد الغابہ ۹۵:۲ ترجمۃ خالد بن الولید)

(۲) جذیمۃ: عراق کا ایک بادشاہ گذرا ہے اس کے دو مصاحب تھے مالک اور عُقیل دونوں ایک طویل عرصہ تک اس کے ساتھ رہے دونوں میں گہری دوستی تھی، دونوں ہمیشہ اکٹھے رہتے تھے، یہاں تک کہ سچی دوستی اور طولِ صحبت میں ضرب المثل بن گئے تھے۔

باوجود ہم نے ایک رات بھی ساتھ نہیں گذاری۔

اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے دو باتیں کہیں: ایک یہ کہ اگر آپ کے انتقال کے وقت میں موجود ہوتی تو آپ کو وہیں دفن کراتی جہاں آپ کا انتقال ہوا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہی کہ اگر میں انتقال کے وقت موجود ہوتی تو قبر پر نہ آتی۔

مسئلہ: جنازہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کرنا چاہئے جس کا جہاں انتقال ہو وہیں دفن کرنا چاہئے اور اس کے خلاف کسی کا بھی عمل حجت نہیں، حجت قرآن وحدیث ہیں اور حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جس کا جہاں انتقال ہو وہیں اسے دفن کرنا چاہئے دوسری جگہ منتقل نہیں کرنا چاہئے، البتہ اس میں ایک استثناء ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص علاج کے لئے کہیں لے جایا گیا اور وہاں اس کا انتقال ہوگیا اور جنازہ وطن واپس لانے میں دوسری جگہ دفن کرنے کی بہ نسبت مشقت کم ہے تو جنازہ واپس لاسکتے ہیں، مثلاً دیوبند سے علاج کے لئے میرٹھ یا دہلی لے گئے، وہاں انتقال ہوگیا تو اس کو دہلی یا میرٹھ میں دفن کرنے میں مشقت زیادہ ہے، وہاں نہ جان نہ پہچان کون تعاون کرے گا؟ اور دیوبند لاکر دفن کرنے میں مشقت کم ہے پس جنازہ واپس لاسکتے ہیں اور اگر بمبئی، مدراس، لندن یا امریکہ لے گئے اور وہاں انتقال ہوگیا تو جنازہ واپس لانے میں مشقت زیادہ ہے پس وہیں دفن کرنا چاہئے، واپس نہیں لانا چاہئے اور یہ استثناء اس لئے ہے کہ یہ میت کو منتقل کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کے ٹھکانے پر واپس لانا ہے۔

[۶۱] باب ماجاء في الزِّيَارَةِ لِلْقُبُوْرِ لِلنِّسَاءِ

[۱۰۳۹-] حدثنا الحُسَيْنُ بنُ حُرَيْثٍ، نا عيسى بنُ يُوْنُسَ، عَنْ ابنِ جُرَيْجٍ، عن عَبْدِ اللهِ بنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قَالَ: تُوُفِّيَ عبدُ الرحمنِ بنُ أَبِي بَكْرٍ بِالْحُبْشِيِّ، قَالَ: فَحُمِلَ إِلَى مَكَّةَ فَدُفِنَ فِيْهَا، فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ، أَتَتْ قَبْرَ عبدِ الرحمنِ بنِ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ:

وَكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَزِيْمَةَ حِقْبَةً ❁ مِنَ الدَّهْرِ حَتَّى قِيْلَ: لَنْ يَتَصَدَّعَا

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّيْ وَمَالِكًا ❁ لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ، لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعًا

ثُمَّ قَالَتْ: واللهِ لَوْ حَضَرْتُكَ مَا دُفِنْتَ إِلَّا حَيْثُ مُتَّ، وَلَوْ شَهِدْتُكَ مَازُرْتُكَ.

بَابُ ماجاءَ في الدَّفْنِ بِاللَّيْلِ

رات میں دفن کرنے کا بیان

میت کو رات میں دفن کرنا بلا کراہیت جائز ہے اور جب رات میں دفن کریں گے تو روشنی کے لئے بتیاں بھی ساتھ لے جائیں گے اس میں بھی کوئی حرج نہیں، حدیث میں جو میت کے ساتھ آگ لے جانے کی ممانعت آئی ہے یہ اس کا مصداق نہیں اس سے مراد وہ آگ ہے جو ہندو میت کو جلانے کے لئے ساتھ لے جاتے ہیں، جیسے قبر پر چراغاں

کرنا ممنوع ہے مگر زائرین کی سہولت کے لئے بتی جلا سکتے ہیں، یہ حدیث کا مصداق نہیں۔

حدیث: غزوۂ تبوک میں ایک صاحب کا انتقال ہوا ان کی تدفین رات میں کی گئی اور ان کو قبر میں اتارنے کے لئے آنحضرت ﷺ بذاتِ خود قبر میں اترے، معلوم ہوا کہ رات میں تدفین جائز ہے اور آپ کے لئے چراغ جلایا گیا تاکہ میت کو قبر میں اتارنے میں آسانی ہو، معلوم ہوا کہ روشنی کے لئے بتیاں ساتھ لے جانا جائز ہے اور آپ نے میت کو قبلہ کی جانب سے لیا اور فرمایا: ''اللہ آپ پر مہربانی فرمائے آپ اللہ کے خوف سے بہت زیادہ رونے والے تھے، بہت زیادہ قرآن پڑھنے والے تھے'' اور آپ نے ان کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

تشریح: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک میت کو قبلہ کی جانب سے قبر میں لینا افضل ہے جس کی صورت یہ ہے کہ جنازہ قبر سے قبلہ کی جانب میں رکھیں اور وہاں سے عرضاً قبر میں لیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سَل افضل ہے یعنی جنازہ کو پائینتی کی جانب رکھیں اور وہاں سے کھینچ کر قبر میں لیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کا جنازہ اسی طرح قبر میں لیا گیا تھا (مشکوۃ حدیث ۱۷۰۵) اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل باب کی حدیث ہے اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر دیوار سے متصل تھی قبلہ کی جانب جگہ نہیں تھی، اس مجبوری میں آپ کا جنازہ قبر کی پائینتی سے لیا گیا تھا، مجبوری میں جنازہ ہر طرف سے قبر میں اتار سکتے ہیں۔

[٦٢] باب ماجاء في الدفن بالليل

[١٠٤٠-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ، ومُحَمَّدُ بنُ عَمْرٍو السَّوَّاقُ، قالا: نا يَحيىَ بنُ اليَمَانِ، عن الْمِنْهَالِ بنِ خَلِيْفَةَ، عن الحَجَّاجِ بنِ أَرْطَاةَ، عَنْ عَطَاءٍ، عن ابنِ عبَّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ قَبْرًا لَيلًا، فَأُسْرِجَ لَهُ سِرَاجٌ، فَأَخذَهُ مِنْ قِبَلِ القِبْلَةِ، وقَالَ: " رَحِمَكَ اللهُ! إِنْ كُنْتَ لَأَوَّاهًا تَلَّاءً لِلْقُرْآنِ" وكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا.

وفي الباب: عَنْ جَابِرٍ، ويَزِيْدَ بنِ ثَابِتٍ، وَهُوَ أَخُوْ زَيْدِ بنِ ثَابِتٍ، أَكْبَرُ مِنْهُ، قال أبو عيسى: حديثُ ابنِ عبَّاسٍ حديثٌ حسنٌ.

وقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أهلِ العلمِ إِلَى هذَا. وقَالَ: يُدْخَلُ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ، وقَالَ بَعْضُهُمْ: يُسَلُّ سَلًّا، ورَخصَ أَكْثَرُ أهلِ العلمِ في الدَّفْنِ بِاللَّيْلِ.

ترجمہ: بعض علماء اس حدیث کی طرف گئے ہیں، وہ کہتے ہیں: میت قبر میں قبلہ کی جانب سے لی جائے اور بعض کہتے ہیں: کھینچی جائے کھینچنا (یعنی پائینتی کی جانب سے قبر میں کھینچ کر لی جائے) اور اکثر اہل علم رات میں دفن کرنے کو جائز کہتے ہیں۔

بابُ ماجاءَ فی الثَّناءِ الحَسَنِ عَلَی المَیِّتِ

میت کے حق میں اچھی بری گواہی

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ لے کر گذرے، صحابہ نے اس کا ذکر تعریف کے ساتھ کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی'' پھر فرمایا: ''تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو''

حدیث (۲): ابوالاسود دیلی کہتے ہیں: میں مدینہ منورہ آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا یعنی شاگرد بنا، لوگ وہاں سے ایک جنازہ لے کر گذرے، مجلس میں حاضر لوگوں نے اس کا ذکر تعریف کے ساتھ کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''واجب ہوگئی!'' میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا: کیا واجب ہوگئی؟ آپؓ نے فرمایا: میں نے وہی بات کہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے کہی ہے، آپؐ نے فرمایا ہے: ''نہیں ہے کوئی مسلمان جس کے ایمان کی تین آدمی گواہی دیں مگر اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے'' حضرت عمرؓ کہتے ہیں: ہم نے دریافت کیا: اگر دو آدمی گواہی دیں؟ آپؐ نے فرمایا: اور دو بھی یعنی ان کی گواہی سے بھی جنت واجب ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں: ہم نے ایک کے بارے میں نہیں پوچھا۔

تشریح: جس مسلمان کے لئے صالحین کی ایک جماعت اچھا ہونے کی گواہی دے — بشرطیکہ وہ گواہی دل کی تھاہ سے ہو، اوپری دل سے نہ ہو اور بغیر ریاء کے ہو، نمائش کے لئے نہ ہو، اور ریت رواج کے موافقت میں نہ ہو، کیونکہ رواجی طور پر تو ہر مرنے والے کو پسماندگان کی دلداری کے لئے اچھا کہا جاتا ہے — تو یہ شہادت اس میت کے ناجی ہونے کی علامت ہے، یعنی قطعی بات تو نہیں کہہ سکتے، البتہ یہ علامت ضرور ہے کہ یہ شخص جنتی ہے، اسی طرح جب صالحین کی ایک جماعت میت کی برائی کرے تو وہ اس کے تباہ ہونے کی علامت ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صالحین کے دلوں میں یہ باتیں غیب سے ڈالی جاتی ہیں: ''تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو'' کا یہی مطلب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ باتیں مؤمنین صالحین کو الہام کی جاتی ہیں اور ان کی زبانیں غیب کی ترجمانی کرتی ہیں، پس ان کا کہا: اللہ کا کہا ہے!

[٦٣] باب ماجاء فی الثناء الحسن علی المیت

[١٠٤١-] حدثنا احمدُ بنُ مَنِیعٍ، نا یَزِیْدُ بنُ هَارُوْنَ، نَا حُمَیْدٌ، عن أَنَسِ بنِ مَالِكٍ، قالَ: مُرَّ عَلَی رسولِ اللهِ صلی الله علیه وسلم بِجَنَازَةٍ فَأَثْنَوْا عَلَیْهَا خَیْرًا، فقالَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: "وجَبَتْ" ثُمَّ قَالَ: "أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِیْ الأَرْضِ"

قال: وفی الباب عن عُمَرَ، وکَعْبِ بنِ عُجْرَةَ، وأَبِیْ هریرةَ، قال ابو عیسی: حدیثُ أنسٍ حدیثٌ

حسنٌ صحيحٌ.

[۱۰۴۲-] حدثنا يَحيىَ بنُ مُوسَى، وهَارُونُ بن عبدِ اللهِ البَزَّازُ، قَالاَ: نا أبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، نا دَاوُدُ بنُ أَبِي الْفُرَاتِ، نا عبدُ اللهِ بنُ بُرَيْدَةَ، عن أبي الأَسْوَدِ الدِّيلِيِّ، قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَجَلَسْتُ إِلَى عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ، فَمَرُّوا بِجَنَازَةٍ، فَأَثْنَوا عَلَيْهَا خيرًا، فَقَالَ عُمَرُ: وَجَبَتْ، فَقُلْتُ لِعُمَرَ: وَمَا وَجَبَتْ؟ قَالَ: أَقُولُ كَمَا قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ لَهُ ثَلاَثَةٌ إِلاَّ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ" قَالَ قُلْنَا: وَاثْنَانِ؟ قَالَ:" واثْنَانِ" وَلَمْ نَسْأَلْ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْوَاحِدِ.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وأَبُو الأَسْوَدِ الدِّيلِيُّ: اسْمُهُ ظَالِمُ بنُ عَمْرِو بنِ سُفْيَانَ.

وضاحت: ابوالاسودالدیلی (دال کے جراوری کے سکون کے ساتھ) اور الدُؤلی (دال کے پیش اور ہمزۂ مفتوحہ کے ساتھ) دونوں طرح اس کا تلفظ ہے، یہ تابعی ہیں اور علم نحو کے مدون سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے انھوں نے علم نحو مدون کیا تھا، ان کا نام ظالم بن عمرو بن سفیان ہے۔

بابُ ماجاءَ فی ثَوَابِ مَنْ قَدَّمَ وَلَدًا

بچہ فوت ہونے پر صبر کا ثواب

جس شخص کی نابالغ اولاد مرجائے اور وہ اس پر بامید ثواب صبر کرے تو اس کے لئے کیا ثواب ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسلمان کے تین بچے نہیں مرتے، پھر وہ جہنم میں داخل ہو (یعنی ایسا نہیں ہوسکتا) مگر قسم کھولنے کے طور پر'' یہ سورۂ مریم کی آیت ۷۱ کی طرف اشارہ ہے: ﴿وَإِنْ مِنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا، كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا﴾ یعنی تم میں سے کوئی نہیں مگر وہ جہنم میں پہنچنے والا ہے، یہ بات آپ کے پروردگار پر لازم ومقرر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ بات طے کردی ہے کہ ہر شخص کو جہنم میں ضرور پہنچنا ہے کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ دوزخ کے اوپر سے ہے، پل صراط جہنم کی پشت پر بچھایا جائے گا جس سے سب کو گذرنا ہے، پس جس کے تین بچے فوت ہوگئے وہ بھی اس پر سے گذرے گا، اس کے علاوہ جہنم کی آگ اس کو چھو نہیں سکتی، اور جس کے دو بچے یا ایک بچہ فوت ہوا اس کے لئے بھی یہی ثواب ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے تین بچے آگے بھیجے (یعنی تین بچے مرگئے) جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے تو وہ بچے اس کے لئے جہنم سے مضبوط آڑ ہونگے'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے دو بچے آگے بھیجے ہیں، آپؐ نے فرمایا: ''جس کے دو بچے فوت ہوئے اس کے لئے بھی یہ فضیلت ہے'' سید القراء حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرا ایک بچہ فوت ہوا ہے، آپؐ نے فرمایا: ''جس کا ایک بچہ فوت ہوا ہو اس کے لئے بھی یہ فضیلت ہے'' البتہ شرط یہ ہے کہ جب حادثہ پیش آئے اس وقت بامید ثواب صبر کرے

ورنہ دیر سویر تو صبر سبھی کو آجاتا ہے۔

[٦٤] باب ماجاء فی ثواب من قدَّمَ ولداً

[١٠٤٣-] حدثنا قُتَيْبَةُ، عن مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، ح:وَنَا الْأَنْصَارِيُّ، نَا مَعْنٌ، نَا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عنِ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عن أَبِيْ هُرِيرةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" لَايَمُوْتُ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ، إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ"

وفى الباب: عن عُمَرَ، ومُعَاذٍ، وكَعْبِ بنِ مَالِكٍ، وعُتْبَةَ بنِ عبدٍ، وأُمِّ سُلَيْمٍ، وجَابِرٍ، وأنسٍ، وأبى ذَرٍّ، وابنِ مَسعودٍ، وأبى ثَعْلَبَةَ الْأَشْجَعِيِّ، وابنِ عَبَّاسٍ، وعُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، وأَبِيْ سَعِيدٍ، وقُرَّةَ بنِ إِيَاسٍ الْمُزَنِيِّ، وأَبُوْ ثَعْلَبَةَ، لَهُ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم حَديثٌ وَاحِدٌ هٰذَا الحديثُ، ولَيْسَ هُوَ بِالْخُشَنِيِّ.

قال أبو عيسى: حديثُ أبى هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٠٤٤-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ الجَهْضَمِيُّ، نا إسحاقُ بنُ يُوْسُفَ، نا العَوَّامُ بنُ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِيْ مُحمَّدٍ مَوْلَى عُمَرَ بنِ الْخَطَّابِ، عن أَبِيْ عُبَيْدَةَ بنِ عبدِ اللهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، عن عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ قالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ قَدَّمَ ثَلَاثَةً لَمْ يَبْلُغُوْا الحِنْثَ كَانُوْا لَهُ حِصْنًا حَصِينًا" قالَ أَبُوْذَرٍّ: قَدَّمْتُ اثْنَيْنِ، قالَ:" واثْنَيْنِ" فقالَ أُبَيُّ بنُ كَعْبٍ سَيِّدُ القُرَّاءِ: قَدَّمْتُ وَاحِدًا قالَ:" وَوَاحِدًا ولٰكِنْ إِنَّمَا ذَاكَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى"

قال أبو عيسى: هٰذا حديثٌ غريبٌ، وأَبُوْ عُبَيْدَةَ لَمْ يَسْمَعْ مَنْ أَبِيْهِ.

[١٠٤٥-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ الجَهْضَمِيُّ، وأَبُوْ الخَطَّابِ زِيَادُ بنُ يَحيىَ الْبَصْرِيُّ، قَالَا: نا عَبْدُ رَبِّهِ بنُ بَارِقٍ الحَنَفِيُّ، قالَ: سَمِعْتُ جَدِّيْ أَبَا أُمِّيْ سِمَاكَ بنَ الْوَلِيْدِ الْحَنَفِيَّ يُحَدِّثُ، أَنَّهُ سَمِعَ ابنَ عبَّاسٍ يُحَدِّثُ، أَنَّهُ سَمِعَ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ أُمَّتِيْ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ" فَقَالَتْ لَهُ عائشةُ: فَمَنْ كانَ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ:" وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ، يَامُوَفَّقَةُ!" قالتْ: فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قالَ:" فَأَنَا فَرَطُ أُمَّتِيْ، لَنْ يُصَابُوْا بِمِثْلِيْ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ عبدِ رَبِّهِ بنِ بَارِقٍ، وقَدْ رَوَى عَنْهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ.

حدثنا أحمدُ بنُ سَعيدٍ الْمُرَابِطِيُّ، نا حَبَّانُ بنُ هِلَالٍ، نا عبدُ رَبِّهِ بنُ بَارِقٍ، فَذَكَرَ بِنَحْوِهِ، وَسِمَاكُ بنُ الْوَلِيْدِ الْحَنَفِيُّ: هُوَ أَبُوْ زُمَيْلٍ الْحَنَفِيُّ.

وضاحت: باب میں ابوثعلبہ اشجعیؓ کی بھی روایت ہے، ان کی حدیث مسند احمد اور طبرانی کی معجم کبیر میں ہے اور وہ اسی ایک حدیث کے راوی ہیں، اور ابوثعلبہ نام کے ایک دوسرے صحابی بھی ہیں ان کی نسبت خشنی ہے، ان کی بہت روایتیں ہیں۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں سے جس کے دو فرط (پیش رَو) ہوں اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل کریں گے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یارسول اللہ! جس کا ایک فرط ہو؟ آپ نے فرمایا: ''اور جس کا ایک فرط ہو (یعنی اس کے لئے بھی یہی ثواب ہے) اے خیر کی باتیں معلوم کرنے کی توفیق دی ہوئی عورت! حضرت عائشہؓ نے پوچھا: اور اگر آپؐ کی امت میں سے کسی کا کوئی فرط نہ ہو؟ آپؐ نے فرمایا: ''میں اپنی امت کا فرط ہوں، میرے مانند وہ ہرگز مصیبت نہیں پہنچائے گئے!'' یعنی میری امت کے لئے سب سے بڑا صدمہ میری وفات کا ہوگا اور میری امت اس پر صبر کرے گی، پس میں ان کے لئے فرط بنوں گا۔ اس حدیث کی عبد ربہ بن بارق سے اوپر ایک ہی سند ہے اور ان سے متعدد ائمہ حدیث نے روایت کی ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الشُّهَدَاءِ مَنْ هُمْ؟

شہداء کون کون ہیں؟

شہداء تین قسم کے ہیں: اول: دنیا اور آخرت دونوں میں شہید یعنی حقیقی شہداء، یہ وہ حضرات ہیں جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے کفار سے جہاد کرتے ہیں اور شہید ہوتے ہیں، ان کو نہلائے بغیر دفن کیا جاتا ہے اور نمازِ جنازہ پڑھیں گے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ دوم: حکماً شہید: یعنی جن پر دنیا میں شہادت کے احکام جاری نہیں ہوتے مگر آخرت میں ان کو شہداء کے زمرہ میں شامل کیا جائے گا، ایسے شہداء بہت ہیں، مختلف روایات میں تقریباً ساٹھ آدمیوں کا تذکرہ آیا ہے، یہ سب روایات اوجز المسالک میں جمع کی گئی ہیں۔ یہاں حدیث میں بطور مثال چار کا تذکرہ ہے۔ سوم: وہ لوگ ہیں جن پر دنیا میں شہادت کے احکام جاری ہوتے ہیں مگر آخرت میں ان کا شمار شہیدوں میں نہیں ہوگا اور یہ وہ لوگ ہیں جو ناموری کے لئے یا مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے یا خاندانی حمیت کی وجہ سے یا کسی اور دنیوی غرض سے لڑتے ہیں اور مرتے ہیں، چونکہ دلوں کے بھید اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اس لئے ان کو دنیوی احکام میں شہید مانا گیا ہے، ان کے ساتھ حقیقی شہداء جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

[٦٥] باب ماجاء فی الشهداء من هم؟

[١٠٤٦-] حدثنا الأَنْصَارِيُّ، نا معنٌ، نا مَالِكٌ، ح: ونا قُتيبةُ، عن مَالِكٍ، عن سُمَيٍّ، عن أَبِي صَالِحٍ،

عن أبِي هريرةَ: أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ: المَطْعُوْنُ، وَالْمَبْطُوْنُ، وَالْغَرِيْقُ، وَصَاحِبُ الهَدْمِ، والشَّهِيْدُ فِي سَبِيْلِ اللهِ"

وفي الباب: عن أنسٍ، وصَفْوَانَ بنِ أُمَيَّةَ، وجَابِرِ بنِ عَتِيْكٍ، وَخَالِدِ بنِ عُرْفُطَةَ، وسُلَيْمَانَ بنِ صُرَدٍ، وأبِي مُوْسَى، وعائشةَ. قالَ أبو عيسىٰ: حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۰۴۷-] حدثنا عُبَيْدُ بنُ أَسْبَاطِ بنِ مُحمَّدٍ القُرَشِيُّ الْكُوْفِيُّ، نا أبِيْ، نا أبُوْ سِنَانٍ الشَّيْبَانِيُّ، عن أبي إسحاقَ السَّبِيْعِيِّ، قالَ: قَالَ سُلَيْمَانُ بنُ صُرَدٍ لِخَالِدِ بنِ عُرْفُطَةَ، أوْ خَالِدٌ لِسُلَيْمَانَ: أمَا سَمِعْتَ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مَنْ قَتَلَهُ بَطْنُهُ لَمْ يُعَذَّبْ فِي قَبْرِهِ"؟ فَقَالَ أحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: نَعَمْ.

قال أبو عيسى: هٰذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ فِي هٰذا البابِ، وقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ.

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہید پانچ ہیں: طاعون میں مرنے والا، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا (یہ چاروں حکماً شہید ہیں) اور اللہ کے راستہ میں مارا جانے والا (یہ حقیقی شہید ہے)

ابواسحاق سبیعی کہتے ہیں: سلیمان بن صردؓ نے خالد بن عرفطہؓ سے یا خالد بن عرفطہؓ نے سلیمان بن صردؓ سے پوچھا: (یہ دونوں صحابی ہیں، اور راوی کو شک ہے کہ سائل کون تھا اور مسئول عنہ کون تھا) کیا آپ نے نبی ﷺ سے یہ نہیں سنا کہ جس کو اس کے پیٹ نے قتل کیا (یعنی وہ پیٹ کی کسی بیماری میں مرا) تو وہ قبر میں عذاب نہیں دیا جائے گا؟ پس ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ہاں (یعنی میں نے نبی ﷺ سے یہ بات سنی ہے)

بابُ ماجاءَ في كَرَاهِيَةِ الْفِرَارِ مِنَ الطَّاعُوْنِ

طاعون سے بھاگنے کی کراہیت

طاعون کیا ہے؟ اس کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ ایک خاص قسم کی بیماری ہے جو پھنسیوں اور زخموں کی شکل میں نمودار ہوتی ہے، خاص طور پر بغل میں، انگلیوں کے بیچ میں اور جوڑوں میں پھنسیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان کا ارد گرد کالا پڑ جاتا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ہر بیماری جو وبا کی شکل اختیار کرلے طاعون ہے، مثلاً: ہیضہ پھیل گیا، ملیریا پھیل گیا، ایڈز پھیل گیا: یہ سب طاعون ہیں، مگر یہ قول مرجوح ہے۔

حدیث: آنحضرت ﷺ نے طاعون کا ذکر کیا پس فرمایا: "یہ اس رسوا کن عذاب کا بقیہ ہے جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر بھیجا گیا تھا، پس جب طاعون کسی جگہ پھیلے اور تم وہاں ہو تو وہاں سے مت نکلو اور جب کسی جگہ میں طاعون پھیلے اور تم وہاں نہ ہو تو اس جگہ مت جاؤ"

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں طاعون کی تاریخ بیان کی ہے کہ یہ وبا سب سے پہلے بنی اسرائیل پر آئی تھی، جب بنی اسرائیل شہر میں داخل ہونے لگے تو ان سے کہا گیا: عاجزی کے ساتھ اور گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہوؤ، مگر وہ اکڑتے ہوئے سرینوں پر گھسٹتے ہوئے اور حِطَّةٌ (ہماری لغزش معاف فرما) کی جگہ حِنْطَةٌ (ہمیں گندم عطا فرما) کہتے ہوئے داخل ہوئے تو ان پر عذاب مسلط کیا گیا، طاعون اسی عذاب کا باقی ماندہ ہے جو کبھی کبھی نمودار ہوتا ہے۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا: طاعون زدہ علاقہ سے بھاگنا نہیں چاہئے اور وہاں جانا بھی نہیں چاہئے، کیونکہ اسباب مرض سے بچنا شریعت کی تعلیم ہے اور بھاگنے کی ممانعت تین وجہ سے ہے:

پہلی وجہ: اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ کوئی بیماری بالذات دوسرے کو نہیں لگتی، اللہ چاہیں گے تو لگے گی ورنہ نہیں، پس طاعون زدہ علاقہ سے بھاگنا اس عقیدہ کے منافی ہے۔

دوسری وجہ: یہ تقدیر پر یقین نہ ہونے کی علامت ہے جبکہ تقدیر پر راضی رہنا ایمان کا جزء ہے، بھاگنے والے کا گمان یہ ہوتا ہے کہ یہاں مرجائے گا اور یہاں سے نکل جائے گا تو بچ جائے گا، حالانکہ تقدیر میں موت لکھی ہے تو ہر جگہ آئے گی اور نہیں لکھی تو کہیں بھی نہیں آئے گی۔

تیسری وجہ: اگر سب تندرست بھاگ کھڑے ہونگے تو بیماروں کا کیا ہوگا؟ اور بیمار بھی بھاگ نکلیں گے تو سارا ملک وبا کی لپیٹ میں آجائے گا، علاوہ ازیں جو خود کو تندرست سمجھ رہا ہے کیا ضروری ہے کہ وہ تندرست ہو، ممکن ہے وہ بھی طاعون سے متاثر ہو چکا ہو۔ پس جب ان جراثیم کے ساتھ دوسری جگہ جائے گا تو وہاں بھی طاعون شروع ہوجائے گا، پس وباء کا ایک جگہ رہنا ہی مناسب ہے، البتہ طاعون کے علاقہ سے بھاگنا تو ممنوع ہے مگر کسی ضرورت سے وہاں سے نکلنا جائز ہے۔

فائدہ: حفظانِ صحت کے لئے اگر حکومت طاعون زدہ علاقہ خالی کرائے اور آبادی دوسری جگہ منتقل کرے تو ایسا کرسکتی ہے اور یہ بھاگنا نہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلامی لشکر میں طاعون پھیل گیا تھا، بہت سے فوجی اور سپہ سالار شہید ہوگئے تھے، جب فوج کی کمان حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سنبھالی تو انھوں نے فوج کو حکم دیا کہ میدانی علاقے خالی کر کے پہاڑوں پر چڑھ جاؤ، جب آب وہوا بدلی تو اللہ کے فضل سے طاعون رفع ہوگیا۔

[٦٦] باب ماجاء في كراهية الفرار من الطاعون

[١٠٤٨-] حدثنا قتيبةُ، نا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عن عَمْرِو بنِ دِينَارٍ، عَنْ عَامِرِ بنِ سَعدٍ، عَنْ أُسَامَةَ بنِ زَيْدٍ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم ذَكَرَ الطَّاعُوْنَ، فقالَ: "بَقِيَّةُ رِجْزٍ أَوْ: عَذَابٌ أُرْسِلَ عَلَى طَائِفَةٍ

مِنْ بَنِیْ إِسْرَائِیْلَ، فَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا مِنْهَا، وإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَلَسْتُمْ بِهَا فَلَا تَهْبِطُوْا عَلَيْهَا"

وفی الباب: عن سَعْدٍ، وخُزَیْمَةَ بنِ ثَابِتٍ، وعبدِ الرحمنِ بنِ عَوْفٍ، وجَابِرٍ، وعائشةَ، قالَ أبو عیسی: حدیثُ أُسَامَةَ بنِ زَیْدٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

بابُ ماجاءَ فی مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَ هُ

جواللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتے ہیں، اور جو اللہ سے ملنا ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتے ہیں''

تشریح: اللہ سے ملنے کی آرزو اور خواہش وہی بندہ کرتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی مرضیات پر چلتا ہے اور جس کا اللہ پر ایمان نہیں یا اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی نہیں گذارتا وہ مرنے کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ قرآن پاک میں یہودیوں کا حال بیان کیا گیا ہے: ﴿وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ: نَحْنُ أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاءُ هُ﴾ یہود کہتے ہیں: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں: ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ﴾ پس اگر تم اس دعوی میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو ﴿وَلَنْ یَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَیْدِیْهِمْ﴾ مگر وہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے، ان کرتوتوں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں۔ پس اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ ایمان والے بنو اور اللہ کی مرضیات پر چلو تاکہ تم اللہ سے ملنے کی امید باندھو، اور اللہ تمہیں پسند کریں، دوسرے گروہ میں شامل مت ہو جن کو اللہ پسند نہیں کرتے۔

جب آنحضور ﷺ نے یہ بات بیان کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! بندوں اور اللہ کے درمیان ایک پل ہے، اللہ سے ملنے کے لئے اس پل سے گذرنا ضروری ہے اور وہ پل موت ہے اور موت ہر شخص کو ناگوار ہے، ہر آدمی موت سے ڈرتا ہے، پس اللہ سے ملنا تو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ایسی بات نہیں، موت بیشک ایک ہوّا ہے، ہر آدمی مرنے سے ڈرتا ہے مگر جب موت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور فرشتے سامنے آتے ہیں اور وہ جنت کی خوش خبری سناتے ہیں تو مؤمن مرنے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے اور وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے، پس اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور کافر کو جب جہنم کی خوش خبری سنائی جاتی ہے، تو اس کی روح جسم کے اندر گھسنے لگتی ہے، فرشتے اس کو زبردستی کھینچ کر نکالتے ہیں جس سے وہ تار تار ہو جاتی ہے، اسے اللہ سے ملنا پسند نہیں، اس لئے اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند نہیں کرتے۔

وضاحت: مذکورہ حدیث میں جو فرمایا ہے کہ جو اللہ سے ملنا پسند کرتے ہیں: اس سے عقلی شوق لقاء مراد ہے، جو

ہر مؤمن میں ہمیشہ موجود رہتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ سنبھل کر زندگی گذارتا ہے، ایسے کام نہیں کرتا جو اللہ کو ناراض کرنے والے ہیں، یہی آخرت کی زندگی کا استحسانِ عقلی ہے اور یہی اللہ سے ملنے کی محبت ہے۔ رہی موت کی طبعی ناگواری تو وہ ایک فطری امر ہے، اور عام حالات میں فطری باتیں غالب نظر آتی ہیں، مگر جب موت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور فرشتے نمودار ہوتے ہیں اور وہ اچھے انجام کی خوش خبری سناتے ہیں تو وہ فطری خوف مغلوب ہوجاتا ہے اور شوق غالب آجاتا ہے۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ موت کے وقت وہ فطری ناگواری ختم ہوجاتی ہے، آنحضرت ﷺ جانکنی کے وقت مسلسل یہ دعا فرماتے تھے: ''الٰہی! سکرات میں اور موت کی سختیوں میں میری مدد فرما!'' اسی طرح صحت کی حالت میں جو موت کی کراہیت غالب نظر آتی ہے: اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مؤمن میں اللہ سے ملنے کا شوق نہیں، اگر ایسا ہوتا تو وہ محتاط زندگی نہ گذارتا غرض طبعی خوف اور عقلی محبت ایک ساتھ جمع ہوسکتے ہیں۔

اور محسوسات میں اس کی مثالیں بہت ہیں: ایک طالب علم جو امتحان سے ہفتوں، مہینوں پہلے آموختہ یاد کرنا شروع کرتا ہے: وہ امتحان کے خوف ہی سے ایسا کرتا ہے، مگر ساتھ ہی کامیابی کی آرزو بھی ہوتی ہے، اسی طرح آدمی جو کسی خطرناک مرض سے پیچھا چھڑانے کے لئے ہزاروں روپے خرچ کر کے آپریشن کراتا ہے تو وہ آپریشن کی تکلیف سے بے خوف نہیں ہوجاتا بلکہ شفا کی آروز غالب آجاتی ہے، اس لئے وہ اقدام کرتا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو جو اشکال پیش آیا تھا ویسا ہی اشکال ایک اور حدیث میں بھی پیش آتا ہے، متفق علیہ روایت ہے: لایؤمن أحدکم حتی أکون أحبَّ إلیہ من والدہ وولدہ والناس أجمعین یعنی جب تک رسول اللہ ﷺ کی محبت ہر محبت سے زیادہ نہ ہوجائے آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا، جبکہ اپنی ذات کی، آل واولاد کی، عزیز واقارب کی اور دنیا کے مال ومنال کی محبت آدمی پر چھائی رہتی ہے، مگر یہ طبعی محبت ہے، عقلی طور پر مؤمن میں اللہ ورسول کی اور دین کی محبت پہاڑ جیسی موجود ہوتی ہے، چنانچہ موقعہ آنے پر وہ جان کی بازی لگادیتا ہے۔ اس حدیث میں بھی طالب علم سوال کرتے ہیں کہ بظاہر ماں باپ کی اور اولاد کی محبت زیادہ معلوم ہوتی ہے، تو اساتذہ جواب میں ایک ایسی حالت کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں دین کی محبت غالب آجاتی ہے، وہ کہتے ہیں: بات ایسی نہیں، سوچو: جب دین پر آنچ آتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات پر حرف آتا ہے تو مؤمن کیا کرتا ہے؟ اس وقت اس کو جان کی پرواہ نہیں ہوتی، یہی عقلی محبت ہے جو وقت پر ظاہر ہوتی ہے، مگر وہ پہلے سے موجود ہوتی ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳:۳۵۵-۳۵۹)

فائدہ: اور اللہ کا پسند کرنا اور ناپسند کرنا مشاکلۃ (ہم شکل ہونے کی وجہ سے) ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ نے مؤمن کامل کے لئے آخرت میں نعمتیں تیار کررکھی ہیں، موت کا گھونٹ پیتے ہی وہ ان سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے اور کافر کے لئے تکلیف دہ عذاب تیار کررکھا ہے اور جہنم اس کی گھات میں لگی ہوئی ہے کہ کب آئے اور سزا پائے!

[٦٧] باب ماجاء في من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه

[١٠٤٩-] حدثنا أحمدُ بنُ مِقْدَامٍ، نا أَبُو الأَشْعَثِ العِجْلِيُّ، نَا الْمُعْتَمِرُ بنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، يُحَدِّثُ عَنْ قَتَادَةَ، عن أَنَسٍ، عَنْ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَ هُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَ هُ"

وفي الباب: عن أَبِي مُوسىَ، وأبي هريرةَ، وعائشةَ، قَالَ أبو عيسى: حديثُ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[١٠٥٠-] حدثنا حُمَيْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، نا خَالِدُ بنُ الْحَارِثِ، نَا سَعِيْدُ بنُ أَبِي عَرُوْبَةَ، ح: وَنَا مُحَمَّدُ بنُ بَشَّارٍ، نا محمدُ بنُ بَكْرٍ، عَنْ سَعِيْدِ بنِ أَبِي عَرُوْبَةَ، عن قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بنِ أَبِي أَوْفَى، عَنْ سَعْدِ بنِ هِشَامٍ، عن عائشةَ: أَنَّهَا ذَكَرَتْ أَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قالَ: "مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَ هُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَ هُ" قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! كُلُّنَا يَكْرَهُ الْمَوْتَ. قَالَ: "لَيْسَ كَذٰلِكَ، ولٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا بُشِّرَ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ وَرِضْوَانِهِ وَجَنَّتِهِ: أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ، وأَحَبَّ اللّٰهُ لَقَاءَ هُ، وإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَسَخَطِهِ: كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَ هُ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ اس سے ملنا پسند کرتے ہیں اور جو اللہ سے ملنا ناپسند کرتا ہے اللہ اس سے ملنا ناپسند کرتے ہیں'' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم سب موت کو ناپسند کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: ''ایسی بات نہیں، بلکہ مؤمن کو جب اللہ کی رحمت کی، اس کی خوشنودی کی اور جنت کی خوش خبری دی جاتی ہے تو وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے۔ اور اللہ اس سے ملنے کو پسند کرتے ہیں، اور کافر کو جب اللہ کے عذاب کی اور اس کی ناراضگی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو وہ اللہ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتے ہیں''

بابُ ماجاءَ فِيْ مَنْ يَقْتُلُ نَفْسَهُ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ

خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے

تمام ائمہ متفق ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: صَلُّوْا علی کل بَرٍّ وَفَاجِرٍ: ہر شخص کی خواہ وہ نیک ہو یا بد نمازِ جنازہ پڑھو، یہ حدیث دار قطنی میں ہے اور اس میں انقطاع ہے، مکحول کا حضرت ابو

ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، اور باب میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے خودکشی کی، آنحضرت ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی، دوسروں نے پڑھی، جیسا کہ نسائی (۲۷۹:۱) میں اسی حدیث میں ہے: أما أنا فلا أصلّی علیه یعنی میں تو اس کا جنازہ نہیں پڑھتا یعنی آپ لوگ پڑھیں۔ اور آپؐ کا نمازِ جنازہ نہ پڑھنا زجراً تھا تاکہ اس فعل کی شناعت واضح ہو، اور اسی غرض سے آپ مقروض کا جنازہ بھی نہیں پڑھتے تھے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ اس حدیث کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ قاتل نفس کے جنازہ میں کسی مقتدائی شخصیت کو شریک نہیں ہونا چاہئے تاکہ کسی درجہ میں اس قبیح فعل پر زجر ہو۔

[٦٨] باب ماجاء في من يقتل نفسه لَم يُصَلَّ عليه

[١٠٥١-] حدثنا يُوْسُفُ بنُ عيسىَ، نا وَكِيْعٌ، نا إسرائيلُ، وشَرِيْكٌ، عن سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عن جَابِرِ بنِ سَمُرَةَ: أنَّ رَجُلاً قَتَلَ نَفْسَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ النبيُّ صلى الله عليه وسلم.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ، وقد اختَلَفَ أهلُ العِلْمِ فِيْ هٰذَا: فقالَ بَعْضُهُمْ: يُصَلّٰى عَلَى كُلِّ مَنْ صَلَّى إِلَى الْقِبْلَةِ، وعَلَى قَاتِلِ النَّفسِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفيانَ الثَّوْرِيِّ، وإسحاقَ، وقالَ أحمدُ: لاَيُصَلِّى الإمَامُ عَلَى قَاتِلِ النَّفسِ، وَيُصَلِّىْ عَلَيْهِ غَيْرُ الإِمَامِ.

ترجمہ: علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: ہر اس شخص کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے جو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے (یعنی مسلمان ہے) اور خودکشی کرنے والے کی بھی نماز پڑھی جائے اور یہ سفیان ثوری اور اسحاق کا قول ہے۔ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں: امامِ وقت خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھے اور دوسرے لوگ پڑھیں۔

بابُ ماجاءَ فی المَدْیُوْن

مقروض کی نمازِ جنازہ

جس کا انتقال ہو جائے اور اس پر قرضہ ہو اور اس نے اتنا ترکہ نہ چھوڑا ہو جس سے قرض کی ادائیگی ہو سکے، نہ پسماندگان قرض ادا کرنے کے لئے تیار ہوں تو یہ بری موت ہے، ابتدائے اسلام میں آنحضور ﷺ ایسے شخص کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھاتے تھے۔ باب میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں جب کسی کا انتقال ہوتا اور اس پر قرض ہوتا تو آپؐ صحابہ سے فرماتے: آپ لوگ اس کی نمازِ جنازہ پڑھ لیں، آپؐ خود اس کی نماز نہیں پڑھتے تھے تاکہ لوگ قرض کرنے سے احتراز کریں، اور آپؐ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ مؤمن کا نفس قرض میں پھنسا رہتا ہے تا آنکہ اس کا قرضہ ادا کر دیا جائے (یہ حدیث کتاب الجنائز کے آخری باب میں آرہی ہے)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ جس نے اپنے پیچھے اتنا ترکہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہو یا ایسے ورثاء

چھوڑے ہوں جو قرض ادا کرنے پر راضی ہوں، تو وہ حکما مقروض مرنے والا نہیں، خود نبی ﷺ پر بوقت وفات کچھ قرضہ تھا، آپؐ نے گھر کی ضروریات کے لئے بیس صاع جَو خریدے تھے اور زِرہ رہن رکھی تھی، جس کو وفات کے بعد ورثاء نے قرضہ ادا کر کے چھڑایا ہے، اسی طرح حضرت فاروق اعظم اور حضرت زبیر بن العوام بھی بڑا قرضہ چھوڑ گئے تھے جو ورثاء نے ادا کیا تھا۔ بری موت یہ ہے کہ مقروض مرے اور نہ ترکہ میں بھرپائی ہو، نہ ورثاء بار اٹھانے والے ہوں تو اس کی روح قرضہ میں پھنسی رہتی ہے (العیاذ باللہ!)

حدیث (۱): حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک جنازہ لایا گیا تاکہ اس کی نماز پڑھی جائے، آنحضور ﷺ نے حسب عادت دریافت کیا کہ میت پر کوئی قرضہ تو نہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ مقروض ہے، آپؐ نے پوچھا: کیا اس نے اتنا ترکہ چھوڑا ہے جس سے قرضے کی بھرپائی ہو جائے؟ لوگوں نے نفی میں جواب دیا، آپؐ نے فرمایا: آپ لوگ نماز پڑھ لیں میں نماز نہیں پڑھوں گا، کیونکہ یہ مقروض مرا ہے۔ حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کا قرضہ میرے ذمہ ہے، آپؐ نے فرمایا: بالوفاء: واقعی بھروگے؟ انھوں نے کہا: بالوفاء: میں ضرور اس کا قرضہ بھروں گا چنانچہ آپؐ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

حدیث (۲): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی ایسا جنازہ لایا جاتا جس پر قرضہ ہوتا تو آپ پوچھتے: کیا اس نے قرضہ کی بھرپائی چھوڑی ہے؟ یعنی اتنا مال چھوڑا ہے جس سے قرض ادا ہو سکے؟ اگر بتایا جاتا کہ اس نے بھرپائی چھوڑی ہے تو آپؐ اس کی نمازِ جنازہ پڑھاتے، ورنہ مسلمانوں سے فرماتے: آپ لوگ اپنے آدمی کی نماز پڑھ لیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے رزق کے دروازے کھول دیئے تو آپؐ نے تقریر فرمائی کہ "میں مسلمانوں سے ان کے نفوس سے بھی زیادہ قریب ہوں یعنی جتنی ان کو اپنی فکر ہے، مجھے ان کی اس سے زیادہ فکر ہے، پس جو مقروض فوت ہوا اس کا قرضہ میرے ذمے ہے اور جس نے مال چھوڑا وہ اس کے ورثاء کے لئے ہے"

تشریح: نبی ﷺ شروع میں مقروض کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے، لیکن جب فتوحات کے نتیجہ میں مال کی فراوانی ہوئی اور بیت المال میں مال جمع ہوا تو آپ ہر شخص کی نمازِ جنازہ پڑھانے لگے، اور کسی میت پر قرض ہوتا اور اس کے ترکہ میں بھرپائی نہ ہوتی تو آپ بیت المال سے اس کا قرض ادا فرماتے، آپؐ کے اس ارشاد کا کہ نبی مسلمانوں سے ان کے نفوس سے بھی زیادہ قریب ہے یہی مطلب ہے، یہاں قرب مکانی مراد نہیں بلکہ نفع رسانی کے اعتبار سے قریب ہونا مراد ہے، جس طرح ہر شخص اپنے نفع ونقصان کو سوچتا ہے نبی اپنی امت کے نفع ونقصان کو اس سے زیادہ سوچتا ہے، اس طرح نبی ہر مسلمان سے اس کی ذات سے بھی زیادہ قریب ہے۔

[۶۹] باب ماجاء فی المدیون

[۱۰۵۲-] حدثنا محمودُ بنُ غَیْلانَ، نا أبُو داودَ، نا شُعبةُ، عن عُثمانَ بنِ عبدِ اللہِ بنِ مَوْهَبٍ،

قالَ: سَمِعْتُ عبدَ اللهِ بنَ أَبِيْ قَتَادَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أُتِيَ بِرَجُلٍ لِيُصَلِّي عَلَيْهِ، فقالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "صَلُّوْا عَلَى صَاحِبِكُمْ، فَإِنَّ عَلَيْهِ دَيْنًا"، قال أبوقَتَادَةَ: هُوَ عَلَيَّ، فقالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "بِالْوَفَاءِ؟" فقال: بِالْوَفَاءِ، فَصَلَّى عَلَيْهِ.

وفي الباب: عن جَابِرٍ، وسَلَمَةَ بنِ الأَكْوَعِ، وأَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ، قال أبو عيسى: حديثُ أَبِيْ قَتَادَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۰۵۳-] حدثنا أَبُو الْفَضْلِ مَكْتُوْمُ بنُ الْعَبَّاسِ، قالَ ثَنِيْ عبدُ اللهِ بنُ صَالِحٍ، ثَنِي اللَّيْثُ، ثَنِي عُقَيْلٌ، عن ابنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ سَلَمَةَ بنُ عبدِ الرحمنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيرةَ؛ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كانَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدَّيْنُ، فيقولُ: "هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ مِنْ قَضَاءٍ؟" فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً صَلَّى عَلَيْهِ، وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِيْنَ: "صَلُّوْا عَلَى صَاحِبِكُمْ"، فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ الْفُتُوْحَ قَامَ، فقالَ: "أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاءُهُ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ رَوَاهُ يَحيى بنُ بُكَيْرٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ اللَّيْثِ بنِ سَعْدٍ.

بابُ ماجاءَ في عَذَابِ الْقَبْرِ

عذابِ قبر کا بیان

عذابِ قبر کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے اور احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے۔ تواتر کی چار قسمیں ہیں، چوتھی قسم تواتر قدر مشترک ہے، یعنی کوئی حقیقت اتنی مختلف سندوں سے مروی ہو جو موجبِ طمانینت ہو جیسے معجزات کی روایات چار سو صحابہ سے مروی ہیں جو الگ الگ واقعات ہیں مگر ان کا قدر مشترک یہ ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ دیگر معجزات بھی عنایت فرمائے تھے، یہ بات تواتر قدر مشترک سے ثابت ہے، اسی طرح بیشمار روایات میں عذابِ قبر کا ذکر آیا ہے، وہ روایات اگرچہ الگ الگ ہیں مگر ان کا قدر مشترک یہ ہے کہ قبر کا عذاب برحق ہے (تواتر کی چاروں قسموں کی وضاحت کتاب الطہارۃ باب ۱۸ میں گذر چکی ہے) پس جو شخص عذاب قبر کا انکار کرتا ہے وہ بددین گمراہ ہے۔ سورۃ المؤمن آیت ۴۶ ہے: ﴿النَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا، وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ، أَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ یعنی فی الحال فرعونیوں کو صبح و شام جہنم پر پیش کیا جاتا ہے (یہی عذاب قبر ہے) پھر جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان کو جہنم میں جھونکو! (یہ اخروی عذاب ہے)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عذاب القبر حق آدھا مضمون ہے کیونکہ قبر میں عذاب ہی نہیں ہوتا، عذاب تو نافرمانوں

کے لئے ہے اور اطاعت شعاروں کے لئے قبر میں راحتیں ہیں، یہ آدھا مضمون چھوڑ دیا گیا ہے۔ قرآن وحدیث میں کبھی آدھا مضمون بیان کیا جاتا ہے اور دوسرا آدھا فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کی پہلے کئی مثالیں گذر چکی ہیں جو جزء اہم اور مقصود ہوتا ہے اس کو ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرا جزء قرینہ پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے، قبر کے معاملات میں چونکہ عذاب کا جزء اہم ہے تاکہ لوگ محتاط زندگی گذاریں اس لئے اس جز کو بیان کیا جاتا ہے اور راحتوں والا جزء چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عالَم بہت ہیں ان میں سے ایک عالم ارواح بھی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ذریت عالم ارواح میں نکالی گئی تھی پھر ان روحوں کو عالم ارواح میں ایک خاص ترتیب کے رکھ دیا گیا ہے۔ بخاری شریف (حدیث ۳۳۳۶) میں ہے: الأرواح جنودٌ مُجَنَّدةٌ یعنی جس طرح فوج کی بٹالین ہوتی ہیں اسی طرح روحوں کو ٹکڑیوں میں بانٹ کر عالم ارواح میں رکھا گیا ہے پھر جب اس عالم میں آنے کا وقت ہوتا ہے تو ماں باپ کے نطفوں سے بچہ دانی میں جسم تیار ہوتا ہے، پھر فرشتہ عالم ارواح سے وہ روح جس کے لئے یہ جسم تیار کیا گیا ہے لا کر اس جسم میں پھونک دیتا ہے اب روح ایک دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتی ہے، لیکن روح پڑنے کے بعد بھی چار مہینے تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے وہاں اس کی پرورش کی جاتی ہے اس کو تیار کیا جاتا ہے کہ وہ اِس دنیا کی آب وہوا برداشت کر سکے، پھر جب بچہ اس دنیا کی آب وہوا برداشت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو وہ پیدا (نمودار) ہوتا ہے یعنی مکمل اس دنیا میں آجاتا ہے اور یہ نیا عالم عالم اجساد ہے۔ اب روحیں جسموں کے اندر آگئیں، اور ان دونوں دنیاؤں کا درمیان یعنی ماں کے پیٹ کی زندگی عالم برزخ ہے، برزخ کے معنی ہیں: دو چیزوں کے درمیان کی آڑ، دو روڈوں کے درمیان کا باریر۔ ایک دنیا سے کود کر دوسری دنیا میں نہیں جا سکتے، پہلے برزخ میں منتقل ہونا پڑتا ہے، پھر دوسری دنیا میں آتا ہے۔ پھر ایک وقت کے بعد روح جسم سے نکل کر آگے بڑھ جاتی ہے اور جسم مٹی کے حوالے کر دیا جاتا ہے، کیونکہ وہ مٹی سے بنا ہے اس طرح کہ ماں باپ کا نطفہ خون سے بنا ہے اور خون غذا سے بنا ہے اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے، اس طرح ہر انسان کا جسم مٹی سے بنا ہے۔

غرض موت سے روح نہیں مرتی بدن مرتا ہے، روح بدن میں سے نکل کر عالم قبر (عالم برزخ) میں پہنچ جاتی ہے اسی لئے کہتے ہیں: انتقال ہو گیا یعنی دوسری جگہ منتقل ہو گیا، مرگیا (مَرْ: گیا) گذر گیا یعنی آگے بڑھ گیا، دنیا کی ہر زبان میں موت کے لئے جو الفاظ ہیں وہ اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ غرض ہر انسان مرنے کے بعد عالم قبر میں پہنچ جاتا ہے خواہ وہ دفنایا جائے، جلایا جائے یا اس کو کوئی درندہ کھا جائے، قبر مٹی کے گھڑے کا نام نہیں ہے، وہ ایک مستقل دنیا ہے اور ہماری اس دنیا کا ضمیمہ ہے، آخرت کا حصہ نہیں، جیسے ماں کے پیٹ کی زندگی ہماری اس دنیا کی ابتداء ہے اسی طرح عالم قبر ہماری اس دنیا کا تتمہ ہے، آخرت کا حصہ نہیں، یعنی مرنے کے بعد بھی لوگ اسی دنیا میں رہتے ہیں،

آخرت میں نہیں پہنچ جاتے، پھر جب عالم ارواح خالی ہوجائے گا، سب لوگ اس عالم اجساد میں منتقل ہوجائیں گے تو صور پھونکا جائے گا اور سب مرجائیں گے اور تمام روحیں برزخ میں پہنچ جائیں گی تو اللہ تعالیٰ ایک بارش برسائیں گے اس بارش کی وجہ سے تمام مخلوقات: انسان اور غیر انسان جو مرکر مٹی ہوگئے ہیں از سرنو ان کے اجسام زمین سے اگیں گے، جب اجسام تیار ہوجائیں گے تو دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور تمام روحیں عالم برزخ سے واپس آکر اپنے جسموں میں داخل ہوجائیں گی، اسی کا نام نشأۃ ثانیہ (مرنے کے بعد کی زندگی) ہے، یہ سب کچھ اس دنیا کے الیوم الآخر میں ہوگا۔ سورۃ المعارج آیت ۴ میں ہے کہ وہ آخری دن پچاس ہزار سال کا ہے، اس میں جزاوسزا کے فیصلے ہونگے، پھر لوگوں کو آخرت میں منتقل کیا جائے گا، جہنم کی پشت پر پل بچھایا جائے گا، لوگ اس پر سے گذر کر آخرت میں پہنچیں گے، جہنمی جہنم میں گر جائیں گے اور جنتی آگے بڑھ جائیں گے اور آخرت کی یہ دونوں زندگیاں ابدی ہیں، وہاں موت نہیں۔

غرض اس دنیا سے دوسری دنیا میں کود کر نہیں جایا جاسکتا اور جس طرح عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان برزخ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان میں بھی برزخ ہے، اور عالم ارواح اور اس دنیا کے درمیان جو برزخ ہے وہ اسی دنیا کا حصہ ہے اس لئے یہاں کے اثرات جنین پر پڑتے ہیں، ماں جو کھاتی ہے، پیتی ہے، پہنتی ہے یا سوچتی ہے بچہ پر اس کے اچھے برے اثرات پڑتے ہیں، اسی طرح عالم قبر میں بھی اس دنیا کے اثرات پہنچتے ہیں، کیونکہ عالم برزخ اس دنیا کا ضمیمہ ہے اور وہاں آخرت کے احوال بھی جھلکتے ہیں۔ شاہ صاحب قدس سرہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں: آخرت اور قبر کے درمیان ایک باریک پردہ ہے چنانچہ آخرت کے احوال قبر میں جھلکتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ نیک بندے کی قبر میں جنت کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے اور برے آدمی کی قبر میں جہنم کی طرف، یہی آخرت کے احکام کا جھلکنا ہے اور یہی قبر کا عذاب اور قبر کی راحتیں ہیں (اور دنیا وَ آخرت کے درمیان دبیز پردہ ہے، اس لئے عالم آخرت کے احوال یہاں محسوس نہیں ہوتے، البتہ پہنچتے ضرور ہیں۔ حدیث میں ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کے اثرات کے پھیلنے کا نتیجہ ہے)

غرض جو روحیں عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہیں وہاں ان کو آخرت کے لئے تیار کیا جاتا ہے، آخرت میں ہر انسان کا جسم ساٹھ ہاتھ کا ہوگا پس اسی اعتبار سے چوڑا بھی ہوگا اور اس وقت ہماری روح اتنی نحیف ہے کہ اگر آدمی ڈیڑھ سو کلو کا ہوجائے تو روح اس کو ڈیل نہیں کرسکتی، بس آدمی پڑا ہی رہے گا، پھر آخرت میں اتنے لمبے چوڑے اور موٹے بدن کو کس طرح ڈیل کرے گی؟ اسی کے لئے اس کو برزخ میں تیار کیا جاتا ہے تاکہ وہ آخرت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاسکے اور وہاں کے عذاب کو سہار سکے۔ اور قیامت کے دن جو نیا بدن بنے گا وہ اسی جسم کے اجزاء سے بنے گا، کوئی نیا جزاس میں شامل نہیں ہوگا، غرض برزخ کی زندگی ایک خاص مقصد سے تجویز کی گئی ہے۔

اور اہل السنہ والجماعۃ اس پر متفق ہیں کہ عذاب قبر روح اور جسم کے مجموعہ کو ہوتا ہے، حدیث شریف میں اس کی یہ

تعبیر آئی ہے کہ نیک بندے کی قبر چوڑی اور منور کردی جاتی ہے اور برے شخص کی قبر تنگ کی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، معلوم ہوا کہ جسم کے اجزاء بھی عذاب ونعمت میں شریک ہوتے ہیں اور یہ اہل السنہ والجماعۃ کا متفقہ عقیدہ ہے، پس جولوگ یہ کہتے ہیں کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے وہ گمراہ ہیں۔

اور اس بات کو اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی روح کا جسم کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے، البتہ وہ وہمی (حکمی) تعلق ہوتا ہے، اس وہمی تعلق کو ٹیلیفون کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔ فون اگر P.C.O ہے تو اس کا تعلق بستی کے ہرفون سے ہوتا ہے۔ S.T.D ہے تو اس کا تعلق ملک کے ہرفون سے ہوتا ہے، اور I.S.D ہے تو اس کا تعلق پوری دنیا کے فونوں سے ہوتا ہے، یہ تعلق وہمی ہے اور شہر کے مرکز مواصلات سے فون کا تعلق تحقیقی ہے، پھر اس کے توسط سے دیگر فونوں کے ساتھ تحقیقی تعلق قائم ہوتا ہے، جب آپ کوئی نمبر ڈائل کرتے ہیں تو اگر آپ کے فون کا سامنے والے فون سے حکمی تعلق ہے تو تحقیقی تعلق قائم ہوجاتا ہے اور گھنٹی بجنے لگتی ہے، ورنہ جواب ملتا ہے: ''آپ کے فون پر یہ سہولت مہیا نہیں'' اب آپ اس مثال سے یہ مضمون سمجھئے کہ کل قیامت کو جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور تمام روحیں اس دنیا میں واپس آئیں گی تو ہر روح اپنے جسم میں داخل ہوگی، کوئی روح دوسرے جسم میں داخل نہیں ہوگی، یہ ارواح کا اجسام سے تحقیقی تعلق ہوا اور تحقیقی تعلق فرع ہے حکمی تعلق کی، پس ماننا پڑے گا کہ برزخ کی زندگی میں روح کا جسم کے اجزاء کے ساتھ حکمی تعلق باقی تھا، اگر حکمی (وہمی) تعلق نہیں مانیں گے تو سوال پیدا ہوگا کہ ارواح اپنے اجسام کو کس طرح پہنچانیں گی؟ اور وہ اپنے ہی اجسام میں کس بنیاد پر داخل ہونگی؟ اس طرح جسم کے اجزاء بھی جزاؤسزا میں روح کے ساتھ کسی درجہ میں شریک ہوتے ہیں۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میت قبر میں اتاری جاتی ہے — یا فرمایا — جب تم میں سے کوئی قبر میں اتارا جاتا ہے تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں جو کالے، کبود چشم (نیلگوں آنکھوں والے) ہوتے ہیں ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں: تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے (نبی ﷺ کی زیارت کراتے ہیں اور پوچھتے ہیں) پس میت وہی بات کہتی ہے جو دنیا میں کہتی تھی۔ کہتی ہے: وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پس فرشتے کہتے ہیں: ہم جانتے تھے کہ آپ ٹھیک جواب دیں گے (مگر ضابطہ کی کاروائی ضروری تھی) پھر اس کی قبر ستر در ستر ہاتھ چوڑی کردی جاتی ہے اور اس کی قبر میں روشنی کردی جاتی ہے، اور اس سے کہا جاتا ہے: سوجا! وہ کہتا ہے: میں اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہتا ہوں اور ان کو (اچھے انجام کی) خوش خبری سنانا چاہتا ہوں، فرشتے کہتے ہیں: اب جانے کا موقع نہیں، اب سوجا اس دلہن کی طرح جس کو نہیں بیدار کرتا مگر اس کے خاندان کا محبوب ترین شخص یعنی دولہا۔ اسی طرح قیامت کے انتظار میں مؤمن سوئے گا یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کو اللہ تعالیٰ ہی اس

خوابگاہ سے جگائیں گے۔ پھر اس کو اس کے ٹھکانے (جنت) میں پہنچائیں گے۔ اور اگر میت منافق ہوتی ہے تو وہ (فرشتوں کے جواب میں) کہتی ہے: میں نے لوگوں سے کچھ سنا تھا وہ میں بھی کہتا تھا مگر مجھے کچھ پتہ نہیں (کہ یہ صاحب کون ہیں؟) فرشتے کہتے ہیں: ہم جانتے تھے کہ تو یہی جواب دے گا، پس زمین سے کہا جائے گا کہ اس پر مل جا، پس وہ تنگ ہو جائے گی اور اس کی پسلیاں ادھر ادھر ہو جائیں گی، پس وہ برابر قبر میں عذاب میں مبتلا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے اس ٹھکانہ سے اٹھائیں گے۔

تشریح

۱- قبر میں کافر سے سوال ہوگا یا نہیں؟ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ قبر میں کافر سے سوال نہیں ہوگا، مرتے ہی اس پر عذاب شروع ہو جائے گا، کیونکہ حدیثوں میں لفظ منافق آیا ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ کافر سے بھی سوال ہوگا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: اللہ نے انبیاء کے ذریعہ جو دین بھیجا ہے اگلی دنیا میں پہنچنے پر داخلہ امتحان ہوگا کہ آدمی اس دین کو لے کر آیا ہے یا تہی دست آیا ہے، پس ہر شخص سے سوال ہوگا۔

۲- قبر میں نبی ﷺ کی زیارت کرا کر پوچھا جائے گا کہ ان کے بارے میں تیرا کیا عقیدہ ہے؟ یہاں یہ سوال نہیں ہونا چاہئے کہ بیک وقت ہزاروں آدمی مرتے ہیں، پس رسول اللہ ﷺ کو کہاں کہاں لے جائیں گے؟ اس لئے کہ اگلی دنیا میں آڑ اور پہاڑ نہیں ہیں اور فاصلے بھی نہیں ہیں، پس ہر شخص اپنی جگہ سے آنحضور ﷺ کی زیارت کرے گا۔

۳- مُنکَر: کے معنی ہیں: انجانا، اور نکیر: فعیل کا وزن ہے وہ بھی منکر اسم مفعول کے معنی میں ہے اور منکر: وہ چیز ہے جسے دیکھ کر آدمی پریشان ہو جائے کہ کیا آفت آئی؟! اور یہ بھی آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ نیک بندے کے پاس مُبَشِّر اور بَشِیْر (خوش خبری دینے والے) آئیں گے اور وہ نہایت خوبصورت ہونگے، ان کی ہیئت نہایت شاندار ہوگی۔ کالے، نیلگوں آنکھوں والے فرشتے صرف برے آدمی کے پاس آئیں گے۔

۴- حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے: رُومی کبود چشم تھے اور وہ عربوں کے دشمن تھے اس لئے عربوں کو یہ رنگ نہایت ناپسند تھا اس لئے کہ یہ ان کے دشمنوں کی آنکھوں کا رنگ تھا اس اعتبار سے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے سامنے اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتیوں میں سے ہے تو جنت میں جو اس کا ٹھکانہ ہے وہ پیش کیا جاتا ہے اور اگر جہنمیوں میں سے ہے تو جہنم میں جو اس کا ٹھکانہ ہے وہ پیش کیا جاتا ہے، پھر کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اٹھائیں۔

تشریح: قبر میں راحت اور عذاب کی بے شمار شکلیں ہیں، ان میں سے ایک شکل یہ بھی ہے کہ ہر شخص کو جنت یا جہنم میں جو اس کا ٹھکانہ ہے وہ دکھادیا جاتا ہے۔

[۷۰] باب ماجاء فی عذاب القبر

[۱۰۵۴-] حدثنا أَبُوْ سَلَمَةَ يَحيىَ بنُ خَلَفٍ الْبَصْرِيُّ، نا بِشْرُ بنُ الْمُفَضَّلِ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ إسحاقَ، عن سَعِيْدِ بنِ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عن أَبِيْ هريرةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:" إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ: أَحَدُكُمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ، يُقَالُ لِأَحِدِهِمَا: الْمُنْكَرُ وَالآخَرِ: النَّكِيْرُ، فَيَقُوْلَانِ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُوْلُ مَاكَانَ يَقُوْلُ: هُوَ عبدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، فَيَقُوْلَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْلُ هٰذَا، ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِيْ سَبْعِيْنَ، ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيْهِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: نَمْ، فَيَقُوْلُ: أَرْجِعُ إِلٰى أَهْلِيْ فَأُخْبِرُهُمْ، فَيَقُوْلَانِ: نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِيْ لَا يُوْقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ، حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ، وإِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ: سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ، لَا أَدْرِيْ! فَيَقُوْلَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ، فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ: الْتَئِمِيْ عَلَيْهِ، فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ، فَتَخْتَلِفُ أَضْلَاعُهُ، فَلَا يَزَالُ فِيْهَا مُعَذَّبًا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ.

وفى الباب: عن عَلِيٍّ، وَزَيْدِ بنِ ثَابِتٍ، وابنِ عَبَّاسٍ، والْبَرَاءِ بنِ عَازِبٍ، وأَبِيْ أَيُّوْبَ، وأنسٍ، وجَابِرٍ، وعائشةَ، وأَبِيْ سَعِيدٍ: كُلُّهُمْ رَوَوْا عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

قال أبو عيسى: حديثُ أبي هريرة حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

[۱۰۵۵-] حدثنا هَنَّادٌ، نا عَبْدَةُ، عن عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ، قالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ؛ فَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ: فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ: فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، ثُمَّ يُقَالُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

قال أبو عيسى: هٰذَا حديثٌ حَسَنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فى أَجْرِ مَنْ عَزّٰى مُصَابًا

مصیبت زدہ کو تسلی دینے کا ثواب

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی مصیبت زدہ کو تسلی دے اس کے لئے اس مصیبت زدہ کے

ثواب کے مانند ہے"

تشریح: مصیبت عام ہے خواہ کسی کے مرنے کی مصیبت ہو یا کوئی مالی یا غیر مالی آفت ٹوٹ پڑی ہو، اسی طرح تسلی دینا بھی عام ہے خواہ مصیبت زدہ کے پاس جاکر تسلی دے یا خط وغیرہ کے ذریعہ تسلی دے ہر صورت میں تسلی دینے والے کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسا مصیبت زدہ کو صبر کرنے پر ملتا ہے (مگر دونوں کے اجر میں برابری ضروری نہیں) اور اس کی تین وجوہ ہیں:

اول: تسلی دینے والا مصیبت زدہ کے صبر کا باعث بنتا ہے یعنی اس کے تسلی دینے سے مصیبت زدہ کو صبر آجاتا ہے، اور حدیث میں ہے: الدال على الخير كفاعله یعنی جو خیر کا راستہ بتائے اس کو بھی خیر پر عمل کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے (مجمع الزوائد ۱:۱۶۶)

دوم: جو مصیبت زدہ کے پاس حاضر ہوتا ہے وہ بھی مصیبت زدہ کی طرح بے قرار ہوتا ہے اور وہ بھی صبر کرتا ہے، پس ہر ایک کو اس کے صبر کا اجر ملتا ہے۔

سوم: جس کا کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے، اس کی صورت، اور اس کو تسلی دینے کی صورت ایک جیسی ہوتی ہے کیونکہ تسلی دینے والا اس صدمہ کو اپنا صدمہ تصور کرتا ہے اور عالم مثال (آخرت) کا مدار مماثلت پر ہے یعنی عمل کی جزا عمل کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے جو ثواب میت کے پسماندگان کو ملتا ہے وہی ثواب تسلی دینے والے کو بھی ملتا ہے دونوں کا عمل ایک جیسا ہے اس لئے دونوں کی جزاء بھی ایک جیسی ہے۔

[۷۱] باب ماجاء في أجر من عَزَّى مُصَابًا

[۱۰۵۶-] حدثنا يُوْسُفُ بنُ عيسى، نَاعَلِيُّ بنُ عَاصِمٍ، نَا واللهِ! محمدُ بنُ سُوْقَةَ، عَنْ إبراهيمَ، عنِ الْأَسْوَدِ، عن عبدِ اللهِ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "مَنْ عَزَّى مُصَابًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ حديثِ عَلِيِّ بنِ عَاصِمٍ، وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ مُحَمَّدِ بنِ سُوْقَةَ بِهٰذَا الإسْنَادِ مِثْلَهُ مَوْقُوْفًا، وَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَيُقَالُ: أَكْثَرُ مَا ابْتُلِيَ بِهِ عَلِيُّ بنُ عَاصِمٍ بِهٰذَا الحديثِ، نَقَمُوْا عَلَيْهِ.

وضاحت: مذکورہ حدیث کو تنہا علی بن عاصم نے مرفوع کیا ہے اور محمد بن سوقہ کے دوسرے تلامذہ حدیث کو موقوف روایت کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ علی کی غلطی ہے، اسی وجہ سے ائمہ جرح وتعدیل نے اس راوی کی تضعیف کی ہے، ائمہ: رواۃ پر جرح وتعدیل ان کی مرویات کو دیکھ کر کرتے ہیں۔

ترجمہ: زیادہ تر وہ اعتراضات جس کے ساتھ علی مبتلا کئے گئے ہیں اس حدیث کی وجہ سے ہیں، اعتراضات کئے

ہیں انھوں نے (یعنی ائمہ جرح وتعدیل نے) اس راوی پر۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي مَنْ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن موت کی فضیلت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبر کی آزمائش سے محفوظ رکھتے ہیں''

تشریح: العرف الشذی میں ہے کہ جمعہ کے دن مرنے کی فضیلت کے سلسلہ میں جتنی روایات ہیں سب ضعیف ہیں اور قبر کے فتنہ سے مراد: سوال وجواب کے وقت پیش آنے والی خوفناک صورت حال ہے۔

[۷۲] باب ماجاء في من يموت يوم الجمعة

[۱۰۵۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نا عَبْدُ الرحمنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، وَأَبُوْ عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ، قالاَ: نا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، عن سَعِيْدِ بنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ رَبِيْعَةَ بنِ سَيْفٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو، قالَ: قالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَامِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلاَّ وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ، رَبِيْعَةُ بْنُ سَيْفٍ: إِنَّمَا يَرْوِي عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الحُبُلِّيِّ، عن عبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وَلاَ نَعْرِفُ لِرَبِيْعَةَ بنِ سَيْفٍ سَمَاعًا مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو.

وضاحت: اس سند میں انقطاع ہے اس لئے کہ ربیعہ کا عبداللہ بن عمرو سے سماع نہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي تَعْجِيْلِ الْجَنَازَةِ

جلدی دفن کرنے کا بیان

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے علی! تین کاموں میں تاخیر نہ کرو، ایک: جب نماز کا وقت ہو جائے، پس اسے پڑھ لو (آنت کو حانت اور اٰنَت بھی پڑھا گیا ہے اور سب کا مطلب ایک ہے) دوسرا: جب جنازہ حاضر ہو جائے یعنی کسی کا انتقال ہو جائے تو جلد اس کی تجہیز وتکفین کردی جائے، تیسرا: جس لڑکی کا شوہر نہ ہو خواہ کنواری ہو یا بیوہ (اور وہ شادی کے لائق ہو) اور اس کا جوڑا یعنی مناسب رشتہ مل جائے تو اس کا جلد نکاح کردو۔

وضاحت: یہ حدیث کتاب الصلوۃ باب ۱۴ میں گذر چکی ہے، وہاں امام ترمذیؒ نے حدیث پر کوئی جرح نہیں کی اور یہاں جرح کی ہے، فرماتے ہیں: میرے گمان میں اس کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ عمر کا اپنے والد حضرت علیؓ سے سماع نہیں، ان کے بچپن میں حضرت علی شہید کر دیئے گئے تھے۔

[۷۳] باب ماجاء فی تعجیل الجنازة

[۱۰۵۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نَا عبدُ اللهِ بنُ وَهْبٍ، عن سَعِيْدِ بنِ عبدِ اللهِ الْجُهَنِيِّ، عن مُحَمَّدِ بنِ عُمَرَ بنِ عَلِيِّ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ، عن أَبِيْهِ، عن عَلِيِّ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَهُ: "يَاعَلِيُّ! ثَلَاثٌ لَاتُؤَخِّرْهَا: الصَّلَاةُ إِذَا آنَتْ، والْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ، والأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُوًا"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ، ومَا أُرَى إِسْنَادَهُ بِمُتَّصِلٍ.

بابُ آخَرُ فِيْ فَضْلِ التَّعْزِيَةِ

تسلی دینے کے ثواب کی ایک اور روایت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے بچہ گم کرنے والی عورت (یعنی وہ عورت جس کا بچہ مرگیا ہے) کی تعزیت کی اس کو جنت میں ایک چادر اڑھائی جائے گی''

تشریح: باب ۷۱ میں لفظ مُصاباً عام تھا، یہاں لفظ ثکلی خاص ہے، دونوں بابوں میں یہی فرق ہے۔ اور چادر اوڑھانے کا رواج پہلے تھا جب کوئی بڑا آدمی آتا تھا تو اس کو چادر اوڑاتے تھے یہ بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا، اسی طرح شادیوں میں بھی قریبی رشتہ داروں کو چادر اوڑھاتے تھے۔ پس جس عورت کا بچہ مرگیا، اور اس کو کسی نے تسلی دی تو آخرت میں اس کا اعزاز کیا جائے گا اور جنت میں اس کو چادر اوڑھائی جائے گی۔

نوٹ: اس حدیث کی سند میں ام الاسود اور مُنیہ دونوں مجہول ہیں اور مؤدّب کے معنی ہیں: مکتب کا استاذ یا کسی بڑے آدمی کے لڑکے کو پڑھانے والا۔

[۷۴] باب آخر فی فضل التعزية

[۱۰۵۹-] حدثنا محمدُ بنُ حَاتِمٍ الْمُؤَدِّبُ، نا يُوْنُسُ بنُ محمدٍ، حَدَّثَتْنَا أُمُّ الأَسْوَدِ، عَنْ مُنْيَةَ ابنةِ عُبَيْدِ بنِ أَبِيْ بَرْزَةَ، عن جَدِّهَا أَبِيْ بَرْزَةَ قال: قال رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ عَزَّى ثَكْلَى كُسِيَ بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ، ولَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ

بابُ ماجاءَ فی رَفْعِ الیَدَیْنِ عَلَی الْجَنَازَةِ

نمازِ جنازہ میں رفع یدین کا بیان

مذاہبِ فقہاء: جو دو امام (امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ) نماز میں رفع یدین کے قائل نہیں، وہ نمازِ جنازہ میں بھی رفع کے قائل نہیں، ان کے نزدیک صرف تکبیر تحریمہ میں رفع ہے، باقی تکبیروں کے ساتھ رفع نہیں ہے۔ اور جو دو امام (امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ) نماز میں رفع یدین کو سنت کہتے ہیں ان کے نزدیک نمازِ جنازہ کی چاروں تکبیروں میں رفع یدین سنت ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں، اور پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھوں کو اٹھایا، اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا یعنی ہاتھ باندھ لئے۔

تشریح: یہ حدیث فی نفسہ صحیح ہے، اگرچہ غریب ہے اور مسئلہ باب میں تنہا یہی حدیث ہے اور یہ بڑے دو اماموں کی دلیل ہے، چھوٹے دو اماموں کی کوئی دلیل نہیں وہ نماز جنازہ کے رفع کو عام نمازوں کے رفع پر قیاس کرتے ہیں۔ یہاں سے نماز میں رفع یدین کے مشروع نہ ہونے پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اگر نماز میں رفع یدین مشروع ہوتا تو نمازِ جنازہ میں بھی ہر تکبیر کے ساتھ رفع ہوتا، جبکہ اس حدیث میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے نمازِ جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے، باقی تکبیروں میں ہاتھ نہیں اٹھائے۔ معلوم ہوا کہ نماز میں بھی تحریمہ کے علاوہ دوسری جگہوں میں رفع یدین نہیں ہے اور جو رفع کی روایات ہیں وہ منسوخ ہیں، اور یہ استدلال اِنّی ہے یعنی معلول سے علت پر استدلال ہے۔

فائدہ: نماز جنازہ میں ہاتھوں کو کب کھولنا ہے؟ اس سلسلہ میں کوئی نص موجود نہیں، اور ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون ہے اس میں ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے اور جس قیام میں ذکر مسنون نہیں اس میں ہاتھ کھول دینا اولیٰ ہے، جیسے نماز میں حالتِ قیام میں ہاتھ باندھنا اولی ہے کیونکہ قیام میں قراءت ہے اور قومہ میں ہاتھ نہ باندھنا اولیٰ ہے کیونکہ قومہ میں کوئی ذکر مسنون نہیں، اور تسمیع رکوع سے کھڑے ہونے کا ذکر ہے اور تکبیر سجدہ میں جانے کا ذکر ہے، قومہ کا کوئی ذکر نہیں۔ چنانچہ امداد الفتاوی میں ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول دینے چاہئیں کیونکہ اب قیام کا کوئی ذکر نہیں، اور سلام نماز سے نکلنے کا ذکر ہے۔ قیام کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن لوگوں میں عام رواج یہ ہے کہ سلام پھیرنے تک ہاتھ باندھے رہتے ہیں اس میں بھی کوئی حرج نہیں، یہ سابقہ حالت کو باقی رکھنا ہے۔

[۷۵] باب ماجاء فی رفع الیدین علی الجنازہ

[۱۰۶۰-] حدثنا القَاسِمُ بنُ دِینَارٍ الکُوفِیُّ، نا إسمَاعِیلُ بنُ أبَانَ الوَرَّاقُ، عن یَحییَ بنِ یَعلَی

الأَسْلَمِيُّ، عن أَبِيْ فَرْوَةَ يَزِيْدَ بنِ سَنَانٍ، عَنْ زَيْدِ بنِ أَبِيْ أُنَيْسَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عن سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عن أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَبَّرَ عَلَى جَنَازَةٍ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ أَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ، وَوَضَعَ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى.

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ غريبٌ لانَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ هٰذا الوَجْهِ.

واختَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِيْ هٰذَا: فَرَأَى أَكْثَرُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ أَنْ يَرْفَعَ الرَّجُلُ يَدَيْهِ فِيْ كُلِّ تَكْبِيْرَةٍ عَلَى الْجَنَازَةِ، وَهُوَ قَوْلُ ابنِ الْمُبَارَكِ والشَّافِعِيِّ وأحمدَ وإسحاقَ.

وقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: لاَيَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلاَّ فِيْ أَوَّلِ مَرَّةٍ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ.

وذُكِرَ عَنِ ابنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ فِيْ الصَّلاَةِ عَلَى الْجَنَازَةِ: لاَيَقْبِضُ بِيَمِيْنِهِ عَلَى شِمَالِهِ، ورَأى بَعْضُ أَهْلِ العلمِ أَنْ يَقْبِضَ بِيَمِيْنِهِ عَلَى شِمَالِهِ، كَمَا يَفْعَلُ فِيْ الصَّلاَةِ، قالَ أبو عيسى: يَقْبِضُ أَحَبُّ إِلَيَّ.

ترجمہ: علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، صحابہ وغیرہ میں سے اکثر علماء کہتے ہیں کہ آدمی جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھوں کو اٹھائے۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں: ہاتھوں کو نہ اٹھائے مگر پہلی تکبیر میں، اور ابن المبارکؒ سے مروی ہے: انھوں نے فرمایا: نماز جنازہ میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو نہ پکڑے (یعنی ہاتھ نہ باندھے) اور بعض اہل علم کہتے ہیں: دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑے جیسا کہ نماز میں کرتا ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: ہاتھ باندھنا مجھے زیادہ پسند ہے۔

بابُ ماجاءَ أَنَّ نفسَ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ

مؤمن کی روح قرضے میں پھنسی رہتی ہے تا آنکہ قرضہ ادا کر دیا جائے

مؤمن کی روح جب تک قرض ادا نہ کر دیا جائے قرض میں پھنسی رہتی ہے، کیسے پھنسی رہتی ہے؟ ایک واقعہ سنو! دہلی میں ایک لالہ جی تھے، میں ان سے کاغذ خریدتا تھا، ایک مرتبہ میں کاغذ خریدنے گیا تو لالہ جی نے مجھ سے کہا: مجھے ایک سپنا (خواب) آیا ہے میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ میں جامع مسجد کی طرف گیا، دیکھا کہ سامنے ایک بہت بڑا فنکشن ہو رہا ہے اور بہت شاندار پنڈال بنا ہوا ہے جب میں اس کے قریب گیا تو دیوبند کے ایک حافظ صاحب — جن کا انتقال ہو چکا ہے — دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے، وہ مجھے دیکھ کر کہنے لگے: لالہ جی! لالہ جی! میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں، پھر میری آنکھ کھل گئی۔ لالہ جی یہ سمجھے تھے کہ ان کا وقت قریب آ گیا ہے کیونکہ مردہ ان کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا: حافظ صاحب کے ساتھ آپ کا کچھ لین دین تھا؟ انھوں نے کہا: وہ قرآن چھاپتے تھے اور میرے یہاں سے کاغذ خریدتے تھے، میں نے پوچھا: کیا ان پر آپ کا کچھ بقایا ہے؟

انھوں نے کہا: ہاں میرے ۱۲۸ روپے باقی ہیں ان کے انتقال کے بعد میں دیو بند گیا اور ورثاء سے مطالبہ کیا مگر کسی نے وہ قرضہ نہیں دیا۔ میں نے کہا: لالہ جی! کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ وہ قرضہ مجھ سے لے لیں؟ کہنے لگے: کیوں؟ میں نے کہا: وہ آپ کے قرضہ میں پھنسے ہوئے ہیں، اور فنکشن میں شریک نہیں ہو رہے، آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں، وہ کہنے لگا: میں بھگوان کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے وہ قرضہ معاف کیا، آپ اس واقعہ سے یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ مؤمن کی روح قرضے میں کیسے پھنسی رہتی ہے؟

[۷۶] باب ماجاء أن نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يُقْضٰى عنه

[۱۰۶۱-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلاَنَ، نا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ زَكَرِيَّا بنِ أَبِيْ زَائِدَةَ، عن سَعْدِ بنِ إبراهيمَ، عن أَبِيْ سَلَمَةَ، عن أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ"

[۱۰۶۲-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا عَبْدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، نا إبراهيمُ بنُ سَعْدٍ، عن أَبِيْهِ، عَنْ عُمَرَ بنِ أَبِيْ سَلَمَةَ، عن أَبِيْهِ، عن أَبِيْ هُرَيرةَ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: "نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ حسنٌ، وَهُوَ أَصَحُّ مِنَ الْأَوَّلِ.

[آخر كتاب الجنائز]

وضاحت: پہلی سند میں سعد بن ابراہیم براہ راست ابوسلمہ سے روایت کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں اور دوسری سند میں سعد بن ابراہیم بواسطہ عمر روایت کرتے ہیں جو حضرت ابوسلمہ کے بیٹے ہیں، یہ واسطہ والی سند اصح ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ فیصلہ اپنے مزاج کے مطابق کیا ہے ورنہ اس کو اصح کہنے کی کوئی وجہ نہیں، اور یہ عمر صدوق ہیں مگر ان سے چوک ہو جاتی ہے اس لئے یہ حدیث صرف حسن ہے۔

الحمد للہ! کتاب الجنائز کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی

أَبْوَابُ النِّكَاحِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

بَابُ مَاجَاءَ فِي فَضْلِ التَّزْوِيْجِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ

نکاح کی فضیلت اور اس کی ترغیب

ہمارے نسخوں میں عام عنوان کے بعد کوئی خاص باب نہیں ہے اور مصری نسخہ میں مذکورہ باب بھی ہے اور وہی نسخہ صحیح ہے، یہاں باب ہونا چاہئے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کی عادت یہ ہے کہ وہ عام عنوان کے بعد خاص باب قائم کرتے ہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار باتیں بڑے نبیوں کی سنتیں ہیں: شرم یعنی لحاظ کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا''

تشریح: جب یہ چار چیزیں بڑے نبیوں کی سنتیں ہیں تو چھوٹے انبیاء بدرجۂ اولیٰ ان پر عمل پیرا ہونگے، پس یہ چار چیزیں تمام نبیوں کی سنتیں ہیں:

۱- شرم: یعنی لحاظ کرنا، اس کا مقابل بے شرمی یعنی بدلحاظی ہے۔ اور حیاء محمود بھی ہوتی ہے اور مذموم بھی، جہاں شرم نہ کرنے کا حکم ہے وہاں شرم کرنا مذموم ہے، مثلاً کوئی شرم کا مسئلہ درپیش ہو اس کو پوچھنا ضروری ہے تاکہ اس پر عمل کر سکے اگر پوچھنے میں شرم کی تو یہ حیاء مذموم ہے، قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نہیں شرماتے اس سے کہ بیان کریں کوئی بھی مثال خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو۔ حضرت ام سلیمؓ نے آنحضور ﷺ سے ایک شرم کا مسئلہ پوچھا تو یہی تمہید قائم کی تھی، اور جہاں شرم کرنے کا حکم ہے یا منع نہیں کیا گیا وہاں شرم کرنا محمود ہے۔

۲- خوشبو لگانا: بھی انبیاء کی سنت ہے چنانچہ مسلمانوں میں خوشبو لگانے کا خوب رواج ہے، دیگر اقوام میں اس کا رواج نہیں، اور یہود ونصاریٰ جو پرفیوم استعمال کرتے ہیں وہ پتلون کی بدبو دبانے کے لئے استعمال کرتے ہیں، وہ لوگ بڑا استنجاء ٹوئلٹ پیپر سے کرتے ہیں پانی مطلق استعمال نہیں کرتے اس لئے ان کی پتلونوں میں بدبو رہتی ہے، چنانچہ وہ پرفیوم استعمال کرتے ہیں اور ہنود پانی سے استنجاء کرتے ہیں اس لئے وہ پرفیوم استعمال نہیں کرتے، البتہ بعض ہنود نے جو ماڈرن ہیں پرفیوم استعمال کرنا شروع کر دیا ہے مگر عطر مطلق استعمال نہیں کرتے۔

۳- مسواک: بھی امور فطرت میں سے ہے اس لئے سبھی لوگ منہ صاف کرتے ہیں اور جو بعض مسلمان اس میں کوتاہی کرتے ہیں وہ ٹھیک نہیں کرتے۔ مسواک صرف امور فطرت میں سے نہیں ہے بلکہ بڑے نبیوں کی سنت بھی ہے۔ پس مسلمانوں کو تو خوب اہتمام سے مسواک کرنی چاہئے۔

۴- نکاح: سے انسانی ضرورت پوری ہوتی ہے اس لئے سبھی انسان نکاح کرتے ہیں، اور مسلمانوں میں نکاح کا زیادہ اہتمام ہونا چاہئے کیونکہ نکاح صرف انسانی ضرورت کی تکمیل نہیں ہے بلکہ بڑے نبیوں کی سنت بھی ہے۔

حدیث (۲): ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی جبکہ ہم نوجوان تھے اور کسی چیز پر قادر نہیں تھے، یعنی خالی ہاتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تھے، پس نبی ﷺ نے نوجوانوں سے خطاب فرمایا کہ اے جوانو! گھر بسانے کو لازم پکڑو۔ یعنی جو گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے (البَاءَ ۃ والبِیئَۃ والمَبوأُ والمَبَاءَ ۃَ کے معنی ہیں منزل، پس علیکم بِالْبَاءَ ۃِ کے معنی ہیں: گھر بساؤ، اور ایک دوسرا لفظ ہے: البَاہ والباھَۃ اس کے معنی ہیں: نکاح اور جماع کی قدرت، یہی لفظ قوت باہ کے لئے مستعمل ہے، حدیث میں یہ لفظ نہیں ہے، کیونکہ نامرد کو روزوں کی کچھ حاجت نہیں) اس لئے کہ نکاح نگاہ کو بہت زیادہ پست کرنے والا اور شرم گاہ کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والا ہے، اور جو گھر بسانے کی یعنی نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزوں کو لازم پکڑے اس لئے کہ روزہ اس کے لئے آختگی ہے (وَجَأَ (ف) وِجاءَ الفحلَ: آختہ کرنا یعنی نر کے خصیوں کو چھیتنا جس سے وہ خصی جیسا ہوجائے، اور خَصَاہُ (ض) خِصَاءً کے معنی ہیں: فوطے نکال دینا، روزوں سے شہوت ٹوٹتی ہے قوت مردمی ختم نہیں ہوتی اس لئے اس کے لئے وجاء استعمال کیا گیا ہے)

تشریح: جب جسم میں منی کی تولید زیادہ ہوتی ہے تو اس کے اَبخرے دماغ کی طرف صعود کرتے ہیں، پس وہ خوبصورت عورت کو دیکھنے کی رغبت پیدا کرتے ہیں اور دل اس کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے اور مادّہ کا ایک حصہ شرم گاہ کی طرف اترتا ہے تو نفس میں شہوت پیدا ہوتی ہے اور جنسی خواہش بھڑکتی ہے اور اکثر ایسا عالم جوانی میں ہوتا ہے اور یہ نفس کا ایک بڑا حجاب ہے جو اس کو نیکوکاری میں انہماک سے روکتا ہے اور اس کو بدکاری پر ابھارتا ہے اور اس کے اخلاق کو بگاڑ دیتا ہے اور باہمی معاملات کی خرابی کے بھنور میں پہنچا دیتا ہے، پس اس حجاب کو دور کرنا ضروری ہے، پس جو شخص ہم بستری کی طاقت رکھتا ہے اور وہ اس پر قادر بھی ہے بایں طور کہ اس کو ــــ مثال کے طور پر ــــ ایسی عورت میسر ہے جس سے نکاح کرنا حکمت کے تقاضے کے مطابق ہے اور وہ اس کے نان ونفقہ پر قادر ہے تو اس کے لئے اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ وہ نکاح کرلے، اس سے نگاہ بہت زیادہ پست ہوجاتی ہے اور شرم گاہ کی خوب حفاظت ہوجاتی ہے کیونکہ نکاح سے استفراغ مادّہ خوب ہوجاتا ہے۔

اور جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا وہ مسلسل روزے رکھے متواتر روزوں میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے نفس کی

تیزی ٹوٹتی ہے اور جوانی کا جوش ٹھنڈا پڑتا ہے کیونکہ روزوں سے مادہ کی فروانی کم ہوتی ہے، پس وہ برے اخلاق جو خون کی زیادتی سے پیدا ہوتے ہیں بدل جاتے ہیں۔

ملحوظہ: روزے کم سحری اور کم افطاری کے ساتھ رکھے جائیں اور مسلسل رکھے جائیں، چند روزوں سے فائدہ نہیں ہوگا، البتہ روزے زہریلی دواء کی طرح ہیں پس بے حد نہ رکھے جائیں، زیادہ سے زیادہ دو ماہ تک رکھے جائیں، پھر بند کردیئے جائیں، ضرورت ہو تو کچھ وقفہ کے بعد پھر شروع کردیئے جائیں۔

أبواب النكاح

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

[١] [باب ماجاء في فضل التزويج والحَثّ عليه]

[١٠٦٣-] حدثنا سُفيانُ بنُ وَكِيْعٍ، نا حَفصُ بنُ غِيَاثٍ، عنِ الْحَجَّاجِ، عَنْ مَكْحُوْلٍ، عن أَبِي الشِّمَالِ، عن أَبِيْ أَيُّوْبَ قَالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ: الحَيَاءُ والتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ"

وفي الباب: عَنْ عُثْمَانَ، وثَوْبَانَ، وابنِ مَسْعُوْدٍ، وعائشةَ، وعبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وجَابرٍ، وعَكَّافٍ، حديثُ أبي أَيُّوْبَ حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

حدثنا مَحمودُ بنُ خِدَاشٍ، نا عَبَّادُ بنُ الْعَوَّامِ، عن الْحَجَّاجِ، عَنْ مَكْحُوْلٍ، عن أَبِي الشِّمَالِ، عن أَبِيْ أَيُّوْبَ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ حديثِ حَفْصٍ.

وَرَوَى هذا الحديثَ هُشَيْمٌ، ومُحَمَّدُ بنُ يَزِيْدَ الْوَاسِطِيُّ، وأَبُوْ مُعَاوِيَةَ، وغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْحَجَّاجِ، عَنْ مَكْحُوْلٍ، عن أَبِيْ أَيُّوْبَ، وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيهِ عَنْ أَبِي الشِّمَالِ؛ وحديثُ حَفْصِ بنِ غِيَاثٍ وعَبَّادِ بنِ الْعَوَّامِ أَصَحُّ.

[١٠٦٤-] حدثنا محمودُ بنُ غَيلاَنَ، نا أَبُوْ أَحْمَدَ، نا سُفيانُ، عن الأَعْمَشِ، عن عُمَارَةَ بنِ عُمَيْرٍ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ يَزِيْدَ، عن عَبْدِ اللهِ بنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم ونَحْنُ شَبَابٌ، لاَنَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ، فَقَالَ: "يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! عَلَيْكُمْ بِالْبَاءَةِ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّ الصَّوْمَ لَهُ وِجَاءٌ"

هَذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلَّالُ، نا عبدُ اللهِ بنُ نُمَيْرٍ، نا الأَعْمَشُ، عَنْ عُمَارَةَ نَحْوَهُ. وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهٰذَا الإِسْنَادِ مِثْلَ هٰذَا، وَرَوَى أَبُو مُعَاوِيَةَ وَالْمُحَارِبِيُّ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، نَحْوَهُ.

وضاحت: پہلی حدیث مکحول براہ راست حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں یا درمیان میں واسطہ ہے؟ حجاج بن ارطاۃ کے تلامذہ میں اختلاف ہے، حفص بن غیاث: ابوالشمال کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور عباد بن العوام ان کے متابع ہیں اور ہشیم محمد بن یزید واسطی اور ابو معاویہ وغیرہ کوئی واسطہ ذکر نہیں کرتے۔ امام ترمذیؒ نے حفص بن غیاث اور عباد بن العوام کی حدیث کو اصح قرار دیا ہے، اور ابوالشمال مجہول راوی ہے، حافظ عسقلانی اور حافظ ذہبی رحمہما اللہ نے اس کو مجہول کہا ہے اور اس حدیث کی روایت کے ساتھ حجاج بن ارطاۃ جو صدوق کثیر الخطاء اور مدلس ہے متفرد ہے، پس یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح نہیں۔

دوسری حدیث کی اعمش سے اوپر دو سندیں ہیں: ایک: أعمش عن عمارة بن عمير، عن عبد الرحمن بن يزيد، عن ابن مسعود۔ یہ سفیان ثوری اور عبداللہ بن نُمیر کی سند ہے۔ دوسری سند: أعمش، عن إبراهيم، عن علقمة، عن ابن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم. یہ ابو معاویہ اور محاربی کی سند ہے۔ امام ترمذی نے پہلی سند کو حسنٌ صحیحٌ قرار دیا ہے اور اس دوسری سند کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔

بابُ ماجاء فی النَّهْيِ عَنِ التَّبَتُّلِ

عورتوں سے بے تعلقی کی ممانعت

تَبَتُّل: کے معنی ہیں: عورتوں سے بے تعلق رہنا۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں: ایک: نکاح ہی نہ کرنا۔ دوسرے: بیوی سے بے تعلق رہنا، اس سے ازدواجی تعلق قائم نہ کرنا، یہ پہلی صورت سے بدتر صورت ہے۔ ایران کے مانی فرقہ کے لوگ عیسائی راہب اور سادھو سنت: اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے نکاح ہی نہیں کرتے جو غلط طریقہ ہے، انبیاء علیہم السلام کا طریقہ جس کو اللہ تعالی نے لوگوں کے لئے پسند کیا ہے: وہ طبیعت کی اصلاح کرنا ہے اور اس کی کجی کو دور کرنا ہے، نفس کے تقاضوں کو پامال کرنا ان کا طریقہ نہیں تھا، بخاری (حدیث ۵۰۶۳) میں حدیث ہے کہ ایک مرتبہ تین صحابی ازواج مطہرات کے پاس آئے، اور آنحضور ﷺ کی عبادتوں کے بارے میں دریافت کیا، ازواج مطہرات نے آپؐ کی عبادتیں بتلائیں تو ان کو کم سمجھا، کہنے لگے: آپؐ تو مغفور لہ ہیں، آپؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا اعلان کردیا گیا ہے، پس آپؐ کے لئے تھوڑی عبادت بھی بہت ہے، مگر ہم گنہ گار ہیں،

ہمارے لئے تھوڑی عبادت کافی نہیں اور انھوں نے باہم عہد و پیان کیا: ایک نے کہا: میں ہمیشہ رات میں نفلیں پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا! حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے کہا: میں بیوی سے تعلق نہیں رکھوں گا۔ جب حضور اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا: کیا تم نے یہ عہد کیا ہے؟ پھر آپؐ نے فرمایا: سنو! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، اور تم سے زیادہ اللہ کا خوف کھاتا ہوں اس کے باوجود روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، اور رات میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور ازواج سے تعلق بھی رکھتا ہوں، پس یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ پر نہیں اس کا مجھ سے کچھ تعلق نہیں۔ سورۃ الرعد آیت ۳۸ میں ارشاد پاک ہے: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ یعنی آپؐ سے پہلے جتنے رسول گذرے ہیں سب کی بیویاں اور اولاد تھی، نبیوں میں تو ایک آدھ مثال ملے گی کہ فلاں نبی نے شادی نہیں کی، مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام نے شادی نہیں کی، مگر رسولوں میں کوئی مثال نہیں، تمام رسولوں نے شادی کی ہے اور ان کی اولاد بھی ہوئی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آئندہ شادی کریں گے اور ان کی اولاد بھی ہوگی، معلوم ہوا کہ نفس کشی کے ذریعہ سعادت حاصل کرنے سے بہتر نفس کی اصلاح کر کے سعادت حاصل کرنا ہے، انبیاء علیہم السلام کا یہی طریقہ ہے۔

حدیث (۱): سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعونؓ کے تبتل کے ارادے کو رد کر دیا اگر آپؐ ان کو تبتل کی اجازت دیدیتے تو ہم خصی ہو جاتے۔

تشریح: اس حدیث سے فقہاء نے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ: إجازة الشيئ إجازة لِمَا يُحصِّله یعنی کسی چیز کی اجازت دینے سے اس چیز کی اجازت خود بخود ہو جاتی ہے جس پر وہ چیز موقوف ہوتی ہے۔ ظاہر ہے جب آنحضور ﷺ تبتل کی اجازت دیدیتے تو خصی (فوطے نکال دینے) کی اجازت خود بخود ہو جاتی اس لئے کہ مردانگی ختم کئے بغیر حقیقی تبتل نہیں ہو سکتا۔

حدیث (۲): حضرت سمرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تبتل سے منع فرمایا۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ تین اساتذہ سے روایت کرتے ہیں، ان میں سے زید بن اخزم کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت قتادہ نے حدیث بیان کر کے بطور استشہاد سورۂ رعد کی آیت ۳۸ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ پڑھی۔

[۲] باب ماجاء في النهي عن التبتل

[۱۰۶۵-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلاَّلُ، وغَيْرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: نَا عبدُ الرَّزَّاقِ، نا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عن سَعِيْدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ: رَدَّ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم

عَلَى عُثْمَانَ بنِ مَظْعُوْنٍ التَّبَتُّلَ، وَلَوْ أَذِنَ لَهُ لَاخْتَصَيْنَا.

هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۰۶۶-] حدثنا أبو هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ، وَزَيْدُ بنُ أَخْزَمَ، وإسحاقُ بنُ إبراهيمَ البَصْرِيُّ، قَالُوْا: نَا مُعَاذُ بنُ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عن سَمُرَةَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنِ التَّبَتُّلِ. وَزَادَ زَيْدُ بنُ أَخْزَمَ فِي حَدِيْثِهِ: وقَرَأَ قَتَادَةُ: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾

وفي الباب: عَن سَعْدٍ، وأنسِ بنِ مَالِكٍ، وعائشةَ، وابنِ عبّاسٍ.

حديثُ سَمُرَةَ حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وَرَوَى الْأَشْعَثُ بنُ عبدِ الْمَلِكِ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَعْدِ بنِ هِشَامٍ، عن عائشةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، ويُقَالُ: كِلَا الْحَدِيْثَيْنِ صَحِيحٌ.

وضاحت: پہلی حدیث مرسل ہے، حضرت سعید: حضرت سعد سے روایت نہیں کرتے اس لئے أنّ حرفِ مشبہ بالفعل لایا گیا ہے اور دوسری حدیث کی دو سندیں ہیں: ایک سند حضرت سمرۃ پر اور دوسری حضرت عائشہؓ پر پہنچتی ہے۔ امام ترمذیؒ نے دونوں کو صحیح قرار دیا ہے۔

بابُ ماجاءَ في مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ فَزَوِّجُوْهُ

دیندار لڑکے کا رشتہ آئے تو نکاح کردو

جب کسی لڑکی کا رشتہ وہ شخص بھیجے جو دیندار اور با اخلاق ہے تو اس سے لڑکی کا نکاح کر دینا چاہئے، لڑکا غریب، خستہ حال، بے روزگار یا بدصورت ہو یا اس قسم کی کوئی اور بات ہو تو اس کا خیال نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ نظام خانہ داری میں مطلوب دو باتیں ہیں: ایک: اچھے اخلاق میں معیت وصحبت، یعنی با اخلاق رفیق حیات، دوم: وہ معیت وصحبت دین کی اصلاح کا ذریعہ بنے، پس جب لڑکا با اخلاق اور دیندار ہے تو وہ بہترین رفیق ہے، وہ لڑکی کے دین کو سنوارے گا۔

جاننا چاہئے کہ چاروں فقہاء نکاح میں کفاءت (مماثلت) کے قائل ہیں پھر امام مالک رحمہ اللہ صرف دینداری میں کفاءت کا لحاظ کرتے ہیں اور دیگر ائمہ حسب ونسب، ذات برادری، اور حرفت وصنعت میں بھی کفاءت کا اعتبار کرتے ہیں۔ باب کی حدیث امام مالک رحمہ اللہ کا مستدل ہے، دیگر ائمہ کہتے ہیں کہ حدیث کا مقصود صرف اس بات کی ترغیب دینا ہے کہ دیندار رشتہ مل جائے تو تاخیر نہیں کرنی چاہئے، لڑکی کا اس سے جلد نکاح کر دینا چاہئے، حدیث کا مسئلہ کفاءت سے کچھ تعلق نہیں۔

[۳] باب ماجاء فی مَنْ ترضون دينه فزوجوه

[۱۰۶۷-] حدثنا قُتيبةُ، نا عبدُ الْحَمِيْدِ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنِ ابنِ عَجْلَانَ، عَنِ ابنِ وَثِيْمَةَ النَّصْرِيِّ، عن أبِيْ هريرةَ قالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم:" إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوْهُ، إِلَّا تَفْعَلُوْا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ"

وفی الباب: عن أبی حَاتِمٍ الْمُزَنِيِّ، وعائشةَ.

حديثُ أبی هريرةَ قَدْ خُوْلِفَ عَبدُ الْحَمِيْدِ بنُ سُلَيْمَانَ فِي هٰذَا الحديثِ، فَرَوَاهُ اللَّيْثُ بنُ سَعْدٍ عَنِ ابنِ عَجْلَانَ، عن أبی هريرةَ، عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم مُرْسَلًا، قالَ مُحمَّدٌ: وحديثُ اللَّيْثِ أشْبَهُ، وَلَمْ يَعُدَّ حديثَ عَبدِ الحَميدِ مَحْفُوْظًا.

[۱۰۶۸-] حدثنا محمدُ بنُ عَمْرٍو، نا حَاتِمُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ عبدِ اللهِ بنِ مُسْلِمِ بنِ هُرْمُزَ، عَنْ مُحَمَّدٍ وَسعِيْدٍ ابْنَيْ عُبَيْدٍ، عن أبی حَاتِمٍ الْمُزَنِيِّ قالَ:قالَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم:"إِذَا جَاءَ كُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وخُلُقَهُ فَأَنْكِحُوْهُ، إِلَّا تفعَلُوْا تكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ! إِلَّا تَفعَلُوْا تكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ! قَالُوْا: يارسولَ اللهِ! وَإِنْ كانَ فِيْهِ؟ قالَ:" إِذَا جَاءَ كُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ فَأَنْكِحُوْهُ" ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وأَبُوْ حَاتِمٍ الْمُزَنِيُّ لَهُ صُحْبَةٌ. وَلَا نَعْرِفُ لَهُ عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم غَيْرَ هذا الحديثِ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس وہ شخص رشتہ بھیجے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو تم اس کے ساتھ لڑکی کا نکاح کردو۔ اگر تم ایسا نہیں کروگے (بلکہ مال و جمال کا لالچ کروگے) تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا (لڑکیاں بیٹھی رہ جائیں گی، کوئی ان کا پرسانِ حال نہ ہوگا) اس حدیث میں عبدالحمید بن سلیمان نے (جو ضعیف ہے) ابن عجلان کے بعد ابن وثیمہ النصری کا واسطہ بڑھایا ہے جو صحیح نہیں، ابن عجلان اس حدیث کو براہِ راست حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ لیث بن سعد نے ابن عجلان سے اسی طرح روایت کیا ہے، پس یہ حدیث مرسل (منقطع) ہے کیونکہ ابن عجلان کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لیث بن سعد کی حدیث درستگی سے زیادہ قریب ہے اور عبدالحمید کی سند کو امام بخاری نے محفوظ نہیں قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس وہ شخص رشتہ لے کر آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو تم لڑکی کا اس کے ساتھ نکاح کردو، اگر تم ایسا نہیں کروگے (اخلاق اور دینداری کے بجائے

دوسری باتیں پیش نظر رکھو گے) تو زمین میں فتنہ اور فساد ہوگا، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد ہوگا، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر اس میں ہو؟ أی إن کان فیہ شیئ من قلۃ المال والدمامۃ یعنی اگر وہ غریب اور بدصورت ہو تو؟ آپؐ نے فرمایا: ''جب تمہارے پاس وہ شخص رشتہ بھیجے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس کے ساتھ لڑکی کا نکاح کردو۔ یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ فرمائی، یعنی سائل کے سوال کو قابل اعتبار نہیں گردانا، اپنی سابقہ بات ہی بار بار فرمائی —— ابوحاتم مزنیؓ صحابی ہیں اور ان کی رسول اللہ ﷺ سے صرف یہی ایک حدیث ہے۔

بابُ ماجاءَ فِیْ مَنْ یَنْکِحُ عَلٰی ثَلاَثِ خِصَالٍ

لوگ نکاح میں تین باتیں پیش نظر رکھتے ہیں

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عورت سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے دین کی وجہ سے، اور اس کے مال کی وجہ سے، اور اس کے جمال (خوبصورتی) کی وجہ سے، پس تم دیندار لڑکی کو لازم پکڑو، تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں!

تشریح: لوگ عموماً چار مقاصد سے نکاح کرتے ہیں: (۱) بعض لوگ جو عورت پارسا، باعفت، عبادت گذار اور خدا کی نیک بندی ہوتی ہے اس سے نکاح کو ترجیح دیتے ہیں (۲) اور بعض لوگ مال کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ اس کے مال سے تعاون ملے یا ماں کی طرف سے ملنے والے ترکہ کی وجہ سے بچے خوشحال ہوں (۳) اور اکثر لوگ نکاح کرتے وقت خوبصورتی کو پیش نظر رکھتے ہیں، کیونکہ فطرت انسانی خوبصورتی کی طرف مائل ہے اور اکثر لوگوں پر فطرت کا غلبہ ہوتا ہے (۴) اور بعض لوگ عورت کے حسب ونسب کو دیکھتے ہیں یعنی عورت کے خاندان کی خوبیوں کا لحاظ کرتے ہیں۔
آنحضور ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم دینداری کو لازم پکڑو'' یعنی پارسا، باعفت اور عبادت گذار کو ترجیح دو، البتہ اگر دینداری کے ساتھ مذکورہ اوصاف ثلاثہ یا ان میں سے بعض جمع ہوجائیں تو نورٌ علیٰ نور!

فائدہ: تَرِبَتْ یَدَاكَ (تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں) ایک محاورہ ہے اور محاوروں کو یا تو اس کے مترادف محاوروں کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے یا جس زبان کا محاورہ ہے مخاطب اس زبان کو کماحقہ جانتا ہو تو وہ اس محاورہ کو سمجھ سکتا ہے، اس کے بغیر محاوروں کو کماحقہ سمجھنا مشکل ہے اور محاوروں کے لفظی ترجمہ سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ مراد نہیں ہوتا، جیسے اردو میں پیار میں بولتے ہیں: ''ارے باؤلے! میری بات سن'' ''باؤلے'' کا لفظی مفہوم اچھا نہیں، مگر اس کا محل استعمال ٹھیک ہے، اسی طرح تربت یداہ کا محل استعمال ٹھیک ہے اگرچہ اس کا لفظی مفہوم ٹھیک نہیں۔

ملحوظہ: مقاصدِ نکاح میں حسب ونسب کا تذکرہ مشکوٰۃ (حدیث ۳۰۸۲) میں آیا ہے اور ان چار مقاصد میں حصر بطور مثال ہے، حصر حقیقی نہیں، نکاح کے اور بھی مقاصد ہوتے ہیں۔

[٤] باب ماجاء فی من یُنکح علی ثلاث خصال

[۱۰۶۹-] حدثنا أحمدُ بنُ محمدِ بنِ مُوسَی، نا إسحاقُ بنُ یُوسُفَ الأزرَقُ، نا عَبْدُ الْمَلِكِ، عَنْ عَطَاءٍ، عن جَابِرٍ: عن النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "إِنَّ الْمَرْأَةَ تُنکَحُ عَلَی دِیْنِهَا وَمَالِهَا وَجَمَالِهَا، فَعَلَیْكَ بِذَاتِ الدِّیْنِ، تَرِبَتْ یَدَاكَ"

وفی الباب: عَنْ عَوْفِ بنِ مَالِكٍ، وعائشةَ، وعبدِ اللہِ بنِ عَمْرٍو، وأبی سَعِیدٍ، حدیثُ جابرٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

بابُ ماجاءَ فی النَّظْرِ إِلَی الْمَخْطُوْبَةِ

مخطوبہ کوایک نظر دیکھنے کا بیان

جمہور کے نزدیک نکاح کا پیغام بھیجنے سے پہلے لڑکی کوایک نظر دیکھنا جائز ہےاور صرف چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھ سکتے ہیں، باقی بدن دیکھنا جائز نہیں، البتہ داؤدظاہری کے نزدیک عورت کا سارا جسم دیکھ سکتے ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لڑکی سے اجازت لینا ضروری ہے تاکہ وہ خود کوسنوار کر سامنے آئے، لڑکی کو بے خبر رکھ کر نہ دیکھے، ہوسکتا ہے وہ اس حال میں ہوکہ وہ حالت لڑکے کو ناپسند آئے اور شہوت یعنی میلان کا اندیشہ ہوتو دیکھ سکتے ہیں یانہیں؟ اس میں اختلاف ہے: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں دیکھنا جائز نہیں اور حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ یہی دیکھنے کا مقصد ہے، پس یہ بات معین ہوگی۔

حدیث: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک لڑکی کو پیام دینے کا ارادہ کیا، نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: "اس کو دیکھ لو، اس سے امید ہے کہ تم دونوں میں خوب موافقت ہو" اور حضرت مغیرہؓ ہی سے یہ بھی فرمایا کہ اس کوایک نظر دیکھ لو، کیونکہ انصار کی لڑکیوں کی آنکھوں میں کچھ (عیب) ہے (مشکوۃ حدیث ۳۰۹۸)

تشریح: جب کسی لڑکی کو نکاح کا پیغام بھیجنے کا ارادہ ہوتو پہلے اس کو دیکھ لینا چاہئے، دیکھنے سے ناک نقشہ اور رنگ روغن کا پتہ چل جاتا ہےاور یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ لڑکی میں کوئی عیب تو نہیں، اس لئے کہ اگر نکاح کے بعد عیب سامنے آئے گا تو افسوس ہوگا، اور اگر پہلے دیکھ لے گا اور پسند خاطر نہ ہونے کے باوجود کسی مصلحت سے نکاح کرے گا تو اتنا افسوس نہ ہوگا، پھر اگر ناپسند ہونے کی صورت میں چھوڑ دے گا تو یہ بہت ہی برا ہے اس سے بہتر پہلے دیکھ لینا ہے تاکہ تلافی آسان ہو۔

اور جاننا چاہئے کہ دیکھنا اس وقت سودمند ہوتا ہے جب لڑکا باشعور ہو، پھر دیکھنے سے صرف ناک نقشہ اور رنگ روغن

کا پتہ چلتا ہے، سیرت واخلاق کا پتہ نہیں چلتا، یہ باتیں قابل اعتماد بابصیرت عورتوں کے ذریعہ ہی معلوم ہوسکتی ہیں، پس ان کا دیکھنا بھی اپنے دیکھنے کے قائم مقام ہوسکتا ہے، لیکن اگر خود دیکھنا ضروری ہوتو اس کا لحاظ رکھا جائے کہ لڑکی کو یا اس کے گھر والوں کو ناگوار نہ ہو، بلکہ بہتر یہ ہے کہ چھپ کر دیکھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک لڑکی کو پیام بھیجنے کا ارادہ کیا، پس میں اس کو چھپ کر دیکھنے کی کوشش کرتا تھا تا آنکہ میں نے وہ خوبی دیکھ لی جو میرے لئے اس سے نکاح کا باعث تھی، پھر میں نے اس سے نکاح کیا (مشکوۃ حدیث ۳۱۰۶)

[۵] باب ماجاء في النظر إلى المخطوبة

[۱۰۷۰-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا ابنُ أَبِيْ زَائِدَةَ، حَدَّثَنِيْ عَاصِمُ بنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ بَكْرِ بنِ عبدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ، عَنِ الْمُغِيْرَةِ بنِ شُعْبَةَ: أَنَّهُ خَطَبَ امْرَأَةً، فَقَالَ النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "انْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا"

وفي الباب: عن محمدِ بنِ مَسْلَمَةَ، وجَابِرٍ، وأَنَسٍ، وأَبِيْ حُمَيدٍ، وأَبِيْ هُرَيرةَ.

هٰذا حديثٌ حسنٌ، وقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أهلِ العلمِ إِلٰى هٰذَا الحديثِ، وَقَالُوْا: لَابَأْسَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهَا مَالَمْ يَرَ مِنْهَا مُحَرَّمًا، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وإسحاق، وَمعنى قوله: "أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا" قالَ: أَحْرَى أَنْ تَدُوْمَ الْمَوَدَّةُ بَيْنَكُمَا.

ترجمہ: بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں: لڑکی کو دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جب تک کہ وہ لڑکی کے بدن میں سے وہ حصہ نہ دیکھے جس کو دیکھنا جائز نہیں اور یہ احمد واسحاق کا قول ہے، اور نبی ﷺ کے ارشاد: أحرى أن يؤدم بينكما کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات اس کے زیادہ لائق ہے کہ تم دونوں کے درمیان محبت دیرپا ہو (الأحرى: زیادہ لائق، آدم بينهما إيداما: صلح کرانا، موافقت کرنا یعنی دیکھنا زیادہ لائق ہے کہ تم دونوں کے درمیان موافقت کرائی جائے)

بابُ ماجاءَ فِيْ إِعْلَانِ النِّكَاحِ

نکاح کی تشہیر کرنے کا بیان

زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں نکاح کے چار طریقے رائج تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک طریقہ (رائج طریقہ) کے علاوہ سب کو یکسر ختم فرمادیا، کیونکہ وہ طریقے نہایت گندے اور شرم ناک تھے اور نکاح کی تشہیر کرنے کا حکم دیا تاکہ ان نکاحوں سے جو خفیہ کئے جاتے تھے امتیاز ہوجائے۔

اور تشہیر کے طریقے بہت ہیں مثلاً زمانۂ جاہلیت میں لوگ نکاح کے موقع پر شور اور ڈفلی بجایا کرتے تھے[1] آپؐ نے نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ ایک گونہ ترغیب دی تاکہ تشہیر کے ساتھ کچھ تفریح کا سامان بھی ہوجائے۔ اور اگر مسجد میں نماز کے بعد نکاح پڑھا جائے تو مسجد کی حرمت کی برکت بھی حاصل ہوگی اور تشہیر بھی ہوجائے گی، چنانچہ ایک حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے، اور ولیمہ کرنے سے بھی تشہیر ہوتی ہے اس لئے ولیمہ مسنون کیا گیا ہے۔

فائدہ: زمانۂ جاہلیت میں نکاح کے جو چار طریقے رائج تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (بخاری حدیث ۵۱۲۷ میں) ان کو تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ چار طریقے یہ تھے: (۱) ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا زیر ولایت کسی لڑکی کے نکاح کا پیام دیا جاتا پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا اس آدمی سے نکاح کر دیتا، یہی نکاح کا صحیح طریقہ تھا، اور اسی کو اسلام نے باقی رکھا ہے (۲) جب کسی آدمی کی بیوی حیض سے پاک ہوتی جبکہ رحم میں حمل قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے تو شوہر اپنی بیوی سے کہتا کہ فلاں شخص سے جنسی تعلق قائم کر، پھر حمل ظاہر ہونے تک شوہر اپنی بیوی سے الگ رہتا، جب حمل کے آثار ظاہر ہوتے تو شوہر اپنی بیوی سے صحبت کرتا، اور ایسا اس لئے کیا جاتا تھا کہ لڑکا نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو، عرب کے بعض پست قبیلوں میں یہ طریقہ رائج تھا (۳) چند آدمی (دس سے کم) ایک عورت کے پاس جاتے اور اس کی رضامندی سے سب اس سے صحبت کرتے پھر اگر عورت حاملہ ہوجاتی اور بچہ جنتی تو وہ ان سب آدمیوں کو بلاتی اور کسی کو نامزد کرتی کہ یہ تیرا بچہ ہے اور وہ آدمی انکار نہیں کرسکتا تھا (۴) پیشہ ور قحبہ سے بہت سے لوگ جنسی تعلق قائم کرتے پھر اگر اس کو حمل رہ جاتا اور وہ بچہ جنتی تو قیافہ شناس بلایا جاتا، اور وہ علامات دیکھ کر فیصلہ کرتا کہ یہ بچہ فلاں کا ہے، اور اس کو ماننا پڑتا ——— اسلام نے یہ تمام شرمناک طریقے ختم کردیئے، صرف ایک پاکیزہ طریقہ باقی رکھا جو اب لوگوں میں رائج ہے۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حلال وحرام کے درمیان امتیاز دَف اور آواز ہے'' یعنی جائز نکاح وہی ہے جو علی الاعلان کیا جائے، باقی تین نکاح جو چوری چھپے کئے جاتے ہیں: حرام ہیں۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نکاح کی تشہیر کیا کرو، اور اس کو مسجد میں پڑھایا کرو (یہ تشہیر کی بہترین صورت ہے) اور اس پر دف بجایا کرو۔

حدیث (۳): رُبیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ میرے پاس اس رات کی صبح میں تشریف لائے جس رات میرے ساتھ زفاف عمل میں آیا۔ پس میرے بستر پر بیٹھے تیرے میرے سامنے بیٹھنے کی طرح (یعنی خالد بن ذکوان سے کہا کہ جس طرح تو پردہ کے اُس طرف اور میں پردہ کے اِس طرف بیٹھی ہوں آنحضور ﷺ اسی

(۱) دف بجانا ایک طرح کا شور تھا اس پر ڈھول باجے کو قیاس کرنا درست نہیں، اور اب جبکہ مسلمان نکاح کے غلط طریقوں سے دور ہوگئے تو دف بجانے کی اہمیت بھی ختم ہوگئی۔ اب کچھ روشنی کرنا، جھنڈیاں لگانا بھی دَف کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔

طرح بیٹھے) اور لڑکیاں ڈفلیاں بجارہی تھیں اور میرے آباء میں سے جو بدر میں شہید ہوئے تھے ان کا نُدبہ پڑھ رہی تھیں (نُدبہ کے معنی ہیں: میت کی خوبیاں یاد کر کے رونا اور وہ گانے والیاں باشعور تھیں وہ اشعار خود بنارہی تھیں) یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے کہا: ''ہمارے درمیان ایسے نبی ہیں جو آئندہ کل کے احوال جانتے ہیں'' آپؐ نے فرمایا: اس کو رہنے دو اور جو کہتی تھیں وہ کہو۔

تشریح: حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کے والد اور دو چچا جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے اور وہ آنحضور ﷺ کی زیر تربیت بڑی ہوئی تھیں، آپؐ نے ہی ان کی شادی کی تھی، گویا آپؐ باپ تھے، اور آپؐ نے مذکورہ اشعار سے اس لئے منع فرمایا کہ وہ نعت کا شعر تھا اور دنیوی اشعار میں حمد ونعت کے اشعار ملانا ٹھیک نہیں، یا اس وجہ سے منع فرمایا کہ اس کا مضمون صحیح نہیں تھا، آئندہ پیش آنے والے احوال بجز اللہ عز وجل کے کوئی نہیں جانتا، سورۂ لقمان آیت ۳۴ میں ہے: ﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا﴾ یعنی کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ آئندہ کل کیا کام کرے گا۔ اور آپؐ جو غیب کی باتیں بتاتے تھے وہ اللہ کے بتانے سے بتاتے تھے، آپؐ کو غیب کا علم نہیں تھا اس لئے آپؐ نے وہ شعر پڑھنے سے منع فرمایا، اور دوسرے اشعار ٹھیک تھے ان میں قابل اعتراض کوئی بات نہیں تھی، اس لئے آپؐ نے ان کو پڑھنے کی اجازت دی۔

[۶] باب ماجاء فی إعلان النکاح

[۱۰۷۱-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِیعٍ، نا هُشَیْمٌ، نا أبو بَلْجٍ، عن مُحمّدِ بنِ حَاطِبٍ الجُمَحِیِّ، قال: قالَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: "فَصْلُ مَا بَیْنَ الْحَرَامِ وَالْحَلَالِ الدُّفُّ والصَّوْتُ"

وفی الباب: عن عائشةَ، وجَابرٍ، والرُّبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ، حدیثُ محمّدِ بنِ حَاطِبٍ حدیثٌ حسنٌ، وأبو بَلْجٍ: اسْمُهُ یَحییَ بنُ أَبِی سُلَیْمٍ، ویُقَالُ ابنُ سُلَیْمٍ أیضًا، ومُحمّدُ بنُ حَاطِبٍ قَدْ رَأَی النبیَّ صلی الله علیه وسلم وَهُوَ غُلَامٌ صَغِیْرٌ.

[۱۰۷۲-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِیعٍ، نا یَزِیْدُ بنُ هَارُوْنَ، نَا عیسیَ بنُ مَیْمُوْنٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بنِ مُحمّدٍ، عن عائشةَ قَالَتْ: قالَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: "أَعْلِنُوْا هٰذَا النِّکَاحَ، واجْعَلُوْهُ فِی الْمَسَاجِدِ، واضْرِبُوْا عَلَیْهِ بِالدُّفُوْفِ.

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ فِیْ هٰذَا الْبَابِ، وعیسیٰ بنُ مَیْمُوْنٍ الْأَنْصَارِیُّ یُضَعَّفُ فِی الْحَدِیْثِ، وعیسیَ بنُ مَیْمُوْنٍ الَّذِیْ یَرْوِیْ عَنِ ابنِ نَجِیْحٍ التَّفْسِیرَ هُوَ ثِقَةٌ.

[۱۰۷۳-] حدثنا حُمَیْدُ بنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِیُّ، نا بِشْرُ بنُ الْمُفَضَّلِ، ناخَالِدُ بنُ ذَکْوَانَ، عَنِ الرُّبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ، قَالَتْ: جَاءَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم، فَدَخَلَ عَلَیَّ غَدَاةَ بُنِیَ بِیْ، فَجَلَسَ عَلَی فِرَاشِیْ کَمَجْلِسِكَ مِنِّیْ، وَجُوَیْرِیَاتٌ لَنَا یَضْرِبْنَ بِدُفُوْفِهِنَّ وَیَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِیْ یَوْمَ بَدْرٍ، إِلَی أَنْ

قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ: وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ، فَقَالَ لَهَا: " اسْكُتِيْ عَنْ هٰذِهِ، وَقُوْلِيْ الَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ قَبْلَهَا" وهذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: ابوبلج کا نام: یحییٰ بن ابی سُلیم ہے اوران کو ابن سلیم بھی کہا جاتا ہے یعنی بعض لوگ ان کے باپ کا نام سُلیم لیتے ہیں نہ کہ کنیت ابوسُلیم۔ اور محمد بن حاطب صحابی صغیر ہیں، انھوں نے بچپن میں آنحضور ﷺ کی زیارت کی ہے ـــــ اور عیسیٰ بن میمون نام کے دوراوی ہیں، ایک کی نسبت واسطی ہے اور وہ قاسم بن محمد کے آزاد کردہ ہیں اور ضعیف ہیں۔ دوسرے جُرشی مکی ہیں اور وہ ابن دایہ سے معروف ہیں، وہ مجاہد اور ابن نجیح سے تفسیر روایت کرتے ہیں اور سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے وہ ثقہ ہیں (تہذیب)

بابُ ماجاءَ فی مَایُقَالُ لِلْمُتزَوِّجِ

شادی شدہ کو کیا دعا دی جائے؟

حدیث: نبی ﷺ جب کسی شادی شدہ کو مبارک باد دیتے تو فرماتے: بارکَ الله لك وبارك عليك وَجَمَع بينكما في خير: اللہ مبارک کرے، تم پر برکت نازل فرمائے اور خیر و بھلائی میں تم دونوں کو جمع کرے۔

تشریح: رَفَّأَ تَرْفِئَةً (باب تفعیل) کے معنی ہیں: شادی کی مبارک باد دینا۔ اور اصل معنی ہیں: شادی شدہ سے بِالرِّفَاءِ والْبَنِین کہنا، زمانۂ جاہلیت میں لوگ یہ جملہ کہہ کر شادی شدہ کو مبارک باد دیتے تھے، اوراس سے بھی اصلی معنی ہیں: رفو کرنا، کپڑے کی پھٹن کو تاگوں سے بھرنا، اور آخری معنی ہیں: دو چیزوں کو ایک دوسرے کے موافق بنانا، یعنی اس طرح ملا دینا کہ ایک معلوم ہوں پس بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِین کے معنی ہیں: تم دونوں کے درمیان موافقت رہے اور تمہارے یہاں بیٹے پیدا ہوں، یہ جملہ جاہلیت کی ذہنیت کی ترجمانی کرتا ہے، جاہلیت کے لوگ لڑکوں کو مرغوب رکھتے تھے اور لڑکیوں سے متنفر تھے، آنحضور ﷺ نے اس جملہ کو بدل دیا اور فرمایا: بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما في خير۔

[۷] باب ماجاء فی مایقال للمتزوج

[۱۰۷٤-] حدثنا قُتيبةُ، نا عبدُ الْعَزِيْزِ بنُ مُحمّدٍ، عن سُهَيْلِ بنِ أَبِيْ صَالِحٍ، عن أَبِيْهِ، عن أَبِيْ هُرَيرةَ؛ أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم كانَ إِذَا رَفَّأَ الإِنسانَ، إِذَا تزَوَّجَ، قَالَ: " بَارَكَ اللّٰهُ لكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ"

وفي البابِ: عن عَقِيْلِ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ، حديثُ أَبِيْ هُريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاء فى مَايَقُوْلُ إِذَا دَخَلَ عَلَى أَهْلِهِ

جب بیوی سے ملے تو کیا دعا پڑھے؟

جماع کا تسمیہ: بِسْمِ اللهِ، اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا ہے یعنی اللہ کے نام سے، بچایئے آپ ہمیں شیطان سے اور بچایئے شیطان کو اس اولاد سے جو آپ ہمیں عنایت فرمائیں، یعنی اس صحبت سے اگر حمل ٹھہرے تو وہ بچہ شیطان سے محفوظ رہے، اور یہ دعا ہر صحبت سے پہلے ہے، پہلی رات کے لئے کوئی مخصوص دعا نہیں۔

جاننا چاہئے کہ صرف بسم اللہ بھی کافی ہے اور پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ مگر معمول نبوی یہ تھا کہ بسم اللہ کے ساتھ موقع کے مناسب واؤ عطف کے ساتھ یا بغیر عطف کے دوسرا جملہ لاتے تھے، جیسے جانور ذبح کرنے کے تسمیہ میں بسم الله الله أكبر: اور کھانے کے تسمیہ میں: بسم الله وعلى بَرَكَةِ الله اور وضو کے تسمیہ میں: نبسم الله والحمدلله فرماتے تھے۔

[۸] باب ماجاء فى مايقول إذا دخل على أهله

[۱۰۷۵-] حدثنا ابنُ أَبِى عُمَرَ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن مَنْصُوْرٍ، عن سَالِمِ بنِ أَبِى الجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عن ابنِ عبّاسٍ قالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ، قالَ: بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا: فَإِنْ قَضَى اللهُ بَيْنَهُمَا وَلَدًا لَمْ يَضُرَّهُ الشَّيْطَانُ" هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس آئے یعنی صحبت کرنے کا ارادہ کرے تو کہے: بسم الله إلخ پس اگر اللہ نے ان کے درمیان اولاد مقدر کی تو اس کو شیطان نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

بابُ ماجاءَ فى الأَوْقَاتِ الَّتِىْ يُسْتَحَبُّ فِيْهَا النِّكَاحُ

نکاح کرنے کا مستحب وقت

نکاح کے تعلق سے تمام دن یکساں ہیں، جب چاہیں نکاح کریں، کسی خاص مہینے، دن یا وقت کی کوئی فضیلت نہیں، کیونکہ جو چیزیں ضروری ہوتی ہیں وہ عام ہوتی ہیں اور شریعت بھی ان میں کوئی خاص تحدید و تعیین نہیں کرتی تا کہ تنگی نہ ہو، جیسے: ہوا اور پانی انسان کی زندگی کے لئے لازم ہیں، ان کے بغیر گذارہ نہیں، اس لئے وہ عام ہیں، اسی طرح نکاح بھی انسانی ضرورت ہے اس لئے شریعت نے اوقات کی کوئی تعیین نہیں کی جب چاہیں نکاح کر سکتے ہیں

اور زمانۂ جاہلیت میں شوال کے مہینے کو نکاح کے تعلق سے منحوس سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: یہ تصور غلط ہے، اس لئے کہ میرا نکاح آنحضور ﷺ کے ساتھ شوال میں ہوا ہے اور رخصتی بھی شوال میں ہوئی ہے اور کونسی بیوی ہے جو مجھ سے زیادہ آنحضور ﷺ کی چہیتی تھی؟ اور حضرت عائشہؓ اپنے خاندان کی لڑکیوں کی رخصتی شوال میں کیا کرتی تھیں تاکہ جاہلیت کے تصور کی عملی طور پر تردید ہو۔

[۹] باب ماجاء فی الأوقات التی یُسْتَحَبُّ فیھا النکاح

[۱۰۷۶-] حدثنا بُنْدَارٌ، نا یحیىَ بنُ سَعیدٍ، حَدَّثَنَا سُفیانُ، عَنْ إِسْمَاعِیلَ بنِ أُمَیَّةَ، عن عَبْدِ اللهِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عن عائشةَ قَالَتْ: تَزَوَّجَنِی رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم فِیْ شَوَّالٍ، وَبَنَی بِیْ فِیْ شَوَّالٍ، و کانتْ عائشةُ تَسْتَحِبُّ أَنْ یُبْنیٰ بِنِسَائِهَا فِیْ شَوَّالٍ.

هذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ حدیثِ الثَّوْرِیِّ، عَنْ إِسْمَاعِیلَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے شوال میں نکاح کیا، اور میری رخصتی شوال میں ہوئی، اور صدیقہ اپنے خاندان کی لڑکیوں کی رخصتی شوال میں کرنے کو پسند کیا کرتی تھیں۔

بابُ ماجاءَ فی الْوَلِیْمَةِ

ولیمہ کا بیان

ولیمہ ہر تقریب اور ہر دعوت کو کہتے ہیں، بعد میں یہ لفظ شادی کے بعد کی تقریب کے لئے خاص ہوگیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ میاں بیوی کے ملاپ سے پہلے ولیمہ کیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس طریقہ کو بدلا اور زفاف کے بعد ولیمہ کو مسنون کیا، پس جو بعض مسلمان نکاح سے پہلے یا زفاف سے پہلے ولیمہ کرتے ہیں وہ غلط طریقہ ہے، اسی طرح لڑکی والوں کا برات کو اور برادری کو کھلانا بھی ولیمہ ہے مگر اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور ولیمہ مسنون کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ لطیف پیرایہ میں نکاح کی تشہیر ہوتی ہے اور زفاف کی تشہیر ضروری ہے تاکہ جو اولاد ہو اس کے نسب میں کوئی شبہ نہ کرے۔

اور چونکہ خانگی زندگی کے نظم وانتظام کے لئے بیوی کی ضرورت ہے، پس حسب خواہش کسی عورت سے نکاح ہوجانا بلاشبہ اللہ کی بڑی نعمت ہے جس کا شکر بجالانا ضروری ہے، ولیمہ اس کی عملی شکل ہے اور اس میں بیوی اور اس کے خاندان کے ساتھ حسن سلوک بھی ہے، اس لئے کہ بیوی کی خاطر مال خرچ کرنا اور دلہن آنے کی تقریب سے لوگوں کو جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بیوی شوہر کی نظر میں باعزت اور باوقعت ہے، ظاہر ہے یہ چیز منکوحہ اور اس کے

گھر والوں کے لئے بڑی خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگی اور اس سے باہمی تعلق ومودت میں اضافہ ہوگا۔

اور ولیمہ کی کوئی حد متعین نہیں، اسراف سے بچتے ہوئے ہر مقدار جائز ہے اور اوسط درجہ کا ولیمہ ایک بکری ہے، اسی کا آپؐ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ ولیمہ کرو چاہے ایک بکری کا ہو۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں آپؐ نے ایک بکری ذبح کی تھی۔ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں کھجور اور ستو کھلایا تھا، اور بعض ازواج کے ولیمہ میں آپؐ نے دومُد (چار رطل) آٹا خرچ کیا تھا (مشکوٰۃ حدیث ۳۲۱۵) یہ چھوٹا ولیمہ ہے۔

اور کتنے دن ولیمہ کیا جاسکتا ہے؟ اس کا تعلق عرف سے ہے، ہمارے عرف میں ایک دن ولیمہ ہوتا ہے، پس دو دن ولیمہ کرنا ریاء (دکھاوا) ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ دو دن تک ولیمہ کر سکتے ہیں، تین دن ولیمہ کرنا دکھاوا ہے۔ اور بخاری شریف میں باب ہے: **باب حق إجابة الوليمة والدعوة ومَنْ أولم سبعة أيام** یعنی سات دن تک ولیمہ ہوسکتا ہے۔ علامہ عینی اور حافظ عسقلانی رحمہما اللہ نے اس باب کے تحت سات دن تک ولیمہ کرنے کے متعدد آثار بیان کئے ہیں۔ غرض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق عرف سے ہے، عرف سے زیادہ دن ولیمہ کرنا دکھاوا ہے اور ممنوع ہے۔

حدیث (۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر (یعنی ان کے کپڑوں پر) زردی کا کچھ اثر دیکھا (جو بیوی والے کے کپڑوں پر بلا قصد لگ جاتا ہے) آپؐ نے دریافت کیا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں نے ایک لڑکی سے کھجور کی ایک گٹھلی کے وزن کے برابر سونے کے عوض نکاح کیا ہے (یعنی اس کا اتنا مہر مقرر کیا ہے) آپؐ نے فرمایا: اللہ تمہارے لئے اس شادی کو مبارک کرے ولیمہ کرو چاہے ایک بکری کا ہو۔

تشریح: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو خوب برکتوں سے نوازا تھا، وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ خالی ہاتھ آئے تھے، آپؐ نے ایک انصاری صحابی سے ان کی مؤاخات (بھائی چارہ) کرائی مگر انھوں نے اپنے بھائی کے مال ومتاع میں سے کچھ قبول نہ کیا بلکہ تجارت کی، مال جمع کیا اور بہت جلد شادی کر لی۔ آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ''ولیمہ کرو چاہے ایک بکری کا کرو'' —— یہاں لَوْ برائے تقلیل ہے یا تکثیر؟ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اس کو تکثیر کے معنی پر محمول کیا ہے، یعنی ایک بکری کا ولیمہ بڑا ولیمہ ہے (الکواکب ۲۱۶:۲) اور اکثر علماء کے نزدیک لَوْ برائے تقلیل ہے، پس متمول شخص کے لئے ایک بکری کا ولیمہ کم سے کم ہے اور زیادہ کی کوئی مقدار نہیں، اسراف سے بچتے ہوئے ہر مقدار جائز ہے۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے حضرت صفیہؓ کا ولیمہ ستو اور کھجور کے ذریعہ کیا (یعنی اس میں گوشت نہیں تھا)

تشریح: ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا: حُیي بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں، جنگ خیبر کے بعد ۷ھ میں آپؐ نے ان سے نکاح فرمایا اور مقام صہبا میں جو خیبر سے ایک منزل پر ہے عروسی فرمائی اور یہیں ولیمہ فرمایا، متفق علیہ

حدیث میں ہے کہ حضرت صفیہؓ کا ولیمہ اس شان سے ہوا تھا کہ چمڑے کا ایک دسترخواہ بچھا دیا گیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اعلان کردو: جس کے پاس جو کچھ سامان ہو لے آئے، کوئی کھجور لایا، کوئی پنیر لایا، کوئی ستو لایا اور کوئی گھی لایا، جب اس طرح کچھ سامان جمع ہو گیا تو سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھالیا، اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی نہیں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولیمہ میں باقاعدہ کھانے کی دعوت بھی ضروری نہیں، کھانے پینے کی جو بھی چیز میسر ہو رکھ دی جائے تو بھی کافی ہے۔

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پہلے دن کا کھانا برحق ہے اور دوسرے دن کا کھانا دینی راہ ہے (یہاں سنت سے نبی ﷺ کی سنت نہیں بلکہ سنت اسلام مراد ہے اور سنت اسلام کی تعریف ہے: الطريقة المسلوكة فى الدين) اور تیسرے دن کا کھانا شہرت طلبی ہے، اور جو شخص سنائے گا (یعنی دکھاوا کرے گا) اللہ اس کے بارے میں سنائیں گے یعنی چوراہے پر اس کا بھانڈا پھوڑیں گے۔

[۱۰] باب ماجاء فى الوليمة

[۱۰۷۷-] حدثنا قُتيبةُ، نَا حَمَّادُ بنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَأَى عَلَى عَبْدِ الرحمنِ بنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ، فقالَ: "مَاهٰذَا؟" فَقَالَ: إِنِّيْ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: "بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، أَوْ لِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ"

وفى الباب: عنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ، وعائشةَ، وجَابِرٍ، وزُهَيْرِ بْنِ عُثْمَانَ، حديثُ أنسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.
وقَالَ أحمدُ بنُ حَنْبَلٍ: وَزْنُ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ: وَزْنُ ثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ وَثُلُثٍ، وقالَ إسحاقُ: هُوَ وَزْنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ.

[۱۰۷۸-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ: نَا سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ وَائِلِ بنِ دَاوُدَ، عن ابنِهِ نَوْفٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم أَوْلَمَ عَلَى صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ بِسَوِيْقٍ وَتَمْرٍ. هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

حدثنا محمَّدُ بْنُ يحيىَ، نا الْحُمَيْدِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ نَحْوَ هٰذَا، وقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنِ ابنِ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ، وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنْ وَائِلٍ، عن ابنِهِ نَوْفٍ، وَكَانَ سُفْيَانُ بنُ عُيَيْنَةَ يُدَلِّسُ فِيْ هذا الحديثِ، فَرُبَّمَا لَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: عَنْ وَائِلٍ، عن ابنِهِ، وَرُبَّمَا ذَكَرَهُ.

[۱۰۷۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بنُ مُوْسَى الْبَصْرِيُّ، نا زِيَادُ بنُ عَبْدِ اللهِ، نا عَطَاءُ بنُ السَّائِبِ، عن أَبِيْ عَبْدِ الرحمنِ، عنِ ابنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "طَعَامُ أَوَّلِ يَوْمٍ حَقٌّ، وطَعَامُ يَوْمِ الثَّانِيْ سُنَّةٌ، وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّالِثِ سُمْعَةٌ، ومَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ"

حديثُ ابنِ مسعودٍ لَانَعْرِفُهُ مَرْفُوْعًا إِلّا مِنْ حديثِ زِيَادِ بنِ عبدِ اللهِ، وزِيَادُ بنُ عَبْدِ اللهِ كَثِيْرُ الْغَرَائِبِ وَالْمَنَاكِيْرِ، سَمِعْتُ محمدَ بنَ إِسْمَاعِيْلَ يَذْكُرُ عَنْ مُحَمَّدِ بنِ عُقْبَةَ قالَ: قالَ وَكِيْعٌ: زِيَادُ بنُ عبدِ اللهِ، مَعَ شَرَفِهِ، يَكْذِبُ فِيْ الحَدِيْثِ.

وضاحت: وزن نواة: کھجور کی گٹھلی کے برابر سونے کا وزن: امام اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک پانچ درہم (چودہ گرام سونا) اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تین درہم اور تہائی درہم ہے۔

(حدیث نمبر ۱۰۷۸) کو سفیان بن عیینہ نے وائل بن داؤد سے اور انھوں نے اپنے بیٹے نوف سے روایت کیا ہے، وائل کے بیٹے کا نام کیا ہے؟ یہاں نوف آیا ہے اور ابوداؤد (۲:۵۲۵ بابٌ فی استحباب الولیمة) میں بکر بن وائل آیا ہے، اور تقریب، تہذیب اور خلاصہ میں نوف بن وائل کا کوئی تذکرہ نہیں، اور بکر بن وائل کو حافظ رحمہ اللہ نے صدوق قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں: بکر بن وائل زہری وغیرہ سے روایت کرتا ہے اور ان سے ان کے والد وائل بن داؤد وغیرہ روایت کرتے ہیں (تحفۃ الاحوذی) اور اس حدیث میں سفیان بن عیینہ تدلیس کیا کرتے تھے یعنی استاذ الاستاذ: ابن وائل کا کبھی تذکرہ کرتے تھے اور کبھی حذف کردیتے تھے۔

(حدیث ۱۰۷۹) کو تنہا زیاد بن عبداللہ مرفوع کرتا ہے اور زیاد مختلف فیہ راوی ہے، اس کی توثیق بھی کی گئی ہے اور تضعیف بھی کی گئی ہے، اور اس نے عطاء بن السائب سے ان کا حافظہ بگڑنے کے بعد پڑھا ہے، یہ حدیث میں دوسری خرابی ہے، اور زیاد بن عبداللہ غریب (جس کی سند واحد ہو) اور منکر یعنی نہایت ضعیف روایتیں بکثرت بیان کرتا تھا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ بات کہی ہے کہ وکیعؒ اس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ: زیاد بن عبداللہ بڑا آدمی تھا مگر حدیث میں جھوٹ بولتا تھا ـــــ مگر اس قول کی صحت میں تردد ہے، کیونکہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر میں وکیع کا قول اس طرح لکھا ہے: زیادٌ أشرف مِن ان یکذب فی الحدیث یعنی زیاد اس سے بہت بلند ہے کہ وہ حدیث میں جھوٹ بولے۔ ظاہر ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے بقلم خود جو لکھا ہے اسی کا اعتبار کیا جائے گا اس لئے علماء جرح وتعدیل کی رائے یہ ہے کہ وکیع سے زیاد بن عبداللہ کی جرح ثابت نہیں۔

بابُ ماجاءَ فی إِجَابَةِ الدَّاعِی

ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کا بیان

ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کے سلسلہ میں کوئی روایت نہیں ہے۔ عام روایت ہے کہ دعوت قبول کرنی چاہئے، ولیمہ کی دعوت بھی اس کے عموم میں شامل ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دعوت میں جاؤ جب تمہیں بلایا جائے''

تشریح: اگر کوئی مجبوری ہو جس کی وجہ سے دعوت قبول کرنے میں دشواری ہو تو جس وقت دعوت دی جائے اسی وقت عذر کردینا چاہئے۔ یہاں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ عذر نہیں کرتے اور جاتے بھی نہیں، یہ غلط ہے، اس لئے کہ اس کے حصہ کا کھانا پک چکا ہے جو بے کار جائے گا۔ اور بعض رشتہ دار بروقت روٹھ جاتے ہیں یہ بھی غلط ہے اس سے میزبان کی رسوائی ہوتی ہے، پھر خوشی کے موقع پر گڑے مردے اکھاڑنے کا کیا موقع ہے، اس کے لئے ساری زندگی پڑی ہے۔ اور بالقصد کسی کی رسوائی کے درپے ہونا قبیح ہے۔ اس لئے دعوت قبول کرنی چاہئے۔ اور واقعی کوئی عذر ہو تو جس وقت دعوت دی جائے اسی وقت عذر کردینا چاہئے تاکہ اس کے حصہ کا کھانا نہ پکے۔

[۱۱] باب ماجاء فی إجابة الداعی

[۱۰۸۰-] حدثنا أبو سَلَمَةَ يَحيىَ بنُ خَلَفٍ، نا بِشْرُ بنُ الْمُفَضَّلِ، عن إِسْمَاعِيْلَ بنِ أُمَيَّةَ، عن نَافِعٍ، عنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "ائْتُوْا الدَّعْوَةَ إِذَا دُعِيْتُمْ"

وفی الباب: عن عَلِيٍّ، وأبی هريرةَ، والبَرَاءِ، وأنسٍ، وأبی أَيُّوْبَ، حديثُ ابنِ عُمَرَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ فی مَنْ يَجِيئُ إِلَى الْوَلِيْمَةِ بِغَيْرِ دَعْوَةٍ

دعوت کے بغیر ولیمہ میں جانا

یہ اوپر والے باب کا مقابل باب ہے کہ بلائے بغیر ولیمہ میں نہیں جانا چاہئے، اس سلسلہ میں بھی کوئی خاص حدیث نہیں ہے، صرف عام روایت ہے۔

حدیث: ابوشعیب رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے، انھوں نے آپؐ پر فاقہ کا اثر محسوس کیا، وہ خاموشی سے اٹھے اور اپنے غلام کے پاس گئے، ان کا غلام گوشت فروش تھا اس سے کہا: پانچ آدمیوں کے بقدر کھانا پکا اس لئے کہ میں نے آنحضور ﷺ کے چہرۂ انور پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ جب کھانا تیار ہوگیا تو انھوں نے آپؐ کو اور ان صحابہ کو جو آپؐ کی مجلس میں بیٹھے تھے بلانے کے لئے کسی کو بھیجا، جب آپ تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں سے ایک صاحب اور ساتھ ہوگئے، آپ دعوت میں تشریف لے جارہے ہیں یہ بات ان کو معلوم نہیں تھی، جب آپ دروازہ پر پہنچے تو میزبان سے فرمایا: جس وقت تمہاری دعوت پہنچی تھی یہ صاحب موجود نہیں تھے، راستہ سے ساتھ ہوگئے ہیں، پس اگر تمہارے پاس گنجائش ہو تو ان کو بھی دعوت دیدو، حضرت ابوشعیبؓ نے ان کو بھی کھانے پر مدعو کرلیا، چنانچہ وہ بھی کھانے میں شریک ہوئے۔

فائدہ: بعض مرتبہ تقریب کے موقع پر کوئی خاص دوست یا قریبی رشتہ دار ذہن سے نکل جاتا ہے اس کو دعوت دینا یاد نہیں رہتا، اگر اس کو بروقت دعوت دی جائے تو اسے آجانا چاہئے نخرہ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ ولیمہ کی دعوت بروقت بھی دی جاسکتی ہے۔

[۱۲] باب ماجاء فی من یَجِیْئُ إلی الولیمة بغیر دعوة

[۱۰۸۱-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ، عن شَقِيْقٍ، عن أَبِى مَسْعُوْدٍ، قالَ: جاءَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أَبُوْ شُعيبٍ إِلَى غُلَامٍ لَهُ لَحَّامٍ، فقالَ: اصْنَعْ لِیْ طَعَامًا يَكْفِیْ خَمْسَةً، فَإِنِّیْ رَأَيْتُ فِیْ وَجْهِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم الجُوْعَ، فَصَنَعَ طَعَامًا، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى النبیِّ صلى الله عليه وسلم فَدَعَاهُ وَجُلَسَاءَ هُ الَّذِيْنَ مَعَهُ، فَلَمَّا قَامَ النبیُّ صلى الله عليه وسلم اتَّبَعَهُمْ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ حِيْنَ دُعُوْا، فَلَمَّا انْتَهَى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى الْبَابِ قالَ لِصَاحِبِ الْمَنْزِلِ: "إِنَّهُ اتَّبَعَنَا رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ مَعَنَا حِيْنَ دَعَوْتَنَا، فَإِنْ أَذِنْتَ لَهُ دَخَلَ" قالَ: فَقَدْ أَذِنَّا لَهُ، فَلْيَدْخُلْ.

هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وفی البابِ عنِ ابنِ عُمرَ.

بابُ ماجاءَ فی تَزْوِیْجِ الأَبْكَارِ

کنواری سے نکاح کرنے کا بیان

نکاح کے تعلق سے کنواری اور بیوہ یکساں ہیں، کسی کے ساتھ نکاح کی کوئی فضیلت وارد نہیں ہوئی، پس مصلحت کا جو تقاضہ ہو اس کے موافق کنواری سے یا بیوہ سے شادی کرسکتا ہے، لیکن طبعاً رغبت کنواری کی طرف زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ اس کو سلیقہ سکھانا، حکمت کے تقاضوں پر چلانا اور ذمہ داریاں اوڑھانا آسان ہوتا ہے کیونکہ وہ کوری تختی کے مانند ہوتی ہے اور اس میں بچے جننے کی صلاحت بھی زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ وہ نوجوان ہوتی ہے۔ اور ثیبہ شوہر دیدہ، چالاک (عیار) اور درشت خو ہوتی ہے اور قوت تولید بھی اس کی کمزور پڑجاتی ہے اور لکھی ہوئی تختی کے مانند ہوتی ہے جس کے سابقہ نقوش مٹانا اور سلیقہ سکھانا آسان نہیں ہوتا۔ البتہ اگر نظام خانہ داری کے تقاضے سے تجربہ کار عورت کی ضرورت ہو تو پھر بیوہ سے نکاح کرنا بہتر ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک عورت سے نکاح کیا، پس میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا آپؐ نے پوچھا: کیا تم نے شادی کرلی اے جابر! میں نے کہا: ہاں۔ آپؐ نے پوچھا: کنواری سے کی یا بیوہ سے؟ میں نے کہا: بیوہ سے۔ آپؐ نے فرمایا: کنواری سے کیوں نہیں کی، تم اس سے اٹھ کھیلیاں کرتے اور وہ تم سے اٹھ

کھلیاں کرتی، حضرت جابرؓ نے عرض کیا: ابا جان (حضرت عبد اللہ) جنگ احد میں شہید ہو گئے ہیں اور انھوں نے سات ـــ یا فرمایا ـــ نو بہنیں چھوڑی ہیں، پس میں ایک ایسی عورت کو لایا جو ان بہنوں کو سنبھالے، یعنی اگر کنواری سے شادی کرتا تو گھر میں ایک لڑکی اور آجاتی، اس لئے میں ایک ذمہ دار عورت گھر میں لایا ہوں تاکہ وہ ان کو سنبھالے، پس آنحضور ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو دعائیں دیں۔

تشریح: یہاں حدیث مختصر ہے، پورا واقعہ یہ ہے کہ ایک غزوہ سے واپسی پر جب مدینہ منورہ قریب آیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی کو بھگا رہے تھے، اونٹنی دُبلی اور مریل تھی، آنحضور ﷺ پیچھے سے آئے اور اونٹنی کو چھڑی ماری تو وہ برق رفتار ہوگئی، پھر آپؐ نے دریافت کیا کہ جلدی کیوں ہے؟ حضرت جابرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے شادی کی ہے، میں چاہتا ہوں کہ رات سے پہلے مدینہ پہنچ جاؤں، پھر وہ مضمون ہے جو اوپر آیا، پھر آپؐ نے فرمایا: یہ اونٹنی مجھے بیچ دو، حضرت جابرؓ نے عرض کیا: یہ تو نکمی اونٹنی تھی، آپؐ کی چھڑی کی برکت سے اس میں جان پڑی ہے، یہ آپؐ کی نذر ہے۔ آپؐ نے قبول نہ کی اور بیچنے پر اصرار کیا، چنانچہ وہ اونٹنی چند اوقیہ چاندی کے بدل خرید لی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مدینہ تک اس پر جانے کی شرط کی تو آپؐ نے منظور کرلی، پھر مدینہ پہنچ کر جب حضرت جابرؓ اونٹنی لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مقررہ چاندی دینے کا حکم دیا، جب حضرت جابرؓ واپس جانے لگے تو آپؐ نے ان کو واپس بلایا اور بچی ہوئی چاندی بھی عنایت فرمائی، پھر جب وہ واپس جانے لگے تو پھر بلایا اور وہ اونٹنی بھی لوٹا دی۔ یہ پورا واقعہ بخاری (حدیث ۲۰۹۷) میں ہے۔

[۱۳] باب ماجاء فی تزویج الأبکار

[۱۰۸۲-] حدثنا قُتیبةُ، نا حَمّادُ بنُ زَیْدٍ، عن عَمْرِو بنِ دِینَارٍ، عن جَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ، قَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَأَتَیْتُ النبیَّ صلی اللہ علیه وسلم فَقَالَ: "أَتَزَوَّجْتَ یَاجَابِرُ؟" فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: "بِکْراً أَمْ ثَیِّباً؟" فَقُلْتُ: لَا، بَلْ ثَیِّباً، فقالَ: "هَلَّا جَارِیَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ؟" فقلتُ: یارسولَ اللهِ! إِنَّ عَبْدَاللهِ مَاتَ وَتَرَكَ سَبْعَ بَنَاتٍ أَوْ: تِسْعًا، فَجِئْتُ بِمَنْ یَقُوْمُ عَلَیْهِنَّ، فَدَعَا لِی.

وفی الباب: عن أُبَیِّ بنِ کَعْبٍ، و کَعْبِ بنِ عُجْرَةَ، حدیثُ جَابِرٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

بابُ ماجاءَ لَانِکَاحَ إِلَّا بِوَلِیٍّ

نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے

تمام ائمہ متفق ہیں کہ جب تک لڑکا اور لڑکی نابالغ ہیں ان کو اپنے نکاح کا کوئی اختیار نہیں۔ ولی ہی ان کا نکاح

کرسکتا ہے اور وہی ایجاب وقبول کرے گا، نابالغوں کا ایجاب وقبول معتبر نہیں، اور غیر ولی کا ایجاب وقبول بھی معتبر نہیں۔ پس باپ کی موجودگی میں بھائی یا چچا کا ایجاب وقبول غیر معتبر ہے۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر لڑکی قریب البلوغ ہو اور بیوہ ہو تو ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے یا نہیں؟[1] حنفیہ کے نزدیک ولایت اجبار حاصل ہے، پس ولی لڑکی کی رضا مندی کے بغیر نکاح کرسکتا ہے۔ اور شوافع کے نزدیک ولایت اجبار حاصل نہیں اگرچہ وہ نابالغہ ہے شوافع کے نزدیک ہر باکرہ پر خواہ وہ بالغہ ہو یا نابالغہ ولایت اجبار حاصل ہے بیوہ پر اگرچہ وہ نابالغہ ہو ولایت اجبار حاصل نہیں یعنی احناف کے نزدیک ولایت اجبار کا تعلق نابالغی سے ہے جب تک لڑکی نابالغ ہے خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے اور بالغ ہونے کے بعد ولایت اجبار حاصل نہیں ہوتی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اور شوافع کے نزدیک ولایت کا تعلق بکارت سے ہے جب تک لڑکی باکرہ ہے خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ ولایت اجبار حاصل ہے اور ثیبہ پر ولایت اجبار حاصل نہیں خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ۔

اور لڑکے پر بالغ ہونے کے بعد ولایت اجبار حاصل نہیں رہتی، یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ اب لڑکا خود ایجاب وقبول کرے گا، اور لڑکی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خود ایجاب وقبول نہیں کرسکتی، خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ، باکرہ ہو یا ثیبہ، ولی یا وکیل ہی اس کی طرف سے ایجاب وقبول کریں گے، عورت کے الفاظ سے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نکاح منعقد نہیں ہوتا، اس مسئلہ کی تعبیر ہے: **هل النكاحُ ينعقد بعبارة النساء أم لا؟** اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کی اجازت بھی ضروری ہے۔ ولی کی اجازت کے بغیر اگر عورت خود اپنا نکاح کرے تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا، چاہے ایجاب وقبول کسی مرد نے (وکیل نے) کیا ہو، اس مسئلہ کی تعبیر ہے: **لانكاح إلا بولي**۔ اور اس دوسرے مسئلہ میں صاحبین ائمہ ثلاثہ کے ساتھ ہیں۔ ان کے نزدیک بھی نکاح کی صحت کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے، البتہ پہلے مسئلہ میں صاحبین: ائمہ ثلاثہ کے ساتھ نہیں ہیں، ان کے نزدیک عبارۃ النساء سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کے الفاظ سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے یعنی عورت خود ایجاب وقبول کرسکتی ہے اگر وہ عاقلہ بالغہ ہو، اور اس مسئلہ میں صاحبین بھی امام اعظم رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، نیز امام اعظمؒ فرماتے ہیں: اگر عورت عاقلہ بالغہ ہو تو وہ اپنا نکاح خود کرسکتی ہے، ولی کی اجازت نکاح کی صحت کے لئے شرط نہیں، البتہ اگر عورت نے غیر کفو میں نکاح کیا ہے تو ولی کو اعتراض کا حق ہے، قاضی اگر دیکھے کہ یہ نکاح ولی اور اس کے خاندان کے لئے شرم وعار کا باعث ہے تو وہ نکاح فسخ کردے گا، اور اگر عورت نے کفو میں شادی کی ہے تو پھر ولی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں اصل دلیل صرف ایک حدیث ہے جو باب میں آرہی ہے، دوسرے تمام

---

(۱) ولایت اجبار کا مطلب یہ ہے کہ لڑکے یا لڑکی کی رضامندی کے بغیر ولی کا کیا ہوا نکاح نافذ ہوجائے تو ولایت اجبار حاصل ہے اور اگر نکاح نافذ نہ ہو تو ولایت اجبار حاصل نہیں، لفظ اجبار کا جو لفظی مفہوم ہے یعنی مجبور کرنا وہ مراد نہیں۔

دلائل جو جانبین سے پیش کئے جاتے ہیں ان کا مسئلہ باب سے واضح تعلق نہیں، پس یہ نص فہمی کا اختلاف ہے، دلائل کا اختلاف نہیں۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں تین حدیثیں پیش کی ہیں، پہلی حدیث ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے، حضرت نے اس کی سند پر طویل بحث کی ہے، ہمارے نزدیک یہ بحث لاطائل ہے اس لئے کہ ہمارے اکابر نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کو قابل استدلال تسلیم کرلیا ہے، پس صرف کتاب فہمی کے لئے اس بحث کو سمجھنا ہے، اور دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے وہ سند کے ساتھ ہے، اور تیسری حدیث ادھوری سند کے ساتھ ہے اور اس پر بھی طویل کلام ہے۔

حدیث (۱): ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ولی کے بغیر نکاح نہیں''

تشریح: اس حدیث میں ائمہ ثلاثہ اور صاحبین نے لا کو نفی شیٔ کا لیا ہے، چنانچہ وہ عورت کے نکاح میں ولی کی اجازت کو شرط قرار دیتے ہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک لا نفی کمال کا ہے اور حدیث کا مطلب ہے ''ولی کے بغیر نکاح زیبا نہیں'' ـــــــ اسلامی معاشرہ میں عورتوں کے تمام کام مردوں کے توسط سے ہونے چاہئیں، مرد عورتوں پر حاکم ہیں، بست وکشاد ان کے ہاتھ میں ہے، وہی عورتوں کے مصارف کے ذمہ دار ہیں، عورتیں ان کی پابند ہیں، سورۃ النساء آیت ۳۴ میں ہے: مرد عورتوں پر حاکم ہیں، لہٰذا عورتوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنا نکاح خود کریں اور اولیاء کو خبر بھی نہ ہو، یہ اولیاء کی حق تلفی اور ان کی بے قدری ہے۔

حدیث (۲): صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بھی عورت نکاح کی گئی ولی کی اجازت کے بغیر تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔ پس اگر کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اور شوہر اس سے جماع کرلے تو اس عورت کے لئے مہر ہے شوہر کے عورت کی شرمگاہ کو حلال طور پر استعمال کرنے کی وجہ سے (پھر آپؐ نے دوسرا مسئلہ بتایا) پس اگر اولیاء جھگڑیں (یا کسی عورت کا ولی نہ ہو) تو بادشاہ اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں، یعنی اختلاف کی صورت میں اور ولی نہ ہونے کی صورت میں قاضی ولی ہوگا۔

تشریح

۱- نُکِحَتْ: مجہول ہے، اگر معروف پڑھیں گے تو عبارۃ النساء کا مسئلہ ہو جائے گا، اور تمام شارحین متفق ہیں کہ اس حدیث میں عبارۃ النساء کا مسئلہ نہیں ہے، پس اس کو معروف پڑھنا صحیح نہیں، مجہول پڑھنا ہی ضروری ہے۔

۲- مذکورہ بالا ارشاد آپؐ نے خطاب عام کے دوران فرمایا ہے، آپؐ تقریر میں جس بات پر زور دینا چاہتے تھے اس کو سامنے، دائیں اور بائیں تین مرتبہ ارشاد فرماتے تھے۔

۳- ائمہ ثلاثہ اور صاحبین نے اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس نکاح کو جو ولی کی اجازت کے بغیر کیا گیا ہے باطل اور کالعدم قرار دیا ہے، پس معلوم ہوا کہ ولی کی اجازت نکاح کی صحت کے لئے شرط

ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وعید کی حدیث ہے اور وعید کی حدیثوں میں ناقص کو کالعدم فرض کر کے گفتگو کی جاتی ہے جیسے کتاب الطہارۃ باب ۱۰۱ میں حدیث گذری ہے کہ جس نے حائضہ سے صحبت کی یا بیوی کی پچھلی راہ میں اپنی ضرورت پوری کی یا کاہن کے پاس گیا اور اس سے غیب کی باتیں پوچھیں تو اس نے اس دین کا انکار کردیا جو محمد (ﷺ) پر اتارا گیا ہے، یہ وعید کی حدیث ہے اس میں ناقص ایمان کو کالعدم فرض کر کے گفتگو کی گئی ہے، چنانچہ ایسے شخص کی تکفیر کا کوئی قائل نہیں، اسی طرح یہاں بھی ناقص نکاح کو کالعدم فرض کیا گیا ہے اور دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے اس عورت کو جو ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کی گئی ہے مہر دلوایا ہے۔ لفظ مہر کا مفاد یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ وطی بالشبہ کے بدلہ میں اگر رقم ملے تو اس کے لئے لفظ عُقر آتا ہے اور آپؐ نے صاف فرمایا ہے کہ یہ مہر شوہر کے عورت کی شرم گاہ کو حلال طور پر استعمال کرنے کی وجہ سے ہے پس غور کیا جائے عورت کی شرم گاہ نکاح کے بغیر حلال طور پر کیسے استعمال ہوسکتی ہے؟ معلوم ہوا کہ باطلٌ ناقص نکاح کو کالعدم فرض کر کے کہا گیا ہے۔ زجر و توبیخ کے وقت ایسا کیا جاتا ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنا نکاح خود کرے اور ولی کے اعتراض کرنے کی وجہ سے قاضی نکاح فسخ کردے تو شوہر پر مہر واجب ہے، کیونکہ نکاح صحیح تھا اور شوہر نے نکاح صحیح کے ساتھ فائدہ اٹھایا ہے پس مہر واجب ہے۔

نوٹ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی حدیث: لانکاح إلا بولی مروی ہے اور اس کی سند میں بھی ابن جریج ہیں۔ امام ترمذیؒ نے آگے اس پر کلام کیا ہے، البتہ ابن جریج کی مذکورہ بالا حدیث پر کلام نہیں ہے۔

[۱٤] باب ماجاء لانكاح إلا بولی

[۱۰۸۳-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نَاشَرِيْكُ بنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ ح: وحدثنا قُتيبةُ، نا أَبُوعَوَانَةَ، عن أَبِيْ إِسْحَاقَ ح: وَثَنَا بُنْدَارٌ، ثَنا عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، عن إِسْرَائِيْلَ، عن أَبِيْ إِسْحَاقَ، ح: وَثَنَا عبدُ اللهِ بنُ أَبِيْ زِيَادٍ، نَا زَيْدُ بنُ حُبَابٍ، عَنْ يُوْنُسَ بنِ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عن أَبِيْ إِسْحَاقَ، عن أَبِيْ بُرْدَةَ، عن أَبِيْ مُوْسَى قالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " لَانِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ"

وفی الباب: عن عائشةَ، وابنِ عباسٍ، وأبی هريرةَ، وعِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، وأنسٍ.

[۱۰۸٤-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن ابنِ جُرَيْجٍ، عن سُلَيْمَانَ، عنِ الزُّهْرِيِّ، عن عُرْوَةَ، عن عائشةَ؛ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قالَ: " أَيُّمَا امْرَأَةٍ نُكِحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا، فَإِنْ اشْتَجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَاوَلِيَّ لَهُ"

هذا حديثٌ حسنٌ، وقَدْ رَوَى يَحيىَ بنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ، ويَحيىَ بنُ أَيُّوبَ، وسُفيانُ الثَّوْرِيُّ، وغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحُفَّاظِ عنِ ابنِ جُرَيْجٍ، نَحْوَ هٰذَا.

وحديثُ أَبِيْ مُوْسَى حديثٌ فِيهِ اختِلاَفٌ: رَوَاهُ إِسْرَائِيْلُ، وَشَرِيْكُ بنُ عبدِ اللهِ، وَأَبُوْ عَوَانَةَ، وَزُهَيْرُ بنُ مُعَاوِيَةَ، وقَيْسُ بنُ الرَّبِيْعِ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عن أَبِيْ بُرْدَةَ، عن أَبِيْ مُوسَى، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَرَوَاهُ أَسْبَاطُ بنُ محمّدٍ، وزَيْدُ بنُ حُبَابٍ، عَنْ يُوْنُسَ بنِ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عن أَبِيْ إِسْحَاقَ، عن أَبِيْ بُرْدَةَ، عن أَبِيْ مُوْسَى، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَرَوَى أَبُوْ عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ، عن يُوْنُسَ بنِ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عن أَبِيْ مُوْسَى، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ: عن أَبِيْ إِسْحَاقَ.

وقَدْ رُوِيَ عن يُوْنُسَ بنِ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عن أَبِيْ بُرْدَةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَرَوَى شُعْبَةُ والثَّوْرِيُّ عن أَبِيْ إِسْحَاقَ، عن أَبِيْ بُرْدَةَ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: "لاَنِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ"

وَقَدْ ذَكَرَ بَعْضُ أَصْحَابِ سُفْيَانَ، عَنْ سُفْيَانَ، عن أَبِيْ إسحاقَ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عن أَبِيْ مُوْسَى، وَلاَيَصِحُّ.

وَرِوَايَةُ هٰؤُلاَءِ الَّذِيْنَ رَوَوْا عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عن أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: " لاَنِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ" عِنْدِيْ أَصَحُّ، لِأَنَّ سَمَاعَهُمْ مِنْ أَبِيْ إسحاقَ فِيْ أَوْقَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ، وإِنْ كَانَ شُعْبَةُ والثَّوْرِيُّ أَحْفَظَ وأَثْبَتَ مِنْ جَمِيْعِ هٰؤُلاَءِ الَّذِيْنَ رَوَوْا عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ هٰذا الحديثَ، فَإِنَّ رِوَايَةَ هٰؤُلاَءِ عِنْدِي أَشْبَهُ وَأَصَحُّ، لِأَنَّ شُعْبَةَ والثَّوْرِيَّ سَمِعَا هٰذَا الحديثَ مِنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ فِيْ مَجْلِسٍ وَاحِدٍ.

وَمِمَّا يَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ: مَا حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بنُ غَيْلاَنَ، نا أَبُوْ دَاوُدَ، أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، قالَ: سَمِعْتُ سُفيانَ الثَّوْرِيَّ يَسْأَلُ أَبَا إِسْحَاقَ: أَسَمِعْتَ أَبَا بُرْدَةَ يَقُوْلُ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "لاَنِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ؟" فَقَالَ نَعَمْ.

فَدَلَّ هٰذَا الحديثُ عَلَى أَنَّ سَمَاعَ شُعْبَةَ والثَّوْرِيِّ هٰذا الحديثَ فِيْ وَقْتٍ وَاحِدٍ.

وإسرائيلُ هُوَ ثَبْتٌ في أَبِيْ إِسْحَاقَ، سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بنَ الْمُثَنَّى يَقُوْلُ: سَمِعْتُ عبدَ الرحمنِ بنَ مَهْدِيٍّ يَقُوْلُ: مَا فَاتَنِيَ الَّذِيْ فَاتَنِيْ مِنْ حديثِ الثَّوْرِيِّ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، إِلاَّ لَمَا اتَّكَلْتُ بِهِ عَلَى إِسْرَائِيْلَ، لِأَنَّهُ كَانَ يَأْتِيْ بِهِ أَتَمَّ.

وضاحت: حدیث (نمبر ۱۰۸۴) کو ابن جریج سے سفیان بن عیینہ نے روایت کیا ہے اور یحیٰ بن سعید انصاری، یحیٰ بن ایوب اور سفیان ثوری وغیرہ حفاظ ان کے متابع ہیں وہ بھی اس کو ابن جریج سے اسی طرح روایت کرتے ہیں

(بس اس حدیث پر اتنا ہی کلام ہے)

حدیث (نمبر ۱۰۸۳) کی متعدد سندیں ہیں اور ابو اسحاق مدار حدیث ہیں، ان سے اوپر ایک ہی سند ہے اور اس کی مختلف سندیں اس طرح ہیں:

۱- اسرائیل، شریک بن عبداللہ، ابوعوانہ، زہیر بن معاویہ اور قیس بن الربیع: سند میں ابو اسحاق اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ دونوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۲- اور یونس بن ابی اسحاق کے تلامذہ میں اختلاف ہے:

(الف) اسباط بن محمد اور زید بن حباب: یونس سے روایت کرتے ہیں اور سند میں ابو اسحاق اور ابوموسیٰ دونوں کا تذکرہ کرتے ہیں یعنی ان کی سند اسرائیل وغیرہ کی سند کی طرح ہے (جاننا چاہئے کہ ہندوستانی نسخوں میں یونس بن ابی اسحاق کے بعد عن أبی إسحاق نہیں ہے، مصری نسخہ میں ہے۔ میں نے مصری نسخہ کے مطابق عبارت کردی ہے اس لئے کہ اوپر زید بن حباب کی حدیث آئی ہے وہاں عن أبی إسحاق ہے)

(ب) ابوعبیدۃ الحداد کی سند میں عن أبی إسحاق نہیں ہے، یعنی یونس بن ابی اسحاق براہ راست ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں (ظاہر ہے یہ وہم ہے البتہ آخر میں حضرت ابوموسیٰ کا ذکر ہے)

(ج) اور یونس کے بعض تلامذہ سند میں ابو اسحاق اور حضرت ابوموسیٰ دونوں کا ذکر نہیں کرتے۔

۳- اور شعبہ اور ثوری دونوں بھی ابو اسحاق سے مرسل روایت کرتے ہیں، یعنی آخر میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا ذکر نہیں کرتے ـــــ البتہ سفیان ثوری کے بعض تلامذہ سند میں ابوموسیٰ کا ذکر کرتے ہیں، یعنی حدیث کو موصول کرتے ہیں مگر وہ سند غلط ہے، محدثین کا اتفاق ہے کہ سفیان اور شعبہ کی سند میں حضرت ابوموسیٰ کا ذکر نہیں ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: میرے نزدیک اصح وہ سند ہے جس کو روات کی کثیر تعداد بیان کرتی ہے جو ابو اسحاق اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ دونوں کا تذکرہ کرتے ہیں، یہی سند امام ترمذیؒ نے باب کے شروع میں لکھی ہے اور سفیان اور شعبہ اگرچہ حافظ حدیث اور امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں مگر ان دونوں نے ایک ہی مجلس میں یہ حدیث سنی ہے، پس یہ ایک حدیث ہے وہ دونوں ایک دوسرے کے متابع نہیں ہیں اور جو حضرات حدیث کو موصول کرتے ہیں یعنی ابوموسیٰ کا ذکر کرتے ہیں وہ روات بہت ہیں۔ اور انھوں نے مختلف سالوں میں ابو اسحاق سے یہ حدیث سنی ہے، پس وہ ایک دوسرے کے متابع ہیں، اس لئے ان کی حدیث اصح ہے (امام ترمذیؒ کی بات پوری ہوئی)

میں کہتا ہوں: سفیان ثوری کے سوال کا منشا صرف سماع کی تحقیق ہے، پوری سند دریافت کرنا مقصود نہیں، حدیث کی سند تو معروف تھی، پوچھنے کا جو انداز ہے وہ اس کی دلیل ہے، شعبہ کہتے ہیں: ثوریؒ نے ابو اسحاقؒ سے پوچھا: کیا آپؐ نے ابو بردہ سے حدیث: لانکاح إلا بولی سنی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ معلوم ہوا کہ ثوری کا منشاء صرف سماع کی تحقیق

تھا، پس ان دونوں حضرات کی روایت اکثر رواۃ کی سند سے مختلف نہیں ہے، ان کی روایت بھی موصول ہے۔ واللہ اعلم

اور جمہور کی حدیث کے اصح ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اسرائیل کو اپنے دادا ابواسحاق کی سندیں سب سے زیادہ یاد تھیں، عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں: میں سفیان ثوری کے سبق میں پابندی سے جاتا تھا، لیکن جس زمانہ میں وہ ابواسحاق کی حدیثیں بیان کرتے تھے میں سبق میں جانے کا اہتمام نہیں کرتا تھا، کیونکہ میں وہ سب روایتیں اسرائیل سے لکھ چکا تھا اور اسرائیل کو اپنے دادا کی حدیثیں سفیان ثوری سے زیادہ یاد تھیں، اور وہ ان کو زیادہ کامل بیان کرتے تھے (ابن مہدی کا یہ قول پہلے بھی کتاب الطہارۃ باب ۱۳ میں گذر چکا ہے)

ترجمہ: میں نے محمد بن المثنی سے سنا، وہ کہتے ہیں: میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے سنا، وہ کہتے ہیں: میرے ہاتھ سے نہیں نکل گئیں وہ حدیثیں جو میرے ہاتھ سے نکل گئیں، سفیان ثوری کی حدیثوں میں سے جو وہ ابواسحاق سے روایت کرتے تھے مگر میرے تکیہ کرنے کی وجہ سے ان کے سلسلہ میں اسرائیل پر اس لئے کہ اسرائیل ان حدیثوں کو کامل تر بیان کیا کرتے تھے۔

وحديثُ عائشةَ فِي هذا البابِ عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: " لاَنِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ" حديثٌ حسنٌ، وَرَوَى ابنُ جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ مُوْسَى، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عن عَائِشَةَ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَرَوَاهُ الْحَجَّاجُ بنُ أَرْطَاةَ، وجَعْفَرُ بنُ رَبِيْعَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عن عائشةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرُوِيَ عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عن عائشةَ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلُهُ.

وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أهلِ الْحَدِيْثِ فِي حَدِيْثِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عن عَائشةَ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ ابنُ جُرَيْجٍ: ثُمَّ لَقِيْتُ الزُّهْرِيَّ فَسَأَلْتُهُ فَأَنْكَرَهُ، فَضَعَّفُوْهُ هذَا الحديثَ مِنْ أَجْلِ هذَا.

وَذُكِرَ عَنْ يَحيىَ بنِ مَعِيْنٍ أَنَّهُ قَالَ: لَمْ يَذْكُرْ هذَا الْحَرْفَ عَنِ ابنِ جُرَيْجٍ إِلاَّ إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ يَحيىَ بنُ مَعِيْنٍ: وَسَمَاعُ إِسْمَاعِيْلَ بنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ ابنِ جُرَيْجٍ لَيْسَ بِذَاكَ، إِنَّمَا صَحَّحَ كُتُبَهُ عَلَى كُتُبِ عَبْدِ الْمَجِيْدِ بنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بنِ أَبِيْ رَوَّادٍ مَاسَمِعَ مِنِ ابنِ جُرَيْجٍ، وضَعَّفَ يَحيىَ رِوَايَةَ إِسْمَاعِيْلَ بنِ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ ابنِ جُرَيْجٍ.

وَالْعَمَلُ فى هذا البابِ على حديثِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: " لاَنِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ" عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: مِنْهُمْ عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ، وعَلِيُّ بنُ أَبِيْ طَالِبٍ، وعبدُ اللهِ بنُ عَبَّاسٍ، وأَبُوْ هُرَيْرَةَ، وغَيْرُهُمْ.

وهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ بَعْضِ فُقَهَاءِ التَّابِعِيْنَ، أَنَّهُمْ قَالُوْا: لاَنِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ: مِنْهُمْ سعيدُ بنُ الْمُسَيِّبِ،

والحسنُ البَصْرِیُّ، وشُرَیْحٌ، وإبراهیمُ النَّخَعِیُّ، وعُمَرُ بنُ عبدِ العزیزِ، وغَیْرُهُم.
وبِهٰذَا یَقُوْلُ سُفیانُ الثَّوْرِیُّ، والأَوْزَاعِیُّ، ومَالِكٌ، وعبدُ اللهِ بنُ الْمُبَارَكِ، والشَّافِعِیُّ، وأحمدُ وإسحاقُ.

یہاں سے امام ترمذیؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث پر گفتگو کر رہے ہیں جس کا متن ہے: لانکاح إلا بولی۔ اور اس حدیث کی سند بھی بعینہٖ وہی ہے جو حدیث نمبر ۱۰۸۴ کی ہے، یعنی ابن جریج روایت کرتے ہیں سلیمان بن موسیٰ سے، وہ زہری سے، وہ عروۃ سے، وہ حضرت عائشہ سے اور وہ نبی ﷺ سے۔

چونکہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو سند کے بغیر پیش کیا ہے اور ابن جریج سے اوپر جو حدیث (نمبر ۱۰۸۴) آئی ہے، اُس کی اور اِس کی سند ایک ہے اس لئے دھوکا ہوتا ہے کہ امام صاحب کی یہ گفتگو حضرت عائشہ کی اس حدیث کے بارے میں ہے جو اوپر گذری ہے۔

اور حجاج بن ارطاۃ اور جعفر بن ربیعہ نے اس حدیث کو زہری سے روایت کیا ہے یعنی وہ سلیمان بن موسیٰ کے متابع ہیں، اور ہشام نے عروہ سے روایت کیا ہے یعنی وہ زہری کے متابع ہیں، بعض محدثین نے امام زہری کی اس سند میں کلام کیا ہے: ابن جریج کہتے ہیں: میری ابن شہاب زہری سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا آپ اس کو روایت کرتے ہیں؟ انھوں نے انکار کیا۔ ابن جریج کے اس قول کی وجہ سے بعض حضرات نے اس حدیث کی صحت پر اعتراض کیا، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ قول ہی ثابت نہیں، کیونکہ اس قول کو اسماعیل بن ابراہیم المعروف بابن علیہ کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا اور اسماعیل نے ابن جریج سے ڈھنگ سے نہیں پڑھا، اس نے عبدالمجید نامی طالب علم کی کاپی سے اپنی کاپی درست کی ہے، اس لئے اسماعیل کا ابن جریج سے سماع معتبر نہیں، یہ بات یحییٰ بن معین نے بیان کی ہے اور انھوں نے اسماعیل کی جو روایتیں ابن جریج سے ہیں ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (غرض ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث بھی حسنٌ (قابل استدلال) ہے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث بھی حسنٌ ہے، مگر لانکاح میں لا کیسا ہے، نفی شیَٔ کا یا نفی کمال کا؟ اس میں اختلاف ہے، پس اختلاف نص فہمی کا ہے دلائل کا اختلاف نہیں)

ترجمہ: اور یحییٰ بن معین سے مروی ہے: انھوں نے فرمایا: اس مقولہ کو ابن جریج سے صرف اسماعیل بن ابراہیم نے روایت کیا ہے، یحییٰ کہتے ہیں: اور اسماعیل کا ابن جریج سے سماع معتبر نہیں، اس لئے کہ انھوں نے عبدالمجید کی کاپیوں سے اپنی کاپیوں کی تصحیح کی ہے، ابن جریج سے ٹھیک طرح سے نہیں سنا (یہ تکرار ہے) اور یحییٰ نے اسماعیل کی جو ابن جریج سے روایتیں ہیں ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اور اس باب میں نبی ﷺ کی جو حدیث ہے یعنی لانکاح إلا بولی اس پر اہل علم صحابہ کا عمل ہے، ان میں سے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔ اور تابعین میں سے بعض

فقہاء سے یہی روایت کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں: ولی کے بغیر نکاح نہیں۔ ان میں سے سعید بن المسیبؒ وغیرہ ہیں، اور اسی کے قائل ہیں سفیان ثوریؒ وغیرہ۔

فائدہ: آج دنیا کے بیشتر ممالک کی صورت حال یہ ہے کہ لڑکیاں نئی روشنی کی نحوست سے آزاد خیال ہوگئی ہیں، وہ اپنا نکاح خود کرلیتی ہیں، اور ماں باپ کو خبر بھی نہیں ہوتی، پس اگر عاقلہ بالغہ کے نکاح کو ناجائز کہا جائے گا تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ اس لئے لوگ امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر مجبوراً عمل کرتے ہیں۔

بابُ ماجاءَ لَانِكَاحَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ

گواہوں کے بغیر نکاح نہیں

نکاح میں دو گواہ بالاجماع شرط ہیں، اگر گواہوں کے بغیر نکاح کیا گیا تو وہ نکاح السر (چپکے سے کیا ہوا نکاح) ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے نکاح السر سے منع فرمایا ہے (مجمع الزوائد ۴: ۲۸۵)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس باب میں تین اختلافی مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: کیا دونوں گواہوں کا بیک وقت ایجاب وقبول سننا ضروری ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گواہوں کا ایک ساتھ ایجاب وقبول سننا ضروری نہیں، اگر دونوں گواہ الگ الگ مجلسوں میں ایجاب وقبول سنیں اور نکاح کی تشہیر ہوجائے تو نکاح ہوجائے گا، اعلان کی شرط کے ساتھ نکاح درست ہے۔ اور دیگر فقہاء کے نزدیک دونوں گواہوں کا ایک ساتھ ایجاب وقبول سننا ضروری ہے، وہ فرماتے ہیں: اگر دو مجلسوں میں ایجاب وقبول کیا گیا اور پہلے ایجاب وقبول سے نکاح ہوگیا تو دوسرا ایجاب وقبول فضول ہے، اور اگر پہلے ایجاب وقبول سے نکاح نہیں ہوا اس وجہ سے کہ گواہ ایک تھا تو دوسرے ایجاب وقبول سے بھی نکاح نہیں ہوگا کیونکہ اب بھی گواہ ایک ہے غرض جمہور کے نزدیک دونوں گواہوں کا بیک وقت ایجاب وقبول سننا ضروری ہے۔

دوسرا مسئلہ: فاسق آدمی گواہ بن سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک گواہ کا عادل اور دیندار ہونا شرط ہے۔ جمہور کے نزدیک ہر شخص گواہ بن سکتا ہے خواہ دیندار ہو یا فاسق۔

تیسرا مسئلہ: عورتیں نکاح کی گواہ بن سکتی ہیں یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے، عورتیں گواہ نہیں بن سکتیں، دیگر فقہاء کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں تو نکاح درست ہوجائے گا۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورتیں اپنا نکاح گواہوں کے بغیر یعنی چوری چھپے کرلیتی ہیں وہ حرام کار ہیں، کیونکہ جب نکاح ہوا ہی نہیں تو ان کا شوہروں سے ملنا زنا ہے۔

تشریح: یہ حدیث درحقیقت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، مرفوع حدیث نہیں ہے، اور یہ حدیث لانکاح

إلا ببينة کے الفاظ سے بھی مروی ہے، جو ابن عباسؓ کا قول ہے، اس کو تنہا عبدالاعلی نے مرفوع کیا ہے اور وہ موقوف بھی بیان کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنی حدیث کی کتاب میں جو غیر مطبوعہ ہے کتاب التفسیر میں اس کو مرفوع اور کتاب الطلاق میں اس کو موقوف بیان کیا ہے، اور غُندر وغیرہ نے سعید بن ابی عروبہ سے اس کو موقوف روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں بغیر بینہ نکاح کا مسئلہ ہے، عبارۃ النساء سے نکاح کا مسئلہ نہیں ہے، نہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کا مسئلہ ہے، کیونکہ حکم کا مدار بغیر بینة پر ہے۔ اور نکاح میں گواہوں کے اشتراط پر اجماع ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ اجماع ہونے کے بعد مسئلہ قطعی ہوجاتا ہے اگرچہ روایت ضعیف ہو اگر اس مسئلہ میں اجماع نہ ہوتا تو اس حدیث سے گواہوں کا اشتراط ثابت نہیں ہوسکتا تھا، کیونکہ شرطیت وفرضیت ثابت کرنے کے لئے پکی دلیل ضروری ہے اور یہ اعلی درجہ کی روایت نہیں ہے، اور اجماع دلیل قطعی ہے اس سے اشتراط ثابت ہوسکتا ہے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ جس مسئلہ میں بھی اجماع ہوگا کسی اثر کے پیش نظر ہوگا اگرچہ وہ اثر ضعیف ہو، اثر کے بغیر اجماع نہیں ہوسکتا، جیسے بیس رکعت تراویح کے سلسلہ میں اثر موجود ہے، اگرچہ ضعیف ہے مگر جب بیس رکعت تراویح پر اجماع ہوگیا تو مسئلہ قطعی ہوگیا چنانچہ پوری امت علاوہ گمراہ جماعتوں کے تراویح کی بیس رکعت کی قائل ہے۔ اسی طرح یہاں بھی روایت کے ضعف کے باوجود جمہور نکاح میں گواہوں کو شرط قرار دیتے ہیں کیونکہ مسئلہ اجماعی ہے۔

[۱۵] باب ماجاء لانكاح إلا ببينة

[۱۰۸۵-] حدثنا يُوْسُفُ بنُ حَمَّادٍ الْمَعْنِيُّ الْبَصْرِيُّ، نا عَبْدُ الأَعْلَى، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عن جَابِرِ بنِ زَيْدٍ، عن ابنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قال: "الْبَغَايَا اللَّاتِي يُنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ"

قال يُوْسُفُ بنُ حَمَّادٍ: رَفَعَ عبدُ الأَعْلَى هذا الحديثَ فِي التَّفْسِيْرِ، وأَوْقَفَهُ فِي كِتَابِ الطَّلَاقِ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

حدثنا قُتَيْبَةُ، نا غُنْدَرٌ، عَنْ سَعِيدٍ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَهٰذَا أَصَحُّ.

هٰذَا حديثٌ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ، لَانَعْلَمُ أَحَدًا رَفَعَهُ إِلَّا مَا رُوِيَ عَنْ عبدِ الأَعْلَى، عن سَعِيدٍ، عن قَتَادَةَ مَرْفُوْعًا، وَرُوِيَ عَنْ عبدِ الأَعْلَى، عن سَعِيدٍ هٰذَا الحديثُ مَوْقُوْفًا، والصَّحِيْحُ مَارُوِيَ عن ابنِ عبّاسٍ قَوْلُهُ: "لَانِكَاحَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ"، وهٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سَعِيدِ بنِ أبي عَرُوْبَةَ نَحْوَ هٰذَا مَوْقُوْفًا.

وفي الباب: عن عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، وأنسٍ، وأبي هريرةَ.

والعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِيْنَ وَغَيْرِهِمْ، قَالُوْا: لَانِكَاحَ إِلَّا بِشُهُوْدٍ، لَمْ يَخْتَلِفُوْا فِي ذٰلِكَ عِنْدَنَا مَنْ مَضَى مِنْهُمْ، إِلَّا قَوْمًا

مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ.
وإِنَّمَا اخْتَلَفَ أَهْلُ العلمِ فِي هٰذَا إِذَا أُشْهِدَ وَاحِدٌ بَعْدَ وَاحِدٍ، فقالَ أَكْثَرُ أهلِ العلمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَغَيْرِهِمْ: لَايَجُوزُ النِّكَاحُ حَتَّى يَشْهَدَ الشَّاهِدَانِ مَعًا عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ، وقَدْ رَأَى بَعْضُ أهلِ الْمَدِينَةِ إِذَا أُشْهِدَ وَاحِدٌ بَعْدَ وَاحِدٍ: أَنَّهُ جَائِزٌ، إِذَا أَعْلَنُوا ذٰلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وهٰكَذَا قَالَ إسحاقُ بنُ إبراهيمَ فِيمَا حَكَى عَنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، وقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: شَهَادَةُ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ تَجُوزُ فِي النِّكَاحِ، وَهُوَ قَوْلُ أحمدَ وإسحاق.

ترجمہ: (امام ترمذیؒ کہتے ہیں) یہ سند محفوظ نہیں (یعنی عبدالاعلی نے جو اس سند کو مرفوع کیا ہے وہ ان کا وہم ہے) ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے اس سند کو مرفوع کیا ہو، مگر اسی سند سے جو عبدالاعلی سے روایت کی گئی ہے، وہ سعید بن ابی عروبہ سے، وہ قتادہ سے مرفوع کرتے ہیں۔ اور صحیح وہ ہے جو ابن عباسؓ سے ان کا قول لانکاح إلا ببینة روایت کیا گیا ہے، بہت سے حضرات نے سعید بن ابی عروبہ سے اس کے مانند موقوف روایت کیا ہے ——— اور اس پر صحابہ وغیرہ اہل علم کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا، ہمارے علم میں اس مسئلہ میں گذشتہ لوگوں میں سے کسی کا اختلاف نہیں، مگر متاخرین میں سے بعض اہل علم نے اختلاف کیا ہے (ان کے نزدیک انعقاد نکاح کے لئے گواہ شرط نہیں، تشہیر کافی ہے تاکہ نکاح السر سے امتیاز ہوجائے۔ علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے بدائع الصنائع (۲:۵۲۲) میں امام مالکؒ کا یہی مذہب بیان کیا ہے) اور علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے جب گواہ ایک کے بعد ایک حاضر کئے جائیں تو اہل کوفہ اور ان کے علاوہ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ یہ نکاح صحیح نہیں، یہاں تک کہ دونوں گواہ ایک ساتھ انعقاد نکاح کے وقت حاضر ہوں اور بعض اہل مدینہ کہتے ہیں: جب گواہ ایک کے بعد ایک حاضر کئے گئے تو نکاح منعقد ہوگیا جبکہ اس کا اعلان کردیا جائے، اور یہ امام مالکؒ کا قول ہے، امام اسحاق نے اہل مدینہ کا یہی قول نقل کیا ہے، اور بعض اہل علم کہتے ہیں: ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور یہ احمد واسحاق کا قول ہے (اس مسئلہ میں تنہا امام شافعی کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک نکاح میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے، عورتوں کی گواہی ان کے نزدیک معتبر نہیں)

نوٹ: یوسف: معن بن زائدہ کی نسل سے ہیں اس لئے المَعْنی: نسبت ہے۔

بابُ ماجاءَ فی خُطْبَةِ النِّكَاحِ

خطبہ نکاح کا بیان

کسی بھی اہم موقعہ پر مثلاً کوئی بڑا معاملہ کرنا ہو، کسی نزاعی مسئلہ میں مصالحت کی گفتگو کرنی ہو، تقریر یا عقد نکاح کرنا ہو تو مسنون یہ ہے کہ پہلے خطبہ پڑھا جائے۔

حدیث (۱): حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز میں پڑھنے کے لئے تشہد تعلیم فرمایا اور حاجت کے لئے یعنی نکاح وغیرہ اہم ضرورت کے موقعہ پر پڑھنے کے لئے بھی تشہد (خطبہ) تعلیم فرمایا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: نماز کا تشہد یہ ہے: التحیات للہ إلخ (تفصیل کتاب الصلوٰۃ باب ۱۰۲ میں گذر چکی ہے) اور خطبہ حاجت یہ ہے:

ترجمہ: بیشک تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم ان سے مدد طلب کرتے ہیں اور ہم ان سے مغفرت طلب کرتے ہیں، اور ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اپنے نفس کی شرارتوں سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے، جس کو اللہ تعالیٰ راہِ راست دکھائیں اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو اللہ تعالیٰ بچلادیں اس کو کوئی راہِ راست پر نہیں لاسکتا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اس کے بعد ایسی تین (یا کم وبیش) آیتیں پڑھے جو اس معاملہ سے متعلق ہوں یا جس پر تقریر کرنی ہو، پھر گفتگو یا بیان شروع کرے، مثلاً: نکاح میں ایجاب وقبول کرے یا کرائے، حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے نکاح کے تعلق سے درج ذیل تین آیتیں منتخب فرمائی ہیں:

پہلی آیت: سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۲ ہے: ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ (کے احکام کی خلاف ورزی) سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے یعنی کامل درجہ کا تقوی اختیار کرو، اور ہرگز نہ مرو تم مگر اس حال میں کہ تم اطاعت شعار ہو، یعنی تمہارا جینا اور مرنا مسلمان ہونے کی حالت میں ہونا چاہئے۔

تفسیر: اس آیت کے ذریعہ یہ بات سمجھانا مقصود ہے کہ ایک مسلمان کو ہر حال میں احکام شرعیہ کا مطیع ہونا چاہئے، کسی بھی معاملہ میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہئے، اور یہ حالت اس کی پوری زندگی کو محیط ہونی چاہئے، پس یہ آیت ہر معاملہ کے شروع میں پڑھی جاسکتی ہے۔

دوسری آیت: سورۃ النساء کی پہلی آیت ہے: ترجمہ: اے لوگو! اس اللہ (کے احکام کی خلاف ورزی) سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے اور اسی نفس سے اس کا جوڑا پیدا کیا ہے اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائی ہیں، اور تم اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر باہم سوال کرتے ہو، اور قرابتوں (کی حق تلفی) سے ڈرو، بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہیں، یعنی تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہے ہیں۔

تفسیر: نکاح کے موقع پر جبکہ ایک نیا رشتہ وجود میں آتا ہے، اس آیت پاک کے ذریعہ یہ بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے کہ سب انسان خواہ مرد ہوں یا عورتیں ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، اور وہی سب کے خالق ہیں، پس ان کے احکام کی اطاعت واجب ہے۔ اور وجوب کا ایک قرینہ یہ ہے کہ تم آپس میں اس کی قسمیں دیتے ہو اور اس کے نام سے اپنے حقوق وفوائد طلب کرتے ہو۔ اسی اللہ پاک کا ایک خاص حکم یہ ہے کہ اہل قرابت کے حقوق ادا کرتے رہو اور قطع

رحمی اور بدسلوکی سے بچو، پس نکاح کے بعد جو مصاہرت کا رشتہ وجود میں آئے: مردوزن اس رشتہ کا خیال رکھیں۔

تیسری آیت: سورۃ الاحزاب کی آیات ۷۰ و ۷۱ ہیں: ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو، وہ تمہارے اعمال درست کردیں گے، اور تمہارے قصور معاف کردیں گے، اور جو بندہ اللہ اور اس کے رسول کے حکموں پر چلا اس نے یقیناً بڑی کامیابی حاصل کی۔

تفسیر: نکاح کے بعد خانگی زندگی میں: کبھی زوجین کے درمیان اور کبھی دو خاندانوں کے درمیان مناقشات پیش آتے ہیں، اس سلسلہ میں اس آیت پاک کے ذریعہ یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ اگر تم نے احکام الٰہی کی اطاعت کی اور سیدھی بات کہی تو ان شاء اللہ سب معاملات درست ہوجائیں گے، اور صرف دنیا ہی نہیں آخرت بھی سنور جائے گی، کیونکہ نادرست بات ہی سے جھگڑا کھڑا ہوتا ہے یا بڑھتا ہے جس کا علاج سیدھی سچی بات کہنا ہے، پس مردوزن دونوں کو اپنی گھریلو زندگی میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ وہ ہمیشہ رورعایت کے بغیر سیدھی اور سچی بات کہیں۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ خطبہ (تقریر) جس میں تشہد (توحید ورسالت کی گواہی) نہ ہو وہ خطبہ کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے، یعنی ناقص اور بے برکت ہے۔

تشریح: توحید ورسالت کی گواہی کا اعلان بار بار اور ہر جگہ کرنا چاہئے تاکہ ان دونوں باتوں کی شان بلند ہو، حق کا پرچم لہرائے اور وہ خوب ظاہر ہوں، اس لئے ہر خطبہ میں شہادتین کو شامل کیا گیا ہے۔

[۱۶] باب ماجاء فی خطبة النكاح

[۱۰۸۶-] حدثنا قُتيبةُ، نا عَبْثَرُ بنُ القَاسِمِ، عنِ الأعْمَشِ، عن أَبِي إِسْحَاقَ، عن أَبِي الأَحْوَصِ، عن عَبْدِ اللهِ قَالَ: عَلَّمَنَا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم التَّشَهُّدَ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّشَهُّدَ فى الْحَاجَةِ، قالَ: التَّشَهُّدُ فِي الصَّلَاةِ: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ.

والتَّشَهُّدُ فِي الْحَاجَةِ: إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، قَالَ: وَيَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ.

قالَ عَبْثَرٌ: فَفَسَّرَهَا سُفيانُ الثَّوْرِيُّ: ﴿اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ، وَلَاتَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ﴾ و ﴿اتَّقُوا اللهَ الَّذِيْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ ﴿اتَّقُوا اللهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْدًا﴾

وفى الباب: عن عَدِيِّ بنِ حَاتِمٍ.

حديثُ عبدِ اللهِ حديثٌ حسنٌ، وَرَوَاهُ الأَعْمَشُ، عن أَبِي إسحاق، عن أَبِي الأَحْوَصِ، عن عَبْدِ اللهِ،

عن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم.

وَرَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ أَبِيْ إسحاق، عن أبي عُبَيْدَةَ، عن عبدِ اللهِ، عنِ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم.

وَكِلاَ الْحَدِيْثَيْنِ صَحِيحٌ، لِأَنَّ إِسْرَائِيْلَ جَمَعَهُمَا فَقَالَ: عن أَبِيْ إسحاق، عن أبي الأَحْوَصِ وأَبِيْ عُبَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مَسْعُوْدٍ، عن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم.

وقَدْ قَالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: إِنَّ النِّكَاحَ جَائِزٌ بِغَيْرِ خُطْبَةٍ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وغَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ العلمِ.

[۱۰۸۷-] حدثنا أبو هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ، نا ابنُ فُضَيْلٍ، عن عَاصِمِ بنِ كُلَيْبٍ، عن أَبِيْهِ، عن أَبِيْ هُرَيرةَ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "كُلُّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيْهَا تَشَهُّدٌ فَهِيَ كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ"

هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

وضاحت: ابن مسعود کی حدیث کو ابواسحاق سے اعمش اور شعبہ روایت کرتے ہیں، پھر اعمش استاذ الاستاذ کا نام ابوالاحوص لیتے ہیں اور شعبہ: ابوعبیدۃ کا نام لیتے ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: دونوں سندیں صحیح ہیں۔ ابواسحاق نے یہ حدیث ابوالاحوص اور ابوعبیدہ دونوں سے روایت کی ہے، چنانچہ اسرائیل نے دونوں سندوں کو جمع کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ابواسحاق روایت کرتے ہیں ابوالاحوص اور ابوعبیدہ سے، وہ دونوں ابن مسعود سے اور وہ نبی ﷺ سے، اسرائیل کی حدیث ابوداؤد (حدیث نمبر ۲۱۱۸) میں ہے —— بعض اہل علم کہتے ہیں: خطبہ کے بغیر بھی نکاح جائز ہے یعنی خطبہ سنت ہے ضروری نہیں، اس کے بغیر بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، اور یہ سفیان ثوری وغیرہ کا قول ہے۔

بابُ ماجاءَ فِيْ اسْتِيْمَارِ الْبِكْرِ والثَّيِّبِ

کنواری اور بیوہ دونوں سے اجازت طلبی کا بیان

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ثیبہ (شوہر دیدہ) کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے حکم لے لیا جائے یعنی صراحۃً اجازت لی جائے۔ اور باکرہ (شوہر ناآشنا) کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت لی جائے، اور اس کی اجازت (کا ادنی درجہ) خاموشی ہے (اس حدیث سے نابالغہ مستثنیٰ ہے، نابالغہ سے اجازت لینی ضروری نہیں، کیونکہ اس کی کوئی رائے نہیں ہوتی)

تشریح: اس حدیث کا مدعی یہ ہے کہ نکاح کے لئے عورت سے بہر حال اجازت لینی چاہئے، پھر اگر عورت شوہر دیدہ ہے تو اس کی صراحۃً اجازت ضروری ہے اور اگر وہ شوہر نا آشنا ہے تو صراحۃً اجازت ضروری نہیں، اس کی خاموشی بھی اجازت ہے، بشرطیکہ قرائن سے معلوم ہو کہ یہ خاموشی رضامندی ہے۔ اور اگر لڑکی جہاں منگنی کی گئی ہے وہاں شادی کرنے سے برابر منع کرتی رہی ہو تو اب اس کی خاموشی رضامندی نہیں ہوگی، اب صراحۃً اجازت ضروری ہے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شادی شدہ عورت اپنے نفس کی اس کے ولی سے زیادہ حق دار ہے (الأیم: کے اصل معنی ہیں: وہ لڑکی جس کا شوہر نہ ہو، خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ۔ مگر یہاں بیوہ مراد ہے، کیونکہ اس کا البکر سے مقابلہ ہے) اور باکرہ سے (بھی) اس کی ذات کے بارے میں اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شوہر دیدہ عورت اپنا نکاح خود کرے گی اور ولی اس کی مدد کرے گا اور باکرہ کے نکاح کا انتظام ولی کرے گا، البتہ اس کی اجازت سے کرے گا، کیونکہ عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں، خواہ کنواری ہو یا بیوہ۔

فائدہ: حدیث: لانکاح إلا بولی کا مفاد یہ تھا کہ عورت کے نکاح کے سلسلہ میں سارا حق ولی کا ہے اس کی رضامندی کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا۔ اور اس باب میں مذکور دونوں حدیثوں کا مفاد یہ ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں پورا حق عورت کا ہے، وہ اجازت دے تو نکاح ہوگا ورنہ نہیں، اور ایک معاملہ میں دو شخصوں کا پورا پورا حق نہیں ہوسکتا، اس لئے تطبیق کی راہ تلاش کرنی ضروری ہے، اور کتاب الصلوٰۃ باب ۲۲ میں یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ جب کوئی معاملہ دو فریقوں سے متعلق ہوتا ہے تو شریعت ہر فریق سے اس طرح مخاطب ہوتی ہے کہ گویا ساری ذمہ داری اس پر ہے، دوسرا فریق بالکل آزاد ہے۔ چنانچہ یہاں بھی جب شریعت نے عورتوں سے خطاب کیا تو کہا: لانکاح إلا بولی یعنی تمہیں اپنا نکاح کرنے کا کوئی حق نہیں، نکاح ولی کرے گا اور جب اولیاء سے خطاب کیا تو کہا: عورت کی اجازت ضروری ہے، وہ اجازت دے تو نکاح منعقد ہوگا ورنہ نہیں، نیز کہا: شادی شدہ عورت اپنے نفس کی اس کے ولی سے زیادہ حقدار ہے، یعنی وہ جہاں نکاح کرنا چاہے ولی کو منع کرنے کا حق نہیں۔ غرض جب عورتوں سے خطاب کیا تو سارا حق ولیوں کو سونپ دیا اور جب اولیاء سے خطاب کیا تو عورتوں کو مختار بنادیا، اور اس طرح معاملہ میں اعتدال پیدا کردیا، پس ایسی صورت میں قرائن سے متعین کرنا ہوگا کہ زیادہ حق کس کا ہے؟ چنانچہ بخاری (حدیث ۵۱۳۸) میں حدیث ہے کہ خنساء بنت خدام کا نکاح ان کے والد نے ان سے پوچھے بغیر کردیا اور وہ بیوہ تھیں، جنگ احد میں ان کے شوہر شہید ہوگئے تھے، جب ان کو پتہ چلا تو انھوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا اور نبی پاک ﷺ کے سامنے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو آپؐ نے اس نکاح کو ختم کردیا۔ معلوم ہوا کہ عورت کا حق زیادہ ہے اور پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے کہ عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا ہو اور آنحضور ﷺ نے اس کو رد کردیا ہو، بلکہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جب آپؐ نے نکاح فرمایا تو ان کا کوئی ولی موجود نہیں تھا، چنانچہ انھوں نے اپنے بہنوئی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وکیل بنایا اور انھوں نے آنحضور ﷺ سے ان کا نکاح کیا جبکہ بہنوئی ولی نہیں ہوتا، پس یہ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہوا تھا۔ اور عورت سے پوچھے بغیر ولی کے نکاح کرنے کی صورت میں نکاح فسخ کرنا مروی ہے، پس یہ دلیل ہے کہ عورت کے

نکاح میں خود عورت کا حق زیادہ ہے، البتہ اگر ولی عورت سے اجازت لئے بغیر نکاح کردے اور عورت بعد میں اجازت دیدے تو نکاح بالاتفاق منعقد ہوجائے گا، اسی طرح اگر عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے اور بعد میں ولی راضی ہوجائے تو بھی نکاح منعقد ہوجانا چاہئے، بلکہ بدرجہ اولیٰ منعقد ہوجانا چاہئے، کیونکہ عورت کا حق زیادہ ہے، ہاں اگر ولی عورت کے کئے ہوئے نکاح پر راضی نہ ہو اور نکاح غیر کفو میں ہوا ہو تو ولی کو اعتراض کا حق ہے۔

غرض امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ جب ولی کا کیا ہوا نکاح عورت کی اجازتِ لاحقہ سے منعقد ہوجاتا ہے تو خود عورت کا کیا ہوا نکاح ولی کی اجازتِ لاحقہ سے کیوں منعقد نہیں ہوگا، جبکہ عورت کا حق نکاح کے معاملہ میں ولی سے زیادہ ہے، ہاں اگر ولی کی طرف سے اجازت نہ ہو، نہ لاحقہ اور نہ سابقہ تو اسے اعتراض کا حق ہے۔

نوٹ: امام ترمذیؒ نے امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال سمجھا ہی نہیں، بغیر سمجھے اعتراض کیا ہے اس لئے وہ اعتراض بے وزن ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۱۷] باب ماجاء فی اسْتِيْمَارِ البكر والثيب

[۱۰۸۸-] حدثنا إسحاقُ بنُ مَنْصُوْرٍ، نا مُحَمَّدُ بنُ يُوْسُفَ، نا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحيىَ بنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عن أبي هُرَيرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " لَاتُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ، وإِذْنُهَا الصُّمُوْتُ"

وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وابنِ عباسٍ، وعائشةَ، والعُرْسِ بنِ عَمِيْرَةَ.

حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أهلِ العلمِ أَنَّ الثَّيِّبَ لَاتُزَوَّجُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وإِنْ زَوَّجَهَا الْأَبُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَسْتَأْمِرَهَا، فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ، فَالنِّكَاحُ مَفْسُوْخٌ عِنْدَ عَامَّةِ أهلِ العلمِ.

واختَلَفَ أهلُ العلمِ فِيْ تَزْوِيْجِ الْأَبْكَارِ إِذَا زَوَّجَهُنَّ الآبَاءُ، فَرَأَى أَكْثَرُ أهلِ العلمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ الْأَبَ إِذَا زَوَّجَ الْبِكْرَ وَهِيَ بَالِغَةٌ، بِغَيْرِ أَمْرِهَا، فَلَمْ تَرْضَ بِتَزْوِيْجِ الْأَبِ، فَالنِّكَاحُ مَفْسُوْخٌ.

وقَالَ بَعْضُ أهلِ الْمَدِيْنَةِ: تَزْوِيْجُ الْأَبِ عَلَى الْبِكْرِ جَائِزٌ، وإِنْ كَرِهَتْ ذٰلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيِّ وأحمدَ وإسحاقَ.

[۱۰۸۹-] حدثنا قُتيبةُ، نا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ الْفَضْلِ، عَنْ نَافِعِ بنِ جُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ؛ عنِ ابنِ عبَّاسٍ؛ أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِيْ نَفْسِهَا، وإِذْنُهَا صُمَاتُهَا"

هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ رَوَى شُعْبَةُ وَسفيانُ الثَّوْرِيُّ هذا الحديثَ عن مالكِ بنِ أَنَسٍ.

واحتَجَّ بَعْضُ النَّاسِ فِيْ إِجَازَةِ النِّكَاحِ بِغَيْرِ وَلِيٍّ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ، ولَيْسَ فِيْ هٰذَا الحديثِ مَااحْتَجُّوْا

بِهِ، لِأَنَّهُ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ ابنِ عبّاسٍ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قالَ: "لَانِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ" وهٰكَذَا أَفْتَى بِهِ ابنُ عَبَّاسٍ بَعْدَ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، فقالَ: لَانِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ.

وإِنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: "الأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا" عندَ أكْثَرِ أهلِ العلمِ: أَنَّ الْوَلِيَّ لَايُزَوِّجُهَا إِلَّا بِرِضَاهَا وَأَمْرِهَا، فَإِنْ زَوَّجَهَا فَالنِّكَاحُ مَفْسُوْخٌ: عَلَى حَدِيْثِ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِدَامٍ، حَيْثُ زَوَّجَهَا أَبُوْهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ، فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ، فَرَدَّ النبيُّ صلى الله عليه وسلم نِكَاحَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر علماء کا عمل ہے کہ ثیبہ کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ حکم لیا جائے یعنی صراحۃً اجازت لی جائے، اور اگر صراحۃً اجازت لئے بغیر باپ نے اس کا نکاح کر دیا پس اس نے اس کو ناپسند کیا تو اکثر علماء کے نزدیک نکاح نہیں ہوا۔

اور علماء کا کنواری لڑکیوں کے نکاح کے سلسلہ میں اختلاف ہے، جب ان کا نکاح آباء کر دیں، پس کوفہ وغیرہ کے اکثر علماء کہتے ہیں کہ باپ نے جب باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا درانحالیکہ وہ بالغہ ہے پس وہ باپ کے نکاح پر راضی نہیں تو نکاح کالعدم ہے (کیونکہ باکرہ بالغہ پر ولایت اجبار حاصل نہیں) اور بعض اہل مدینہ کہتے ہیں: باپ کا باکرہ لڑکی کا نکاح کرنا (اس کی اجازت کے بغیر) نافذ ہے، اگرچہ وہ اس نکاح کو ناپسند کرے، اور یہ ائمہ ثلاثہ کا قول ہے[1]

—— اس کے بعد ابن عباس کی حدیث ہے اس کو شعبہ اور سفیان ثوری نے بھی امام مالک سے روایت کیا ہے۔

(امام اعظم پر اعتراض) اور بعض لوگ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے نافذ ہونے پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جبکہ اس حدیث میں وہ بات نہیں ہے جس سے وہ استدلال کرتے ہیں، اس لئے کہ ابن عباس سے متعدد طرق سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "نہیں ہے نکاح مگر ولی کی اجازت سے"[2] اور ابن عباس نے رسول اللہ ﷺ کے بعد اس کے مطابق فتوی دیا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں[3] (پس ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث سے استدلال کرنا کہ ولی کی اجازت ضروری نہیں: صحیح نہیں۔ کیونکہ ابن عباسؓ کے نزدیک ولی کی اجازت ضروری تھی، پھر ان کی مذکورہ حدیث کا کیا مطلب ہے؟ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں) اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: الأیم أحق کا مطلب اکثر علماء کے نزدیک یہ ہے کہ ولی عورت کا نکاح نہ کرے مگر اس کی رضامندی اور اس کے حکم سے، پس اگر اس نے عورت سے اجازت لئے بغیر نکاح کر دیا تو وہ نکاح نہیں ہوا جیسا کہ خنساء بنت خدام کی حدیث میں آیا ہے۔ ان کا نکاح ان کے والد نے کیا

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کو باکرہ پر ولایت اجبار حاصل ہے، خواہ وہ بالغہ ہو یا نابالغہ، پس ولی اس کی رضامندی کے بغیر نکاح کر سکتا ہے۔ اور احناف کے نزدیک بالغہ پر ولایت اجبار حاصل نہیں، اگرچہ وہ کنواری ہو، پس عاقلہ بالغہ کی اجازت نکاح کے لئے شرط ہے، تفصیل کتاب النکاح باب ۱۴ میں گذر چکی ہے۔ (۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سنن بیہقی (۷: ۱۰۷ و ۱۱۰) میں ہے (۳) ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فتوی بھی سنن بیہقی (۷: ۱۱۲) میں ہے۔

تھا جبکہ وہ بیوہ تھیں پس انھوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا تو رسول اللہ ﷺ نے باپ کے نکاح کو ختم کر دیا[1]

تشریح: امام ترمذیؒ نے حدیث الأیم أحق کا جو مطلب بیان کیا ہے کہ ثیبہ کے نکاح کے لئے اجازت ضروری ہے، اگر اس کی اجازت کے بغیر نکاح کیا گیا اور اس نے اس نکاح کو ناپسند کیا تو وہ نکاح کالعدم ہے، حدیث کا یہ مطلب بلاشبہ صحیح ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ بھی حدیث کا یہی مطلب لیتے ہیں۔ مگر امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ جب ولی کا کیا ہوا نکاح عورت کی اجازت لاحقہ سے بالاتفاق منعقد ہو جاتا ہے تو خود عورت کا کیا ہوا نکاح ولی کی اجازت لاحقہ سے کیوں منعقد نہیں ہوگا؟ وہ بدرجہ اولیٰ منعقد ہو جائے گا کیونکہ عورت کا حق اپنے نکاح کے سلسلہ میں ولی سے زیادہ ہے۔ امام اعظمؒ کا استدلال یہ ہے اور اس کو توڑنا ناممکن ہے۔

بابُ ماجاءَ فِي إِكْرَاهِ الْيَتِيمَةِ عَلَى التَّزْوِيجِ

یتیم لڑکی کو نکاح پر مجبور کرنا جائز نہیں

نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور ان کو خیار بلوغ حاصل ہے یا نہیں؟ چاروں ائمہ متفق ہیں کہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح ہوسکتا ہے، پھر حنفیہ کے نزدیک اگر باپ یا دادا نے نکاح کیا ہے تو خیار بلوغ حاصل نہیں اور اگر کسی اور ولی نے نکاح کیا ہے تو خیارِ بلوغ حاصل ہے۔ لڑکے کو بھی اور لڑکی کو بھی۔ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر لڑکی نو سال کی تھی پھر نکاح کیا گیا تو خیارِ بلوغ حاصل نہیں، اور اس سے پہلے کیا گیا ہے تو خیارِ بلوغ حاصل ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک لڑکی نو سال میں بالغ ہو جاتی ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نابالغ یتیم بچی کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا اور وہ خیارِ بلوغ کے بھی قائل نہیں وہ فرماتے ہیں: نابالغ ہونے کی بنا پر یتیم بچی کی اجازت معتبر نہیں اور باپ دادا کی غیر موجودگی میں کسی اور کو اس پر ولایت اجبار بھی حاصل نہیں (فتح القدیر ۳: ۱۷۲)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یتیم لڑکی سے اس کی ذات کے بارے میں حکم لیا جائے، یعنی اس سے صراحۃً اجازت لی جائے (یہ قرینہ ہے کہ یہاں الیتیمۃ مجاز ہے کیونکہ نابالغہ سے اجازت لینے کا کوئی مطلب نہیں) پس اگر وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی اجازت ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو اس جگہ نکاح کرنے کا کوئی جواز نہیں جہاں وہ انکار کرتی ہے۔

تشریح: یتیمہ کے معنی ہیں: وہ بچی جس کا باپ مر چکا ہے اور اس کا اطلاق صغیرہ اور کبیرہ دونوں پر ہوتا ہے، خود نبی

---

(۴) خنساء: پہلے انیس بن قتادہ کے نکاح میں تھیں، جب وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تو ان کے والد نے ان کا نکاح قبیلۂ مزینہ کے ایک شخص سے کر دیا، ان کو یہ نکاح پسند نہ آیا تو وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے ان کا نکاح ختم کر دیا (بخاری ص: ۱۷۷) پھر ان کا نکاح ابولبابہ بن المنذر رضی اللہ عنہ سے ہوا، ان سے سائب پیدا ہوئے۔ اور خذام: ذال اور دال دونوں کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے۔

ﷺ کے ناموں میں ایک نام یتیم عبد المطلب بھی ہے اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر بچی کے باپ کا انتقال ہو گیا ہو اور کوئی دوست یار شتہ دار اس کی پرورش کرے تو اس کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ جہاں چاہے اس کا نکاح کردے، جب کوئی شخص یتیم کی پرورش کرتا ہے تو عام طور پر ذہن یہ بن جاتا ہے کہ میں نے پرورش کی ہے، پس میں جہاں چاہوں نکاح کروں۔ آپؐ نے اس سے منع فرمایا۔ اس میں یتیم بچی کی حق تلفی ہے اس کی خواہش کا احترام کرنا اور اس کی مرضی معلوم کرنا ضروری ہے، جہاں سرپرست نکاح کرنا چاہتا ہے اگر لڑکی انکار کرے تو سرپرست کو وہاں نکاح کرنے کا کوئی حق نہیں۔ غرض امام ترمذیؒ نے اس باب میں جو خیارِ بلوغ کا مسئلہ چھیڑا ہے اس کا اس حدث سے کوئی خاص تعلق نہیں، یہ حدیث: یتیم بچوں کی لوگ جو حق تلفی کرتے ہیں اس سلسلہ کی ہے۔

سوال: لڑکی کو خیارِ بلوغ دینا تو معقول ہے مگر لڑکے کو یہ خیار دینا بے فائدہ ہے کیونکہ اس کو طلاق دینے کا اختیار ہے، وہ جب چاہے نکاح ختم کر سکتا ہے۔

جواب: اگر لڑکا خیارِ بلوغ کی وجہ سے نکاح ختم کرے گا تو مہر نہیں دینا پڑے گا اور طلاق دے کر نکاح ختم کرے گا تو آدھا مہر دینا ہوگا، کیونکہ قبل الدخول طلاق دینے سے نصف مہر واجب ہوتا ہے پس خیارِ بلوغ کی ضرورت لڑکے کو بھی ہے۔

[۱۸] باب ماجاء في إكراه اليتيمةِ على التزويج

[۱۰۹۰-] حدثنا قُتيبةُ، نا عبدُ العزيزِ بنُ مُحمَّدٍ، عَنْ مُحمَّدِ بنِ عَمْرٍو، عن أبِي سَلَمَةَ، عن أبِي هريرةَ، قالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "اليَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ فِي نَفْسِهَا، فَإِنْ صَمَتَتْ فَهُوَ إِذْنُهَا، وَإِنْ أَبَتْ فَلاَ جَوَازَ عَلَيْهَا"

وفي الباب: عن أبي مُوسَى، وابنِ عُمَرَ. قالَ أبو عيسى: حديثُ أبي هريرةَ حديثٌ حسنٌ.

واختلَفَ أهلُ العلمِ فِي تَزْوِيجِ اليَتِيمَةِ: فَرَأَى بَعْضُ أهلِ العلمِ: أنَّ اليَتِيمَةَ إِذَا زُوِّجَتْ فَالنِّكَاحُ مَوْقُوفٌ حَتَّى تَبْلُغَ، فَإِذَا بَلَغَتْ فَلَهَا الْخِيَارُ فِي إِجَازَةِ النِّكَاحِ أَوْ فَسْخِهِ، وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ التَّابِعِينَ وَغَيْرِهِمْ.

وقالَ بَعْضُهُمْ: لاَيَجُوزُ نِكَاحُ اليَتِيمَةِ حَتَّى تَبْلُغَ، وَلاَيَجُوزُ الْخِيَارُ فِي النِّكَاحِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفيانَ الثَّوْرِيِّ والشَّافِعِيِّ وغَيْرِهِمَا مِنْ أَهْلِ العلمِ.

وقالَ أحمدُ وإسحاقُ: إِذَا بَلَغَتِ اليَتِيمَةُ تِسْعَ سِنِينَ فَزُوِّجَتْ فَرَضِيَتْ، فالنِّكَاحُ جَائِزٌ، وَلاَ خِيَارَ لَهَا إِذَا أَدْرَكَتْ، واحْتَجَّا بِحَدِيثِ عائشةَ: أنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم بَنَى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ، وقَدْ قَالَتْ عائشةُ: إِذَا بَلَغَتِ الْجَارِيَةُ تِسْعَ سِنِينَ فَهِيَ امْرَأَةٌ.

ترجمہ: علماء کا یتیم بچی کے نکاح کے سلسلہ میں اختلاف ہے، بعض اہل علم کہتے ہیں: یتیمہ کا اگر نکاح کیا جائے تو

نکاح موقوف رہے گا تا آنکہ وہ بالغ ہوجائے، پس جب وہ بالغ ہوتو اسے نکاح باقی رکھنے کا یا ختم کرنے کا اختیار ہے، اور یہ بعض تابعین وغیرہ کا قول ہے ـــــ اور بعض علماء کہتے ہیں: یتیمہ کا نکاح جائز ہی نہیں تا آنکہ وہ بالغ ہوجائے اور نکاح میں اختیار (خیار بلوغ) نہیں اور یہ سفیان ثوری اور امام شافعی وغیرہ اہل علم کا قول ہے ـــــ اور امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں: جب یتیمہ نو سال کی ہوگئی پس اس کا نکاح کیا گیا، پس وہ راضی ہوگئی تو نکاح درست ہے اور اس کے لئے بلوغ کے بعد خیار نہیں، اور دونوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے ساتھ عروسی فرمائی درانحالیکہ وہ نو سال کی تھیں (معلوم ہوا کہ نو سال میں لڑکی بالغ ہوجاتی ہے، نو سال سے پہلے لڑکی کے نکاح کے عدم جواز پر اس حدیث سے استدلال نہیں کیا کیونکہ حضرت عائشہؓ کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا تھا) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب لڑکی نو سال کی ہوگئی تو وہ عورت ہوگئی یعنی بالغ ہوگئی۔

فائدہ: علماء فرماتے ہیں: لڑکی اور لڑکا بالترتیب نو اور بارہ سال سے پہلے بالغ نہیں ہوسکتے اس کے بعد کسی بھی وقت بالغ ہوسکتے ہیں، اور آب وہوا، صحت اور غذا کے اختلاف سے زمانۂ بلوغ مختلف ہوتا ہے اس لئے بلوغ کی کوئی ایک حد متعین کرنا مشکل ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الْوَلِیَّیْنِ یُزَوِّجَانِ

دو ولی ایک ساتھ نکاح کردیں تو کیا حکم ہے؟

اگر کسی نابالغ لڑکے یا لڑکی کے دو ولی ہوں اور وہ برابر درجہ کے ہوں مثلاً باپ نہ ہو اور دو بھائی ولی ہوں اور وہ الگ الگ جگہ عقد کردیں تو پہلا کیا ہوا نکاح نافذ ہوگا اور دوسرا کالعدم ہوگا۔ اور اگر دونوں ایک ساتھ (مقارنت حقیقیہ سے) نکاح کریں تو دونوں عقد باطل ہونگے إذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا، اور اگر ولیوں میں تفاوتِ درجہ ہو تو اقرب کا کیا ہوا نکاح نافذ ہوگا، اور ابعد کا کالعدم ہوگا۔

[۱۹] باب ماجاء فی الولیین یزوّجان

[۱۰۹۱-] حدثنا قُتیبةُ، نا غُنْدَرٌ، نا سَعیدُ بنُ أَبِی عَرُوْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الحَسَنِ، عن سَمُرَةَ بنِ جُنْدَبٍ، أنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " أَیُّمَا امْرَأَةٍ زَوَّجَهَا وَلِیَّانِ فَهِیَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا، وَمَنْ بَاعَ بَیْعًا مِنْ رَّجُلَیْنِ فَهُوَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا"

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ، والعملُ علی هٰذَا عِنْدَ أهلِ العلمِ، لانَعْلَمُ بَیْنَهُمْ فِی ذٰلِكَ اخْتِلَافًا: إِذَا زَوَّجَ أَحَدُ الْوَلِیَّیْنِ قَبْلَ الآخَرِ، فَنِكَاحُ الْأَوَّلِ جَائِزٌ، وَنِكَاحُ الآخَرِ مَفْسُوْخٌ، وَإِذَا زَوَّجَا جَمِیْعًا فَنِكَاحُهُمَا جَمِیْعًا مَفْسُوْخٌ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیِّ وأحمدَ وإسحاق

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس عورت کا نکاح دو ولی کریں تو وہ عورت ان میں سے پہلے کے لئے ہے، اور جس نے کوئی چیز دو آدمیوں کو بیچی تو وہ ان میں سے پہلے کے لئے ہے ـــــ اس حدیث پر علماء کا عمل ہے، ہم ان کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں جانتے: جب دو ولیوں میں سے ایک دوسرے سے پہلے نکاح کر دے تو پہلے کا نکاح نافذ ہوگا، اور دوسرے کا نکاح کالعدم ہوگا، اور جب دونوں ایک ساتھ نکاح کریں تو دونوں کا نکاح کالعدم ہوگا۔

بابُ ماجاء فی نِکاحِ الْعَبْدِ بِغَیْرِ إِذْنِ سَیِّدِهٖ

مولی کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح کرنا

اگر غلام آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے تو احناف کے نزدیک نکاح آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر آقا اجازت دیدے تو نکاح نافذ ہوجائے گا، دوبارہ ایجاب وقبول کی ضرورت نہیں اور اگر آقا اجازت نہ دے تو نکاح ختم ہوجائے گا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آقا کی اجازت کے بغیر کیا ہوا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، پس آقا کی اجازت کے بعد دوبارہ ایجاب وقبول کرنا ہوگا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: جو بھی غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے ـــــ غلام زانی اس وقت ہے جب آقا کی اجازت سے پہلے بیوی سے صحبت کرلے۔

تشریح: چونکہ غلام اپنے آقا کی چاکری میں مشغول ہوتا ہے اور نکاح اور اس کے متعلقات مولی کی خدمت میں خلل انداز ہوتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ اس کا نکاح مالک کی اجازت پر موقوف رہے اور باندی کا بھی بدرجۂ اولیٰ یہی حکم ہے اس کا نکاح بھی اس کے آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

[۲۰] باب ماجاء فی نکاح العبد بغیر إذن سیده

[۱۰۹۲-] حدثنا عَلِیُّ بنُ حُجْرٍ، ناالْوَلِیْدُ بنُ مُسْلِمٍ، عَنْ زُهَیْرِ بنِ مُحَمَّدٍ، عن عَبْدِ اللهِ بنِ مُحَمَّدِ بنِ عَقِیْلٍ، عَنْ جَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ، عن النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم [قال:] ''أَیُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَیْرِ إِذْنِ سَیِّدِہٖ فَهُوَ عَاهِرٌ''

وفی الباب: عن ابنِ عُمَرَ، حدیثُ جَابِرٍ حدیثٌ حسنٌ، وَرَوَی بَعْضُهُمْ هٰذا الحدیثَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ محمَّدِ بنِ عَقِیْلٍ، عن ابنِ عُمَرَ عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، وَلاَ یَصِحُّ، والصَّحِیْحُ: عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مُحمَّدِ بنِ عَقِیْلٍ، عن جَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ.

والعَمَلُ عَلَی هٰذَا عِنْدَ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وغَیْرِهِمْ: أَنَّ نِکَاحَ

العَبْدِ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ لَايَجُوزُ، وَهُوَ قَوْلُ أحمدَ وإسحاق وغَيْرِهِمَا.

[۱۰۹۳-] حدثنا سَعيدُ بْنُ يَحيىَ بنِ سَعيدِ الْأُمَوِيُّ، نا أَبِي، نَا ابنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ محمّدِ بنِ عَقِيلٍ، عَنْ جَابِرِ بنِ عبدِ اللّٰهِ، عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قالَ: " أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ فَهُوَ عَاهِرٌ" هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: مذکورہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے، بعض روات جواس کی سند ابن عمر تک پہنچاتے ہیں وہ صحیح نہیں۔

بابُ ماجاءَ في مُهُوْرِ النِّساءِ

عورتوں کی مہروں کا بیان

رسول اللہ ﷺ سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں نکاح کا جو شریفانہ طریقہ عربوں میں رائج تھا اس میں مہر مقرر کیا جاتا تھا، اسلام نے اس طریقہ کو برقرار رکھا ہے۔ مہر اس بات کی علامت ہے کہ نکاح کرنے والا عورت کا طالب اور خواستگار ہے اس لئے وہ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اس کو مہر کا نذرانہ پیش کرتا ہے یا اس کی ادائیگی اپنے ذمہ لیتا ہے۔

اور مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار بالاتفاق متعین نہیں سورۃ النساء کی آیت ۲۰ اس کی دلیل ہے اور کم سے کم مقدار متعین ہے یا نہیں؟ اور غیر مال مہر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر چیز خواہ مال ہو یا غیر مال جیسے تعلیم قرآن اور خدمت وغیرہ مہر بن سکتی ہے۔ باقی ائمہ کے نزدیک غیر مال مہر نہیں ہوسکتا، صرف ایسا مال جو بیع میں ثمن بن سکتا ہے مہر مقرر ہوسکتا ہے۔ سورۃ النساء آیت ۲۴ میں ارشاد پاک ہے: ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ﴾ یعنی محرمات کے علاوہ سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ طلب کرو، اس آیت سے ثابت ہوا کہ مہر مال ہی ہوسکتا ہے اور تعلیم قرآن اور خدمت وغیرہ مال نہیں ہیں اس لئے وہ مہر نہیں بن سکتے۔

اور مہر کی کم سے کم مقدار متعین ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ کم سے کم مہر متعین نہیں جس مال پر بھی زوجین راضی ہوجائیں وہ مہر ہوسکتا ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چوتھائی دینار یعنی تین درہم، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک دس درہم کم سے کم مہر ہونا ضروری ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ سورۃ النساء کی مذکورہ آیت میں أموال: مال کی جمع ہے، جو جمع قلت کا وزن ہے جس کا تین سے دس تک اطلاق ہوتا ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بہ سند حسن روایت مروی ہے کہ لامهر أقل من عشرة دراهم یعنی دس درہم سے کم مہر نہیں ہوسکتا، یہ حدیث آیت پاک کے لئے بیان کی حیثیت

رکھتی ہے، پس مہر کم سے کم دس درہم ہونے ضروری ہیں ـــــــ حضرت جابرؓ کی یہ حدیث سنن کبری بیہقی اور دار قطنی میں ہے اور اس کو مبشر بن عبید اور حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے، مگر علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **إنه بهذا الإسناد حسن، لا أقل منه** (فتح القدیر ۳:۱۸۶)

اور امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نہیں لیا، بلکہ اس مسئلہ کو نصاب سرقہ پر قیاس کیا ہے، چونکہ چوتھائی دینار چرانے کی صورت میں ان کے نزدیک ہاتھ کاٹا جاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ ایک عضو کی قیمت چوتھائی دینار ہے اور نکاح میں بھی عورت اپنا ایک عضو مرد کو سونپتی ہے، اس لئے اس کا بدل کم سے کم چوتھائی دینار ہونا چاہئے۔

اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا استدلال عامر بن ربیعہؓ کی حدیث سے ہے جس میں دو چپلوں کو مہر مقرر کیا گیا ہے، اور سہل بن سعد ساعدیؓ کی حدیث سے ہے جس میں تعلیم قرآن کو مہر تجویز کیا گیا ہے، یہ دونوں حدیثیں باب میں آرہی ہیں اور مشکوٰۃ (حدیث ۳۲۰۵) میں حدیث ہے کہ ''جس نے اپنی بیوی کو مہر میں مٹھی بھر ستو یا کھجوریں دیں اس نے یقیناً حلال کرلیا'' یعنی نکاح درست ہوگیا۔ ان روایات کی اس پر دلالت صریح ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار متعین نہیں اور ہر چیز حتی کہ تعلیم قرآن بھی مہر بن سکتی ہے۔

اور احناف ان روایات کو مہر معجّل (نقد مہر) پر محمول کرتے ہیں اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ عرف میں مہر دو ہیں: ایک نقد، دوسرا ادھار۔ نقد مہر وہ ہے جو پہلی ملاقات میں پیش کیا جاتا ہے، حدیث میں ہے: تَهَادَوْا تَحَابُّوْا: باہم ہدیہ دو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگوگے۔ ہدیہ محبت ومودت کا بیج بوتا ہے، عورت اس موقع پر اپنی گرانقدر چیز پیش کرتی ہے پس مرد کو بھی کچھ پیش کرنا چاہئے، اور وہ چیز نکاح کا اصل مہر بھی ہوسکتی ہے، یہی نبی ﷺ کا طریقہ تھا لیکن اگر اس کی گنجائش نہ ہو تو کچھ نہ کچھ پیش کرنا چاہئے، مثلاً: انگوٹھی، تھوڑا ستو، کھجوریں اور آج کے عرف میں مٹھائی کچھ تو تقریب بہر ملاقات چاہئے۔ علاوہ ازیں یہ روایات نزول آیت (سورۃ النساء آیت ۲۴) سے پہلے کی ہیں یا بعد کی؟ یہ بات معلوم نہیں، پس محکم کتاب کو لینا اور اس کے موافق جو روایت ہے ان پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

حدیث (۱): عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلۂ بنو فزارہ کی ایک خاتون نے دو چپلوں پر نکاح کیا، پس رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تو اپنی ذات اور اپنے مال سے دو چپلوں پر راضی ہوگئی؟ اس نے کہا: جی ہاں، پس آپؐ نے اس کا نکاح نافذ کردیا۔

تشریح: اس حدیث سے چھوٹے دو اماموں نے استدلال کیا ہے کہ مہر کی کم سے کم کوئی مقدار متعین نہیں، زوجین جس چیز پر راضی ہوجائیں وہ مہر بن سکتی ہے۔ اور احناف کہتے ہیں کہ اولاً تو یہ حدیث قابل استدلال نہیں، کیونکہ عاصم بن عبید اللہ کی اکثر ائمہ نے: یحییٰ بن معین، امام احمد، شعبہ، ابن عیینہ، ابوزرعہ، امام بخاری، ابوحاتم، ابن خزیمہ، امام

دار قطنی، امام نسائی اور ابن حبان رحمہم اللہ نے تضعیف کی ہے (تہذیب ۵:۴۶) پس امام ترمذیؒ کا اس حدیث کی تصحیح کرنا محل نظر ہے۔ پھر چپل گھٹیا بڑھیا ہر قسم کے ہوتے ہیں، ممکن ہے وہ چپل دس درہم یا اس سے بھی زیادہ قیمت کے ہوں۔ علاوہ ازیں یہاں مہر معجل بھی مراد ہو سکتا ہے جو پہلی ملاقات میں پیش کیا جاتا ہے جیسا کہ عربوں میں اور تمام قوموں میں اس کا رواج ہے کہ دولہا کچھ نہ کچھ لے کر بیوی کے پاس جاتا ہے۔

حدیث (۲): سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک خاتون آئی اور اس نے کہا: میں نے اپنی ذات آپ کو ہبہ کی اور وہ (جواب کے انتظار میں) دیر تک ٹھہری رہی (جب آپؐ دیر تک خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا تو) ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں تو میرا اس سے نکاح کر دیجئے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا: تیرے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: میرے پاس میری یہ لنگی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تو اس کو اپنی لنگی دیدے گا تو تو بغیر لنگی کے رہ جائے گا، جا کچھ اور تلاش کر، وہ گیا اور تلاش کر کے آیا اور عرض کیا: مجھے کچھ نہیں ملا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جا اچھی طرح تلاش کر اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ راوی کہتے ہیں: اس نے پھر تلاش کیا مگر کچھ نہ پایا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا: ہاں، فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں اور اس نے چند سورتیں گنائیں تو آپؐ نے فرمایا: ''میں نے تیرے ساتھ اس کا نکاح کر دیا اس قرآن کے عوض میں جو تجھے یاد ہے''

تشریح: اس حدیث سے امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ غیر مال بھی مہر ہو سکتا ہے، اس واقعہ میں نبی ﷺ نے تعلیم قرآن کو مہر مقرر کیا ہے جو مال نہیں ہے۔ اور جمہور کہتے ہیں کہ سورۃ النساء آیت ۲۴ میں مال کے ذریعہ عورتوں کو تلاش کرنے کا حکم ہے، پس اس حدیث کا وہ مطلب لیا جائے گا جو آیت کے موافق ہو، اور وہ یہ ہے کہ باء سبب کے معنی میں لی جائے، عوض کے معنی میں نہ لی جائے، یعنی تم پر قرآن کا علم رکھنے کی وجہ سے مہر معجل ضروری قرار نہیں دیا جاتا تم جو سورتیں جانتے ہو اس عورت کو سکھا دو، یہی تمہارا مہر معجل ہے اور مہر مؤجل قواعد کے مطابق ادا کرنا۔

فائدہ: جن منافع کا عوض لینا جائز ہے ان کو مہر مقرر کرنا بھی جائز ہے، فقہی ضابطہ ہے: ماجاز أخذ الأجرة فی مقابلته من المنافع جاز تسمیتُه صَدَاقًا (شامی ۲:۳۶۲) اور تعلیم قرآن پر اب اجارہ درست ہے پس اس کو مہر بنانا بھی درست ہے (یہ حدیث کی ایک اور توجیہ ہے)۔

[۲۱] باب ماجاء فی مُهُوْرِ النِّسَاءِ

[۱۰۹۴-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا يَحيىَ بنُ سَعِيدٍ، وعبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِيٍّ، ومُحَمّدُ بنُ جَعْفَرٍ، قَالُوْا: نَا شُعْبَةُ، عَنْ عَاصِمِ بنِ عُبَيْدِ اللهِ، قالَ: سَمِعْتُ عبدَ اللهِ بنَ عَامِرِ بنِ رَبِيْعَةَ، عن أَبِيْهِ: أَنَّ

امْرَأَةً مِنْ بَنِي فَزَارَةَ تزَوَّجتْ على نَعْلَيْنِ، فقالَ رَسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " أَرَضِيْتِ مِنْ نَفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ؟" قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: فَأَجَازَهُ.

وفي الباب: عَنْ عُمَرَ، وأَبِيْ هريرةَ، وسَهْلِ بنِ سَعْدٍ، وأَبِيْ سَعيدٍ، وأنسٍ، وعائشةَ، وجَابِرٍ، وأَبِي حَدْرَدٍ الأَسْلَمِيِّ؛ حديثُ عامِرِ بنِ رَبِيْعَةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

واختلَفَ أهلُ العلمِ في الْمَهْرِ: فَقَالَ بَعْضُهُمْ: المَهْرُ عَلَى مَا تَرَاضَوْا عَلَيْهِ، وَهُوَ قَوْلُ سفيَانَ الثَّوْرِيِّ والشَّافِعِيِّ وأحمدَ وإسحاقَ، وقَالَ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ: لاَيَكُوْنُ الْمَهْرُ أَقَلَّ مِنْ رُبْعِ دِيْنَارٍ، وقالَ بَعْضُ أهلِ الْكُوْفَةِ: لاَيَكُوْنُ الْمَهْرُ أَقَلَّ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ.

[۱۰۹۵-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيِّ الْخَلاَّلُ، نا إسحاقُ بنُ عيسىَ، وعبدُ اللهِ بنُ نَافِعٍ، قالاَ: نَا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عَنْ أَبِيْ حَازِمِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ سَهْلِ بنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم جَاءَ تْهُ امْرَأَةٌ فَقَالتْ: إِنِّي وَهَبْتُ نَفْسِيْ لَكَ، فَقَامَتْ طَوِيْلاً، فقالَ رَجُلٌ: يارسولَ اللهِ، زَوِّجْنِيْهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ، فَقَالَ:" هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا؟" فقالَ: مَا عِنْدِيْ إِلاَّ إِزَارِيْ هٰذَا. فقالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:" إِزَارُكَ إِنْ أَعْطَيْتَهَا جَلَسْتَ وَلاَ إِزَارَ لَكَ، فَالْتَمِسْ شَيْئًا" فقالَ: مَا أَجِدُ، قالَ:" الْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ"، قَالَ: فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا، فقالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:" هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرآنِ شَيْءٌ؟" قَالَ: نَعَمْ سُوْرَةُ كَذَا، وسُوْرَةُ كَذَا، بِسُوَرٍ سَمَّاهَا، فقالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:" زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ ذَهَبَ الشَّافِعِيُّ إِلَى هٰذَا الحديثِ، فقالَ: إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ يُصْدِقُهَا، فتَزَوَّجَهَا عَلَى سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ، فَالنِّكَاحُ جَائِزٌ، وَيُعَلِّمُهَا سُوْرَةً مِنَ الْقُرْآنِ، وقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: النِّكَاحُ جَائِزٌ، ويَجْعَلُ لَهَا صَدَاقَ مِثْلِهَا، وَهُوَ قَوْلُ أهلِ الْكُوْفَةِ، وأحمدَ وإسحاقَ.

ترجمہ: علماء کا مہر کے سلسلہ میں اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں: مہر وہ ہے جس پر میاں بیوی راضی ہو جائیں، اور یہ سفیان ثوری وغیرہ کا قول ہے۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں: مہر چوتھائی دینار سے کم نہیں ہوسکتا اور بعض اہل کوفہ کہتے ہیں: دس درہم سے کم نہیں ہوسکتا —— امام شافعی رحمہ اللہ اس حدیث (نمبر ۱۰۹۵) کی طرف گئے ہیں وہ فرماتے ہیں: اگر مرد کے پاس کچھ نہ ہو جس کو مہر میں دے، پس اس نے عورت سے قرآن کی کسی سورت کی تعلیم پر نکاح کرلیا تو نکاح درست ہے اور مرد عورت کو قرآن کی کوئی سورت سکھلائے، اور بعض اہل علم کہتے ہیں: نکاح (تو) درست ہے اور گردانے عورت کے لئے اس کی مانند عورتوں کا مہر، اور یہ اہل کوفہ اور احمد واسحاق کا قول ہے۔

تشریح: اگر بوقت نکاح مہر مقرر نہ ہوا ہو یا ایسی چیز مقرر کی گئی ہو جو مہر نہیں بن سکتی اور خلوت صحیحہ ہو جائے تو مہر مثل واجب ہوگا، یعنی منکوحہ عورت: حسن و جمال، تعلیم اور سلیقہ مندی وغیرہ میں خاندان کی جس عورت کے مشابہ ہو اس کا جو مہر ہے وہ ادا کیا جائے گا اور اگر اس کے خاندان کی عورتوں کا مہر مقرر ہے تو وہی مہر مثل ہوگا۔

[۱۰۹۶-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عنِ ابنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِي الْعَجْفَاءِ، قالَ: قالَ عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ: أَلاَ لاَ تُغَالُوْا صَدُقَةَ النِّسَاءِ، فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْ تَقْوَى عِنْدَ اللهِ: لَكَانَ أَوْلاَكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللهِ صلى الله عليه وسلم، مَا عَلِمْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم: نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ، وَلاَ أَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ، على أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوْقِيَّةً"

هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وأَبُو العَجْفَاءِ السُّلَمِيُّ: اسْمُهُ هَرِمٌ. والوُقِيَّةُ عندَ أهلِ العلمِ: أَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًا، وَثِنْتَا عَشْرَةَ وُقِيَّةً: هُوَ اَرْبَعُمِائَةٍ وَثَمَانُوْنَ دِرْهَمًا.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقریر میں فرمایا: سنو! عورتوں کے بھاری مہر مقرر مت کرو اس لئے کہ بھاری مہر اگر دنیا میں عزت کی بات اور اللہ کے نزدیک تقوی کی بات ہوتی تو تمہاری بہ نسبت اس کے زیادہ حق دار نبی ﷺ تھے، میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے بارہ اوقیہ سے زیادہ پر کسی بیوی سے نکاح کیا ہو اور نہ اپنی کسی صاحبزادی کا نکاح کرایا ــــــ حضرت عمرؓ نے عربوں کی عادت کے مطابق آدھے اوقیہ کو چھوڑ دیا ہے، آپؐ نے اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ مقرر فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس کا تذکرہ ہے (مشکوۃ حدیث ۳۲۰۳) اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے پس کل پانچ سو درہم ہوئے جن کی موجودہ وزن سے پندرہ سو تیس گرام چاندی ہوتی ہے۔

تشریح: ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر دوسری ازواج مطہرات سے زیادہ تھا، ابوداؤد کی روایت میں چار ہزار درہم ہے۔ اور دوسری روایات میں چار سو دینار ہے، اور دور نبوی میں دینار کی قیمت دس درہم تھی، پس ان میں کوئی تعارض نہیں۔ اور یہ مہر حضور اکرم ﷺ نے نہیں بلکہ شاہ حبشہ نجاشی رحمہ اللہ نے مقرر کیا تھا اور خود انھوں نے ہی یہ مہر ادا کیا تھا، آنحضور ﷺ نے تو اپنی ازواج اور صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم ہی مقرر کیا ہے اور یہ مقدار لوگوں کے احوال کے اعتبار سے معتد بہ مقدار ہے اور مہر کے سلسلہ میں مناسب بات یہ ہے کہ وہ نہ تو اتنا کم ہونا چاہئے کہ اس کی کچھ وقعت ہی نہ ہو اور نہ اتنا بھاری ہونا چاہئے کہ شوہر پر اس کی ادائیگی سخت دشوار ہو، پس معتدل مہر: مہر نبوی (مہر فاطمی) ہے، یعنی ۱۵۳۰ گرام چاندی یا بوقت ادائیگی اس کی جو بھی قیمت ہو وہ ادا کی جائے۔

بابُ ماجاءَ فی الرَّجُلِ یُعْتِقُ الْأَمَةَ ثُمَّ یتزوَّجُهَا

باندی کو آزاد کرے پھر اس سے نکاح کرے

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر مقرر کیا۔

تشریح: اس حدیث کی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اعتاق (آزاد کرنا) مہر بن سکتا ہے۔ اور امام اعظم، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک اعتاق مہر نہیں بن سکتا، وہ اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو دحیہ کلبیؓ سے واپس لے کر آزاد کیا تھا اور بدلہ میں ان کو سات غلام دیئے تھے (ابوداؤد ۲:۴۲۱ باب ماجاء فی سهم الصفی) یعنی ان غلاموں کو ان کا مہر بنایا تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ فتح خیبر کے بعد جب قیدی جمع کئے گئے تو حضرت دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت ﷺ سے ایک باندی کی درخواست کی۔ آپؐ نے ان کو اختیار دیا کہ جا کر ایک لونڈی لے لو، انھوں نے حضرت صفیہ کا انتخاب کیا، لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: صفیہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے سردار کی لڑکی اور دوسرے سردار کی بیوی ہے، وہ آپؐ کے سوا کسی اور کے لائق نہیں[1] چنانچہ آپؐ نے حضرت صفیہ کو عوض دے کر حضرت دحیہؓ سے لے لیا اور ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا، اور جو عوض حضرت دحیہ کلبیؓ کو دیا تھا اس کو مہر مقرر کیا۔ ثابت بنانی کہتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے ابوحمزہ! حضرت صفیہ کا مہر کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا: نَفْسُهَا اعتقها وتزوجها (بخاری حدیث ۴۱۷۱) یعنی ان کی ذات ان کا مہر تھا، ان کو آزاد کر دیا اور ان سے نکاح کر لیا۔ ان کی ذات ان کا مہر تھا، یعنی پہلے ان کی ذات کو عوض دے کر حاصل کیا، پھر باندی بن جانے کے بعد ان کو آزاد کر دیا اور ان سے نکاح کر لیا، پس مہر ان کی آزادی نہیں تھی، بلکہ وہ عوض تھا جو ادا کیا گیا[2]

اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بلا عوض ان کو آزاد کیا گیا، پھر انھوں نے اپنی ذات آنحضور ﷺ کو ہبہ کر دی، اس صورت میں آپؐ پر مہر کی ادائیگی ضروری نہیں، سورۃ الاحزاب آیت ۵۰ میں آپؐ کی چند خصوصیات بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے: ﴿وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ﴾ یعنی اگر کوئی مؤمن عورت اپنی ذات نبی ﷺ کو ہبہ کر دے اور آپؐ اس کو قبول فرمالیں تو وہ عورت آپؐ کے لئے حلال ہے یعنی اس سے بھی نکاح

---

(۱) حضرت صفیہ: حُیَیّ بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں اور ان کا شوہر کنانہ بن ابی الحُقیق بھی سردار تھا دونوں غزوۂ خیبر میں مقتول ہوئے تھے (۲) حضرت صفیہؓ کا واقعہ استبدال کا واقعہ تھا، اور حضرت جویریہؓ نے اپنے آقا سے کتابت کا معاملہ کیا تھا اور انھوں نے نبی ﷺ سے تعاون چاہا تھا، آپؐ نے ان کی مرضی سے بدل کتابت ادا فرمایا تھا اور اس کے عوض ان سے نکاح کیا تھا۔

ہوجاتا ہے اور آپؐ پر کوئی مہر واجب نہیں ہوتا۔

ملحوظہ: اس مسئلہ میں کہ اعتاق مہر نہیں بن سکتا: امام شافعی بڑے دواماموں کے ساتھ ہیں اور امام ترمذیؒ نے جو ان کا تذکرہ امام احمد رحمہ اللہ کے ساتھ کیا ہے: حافظ رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے (فتح الباری ۹:۱۲۹)

[۲۲] باب ماجاء فی الرجل یُعتِقُ الأمةَ ثم یتزوجها

[۱۰۹۷-] حدثنا قُتَیبَةُ، نا أبُو عَوَانَةَ، عن قَتَادَةَ، وعَبدِ العَزِیْزِ بنِ صُهَیْبٍ، عن أنَسِ بنِ مَالِكٍ: أنَّ رسولَ اللهِ صلی الله علیه وسلم أعْتَقَ صَفِیَّةَ، وجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا.

وفی الباب: عن صَفِیَّةَ، حدیثُ أنسٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، والعملُ عَلَی هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ مِنْ أصْحَابِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم وَغَیْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ وأحْمَدَ وإسحاق، وکَرِهَ بَعْضُ أهلِ العلمِ أنْ یَجْعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا، حَتّٰی یَجْعَلَ لَهَا مَهْرًا سِوَی العِتْقِ، والقَوْلُ الأوَّلُ أصَحُّ.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ میں سے اہل علم کا عمل ہے اور یہی شافعی احمد اور اسحاق کا قول ہے (امام شافعیؒ کی یہ رائے نہیں ہے) اور بعض اہل علم عتق کے مہر بنانے کو نادرست قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ عورت کے لئے عتق کے علاوہ مہر مقرر کرنا ضروری ہے۔ اور پہلا قول اصح ہے (اس لئے کہ قلم آپ کے ہاتھ میں ہے جو چاہیں لکھ دیں!)

بابُ ماجاءَ فی الْفَضْلِ فِیْ ذٰلِكَ

باندی کو آزاد کر کے اس سے شادی کرنے کا ثواب

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخصوں کو دوہرا اجر ملتا ہے، ایک: اس غلام کو جو اللہ کا اور اپنے مالک کا حق ادا کرتا ہے اس کو دوہرا اجر دیا جاتا ہے۔ دوسرا: اس شخص کو جس کے پاس خوبصورت باندی ہے، وہ اس کی تربیت کرتا ہے اور شاندار طریقہ پر تربیت کرتا ہے یعنی اس کو دین کی ضروری باتیں سکھلاتا ہے اور باسلیقہ بناتا ہے، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرتا ہے اور اس نے یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کیا ہے تو اس کو بھی دوہرا اجر ملتا ہے۔ اور تیسرا: اس شخص کو جو پہلی کتاب پر ایمان لایا، یعنی وہ اہل کتاب ہے، یہودی یا عیسائی ہے، پھر اس کے پاس آخری کتاب یعنی قرآن کریم آیا، پس وہ اس پر بھی ایمان لایا، یعنی اسلام قبول کیا تو اس کو بھی دوہرا اجر دیا جاتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں تین طرح کے لوگوں کو بشارت دی گئی ہے کہ ان کو اوروں کی بہ نسبت نیک عمل کا دوہرا اجر ملتا ہے:

ایک: وہ غلام، باندی جو اپنے آقا کا بھی حق ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کے احکام بھی بجالائیں ان کو دوہرا اجر اس وجہ سے ملتا ہے کہ غلاموں پر دینی اور دنیوی حیثیت سے آقا کی فرمانبرداری لازم ہے اور مالک حقیقی کے احکام کی اطاعت بھی ضروری ہے، پس جب انھوں نے دونوں فریضے انجام دیئے تو ان کو دوہرا اجر ملنا ہی چاہئے۔

دوسرا: وہ شخص ہے جو اپنی باندی کی اچھے ڈھنگ سے تربیت کرے پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرلے، وہ دوہرے اجر کا مستحق اس لئے ہے کہ وہ باندی کو آزاد کر کے نہ صرف انسانیت اور فطرت کے تقاضے کو پورا کرتا ہے بلکہ اسلامی اخلاق کے اعلیٰ اصول واقدار پر بھی عمل کرتا ہے، پھر انسانی ہمدردی، اسلامی مساوات اور بلند اخلاقی کا اس طرح ثبوت دیتا ہے کہ ایک ایسی عورت کو جو سماجی حیثیت سے کمتر، بے وقعت اور ذلیل تھی، اچھی تربیت، اعلیٰ تعلیم اور آزادی اور شادی کر کے گرانقدر دولت سے نواز کر معزز عورتوں کے برابر لا کھڑا کرتا ہے اس طرح وہ ایک طرف انسانیت اور اخلاق کے تقاضے پورے کرتا ہے اور دوسری طرف اسلامی تعلیم کی روح کو بھی اجاگر کرتا ہے، اس لئے اس ایثار کی بناء پر شریعت نے اس کو بھی دوہرے اجر کا مستحق قرار دیا۔

تیسرا: وہ یہودی یا عیسائی ہے جو حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہے، اس کو دوہرے اجر کی بشارت اس لئے دی گئی ہے کہ اس کا پہلے اپنی نبی کو پختہ دل سے ماننا اس نبی کی لائی ہوئی کتاب وشریعت پر عمل کرنا اور اس نبی سے اعتقادی وابستگی، پھر خاتم النبیین ﷺ کی رسالت ونبوت پر ایمان لانا اور اللہ کے آخری دین اسلام کی دعوت کو صدق دل سے قبول کرنا اس کے کمال انقیاد واطاعت اور فکری وذہنی سلامتی کی علامت ہے، اس لئے خصوصی انعام کے طور پر اس کو بھی دوہرا اجر ملے گا۔

فائدہ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: مذکورہ لوگوں کو ہر نیک عمل پر دوگنا ثواب ملتا ہے مثلاً کوئی دوسرا شخص کوئی بھی نیک عمل کرے تو اس کو عمومی بشارت کے تحت دس گنا ثواب ملے گا، لیکن ان تینوں کو اسی عمل پر بیس گنا ثواب ملے گا (مظاہر حق)

سوال: جب اہل کتاب صحابہ کو ہر عمل پر دوہرا ثواب ملے گا اور غیر اہل کتاب صحابہ کو اکہرا ثواب ملے گا تو اہل کتاب صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ جائیں گے، پس وہ افضل قرار پائیں گے حالانکہ صدیق اکبر کا مقام ومرتبہ سبھی صحابہ سے بلند ہے۔

جواب: یہ تفاضل یعنی مذکورہ تین شخصوں کو دوہرا اجر ملنا اصلی ثواب کے اعتبار سے ہے، فضلی (انعامی) ثواب کے اعتبار سے نہیں ہے یعنی ایک نماز پڑھنے پر ابو بکر صدیق کو جو اصلی ثواب ملے گا عبداللہ بن سلام کو اس کا دوگنا ملے گا، مگر اسی نماز کا جو فضلی ثواب ابو بکر کو ملے گا وہ عبداللہ بن سلام کے فضلی ثواب سے کہیں زیادہ ہوگا، اس لئے اصلی اور فضلی ثوابوں کے مجموعہ کے اعتبار سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے رہیں گے اور وہی افضل ہوں گے۔

[۲۳] باب ماجاء فی الفضل فی ذلك

[۱۰۹۸-] حدثنا هَنَّادٌ، نا عَلِيُّ بنُ مُسهِرٍ، عن الفَضْلِ بنِ يَزِيْدَ، عن الشَّعْبِيِّ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بنِ أَبِي مُوْسَى، عَنْ أَبِيْهِ، قالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "ثَلاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ: عَبْدٌ أَدَّى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ، فَذٰلِكَ يُؤْتَى أَجْرَهُ مَرَّتَيْنِ، وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ جَارِيَةٌ وَضِيْئَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ أَدَبَهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا، ثُمَّ تَزَوَّجَهَا، يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ، فَذٰلِكَ يُؤْتَى أَجْرَهُ مَرَّتَيْنِ، وَرَجُلٌ آمَنَ بِالْكِتَابِ الأَوَّلِ، ثُمَّ جَاءَهُ الْكِتَابُ الآخِرُ، فَآمَنَ بِهِ، فَذٰلِكَ يُؤْتَى أَجْرَهُ مَرَّتَيْنِ"

حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، نَا سفيانُ، عَنْ صَالِحِ بنِ صَالِحٍ - وَهُوَ ابْنُ حَيٍّ - عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عن أَبِي مُوْسَى، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ.

حديثُ أبي مُوسىَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وأَبُوْ بُرْدَةَ بنُ أَبِي مُوْسَى: اسْمُهُ عَامِرُ بنُ عبدِ اللهِ بنِ قَيْسٍ، وقَدْ رَوَى شُعْبَةُ والثَّوْرِيُّ عَنْ صَالِحِ بنِ صَالِحِ بنِ حَيٍّ هٰذَا الحديثَ.

بابُ ماجاء فی مَنْ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ ثُمَّ يُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا؛ هَلْ يَتَزَوَّجُ ابْنَتَهَا أَمْ لَا؟

ربیبہ سے نکاح کب جائز ہے اور کب ناجائز؟

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بھی شخص کسی عورت سے نکاح کرے، پھر اس سے صحبت کرے تو اس پر اس منکوحہ کی بیٹی حرام ہے، اور اگر بیوی سے صحبت نہیں کی (بلکہ صحبت کے بغیر ہی طلاق دیدی) تو اس کے لئے اس منکوحہ کی بیٹی حلال ہے۔ اور جو بھی شخص کسی عورت سے نکاح کرے پھر خواہ اس سے صحبت کرے یا نہ کرے (اور طلاق دیدے یا مرجائے) تو منکوحہ کی ماں اس کے لئے حرام ہے۔

تشریح: اس حدیث میں دو مسئلے ہیں: ایک ربیبہ کا۔ ربیبہ سوتیلی بیٹی کو کہتے ہیں، یعنی منکوحہ کی وہ لڑکی جو پہلے شوہر سے ہے، بیوی سے صحبت کرنے سے ربیبہ حرام ہوتی ہے اگر آدمی صحبت کئے بغیر بیوی کو طلاق دیدے تو ربیبہ سے نکاح حلال ہے۔ اور دوسرا مسئلہ ساس کا ہے۔ نکاح ہوتے ہی ساس حرام ہوجاتی ہے، خواہ اپنی بیوی سے صحبت کرے یا نہ کرے اور خواہ بیوی کو نکاح میں رکھے یا طلاق دیدے ہر صورت میں ساس حرام ہوجاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ مذکورہ حدیث ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس کو مثنی بن الصباح بھی عمرو بن شعیب سے روایت کرتا ہے مگر وہ بھی ضعیف ہے، مگر چونکہ یہ دونوں مسئلے قرآن میں صراحۃً مذکور ہیں اس لئے اتفاقی ہیں۔ سورۃ النساء آیت ۲۳ میں ہے: ﴿وَأُمَّهٰتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ

تَكُونُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ یعنی تم پر حرام کی گئیں تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی پہلے شوہر سے لڑکیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم نے صحبت کی ہے اور اگر تم نے صحبت نہیں کی تو تم پر ان سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اس آیت میں ساس کی حرمت بغیر قید کے بیان ہوئی ہے پس ساس سے تو نکاح مطلقاً حرام ہے خواہ مرد نے بیوی سے صحبت یا خلوت کی ہو یا نہ کی ہو، اور ربیبہ کی حرمت دخول کی قید کے ساتھ مقید ہے، پس صحبت کرنے کے بعد یا خلوت صحیحہ کے بعد ربیبہ حرام ہوگی، اگر کوئی صحبت یا خلوت صحیحہ سے پہلے بیوی کو طلاق دیدے یا وہ وفات پا جائے تو منکوحہ کی اس لڑکی سے جو دوسرے شوہر سے ہے نکاح جائز ہے۔

[۲٤] باب ماجاء فی من يتزوج المرأة ثم يطلقها قبل أن يدخل بها هل يتزوج ابنتها أم لا؟

[۱۰۹۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا ابنُ لَهِيْعَةَ، عن عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عن أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قالَ: "أَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَأَةً فَدَخَلَ بِهَا، فَلَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُ ابْنَتِهَا، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فَلْيَنْكِحِ ابْنَتَهَا، وأَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَأَةً فَدَخَلَ بِهَا أَوْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُ أُمِّهَا"

قال أبو عيسى: هذا حديثٌ لَايَصِحُّ مِنْ قِبَلِ إِسْنَادِهِ، وَإِنَّمَا رَوَاهُ ابنُ لَهِيْعَةَ وَالْمُثَنَّى بنُ الصَّبَّاحِ عن عَمْرِو بن شُعيبٍ، والمُثَنَّى بنُ الصَّبَّاحِ وابنُ لَهِيْعَةَ يُضَعَّفَانِ فِي الحديثِ.

والعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أهلِ العلمِ قَالُوْا: إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا حَلَّ لَهُ أَنْ يَنْكِحَ ابْنَتَهَا، وإِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الإبْنَةَ فَطَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا لَمْ يَحِلَّ لَهُ نِكَاحُ أُمِّهَا، لِقَوْلِ اللهِ تعالىٰ﴿ وأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وأحمدَ وإسحاق.

ترجمہ: اس حدیث پر اکثر علماء کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: جب آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا پھر اس کو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیدی تو اس کے لئے اس منکوحہ کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے، اور جب آدمی نے بیٹی سے شادی کی پھر اس کو اس کے شوہر نے صحبت سے پہلے طلاق دیدی تو اس کے لئے اس منکوحہ کی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی وجہ سے الی آخرہ۔

بابُ ماجاءَ فی مَنْ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَيَتَزَوَّجُهَا آخَرُ فَيُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا

مطلقہ ثلاثہ سے دوسرا شوہر وطی کرے جبھی وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہے

اگر کسی عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دیدے تو قرآن کریم میں صراحت ہے کہ تیسری طلاق کے بعد وہ عورت

جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے، پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ اس آیت میں جو لفظ نکاح ہے وہ شرعی معنی میں ہے یا لغوی معنی میں؟ لغت میں نکاح کے معنی ہیں وطی، لیکن زنا میں جو وطی ہوتی ہے اس کو نکاح نہیں کہیں گے بلکہ نکاح صحیح کے بعد جو وطی ہوتی ہے اس کو نکاح کہیں گے، اور شریعت میں نکاح بمعنی ایجاب وقبول ہے، اور حضرت رفاعۃ قرظی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں نبی ﷺ نے اس آیت کی وضاحت فرمائی ہے کہ آیت میں نکاح شرعی اور نکاح لغوی دونوں مراد ہیں، صرف نکاح شرعی سے مطلقہ مغلظہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی، اس لئے کہ نکاح ثانی کی شرط لگانے کا مقصد پہلے شوہر کو عار دلانا ہے تا کہ لوگ تیسری طلاق دینے سے رکیں، اور مرد کو عار اسی صورت میں لاحق ہوگا جب اس کی عورت سے دوسرا شوہر وطی کرے، صرف ایجاب وقبول سے مرد کو کوئی خاص عار لاحق نہیں ہوگا، کیونکہ وہ صرف زبانی جمع خرچ ہے۔

حدیث: رفاعہ قرظی نامی صحابی نے اپنی عورت کو طلاق مغلظہ (تین طلاقیں) دیں، بیوی نے دوسری جگہ نکاح کرلیا مگر وہاں معاملہ ٹھیک نہیں تھا، چنانچہ اس نے آکر نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میں پہلے رفاعہؓ کے پاس تھی، پس اس نے میری طلاق کو قطعی کردیا یعنی مجھے تین طلاقیں دیدیں پھر میں نے عبدالرحمٰن بن الزَّبیرؓ سے نکاح کیا مگر اس کے پاس کپڑے کے پُھندنے کے مانند ہے۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئی، آنحضور ﷺ اس کا ارادہ سمجھ گئے، آپؐ نے فرمایا: کیا تم رفاعہ کی طرف لوٹنا چاہتی ہو؟ جب تک دوسرا شوہر تمہارا کچھ شہد نہ چکھے اور تم اس کا کچھ شہد نہ چکھو پہلے شوہر کی طرف نہیں لوٹ سکتیں"

اس واقعہ میں نبی ﷺ نے آیت کریمہ کی تفسیر کی ہے کہ آیت میں صرف نکاح شرعی مراد نہیں بلکہ نکاح لغوی کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے، پس شوہر ثانی سے کچھ نہ کچھ صحبت ضروری ہے، اگرچہ وہ غیبوبت حشفہ کی حد تک ہو اور چاہے ادخال کے بعد انزال نہ ہو، اس کے بغیر عورت شوہر اول کے لئے حلال نہ ہوگی۔

[۲۵] بابُ ماجاءَ في مَنْ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فيتزوَّجُها آخرُ فيُطَلِّقُها قبلَ أنْ يَدْخُلَ بِها

[۱۱۰۰-] حدثنا ابنُ أبي عُمَرَ، وإسحاقُ بنُ منصورٍ، قالا: نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عن الزُّهْرِيِّ، عن عُرْوَةَ، عن عائشةَ، قَالَتْ: جاءَتِ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ إلى رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَتْ: إِنِّي كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ، فَطَلَّقَنِي، فَبَتَّ طَلَاقِي، فتزوَّجْتُ عبدَ الرحمنِ بنِ الزَّبِيْرِ، وَمَا مَعَهُ إِلَّا مِثْلَ هُدْبَةِ الثَّوْبِ، فقالَ: "أَتُرِيْدِيْنَ أَنْ تَرْجِعِيْ إِلَى رِفَاعَةَ؟ لَا! حَتَّى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ"

وفي الباب: عن ابنِ عُمَرَ، وأنسٍ، والرُّمَيْصَا أو الغُمَيْصَا، وأبي هريرةَ، حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغيرِهِمْ أَنَّ

الرَّجُلَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا فَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ فَطَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا: أَنَّهَا لاَتَحِلُّ لِلزَّوْجِ الأَوَّلِ، إِذَا لَمْ يَكُنْ جَامَعَهَا الزَّوْجُ الآخَرُ.

ترجمہ: اس حدیث پر تمام صحابہ وغیرہ کا عمل ہے (یعنی یہ مسئلہ اجماعی ہے) کہ آدمی جب اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے پس اس عورت نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا اور اس دوسرے شوہر نے اس کو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیدی تو وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں، اگر اس کے ساتھ پہلے شوہر نے وطی نہیں کی۔

نوٹ: رمیصا یا غمیصا: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ہے اور کنیت ام سلیم ہے۔

بابُ ماجاء فی المُحِلِّ و المُحَلَّلِ لَهُ

حلالہ کرنے کرانے والوں پر لعنت!

مُحِلّ: (اسم فاعل) کے معنی ہیں: حلال کرنے والا، یعنی دوسرا شوہر۔ اور مُحلَّل (اسم مفعول) لَهٗ کے معنی ہیں: جس کے لئے حلال کی گئی، یعنی پہلا شوہر —— حلالہ کی چار صورتیں ہیں اور ان کے احکام مختلف ہیں، جو درج ذیل ہیں:

پہلی صورت: کوئی شخص مطلقہ مغلظہ کو یا اس کے شوہر کو یا دونوں کو پریشان دیکھ کر ذہن میں پلان بنائے جس سے نہ پہلا شوہر واقف ہو نہ عورت، اور وہ اس عورت سے نکاح کرے اور وطی کرنے کے بعد طلاق دیدے تاکہ وہ عدت کے بعد پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے، یہ صورت نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض اکابر سے ایسا کرنا ثابت ہے۔

دوسری صورت: کسی مرد نے خالی الذہن ہو کر مطلقہ ثلاثہ سے نکاح کیا پھر اتفاق سے زوجین میں موافقت نہ ہوئی اور مرد نے صحبت کرنے کے بعد طلاق دیدی یا اس کا انتقال ہو گیا تو عورت عدت کے بعد پہلے شوہر کے لئے حلال ہے۔ اور اس صورت میں بھی کوئی قباحت نہیں، کیونکہ اس صورت میں تحلیل کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، دوسرے شوہر نے ہمیشہ کے لئے نکاح کیا تھا۔

تیسری صورت: زیر زمین اسکیم تیار کی گئی جس کے مطابق صحبت کر کے طلاق دیدی تاکہ وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے، اس صورت کا حدیث میں ذکر ہے، نبی ﷺ نے دونوں شوہروں پر لعنت بھیجی ہے اور دوسری حدیث میں دوسرے شوہر کو ''مستعار بکرا'' کہا ہے، پس یہ نہایت مکروہ عمل ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔

رہی یہ بات کہ اس صورت میں عورت حلال ہوگی یا نہیں؟ غیر مقلدین کہتے ہیں: عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی، کیونکہ یہ لعنت کا کام ہے پس اس سے عورت کیسے حلال ہو سکتی ہے؟ اور ائمہ اربعہ کے نزدیک اگرچہ یہ لعنت کا کام ہے مگر عورت حلال ہو جائے گی کیونکہ نبی ﷺ نے دونوں شوہروں کو مُحِلّ اور مُحَلَّلٌ لَهٗ کہا ہے۔ ان لفظوں میں اشارہ ہے کہ اس لعنت والے کام سے بھی عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔

چوتھی صورت: تحلیل کی شرط کے ساتھ ایجاب وقبول کیا جائے مثلاً: یہ کہا جائے کہ یہ عورت تحلیل کے لئے تمہارے نکاح میں دی جاتی ہے، یا یہ عورت تمہارے نکاح میں اس شرط کے ساتھ دی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ صحبت کر کے تم اس کو طلاق دیدو، مرد نے قبول کیا۔ اس صورت میں اختلاف ہے: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک نکاح درست ہوگیا اور ہمیشہ کے لئے ہوگیا اور شرط باطل ہے، جی چاہے تو طلاق دے اور نہ چاہے تو نہ دے، پھر اگر صحبت کرنے کے بعد طلاق دیدی تو عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگئی، اور یہ صورت حدیث کا اعلیٰ مصداق ہے اس لئے مکروہ تحریمی اور گناہ کبیرہ ہے۔ پس اس صورت میں بھی دونوں شوہروں پر، عورت پر اور شرکائے مجلس پر بدرجۂ اولیٰ لعنت ہوگی۔ دیگر ائمہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہیں، پس حلالہ نہیں ہوگا۔

اور اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ افعال شرعیہ کی نہی میں احناف کے نزدیک مشروعیت کا پہلو باقی رہتا ہے کیونکہ نہی کی دو قسمیں ہیں: ایک: افعال حسیہ کی نہی، دوسری: افعال شرعیہ کی نہی۔ پہلی صورت میں اجماع ہے کہ اس میں مشروعیت باقی نہیں رہتی، اور دوسری صورت میں اختلاف ہے: احناف کے نزدیک اس میں مشروعیت کا پہلو باقی رہتا ہے، جیسے جمعہ کی اذان کے بعد خرید وفروخت کرنا ممنوع ہے یہ افعال شرعیہ کی نہی ہے، پس اگر جمعہ کی اذان کے بعد کوئی شخص خرید وفروخت کرے تو کراہت تحریمی کے ساتھ بیع صحیح ہو جائے گی، یا جیسے حدیث میں ارض مغصوبہ میں نماز کی ممانعت آئی ہے یہ بھی افعال شرعیہ کی نہی ہے، پس اگر کوئی ارض مغصوبہ میں نماز پڑھے تو فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور نماز پڑھنے والا گناہ گار ہوگا۔ اسی طرح نکاح بھی افعال شرعیہ میں سے ہے اور جب نبی ﷺ نے تحلیل کی شرط کے ساتھ نکاح کرنے والے پر لعنت بھیجی تو اس میں جواز کا پہلو باقی رہے گا، جیسے نکاح شغار سے نبی ﷺ نے منع کیا تو حنفیہ وہاں بھی یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسا نکاح کرے تو نکاح ہو جائے گا، اسی طرح یہاں بھی تحلیل کی شرط کے ساتھ کیا ہوا نکاح ہوگیا اور شرط باطل ٹھہری، پس صحبت کے بعد طلاق دینے سے حلالہ ہو جائے گا۔ دیگر ائمہ کے نزدیک افعال شرعیہ کی نہی میں بھی افعالِ حسیہ کی نہی کی طرح مشروعیت کا پہلو باقی نہیں رہتا اس لئے مذکورہ صورت میں نکاح نہیں ہوگا، پس حلالہ بھی نہیں ہوگا۔

ملحوظہ: یہ صورت چہارم تو عام طور پر پیش نہیں آتی، صورت سوم ہی پیش آتی ہے اور اس میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ نکاح ہو جاتا ہے اور تحلیل بھی ہو جاتی ہے۔

فائدہ: غیر مقلدین اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں جس کام پر لعنت آئی ہے احناف اس کی تبلیغ عام کرتے ہیں ہر مفتی حلالہ کی بات ضرور لکھتا ہے، چاہے سائل نے اس کے بارے میں پوچھا ہو یا نہ پوچھا ہو، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ حلالہ کا تذکرہ تو قرآن کریم میں ہے: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (سورۃ البقرہ آیت ۲۳۰) یعنی پھر اگر شوہر اس عورت کو (دو طلاقوں کے بعد) تیسری طلاق دیدے تو وہ عورت اس شوہر کے لئے اس

تیسری طلاق کے بعد حلال نہیں تا آنکہ وہ اس کے علاوہ شوہر سے نکاح کرے۔ یہی تو حلالہ ہے! پس جو چیز قرآن میں ہے اگر وہ بات لوگوں کو بتائی جائے تو کیوں غلط ہے؟ البتہ بلا وجہ ہر فتوی میں لکھنا کہ اب حلالہ کے بعد ہی عورت حلال ہوگی: مناسب نہیں، یہ لوگوں کو لعنت والے کام کا راستہ دکھانا ہے، مگر غیر مقلدین نے اس کا جو حل تجویز کیا ہے وہ اس سے بھی برا ہے، وہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے، بلکہ گمراہی ہے، ان کی یہ بات قرآن وحدیث اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ اس سے بہتر تو حلالہ والی بات ہے۔

ملحوظہ: باب کی حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے اور امام ترمذیؒ نے جو سند پر بحث کی ہے وہ خاص سند کے اعتبار سے ہے۔

[۲۶] بابُ ماجاء فی المُحِلِّ والمُحَلَّلِ لَهُ

[۱۱۰۱-] حدثنا أَبُوْ سَعِيْدٍ الْأَشَجُّ، نا أَشْعَثُ بنُ عبدِ الرحمنِ بنِ زُبَيْدٍ الْأَيَامِيُّ، نا مُجَالِدٌ، عن الشَّعْبِيِّ، عن جَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ؛ وَعَنِ الْحَارِثِ، عن عَلِيٍّ، قالا: إِنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَعَنَ الْمُحِلَّ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ.

وفي الباب: عن ابنِ مَسْعُوْدٍ، وأَبِيْ هُرَيرةَ، وعُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ، وابنِ عبَّاسٍ.

قال ابو عيسى: حديثُ عَلِيٍّ وَجَابِرٍ حديثٌ مَعْلُوْلٌ، وهٰكَذَا رَوَى أَشْعَثُ بنُ عَبْدِ الرحمنِ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنْ عَامِرٍ، عن الْحَارِثِ، عن عَلِيٍّ، وعَامِرٍ، عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللهِ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم.

وهٰذَا حديثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَائِمِ، لِأَنَّ مُجَالِدَ بنَ سَعِيدٍ قَدْ ضَعَّفَهُ بَعْضُ أهلِ العلمِ، مِنْهُمْ أَحْمَدُ بنُ حَنْبَلٍ.

وَرَوَى عبدُ اللهِ بنُ نُمَيْرٍ هٰذا الحديثَ عَنْ مُجَالِدٍ، عَنْ عَامِرٍ، عن جَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ، عَن عَلِيٍّ، وهٰذَا قَدْ وَهِمَ فِيْهِ ابنُ نُمَيْرٍ، والحديثُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

وقَدْ رَوَاهُ مُغِيْرَةُ وابنُ أَبِيْ خَالِدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عن الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ.

[۱۱۰۲-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلَانَ، نا أَبُوْ أحمدَ، نا سُفيانُ، عن أَبِيْ قَيْسٍ، عَنْ هُزَيْلِ بنِ شُرَحْبِيلَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: لَعَنَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْمُحِلَّ والمُحَلَّلَ لَهُ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَأَبُوْ قَيْسٍ الْأَوْدِيُّ: اسْمُهُ عبدُ الرحمنِ بنُ ثَرْوَانَ، وقَدْ رُوِيَ هٰذَا الحديثُ عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ.

والعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أهلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، مِنْهُمْ: عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ، وَعُثْمَانُ بنُ عَفَّانَ، وعَبْدُ اللهِ بنُ عُمَرَ وغَيْرُهُمْ، وَهُوَ قَوْلُ الْفُقَهَاءِ مِنَ التَّابِعِيْنَ، وَبِهِ يَقُوْلُ سُفيانُ الثَّوْرِيُّ، وابنُ الْمُبَارَكِ، والشَّافِعِيُّ، وأحمدُ، وإسحاقُ.

وَسَمِعْتُ الْجَارُوْدَ يَذْكُرُ عَنْ وَكِيْعٍ أَنَّهُ قَالَ بِهٰذَا، وقَالَ: يَنْبَغِي أَنْ يُرْمَى بِهٰذَا الْبَابِ مِنْ قَوْلِ أَصْحَابِ الرَّأْيِ.

قَالَ وَكِيْعٌ: وقَالَ سُفيانُ: إِذَا تَزَوَّجَ الْمَرْأَةَ لِيُحَلِّلَهَا ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يُمْسِكَهَا، فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُمْسِكَهَا حَتَّى يَتَزَوَّجَهَا بِنِكَاحٍ جَدِيْدٍ.

وضاحت: یہ حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہے اس پر لعنت فرمائی ہے، یہ حدیث حضرت علی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، پھر امام عامر شعبی رحمہ اللہ حدیث کو براہ راست حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں اور حضرت علیؓ سے بواسطہ حارث اعور روایت کرتے ہیں جو ضعیف راوی ہے۔ اور امام شعبیؒ سے مجالد اور اس سے اشعث بن عبد الرحمٰن روایت کرتا ہے اور مجالد ضعیف راوی ہے اور مجالد سے عبید اللہ بن نُمیر بھی اس حدیث کو روایت کرتا ہے مگر اس کی سند غلط ہے وہ عن جابر عن علی کہہ کر سند ایک کر دیتا ہے، حالانکہ مغیرہ اور ابن ابی خالد وغیرہ دونوں سندیں الگ الگ کرتے ہیں، عامر شعبیؒ حضرت جابرؓ سے بلا واسطہ اور حضرت علیؓ سے بواسطہ حارث روایت کرتے ہیں۔

ترجمہ: وکیع رحمہ اللہ نے فرمایا: مناسب ہے کہ اس باب کی حدیث سے اصحاب الرائے کے قول کو مارا جائے (یعنی امام اعظم رحمہ اللہ جو فرماتے ہیں کہ تحلیل کی شرط سے کیا ہوا نکاح صحیح ہے اور شرط باطل ہے، اس حدیث سے ان پر اعتراض کیا جائے) وکیع کہتے ہیں: سفیان ثوریؒ نے فرمایا: جب آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا تا کہ اس کو شوہر اول کے لئے حلال کرے پھر اس کا ارادہ بدل گیا، وہ اس عورت کو نکاح میں باقی رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اس عورت کو روکنا جائز نہیں تا آنکہ اس سے نیا نکاح کرے (ثوریؒ کا یہ قول دلیل ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے غلط ہے، وہ نکاح ہوا ہی نہیں)

تشریح: معاملات میں بعض معاملے ایسے ہیں جو ہونے کے بعد ختم ہو سکتے ہیں، یعنی ان کا اقالہ ہو سکتا ہے، مثلاً کوئی چیز خریدی یا بیچی پھر متعاقدین اقالہ کرنا چاہیں یعنی باہمی رضامندی سے بیع ختم کرنا چاہیں تو ختم کر سکتے ہیں۔ مضاربت اور اجارہ وغیرہ کا بھی یہی حال ہے، یہ معاملات جو ہونے کے بعد ختم ہو سکتے ہیں ''بیوع'' کہلاتے ہیں ان میں اگر شرط فاسد لگے گی تو معاملہ فاسد ہو جائے گا اور دیگر معاملات وہ ہیں جن میں اقالہ نہیں ہو سکتا، بات منہ سے نکل گئی: نکل گئی، اب ختم نہیں ہو سکتی، جیسے طلاق، عتاق اور قسم وغیرہ۔ اس قسم کے معاملات ''یمین'' کہلاتے ہیں، ان میں اگر شرط فاسد لگے گی تو وہ شرط خود فاسد ہو جائے گی، اور معاملہ صحیح رہے گا۔ اور نکاح از قبیل ایمان ہے از قبیل بیوع نہیں ہے، پس اگر تحلیل کی شرط کے ساتھ نکاح کیا گیا تو چونکہ یہ شرط فاسد ہے اس لئے شرط خود باطل ہو جائے گی اور نکاح نافذ ہو جائے گا۔ اب اگر سفیان ثوریؒ نے اس کے خلاف کوئی بات کہی ہے تو وہ امام اعظم رحمہ اللہ پر حجت نہیں

ہوسکتی، امام اعظم کا مقام سفیان ثوری سے بہت بلند ہے، وہ اکثر مسائل میں امام اعظمؒ کے قول پر فتوی دیتے تھے، البتہ بعض مسائل میں ان کی رائے الگ تھی جیسا کہ ابن المبارک کی بھی بعض مسائل میں رائے الگ تھی۔ اگر امام اعظمؒ پر حجت قائم کرنی ہے تو صحابہ یا اکابر تابعین میں سے کسی کا قول پیش کرنا چاہئے تھا، پس وکیعؒ کی بات بے وزن ہے یہ تو اجتہادی مسئلہ ہے اور اجتہادی مسائل میں آراء کا اختلاف ناگزیر ہے۔

بَابُ ماجاءَ فِی نِکَاحِ الْمُتْعَةِ

نکاح متعہ کا بیان

نکاح متعہ کے معنی ہیں: کچھ مدت کے لئے نکاح کرنا، اور نکاح موقّت نکاح متعہ ہی ہوتا ہے، صرف نام کا فرق ہے۔ اگر ایجاب وقبول میں لفظ متعہ استعمال کیا گیا تو وہ نکاح متعہ ہے اور اگر وقت کی تحدید کی گئی کہ اتنے دن، اتنے مہینے یا اتنے سالوں کے لئے نکاح کرتا ہے تو وہ نکاح موقت ہے۔ نکاح متعہ اور نکاح موقت بالاجماع حرام ہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ صرف اثنا عشری شیعہ اختلاف کرتے ہیں، ان کے یہاں متعہ نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض راتوں میں متعہ بڑا کارِ ثواب ہے۔ ان کے علاوہ پوری امت متفق ہے کہ متعہ حرام ہے۔ دور اول میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک زمانہ تک متعہ کو جائز کہتے تھے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے حدیث بیان کی کہ جنگ خیبر کے موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذریعہ متعہ کی حرمت کا اعلان کرایا ہے تو ابن عباسؓ نے اپنے قول سے رجوع کرلیا، پس دور اول سے یہ مسئلہ اجماعی چلا آرہا ہے۔

حدیث (۱): حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقع پر عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے (متعة النساء کی قید متعة الحج کو نکالنے کے لئے ہے، متعة الحج یعنی حج تمتع جائز ہے) اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا (الحمر الأهلية: کی قید سے گورخر نکل گیا وہ جنگلی گدھا ہے، اس کا گوشت حلال ہے)

حدیث (۲): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: شروع اسلام میں متعہ جائز تھا (متعہ کا رواج زمانہ جاہلیت سے چلا آرہا تھا، اسلام نے دورِ اول میں اس کو باقی رکھا تھا) جب کوئی شخص کسی اجنبی شہر میں وارد ہوتا جہاں اس کی کوئی جان پہچان نہیں ہوتی تھی تو اس کا وہاں جتنے دن ٹھہرنے کا ارادہ ہوتا اتنے دن کے لئے کسی عورت سے نکاح کرلیتا تاکہ وہ اس کے گھر میں قیام کرے، پس وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کی چیزوں کو سنوارتی، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ یعنی فلاح پانے والے مسلمان وہ ہیں جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اپنی بیویوں سے یا اپنی باندیوں سے، پس ان پر کچھ الزام نہیں (سورۃ المؤمنون آیت ۶، سورۃ المعارج آیت ۳۰) اس آیت کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی حرمت کا اعلان

کرایا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "اب ہر شرم گاہ جوان کے علاوہ ہے حرام ہے"

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث میں اشارہ ہے کہ متعہ خانگی مصالح کے پیش نظر کیا جاتا تھا، شرمگاہ کو کرائے پر لینا نہیں تھا کیونکہ یہ بات انسانی اقدار کے خلاف ہے اور ایسی بے شرمی کی بات ہے جسے فطرت سلیمہ ٹھکراتی ہے۔ پھر بعد میں تین وجوہ سے متعہ کی ممانعت کی گئی:

پہلی وجہ: پہلے متعہ حسب سابق چلتا رہا، پھر بعد میں عام طور پر متعہ کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ممانعت کردی گئی، کیونکہ نکاح سے باحسن وجوہ انسان کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے۔

دوسری وجہ: متعہ میں دوخرابیاں ہیں:

پہلی خرابی: اس سے نسب میں اختلاط واقع ہوتا تھا، کیونکہ متعہ کی مدت گذرنے کے بعد عورت مرد کے قابو سے نکل جاتی ہے، اب وہ خود مختار ہے، پس وہ کیا کرے گی اس کی کچھ خبر نہیں، اور اس کو عدت گذارنے کا حکم نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ نکاح صحیح میں جو ہمیشہ کے لئے کیا جاتا ہے عدت کا انضباط دشوار ہے، پس متعہ میں عدت کی تعیین کیسے کی جائے گی!

دوسری خرابی: اگر متعہ کا رواج چل پڑے گا تو نکاح صحیح کا سلسلہ ختم ہوجائے گا، کیونکہ عام طور پر لوگ نکاح قضائے شہوت کے لئے کرتے ہیں، پس جب لوگوں کی ضرورت متعہ سے پوری ہوجائے گی تو نکاح کیوں کریں گے ان دو وجوہ سے متعہ کی ممانعت کی گئی۔

تیسری وجہ: نکاح اور زنا میں مابہ الامتیاز دو باتیں ہیں، ایک: زنا عارضی معاملہ ہوتا ہے اور نکاح دائمی رفاقت ومعاونت ہوتی ہے، دوم: زنا میں عورت کا کسی مرد کے ساتھ اختصاص نہیں ہوتا اور نکاح میں تمام لوگوں کے روبرو عورت میں منازعت ختم کردی جاتی ہے اور متعہ میں زنا والی دونوں باتیں پائی جاتی ہیں وہ بھی ایک عارضی معاملہ ہوتا ہے اور اس میں بھی عورت کسی کے لئے خاص نہیں ہوتی اس لئے اس کی ممانعت کردی گئی۔

سوال: حنفیہ نے اپنے اصول پر متعہ کو جائز کیوں نہیں کہا؟ ان کا اصول یہ ہے کہ ایمان میں شرط باطل ہوجاتی ہے اور عقد صحیح ہوجاتا ہے، پس مدت کی تعیین باطل ہوجانی چاہئے اور اصل نکاح صحیح ہوجانا چاہئے!

جواب: متعہ: عقد میں شرط فاسد کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ انقلابِ ماہیت ہے۔ نکاح کی ماہیت اور ہے اور متعہ کی ماہیت اور ہے، آگے نکاح شغار کا مسئلہ آرہا ہے وہ نکاح میں شرط فاسد کا معاملہ ہے، اس میں ایک عورت کی فرج کو دوسری کا مہر مقرر کیا جاتا ہے، اور مہر: ماہیت نکاح سے خارج ہے، وہ شرط زائد ہے۔ اس لئے وہ شرط لغو ہوجاتی ہے اور نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور یہاں دائمی نکاح اور ہے اور وہی اسلامی نکاح ہے اور وقتی نکاح اور ہے، وہ جاہلیت کے نکاحوں میں سے ایک نکاح ہے جو اسلام میں حرام ہے، غرض متعہ کی ماہیت: اسلامی نکاح سے بالکل مختلف ہے، پس یہ اسلامی نکاح مع شرط باطل کا مسئلہ نہیں ہے۔

[۲۷] باب ماجاء في نكاح المتعة

[۱۱۰۳-] حدثنا ابنُ أَبِي عُمَرَ، نا سُفيانُ، عن الزُّهرِيِّ، عن عبدِ اللهِ، والحَسَنِ ابْنَيْ مُحمّدِ بنِ عَلِيٍّ، عن أَبِيهِمَا، عن عَلِيِّ بنِ أَبِي طَالِبٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ، وعَنْ لُحُومِ الحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ.

وفي الباب: عن سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ، وأبي هريرة، حديثُ عَلِيٍّ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعَمَلُ على هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ، وإِنَّمَا رُوِيَ عَنِ ابنِ عبّاسٍ شَيْئٌ مِنَ الرُّخصَةِ فِي الْمُتْعَةِ، ثُمَّ رَجَعَ عَنْ قَوْلِهِ، حَيثُ أُخبِرَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وأَمْرُ أَكْثَرِ أَهْلِ العلمِ عَلَى تَحْرِيمِ الْمُتْعَةِ، وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وابنِ الْمُبَارَكِ والشَّافِعِيِّ وأحمدَ وإسحاق.

[۱۱۰۴-] حدثنا محمودُ بنُ غَيْلاَنَ، نا سُفيانُ بنُ عُقْبَةَ - أَخُوْ قَبِيصَةَ بنِ عُقْبَةَ- نَا سُفيانُ الثَّورِيُّ، عَنْ مُوْسَى بنِ عُبَيْدَةَ، عن مُحمّدِ بنِ كَعْبٍ، عن ابنِ عباسٍ قالَ: إِنَّمَا كَانَتِ الْمُتعَةُ فِي أَوَّلِ الإِسْلَامِ: كَانَ الرَّجُلُ يَقْدَمُ الْبَلْدَةَ، لَيسَ لَهُ بِهَا مَعْرِفَةٌ، فَيَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ بِقَدْرِ مَا يَرَى أَنَّهُ يُقِيمُ، فَتَحفَظُ لَهُ مَتَاعَهُ، وتُصْلِحُ لَهُ شَيْأَهُ، حَتَّى إِذَا نَزَلَتِ الآيَةُ ﴿إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَامَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ قالَ ابنُ عبّاسٍ: فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَاهُمَا فَهُوَ حَرَامٌ.

ترجمہ: ابن عباسؓ سے متعہ کے جواز کے سلسلہ میں کچھ مروی ہے، پھر انھوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا جب ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی حدیث سنائی، اور اکثر علماء کا مذہب متعہ کی حرمت ہے۔

بابُ ماجاءَ مِنَ النَّهْيِ عن نِكَاحِ الشِّغَارِ

نکاح شغار کی ممانعت

نکاح شغار: یہ ہے کہ دو شخص ایک دوسرے سے اپنی بیٹی یا بہن یا زیر تحویل عورت کا نکاح کریں اور ان کی شرم گاہوں کو ایک دوسرے کا مہر مقرر کریں، دوسرا کچھ مہر نہ ہو، اور اس طرح ایجاب وقبول کریں کہ میں نے اپنی فلاں بیٹی یا بہن کو تمہارے نکاح میں دیا اس شرط سے کہ تم اپنی فلاں بیٹی یا بہن کو میرے نکاح میں دو، دوسرا قبول کرے تو یہ نکاح شغار ہے اور ممنوع ہے، اسلام نے اس کی ممانعت کی ہے ـــــ لیکن اگر کوئی ایسا نکاح کرے تو کیا حکم ہے؟ حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی اور دونوں کا مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ نکاح اَیمان (قسموں) میں سے ہے اور ایمان میں شرط خود فاسد ہوجاتی ہے اور معاملہ صحیح ہوجاتا ہے، تفصیل گذشتہ سے پیوستہ باب میں گذر چکی ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہیں، مہر مقرر کرکے از سرِ نو نکاح کرنا ضروری ہے۔

اور حدیث شریف میں تین مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: جَلَب اور جَنَب جائز نہیں۔ جلب (مصدر) کے لغوی معنی ہیں: کھینچنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا (بابُ نصر) اور جَنَب (مصدر) کے لغوی معنی ہیں: دور ہونا، الگ ہونا (بابُ سمع) اور کتاب الزکوٰۃ میں جَنَب یہ ہے کہ لوگ زکوٰۃ کی وصولی کرنے والے کو پریشان کرنے کے لئے اموالِ زکات (مویشی) لے کر دور چلے جائیں۔ اور جَلَب یہ ہے کہ ساعی لوگوں کو حکم دے کہ وہ قابل زکوٰۃ اموال اس کے پاس لائیں۔ یہ دونوں باتیں جائز نہیں۔ مصدّق کی ذمہ داری ہے کہ وہ جنگل میں جا کر زکوٰۃ وصول کرے، اور لوگ اپنی جگہ ٹھہریں، دور نہ چلے جائیں۔

اور رِہان (دوڑ کی بازی) میں جلب کے معنی ہیں: گھوڑے کو ہنٹر لگوانا تا کہ گھوڑا تیز ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا کیونکہ یہ چار سو بیسی ہے۔ اور جنب کے معنی ہیں: دوڑ میں گھوڑ سوار کا اپنے گھوڑے کے پہلو میں دوسرا گھوڑا رکھنا تا کہ جب پہلا گھوڑا تھک جائے تو وہ دوسرے پر آ جائے، نبی ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا جیسے آج کل کھیل ہوتے ہیں ان کا اصول یہ ہے کہ کوئی کھلاڑی نشلی دواء کھا کر میدان میں نہیں اتر سکتا، اسی طرح یہاں بھی اگر گھوڑے کو کوڑا مروا کر یا گھوڑا بدل کر جیتے گا تو یہ دوسرے کے حق پر ڈاکا ڈالنا ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں۔

دوسرا مسئلہ: اسلام میں نکاح شغار نہیں کیونکہ اس میں جو عورتوں کی شرم گاہوں کو ایک دوسرے کا مہر مقرر کیا جاتا ہے تو یہ ان عورتوں کا حق مارنا ہے، کوئی باپ یا بھائی اپنی بیٹی یا بہن کی شرم گاہ کا مالک نہیں، پس اس کو مہر کیسے بنا سکتا ہے یہ ان کے حق میں ڈاکا ڈالنا ہے۔

تیسرا مسئلہ: جو شخص کسی بھی طرح کی کوئی لوٹ مچائے جیسے مالِ غنیمت لوٹے وہ اچھا مسلمان نہیں اور پہلے دونوں حکم بھی اسی قبیل سے ہیں، اس لئے ممنوع ہیں، لیس منا کا یہی مطلب ہے کہ اس شخص کا ہم سے کچھ لینا دینا نہیں، وہ ہمارا ہم مزاج نہیں، وہ بہتر مسلمان نہیں۔

ملحوظہ: نکاح میں چھوہارے لٹانے کا تذکرہ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے، لیکن چونکہ وہ لوگوں کی اذیت کا باعث ہوتا ہے اس لئے مسجد میں تو ہرگز مناسب نہیں۔

[۲۸] باب ماجاء من النهي عن نكاح الشغار

[۱۱۰۵-] حدثنا محمدُ بنُ عَبدِ المَلِكِ بنِ أَبِي الشَّوَارِبِ، نا بِشْرُ بنُ المُفَضَّلِ، نا حُمَيْدٌ - وَهُوَ الطَّوِيْلُ - قَالَ: حَدَّثَ الحَسَنُ، عَنْ عِمْرَانَ بنِ حُصَيْنٍ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَاجَلَبَ وَلَاجَنَبَ، وَلَا شِغَارَ فِي الإِسْلَامِ، وَمَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وَفِي البابِ عَنْ أَنَسٍ، وَأَبِي رَيْحَانَةَ، وابنِ عُمَرَ، وجَابِرٍ، وَمُعَاوِيَةَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَوَائِلِ بنِ حُجْرٍ.

[١١٠٦-] حدثنا إسحاقُ بنُ مُوسَى الأنْصَارِيُّ، نَا مَعْنٌ، نَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عن ابنِ عُمَرَ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عن الشِّغَارِ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ لاَيَرَوْنَ نِكَاحَ الشِّغَارِ، والشِّغَارُ: أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الآخَرُ ابْنَتَهُ أَوْ أُخْتَهُ، وَلاَ صَدَاقَ بَيْنَهُمَا.

وقالَ بَعْضُ أهلِ العِلمِ: نِكَاحُ الشِّغَارِ مَفْسُوْخٌ، وَلاَيَحِلُّ، وَإِنْ جَعَلَ لَهُمَا صَدَاقًا، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وأحمدَ وإسحاقَ، وَرُوِيَ عَنْ عَطَاءِ بنِ أَبِيْ رَبَاحٍ، قَالَ: يُقَرَّانِ عَلَى نِكَاحِهِمَا، ويُجْعَلُ لَهُمَا صَدَاقُ الْمِثْلِ، وَهُوَ قَوْلُ أهلِ الْكُوْفَةِ.

ترجمہ: اس حدیث پر تمام علماء کا عمل ہے، وہ نکاح شغار کو ناجائز کہتے ہیں، اور شغار یہ ہے کہ آدمی اپنی بیٹی کا نکاح کرے اس شرط پر کہ دوسرا شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس کے ساتھ کرے اور ان عورتوں کے لئے کچھ بھی مہر نہ ہو، اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ نکاح شغار باطل ہے اور وہ حلال نہیں ہوتا، اگر چہ ان دونوں کے لئے مہر مثل مقرر کرے، پس از سر نو نکاح پڑھنا ضروری ہوگا اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے، اور عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے کہ دونوں نکاحوں کو برقرار رکھا جائے گا اور دونوں کے لئے مہر مثل گردانا جائے گا اور یہ کوفہ والوں کا مذہب ہے۔

لغات: شَغَرَ المكانُ: کے معنی ہیں: خالی ہونا، چونکہ یہ نکاح مہر سے خالی ہوتے ہیں اس لئے نکاح شغار کہلاتے ہیں...... انتَهَبَ الشيئَ: لے لینا، لوٹ لینا...... النُهْبَةُ: لوٹ، لوٹی ہوئی چیز۔

بابُ ماجاءَ لاتُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلاَ عَلَى خَالَتِهَا

پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں

حدیث (۱): نبی ﷺ نے کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر یا اس کی خالہ پر نکاح کرنے سے منع فرمایا۔

تشریح: سورۃ النساء آیت ۲۳ میں ہے کہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع مت کرو ﴿وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الأُخْتَيْنِ﴾ اور مذکورہ حدیث میں اس کے ساتھ دو اور جزئیوں کو لاحق کیا ہے یعنی پھوپھی بھتیجی کو اور خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، یہ دو بہنوں کو جمع کرنے کے حکم میں ہے۔ پھر فقہاء نے آیت اور حدیث کی تنقیح کر کے ضابطہ بنایا کہ ایسی دو عورتیں جن میں سے کسی کو بھی مرد فرض کیا جائے تو اس کا دوسری سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو ان کو بھی نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، یہ بھی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کے حکم میں ہے، مثلاً: پھوپھی بھتیجی میں سے اگر پھوپھی کو مرد فرض کریں گے تو چچا بھتیجی ہونگے اور بھتیجی کو مرد فرض کریں گے تو بھتیجا پھوپی ہونگے اور چچا کا بھتیجی سے اور بھتیجے کا پھوپھی سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہے، اسی طرح خالہ بھانجی میں سے اگر خالہ کو مرد فرض کریں گے تو ماموں بھانجی

ہونگے اور بھانجی کو مرد فرض کریں گے تو بھانجا خالہ ہونگے۔ اور ماموں کا بھانجی سے اور بھانجے کا خالہ سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہے، پس ان کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے اس سے منع کیا ہے کہ عورت (بھتیجی) سے اس کی پھوپھی پر یا پھوپھی سے اس کی بھتیجی پر یا عورت (بھانجی) سے اس کی خالہ پر یا خالہ سے اس کی بھانجی پر نکاح کیا جائے، اور فرمایا: نہ نکاح کیا جائے چھوٹی سے بڑی پر اور نہ بڑی سے چھوٹی پر، یعنی پہلے سے پھوپی خالہ نکاح میں ہوں پھر بھتیجی بھانجی سے نکاح کیا جائے یا پہلے سے بھتیجی بھانجی نکاح میں ہوں پھر پھوپھی خالہ سے نکاح کیا جائے یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں۔

[۲۹] باب ماجاء لاتنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها

[۱۱۰۷-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيِّ الجَهْضَمِيُّ، نَا عبدُ الأعْلٰى، نا سَعيدُ بنُ أَبِيْ عَرُوْبَةَ، عن أَبِيْ حَرِيْزٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عن ابنِ عبّاسٍ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ تزوُّجِ الْمَرْأَةِ عَلَى عَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا.

حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، حدّثنا عبدُ الأعْلٰى، عن هِشَامِ بنِ حَسَّانَ، عن ابنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ.

وفي الباب: عَنْ عَلِيٍّ، وابنِ عُمَرَ، وعبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، وأَبِيْ سَعِيدٍ، وأَبِيْ أُمَامَةَ، وجَابِرٍ، وعائشةَ، وأَبِيْ مُوْسَى، وَسَمُرَةَ بنِ جُنْدُبٍ.

[۱۱۰۸-] حدثنا الحسنُ بنُ عَلِيٍّ، نا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، نَا دَاوُدُ بنُ أَبِيْ هِنْدٍ، نَا عَامِرٌ، عَنْ أَبِيْ هريرةَ، أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا، أَوِ الْعَمَّةُ عَلَى ابْنَةِ أَخِيْهَا، أَوِ الْمَرْأَةُ عَلَى خَالَتِهَا، أَوِ الْخَالَةُ عَلَى بِنْتِ أُخْتِهَا، وَلَا تُنْكَحُ الصُّغْرَى عَلَى الْكُبْرَى، وَلَا الْكُبْرَى عَلَى الصُّغْرَى.

حديثُ ابنِ عبّاسٍ وَأَبِيْ هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ على هٰذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ العلمِ، لانَعْلَمُ بَيْنَهُمْ اخْتِلَافًا: أَنَّهُ لَايَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا، فَإِنْ نَكَحَ امْرَأَةً عَلَى عَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا، أَوِ الْعَمَّةَ عَلَى بِنْتِ أَخِيْهَا: فَنِكَاحُ الْأُخْرَى مِنْهُمَا مَفْسُوْخٌ، وَبِهِ يَقُوْلُ عَامَّةُ أهلِ العلمِ.

قال أبو عيسى: أَدْرَكَ الشَّعْبِيُّ أَبَا هُرَيرةَ، وَرَوَى عَنْهُ، وَسَأَلْتُ مُحَمَّداً عَنْ هٰذَا، فقالَ: صحيحٌ، قالَ أبو عيسى: وَرَوَى الشَّعْبِيُّ عَنْ رَجُلٍ عن أَبِيْ هُرَيرةَ.

ترجمہ: اس حدیث پر تمام علماء کا عمل ہے، ہم ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں جانتے کہ آدمی کے لئے عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کے درمیان جمع کرنا جائز نہیں، پس اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح کیا یا پھوپھی سے بھتیجی کی (یا خالہ سے بھانجی کی) موجودگی میں نکاح کیا تو ان دونوں میں سے جو نکاح

دوسرے نمبر پر ہوگا وہ باطل ہے، تمام علماء اسی کے قائل ہیں۔ امام ترمذیؒ نے فرمایا: عامر شعبیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے۔ میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس سلسلہ میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ عامر کی حضرت ابو ہریرہؓ سے ملاقات ثابت ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں: عامر شعبیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے واسطہ سے بھی روایت کی ہے یعنی کچھ حدیثیں براہ راست حضرت ابو ہریرہؓ سے نہیں سنیں۔

بابُ ماجاءَ في الشَّرْطِ عِندَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ

نکاح کے وقت جو شرط لگائی جائے اس کا حکم

لفظ عقدۃ زینت کلام کے لئے ہے۔ اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے وقت یا اس سے پہلے یا بعد میں باہمی رضامندی سے جو شرط لگائی جائے اس کا کیا حکم ہے؟ شرطیں تین قسم کی ہیں:

پہلی: وہ شرطیں ہیں جو عقد (نکاح) کا مقتضی ہیں جیسے مہر، نان ونفقہ وغیرہ۔ یہ شرطیں بہر حال ثابت ہونگی، خواہ وہ لگائی جائیں یا نہ لگائی جائیں اس لئے کہ جو عقد کا مقتضی ہیں وہ شرطیں بھی اگر ثابت نہیں ہونگی تو نکاح کا فائدہ کیا؟

دوم: وہ شرطیں ہیں جو عقد کے مقتضی کے خلاف ہیں، مثلاً: عورت نے شرط لگائی کہ وہ صحبت نہیں کرنے دے گی یا مرد نے شرط لگائی کہ وہ نان ونفقہ نہیں دے گا۔ یہ شرطیں عقد کے مقتضی کے خلاف ہیں، پس وہ کالعدم ہیں، عقد کا مقتضی بہر حال ثابت ہوگا، بعد میں عورت نان ونفقہ وغیرہ معاف کرسکتی ہے، یہ الگ بات ہے۔ اگر ایسی عقد کے مقتضی کے خلاف شرطیں نکاح میں لگائی گئیں تو وہ شرطیں خود باطل ہونگی اور نکاح صحیح ہوگا۔

سوم: وہ شرطیں ہیں جو نہ عقد کا مقتضی ہیں اور نہ اس کے خلاف ہیں مثلاً: یہ شرط لگانا کہ لڑکی رخصت ہوکر شوہر کے گھر نہیں جائے گی، شوہر گھر داماد ہوکر رہے گا یا جب موقع ملے شوہر آئے، یا یہ شرط کرنا کہ شوہر دوسرا نکاح نہیں کرے گا اور ان شرطوں کو قبول کرنے کی وجہ سے نکاح ہوا یعنی اگر یہ شرطیں قبول نہ کی جاتیں تو نکاح نہ ہوتا: ایسی شرطیں دیانۃً لازم ہیں قضاءً لازم نہیں۔ دیانۃً یعنی دینداری کے پیش نظر اور قضاءً یعنی کورٹ کے حکم کے طور پر، جس کو کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ پولیس مرغا بنائے گی، غرض یہ شرطیں جو نہ عقد کا مقتضی ہیں اور نہ اس کے خلاف ہیں ان کو دینداری کے نقطۂ نظر سے پورا کرنا چاہئے، مگر قضاءً لازم نہیں یعنی قاضی اس کا حکم نہیں دے گا، وہ شرط کے باوجود بیوی کو رخصت کرکے میکے سے سسرال لے جاسکتا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ باب میں ایک حدیث ہے اور دو: حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اقوال ہیں، حدیث یہ ہے کہ شرطوں میں سے وفا کی سب سے زیادہ حقدار (یہ مبتدا ہے جو إنَّ کا اسم ہے) وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے شرم گاہوں کو حلال کیا ہے (یہ خبر ہے) یعنی تمہارا نکاح ان شرطوں کو منظور کرنے کی وجہ ہی سے ہوا ہے

اگرتم ان شرطوں کو منظور نہ کرتے تو تمہارا نکاح نہ ہوتا، پس یہ شرطیں وفا کی سب سے زیادہ حقدار ہیں یعنی ان شرطوں کو دیانۃً ضرور پورا کرنا چاہئے۔

اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ لڑکی کو اس کے میکے سے رخصت کر کے نہیں لے جائے گا تو شوہر کو (دیانۃً) یہ شرط پوری کرنی چاہئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی شرطیں عورت کی شرطوں سے مقدم ہیں یعنی گھر داماد بن کر رہنا نکاح کا مقتضی نہیں اس لئے یہ شرط باطل ہے، مرد بیوی کو جہاں چاہے لے جا سکتا ہے ـــــ حضرت عمرؓ کا قول دیانت پر محمول ہے اور حدیث میں بھی دیانت کا بیان ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول قضا پر محمول ہے۔ یعنی اگر یہ معاملہ قاضی کے روبرو پیش ہوگا تو قاضی اس شرط کو کالعدم کردے گا اور مرد کو اجازت دے گا کہ وہ بیوی کو جہاں چاہے لے جائے۔

[۳۰] باب ماجاء فی الشرط عند عُقْدَةِ النکاح

[۱۱۰۹-] حدثنا یُوْسُفُ بنُ عیسی، نَا وَکِیْعٌ، نا عبدُ الْحَمِیْدِ بنُ جَعْفَرٍ، عن یَزِیْدَ بنِ أَبِیْ حَبِیْبٍ، عَنْ مَرْثَدِ بنِ عبدِ اللہِ الْیَزَنِیِّ أَبِی الخَیْرِ، عن عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ الجُهَنِیِّ قالَ: قالَ رسولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم: "إِنَّ أَحَقَّ الشُّرُوْطِ أَنْ یُوَفّٰی بِهَا: مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ"

حدثنا أبو مُوسَی مُحمدُ بنُ الْمُثَنّٰی، نا یَحییَ بنُ سَعیدٍ، عن عَبْدِ الْحَمِیْدِ بنِ جَعْفَرٍ نَحْوَهُ، هٰذَا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

والعَمَلُ عَلَی هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، مِنْهُمْ عُمَرُ بنُ الْخطَّابِ، قالَ: إِذَا تَزَوَّجَ رَجُلٌ امْرَأَةً، وَشَرَطَ لَهَا أَنْ لَایُخْرِجَهَا مِنْ مِصْرِهَا، فَلَیْسَ لَهُ أَنْ یُخْرِجَهَا، وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ العلمِ، وَبِهِ یَقُوْلُ الشَّافِعِیُّ واحمدُ وإسحاقُ.

وَرُوِیَ عَنْ عَلِیِّ بنِ أَبِیْ طَالِبٍ أَنَّهُ قَالَ: شَرْطُ اللہِ قَبْلَ شَرْطِهَا، کَأَنَّهُ رَأَی لِلزَّوْجِ أَنْ یُخْرِجَهَا، وإِنْ کَانَتِ اشْتَرَطَتْ عَلَی زَوْجِهَا أَنْ لَایُخْرِجَهَا، وَذَهَبَ بَعْضُ أهلِ العلمِ إِلٰی هٰذَا، وَهُوَ قَوْلُ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ وبَعْضِ أهلِ الْکُوْفَةِ.

ترجمہ: اس حدیث پر بعض اہل علم صحابہ کا عمل ہے، ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں: جب کسی شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور یہ شرط لگائی کہ وہ عورت کو اس کے شہر سے نہیں نکالے گا تو اس کو نکالنے کا حق نہیں۔ اور یہ بعض اہل علم کا قول ہے، اور اسی کے قائل ہیں شافعی، احمد اور اسحاق۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کی شرط عورت کی شرط سے مقدم ہے گویا انھوں نے جائز قرار دیا شوہر کے لئے کہ وہ عورت کو اس کے

شہر سے نکالے اگر چہ عورت نے شوہر سے شہر سے نہ نکالنے کی شرط لگائی ہو، اور بعض اہل علم اس کی طرف گئے ہیں اور یہ سفیان ثوری اور بعض اہل کوفہ کا قول ہے (مگر تطبیق کی صورت بہتر ہے)

بابُ ماجاءَ فی الرَّجُلِ یُسْلِمُ وَعِنْدَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ

اگر کسی نومسلم کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں تو کیا کرے؟

یہ دو باب ہیں، پہلے باب میں یہ واقعہ ہے کہ غیلان بن سلمۃ ثقفی رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں، وہ سب بھی مسلمان ہوگئیں۔ آنحضور ﷺ نے ان کو چار منتخب کر کے رکھنے کا اور باقی کو علحدہ کرنے کا حکم دیا۔ ایسا ہی ایک دوسرا واقعہ مصنف ابن ابی شیبہ (حدیث ۱۷۶۹۰ج:۹:۳۵۱) میں مروی ہے قیس بن الحارثؓ مسلمان ہوئے ان کے نکاح میں آٹھ بیویاں تھیں، نبی ﷺ نے چار کو روکنے کا اور باقی کو علحدہ کرنے کا حکم دیا۔ اور دوسرے باب میں یہ واقعہ ہے کہ فیروز دیلمیؓ کے نکاح میں دو بہنیں تھیں، جب وہ مسلمان ہوئے تو آپؐ نے ان کو بھی کسی ایک کے انتخاب کا اور دوسری کو علحدہ کرنے کا حکم دیا۔ ان حدیثوں کی وجہ سے ائمہ ثلاثہ تخییر کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں یا دو بہنیں ہوں تو اس کو اختیار ہے، وہ اپنی پسندیدہ چار بیویوں کو روک لے اور جو بہن اسے پسند ہو اسے روک لے اور باقی کو علحدہ کردے۔ اور امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ فرماتے ہیں: جو چار پہلے نکاح میں آئی ہیں اور جس بہن سے پہلے نکاح ہوا ہے وہ نکاح میں رہیں گی باقی خود بخود نکاح سے علحدہ ہوجائیں گی۔ یعنی شیخین رحمہما اللہ تخییر کے قائل نہیں، میری رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ مسلمان کا ہے یعنی کسی بددین مسلمان نے دو بہنوں سے نکاح کیا یا چار سے زیادہ بیویاں کیں تو اس کے لئے تخییر کا حکم نہیں ہے بلکہ پہلے جن سے نکاح ہوا ہے ان کا نکاح صحیح ہیں اور بعد کے نکاح باطل ہیں اور اگر یہ واقعہ کسی نومسلم کا ہے تو اس کو اختیار ہوگا کہ جن کو چاہے رکھے اور باقی کو علحدہ کردے۔ اور وجہ ظاہر ہے کہ مسلمان کے بعد والے نکاح ہوئے ہی نہیں اور غیر مسلم کے اس کے مذہب کے مطابق سب نکاح درست ہیں، پس اس کو اختیار ہوگا کہ جن کو چاہے رکھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] باب ماجاء فی الرجل یُسلم وعنده عشر نسوة

[۱۱۱۰-] حدثنا هَنَّادٌ، نا عَبْدَةُ، عن سَعيدِ بنِ أَبِی عَرُوبَةَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عن الزُّهْرِیِّ، عن سَالِمِ بنِ عبدِ اللهِ، عن ابنِ عُمَرَ، أَنَّ غَيْلَانَ بنَ سَلَمَةَ الثَّقَفِیَّ أَسْلَمَ، وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِی الْجَاهِلِيَّةِ، فَأَسْلَمْنَ مَعَهُ، فَأَمَرَهُ النبیُّ صلی الله علیه وسلم أَنْ يَتَخَيَّرَ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا.

هٰكَذَا رَوَاهُ مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عن سَالِمٍ، عن أَبِيْهِ، وسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بنَ إِسْمَاعِيْلَ يَقُوْلُ: هٰذَا حديثٌ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ، والصَّحِيْحُ مَارَوَى شُعَيْبُ بنُ أَبِي حَمْزَةَ وَغَيْرُهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قالَ: حُدِّثْتُ عَنْ مُحَمَّدِ بنِ سُوَيْدٍ الثَّقَفِيِّ: أَنَّ غَيْلَانَ بنَ سَلَمَةَ أَسْلَمَ وَعِنْدَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ، قالَ مُحَمَّدٌ: وَإِنَّمَا حديثُ الزُّهْرِيِّ، عن سَالِمٍ، عن أَبِيْهِ: أَنَّ رَجُلًا مِنْ ثَقِيْفٍ طَلَّقَ نِسَاءَهُ، فقالَ لَهُ عُمَرُ: لَتُرَاجِعَنَّ نِسَاءَكَ، أَوْ لَأَرْجُمَنَّ قَبْرَكَ كَمَا رُجِمَ قَبْرُ أَبِي رِغَالٍ!

والعملُ على حديثِ غَيْلَانَ بنِ سَلَمَةَ عِنْدَ أَصْحَابِنَا، مِنْهُمُ الشَّافِعِيُّ، وأحمدُ، وإسحاقُ.

وضاحت: غیلان بن سلمہ کی حدیث جو معمر نے زہری، عن سالم، عن ابیہ کی سند سے ذکر کی ہے: امام بخاریؒ فرماتے ہیں: یہ سند محفوظ نہیں، صحیح سند وہ ہے جو شعیب بن ابی حمزۃ وغیرہ نے زہری سے نقل کی ہے۔ زہری کہتے ہیں: میں محمد بن سوید ثقفی سے حدیث بیان کیا گیا (بیچ میں مجہول واسطہ ہے) کہ غیلان ثقفی مسلمان ہوئے درانحالیکہ ان کے پاس دس بیویاں تھیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: معمر کی مذکورہ سند سے درحقیقت حضرت غیلان کا دوسرا واقعہ مروی ہے کہ حضرت غیلان نے تبتّل (بیویوں سے علحدہ رہنے) کا ارادہ کیا تا کہ سارا وقت اللہ کی عبادت میں گذاریں، چنانچہ انھوں نے اپنی سب بیویوں کو طلاق دیدی۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو حکم دیا کہ سب بیویوں کو نکاح میں واپس لیں اور فرمایا: اگر تم ایسا نہیں کروگے تو میں مسلمانوں کو حکم دوں گا کہ جس طرح ابو رغال کی قبر پر پتھر مارے جاتے ہیں تمہاری قبر پر بھی پتھر ماریں، چنانچہ انھوں نے بیویوں کو نکاح میں واپس لیا۔

فائدہ: ابورغال کے معاملہ میں مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ابورغال قوم ثمود کا عذاب سے بچ جانے والا ایک فرد تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ہاتھی والوں کا گائیڈ (راہ نما) تھا، اس لئے اس سے عرب شدید نفرت کرتے تھے، چنانچہ وہ لوگ اس کی قبر پر پتھر مارتے تھے۔ یہ بات ابوداؤد کی حدیث (۲:۴۴۴ کتاب الخراج باب نبش القبور العادیة) میں آئی ہے، فتح مکہ کے بعد جب نبی ﷺ طائف کا محاصرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو آپؐ نے صحابہ کو اس کی قبر دکھائی اور یہ علامت بتائی کہ اس کے ساتھ سونے کی ایک چھڑی دفن کی گئی تھی چنانچہ صحابہ نے قبر کھودی اور وہ چھڑی نکال لی۔

ترجمہ: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی اسلام لائے درانحالیکہ ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں، پس وہ بھی حضرت غیلان کے ساتھ اسلام لائیں، پس نبی ﷺ نے ان کو ان میں سے چار کا انتخاب کرنے کا حکم دیا، اس حدیث کو معمر نے زہری سے، انھوں نے سالم سے، انھوں نے اپنے ابا سے اسی طرح روایت کیا ہے (امام ترمذیؒ کہتے ہیں) میں نے امام بخاریؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ یہ حدیث (یعنی سند) محفوظ نہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس کو شعیب بن ابی حمزہ وغیرہ نے زہری سے روایت کیا ہے، زہری کہتے ہیں: میں محمد بن سوید ثقفی سے حدیث بیان کیا گیا کہ غیلان بن سلمہ اسلام لائے اس وقت ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں: امام زہری کی حدیث جو سالم سے ہے

جس کو وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اس کا متن یہ ہے کہ قبیلۂ ثقیف کے ایک شخص نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی، پس ان سے حضرت عمرؓ نے فرمایا: البتہ ضرور آپ یا تو اپنی بیویوں کو نکاح میں واپس لیں یا میں ضرور آپ کی قبر پر پتھر ماروں گا جس طرح ابو رغال کی قبر پر پتھر مارے جاتے ہیں یعنی مرنے کے بعد بھی میں تمہیں رسوا کروں گا۔ اور غیلان کی حدیث پر ہمارے اصحاب یعنی حجازی مکتب فکر کے اکابر کا عمل ہے ان میں سے شافعی، احمد اور اسحاق ہیں (یہ مسئلہ اجماعی ہے)

فائدہ (۱): امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت غیلان کی حدیث کے ضعف کی جو وجہ بیان کی ہے وہ کچھ زیادہ اہم نہیں ہے، ان کی بیان کردہ وجہ کا حاصل یہ ہے کہ زہری عن سالم کی سند سے یہ حدیث مروی نہیں، بلکہ اس کی دوسری سند ہے، زہریؒ کو یہ حدیث محمد بن سوید ثقفی سے بالواسطہ پہنچی ہے اور زہریؒ کے مراسیل ضعیف ہوتے ہیں، مگر امام بخاریؒ نے اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی اور یہ بات ممکن ہے کہ دو مختلف سندوں سے ایک ہی واقعہ مروی ہو اور امام بخاری کا یہ فرمانا کہ زہری عن سالم کی سند سے حضرت غیلان کے طلاق دینے کا واقعہ مروی ہے یہ وجہ بھی کچھ زیادہ اہم نہیں کیونکہ ایک ہی سند سے دو واقعے مروی ہو سکتے ہیں۔

اصل اعتراض اس سند پر یہ ہے کہ معمر بن راشد بصری تھے پھر انھوں نے یمن میں بود و باش اختیار کی تھی پھر جب وہ یمن میں حدیث بیان کرتے تو اپنی کتابیں سامنے رکھ کر بیان کرتے اور جب سفر میں نکلتے تھے تو حافظہ سے حدیثیں بیان کرتے تھے، اس وجہ سے وہم ہو جاتا تھا، پس جن طالب علموں نے ان سے یمن میں پڑھا ہے جیسے عبدالرزاق صنعانی (صاحب مصنف) ان کی روایتیں تو بے غبار ہیں اور جن طالب علموں نے یمن کے علاوہ کسی اور جگہ ان سے پڑھا ہے ان کی روایتیں محل نظر ہیں، کتاب میں سعید بن ابی عروبہ کی روایت ہے اور وہ بصری ہیں، پس ان کی روایت محل نظر رہے۔ یہ ایک معمولی خرابی ہے، مگر قیس بن الحارث اسدی کی روایت اس کی شاہد ہے ان کے نکاح میں آٹھ بیویاں تھیں، نبی ﷺ نے چار کے علاوہ باقی کو علحدہ کرنے کا حکم دیا، اس کی سند میں اگرچہ ابن ابی لیلیٰ صغیر ہیں مگر ان کا ضعف حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے تھا ان میں اور کوئی خرابی نہیں تھی، اس وجہ سے ان کی حدیث شاہد بن سکتی ہے (یہ حاشیہ شیخ محمد عوامہ حلبی کے مصنف ابن ابی شیبہ کے حاشیہ سے مستفاد ہے)

فائدہ (۲): یہ اجماعی مسئلہ ہے یعنی چاروں ائمہ متفق ہیں کہ چار سے زیادہ عورتوں سے بیک وقت نکاح نہیں ہو سکتا اس میں غیر مقلدین کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک نکاح کے لئے کوئی عدد متعین نہیں جتنی چاہیں بیویاں نکاح میں جمع کر سکتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خان صاحب کے لڑکے میر نور الحسن خان صاحب نے عرف الجادی (ص:۱۱۱) میں یہ مسئلہ تفصیل سے لکھا ہے، کہتے ہیں:

"حالانکہ ظاہر یہ وابن صباغ وعمران وشلہ از محققین متاخرین برخلاف ایں اجماع رفتہ اند وہم قرآن کریم وفعلِ رسول رحیم کہ نہ زن یا زیادہ در بعض اوقات فراہم آوردہ خلاف اجماعِ مذکور است ودعوی خصوصیت مفتقر بدلیل است"

اور باب کی روایات کو وہ ضعیف قرار دیتے ہیں، حالانکہ ضعیف روایت پر جب اجماع ہو جاتا ہے تو مسئلہ قطعی ہو جاتا ہے، جیسے بیس رکعت تراویح کی ضعیف روایت پر جب امت کا اجماع ہو گیا، اور چار دانگ عالم تعامل شروع ہو گیا تو اب وہ تعداد قطعی ہو گئی حدیث کے ضعف کا اس پر اثر نہیں پڑے گا، یہی حال اس مسئلہ کا بھی ہے اور گمراہ لوگوں کا اختلاف اجماع کو متاثر نہیں کرتا۔

بابُ ماجاءَ فی الرَّجُلِ یُسْلِمُ وَعِنْدَهُ أُخْتَانِ

جس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں وہ کیا کرے؟

حدیث: فیروز دیلمی کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ان میں سے جس کو آپ چاہیں اختیار کر لیں (اور دوسری کو چھوڑ دیں)

[۳۲] باب ماجاء فی الرجل یسلم وعنده أختان

[۱۱۱۱-] حدثنا قُتَیْبَةُ، نا ابنُ لَهِیْعَةَ، عن أَبِی وَهْبٍ الجَیْشَانِیِّ، أَنَّهُ سَمِعَ ابنَ فَیْرُوْزَ الدَّیْلَمِیِّ، یُحَدِّثُ عن أَبِیْهِ، قالَ: أَتَیْتُ النبیَّ صلی اللہ علیه وسلم فَقُلْتُ: یارسولَ اللہ! إِنِّی أَسْلَمْتُ وَتَحْتِی أُخْتَانِ، فقالَ رسولُ اللہِ صلی اللہ علیه وسلم: "اخْتَرْ أَیَّتَهُمَا شِئْتَ"

هٰذَا حدیثٌ حسنٌ غریبٌ، وأبو وَهْبٍ الجَیْشَانِیُّ: اسْمُهُ الدَّیْلَمُ بنُ هُوْشَعٍ.

باب الرَّجُلِ یَشْتَرِی الْجَارِیَةَ وَهِیَ حَامِلٌ

خریدی ہوئی حاملہ باندی سے وضع حمل سے پہلے صحبت جائز نہیں

کسی شخص نے باندی خریدی وہ حاملہ ہے پس جب تک اس کا وضع حمل نہ ہو جائے مشتری کے لئے اس سے وطی کرنا جائز نہیں، اور یہی حکم اس عورت کا ہے جو زنا سے حاملہ، اگر اس کا کسی سے نکاح ہو جائے تو نکاح صحیح ہوگا، مگر شوہر کے لئے اس سے وطی کرنا جائز نہیں تا آنکہ وہ بچہ جن دے، البتہ اگر زانی ہی سے نکاح ہوا ہے تو وہ وطی کر سکتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ باندی میں جب بھی ملکیت بدلے گی استبراء رحم ضروری ہوگا یعنی ملکیت بدلنے کے بعد جب تک باندی کو ایک حیض نہ آجائے نئے آقا کے لئے اس سے وطی کرنا جائز نہیں، اور یہ حکم اس لئے ہے کہ نسبوں میں اختلاط نہ ہو جائے، کسی کا بچہ کسی طرف منسوب نہ ہو جائے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنا پانی غیر کے بچے کو نہ پلائے'' یہ استعارہ ہے یعنی غیر سے حاملہ باندی یا بیوی سے صحبت نہ کرے اور اس حدیث میں اشارہ ہے کہ حاملہ سے صحبت بچہ کے نشو ونما پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۱۷۸:۵) میں ہے۔

[۳۳] باب الرجل یشتری الجاریة وهی حامل

[۱۱۱۲-] حدثنا عُمَرُ بنُ حَفْصٍ الشَّيْبَانِيُّ الْبَصْرِيُّ، نا عبدُ اللهِ بنُ وَهْبٍ، نا يَحيىَ بنُ أيُّوبَ، عن رَبِيْعَةَ بنِ سُلَيْمٍ، عن بُسْرِ بنِ عُبَيْدِ اللهِ، عن رُوَيْفِعِ بنِ ثَابِتٍ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ: ''مَنْ كانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يَسْقِ مَاءَهُ وَلَدَ غَيْرِهِ''

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وقَدْ رُوِىَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ رُوَيْفِعِ بنِ ثَابِتٍ.

والعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أهلِ العلمِ لاَيَرَوْنَ لِلرَّجُلِ إِذَا اشْتَرَى جَارِيَةً وَهِيَ حَامِلٌ: أَنْ يَطَأَهَا حَتَّى تَضَعَ.

وفى الباب: عن ابنِ عبّاسٍ، وأبِى الدَّرْدَاءِ، والعِرْبَاضِ بنِ سَارِيَةَ، وأبِى سَعِيْدٍ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے وہ آدمی کے لئے جب وہ باندی خریدے درانحالیکہ وہ حاملہ ہو تو اس سے وطی کرنے کو ناجائز کہتے ہیں یہاں تک کہ وہ حمل کو جن دے۔

بابُ ماجاء فی الرجل يَسْبِى الأَمَةَ وَلَهَا زَوْجٌ هَلْ يَحِلُّ لَهُ وَطْيُهَا؟

باندی کا شوہر زندہ ہو تو اس سے صحبت جائز ہے

اگر جنگ میں شادی شدہ عورت قید ہو اور اس کا شوہر قتل ہو گیا ہو تب تو کوئی مسئلہ نہیں، لیکن اگر شوہر زندہ ہو تو جب وہ عورت کسی فوجی کو دیدی گئی اور باندی بنالی گئی تو نکاح ختم ہو گیا۔ اب استبرائے رحم کے بعد آقا کے لئے اس سے صحبت کرنا جائز ہے۔

حدیث: جنگ اوطاس میں کچھ عورتیں قید ہوئیں، وہ شادی شدہ تھیں، ان کے قبیلوں میں ان کے شوہر زندہ تھے، وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے، جب وہ عورتیں باندیاں بنالی گئیں تو کچھ لوگوں کو ان سے وطی کرنے میں حرج محسوس ہوا، کیونکہ قرآن میں ہے: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ یعنی تم پر حرام کی گئی ہیں وہ عورتیں جو شوہر والی ہیں، لوگوں نے اپنا یہ اشکال آنحضور ﷺ کے سامنے رکھا تو ﴿إِلاَّ مَامَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ کا استثناء نازل ہوا یعنی جو عورتیں شوہر والی ہیں مگر وہ باندی بنالی گئیں تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان سے صحبت جائز ہے۔

[۳۴] باب ماجاء في الرجل يَسْبِي الأمةَ ولها زوج هل يحل له وطيها؟

[۱۱۱۳-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا هُشَيْمٌ، نا عُثمانُ البَتِّيُّ، عن أبي الْخَلِيْلِ، عن أبي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: أَصَبْنَا سَبَايَا يَوْمَ أَوْطَاسٍ، وَلَهُنَّ أَزْوَاجٌ فِي قَوْمِهِنَّ، فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَنَزَلَتْ: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَامَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾

هٰذَا حديثٌ حسنٌ، وَهٰكَذَا رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ عَنْ عُثْمَانَ الْبَتِّيِّ، عن أبي الْخَلِيْلِ، عن أبي سَعِيدٍ، وأبُو الْخَلِيْلِ: اسْمُهُ صَالِحُ بنُ أَبِي مَرْيَمَ، وَرَوَى هَمَّامٌ هٰذَا الحديثَ عَنْ قَتَادَةَ، عن صَالِحٍ أبي الْخَلِيْلِ، عَنْ أَبِي عَلْقَمَةَ الْهَاشِمِيِّ، عن أبي سَعِيدٍ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، حدثنا بِذٰلِكَ عَبْدُ بنُ حُمَيْدٍ، نا حَبَّانُ بنُ هِلَالٍ، نا هَمَّامٌ.

وضاحت: اس حدیث کو صالح ابوالخلیل نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے براہ راست بھی روایت کیا ہے اور ابوعلقمہ کے واسطہ سے بھی، پہلی سند عثمان البتی کی ہے، ان سے ہشیم روایت کرتے ہیں اور سفیان ثوری ان کے متابع ہیں، اور دوسری سند قتادہ کی ہے ان سے ہمام روایت کرتے ہیں۔

بابُ ماجاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ مَهْرِ الْبَغِيِّ

رنڈی کی فیس حرام مال ہے

بَغِيٌّ: کے لغوی معنی ہیں: چاہی ہوئی، چونکہ رنڈی کے پاس ہر کوئی آتا ہے اس لئے اس کے لئے یہ لفظ مستعمل ہے۔ رنڈی کو جو زنا کی اجرت دی جاتی ہے وہ حرام ہے، مگر قدماء جس چیز کی حرمت حدیث سے ثابت ہوتی ہے اس کے لئے لفظ کراہیت استعمال کرتے ہیں اور جس کی حرمت قرآن سے ثابت ہوتی ہے اس کے لفظ حرام استعمال کرتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی کراہیت کا لفظ استعمال کیا ہے، مگر مراد حرمت ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے تین چیزوں سے منع فرمایا: کتے کی قیمت سے، رنڈی کی اجرت سے اور کاہن کے نذرانے سے۔

تشریح: کتے کی بیع مطلقاً حرام ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے: اس کی وضاحت ابواب البیوع میں آئے گی، اور رنڈی کی اجرت سے آقا کو منع کیا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ آقا اپنی باندی کو زنا کرنے پر مجبور کرتا تھا اور اس کی آمدنی کھاتا تھا۔ اس حدیث میں اس سے کہا گیا ہے کہ یہ رقم تیرے لئے حرام ہے اور جب آقا کے لئے حرام ہے تو خود رنڈی کے لئے بھی حرام ہے، اور یہ بات سورۃ النساء آیت ۳۳ میں صراحۃً آئی ہے: ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ

عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ یعنی تم اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور مت کرو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہیں تا کہ تم دنیا کی زندگی کا اسباب چاہو یعنی اس ذریعہ سے پیسے کماؤ۔ اور کاہن کا نذرانہ بھی حرام ہے، جب اسلام نے کہانت کو جڑ بنیاد سے ختم کردیا، اور کاہن کے پاس جانے کو اور اس سے غیب کی باتیں پوچھنے کو حرام قرار دیا تو اب نذرانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے!

[۳۵] باب ماجاء فی کراھیۃ مھر البغیّ

[۱۱۱۴-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا اللَّيْثُ، عن ابنِ شِهَابٍ، عن أَبِي بَكْرِ بنِ عَبْدِ الرحمنِ، عَن أَبِي مَسْعُوْدٍ الأَنْصَارِيِّ، قالَ: نَهَى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ.

وفي الباب: عَنْ رَافِعِ بنِ خَدِيجٍ، وأَبِي جُحَيْفَةَ، وأَبِي هُرَيرةَ، وابنِ عبّاسٍ، وحديثُ أَبِي مَسْعُوْدٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

بابُ ماجاءَ أَنْ لاَيَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيْهِ

منگنی پر منگنی ڈالنا ممنوع ہے

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اپنے مسلمان بھائی کے نکاح کے پیغام پر پیغام نہ ڈالے''

تشریح: یہ حدیث حسن معاشرت کے باب سے ہے جب کسی شخص کے ساتھ سودا چل رہا ہو یا کسی نے منگنی بھیج رکھی ہو اور اس کی طرف التفات ہو گیا ہو تو دوسرے کو بیچ میں نہیں پڑنا چاہئے، اس سے پہلے شخص کو ایذاء پہنچے گی اور اس کو ناگواری ہوگی اور فتنوں کا دروازہ کھلے گا۔

جاننا چاہئے کہ بیع اور منگنی کے تین مرحلے ہیں:

پہلا مرحلہ: جب تک مکان معرضِ بیع میں ہو یعنی اس پر ''برائے فروخت'' کا بورڈ لگا ہوا ہو اس مرحلہ میں ہر شخص آفر دے سکتا ہے یعنی خریدنے کی پیشکش کر سکتا ہے کوئی ممانعت نہیں۔ اسی طرح لڑکا یا لڑکی جب تک معرض خطبہ میں ہیں، ان کی منگنیاں آرہی ہیں، اس مرحلہ میں کوئی بھی پیغامِ نکاح دے سکتا ہے کوئی ممانعت نہیں۔

دوسرا مرحلہ: جب کسی کے ساتھ سودا طے ہو جائے اور چیز بک جائے یا کسی کا پیغام قبول کر لیا جائے اور منگنی ہو جائے تو اب بیچ میں کودنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تیسرا مرحلہ: درمیانی ہے یعنی جب کسی ایک کے ساتھ سودا چل رہا ہے تو دوسرے کو بیچ میں کودنے کی اجازت

نہیں، یا کسی منگنی دینے والے کی طرف رکون اور جھکاؤ ہو گیا ہے، ایک دوسرے کے گھر آنا جانا لڑکے لڑکی کو دیکھنا اور باہم ہدیہ دینا لینا شروع ہو گیا ہے تو اب دوسرے کو بیچ میں نہیں کودنا چاہئے۔ یہ اس شخص کو اس چیز سے مایوس کرنا ہے جس کے وہ درپے ہے اور اس کو اس چیز سے نامراد کرنا ہے جس کا وہ امیدوار ہے اور اس کے ساتھ بدمعاملگی، ظلم اور اس پر تنگی کرنا ہے جس سے اس کو ایذاء پہنچے گی اور ناگواری ہوگی اور فتنوں کا دروازہ کھلے گا اس لئے اس کی ممانعت کی گئی۔

حدیث (۲): حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر نے تین طلاقیں دیدی تھیں اس کا تفصیلی واقعہ یہ ہے کہ پہلے ایک طلاق دی تھی، لوگوں نے بیچ میں پڑ کر رجوع کرا دیا تھا، لیکن بیل منڈھے نہ چڑھی تو کچھ عرصہ کے بعد شوہر نے دوسری طلاق دی لوگوں نے پھر رجوع کرا دیا، کیونکہ حضرت فاطمہؓ اونچے خاندان کی تھیں، لیکن پھر بھی گاڑی نہ چلی تو شوہر نے سوچا کہ اگر اب طلاق دوں گا تو چونکہ رجوع نہیں ہو سکتا اس لئے لوگ بجائیں گے، خوب دھلائی کریں گے، چنانچہ انھوں نے ایک پلان کے مطابق اپنے چچازاد بھائی کے پاس دس قفیز غلہ رکھا (ایک قفیز انتالیس کلو کا ہوتا ہے) پانچ قفیز جو کے اور پانچ قفیز گیہوں کے، اس زمانہ میں گیہوں ہر ایک کو میسر نہ تھا، مگر چونکہ بیوی بڑی ناک والی تھی اس لئے انھوں نے پانچ قفیز جو کے ساتھ پانچ قفیز گیہوں بھی رکھے۔ اور بھائی کو پلان سمجھا کر سفر میں نکل گئے اور وہاں سے چچازاد بھائی کے نام خط لکھا، جس میں تیسری طلاق لکھی، چچازاد بھائی نے وہ خط اور غلہ ان کو پہنچایا، وہ آگ بگولہ ہو گئیں، مگر کس سے بھڑتیں! آنحضور ﷺ کے پاس پہنچیں اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا: صَدَقَ یعنی تمہارے شوہر نے جتنا نفقہ تمہارے لئے رکھا ہے وہی تمہارا حق ہے، انھوں نے وہ نفقہ قبول نہیں کیا اور حضور ﷺ نے بھی زیادہ نہیں دلوایا، اور چونکہ شوہر گھر پر موجود نہیں تھا اس لئے اندیشہ تھا کہ وہ ساس اور نندوں سے الجھیں گی، چنانچہ آپؐ نے فرمایا: تم اپنی عدت ام شریکؓ کے گھر میں گذارو، یہ ایک انصاری خاتون تھیں اور بوڑھی تھیں، اور بہت سخی تھیں، مہاجرین کی بکثرت دعوت کرتی تھیں۔ جب حضرت فاطمہؓ جانے لگیں تو آنحضور ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا: ام شریک مہاجرین کی بکثرت دعوت کرتی ہیں، ان کے گھر پر مہاجرین کا ہجوم رہتا ہے اس لئے تم ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گذارو کیونکہ کسی دن اگر تم نے کپڑے کم پہنے ہونگے تو وہ تمہیں نہیں دیکھیں گے، وہ نابینا ہیں (یہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ عدت کے بعد اگر کوئی نکاح کا پیغام آئے تو مجھ سے مشورہ کئے بغیر جواب نہ دینا[1]

---

(۱) یہی وہ روایت ہے جس کو حضرت فاطمہؓ بعد میں یوں بیان کیا کرتی تھیں کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق مغلظہ دی اور نبی ﷺ نے مجھے نہ نفقہ دلوایا، نہ سکنی یعنی عدت گذارنے کے لئے مکان نہیں دلوایا۔ اور اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تنقید کیا کرتی تھیں کہ اس خاتون نے اپنا واقعہ غلط بیان کر کے لوگوں کو فتنہ میں ڈال دیا اور اسی روایت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہم اللہ کی کتاب کو اور اللہ کے رسول کی سنت کو کیسے چھوڑ دیں، ایک عورت کی بات کی وجہ سے جس کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ اُسے صحیح یاد ہے یا وہ بھول گئی ہے، میں نے خود آنحضور ﷺ سے سنا ہے کہ ایسی عورت کے لئے نفقہ اور سکنی ہے (یہ روایت طحاوی میں ہے)

غرض جب حضرت فاطمہؓ کی عدت پوری ہوئی تو دوشخصوں کی منگنیاں آئیں، ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی، دوسری حضرت ابوالجہم رضی اللہ عنہ کی، انھوں نے کسی کو جواب نہ دیا، اور خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے فرمایا: معاویہ تو قلاش (تہی دست) ہیں وہ تمہارا خرچہ برداشت نہیں کرسکتے، اور ابوالجہم عورتوں سے لکڑی نہیں ہٹاتے، اور تم اونچے خاندان کی ہو، مارنہیں کھاسکوگی اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اسامہؓ سے شادی کرلو۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے متبنی حضرت زید بن حارثہ کے لڑکے تھے اور سانولے (سیاہی مائل) تھے اور حضرت فاطمہؓ گوری تھیں اس لئے اولاً ان کو یہ رشتہ نامنظور ہوا، مگر نبی ﷺ نے اصرار فرمایا تو وہ راضی ہوگئیں اور حضرت اسامہ سے نکاح ہوگیا، پھر میاں بیوی میں گاڑھی چھنی، مدینہ منورہ کی عورتیں ان دونوں کے تعلقات پر رشک کیا کرتی تھیں۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب تک لڑکی معرضِ خطبہ میں ہو ہر کوئی پیغام بھیج سکتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ کی دو منگنیاں آچکی تھیں مگر کسی کی طرف میلان نہیں ہوا تھا، کیونکہ نبی ﷺ نے ان کو منع کیا تھا کہ میرے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرنا، اس لئے نبی ﷺ نے تیسرا پیغام دیا، امام شافعی رحمہ اللہ نے اس واقعہ سے اسی طرح استدلال کیا ہے۔

[۳٦] باب ماجاء أن لایخطُب الرجل علی خِطْبَةِ أخیه

[۱۱۱۵-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِیعٍ، وقُتَیْبَةُ، قالاَ: نا سُفیانُ بنُ عُیَیْنَةَ، عنِ الزُّهْرِیِّ، عن سَعِیْدِ بنِ الْمُسَیَّبِ، عن أَبِیْ هریرةَ، قالَ قُتَیْبَةُ: یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم، وقالَ أحمدُ: قالَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: " لاَیَبِیْعُ الرَّجُلُ عَلَی بَیْعِ أَخِیْهِ، وَلاَ یَخْطُبُ عَلَی خِطْبَةِ أَخِیْهِ"

وفی الباب: عن سَمُرَةَ، وابنِ عُمَرَ، قالَ أبو عیسیٰ: حدیثُ أَبِیْ هُرَیرةَ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ.

قالَ مَالِكُ بنُ أَنَسٍ: إِنَّمَا مَعْنَی کَرَاهِیَةِ أَنْ یَخْطُبَ الرَّجُلُ عَلَی خِطْبَةِ أَخِیْهِ: إِذَا خَطَبَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَرَضِیَتْ بِهِ، فَلَیْسَ لِأَحَدٍ أَنْ یَخْطُبَ عَلَی خِطْبَتِهِ.

وقالَ الشَّافِعِیُّ: مَعْنَی هٰذَا الحدیثِ: لاَیَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَی خِطْبَةِ أَخِیْهِ: هٰذَا عِنْدَنَا إِذَا خَطَبَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ، فَرَضِیَتْ بِهِ ورَکَنَتْ إِلَیْهِ: فَلَیْسَ لِأَحَدٍ أَنْ یَخْطُبَ عَلَی خِطْبَتِهِ، فَأَمَّا قَبْلَ أَنْ یَعْلَمَ رِضَاهَا أَوْ رُکُوْنَهَا إِلَیْهِ: فَلاَ بَأْسَ أَنْ یَخْطُبَهَا.

والحُجَّةُ فِیْ ذٰلِكَ: حدیثُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَیْسٍ، حَیْثُ جَاءَ تِ النبیَّ صلی الله علیه وسلم، فَذَکَرَتْ لَهُ: أَنَّ أَبَا جَهْمِ بنَ حُذَیْفَةَ، وَمُعَاوِیَةَ بنَ أَبِیْ سُفیانَ خَطَبَاهَا، فقالَ:" أَمَّا أَبُوْ جَهْمٍ، فَرَجُلٌ لاَیَرْفَعُ عَصَاهُ عَنِ النِّسَاءِ، وأَمَّا مُعَاوِیَةُ فَصُعْلُوْكٌ لاَمَالَ لَهُ، ولٰکِنِ انْکِحِی أُسَامَةَ" فَمَعْنَی هذا الحدیثِ عِنْدَنَا: — واللهُ أَعْلَمُ — أَنَّ فَاطِمَةَ لَمْ تُخْبِرْهُ بِرِضَاهَا بِوَاحِدٍ مِنْهُمَا، فَلَوْ أَخْبَرَتْهُ لَمْ یُشِرْ عَلَیْهَا بِغَیْرِ الَّذِیْ ذَکَرَتْهُ.

[۱۱۱٦-] حدثنا محمودُ بنُ غَیْلاَنَ، نا أبو داوُدَ، قالَ: أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، قالَ: أَخْبَرَنِیْ أَبُوْ بَکْرِ بنُ أَبِی

الجَهْمِ، قال: دَخلتُ أنَا وأبُو سَلَمَةَ بنُ عبدِ الرحمنِ عَلَى فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، فحدَّثَتنا: أنَّ زَوْجَهَا طَلَّقَهَا ثَلاثًا، وَلَمْ يَجْعَلْ لَهَا سُكْنَى وَلاَ نَفَقَةً، قالتْ: وَوَضَعَ لِي عَشْرَةَ أَقْفِزَةٍ عِنْدَ ابنِ عَمٍّ لَهُ: خَمْسَةً شَعِيرٍ، وَخَمْسَةً بُرٌّ قالتْ: فَأَتَيْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ، قَالَتْ: فقالَ: "صَدَقَ" فَأَمَرَنِي أَنْ أَعْتَدَّ فِي بَيْتِ أُمِّ شَرِيْكٍ، ثُمَّ قَالَ لِيْ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ بَيْتَ أُمِّ شَرِيْكٍ بَيْتٌ يَغْشَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ، ولكِنِ اعتَدِّيْ فِي بَيْتِ ابنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، فَعَسَى أَنْ تُلْقِي ثِيَابَكِ فَلاَ يَرَاكِ، فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُكِ فَجَاءَ أَحَدٌ يَخْطُبُكِ فَآتِيْنِي" فَلَمَّا انْقَضَتْ عِدَّتِيْ، خَطَبَنِيْ أَبُوْ جَهْمٍ وَمُعَاوِيَةُ، قالتْ: فَأَتَيْتُ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ، فقالَ: "أَمَّا مُعَاوِيَةُ فَرَجُلٌ لاَمَالَ لَهُ، وأَمَّا أَبو جَهْمٍ فَرَجُلٌ شَدِيْدٌ عَلَى النِّسَاءِ" قَالَتْ: فَخَطَبَنِيْ أُسَامَةُ بنُ زَيْدٍ، فَتَزَوَّجَنِيْ، فَبَارَكَ اللهُ لِيْ فِيْ أُسَامَةَ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ رَوَاهُ سُفيانُ الثَّوْرِيُّ عن أَبِيْ بَكْرِ بنِ أَبِي الجَهْمِ نَحْوَ هٰذا الحديثِ، وزَادَ فِيْهِ: فقالَ لِي النبيُّ صلى الله عليه وسلم: "انْكِحِي أُسَامَةَ" حدثنا بِذٰلِكَ محمودُ بنُ غَيْلاَنَ، نا وَكِيْعٌ، عن سُفيانَ، عن أَبِيْ بَكْرِ بنِ أَبِي الْجَهْمِ بِهٰذَا.

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کے پیام پر پیام دینے کی ممانعت کا مصداق یہ صورت ہے کہ جب آدمی کسی عورت کی منگنی بھیجے اور وہ اس سے راضی ہوجائے، یعنی عورت کا اس کی طرف میلان ہوجائے تو دوسرے شخص کے لئے اس پر منگنی ڈالنا ممنوع ہے ــــ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث: لایخطب کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے پس وہ اس سے راضی ہوجائے اور اس کی طرف مائل ہوجائے تو کسی بھی دوسرے شخص کے لئے اس کے پیام پر پیام ڈالنا مناسب نہیں (امام شافعی رحمہ اللہ نے ٹھیک وہی بات کہی ہے جو امام مالک رحمہ اللہ نے کہی ہے، انھوں نے لفظ رَکَنَتْ بڑھا کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ رَضِيَتْ کے معنی منگنی طے ہوجانے کے نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی ہیں: عورت کا کسی ایک کی طرف مائل ہونا، یعنی منگنی آخری شکل تک پہنچنے والی ہے اب کسی دوسرے شخص کے لئے نکاح کا پیغام دینا مناسب نہیں۔ اور اگر رکون نہ ہوا ہو اور عورت معرض خطبہ میں ہو تو ہر کوئی نکاح کا پیغام دے سکتا ہے) پس عورت کی رضامندی اور اس کی طرف میلان کو جاننے سے پہلے اس کو نکاح کا پیغام دینے میں کوئی حرج نہیں، اور اس کی دلیل فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے جب وہ نبی ﷺ کے پاس آئیں اور یہ بات بتائی کہ ابوالجہم اور معاویہ نے منگنی بھیجی ہے تو آپؐ نے فرمایا: "رہے ابوالجہم! تو وہ ایسے آدمی ہیں جو عورتوں سے لکڑی نہیں اٹھاتے یعنی عورتوں پر سختی کرتے ہیں۔ اور رہے معاویہ! تو وہ قلاش ہیں ان کے پاس مال نہیں، لیکن تم اسامہؓ سے نکاح کرلو" پس اس حدیث کا مطلب ہمارے نزدیک ــــ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں ــــ یہ ہے کہ فاطمہؓ نے آپ کو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ اپنی

رضامندی نہیں بتائی تھی یعنی ان کا کسی کی طرف میلان نہیں ہوا تھا اگر وہ آپ کو ان میں سے کسی ایک کی طرف جھکاؤ بتاتیں تو رسول اللہ ﷺ ان کے علاوہ جن کا حضرت فاطمہ نے تذکرہ کیا تھا کسی اور کا مشورہ نہ دیتے۔

اس کے بعد حضرت حضرت فاطمہ بنت قیس کی یہی حدیث سند کے ساتھ لائے ہیں اور وہ شعبہؒ کی سند ہے جس کو وہ ابوبکر بن ابی الجہم سے روایت کرتے ہیں اور اس میں یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے حضرت ابوالجہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے حق میں فیصلہ نہیں دیا تو حضرت اسامہؓ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا۔ یہ مجازی تعبیر ہے درحقیقت حضرت اسامہ کی طرف سے پیغام آنحضرت ﷺ نے دیا تھا، چنانچہ سفیان ثوریؒ نے بھی اس حدیث کو ابوبکر بن ابی الجہم سے روایت کیا ہے اور ان کی حدیث میں یہ ہے کہ منگنی آنحضرت ﷺ نے ڈالی تھی خود حضرت اسامہؓ نے پیغام نہیں دیا تھا۔

بابُ مَاجاءَ فی العَزْلِ

عزل کا بیان

عزل کے لغوی معنی ہیں: جدا کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: جماع کے وقت فرج کے بجائے باہر منی نکالنا تاکہ حمل نہ ٹھہرے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے عزل کے بارے میں دو باب قائم کئے ہیں۔ پہلا باب: مبہم یا مطلق ہے اور دوسرے میں کراہیت کا لفظ بڑھایا ہے، اس سے امام ترمذیؒ کا ذہن پڑھا جاسکتا ہے کہ آپ کے نزدیک عزل ناپسندیدہ ہے۔

منع حمل کی تین تدبیریں:

پہلا طریقہ: مرد یا عورت میں کوئی ایسا عمل جراحی (آپریشن) کرنا جس سے ہمیشہ کے لئے قوت تولید ختم ہوجائے۔ عورت کی آپریشن کرکے بچہ دانی نکال دیتے ہیں اور مرد کی نسبندی کردیتے ہیں، فوطوں کے نیچے ایک رگ ہے جس سے جُرثومے آتے ہیں اس کو کاٹ کرسی دیتے ہیں، جس سے شہوت بحالہ رہتی ہے اور جرثومے آنے بند ہوجاتے ہیں، اس لئے حمل قرار نہیں پاتا۔

دوسرا طریقہ: مرد یا عورت میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ لمبے عرصہ تک تولید رک جائے، مگر آئندہ تولید شروع ہوسکتی ہے، ایسا طریقہ مرد میں کوئی نہیں اور عورت میں کئی طریقے ہیں، مثلاً: ایک آلہ ہے، انگریزی کے T کی شکل کا اس کو بچہ دانی کے منہ پر لگادیتے ہیں جس کی وجہ سے بچہ دانی کا منہ بند نہیں ہوتا اور حمل نہیں ٹھہرتا۔ پھر جب بچہ کی خواہش ہوتی ہے تو اس آلہ کو نکال دیتے ہیں، پس تولید شروع ہوجاتی ہے۔

تیسرا طریقہ: مرد وزن کوئی ایسا عارضی طریقہ اختیار کریں جس کا اثر ایک صحبت تک یا ایک رات تک رہے، ایسا طریقہ مرد میں نرودھ (ربڑ کی کیپ) کا استعمال ہے، اور عورت میں اندام نہانی میں کوئی گولی رکھی جاتی ہے جس سے جرثومے بھسم ہوجاتے ہیں اور حمل قرار نہیں پاتا۔

منع حمل کی تین نیتیں:

پہلی نیت: روزی کا مسئلہ: آدمی سوچتا ہے: اگر بچے ہوتے رہے تو ان کا پیٹ کیسے بھرونگا! گویا وہ رزّاق ہے!

دوسری نیت: خوش عیشی: آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ اگر ایں قدر آں قدر بچے ہوگئے تو رات بھر پریشان کریں گے اور سارا مزہ کرکرا کردیں گے، اس لئے یہ آفت رک جائے تو بہتر ہے۔

تیسری نیت: عورت یا پیدا ہونے والے بچے یا پیدا شدہ بچوں کی مصلحت: مثلاً عورت نحیف ہے یا آپریشن سے بچہ لیا گیا ہے اور اب ولادت سے اس کی جان کو خطرہ ہے یا یہ اندیشہ ہے کہ اگر حمل جلدی ٹھہر جائے گا تو دودھ پینے والے بچے کی صحت متاثر ہوگی یا اس کی صحیح تربیت نہیں ہوسکے گی یا عورت کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ بظاہر اسباب تعدیہ کا اندیشہ ہے اور دیندار حکیم ڈاکٹر کی رائے میں حمل ٹھہرنا مناسب نہیں وغیرہ۔

احکام

(۱) مرد میں عمل جراحی کرکے قوت تولید ختم کرلینے کی شرعاً قطعاً گنجائش نہیں، یہ خصی ہونا ہے جس کی سخت ممانعت آئی ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ (سورۂ نساء آیت ۱۱۹) یعنی شیطان نے کہا: میں ضرور لوگوں کو تعلیم دونگا جس سے وہ اللہ کی بناوٹ کو بگاڑیں گے۔ اور احادیث میں خصّی ہونے کی ممانعت آئی ہے۔ اور عورت میں بعض مخصوص حالات میں یعنی اضطرار کی صورت میں مفتیانِ کرام بچہ دانی نکالنے کی اجازت دیتے ہیں۔ پس خاص حالات میں مفتیانِ کرام کی طرف رجوع کیا جائے۔

اور منع حمل کا دوسرا طریقہ یعنی ٹی لگوانا بحکم عزل ہے، اگرچہ یہ لمبے وقت کے لئے عزل ہے اور منع حمل کا تیسرا طریقہ تو اصل عزل ہے پس جو حکم عزل کا ہے وہی حکم ان دونوں صورتوں کا ہے، عزل کا حکم آگے آرہا ہے۔

(۲) اور روزی کے ڈر سے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا ایمان کی کمزوری ہے، کیا مؤمن یہ سمجھتا ہے کہ وہ رزق رساں ہے! اللہ تعالیٰ آنے والے بچہ کو ایک منہ کھانے کے لئے دیتے ہیں تو دو ہاتھ کمانے کے لئے بھی دیتے ہیں۔

(۳) اور خوش عیشی کے لئے منع حمل کا کوئی طریقہ اپنانا اسلام میں مقصد نکاح کے خلاف ہے۔ اسلام میں نکاح کا اہم مقصد عفت اور پاکدامنی ہے، اور دوسرا بنیادی مقصد افزائش نسل ہے، سورۃ البقرہ آیت ۱۸۷ میں ہے: ﴿فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ ترجمہ: پس اب (رمضان کی راتوں میں) بیویوں سے ملو ملاؤ اور وہ (اولاد) چاہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر کی ہے۔ اور حدیث میں ہے: ''زیادہ بچے جننے والی اور زیادہ پیار کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری زیادتی سے دوسری امتوں پر (قیامت کے دن) فخر کروں گا'' (مشکوۃ حدیث ۳۰۹۱) معلوم ہوا کہ اسلام میں نکاح کا مقصد افزائش نسل بھی ہے اور خوش عیشی کی نیت اس مقصد کے منافی ہے، البتہ عورت کی مصلحت سے یا اولاد کی مصلحت سے عزل کی گنجائش ہے اور اس کی دلیل غَیل (زمانۂ حمل

میں بچے کو پلایا جانے والا ماں کا دودھ) کی ممانعت کا ارادہ فرمانا ہے، یہ ارادہ بچے کی مصلحت کے پیش نظر تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ منع حمل کے رائج تین طریقے ہیں اور ان کے پیچھے کارگر تین نیتیں ہیں، پس جب تین کو تین میں ضرب دیں گے تو نو قسمیں ہونگی اور ان کے احکام مذکورہ تفصیل سے بآسانی نکالے جاسکیں گے (۱)

اسکے بعد جاننا چاہئے کہ عزل کے سلسلہ میں چار روایتیں ہیں، دو حکم سے متعلق ہیں اور دو میں عزل کا مآل بیان کیا گیا ہے۔

پہلی حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جس زمانہ میں قرآن نازل ہو رہا تھا ہم عزل کرتے تھے مگر نہ وحی جلی نے ہمیں روکا نہ وحی خفی نے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کا جواز برقرار رکھا ——— گھروں میں پرائیویٹ زندگی میں جو عمل ہوتا ہے ضروری نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے علم میں آئے، آپ عالم الغیب نہیں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں، اگر صحابہ کا یہ عمل ناجائز ہوتا تو قرآن میں کوئی آیت نازل ہوتی یا کم از کم رسول اللہ ﷺ کو خبر دی جاتی اور آپؐ لوگوں کو منع کرتے، مگر کوئی ممانعت نازل نہیں ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے اس کے جواز کو برقرار رکھا ہے۔

دوسری حدیث: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کے سامنے عزل کا تذکرہ آیا، آپؐ نے فرمایا: لِمَ یَفعلُ ذٰلِکَ أَحَدُکُم؟ یعنی تم میں سے کوئی یہ کام کیوں کرتا ہے؟ اس جملہ میں ناپسندیدگی کا اظہار ہے، مگر آپؐ نے لایفعلْ (کوئی ایسا نہ کرے) نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا: ''جو بھی نفس پیدا ہونے والا ہے وہ ہونے والا ہے'' یعنی جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو عزل کے باوجود حمل قرار پائے گا، مثلاً: اگر بچہ پیدا ہونا مقدر ہے تو جب آدمی انزال کے قریب عضو باہر نکالے تو چند قطرے اندر ٹپک جائیں گے اور حمل ٹھہر جائے گا یا دل میں داعیہ پیدا ہوگا کہ آج تو اندر

(۱) عزل کی قسمیں مع احکام

	طریقے	نیتیں	احکام
(۱)	قوت تولید ختم کرلینا	مسئلہ رزق کی وجہ سے	حرام اور ایمان کی کمزوری
(۲)	قوت تولید ختم کرلینا	خوش عیشی کے مقصد سے	حرام اور مقصد نکاح کی خلاف ورزی
(۳)	قوت تولید ختم کرلینا	عورت یا بچہ کی مصلحت سے	حرام مگر بحالت اضطرار عورت میں گنجائش
(۴)	لمبی مدت کے لئے تولید روک دینا	مسئلہ رزق کی وجہ سے	حرام اور ایمان کی کمزوری
(۵)	لمبی مدت کے لئے تولید روک دینا	خوش عیشی کے مقصد سے	مکروہ تحریمی اور مقصد نکاح کی خلاف ورزی
(۶)	لمبی مدت کے لئے تولید روک دینا	عورت یا بچے کی مصلحت سے	برا مگر مجبوری میں گنجائش
(۷)	وقتی طور پر حمل روکنا	مسئلہ رزق کی وجہ سے	مکروہ اور ایمان کی کمزوری
(۸)	وقتی طور پر حمل روکنا	خوش عیشی کے مقصد سے	برا اور مقصد نکاح کی خلاف ورزی
(۹)	وقتی طور پر حمل روکنا	عورت یا بچے کی مصلحت سے	گنجائش

ہی فارغ ہو جاتے ہیں اور اس طرح حمل قرار پا جائے گا۔

ان دونوں حدیثوں کے مجموعہ سے یہ حکم نکلتا ہے کہ عزل مطلقاً جائز نہیں بلکہ لاباس بہ (گنجائش) کے درجہ میں ہے اور جواز اس لئے ہے کہ عزل سے نظام تولید اور تولید پر کوئی اثر نہیں پڑتا جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے عزل کے باوجود حمل قرار پائے گا۔

سوال: جب عزل سے نظام تولید اور تولید پر اثر نہیں پڑتا تو عزل مطلقاً جائز ہونا چاہئے لاباس بہ کے درجہ میں کیوں ہے؟

جواب: اس کو سمجھنے کے لئے دوسری دو حدیثیں سمجھنی چاہئیں:

تیسری حدیث: صحابہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم عزل کرتے ہیں اور یہود کہتے ہیں: یہ المَوْءُ وْدَةُ الصُّغریٰ ہے یعنی بچہ کو کسی درجہ میں زندہ درگور کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہود جھوٹے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے عزل بچے کو نہیں روکے گا''

چوتھی حدیث: مسلم شریف میں روایت ہے کہ نبی ﷺ سے عزل کے متعلق پوچھا گیا، آپ نے فرمایا: ذلک الوَأْدُ الْخفِیُّ: یہ چپکے سے بچے کو زندہ درگور کرنا ہے (مشکوۃ حدیث ۳۱۸۹)

تشریح: الوَأْد: مصدر ہے اور مصدر معنی حدثی کا نام ہے جس کا کوئی خارجی وجود نہیں ہوتا بس نفس الامری وجود ہوتا ہے اور المَوْءُ وْدَة: اسم مفعول ہے اور اسم مفعول میں فاعل کا فعل: مفعول پر واقع ہو چکا ہوتا ہے پس یہ وجود خارجی کا درجہ ہے، پس یہود کا عزل کو الموء ودۃ قرار دینا تو غلط ہے اس لئے کہ بچہ کا ابھی خارج میں وجود نہیں ہوا، پس عزل نہ الموء ودۃ الصّغریٰ ہے اور نہ الموء ودۃ الکبریٰ۔ البتہ معنی حدثی کے درجہ میں یہ ضرور بچے کو زندہ درگور کرنا ہے، یعنی عزل بچے کو زندہ درگور کرنے کی سعی ہے، اس لئے عزل ناپسندیدہ ہے، صرف لاباس بہ (گنجائش) کے درجہ میں جائز ہے۔

[۳۷] باب ماجاء فی کراهیة العزل

[۱۱۱۷-] حدثنا محمدُ بنُ عَبدِ الْمَلِكِ بنِ أَبِی الشَّوَارِبِ، نا یَزِیْدُ بنُ زُرَیْعٍ، نا مَعْمَرٌ، عَنْ یَحییَ بنِ أَبِیْ کَثِیْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بنِ عبدِ الرحمنِ بنِ ثَوْبَانَ، عَنْ جَابِرٍ، قالَ: قُلْنَا: یَارسولَ اللهِ إِنَّا کُنَّا نَعْزِلُ، فَزَعَمَتِ الْیَهُوْدُ: أَنَّهُ الْمَوْءُ وْدَةُ الصُّغْرَی، فقالَ: "کَذَبَتِ الْیَهُوْدُ! إِنَّ اللهَ إِذَا أَرَادَ أَنْ یَخْلُقَهُ لَمْ یَمْنَعْهُ"

وفی الباب: عن عُمَرَ، وأَبِیْ هریرةَ، وأبی سعیدٍ.

[۱۱۱۸-] حدثنا قُتَیبةُ، وابنُ أَبِیْ عُمَرَ، قالا: نا سُفیانُ بنُ عُیَیْنَةَ، عَنْ عَمرِو بنِ دِیْنَارٍ، عن عَطَاءٍ، عن جَابِرِ بنِ عبدِ اللهِ، قالَ: کُنَّا نَعْزِلُ والقُرْآنُ یَنْزِلُ.

حدیثُ جابرٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ، وقَدْ رُوِیَ عَنْهُ مِنْ غَیْرِ وَجْهٍ.

وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ فِي العَزْلِ، وَقَالَ مَالِكُ بنُ أنَسٍ: تُسْتَأْمَرُ الْحُرَّةُ فِي الْعَزْلِ، وَلاَ تُسْتَأْمَرُ الأَمَةُ.

وضاحت: جس طرح مرد چاہتا ہے کہ صحبت آخر تک پہنچے، عورت بھی چاہتی ہے کہ اس کا مقصد پورا ہو، اس لئے اگر بیوی آزاد ہے تو اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنا درست نہیں، کیونکہ وہ تشنہ رہ جائے گی، پس عزل کرنا اس کا حق مارنا ہے، ہاں اگر وہ اجازت دے تو عزل کرسکتے ہیں۔ اور باندی میں اجازت ضروری نہیں، کیونکہ اس کا کوئی حق نہیں، امام مالک رحمہ اللہ نے یہی بات بیان کی ہے اور یہ بات ابن ماجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے، نبی ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے (مشکوۃ حدیث ۳۱۹۷) علاوہ ازیں: اولاد ہونا عورت کی فطری خواہش ہے، جن عورتوں کی اولاد نہیں ہوتی وہ بے حد پریشان رہتی ہیں، اور کردنی ناکردنی کرتی ہیں، اس لئے بھی آزاد عورت کی اجازت ضروری ہے۔

ملحوظہ: امام ترمذیؒ نے حضرت جابرؓ کی دوسری حدیث پر حکم لگایا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے، پہلی حدیث پر حکم نہیں لگایا۔ یہ حدیث نسائی کی سنن کبری باب عشرۃ النساء وغیرہ میں ہے اور حسن کے درجہ کی ہے کیونکہ یحیی بہت اچھے راوی ہیں، مگر تدلیس وارسال ان کی کمزوری ہے۔ بعض حضرات کو جیسے سیوطیؒ کو درمنثور (۱:۲۶۷) میں دھوکہ لگا ہے، انھوں نے امام ترمذیؒ کی تصحیح کو پہلی حدیث سے متعلق کیا ہے۔

[۳۸] باب ماجاء في كراهية العزل

[۱۱۱۹-] حدثنا ابنُ أَبِيْ عُمَرَ، وَقُتَيْبَةُ، قالاَ: نا سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابنِ أَبِيْ نَجِيْحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ قَزَعَةَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قال: ذُكِرَ العَزْلُ عِنْدَ رسولِ اللهِ صلى الله لعيه وسلم، فقالَ: "لِمَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ؟" زَادَ ابنُ أَبِيْ عُمَرَ فِيْ حَدِيْثِهِ: وَلَمْ يَقُلْ: "لاَ يَفْعَلْ ذَاكَ أَحَدُكُمْ" قالاَ فِيْ حَدِيْثِهِمَا: "فَإِنَّهَا لَيْسَتْ نَفْسٌ مَخْلُوْقَةٌ إِلاَّ اللهُ خَالِقُهَا"

وفي الباب: عن جَابِرٍ، حديثُ أَبِيْ سَعِيْدٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ. وقَدْ كَرِهَ الْعَزْلَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ.

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کی مجلس میں عزل کا تذکرہ آیا آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا کیوں کرتا ہے؟ امام ترمذیؒ کے پہلے استاذ ابن ابی عمر کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: رسول اللہ ﷺ نے لایفعل ذاک احدکم (تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے) نہیں فرمایا، پھر دونوں اساتذہ کی حدیث متفق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بیشک نہیں ہے کوئی پیدا ہونے والی جان مگر اللہ اس کو پیدا کرنے والے ہیں"، یعنی جس کا پیدا ہونا

مقدر ہے وہ ضرور پیدا ہوگا ــــــ صحابہ وغیرہ بعض اہل علم نے عزل کو ناپسند کیا ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الْقِسْمَةِ لِلْبِكْرِ والثَّيِّبِ

کنواری اور بیوہ کے لئے باری مقرر کرنے کا بیان

یہ عنوان غیر واضح ہے۔ تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر کسی شخص کے نکاح میں پہلے سے ایک یا زیادہ بیویاں ہوں، پھر وہ نئی شادی کرے تو اگر نئی دلہن بیوہ ہے تو تین دن اور کنواری ہے تو سات دن اس کا حق ہے، شوہر نئی دلہن کے پاس تین دن یا سات دن گذار کر پرانی بیویوں کے پاس جائے گا، رہی یہ بات کہ یہ محض حق ہے یا مخصوص حق ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ نئی دلہن کا مخصوص حق ہے، پس یہ دن باری سے خارج ہونگے اور حنفیہ کے نزدیک وہ محض حق ہیں، پس یہ دن دوسری بیویوں کو مجرا دیئے جائیں گے یعنی جتنے دن وہ نئی دلہن کے پاس رہا ہے اتنے دن پرانیوں کے پاس بھی رہے گا۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کنواری سے نکاح کرے جبکہ اس کے نکاح میں پہلے سے کوئی عورت ہو تو وہ نئی دلہن کے پاس سات دن ٹھہرے، اور جب بیوہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ تین دن یا سات دن نئی دلہن کا مخصوص حق ہیں، اور ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے، اور حنفیہ کی دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جب نبی ﷺ کا ان سے نکاح ہوا تو وہ بیوہ تھیں، آپ اُن کے پاس تین دن ٹھہرے پھر فرمایا: لیس بكِ علی أهلِكِ هَوان: تم اپنے شوہر کو کچھ ناپسند نہیں ہو، اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن ٹھہروں، فإنْ سبَّعتُ لكِ سَبَّعتُ لنسائی: یعنی اگر میں آپ کے پاس سات دن ٹھہرا تو دوسری بیویوں کے پاس بھی سات دن ٹھہروں گا (ابوداؤد ا:۲۸۹ باب فی المقام عند البکر) اس سے معلوم ہوا کہ وہ تین دن حضرت ام سلمہ کا مخصوص حق نہیں تھے اگر مخصوص حق ہوتے تو آپ رَبَّعْتُ لِنِسَائی فرماتے، یعنی تمہارے پاس سات دن ٹھہرنے کی صورت میں دیگر ازواج کے پاس چار دن ٹھہروں گا۔

اور میری ناقص رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر نئی کے پاس صرف سات دن یا تین دن ٹھہرے تو یہ اس کا مخصوص حق ہے، اور اگر زائد ٹھہرے تو پھر تمام ایام پرانی کو مجرا دینے ہونگے۔ واللہ اعلم

[۳۹] باب ماجاء فی القسمة للبكر والثيب

[۱۱۲۰-] حدثنا أَبُوْ سَلَمَةَ يَحيىَ بنُ خَلَفٍ، نا بِشْرُ بنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ، عن أَبِي قِلَابَةَ، عن أَنَسِ بنِ مَالِكٍ قال: لَوْ شِئْتُ أَنْ أَقُوْلَ: قَالَ رسولُ الله صلی الله عليه وسلم، ولكِنَّهُ قالَ: السُّنَّةُ إِذَا

تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَعَلَى امْرَأَتِهِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا، وإذَا تزوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى امْرَأَتِهِ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا.

وفي الباب: عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، حديثُ أنسٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ رَفَعَهُ مُحَمَّدُ بنُ إسحاقَ، عَنْ أَيُّوبَ، عن أَبِي قِلَابَةَ، عن أَنَسٍ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ بَعْضُهُمْ.

والعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ، قَالُوْا: إِذَا تزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً بِكْرًا عَلَى امْرَأَتِهِ: أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا، ثُمَّ قَسَمَ بَيْنَهُمَا بَعْدُ بِالْعَدْلِ، وَإِذَا تزَوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى امْرَأَتِهِ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا.

وضاحت: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کو ابوقلابہ نے من السنۃ کہہ کر بیان کیا ہے اور فرماتے ہیں: اگر میں قال رسول اللہ کہنا چاہوں تو کہہ سکتا ہوں، یعنی صراحۃً حدیث کو مرفوع کر سکتا ہوں، کیونکہ روایت بالمعنی جائز ہے مگر چونکہ بلفظہ روایت کرنا اولیٰ ہے اس لئے میں صراحۃً حدیث کو مرفوع نہیں کرتا بلکہ جو الفاظ حضرت انسؓ نے کہے تھے انہی لفظوں سے حدیث بیان کرتا ہے، انھوں نے کہا تھا السنۃ الی آخرہ ـــــ اس حدیث کو جس طرح خالد حذّاء نے حکماً مرفوع کیا ہے ایوب سختیانی نے بھی مرفوع کیا ہے، ان سے محمد بن اسحاق روایت کرتے ہیں اور کچھ اور روات اس حدیث کو مرفوع نہیں کرتے، بلکہ حضرت انسؓ کا قول قرار دیتے ہیں ـــــ بعض علماء کہتے ہیں: جب آدمی بیوی ہوتے ہوئے کسی باکرہ عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن ٹھہرے پھر ان کے درمیان انصاف سے باری مقرر کرے۔ اور جب بیوی ہوتے ہوئے ثیبہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے (پھر انصاف سے باری مقرر کرے)

بابُ ماجاء فی التَّسْوِيَةِ بَيْنَ الضَّرَائِرِ

بیویوں کے درمیان برابری کرنے کا بیان

ضرائر: ضَرَّۃٌ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: سوکن۔ ایک خاوند کی دو یا زیادہ بیویاں آپس میں ''سوکنیں'' کہلاتی ہیں۔ سوکنوں کے درمیان اختیاری معاملات میں انصاف کرنا واجب ہے اور جو معاملات غیر اختیاری ہیں، جیسے محبت ومودت اس میں برابری ضروری نہیں، کیونکہ دل پر کسی کا اختیار نہیں، خود نبی ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی اور آپ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! جو باتیں میرے اختیار میں ہیں ان میں تو میں برابری کرتا ہوں مگر جو بات میرے بس میں نہیں، آپ کے بس میں ہے اس پر میرا مؤاخذہ نہ فرمائیں!'' معلوم ہوا کہ محبت میں برابری ضروری نہیں، اسی طرح اگر بیویوں کے متعلقات کم وبیش ہوں مثلاً ایک بیوی کی ایک اولاد ہے اور دوسری کی سات اولاد تو ان کو کم وبیش خرچہ دینا نابرابری نہیں ہے۔

حدیث (۱): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان باری مقرر کرتے تھے، پس انصاف سے باری مقرر کرتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے ان چیزوں میں جو میرے اختیار

میں ہیں، پس آپ میرا مؤاخذہ نہ فرمائیں اس چیز میں جو آپ کے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں ہے۔

تشریح: راجح قول کے مطابق آنحضور ﷺ پر باری مقرر کرنا فرض نہیں تھا، بلکہ محض تبرع اور احسان تھا تاکہ کسی بیوی صاحبہ کا دل کھٹانہ ہو، سورۃ الاحزاب آیت ۵۱ میں ارشاد پاک ہے: ''آپ ان میں سے جس کو چاہیں پیچھے کریں اور ان میں سے جس کو چاہیں اپنی طرف ٹھکانہ دیں'' اس اختیار دینے سے وجوب کی نفی ہو جاتی ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان انصاف نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی ایک جانب مفلوج ہوگی۔

تشریح: یہ جزاء جنس عمل سے ہے اس نے ایک بیوی کو مفلوج کر رکھا تھا اس لئے اس کی ایک جانب مفلوج ہوگی۔

[۴۰] باب ماجاء فی التسویة بین الضرائر

[۱۱۲۱-] حدثنا ابنُ أبی عُمَرَ، نا بِشْرُ بنُ السَّرِیِّ، نا حَمَّادُ بنُ سَلَمَةَ، عن أَیُّوبَ، عَنْ أبی قِلَابَةَ، عن عَبْدِ اللهِ بنِ یَزِیْدَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کانَ یَقْسِمُ بَیْنَ نِسَائِهِ فَیَعْدِلُ، وَیَقُوْلُ: " اللّٰهُمَّ! هٰذِهِ قِسْمَتِیْ فِیْمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ"

حدیثُ عائشةَ هٰكَذَا رَوَاهُ غَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ، عن أَیُّوبَ، عَنْ أبی قِلَابَةَ، عن عَبْدِ اللهِ بنِ یَزِیْدَ، عن عَائِشَةَ، أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کانَ یَقْسِمُ، وَرَوَاهُ حَمَّادُ بنُ زَیْدٍ، وغَیْرُ وَاحِدٍ، عَنْ أَیُّوبَ، عن أبی قِلَابَةَ مُرْسَلًا: أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کانَ یَقْسِمُ، وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِیْثِ حَمَّادِ بنِ سَلَمَةَ.

ومَعْنَی قَوْلِهِ: " لَاتَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ" إِنَّمَا یَعْنِیْ بِهِ الحُبَّ والْمَوَدَّةَ، کَذَا فَسَّرَهُ بَعْضُ أهلِ العلمِ.

[۱۱۲۲-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا عبدُ الرحمنِ بنُ مَهْدِیٍّ، نا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عن النَّضْرِ بنِ أَنَسٍ، عَنْ بَشِیْرِ بنِ نَهِیْكٍ، عن أبی هُرَیرةَ، عَنِ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قالَ: " إِذَا کانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ، فَلَمْ یَعْدِلْ بَیْنَهُمَا، جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ"

وإِنَّمَا أَسْنَدَ هٰذَا الحدیثَ هَمَّامُ بنُ یَحییٰ، عن قَتَادَةَ، وَرَوَاهُ هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِیُّ، عَنْ قَتَادَةَ قالَ: کانَ یُقَالُ، وَلَانَعْرِفُ هٰذَا الحدیثَ مَرْفُوْعًا إِلَّا مِنْ حدیثِ هَمَّامٍ.

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو حماد بن سلمہ نے مسند اور حماد بن زید نے مرسل روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے مرسل حدیث کو اصح قرار دیا ہے ـــــ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صرف

ہمام نے مرفوع کیا ہے یعنی ان کی روایت میں عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور ہشام دستوائی کی حدیث میں کان یُقال ہے یعنی حضرت ابوہریرہؓ اس حدیث کو نبی ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الزَّوْجَیْنِ الْمُشْرِکَیْنِ یُسْلِمُ أَحَدُھُمَا

زوجین میں سے ایک مسلمان ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہوجائے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خواہ دارالاسلام میں اسلام قبول کیا ہو یا دارالحرب میں: تین حیض تک نکاح باقی رہے گا، اگر تین حیض آنے سے پہلے دوسرا مسلمان ہوجائے تو نکاح باقی ہے اور تین حیض کے بعد مسلمان ہوا تو نکاح ختم ہوجائے گا۔ اب نئے مہر سے نیا نکاح کرنا ہوگا۔ یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مدار عدت پر ہے اور حنفیہ کے نزدیک تباین دارین، اباءعن الاسلام اور عدت تینوں سے نکاح ختم ہوجاتا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ زوجین میں سے اگر کوئی ایک دارالحرب میں مسلمان ہوا، پھر وہ ہجرت کرکے دارالاسلام میں آگیا تو تباین دارین سے نکاح ختم ہوجائے گا۔ اور اگر مسلمان ہونے والا فرد دارالحرب ہی میں رہا ہجرت کرکے دارالاسلام میں نہیں آیا تو تین حیض تک نکاح باقی رہے گا اس کے بعد ختم ہوجائے گا، اور اگر دارالاسلام میں احدالزوجین مسلمان ہوا تو وہ قاضی کے پاس جائے گا، قاضی دوسرے کو بلاکر اس کے سامنے اسلام پیش کرے گا اگر وہ مسلمان ہوجائے تو فبہا اور انکار کردے تو اباءعن السلام کی وجہ سے نکاح ختم ہوجائے گا۔

جاننا چاہئے کہ آج کل پوری دنیا میں مسلمانوں کی حکومتوں میں بھی سعودیہ کے علاوہ وضعی قانون ہے، یعنی جو قانون لوگوں نے بنایا ہے وہ نافذ ہے، اسلامی قانون نافذ نہیں اور ان ملکوں میں کوئی قاضی نہیں، پس اگر وہاں غیر مسلم جوڑے میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرے تو تین حیض تک نکاح باقی رہے گا اس کے بعد ختم ہوجائے گا۔

فائدہ: یہودی یا عیسائی جوڑے میں سے اگر عورت مسلمان ہوجائے تو اس کے لئے بھی مذکورہ حکم ہے، کیونکہ مسلمان عورت یہودی اور عیسائی مرد کے نکاح میں نہیں رہ سکتی اور اگر مرد مسلمان ہوجائے تو نکاح باقی رہے گا، کیونکہ مسلمان کے نکاح میں یہودی یا عیسائی عورت رہ سکتی ہے۔ باب میں جو الزوجین کے بعد المشرکین بڑھایا گیا ہے وہ اس مسئلہ سے احتراز ہے (فائدہ ختم ہوا)

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ باب میں دو واقعے ہیں: ایک حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے جو مسلمان تھیں اور ان کے شوہر ابوالعاص کافر تھے، وہ مکہ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھیں، جنگ بدر کے قیدیوں میں ابوالعاص بھی گرفتار ہوئے تھے۔ آنحضور ﷺ نے صحابہ کے مشورے اور اجازت سے ابوالعاص کا فدیہ واپس کردیا تھا اور یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے، چنانچہ انھوں نے وعدہ کے مطابق حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔ پھر

چھ سال کے بعد جب وہ مسلمان ہو کر مدینہ آئے تو آنحضور ﷺ نے حضرت زینب کو ان کے نکاح میں دیدیا، اب روایات مختلف ہیں، جو روایت سند کے اعتبار سے اعلی درجہ کی ہے اس میں یہ ہے کہ نہ نیا نکاح پڑھا گیا نہ نیا مہر مقرر ہوا، سابقہ نکاح ہی پر آنخضرت ﷺ نے حضرت زینب کو ان کے حوالے کر دیا۔ اس روایت پر کسی نے عمل نہیں کیا، نہ ائمہ ثلاثہ نے اور نہ احناف نے۔ اور دوسری روایت میں جس کی اسنادی حالت کمزور ہے کیونکہ اس میں حجاج بن ارطاۃ مشہور ضعیف راوی ہے: یہ ہے کہ نیا نکاح پڑھا گیا اور نیا مہر بھی مقرر ہوا، چاروں ائمہ نے اسی حدیث کو لیا ہے۔

اور دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک جوڑا ایک ساتھ مسلمان ہوا پھر مرد کو پہلے موقعہ ملا وہ پہلے مدینہ آ گیا اور عورت کچھ دنوں کے بعد آئی۔ مرد نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ میری بیوی ہے اور ہم ایک ساتھ مسلمان ہوئے ہیں، چنانچہ آپؐ نے اس عورت کو نکاح جدید اور مہر جدید کے بغیر اس مرد کے حوالے کیا، یعنی سابقہ نکاح باقی رکھا، اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، اگر میاں بیوی ایک ساتھ مسلمان ہوئے ہوں تو نکاح برقرار رہے گا۔

[٤١] باب ماجاء في الزوجين المشركين يُسلم أحدهما

[١١٢٣-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيعٍ، وهَنَّادٌ، قالاَ: نَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عنِ الْحَجَّاجِ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَدَّ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِيْ العَاصِ بنِ الرَّبِيْعِ بِمَهْرٍ جَدِيْدٍ وَنِكَاحٍ جَدِيْدٍ.

هٰذَا حديثٌ فِيْ إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، والعملُ عَلَى هٰذَا الحديثِ عِنْدَ أَهْلِ العلمِ: أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا أَسْلَمَتْ قَبْلَ زَوْجِهَا، ثُمَّ أَسْلَمَ زَوْجُهَا وَهِيَ فِيْ العِدَّةِ: أَنَّ زَوْجَهَا أَحَقُّ بِهَا مَا كَانَتْ فِيْ الْعِدَّةِ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بنِ أَنَسٍ، والأَوْزَاعِيِّ، والشَّافِعِيِّ، وأحمدَ، وإسحاقَ.

[١١٢٤-] حدثنا هَنَّادٌ، نا يُوْنُسُ بنُ بُكَيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بنِ إسحاقَ، قالَ: حدَّثَنِيْ دَاوُدُ بنُ حُصَيْنٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: رَدَّ النبيُّ صلى الله عليه وسلم ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِيْ الْعَاصِ بنِ الرَّبِيْعِ، بَعْدَ سِتِّ سِنِيْنَ بالنِّكَاحِ الأَوَّلِ، وَلَمْ يُحْدِثْ نِكَاحًا.

هٰذَا حديثٌ لَيْسَ بِإِسْنَادِهِ بَأْسٌ، ولكِنْ لاَنَعْرِفُ وَجْهَ الْحَدِيْثِ، وَلَعَلَّهُ قَدْ جَاءَ هٰذَا مِنْ قِبَلِ دَاوُدَ بنِ حُصَيْنٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

[١١٢٥-] حدثنا يُوْسُفُ بنُ عِيسَى، نا وَكِيْعٌ، نا إِسْرائيلُ، عَنْ سِمَاكِ بنِ حَرْبٍ، عن عِكْرِمَةَ، عن ابنِ عبَّاسٍ: أَنَّ رَجُلاً جَاءَ مُسْلِمًا عَلَى عَهْدِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ جَاءَتِ امْرَأَتُهُ مُسْلِمَةً، فقالَ: يارسولَ اللهِ! إِنَّهَا كَانَتْ أَسْلَمَتْ مَعِيْ، فَرَدَّهَا عَلَيْهِ.

هٰذَا حديثٌ صحيحٌ، سَمِعْتُ عَبْدَ بنَ حُمَيْدٍ، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ يَزِيْدَ بنَ هَارُوْنَ يَذْكُرُ عَنْ مُحمَّدِ

بنِ إسحاقَ هٰذَا الحديثَ.

وحديثُ الْحَجَّاجِ، عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ، عن أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ: أَنَّ النبيَّ صلى الله عليه وسلم رَدَّ ابْنَتَهُ عَلَى أَبِي الْعَاصِ بنِ الرَّبِيْعِ بِمَهْرٍ جَدِيْدٍ وَنِكَاحٍ جَدِيْدٍ: فقالَ يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ: حديثُ ابنِ عَبَّاسٍ أَجْوَدُ إِسْنَادًا، والعملُ عَلَى حديثِ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ.

ترجمہ: اس حدیث پر علماء کا عمل ہے عورت جب اپنے شوہر سے پہلے مسلمان ہو پھر اس کا شوہر مسلمان ہو اور عورت عدت میں ہو تو شوہر اس کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ وہ عدت میں ہے، اور یہ ائمہ ثلاثہ اور امام اوزاعی اور امام اسحاق کا مذہب ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاجزادی حضرت زینبؓ کو چھ سال کے بعد ابوالعاص پر سابقہ نکاح سے پھیرا اور نیا نکاح نہیں کیا۔ اس حدیث کی سند میں کوئی خرابی نہیں مگر حدیث کا کیا مطلب ہے، ہم نہیں جانتے شاید داؤد بن حصین کے حافظہ کی جانب سے یہ بات آئی ہے یعنی ہو نہ ہو یہ داؤد کی گڑبڑ ہے (یہ عجیب تبصرہ ہے! اصل بات یہ ہے کہ سند کی صحت کے لئے مضمون کی صحت لازم نہیں، اور سند کے ضعف کو مضمون کا عدم ثبوت لازم نہیں، اسی لئے مضمون فہمی کے لئے اور واقعہ کی صحیح صورت جاننے کے لئے فقہاء کی ضرورت ہوتی ہے، یہ کام محدثین کرام کا نہیں ہے) ——— یزید بن ہارون بڑے محدث ہیں وہ فرماتے ہیں: سند کے اعتبار سے ابن عباس کی حدیث عمدہ ہے مگر علماء کا عمل عمرو بن شعیب کی حدیث پر ہے۔

بابُ ماجاءَ فی الرَّجُلِ یَتزوَّجُ الْمرأَةَ فیَمُوْتُ عَنْها قَبْلَ أَنْ یَفرِضَ لَها

زوجین میں سے کسی کا صحبت یا خلوت صحیحہ سے پہلے انتقال ہو جائے تو نکاح پختہ ہو جائے گا

تمام ائمہ متفق ہیں کہ جس طرح جماع سے نکاح مؤکد (پختہ) ہو جاتا ہے اسی طرح احد الزوجین کے مرنے سے بھی نکاح مؤکد ہو جاتا ہے، پس اگر رخصتی سے پہلے عورت کا انتقال ہو جائے تو مرد کو اس کی میراث ملے گی یا مرد کا انتقال ہو جائے تو عورت کو اس کی میراث ملے گی، اور اس پر عدت بھی واجب ہوگی، اور عورت کو پورا مہر ملے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف تھا، حضرت علی، زید بن ثابت اور ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ عورت کو مہر نہیں ملے گا، کیونکہ مرد نے بیوی کے بُضع (شرمگاہ) سے فائدہ نہیں اٹھایا، امام شافعی رحمہ اللہ کی بھی پہلے یہی رائے تھی، اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ عورت کو پورا مہر ملے گا، نہ کم نہ زیادہ۔ اور اگر مہر مقرر نہیں ہوا تو مہر مثل ملے گا۔ جمہور کا استدلال بروع بنت واشق کی حدیث سے ہے، ان کے شوہر کا رخصتی سے پہلے انتقال ہو گیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے پورے مہر کا فیصلہ کیا اور ان کو پورا مہر دلوایا امام شافعی رحمہ اللہ کے سامنے پہلے اس حدیث کی کوئی قابل قبول سند نہیں تھی

اس لئے وہ اس حدیث کو نہیں لیتے تھے، پھر جب آپ مصر تشریف لے گئے تو وہاں اس حدیث کی اچھی سندیں آپ کے سامنے آئیں، پس آپ نے اپنے سابقہ قول سے رجوع کرلیا، اور مسئلہ اجماعی ہوگیا کہ اگر شوہر کا انتقال ہوجائے اور صحبت اور خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو تو بھی عورت کو پورا مہر ملے گا، میراث بھی ملے گی اور عورت پر عدت بھی واجب ہوگی۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا اس کا کوئی مہر مقرر نہیں ہوا تھا کہ رخصتی سے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے غور کرکے جواب دینے کا وعدہ کیا اور آج کل آج کل کرتے کرتے ایک مہینہ گذر گیا، پھر جب ان کو شرح صدر ہوا تو فرمایا: فلاں وقت جواب دونگا، اس وقت کافی لوگ جمع ہوگئے، آپؓ نے مسئلہ بتایا کہ اس عورت کو مہر مثل ملے گا نہ کچھ کم ہوگا نہ زیادہ، اور عورت پر عدت واجب ہوگی اور اس کو میراث ملے گی، یہ جواب سن کر حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمارے قبیلہ کی خاتون بروع بنت واشق کے بارے میں نبی ﷺ نے یہی فیصلہ کیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث سن کر بے حد خوشی ہوئی وہ فرماتے تھے: اسلام لانے کی خوشی تو اس سے زیادہ تھی اس کے علاوہ سب سے زیادہ خوشی آج ہوئی ہے!

[۴۲] باب ماجاء في الرجل يتزوج المرأةَ فيموت عنها قبل أن يَفْرِضَ لها

[۱۱۲۶-] حدثنا مَحْمودُ بنُ غَيْلاَنَ، نايَزِيْدُ بنُ الْحُبَابِ، نا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عن إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عن ابنِ مَسْعُوْدٍ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا، وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى مَاتَ، فَقَالَ ابنُ مَسْعُوْدٍ: لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا، لاَوَكْسَ وَلاَ شَطَطَ، وعَلَيْهَا الْعِدَّةُ، وَلَهَا الْمِيْرَاثُ، فَقَامَ مَعْقِلُ بنُ سِنَانٍ الأَشْجَعِيُّ، فقالَ: قَضَى رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ بِرْوَعِ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِنَّا مِثْلَ مَا قَضَيْتَ، فَفَرِحَ بِهَا ابنُ مَسْعُوْدٍ.

وفي الباب: عن الجَرَّاحِ.

حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلاَّلُ، نا يَزِيْدُ بنُ هَارُوْنَ، وعبدُ الرَّزَّاقِ كِلاَهُمَا: عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ نَحْوَهُ.

حديثُ ابنِ مَسْعُوْدٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، والعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، وَبِهِ يَقُوْلُ الثَّوْرِي، وأحمدُ وإسحاقُ.

وقَالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، مِنْهُمْ: عَلِيُّ بنُ أَبِيْ طَالِبٍ، وَزَيْدُ بنُ ثَابِتٍ، وابنُ عَبَّاسٍ، وابنُ عُمَرَ: إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً، وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا حَتَّى مَاتَ، قَالُوْا: لَهَا الْمِيْرَاثُ، وَلاَ صَدَاقَ لَهَا، وعَلَيْهَا الْعِدَّةُ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وقالَ: وَلَوْ ثَبَتَ حَدِيثُ بِرْوَعَ

بِنتِ وَاشِقٍ لَكَانَتِ الْحُجَّةُ فِيمَا رُوِىَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرُوِىَ عَنِ الشَّافعيِّ أَنَّهُ رَجَعَ بِمِصْرَ عَنْ هٰذَا الْقَوْلِ، وقَالَ بِحَدِيْثِ بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ.

ترجمہ: صحابہ میں سے بعض اہل علم مثلاً: حضرت علی، زید بن ثابت، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ کسی نے کسی عورت سے شادی کی اور اس کے لئے کوئی مہر مقرر نہ کیا، یہاں تک کہ اس کا انتقال ہوگیا تو وہ کہتے ہیں: اس عورت کے لئے میراث ہے اور اس کے لئے مہر نہیں ہے، اور اس پر عدت واجب ہے، اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور اگر بروع بنت واشق کی حدیث (صحیح سند سے) ثابت ہوجائے تو جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے وہی مسئلہ ہوگا۔ اور امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے مصر میں اپنے سابقہ قول سے رجوع کرلیا تھا اور بروع بنت واشق کی حدیث کو مذہب بنایا تھا۔

أَبْوَابُ الرَّضَاعِ

شیر خواری کا بیان

بَابُ ماجاءَ يُحَرَّمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يُحَرَّمُ مِنَ النَّسَبِ

ناتے سے جو رشتے حرام ہوتے ہیں: دودھ پینے سے بھی وہ رشتے حرام ہوتے ہیں

ابھی ابواب النکاح چل رہے ہیں، ختم نہیں ہوئے، ان کے درمیان میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابواب الرضاع داخل کئے ہیں، ابواب الرضاع ڈیڑھ صفحہ تک (٦ باب) ہیں، ان کے دونوں طرف ابواب النکاح ہیں۔ امام ترمذیؒ نے ایسا ابواب البیوع میں بھی کیا ہے، وہاں درمیان میں ابواب الاحکام لے آئے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے ایسا ان ہی دو جگہوں میں کیا ہے۔

حدیث (۱): حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ نے دودھ پینے کی وجہ سے حرام کئے ہیں وہ رشتے جو نسب کی وجہ سے حرام کئے ہیں''

حدیث (۲): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ نے دودھ پینے کی وجہ سے حرام کئے ہیں وہ رشتے جو جننے کی وجہ سے حرام کئے ہیں''

تشریح: سورۃ النساء آیت ۲۳ میں نسب کی بنا پر سات رشتوں کو حرام قرار دیا ہے: (۱) مائیں یعنی اصول (۲) بیٹیاں یعنی فروع (۳) بہنیں یعنی اصل قریب (ماں باپ) کی فروع (۴) پھوپھیاں یعنی اصل بعید (دادا دادی) کی صلبی

فروع (۵) خالائیں یعنی نانانانی کی صلبی فروع (۶) بھتیجیاں (۷) بھانجیاں۔ان کا خلاصہ چار اصول ہیں:

۱- مذکر و مؤنث اصول یعنی باپ دادا، نانا اوپر تک، اور ماں، دادی، نانی اوپر تک (اُمھات سے یہ سب اصول مراد ہیں)

۲- مذکر و مؤنث فروع یعنی بیٹا، پوتا، نواسا نیچے تک اور بیٹی، پوتی، نواسی نیچے تک (بنات سے یہ سب فروع مراد ہیں)

۳- اصل قریب (ماں باپ) کی تمام مذکر و مؤنث فروع یعنی بھائی، بھتیجے نیچے تک، اور بہنیں، بھتیجیاں، بھانجیاں نیچے تک (أخوات، بنات الأخ اور بنات الأخت سے یہ رشتے مراد ہیں)

۴- اصل بعید (دادا، دادی، نانا، نانی اوپر تک) کی تمام صلبی (بلاواسطہ) مذکر و مؤنث اولاد یعنی چچا، ماموں، پھوپھی اور خالہ چاہے وہ پردادا اور پرنانا کی صلبی اولاد ہو (عَمّات اور خَالات سے یہ سب مراد ہیں)

نوٹ: اصل بعید کی بالواسطہ فروع یعنی چچازاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد حلال ہیں۔

اس کے بعد رضاعی رشتوں کا ذکر ہے: ﴿وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ﴾ یعنی تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں۔ اس کے بعد سسرالی رشتوں کا ذکر ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ دو رضاعی رشتے بطور مثال بیان کئے ہیں، ان میں حصر نہیں بلکہ وہ ساتوں رشتے جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں، دودھ پینے کی وجہ سے بھی حرام ہوتے ہیں۔ مثلاً: ایک لڑکے یا لڑکی نے خالدہ کا دودھ پیا تو اس پر خالدہ کے اصول و فروع اور اس کی اصل قریب کی تمام فروع اور اصل بعید کی صلبی فروع سب حرام ہیں۔

ملحوظہ: آپ ﷺ نے یہ جو تفسیر فرمائی ہے کہ قرآن کریم میں دو رضاعی رشتوں کا تذکرہ بطور مثال ہے، ان میں حصر نہیں، اور رضاعت سے نسب والے ساتوں رشتے حرام ہوتے ہیں، یہ ایسی تفسیر ہے جسے اللہ کا رسول ہی کر سکتا ہے، امت کے مجتہدین یہ تفسیر نہیں کر سکتے۔

أبواب الرضاع

[۱] باب ماجاء يُحَرَّمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يُحَرَّمُ مِنَ النَّسَبِ

[۱۱۲۷-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا إِسْمَاعِيْلُ بنُ إِبْرَاهِيْمَ، نا عَلِيُّ بنُ زَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عن عَلِيٍّ قالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعِ مَاحَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ"

وفي الباب: عن عائشةَ، وابنِ عباسٍ، وأُمِّ حَبِيْبَةَ، هٰذَا حديثٌ صحيحٌ.

[۱۱۲۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بنُ بَشَّارٍ، نا يَحيىَ بنُ سَعِيدٍ، نامَالِكُ بنُ أَنَسٍ، ح: وَنَا إِسْحَاقُ بنُ مُوْسَى الأَنْصَارِيُّ، قالَ: نا مَعْنٌ، قالَ: نا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ دِيْنَارٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ يَسَارٍ، عَنْ عُرْوَةَ بنِ الزُّبَيْرِ، عن عائشةَ قَالَتْ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَاحَرَّمَ

مِنَ الْوِلَادَةِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ، لَانَعْلَمُ بَيْنَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ اخْتِلَافًا.

بابُ ماجاء في لَبَنِ الفَحْلِ (۱)

دودھ پینے سے رضاعی باپ کی طرف بھی حرمت ثابت ہوتی ہے

جس طرح نسب میں حرمت صرف ماں سے متعلق نہیں ہوتی بلکہ باپ سے بھی متعلق ہوتی ہے، کیونکہ بچہ اس کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے، اسی طرح رضاعت میں بھی اگرچہ دودھ پلانے والی عورت ہوتی ہے مگر حرمت رضاعت صرف رضاعی ماں سے متعلق نہیں ہوتی، اس کے شوہر سے بھی متعلق ہوتی ہے، کیونکہ شوہر کی صحبت سے دودھ اترتا ہے اس لئے دودھ میں شوہر کا اثر ہے، پس حرمت اس سے بھی متعلق ہوتی ہے وہ دودھ پینے والے بچہ کا رضاعی باپ ہوجاتا ہے۔لبن الفحل کا یہی مطلب ہے، پس جس طرح دودھ پینے والے لڑکے یا لڑکی پر رضاعی ماں اور اس کے اصول وفروع، اور اصل قریب کی جملہ فروع اور اصل بعید کی صلبی فروع حرام ہوتی ہیں اسی طرح ان پر رضاعی باپ، اس کے اصول وفروع اس کی اصل قریب کی جملہ فروع اور اصل بعید کی صلبی فروع بھی حرام ہوتی ہیں اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

حدیث (۱): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے ان کی رضاعی چچا آئے ان کا نام افلح تھا انھوں نے گھر میں آنے کی اجازت چاہی، حضرت عائشہ نے اجازت دینے سے انکار کیا اور فرمایا: آپ میرے لئے اجنبی ہیں، میرے گھر میں کیسے آسکتے ہیں؟ انھوں نے کہا: میں تمہارا رضاعی چچا ہوں، اس طرح کہ تم نے فلاں عورت کا دودھ پیا ہے اور اس عورت کے شوہر کا میں بھائی ہوں، پس میں تمہارا رضاعی چچا ہوں۔حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: میں نے عورت کا دودھ پیا ہے کسی مرد کا دودھ نہیں پیا۔غرض انھوں نے اجازت نہ دی، بعد میں جب یہ واقعہ انھوں نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا: "وہ تمہارے رضاعی چچا ہیں وہ تمہارے پاس آسکتے ہیں" حضرت عائشہؓ نے اپنا وہی اشکال پیش کیا مگر آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، مکرر یہی فرمایا کہ وہ تمہارے چچا ہیں تمہارے پاس آسکتے ہیں۔

فائدہ: آنحضور ﷺ نے حضرت عائشہ کو ان کے اشکال کا جواب اس لئے نہیں دیا کہ بعض مرتبہ اعتراض ذہن پر مسلط ہوجاتا ہے اور وہ دماغ کی ساری کھڑکیاں بند کردیتا ہے، ایسی صورت میں اگر اس وقت جواب دیا جائے گا تو وہ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ایسی صورت میں مصلحت یہ ہے کہ وقت کو ٹال دیا جائے اور دوسرے کسی مناسب موقعہ پر جواب دیا جائے یا اعتراض کو مہمل چھوڑ دیا جائے، کیونکہ بعض اعتراضات کے جوابات وقت کے ساتھ خود بخود سمجھ میں

(۱) فَحل: کے معنی ہیں: سانڈ، ہر حیوان کا نر، لبن الفحل: سانڈ کا دودھ، مراد: رضاعی باپ ہے۔تعبیر موحش ہے ۱۲

آجاتے ہیں، پس ہوسکتا ہے کہ نبی ﷺ نے بعد میں اس کا جواب دیا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ نے جواب دیا ہی نہ ہو، یہ خیال کر کے کہ وقت گذرنے کے ساتھ جواب خود بخود سمجھ میں آجائے گا۔

حدیث (۲): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کی دو باندیاں ہیں ــــ اور آقا دونوں سے صحبت کرتا ہے اور دونوں سے بچے بھی ہیں ــــ ان میں سے ایک باندی نے کسی بچی کو دودھ پلایا اور دوسری نے کسی بچے کو دودھ پلایا تو کیا ان بچوں کا باہم نکاح ہوسکتا ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: نہیں، کیونکہ دونوں کا باپ ایک ہے، یعنی دونوں باندیوں کا آقا کے صحبت کرنے کی وجہ سے دودھ اترا ہے، پس دونوں کے دودھ میں اس آقا کا اثر ہے اور وہ دونوں بچوں کا رضاعی باپ ہے، پس وہ دونوں بچے رضاعی بھائی بہن ہوئے، اس لئے ان کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا، یہ لبن الفحل کی ایک صورت ہے۔

[۲] باب ماجاء فی لبن الفحل

[۱۱۲۹-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ، نا ابنُ نُمَيْرٍ، عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عن أَبِيْهِ، عن عائشةَ قالتْ: جاءَ عَمِّيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ يَسْتَأْذِنُ عَلَيَّ، فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ حَتّٰى أَسْتَأْمِرَ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فقالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ فَإِنَّهُ عَمُّكِ" قالَتْ: إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ، وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ، قال: "فَإِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: كَرِهُوْا لَبَنَ الْفَحْلِ، وَالْأَصْلُ فِيْ هٰذَا حديثُ عائشةَ، وقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أهلِ العلمِ فِيْ لَبَنِ الفَحْلِ، والقولُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

[۱۱۳۰-] حدثنا قُتيبةُ، نا مَالِكُ بنُ أنسٍ، ح: وثنا الْأَنْصَارِيُّ، نا مَعْنٌ، قالَ: نا مالكُ بنُ أَنَسٍ، عنِ ابنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمْرِو بنِ الشَّرِيْدِ، عن ابنِ عبّاسٍ: أَنَّهُ سُئِلَ عن رَجُلٍ لَهُ جَارِيَتَانِ، أَرْضَعَتْ إِحْدَاهُمَا جَارِيَةً، والْأُخرَى غُلَامًا: أَيَحِلُّ لِلْغُلَامِ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْجَارِيَةَ؟ فقالَ: لَا، اللِّقَاحُ وَاحِدٌ.

وهٰذَا تفسيرُ لَبَنِ الفَحْلِ، وهٰذَا الْأَصْلُ فِيْ هٰذَا البابِ، وَهُوَ قَوْلُ أحمدَ، وإسحاق

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم کا عمل ہے، وہ لبن الفحل کو مکروہ کہتے ہیں (اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ علماء رضاعی ماں کے شوہر کے ساتھ بھی حرمت متعلق کرتے ہیں یعنی وہ دودھ پینے والے بچہ کا رضاعی باپ ہوجاتا ہے) اور اس باب میں اصل حضرت عائشہ کی حدیث ہے اور بعض علماء نے لبن الفحل کی اجازت دی ہے، یعنی وہ رضاعی باپ کے ساتھ حرمت متعلق نہیں کرتے (معلوم نہیں یہ کس کا قول ہے، ائمہ اربعہ کا یہ قول نہیں) اور پہلا قول اصح ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ لَاتُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ

ایک مرتبہ پستان چوسنا اور دو مرتبہ چوسنا حرام نہیں کرتا

مذاہبِ فقہاء: کتنا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ خمسُ رَضاعاتٍ جائعاتٍ مشبعات فی أوقاتٍ مختلفةٍ کے قائل ہیں یعنی بچہ الگ الگ اوقات میں پانچ مرتبہ پیٹ بھر کر دودھ پیئے جبکہ وہ بھوکا بھی ہو، تب حرمت ثابت ہوتی ہے، اس سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ایسا ہی تین مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، اس سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی، اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مطلق دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، اگر ایک قطرہ بھی بالیقین بچے کے پیٹ میں پہنچ گیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اس مسئلہ میں ایک تو قرآن کریم کی آیت ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ﴾ اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہے۔ اس آیت میں مطلق رضاعت کو سبب تحریم قرار دیا گیا ہے، قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔

اور دو حدیثیں ہیں:

پہلی حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے، وہ فرماتی ہیں: قرآن کریم میں دس معلوم رضاعتیں نازل کی گئی تھیں یعنی پہلے آیت اس طرح تھی: وأمهتكم التى أرضعنكم عشر رَضَعَاتٍ معلومات یعنی اگر بچہ دس مرتبہ شکم سیر ہو کر دودھ پیئے تو حرمت ثابت ہوگی، پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور اس کی جگہ خمس رضاعات معلومات کا حکم آیا، صدیقہؓ فرماتی ہیں: نبی ﷺ کی وفات تک قرآن میں خمس رضاعات معلومات کی آیت موجود تھی اور مسئلہ بھی یہی تھا کہ اگر بچہ پانچ مرتبہ دودھ پیئے تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔

یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے مگر اس کا کیا مطلب ہے ہم نہیں جانتے، جیسے اوپر ابن عباسؓ کی حدیث آئی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ابو العاصؓ کی طرف سابقہ نکاح ہی سے پھیر دیا۔ امام ترمذیؒ نے کہا تھا کہ اس حدیث کی اسنادی حالت ٹھیک ہے مگر حدیث کا کیا مطلب ہے ہم نہیں جانتے، یہی حال حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کا ہے، سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے مگر اس کا مطلب ہمیں معلوم نہیں۔ کیونکہ جب حضور اکرم ﷺ کی وفات تک خمس رضاعات معلومات کی آیت قرآن میں تھی تو بعد میں وہ آیت کہاں چلی گئی۔ اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں تو حفاظتِ قرآن پر حرف آتا ہے، پس لامحالہ حدیث کی یہی توجیہ کی جائے گی کہ جس طرح دس معلوم رضاعتوں میں سے پانچ منسوخ ہو گئیں، اسی طرح باقی پانچ بھی منسوخ ہو گئیں، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نسخ کا علم نہ ہوا،

چنانچہ انھوں نے یہ بات فرمائی، اس کے علاوہ کوئی دوسری توجیہ نہیں ہوسکتی۔ غرض اس حدیث کو صرف امام شافعی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے، باقی تینوں ائمہ نے اس حدیث کو نہیں لیا۔

اور دوسری حدیث: یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایک مرتبہ اور دو مرتبہ پستان چوسنا حرام نہیں کرتا'' اور ایک روایت میں ہے: ایک مرتبہ یا دو مرتبہ پستان بچے کے منہ میں داخل کرنا حرام نہیں کرتا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو لیا ہے اور مفہوم مخالف سے استدلال کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: بچہ کا ایک مرتبہ یا دو مرتبہ پستان چوسنا یا بچہ کے منہ میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ پستان دینا تحریم کا سبب نہیں ہے، بلکہ بچہ کا تین مرتبہ یا زیادہ پستان چوسنا یا بچہ کے منہ میں پستان دینا تحریم کا سبب ہے پس تین معلوم رضاعتوں ہی سے حرمت ثابت ہوگی۔

حنفیہ کے نزدیک اولاً مفہوم مخالف حجت نہیں، ثانیاً اس حدیث کا جو مطلب امام احمد رحمہ اللہ نے سمجھا ہے وہ مطلب نہیں ہے بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جب بچہ منہ میں پستان لیتا ہے تو فوراً دودھ نہیں اترتا اور جب دودھ نہیں اترتا تو بچہ پستان منہ میں سے نکال دیتا ہے، پس ماں دوبارہ اس کے منہ میں پستان دیتی ہے، پھر بھی دودھ نہیں اترتا تو بچہ پستان نکال دیتا ہے، بلکہ اگر دانت نکل آئے ہیں تو بچہ کاٹتا ہے، پس ماں تھپڑ مارتی ہے، یہ تماشہ ہوتا رہتا ہے، پس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک یا دو مرتبہ چوسنے سے یا ایک یا دو مرتبہ بچہ کے منہ میں پستان دینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، جب تک دودھ بالیقین بچہ کے پیٹ میں نہ پہنچے حرمت ثابت نہ ہوگی، پس یہ حدیث بھی محتمل ہے اور قرآن کریم کی آیت محکم ہے اور اس میں مطلق رضاعت کو سبب تحریم قرار دیا گیا ہے اس لئے بڑے دو اماموں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

[۳] باب ماجاء لاَتُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلاَ المصتان

[۱۱۳۱-] حدثنا محمدُ بنُ عَبْدِ الأعْلَى الصَّنْعَانِيُّ، نا المُعْتَمِرُ بنُ سُلَيْمَانَ، قالَ: سَمِعْتُ أَيُّوْبَ، يُحَدِّثُ عن عَبْدِ اللهِ بنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ الزُّبَيْرِ، عن عائشةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ: "لاَتُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلاَ الْمَصَّتَانِ"

وفي الباب: عن أُمِّ الْفَضْلِ، وأَبِيْ هريرةَ، والزُّبَيْرِ، وابنِ الزُّبَيْرِ.

وَرَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هذا الحديثَ عن هشام بنِ عروة، عَنْ أَبِيْهِ، عن عبدِ اللهِ بنِ الزُّبَيْرِ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، قالَ: "لاَتُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلا الْمَصَّتَانِ"

وَرَوَى محمدُ بنُ دِيْنَارٍ، عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عن أَبِيْهِ، عن عبدِ اللهِ بنِ الزُّبَيْرِ، عن الزُّبَيْرِ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَزَادَ فِيْهِ مُحمدُ بنُ دِيْنَارٍ: عَنِ الزُّبَيْرِ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ، والصَّحِيْحُ عِنْدَ أَهْلِ الحديث حديثُ ابنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عن عبدِ اللهِ بنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم، حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

والعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ.

[١١٣٢-] قَالَتْ عائشةُ: أُنْزِلَ فِي الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ، فَنُسِخَ مِنْ ذٰلِكَ خَمْسٌ، وَصَارَ إِلَى خَمْسِ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَالْأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ، حدثنا بِذٰلِكَ إسحاقُ بنُ مُوْسَى الْأَنْصَارِيُّ، نا مَعْنٌ، نا مَالِكٌ، عن عَبْدِ اللهِ بنِ أَبِيْ بَكْرٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عن عائشةَ بِهٰذَا.

وبِهٰذَا كَانَتْ عائشةُ تُفْتِيْ وَبَعْضُ أَزْوَاجِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وإسحاق.

وقالَ أحمدُ: بِحَدِيْثِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم:" لَاتُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلا الْمَصَّتَانِ" وقالَ: إِنْ ذَهَبَ ذَاهِبٌ إِلَى قَوْلِ عائشةَ فِيْ خَمْسِ رَضَعَاتٍ فَهُوَ مَذْهَبٌ قَوِيٌّ، وجَبُنَ عَنْهُ أَنْ يَقُوْلَ فِيْه شَيْئًا.

وقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم وغَيْرِهِمْ: يُحَرِّمُ قَلِيْلُ الرَّضَاعِ وَكَثِيْرُهُ، إِذَا وَصَلَ إِلَى الجَوْفِ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، ومَالِكِ بنِ أَنَسٍ، وَالْأَوْزَاعِيِّ، وعبدِ اللهِ بنِ الْمُبَارَكِ، وَوَكِيْعٍ، وَأَهْلِ الْكُوْفَةِ.

ترجمہ اور وضاحت: حدیث: لاتحرم المصة ولا المصتان کی تین سندیں ہیں: (۱) ابن ابی ملیکہ: حضرت عبداللہ بن الزبیر سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ سند باب کے شروع میں ہے اور یہی صحیح ہے (۲) ہشام کے بہت سے تلامذہ ہشام سے، وہ اپنے ابا حضرت عروۃ سے، وہ اپنے بھائی عبداللہ بن الزبیر سے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں (اس سند کے آخر میں حضرت عائشہ کا ذکر نہیں) (۳) اور محمد بن دینار نے یہ حدیث ہشام بن عروۃ سے، انھوں نے اپنے ابا سے، انھوں نے عبداللہ بن الزبیر سے اور انھوں نے اپنے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (مگر یہ آخری دونوں سندیں صحیح نہیں، صحیح سند ابن ابی ملیکہ کی ہے جس کے آخر میں حضرت عائشہؓ کا ذکر ہے) اور حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث حسنٌ صحیحٌ ہے اور اس پر صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم کا عمل ہے (یہ امام احمد کا قول ہے)

حدیث (۱۱۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پہلے قرآن میں عشر رضعات معلومات نازل ہوا تھا (معلومات کے معنی ہیں: مُشبعات یعنی پیٹ بھر کر) پھر پانچ رضاعتیں منسوخ کی گئیں اور حکم پانچ رضعات کی طرف چلا گیا، پس رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی درانحالیکہ معاملہ اسی پر تھا (پھر حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کی سند پیش کی ہے) اور حضرت عائشہ اور بعض ازواج مطہرات اسی کا فتوی دیتی تھیں، اور یہی امام شافعی اور امام اسحاق کا قول ہے، اور امام احمد نے حدیث: لاتحرم المصة کو مذہب بنایا ہے اور فرمایا: اگر کوئی حضرت عائشہ کی پانچ رضعات والی حدیث لے تو وہ بھی قوی مذہب ہے، مگر امام احمدؒ نے اس حدیث کو لینے کی اور اس کے مطابق مسئلہ طے کرنے کی ہمت نہ کی، وہ اس سلسلہ میں کچھ کہنے سے بزدل ہوگئے، اور صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم کہتے ہیں: تھوڑا اور زیادہ دودھ حرام کرتا

ہے جب وہ پیٹ میں پہنچ جائے، یعنی رضاعت کی ہر مقدار محرّم ہے قلیل ہو یا کثیر اور یہ سفیان ثوری وغیرہ کا قول ہے۔

فائدہ: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب قیاس کے مطابق ہے اس لئے کہ رضاعت سے حرمت کی وجہ علاقۂ جزئیت وبعضیت ہے، یعنی عورت کے دودھ سے بچہ کی نشو ونما ہوتی ہے اور دودھ بچہ کا جز بنتا ہے، پس عورت بچہ کا جز بن گئی، اس لئے رضاعی ماں سے نکاح حرام ہوا، کیونکہ اپنے جز سے انتفاع حرام ہے، صرف ضرورت اور مجبوری ہی میں جزء سے انتفاع جائز ہے۔ اور جب جزئیت وبعضیت سبب تحریم ہے تو اس کے لئے کچھ شرائط ہونی چاہئیں، جیسے بچہ کا مدت رضاعت میں دودھ پینا شرط ہے۔ مدت رضاعت کے بعد دودھ پیئے گا تو بالاجماع حرمت ثابت نہ ہوگی، کیونکہ اب اس دودھ سے بچہ کی نشو ونما نہ ہوگی، کیونکہ اب وہ باہر کی غذا لینے لگا ہے پس اس سے نشو ونما ہوگی۔ اسی طرح جب دودھ کی اچھی مقدار بچہ کے پیٹ میں پہنچے گی تبھی بچہ کا نشو ونما ہوگا، قطرہ دو قطرہ سے کیا ہوتا ہے؟ اس لئے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے اقوال قیاس کے مطابق ہیں، مگر شریعت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ امر ظاہر کو امر خفی کے قائم مقام کیا جاتا ہے اور احکام امر ظاہر پر دائر ہوتے ہیں اور اصل سبب کو نسیاً منسیاً کر دیا جاتا ہے، جیسے سفر میں افطار اور قصر کی رخصت کا سبب مشقت ہے، مگر وہ امر خفی ہے اس کا ادراک بہت مشکل ہے، اس لئے امر ظاہر یعنی اڑتالیس میل کے سفر کو مشقت کے قائم مقام کر دیا، اور اصل علت مشقت کو بھلا دیا، اسی طرح یہاں بھی عورت کے دودھ سے بچہ کی بالیدگی ہوئی یا نہیں؟ اور دودھ بچہ کا جزء بنا یا نہیں؟ یہ امر خفی ہے اس کا پتا لگانا مشکل ہے اس لئے امر ظاہر یعنی دودھ پینے کو اس کے قائم مقام کر دیا۔ اب بچہ کے پیٹ میں دودھ پہنچتے ہی حرمت ثابت ہو جائے گی، خواہ قلیل ہو یا کثیر اور اصل علت کو ایک طرف کر دیا جائے گا، اب اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

ملحوظہ: ترمذی کے ہندوستانی نسخوں میں ترکہ بھی ہے اور تصحیف بھی، میں نے مصری نسخہ سے عبارت صحیح کی ہے، اس کے بغیر سند کی بحث سمجھی نہیں جا سکتی، وفی الباب کی فہرست کے بعد عن عائشة سے ولا المصتان تک عبارت حذف کی ہے اور اس کی جگہ روی غیر واحد سے ولا المصتان تک عبارت لکھی ہے۔

بَابُ ماجاءَ فی شَهَادَةِ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ فِیْ الرَّضَاعِ

ثبوت رضاعت میں ایک عورت کی گواہی

مذاہب فقہاء: ثبوت رضاعت میں ایک عورت کی شہادت کافی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ہر امام کی رائے الگ ہے، کیونکہ یہ مسئلہ منصوص نہیں، اجتہادی ہے ——— امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک: رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے، بشرطیکہ وہ خود مرضعہ (دودھ پلانے والی) ہو اور دوسرے گواہ کی جگہ اس سے قسم لی جائے گی۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک: دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی، یا چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے، اس سے کم شہادت کافی

نہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی بھی کافی ہے۔ غرض ائمہ ثلاثہ نے رضاعت میں صرف عورتوں کی گواہی کا اعتبار کیا ہے۔ اور حنفیہ کا اصول یہاں بھی وہی ہے جو معاملات میں ہے یعنی ثبوتِ رضاعت کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے اور تنہا عورتوں کی گواہی سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

حدیث: حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک عورت سے نکاح کیا، جب شادی کی شہرت ہوئی تو ایک حبشن ہمارے پاس آئی اور اس نے کہا: میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اس لئے تم دونوں بھائی بہن ہو، میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا ہے، اب ایک حبشن کہتی ہے کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اور وہ جھوٹی ہے! جب حضرت عقبہؓ نے وھی کاذبۃ کہا تو نبی ﷺ نے رخ پھیر لیا، تھوڑی دیر بعد انھوں نے دوسری جانب سے آکر یہی بات عرض کی، آپؐ نے پھر رخ پھیر لیا ان کو احساس نہیں ہوا کہ آپؐ بار بار اعراض کیوں کر رہے ہیں؟ جب انھوں نے تیسری بار یہی بات عرض کی تو آپؐ نے رخ نہیں پھیرا بلکہ فرمایا: ''جب وہ کہتی ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اب تم اس کو کیسے رکھو گے! اسے چھوڑ دو''

تشریح: اس واقعہ سے امام احمد رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ رضاعت میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے، مگر آپ کا یہ استدلال صحیح نہیں، کیونکہ یہاں نہ تو مرضعہ قاضی کے سامنے آئی ہے اور نہ گواہی دی ہے، بلکہ حضرت عقبہ نے اس کی اطلاع دی ہے، پس یہ حدیث کسی بھی امام کا مستدل نہیں بن سکتی، اس لئے میں نے کہا تھا کہ یہ مسئلہ محض اجہادی ہے منصوص نہیں۔

سوال: جب عورت نے آکر گواہی نہیں دی اور رضاعت ثابت نہیں ہوئی تو آپؐ نے حضرت عقبہ کو بیوی چھوڑ دینے کا حکم کیوں دیا؟

جواب: آنحضور ﷺ نے یہ حکم دیانۃً دیا تھا قضاءً نہیں دیا تھا، جب ایک عورت کہہ رہی ہے کہ اس نے دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اب شک پیدا ہو گیا اور حدیث ہے: دَعْ مَایُرِیْبُکَ إِلٰی مَالَایُرِیْبُکَ یعنی جو بات بے کھٹک ہو اسے اختیار کرو اور کھٹک والی بات چھوڑ دو، پس دینداری کا تقاضا یہ ہے کہ اس عورت کو الگ کر دیا جائے، دنیا میں عورتیں بہت ہیں، کسی اور سے نکاح کیا جائے، دینداری کے نقطۂ نظر سے یہ بات ضروری ہے، اگرچہ قضاءً ضروری نہیں، یہ بات امام وکیع رحمہ اللہ نے کہی ہے۔

[٤] باب ماجاء فی شهادة المرأة الواحدة فی الرضاع

[١١٣٣-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نا إِسْمَاعِيلُ بنُ إِبْرَاهِيمَ، عن أَيُّوبَ، عن عَبْدِ اللهِ بنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بنُ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ عُقْبَةَ بنِ الْحَارِثِ ـ قَالَ: وَسَمِعْتُهُ مِنْ عُقْبَةَ، ولكِنِّي لِحَدِيْثِ عُبَيْدٍ أَحْفَظُ ـ قَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَجَاءَ تْنَا امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ، فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ

صلى الله عليه وسلم، فَقُلْتُ: تَزَوَّجْتُ فُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ، فَجَاءَ تنَا امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ، فقالت: إِنِّیْ قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا، وَهِيَ كَاذِبَةٌ، قال: فَأَعْرَضَ عَنِّیْ، قال: فَأَتَيْتُهُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهِ، فَقُلْتُ: إِنَّهَا كَاذِبَةٌ، قال: "وَكَيْفَ بِهَا، وقَدْ زَعَمَتْ أَنَّهَا قَدْ أَرْضَعَتْكُمَا؟ دَعْهَا عَنْكَ"

حديثُ عُقْبَةَ بنِ الْحَارِثِ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الحَدِيْثَ عن ابنِ أَبِیْ مُلَيْكَةَ، عن عُقْبَةَ بنِ الْحَارِثِ، وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ: عَنْ عُبَيْدِ بنِ أَبِیْ مَرْيَمَ، وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ:" دَعْهَا عَنْكَ"

والعملُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَجَازُوْا شَهَادَةَ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ فِیْ الرَّضَاعِ، وقالَ ابنُ عبّاسٍ: تجوزُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ فِیْ الرَّضَاعِ، وَيُؤْخَذُ يَمِيْنُهَا، وَبِهِ يَقُوْلُ أحمدُ وإسحاقُ.

وقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: لَاتَجُوْزُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ فِیْ الرَّضَاعِ، حَتّٰى يَكُوْنَ أَكْثَرَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ.

وعبدُ اللهِ بنُ أَبِیْ مُلَيْكَةَ: هُوَ عَبْدُ اللهِ بنُ عُبيدِ اللهِ بنِ أَبِیْ مُلَيْكَةَ، وَيُكْنٰى أَبَا مُحمدٍ، وكانَ عبدُ اللهِ بنُ الزُّبَيْرِ قَدْ اسْتَقْضَاهُ عَلَى الطَّائِفِ، وقالَ ابنُ جُرَيْجٍ عَن ابنِ أَبِیْ مُلَيْكَةَ: أَدْرَكْتُ ثَلَاثِيْنَ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم.

سَمِعْتُ الْجَارُوْدَ بنَ مُعَاذٍ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ وَكِيْعًا يَقُوْلُ: لَاتَجُوْزُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ فِیْ الرَّضَاعِ فِیْ الْحُكْمِ، وَيُفَارِقُهَا فِیْ الْوَرَعِ.

وضاحت: مذکورہ حدیث ابن ابی ملیکہ نے عبید بن ابی مریم کے واسطہ سے روایت کی ہے اور حضرت عقبہ سے براہ راست بھی سنی ہے، مگر عبید سے سنی ہوئی حدیث ان کو زیادہ یاد ہے۔ اس لئے امام ترمذیؒ نے واسطہ والی حدیث لکھی ہے، اور بہت سے روات واسطہ کے بغیر بھی روایت کرتے ہیں اور ان کی حدیث میں دعها عنك نہیں ہے۔

ترجمہ: اس حدیث پر بعض اہل علم صحابہ وغیرہ کا عمل ہے وہ رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کو کافی قرار دیتے ہیں، ابن عباسؓ فرماتے ہیں: رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے اور اس سے قسم لی جائے گی اور اسی کے قائل ہیں احمد واسحاق ـــــ اور بعض اہل علم کہتے ہیں: رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی نہیں، یہاں تک کہ وہ زیادہ ہوں اور یہ امام شافعی کا قول ہے، ان کے یہاں کم سے کم چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے ـــــ ابن ابی ملیکہ کا نام عبداللہ، ان کے والد کا نام عبیداللہ اور دادا کا نام ابوملیکہ ہے، اور ان کی کنیت ابومحمد ہے، حضرت عبداللہ بن الزبیر نے ان کو اپنی خلافت کے زمانہ میں طائف کا قاضی بنایا تھا، اور ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں: میں نے تیس صحابہ سے ملاقات کی ہے۔

وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رضاعت میں قضاءً ایک گواہی کافی نہیں، البتہ دیانۃً بیوی کو جدا کردینا چاہئے۔

بابُ ماجاءَ أَنَّ الرَّضَاعَةَ لَاتُحَرِّمُ إِلَّا فِي الصِّغَرِ دُوْنَ الْحَوْلَيْنِ

مدت رضاعت میں دودھ پینے ہی سے حرمت ثابت ہوگی

تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر مدتِ رضاعت میں کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پیئے تو حرمت ثابت ہوگی، مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، اور مدت رضاعت امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک تین سال، امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ڈھائی سال، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہے، اور احناف کے یہاں فتوی رضاعت کے مسئلہ میں دو سال پر ہے یعنی دو سال کے بعد بچہ کو دودھ پلانا حرام ہے، مگر حرمت رضاعت میں فتوی ڈھائی سال پر ہے، اگر ڈھائی سال سے پہلے کسی بچہ نے کسی عورت کا دودھ پی لیا تو حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی اور ڈھائی سال کی عمر کے بعد پیا ہے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی، یہ فتوی بر بنائے احتیاط ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہی دودھ پینا حرام کرتا ہے جو انتڑیوں کو چیرے اور چھاتی کا دودھ پیا ہو اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے پیا ہو'' (یہ فتق الأمعاء کی تفسیر ہے)

تشریح: آج ایکسرے کا زمانہ ہے اگر کوئی مشاہدہ کرنا چاہے تو بچے کو ایکسرے کے سامنے کھڑا کر کے دودھ پلائے جب دودھ آنتوں میں اترے گا تو آنتیں پھولیں گی، یہ فتق الأمعاء ہے۔ اور جب بڑی عمر کا آدمی ایکسرے کے سامنے کھڑا ہوکر دودھ پیئے گا تو آنتیں نہیں پھولیں گی، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس مدت میں دودھ بمنزلۂ غذا واقع ہوتا ہے اس مدت میں اگر کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پیئے تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔ جانور کا دودھ پینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔ لفظ ثدی عورت کی پستان کے لئے خاص ہے اور فطام سے مطلق دودھ چھڑانا مراد نہیں بلکہ مدت رضاعت مراد ہے، پس اگر کوئی بچہ ایک سال میں دودھ چھوڑ دے اور باہر کا دودھ یا غذا لینے لگے پھر بھی مدت رضاعت میں کسی عورت کا دودھ پیئے گا تو حرمت ثابت ہوجائے گی۔

[۵] باب ماجاء أن الرَّضاعة لاتحرِّمُ إلا فی الصِّغرِ دون الحولین

[۱۱۳۴-] حدثنا قُتیبةُ، نا أَبُوْ عَوَانَةَ، عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عن فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عن أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " لَايُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلَّا مَافَتَقَ الْأَمْعَاءَ، فِي الثَّدْيِ، وكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعَمَلُ عَلَى هذا عِنْدَ أَكْثَرِ أهلِ العلمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلى الله عليه وسلم وَغَيْرِهِمْ: أَنَّ الرَّضَاعَةَ لَاتُحَرِّمُ إِلَّا مَا كَانَ دُوْنَ الْحَوْلَيْنِ، وَمَا كَانَ بَعْدَ الْحَوْلَيْنِ

الْكَامِلَيْنِ فَإِنَّهُ لَايُحَرِّمُ شَيْئًا.

وفَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ بنِ الزُّبَيْرِ بنِ الْعَوَّامِ: وَهِيَ امْرَأَةُ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ.

ترجمہ: اس حدیث پر صحابہ وغیرہ میں سے اکثر علماء کا عمل ہے کہ دودھ پینا حرام نہیں کرتا مگر جو دوسال کے اندر ہو، اور جو دوسال کے بعد ہو اس سے کوئی حرمت پیدا نہیں ہوتی۔ فاطمہ بنت المنذر حضرت ہشام کی بیوی اور ان کی چچازاد بہن ہیں۔

باب مَا يُذْهِبُ مَذِمَّةَ الرَّضَاعِ

حقِ رضاعت کیسے اداء ہوگا

مَذِمَّةٌ (بکسر الذال وفتحها) کے معنی ہیں: حق وحرمت ـــــــ دودھ پلانی والی ماں: حقیقی ماں کے بعد ماں ہے، اس کے ساتھ بھی حسن سلوک ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی انا کے احترام میں اپنی چادر بچھائی ہے۔ اور حقیقی ماں کا حق تو کسی بھی طرح ادا نہیں ہوسکتا، البتہ انا کا حق بردہ دینے سے ادا ہوجاتا ہے یعنی اگر شیر خوار بڑا ہوکر ایک بُردہ (غلام یا باندی) اپنی انا کو دیدے تو اس کا حق ادا ہوجائے گا، حجاج اسلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: رضاعی ماں کا حق کس طرح اداء ہوسکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: بردہ سے، یعنی غلام باندی دینے سے، اور بردہ دینا ماں کا پورا حق اس لئے ہے کہ رضاعی ماں نے شیر خوار کو دودھ پلانے میں اور اس کی پرورش کرنے میں پاپڑ بیلے ہیں پس غلام یا باندی اس کے قائم مقام ہوکر انا کے کاموں کی کلفت برداشت کرے گا، اور بردہ دینا مستحب ہے واجب نہیں، واجب وہ اجرت تھی جو شیر خوار کے ولی نے ادا کردی ہے۔

[٦] باب ما يُذهب مَذِمَّةَ الرّضاع

[١١٣٥-] حدثنا قُتيبةُ، نا حَاتِمُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ، عن هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عن أَبِيْهِ، عَنْ حَجَّاجِ بنِ حَجَّاجٍ الْأَسْلَمِيِّ، عن أَبِيْهِ، أَنَّهُ سَأَلَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَارسولَ اللهِ! مَا يُذْهِبُ عَنِّيْ مَذِمَّةَ الرَّضَاعِ؟ فقالَ: "غُرَّةٌ: عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، هٰكَذَا رَوَاهُ يَحيى بنُ سَعِيدِ الْقَطَّانُ، وحَاتِمُ بنُ إِسْمَاعِيْلَ، وَغَيرُ وَاحِدٍ عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عن أَبِيْهِ، عَنْ حَجَّاجِ بنِ حَجَّاجٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرَوَى سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ حَجَّاجِ بنِ أَبِي حَجَّاجٍ، عَنْ أَبِيهِ عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم، وحَدِيثُ ابنِ عُيَيْنَةَ غَيرُ مَحْفُوْظٍ، والصَّحِيْحُ مَارَوَى هٰؤُلَاءِ عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ.

وهِشَامُ بنُ عُرْوَةَ يُكْنَى أَبَا الْمُنْذِرِ، وقَدْ أَدْرَكَ جَابِرَ بنَ عبدِ اللهِ.
وقالَ مَعْنَى قَوْلِهِ:" مَا يُذْهِبُ عَنِّى مَذَمَّةَ الرَّضَاعِ" يقولُ: إِنَّمَا يَعْنِى ذِمَامَ الرَّضَاعَةِ وَحَقَّهَا، يقولُ: إِذَا أَعْطَيْتَ الْمُرْضِعَةَ عَبْدًا أَوْ أَمَةً فَقَدْ قَضَيْتَ ذِمَامَهَا.
[۱۱۳٦-] ويُرْوَى عَنْ أَبِى الطُّفَيْلِ، قالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذْ أَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ فَبَسَطَ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم رِدَاءَ هُ، فَقَعَدَتْ عَلَيْهِ، فَلَمَّا ذَهَبَتْ قِيلَ: هٰذِهِ كَانَتْ أَرْضَعَتِ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم.

وضاحت: پہلی حدیث کے راوی کا نام حجاج ہے یا ابوالحجاج؟ یحییٰ قطان اور حاتم بن اسماعیل وغیرہ حجاج کہتے ہیں، یعنی باپ اور بیٹے کا نام ایک ہے۔ اور سفیان بن عیینہ ابوالحجاج نام لیتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے سفیان بن عیینہ کی حدیث کو غیر محفوظ بتایا ہے یعنی صحیح نام حجاج ہے —— اور ہشام کی کنیت ابوالمنذر ہے اور ان کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہے پس وہ تابعی ہیں۔ اور حدیث: ما یُذْهِبُ عنی مَذَمَّةَ الرضاع کے معنی ہیں: دودھ پلانے والی ماں کا حق کس طرح ادا ہوگا؟ مذمۃ بمعنی حق ہے، آپؐ نے فرمایا: جب آپ انّا کو ایک غلام یا ایک باندی دیدیں تو آپ نے اس کا حق ادا کردیا۔

اور ابوالطفیلؓ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک عورت آئی، نبی ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھادی وہ عورت اس پر بیٹھ گئی، جب وہ واپس گئی تو جاننے والوں نے کہا: اُس عورت نے نبی ﷺ کو دودھ پلایا ہے، وہ آپؐ کی انّا حضرت حلیمہ سعدیہ تھیں، یہ غزوۂ حنین کا واقعہ ہے جب آپ حنین کی غنیمت تقسیم فرمارہے تھے تو حضرت حلیمہ سعدیہ آئی تھیں، آپؐ نے ان کی غیر معمولی تعظیم کی تھی، یہ حدیث طبقات ابن سعد (۱۱۴:۱) میں ہے اور نہایت ضعیف ہے، بلکہ مجھے اندیشہ ہے کہ موضوع ہو اس لئے یُرْوٰی: مجہول فعل لائے ہیں۔

بابُ ماجاء فی الْأَمَةِ تُعْتَقُ وَلَهَا زَوْجٌ

باندی کو خیارِ عتق کب حاصل ہوگا

ابواب الرضاع پورے ہوگئے، اب پھر ابواب النکاح شروع ہوتے ہیں، اس باب میں خیارِ عتق کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ اب پرانا ہوگیا ہے اس کی اب چنداں ضرورت نہیں، مگر حدیثوں کو سمجھنے کے لئے اس کو سمجھنا ضروری ہے۔

تمام ائمہ متفق ہیں کہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد خیارِ عتق حاصل ہوتا ہے یعنی اب اگر وہ چاہے تو اپنے شوہر کے نکاح میں رہے اور علحدگی اختیار کرنا چاہے تو علحدہ ہوسکتی ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ خیار کس صورت میں حاصل ہوتا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر باندی کی آزادی کے وقت شوہر غلام ہے تو باندی کو خیارِ عتق حاصل ہوگا اور

اگر شوہر آزاد ہے خواہ حرالاصل ہو یعنی ہمیشہ سے آزاد ہو یا وہ بیوی سے پہلے آزاد ہو چکا ہو تو باندی کو خیار عتق حاصل نہیں ہوگا۔ اور احناف کے نزدیک دونوں صورتوں میں خیار عتق حاصل ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں صرف ایک روایت ہے، اور اس میں بھی اختلاف ہے۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اب تمہیں اختیار ہے چاہو تو اپنے شوہر کے نکاح میں رہو اور علحدہ ہونا چاہو تو علحدہ ہو سکتی ہو'' چنانچہ انھوں نے علحدہ ہونے کا فیصلہ کیا۔ ان کے شوہر حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو ان سے بے حد محبت تھی، وہ اس فیصلہ سے بہت پریشان ہوئے، وہ مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے تاکہ حضرت بریرہؓ کا دل پسیجے، مگر انھوں نے شوہر کو قبول نہیں کیا۔ حضرت مغیث کی بدحالی دیکھ کر آنحضور ﷺ نے سفارش کی، مگر وہ بہت سمجھ دار تھیں، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ؟ آپؐ نے فرمایا: ''مشورہ ہے'' انھوں نے عرض کیا: میں اپنے معاملہ کو بہتر سمجھتی ہوں یعنی آپ کا مشورہ قبول نہ کیا۔

جس وقت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد ہوئیں اس وقت ان کے شوہر آزاد تھے یا غلام؟ یہ تو طے ہے کہ حضرت مغیث حرالاصل نہیں تھے، اور یہ بھی طے ہے کہ وہ بھی آزاد ہو گئے تھے، مگر حضرت بریرہؓ جب آزاد ہوئیں اس وقت وہ آزاد تھے یا غلام؟ دونوں طرح کی روایات ہیں اور دونوں اعلی درجہ کی صحیح ہیں، ائمہ ثلاثہ نے اس روایت کو لیا ہے جس میں حضرت مغیثؓ کے آزاد ہونے کی بات ہے اور کان عبداً کو انھوں نے نہیں لیا۔ اور احناف نے دونوں روایتوں کو لیا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک ہر صورت میں خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام: باندی کو خیار عتق حاصل ہوگا۔

اور اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے وہ ایک دوسرے مسئلہ میں اختلاف پر متفرع ہے، کتاب الطلاق میں یہ مسئلہ آئے گا کہ طلاق میں عورت کا اعتبار ہے یا مرد کا؟ احناف کے نزدیک: عورت کا اعتبار ہے، چنانچہ ان کے نزدیک اگر بیوی آزاد ہو تو شوہر اس کو تین طلاقیں دے سکتا ہے، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، اور اگر بیوی باندی ہو تو شوہر اس کو دو طلاقیں دے گا، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، تین نہیں دے سکتا۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق میں اعتبار مرد کا ہے اگر شوہر آزاد ہے تو وہ تین طلاقیں دے سکتا ہے، خواہ بیوی آزاد ہو یا باندی۔ اور اگر شوہر غلام ہے تو دو طلاقیں ہی دے سکتا ہے خواہ بیوی آزاد ہو یا باندی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد جو خیار عتق ملتا ہے اس کی علت کیا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک علت: ازدیاد ملک ہے یعنی بیوی جب تک باندی تھی شوہر اس کو دو ہی طلاقیں دے سکتا تھا، اب بیوی کی آزادی کے بعد شوہر کو مزید ایک طلاق دینے کا حق حاصل ہوگا، پس بیوی کو اختیار ہے کہ وہ یہ مزید حق حاصل ہونے دے یا نہ ہونے دے، کیونکہ پہلے جو شہر کو دو طلاقیں دینے کا حق حاصل ہوا تھا وہ عورت کی رضامندی سے حاصل ہوا

تھا، اس نے نکاح قبول کیا تھا اس کی وجہ سے شوہر کو طلاق کا حق ملا تھا، پس اب جبکہ وہ تیسری طلاق کا مالک ہونے جارہا ہے تو بھی عورت کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر عورت راضی ہوگی تو ملکیت بڑھے گی، ورنہ نہیں، اور ملکیت میں تجزی نہیں، پس یا تو تیسری طلاق کا حق ملے گا یا پہلی دو بھی ختم ہوجائیں گی اور عورت نکاح سے نکل جائے گی۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خیار کی یہ علت نہیں ہوسکتی کیونکہ ان کے نزدیک طلاق کا مدار مرد پر ہے، اس لئے انھوں نے خیار کی اور علت نکالی ہے اور وہ ہے: عار کا لاحق ہونا۔ آزاد بیوی کا شوہر اگر غلام ہوگا تو اس کو اس کے ساتھ رہنے میں عار لاحق ہوگا، اس لئے اس کو نکاح میں رہنے کا یا علحدہ ہونے کا اختیار دیا جاتا ہے اور شوہر اگر آزاد ہو خواہ حر الاصل ہو یا پہلے آزاد ہو چکا ہو تو اس کے ساتھ رہنے میں عورت کو کوئی عار لاحق نہیں ہوگا، اس لئے ائمہ ثلاثہ شوہر کے آزاد ہونے کی صورت میں خیار عتق کے قائل نہیں اس لئے انھوں نے صرف کان عبداً والی روایت لی اور احناف نے دونوں روایتوں کو جمع کیا، کیونکہ ان کی سمجھی ہوئی علت پر دونوں روایتیں جمع ہوسکتی ہیں۔

[۴۳] باب ماجاء في الأمة تُعْتَقُ وَلَهَا زوج

[۱۱۳۷-] حدثنا عَلِيُّ بنُ حُجْرٍ، نَاجَرِيْرُ بنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ، عَنْ هِشَامِ بنِ عُرْوَةَ، عن أَبِيْهِ، عن عائشةَ، قالَتْ: كانَ زَوْجُ بَرِيْرَةَ عَبْدًا، فَخَيَّرَهَا النبيُّ صلى الله عليه وسلم، فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا، وَلَوْ كانَ حُرًّا لَمْ يُخَيِّرْهَا.

[۱۱۳۸-] حدثنا هَنَّادٌ، نا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عنِ الأَعْمَشِ، عَن إبراهيمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قالَتْ: كانَ زَوْجُ بَرِيْرَةَ حُرًّا، فَخَيَّرَهَا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم.

حديثُ عائشةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، هٰكَذَا رَوَى هِشَامٌ، عن أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كانَ زَوْجُ بَرِيْرَةَ عَبْدًا، وَرَوَى عِكْرِمَةُ، عنِ ابنِ عبَّاسٍ قالَ: رَأَيْتُ زَوْجَ بَرِيْرَةَ، وكانَ عَبْدًا يُقَالُ لَهُ مُغِيْثٌ، وَهٰكَذَا رُوِيَ عَنِ ابنِ عُمَرَ.

والعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ، قَالُوْا: إِذَا كَانَتِ الأَمَةُ تَحْتَ الْحُرِّ فَأُعْتِقَتْ، فَلَا خِيَارَ لَهَا، وإِنَّمَا يَكُوْنُ لَهَا الْخِيَارُ إِذَا أُعْتِقَتْ وَكَانَتْ تَحْتَ عَبْدٍ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ واحمدَ وإسحاقَ.

وَرَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الأَعْمَشِ، عن إبراهيمَ، عنِ الأَسْوَدِ، عن عائشةَ قَالَتْ: كانَ زَوْجُ بَرِيْرَةَ حُرًّا، فَخَيَّرَهَا رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَرَوَى أَبُوْ عَوَانَةَ هٰذَا الحديثَ عَنِ الأَعْمَشِ، عن إبراهيمَ، عنِ الأَسْوَدِ، عن عائشةَ فِيْ قِصَّةِ بَرِيْرَةَ، قالَ الأَسْوَدُ: وكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا.

والعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أهلِ العلمِ مِنَ التَّابِعِيْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ

وأهلِ الْكُوْفَةِ.

[۱۱۳۹-] حدثنا هَنَّادٌ، نا عَبْدَةُ، عن سَعيدٍ، عن أَيُّوْبَ، وقَتَادَةَ، عن عِكْرِمَةَ، عن ابنِ عبّاسٍ؛ أَنَّ زَوْجَ بَرِيْرَةَ كَانَ عَبْدًا أَسْوَدَ لِبَنِي الْمُغِيْرَةِ يَوْمَ أُعْتِقَتْ بَرِيْرَةُ، وَاللهِ لَكَأَنِّيْ بِهِ فِيْ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ وَنَوَاحِيْهَا، وإِنَّ دُمُوْعَهُ لَتَسِيْلُ عَلَى لِحْيَتِهِ، يَتَرَضَّاهَا لِتَخْتَارَهُ، فَلَمْ تَفْعَلْ.

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، وسَعِيْدُ بنُ أَبِي عَرُوْبَةَ: هُوَ سَعِيدُ بنُ مِهْرَانَ، ويُكْنَى أَبَا النَّضْرِ.

ترجمہ: (پہلی روایت) صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ بریرہؓ کے شوہر غلام تھے اس لئے نبی ﷺ نے ان کو اختیار دیا، اور انھوں نے اپنی ذات کو اختیار کیا اور اگر ان کے شوہر آزاد ہوتے تو آپؐ ان کو اختیار نہ دیتے (یہ جملہ حضرت عائشہ کا بھی ہوسکتا ہے اور حضرت عروہ کا بھی)

(دوسری روایت) صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ بریرہ کے شوہر آزاد تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے ان کو اختیار دیا (یہ اسود کی حدیث ہے اور اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے مگر امام ترمذیؒ نے اس پر کوئی حکم نہیں لگایا)

اور ہشام کی حدیث کی طرح عکرمہ بھی ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: میں نے بریرہ کے شوہر کو دیکھا اور وہ غلام تھے، ان کو مغیث کہا جاتا تھا، اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ مغیث غلام تھے (یہ سب حضرت عائشہؓ کی پہلی حدیث کی جس کے راوی ہشام ہیں: تائیدات ہیں) اور اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے، وہ کہتے ہیں: جب باندی آزاد کی بیوی ہو پھر وہ آزاد کی گئی تو اس کے لئے خیار عتق نہیں، باندی کے لئے خیار اسی صورت میں ہے جبکہ وہ آزاد کی جائے درانحالیکہ وہ غلام کی بیوی ہو، اور یہ شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

اسود کی حدیث پر اعتراض جس کو حنفیہ کا مستدل خیال کیا گیا ہے، حالانکہ حنفیہ دونوں حدیثوں کو جمع کرتے ہیں، فرماتے ہیں: ابوعوانہ نے اعمش سے مذکورہ سند ہی سے روایت کی ہے کہ اسود نے کہا: بریرہ کے شوہر آزاد تھے، یعنی یہ اسود کا قول ہے، حضرت عائشہؓ کا قول نہیں، اور اس پر بعض تابعین اور ان کے بعد کے اہل علم کا عمل ہے اور یہ سفیان ثوری اور کوفہ والوں کا قول ہے۔

(حدیث ۱۱۳۹) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بریرہ کے شوہر حبشی غلام تھے اور بنوالمغیرہ کی ملک تھے، جس دن بریرہ آزاد کی گئیں، بخدا! گویا میں ان کے ساتھ ہوں مدینہ کی راہوں میں اور اس کے کناروں میں یعنی وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے ہے جب وہ مدینہ کی راہوں اور گلیوں میں روتے پھرتے تھے اور ان کے آنسوان کی ڈاڑھی پر بہہ رہے تھے، وہ بریرہ کو پٹا رہے تھے تاکہ وہ ان کو اختیار کریں مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا (یہ اوپر جو حوالہ دیا تھا کہ ہشام کی حدیث کی طرح حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے، یہ اس حدیث کی سند کے ساتھ تخریج کی ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سنن بیہقی اور سنن دار قطنی میں ہے)

بابُ ماجاءَ أنَّ الْوَلَدَ لِلْفِرَاشِ

بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوتا ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بچہ بستر والے یعنی شوہر کے لئے ہے (اس میں مجاز بالحذف ہے۔ تقدیر عبارت: الولد لصاحب الفراش ہے۔ اور فراش کے معنی ہیں بچھونا، بستر، اور یہاں مراد بیوی ہے) اور زانی کے لئے سنگ ہے''

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت بچہ جنے اور اس کا شوہر ہو اور وہ بچہ کا انکار نہ کرے تو بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا، اگر کوئی غیر اس بچہ کا دعوی کرے یا نسب پر اعتراض کرے تو وہ دعوی یا اعتراض ثبوت نسب میں خلل انداز نہ ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ بعض قاعدے اندھے ہوتے ہیں مگر ان کو اختیار کرنا ناگزیر ہوتا ہے ان کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں مثلاً کورٹ کا قاعدہ ہے: البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر یعنی مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہے اور منکر پر قسم لاگو ہوگی۔ جب کوئی شخص عدالت میں کوئی دعوی کرے تو پہلے قاضی اس سے گواہ طلب کرے گا اگر اس نے گواہ پیش کردیئے تو قاضی ان کا تزکیہ کرے گا، اگر گواہ ٹھیک ثابت ہوئے تو ان کے مطابق فیصلہ کرے گا اور اگر مدعی گواہ پیش نہ کرسکے تو منکر سے قسم لی جائے گی اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، جبکہ گواہ جھوٹے بھی ہوسکتے ہیں، اور منکر جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے، مگر ان احتمالوں کے باوجود فیصلہ کا یہی طریقہ ہے دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ تمام وضعی قوانین میں بھی فیصلہ کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے اسی طرح بچہ شوہر کا ہے، اس میں بھی احتمالات ہیں کہ بچہ شوہر کا نہ ہو زنا کا ہو مگر ان احتمالات کا اعتبار نہیں، جب بچہ جننے والی عورت کا شوہر موجود ہے اور وہ بچہ کا انکار نہیں کرتا تو نسب اسی سے ثابت ہوگا، اور اگر بچہ شوہر کا نہیں ہے تو اس کے لئے راستہ کھلا ہے وہ انکار کردے اور لعان کرے۔

قولہ: وللعاهر الحجر: یہ بات آنحضور ﷺ نے ایک خاص واقعہ میں فرمائی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا بھائی تھا جس کا کفر کی حالت میں انتقال ہوا ہے اس نے مرتے وقت حضرت سعدؓ کو وصیت کی تھی کہ زمعہ کی باندی کا فلاں لڑکا میرا ہے، تمہیں جب بھی موقع ملے اس کو اپنے خاندان میں لے لینا —— زمعہ: آنحضور ﷺ کی زوجۂ مطہرہ حضرت سوداء کے والد ہیں —— فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت سعدؓ کو وہ لڑکا مل گیا۔ وہ جوان ہوچکا تھا حضرت سعدؓ نے اس کو لے لیا اور مدینہ ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا تو زمعہ کے ایک دوسرے لڑکے عبد نے مزاحمت کی، اور یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا، آپؐ نے دونوں کی بات سن کر عبد کے حق میں فیصلہ دیا اور ارشاد فرمایا: ''بچہ فراش کے لئے ہے اور زانی کے لئے سنگ ہے''

علماء نے اس جملہ کے دو مطلب بیان کئے ہیں، پہلا مطلب: زانی کے لئے سنگ ہے یعنی وہ رجم کیا جائے گا۔ دوسرا مطلب: زانی کے لئے سنگ ہے یعنی محرومی ہے، بچہ اس کو نہیں ملے گا۔ یہ دوسرا مطلب راجح ہے کیونکہ حدیث کا جو شانِ ورود ہے اس میں زانی مر چکا تھا، پس رجم کی کوئی صورت نہیں تھی۔ علاوہ ازیں ہر زانی کے لئے رجم کی سزا نہیں، بعض زانیوں کے لئے کوڑے کی سزا ہے، اس لئے علماء نے دوسرے مطلب کو راجح قرار دیا ہے۔

پھر آنحضور ﷺ نے دیکھا کہ اس میں پوری مشابہت سعدؓ کے بھائی کی ہے اس لئے آپؐ نے حضرت سوداءؓ کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت سوداء نے تا وفات اس بھائی کو نہیں دیکھا۔ یہاں سے یہ مسئلہ نکلا کہ بعض صورتوں میں محرم سے بھی پردہ لازم ہے، مثلاً خسر جوان ہے اور بد اطوار ہے تو بہو کے لئے اس سے پردہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح ہر وہ جگہ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہے محرم سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے۔

[۴۴] باب ماجاء أن الولد للفراش

[۱۱۴۰-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِيعٍ، نا سُفيانُ، عنِ الزُّهرِيِّ، عن سَعِيدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، عن أبي هريرة، قالَ: قال رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وِلِلعَاهِرِ الْحَجَرُ"

وفي الباب: عن عُمَرَ، وعُثمانَ، وعائشةَ، وأبي أُمَامَةَ، وعَمْرِو بنِ خارِجَةَ، وعبدِ اللهِ بنِ عَمْرٍو، والبَرَاءِ بنِ عَازِبٍ، وَزَيْدِ بنِ أَرْقَمَ، حديثُ أَبِيْ هريرةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وقَدْ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بنِ الْمُسَيَّبِ، وأَبِيْ سَلَمَةَ، عن أَبِيْ هُرَيرةَ، والعملُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ.

بابُ ماجاء في الرَّجُلِ يَرَى الْمَرأَةَ فَتُعْجِبُهُ

اجنبی عورت پر نظر پڑے اور وہ پسند آجائے تو اس کا علاج

اگر کسی اجنبی عورت پر نظر پڑے اور وہ دل میں کُھب جائے تو یہ غیر اختیاری بات ہے، اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں، مگر اس کا علاج ضروری ہے، ورنہ پینگیں بڑھنے کا اندیشہ ہے۔ اور اس کا علاج یہ ہے کہ فوراً گھر جا کر بیوی سے صحبت کرلے، کیونکہ جب منی کے برتن بھر جاتے ہیں تو اس کے اَبخرے دماغ کی طرف صعود کرتے ہیں اور جنسی خواہش پیدا ہوتی ہے، پس استفراغ مادہ ہی اس کا اعلاج ہے۔

حدیث: نبی ﷺ کی نظر ایک عورت پر پڑی آپؐ حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی ضرورت پوری کی، یعنی صحبت فرمائی، پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''عورت جب سامنے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں

سامنے آتی ہے یعنی ورغلانے والا انداز ہوتا ہے، پس جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو دیکھے اور وہ اس کو پسند آجائے تو چاہئے کہ اپنی بیوی کے پاس آئے یعنی اس سے صحبت کرلے اس لئے کہ بیوی کے پاس وہی ہے جو اس عورت کے پاس ہے، یعنی جس محل کی وجہ سے کسی عورت کی طرف میلان ہوتا ہے وہی محل بیوی کے پاس بھی ہے، پس جب بیوی سے صحبت کرے گا اور منی کا برتن خالی ہوجائے گا تو ذہن اس عورت کی طرف سے ہٹ جائے گا۔

سوال: نبی ﷺ معصوم تھے پھر نظر پڑنے سے یہ کیفیت کیوں پیدا ہوئی؟

جواب: ایسا تشریع (قانون سازی) کے پیش نظر ہوا تھا، انبیاء جو قانون بناتے ہیں وہ ذوقی ہوتے ہیں، وہ فکری قانون نہیں بناتے اور اسی وجہ سے فرشتوں کو رسول نہیں بنایا گیا، کیونکہ فرشتے اگر رسول بن کر آتے تو وہ لوگوں کے لئے غور وفکر کی بنیاد پر قانون بناتے، وہ ذوق کی بنیاد پر قانون نہیں بنا سکتے تھے، کیونکہ ان میں وہ جذبات نہیں جو انسان میں ہیں، اور جب نبی انسان ہوتا ہے تو اس پر تمام احوال گذرتے ہیں، کیونکہ وہ بشر ہوتا ہے، چنانچہ ایک بار آپ کو بھی یہ کیفیت پیش آئی تا کہ اس کی اہمیت کا اندازہ ہو اور آپؐ اس کا علاج تجویز فرماسکیں۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ انبیاء کبھی بیانِ جواز کے لئے خلاف اولیٰ کام بھی کرتے ہیں اور وہ نبی کے حق میں خلاف اولیٰ نہیں ہوتے، کیونکہ وہ تشریع کے لئے ہوتے ہیں، اسی طرح اس کیفیت کا آپؐ پر گذرنا آپؐ کے حق میں برا نہیں تھا، بلکہ ضروری تھا کیونکہ تشریع اس پر موقوف تھی۔

[۴۵] باب ماجاء فی الرجل یری المرأةَ فَتُعْجِبُهُ

[۱۱۴۱-] حدثنا محمدُ بنُ بَشّارٍ، نا عَبْدُ الأعلَی بنُ عبدِ الأعلَی، نَا هِشَامُ بنُ أَبِی عَبْدِ اللہِ وَهُوَ الدَّسْتَوَائِیُّ، عن أَبِی الزُّبَیْرِ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیه وسلم رَأَی امْرَأَةً فَدَخَلَ عَلَی زَیْنَبَ فَقَضَی حَاجَتَهُ وَخَرَجَ، وَقَالَ: " إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا أَقْبَلَتْ أَقْبَلَتْ فِیْ صُوْرَةِ شَیْطَانٍ، فَإِذَا رَأَی أَحَدُکُم امْرَأَةً فَأَعْجَبَتْهُ فَلْیَأْتِ أَهْلَهُ، فَإِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِیْ مَعَهَا"

وفی الباب: عن ابنِ مَسْعُوْدٍ، حدیثُ جابرٍ حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ غریبٌ، وهِشَامُ بنُ أَبِی عَبْدِ اللہِ هُوَ صَاحِبُ الدَّسْتَوَائِیِّ: هُوَ هِشَامُ بنُ سَنْبَرَ.

بابُ ماجاء فی حَقِّ الزَّوْجِ عَلَی الْمَرْأَةِ

شوہر کا بیوی پر کیا حق ہے؟

اسلام میں جہاں بھی حقوق ہیں دوطرفہ ہیں، ایک طرفہ حقوق کہیں نہیں، ماں باپ کے اولاد پر حقوق ہیں تو اولاد کے بھی ماں باپ پر حقوق ہیں، بادشاہ کا رعایا پر حق ہے تو رعایا کا بھی بادشاہ پر حق ہے، استاذ اور پیر کے شاگردوں اور

مریدوں پر حقوق ہیں تو ان کے بھی حقوق استاذ اور پیر پر ہیں، شوہر کے حقوق بیوی پر ہیں تو بیوی کے بھی حقوق شوہر پر ہیں۔ غرض ہر جگہ حقوق دوطرفہ ہیں، مگر لوگ اپنے حقوق تو یاد رکھتے ہیں دوسرے کے حقوق یاد نہیں رکھتے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو باب قائم کئے ہیں، پہلے باب میں مرد کے حقوق کا بیان ہے اور دوسرے باب میں عورت کے حقوق کا تذکرہ ہے۔

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں کسی کو کسی کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا یعنی غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے''

تشریح: اس حدیث کا شانِ ورود یہ ہے کہ کچھ صحابہ ملک شام گئے وہاں انھوں نے شاہوں کے دربار کا منظر دیکھا جب بڑا دربار میں آتا ہے تو سب لوگ دست بستہ کھڑے ہوجاتے ہیں، اور جب وہ بیٹھتا ہے تو سب اِس کو سجدہ کرتے ہیں اور جب تک وہ بیٹھا رہتا ہے سب لوگ اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! حقیقی تعظیم کے لائق تو آپ ہیں، ہمارا جی چاہتا ہے کہ جب آپؐ مجلس میں جلوہ افروز ہوں تو ہم آپؐ کو سجدہ کیا کریں اور آپ کے سامنے کھڑے رہا کریں، آپؐ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور سجدہ کے تعلق سے وہ بات فرمائی جو اوپر گذری، اور قیام کے تعلق سے فرمایا: لاتقوموا کمایقوم الأعاجم (مشکوٰۃ ۴۷۰۰) یعنی جس طرح عجمی دربار میں کھڑے رہتے ہیں تم کھڑے نہ رہو، ہمارے اکابر نے اس حدیث کو آگے بڑھایا اور فرمایا: کسی کے استقبال کے لئے کھڑا ہونا پھر بیٹھ جانا بھی اس حدیث کا مصداق ہے، کیونکہ ممانعت کی علت تعظیم ہے، عجمی اپنے بڑوں کے سامنے کھڑے ہوکر ان کی تعظیم کیا کرتے تھے، اور ان کے سامنے بیٹھنے کو توہین سمجھتے تھے، پس اگر استقبال کے لئے کھڑے ہونے کی اجازت دی جائے گی تو یہ قیام بڑھتا بڑھتا عجمیوں کے قیام تک پہنچ جائے گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب مجلس میں تشریف لاتے تھے تو آپؐ کے احترام میں کوئی کھڑا نہیں ہوتا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صحابہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی بھی قابل احترام نہیں تھا، پھر بھی جب صحابہ آپ کو آتا ہوا دیکھتے تھے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ کو یہ بات پسند نہیں (مشکوٰۃ حدیث ۴۶۹۸)

اور حضرت سعد کے واقعہ سے استقبال کے لئے کھڑے ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں، کیونکہ وہ کھڑا ہونا تعاون کے لئے تھا، غزوۂ بنوقریظہ کے موقع پر جب وہ گدھے پر سوار ہوکر لشکر کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قوموا إلی سیدکم: تم اپنے سردار کی طرف کھڑے ہوؤ، اس کا مطلب یہ تھا کہ جاکر ان کو سواری سے اتارو اس لئے کہ وہ بیمار تھے، مسند احمد کی حدیث میں فَأَنْزِلُوْہُ کی صراحت ہے (یہ حدیث متفق علیہ ہے، مشکوٰۃ حدیث ۳۶۹۵)

اور سجدہ کے تعلق سے فرمایا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو عورتوں کو حکم دیا جاتا کہ جب ان کے شوہر باہر سے آئیں تو عورتیں سجدہ کرکے ان کی تعظیم بجالایا کریں۔ اس حدیث

سے یہ بات نکلتی ہے کہ عورت پر شوہر کا پہلا حق یہ ہے کہ وہ جائز حدود میں رہ کر شوہر کی ہر طرح تعظیم بجالائے۔

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی اپنی حاجت کے لئے بیوی کو بلائے یعنی صحبت کرنے کے لئے بلائے تو چاہئے کہ بیوی شوہر کے پاس آئے اگرچہ وہ چولہے پر ہو"

تشریح: اس حدیث سے شوہر کا دوسرا حق یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی شوہر بیوی سے حاجت برآری چاہے تو بیوی انکار نہ کرے، فوراً تیار ہوجائے، چاہے وہ کیسے ہی ضروری کام میں مشغول ہو، اگر بیوی بلانے پر نہیں آئے گی تو شوہر کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، پس بیوی کا کیا فائدہ؟

حدیث (۳): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی عورت اس حال میں رات گذارے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہے تو وہ جنت میں جائے گی"

تشریح: اس حدیث سے شوہر کا تیسرا حق یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت پر ضروری ہے کہ اگر کسی وجہ سے شوہر ناراض ہوجائے تو پہلی فرصت میں اسے منالے، غلطی کس کی ہے یہ نہ دیکھے اگر مرد کی غلطی ہے اور عورت معافی مانگ لے تو نہ صرف شوہر راضی ہوجائے گا بلکہ محبت میں اضافہ ہوجائے گا، اور اگر غلطی عورت کی ہے تب تو اسے معافی مانگنی ہی چاہئے، اور رات کی تخصیص اس لئے کی کہ ممکن ہے دن میں عورت کو صفائی کا موقعہ نہ ملے، پس جب رات میں دونوں جمع ہوں تو عورت پر لازم ہے کہ وہ شوہر کو کسی بھی طرح راضی کرلے۔

نوٹ: شوہر کے عورت پر دو حق اور بھی ہیں ان کا بیان اگلے باب کی حدیث میں آرہا ہے۔

[۴۶] باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة

[۱۱۴۲-] حدثنا مَحمودُ بنُ غَيْلَانَ، نا النَّضْرُ بنُ شُمَيْلٍ، نا مُحمدُ بنُ عَمْرٍو، عن أَبِیْ سَلَمَةَ، عن أَبِیْ هُرَيرةَ، عن النبیِّ صلی الله عليه وسلم، قالَ: " لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا"

وفی الباب: عن مُعَاذِ بنِ جَبَلٍ، وسُرَاقَةَ بنِ مَالِكِ بنِ جُعْشُمٍ، وعائشةَ، وابنِ عبّاسٍ، وعبدِ اللهِ بنِ أَبِیْ أَوْفٰی، وَطَلْقِ بنِ عَلِیٍّ، وأُمِّ سَلَمَةَ، وانسٍ، وابنِ عُمَرَ.

حديثُ أبی هريرةَ حديثٌ حسنٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، مِنْ حَدِيْثِ محمدِ بنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِی سَلَمَةَ، عن أَبِیْ هُرَيرةَ.

[۱۱۴۳-] حدثنا هَنَّادٌ، نا مُلَازِمُ بنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنِیْ عَبْدُ اللهِ بنُ بَدْرٍ، عَنْ قَيْسِ بنِ طَلْقٍ، عَنْ أَبِيْهِ طَلْقِ بنِ عَلِیٍّ، قالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلی الله عليه وسلم: " إِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلْتَأْتِهِ، وَإِنْ كَانَتْ عَلَی التَّنُّوْرِ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

[۱۱۴۴-] حدثنا وَاصِلُ بنُ عبدِ الأعلَى الكُوفِيُّ، نا محمدُ بنُ فُضَيلٍ، عن عَبدِ اللهِ بنِ عبدِ الرحمنِ أبِي نَصرٍ، عَنْ مُسَاوِرٍ الحِميَرِيِّ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "أَيُّمَا امْرَأَةٍ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنهَا رَاضٍ، دَخَلَتِ الْجَنَّةَ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ.

بابُ ماجاءَ في حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا

بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے؟

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مؤمنین میں ایمان کے اعتبار سے کامل وہ ہے جوان میں بہتر ہے اخلاق کے اعتبار سے، اورتم میں بہتر وہ ہے جوتم میں بہتر ہے اپنی بیویوں کے حق میں''

تشریح: اس کا حدیث کا مدعیٰ یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ اچھا اخلاقی برتاؤ ان کا مردوں پر ایک حق ہے، آدمی ازواج کے ساتھ اچھے اخلاقی برتاؤ کے بغیر ایمان میں باکمال نہیں ہوسکتا۔ اوراس حدیث میں ایک معاشرتی کمزوری کی اصلاح بھی کی گئی ہے۔ لوگ عام طور پر اجانب کے ساتھ تو اچھے اخلاق برتتے ہیں، مگر نوکروں، بچوں اور بیویوں کے ساتھ اخلاق کا برتاؤ کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ غیروں سے تو بڑی مہذب گفتگو کریں گے اور متعلقین سے تو تڑاق کے ساتھ باتیں کریں گے۔ یہ بات ٹھیک نہیں۔ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہئے۔ حدیث میں یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ جو بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے وہی کامل اخلاق والا ہے، کیونکہ وہ دوسروں کے ساتھ ضرور اچھے اخلاق کا برتاؤ کرے گا۔

حدیث (۲): عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپؐ تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے، پس حمد وثنا کے بعد لوگوں کو نصیحت فرمائی (ذکر اور وعظ دونوں کے ایک معنی ہیں) پس عمرو بن الاحوص نے لمبی حدیث بیان کی، اس میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''سنو! عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی میری وصیت (تاکید) قبول کرو اس لئے کہ عورتیں تمہارے پاس قیدی ہی ہیں (یہ حق احتباس کا بیان ہے اور یہ شوہر کا بیوی پر چوتھا حق ہے) تم مالک نہیں ہو، عورتوں سے کسی چیز کے اس کے علاوہ (یعنی تمہارا ان کو قیدی رکھنے ہی کا حق ہے اور کسی چیز کے مالک نہیں ہو، اور قیدی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں حق احتباس حاصل ہے یعنی ان کو گھروں میں روک کر رکھنے کا حق ہے، اس سے زیادہ تمہارا کوئی حق نہیں) مگر یہ کہ وہ نافرمانی کریں (یعنی اس حق کو قبول نہ کریں اور بھٹکتی پھریں) پس اگر وہ نافرمانی کریں تو ان کو خواب گاہوں میں چھوڑ دو یعنی ان کو ساتھ نہ لٹاؤ، صحبت سے ان کو محروم کرو، پھر بھی باز نہ آئیں تو ان کو ایسی مار مارو جو سخت نہ ہو، پس اگر وہ تمہارا کہنا ماننے لگیں تو تم ان پر کوئی راہ نہ چاہو یعنی اب خواہ مخواہ پریشان مت کرو۔ سنو! بیشک تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا بھی تم پر حق ہے، تمہارا حق تمہاری عورتوں

پر یہ ہے کہ تمہارے بستر کو نہ روندے وہ شخص جس کو تم ناپسند کرتے ہو، اور ان لوگوں کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے جن کو تم ناپسند کرتے ہو (عطف تفسیری ہے اور دونوں جملوں کا مطلب ایک ہے، اور یہ شوہر کا بیوی پر پانچواں حق ہے کہ وہ جس کو ناپسند کرے: بیوی اس کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے اگرچہ وہ عورت کے ماں باپ یا بھائی بہن ہی کیوں نہ ہوں) سنو! اور عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے پہننے اور کھانے پینے کو اچھا کرو' یہ عورتوں کا شوہروں پر دوسرا حق ہے کہ ان پر معروف طریقہ پر خرچ کیا جائے اور استطاعت کے مطابق اچھا کھانا، کپڑا اور مکان دیا جائے۔

تشریح

۱- احتباس یعنی عورتوں کو گھروں میں روک رکھنا مردوں کا حق ہے اور یہ حق اس لئے ہے کہ نسب محفوظ رہے، اگر عورت یہاں وہاں بھٹکتی پھرے گی اور آنکھ مٹکاتی رہے گی تو احتمال ہے کہ وہ شوہر کے علاوہ کا بچہ جنے اور وہ شوہر کا کہلائے، پس اگر عورت مرد کے اس حق کو قبول کرلے تو آگے مرد کا کوئی حق نہیں اور اگر وہ مرد کے اس حق کو قبول نہ کرے اور علانیہ نافرمانی کرے تو شوہر معاملہ قابو میں لانے کے لئے بتدریج تین سزائیں دے سکتا ہے:

اول: اس کا سونا الگ کردے، اسے اپنے ساتھ نہ لٹائے۔ علماء فرماتے ہیں: صرف خواب گاہ علحدہ کرے مگر شوہر اسی کمرے میں سوئے تاکہ اگر عورت کو غلطی کا احساس ہو تو وہ معافی مانگ کر اپنی اصلاح کرسکے، اور اگر شوہر دوسرے کمرے میں یا کہیں اور سوئے گا تو عورت کس طرح معافی مانگے گی اور کیسے غلطی کی اصلاح کرے گی؟

دوم: اگر اس سے عورت کی اصلاح نہ ہو اور وہ اپنا رویہ نہ بدلے تو مار کے ذریعہ تنبیہ کرے، بشرطیکہ مار سخت نہ ہو، علماء نے فرمایا ہے کہ ایسا مارنا جس سے بدن پر نشان پڑجائیں یا اعضاء رئیسہ پر مارنا: سخت پٹائی ہے، اس کی اجازت نہیں۔

سوم: اور اس سے بھی کام نہ چلے تو سورۃ النساء آیت ۳۵ میں یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ پنچایت بٹھائے یعنی اپنے خاندان کے اور بیوی کے خاندان کے دو چار آدمیوں کو جمع کرے اور ان کے سامنے مسئلہ رکھے، اگر وہ اخلاص سے کوشش کریں گے تو معاملہ سلجھ جائے گا، ورنہ آخری راستہ طلاق ہے۔

غرض عورت کی طرف سے نشوز پایا جائے تو اس پر کنٹرول کرنے کے لئے یہ تین طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں اور جب کسی بھی مرحلہ میں عورت نافرمانی سے باز آجائے تو اب خواہ مخواہ پریشان کرنا جائز نہیں۔

فائدہ: فاحشہ مبینہ: قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے، اس کے معنی ہیں: نشوز اور نافرمانی کرنا۔ لفظوں سے اس کا جو مفہوم سمجھ میں آتا ہے وہ مراد نہیں۔

۲- عورت پر مرد کا ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ جن لوگوں کو ناپسند کرتا ہے بیوی ان کو گھر میں نہ آنے دے، حتی کہ اگر ساس سسر کے آنے کو بھی شوہر ناپسند کرے تو ان کو بھی گھر میں آنے کی اجازت نہ دے، البتہ بیوی ماں باپ سے ملنے کے لئے جاسکتی ہے، شوہر کو اس سے روکنے کا حق نہیں، ورنہ قطع رحمی لازم آئے گی جو حرام ہے۔ اور ماں باپ کے علاوہ

عورت کن رشتہ داروں سے مل سکتی ہے اور کن سے نہیں مل سکتی اور رات میں ملنے کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن کو شوہر ناپسند کرتا ہے خواہ وہ ماں باپ یا بھائی بہن ہی کیوں نہ ہوں عورت ان کو گھر میں آنے کی اجازت تو نہ دے یہ تو مرد کا عورت پر حق ہے باقی رشتہ داروں سے معروف طریقہ پر ملنا جائز ہے اور اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے، اور عورت کا مرد پر یہ حق ہے کہ وہ اس کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور رہنے سہنے کو حسب استطاعت اچھا کرے۔

[۴۷] باب ماجاء في حق المرأة على زوجها

[۱۱۴۵-] حدثنا أَبُوْ كُرَيْبٍ مُحمدُ بنُ الْعَلَاءِ، نا عَبْدَةُ بنُ سُلَيْمَانَ، عن مُحَمدِ بنِ عَمْرٍو، نا أَبُوْ سَلَمَةَ، عن أَبِيْ هُريرةَ، قالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ"

وفي الباب: عن عائشةَ، وابنِ عبّاسٍ، حديثُ أَبِيْ هُريرةَ، حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

[۱۱۴۶-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، نا الحُسَيْنُ بنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ شَبِيْبِ بنِ غَرْقَدَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ عَمْرِو بنِ الأَحْوَصِ، قالَ: حدَّثني أَبِيْ؛ أَنَّهُ شَهِدَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ مَعَ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، وَذَكَّرَ وَوَعَظَ، فَذَكَرَ فِي الْحَدِيْثِ قِصَّةً، فقالَ: "أَلَا وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا! فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ، لَيْسَ تَمْلِكُوْنَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ، إِلَّا أَنْ يَأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ، فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ، واضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا، أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا، فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ: فَلَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُوْنَ، وَلَا يَأْذَنَّ فِي بُيُوْتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُوْنَ، أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ: أَنْ تُحْسِنُوْا إِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ"

هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، ومَعْنَى قَوْلِهٖ: "عَوَانٌ عِنْدَكُمْ" يَعْنِيْ أَسْرَى فِيْ أَيْدِيْكُمْ.

وضاحتیں: قصة کے معنی ہیں: مضمون یعنی اس حدیث میں اور بھی مضمون ہے...... اِسْتَوْصٰى اِسْتِيْصَاءً بفلان: وصیت کو قبول کرنا...... عَوَان: کا ترجمہ شارحین نے قیدی کیا ہے، لیکن لفظ کے اصلی معنی ہیں معاون، مددگار، چونکہ قیدی جو غلام باندی بنالئے جاتے ہیں معین ومددگار ہوتے ہیں اور ان پر مولیٰ کو حق احتباس حاصل ہوتا ہے اس مناسبت سے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے...... مُبَرِّح (اسم مفعول) بَرَّحَ به الضرب: کسی کو سخت چوٹ لگنا...... جملہ فلایوطئن اور جملہ ولایأذنّ یا تو مترادف ہیں یعنی دونوں جملوں میں ایک ہی بات بیان کرنا مقصود ہے یا پہلے جملہ

سے قرب خاص مراد ہے اور دوسرے جملہ سے اذن عام مراد ہے۔

بابُ ماجاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ إِتْیَانِ النِّسَاءِ فِیْ أَدْبَارِهِنَّ

بیوی سے غیر فطری طریقہ پر صحبت کرنا حرام ہے

حدیث(۱): ایک بدو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے ایک شخص بیابان میں ہوتا ہے یعنی اونٹ، بکریاں چرانے گیا ہے، پس اگر ذرا سا پاد نکل جائے اور پانی کم ہو تو وضو ٹوٹ جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی گوز مارے تو چاہئے کہ وضو کرے'' گوز میں تھوڑی سی بے آواز ہوا نکلتی ہے، پھر آپ نے دوسرا مسئلہ بتایا: ''اور اپنی بیویوں سے پچھلی راہ میں صحبت نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتے'' یعنی یہ بات اگرچہ شرم کی ہے مگر بیان کرنی ضروری ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے راوی علی بن طلق ہیں اور ایک دوسرے راوی طلق بن علی ہیں، جن کی روایت مس ذکر کے باب میں آتی ہے، یہ دونوں راوی ایک ہیں یا الگ الگ؟ امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ دونوں الگ الگ آدمی ہیں اور علی بن طلق کی یہی ایک روایت ہے مگر اکثر محدثین کے نزدیک یہ طلق بن علی ہی ہیں نام میں الٹ پلٹ ہوگئی ہے۔

حدیث(۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرماتے جو کسی مرد یا عورت کی پچھلی راہ میں حاجت پوری کرتا ہے یعنی اغلام مطلقاً حرام ہے، خواہ مرد کے ساتھ ہو یا عورت کے ساتھ، پھر خواہ اجنبی عورت کے ساتھ ہو یا اپنی بیوی کے ساتھ، بہر صورت حرام ہے۔

[۴۸] باب ماجاء فی کراهیة إتیان النساء فی أدبارهن

[۱۱۴۷-] حدثنا أحمدُ بنُ مَنِیعٍ، وهَنَّادٌ، قالاَ: نا أَبُوْ مُعَاوِیَةَ، عَنْ عَاصِمٍ الأَحْوَلِ، عَنْ عِیْسَی بنِ حِطَّانَ، عَنْ مُسْلِمِ بنِ سَلاَّمٍ، عَنْ عَلِیِّ بنِ طَلْقٍ، قالَ: أَتَی أَعْرَابِیٌّ رسولَ اللهِ صلی الله علیه وسلم، فقالَ: یارسولَ اللهِ! الرَّجُلُ مِنَّا یَکُوْنُ فِیْ الفَلاَةِ، فَتَکُوْنُ مِنْهُ الرُّوَیْحَةُ، وَیَکُوْنُ فِیْ الْمَاءِ قِلَّةٌ؟ فَقَالَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: " إِذَا فَسَا أَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّأْ، وَلاَ تَأْتُوا النِّسَاءَ فِیْ أَعْجَازِهِنَّ، فَإِنَّ اللّٰهَ لاَیَسْتَحْیِیْ مِنَ الْحَقِّ"

وفی الباب: عن عُمَرَ، وخُزَیْمَةَ بنِ ثَابِتٍ، وابنِ عبَّاسٍ، وأَبِی هریرةَ.

حدیثُ عَلِیِّ بنِ طَلْقٍ حدیثٌ حسنٌ، وسَمِعْتُ مُحَمَّداً یَقُوْلُ: لاَأَعْرِفُ لِعَلِیِّ بنِ طَلْقٍ عَنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم غَیْرَ هٰذَا الحدیثِ الْوَاحِدِ، وَلاَ أَعْرِفُ هٰذَا الحدیثَ مِنْ حَدِیْثِ طَلْقِ بنِ عَلِیٍّ السُّحَیْمِیِّ، وَکَأَنَّهُ رَأَی أَنَّ هٰذَا رَجُلٌ آخَرُ مِنْ أَصْحَابِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم.

وَرَوَى وَكِيعٌ هٰذَا الحديثَ:

[۱۱۴۸-] حدثنا قُتيبةُ، وغيرُ وَاحِدٍ، قَالُوْا: نا وَكِيعٌ، عن عَبْدِ الْمَلِكِ بنِ مُسْلِمٍ - وَهُوَ ابنُ سَلَّامٍ - عن أَبِيْهِ، عن عَلِيٍّ، قالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ، وَلَا تَأْتُوْا النِّسَاءَ فِيْ أَعْجَازِهِنَّ" وَعَلِيٌّ هٰذَا: هُوَ عَلِيُّ بنُ طَلْقٍ.

[۱۱۴۹-] حدثنا أَبُوْ سَعِيدٍ الْأَشَجُّ، نا أَبُوْ خَالِدٍ الْأَحْمَرُ، عنِ الضَّحَّاكِ بنِ عُثْمَانَ، عَنْ مَخْرَمَةَ بنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ، عن ابنِ عبّاسٍ قالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "لَايَنْظُرُ اللّٰهُ إِلٰى رَجُلٍ أَتَى رَجُلًا أَو امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ"، هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وضاحت: وکیع رحمہ اللہ نے عن علی کہہ کر یہی روایت بیان کی ہے جو اوپر نمبر ۱۱۴۷ پر گذری ہے، علی سے حضرت علیؓ مراد نہیں ہیں۔

بابُ ماجاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خُرُوْجِ النِّسَاءِ فِي الزِّيْنَةِ

عورت کا بن سنور کر باہر نکلنا حرام ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شوہر کے علاوہ کے سامنے ناز و انداز اور نخرے کرنے والی عورت کا حال اس تاریکی جیسا ہے جو قیامت کے دن ہوگی جس میں ذرا نور نہ ہوگا ——— رَفَلَ (ن) رَفْلا و رُفولا کے معنی ہیں: دامن گھسیٹتے ہوئے ناز سے چلنا، ہاتھ ہلاتے ہوئے چلنا۔

تشریح: عورت صرف اپنے شوہر کے لئے بناؤ سنگھار کرے اور اُسے ناز و انداز اور نخرے دکھائے کسی اور کے لئے عورت کا سجنا دھجنا اور اس کے سامنے مٹک کر ہاتھ ہلاتے ہوئے چلنا حرام ہے اور اس حدیث کی راویہ میمونہ بنت سعد ہیں وہ نبی ﷺ کی خادمہ تھیں یعنی آپؐ کے گھر کے کاموں میں بیویوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔

[۴۹] باب ماجاء في كراهية خروج النساء في الزينة

[۱۱۵۰-] حدثنا عليُّ بنُ خَشْرَمٍ، نا عيسَى بنُ يُوْنُسَ، عَنْ مُوْسَى بنِ عُبَيْدَةَ، عن أَيُّوْبَ بنِ خَالِدٍ، عَنْ مَيْمُوْنَةَ ابْنَةِ سَعْدٍ - وَكَانَتْ خَادِمَةً للنبيِّ صلى الله عليه وسلم - قَالَتْ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَثَلُ الرَّافِلَةِ فِي الزِّيْنَةِ فِيْ غَيْرِ أَهْلِهَا، كَمَثَلِ ظُلْمَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَانُوْرَ لَهَا"

هٰذَا حديثٌ لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حديثِ مُوْسَى بنِ عُبَيْدَةَ، وَمُوْسَى بنُ عُبَيْدَةَ يُضَعَّفُ فِي الحَدِيثِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ، وَهُوَ صَدُوْقٌ، وَقَدْ رَوَى عَنْهُ شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ، وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ مُوْسَى بنِ عُبَيْدَةَ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

وضاحت: اس حدیث کے راوی تنہا موسیٰ بن عبیدہ ہیں اور ان کی حافظہ کی خرابی کی وجہ سے تضعیف کی گئی ہے، مگر وہ صدوق (اچھے راوی) ہیں، سفیان ثوری اور شعبہ رحمہما اللہ نے ان سے روایت کی ہے، اور بعض روات یہ حدیث ان سے موقوف روایت کرتے ہیں، یعنی یہ میمونہ بنت سعد کا قول ہے، مگر ظاہر ہے یہ مضمون مدرک بالقیاس نہیں، پس حدیث حکماً مرفوع ہوگی۔

بابُ ماجاء فی الغَیْرَۃِ

غیرت کھانے کا بیان

غیرت: یہ ہے کہ آدمی اپنی فیملی میں کوئی بے شرمی کی بات دیکھے تو اسے غصہ آئے یہ اچھی صفت ہے اس لئے کہ یہ صفت اللہ کی ہے اور اللہ کی تمام صفات اچھی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ حرام کام کرتا ہے تو اللہ کو غصہ آتا ہے یہ اللہ کا غیرت کھانا ہے، اور اللہ نے بعض چیزوں کو حرام اسی لئے کیا ہے کہ اللہ غیور ہیں، غرض یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور صفات محمودہ میں سے ہے پس یہ صفت مؤمنین میں بھی ہونی چاہئے اور اس کی ضد دیوث پنا ہے یعنی فیملی کی بدکاری سے دیدہ ودانستہ چشم پوشی کرنا، ایسا شخص بھڑوا اور بھاڑو کہلاتا ہے، یہ صفت مذمومہ ہے۔

[۵۰] باب ماجاء فی الغیرة

[۱۱۵۱-] حدثنا حُمَیْدُ بنُ مَسْعَدَةَ، حدثنا سُفیانُ بنُ حَبِیْبٍ، عنِ الْحَجَّاجِ الصَّوَّافِ، عَنْ یَحییَ بنِ أَبِیْ کَثِیْرٍ، عن أَبِیْ سَلَمَةَ، عن أَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: " إِنَّ اللّٰهَ یَغَارُ، وَالْمُؤْمِنُ یَغَارُ، وَغَیْرَةُ اللّٰهِ أَنْ یَأْتِیَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ عَلَیْهِ "

وفی الباب: عن عائشةَ، وعبدِ اللهِ بنِ عُمَرَ، حدیثُ أَبِیْ هُریرةَ حدیثٌ حسنٌ غریبٌ.

وقَدْ رُوِیَ عَنْ یَحییَ بنِ أَبِیْ کَثِیْرٍ، عن أَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عن أَسْمَاءَ ابْنَةِ أَبِیْ بَکْرٍ، عنِ النبیِّ صلی الله علیه وسلم هٰذَا الحدیثُ، وَکِلَا الحَدِیْثَیْنِ صَحِیْحٌ.

وَحَجَّاجُ الصَّوَّافُ: هُوَ الْحَجَّاجُ بنُ أَبِیْ عُثْمَانَ، وَأَبُوْ عُثْمَانَ: اسْمُهُ مَیْسَرَةُ، وَحَجَّاجٌ یُکْنَی أَبَا الصَّلْتِ، وَثَّقَهُ یَحییَ بنُ سَعِیْدٍ الْقَطَّانُ.

قال أَبُوْعیسی: نا أَبُوْ بَکْرٍ الْعَطَّارُ، عن عَلِیِّ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمَدِیْنِیِّ، قالَ: سَأَلْتُ یَحییَ بنَ سَعِیْدٍ الْقَطَّانَ عَنْ حَجَّاجٍ الصَّوَّافِ؟ فَقَالَ: هُوَ فَطِنٌ کَیِّسٌ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ غیرت کھاتے ہیں اور مؤمن بھی غیرت کھاتا ہے یعنی مؤمن

اللہ کی اس صفت کو اپناتا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: تَخَلَّقُوْا بِأَخْلاَقِ اللّٰہِ یعنی اللہ کی صفات (خوبیاں) اپناؤ یعنی اپنے اندر پیدا کرو، اس لئے مؤمن بھی غیرت کھاتا ہے۔ اور اللہ کا غیرت کھانا یہ ہے کہ مؤمن وہ کام کرے جو اللہ نے اس پر حرام کیا ہے —— یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے (۱) ابوسلمہ اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں (۲) اور اسماء بنت ابی بکر سے حضرت عروہ کے واسطہ سے بھی روایت کرتے ہیں، اور دونوں سندیں صحیح ہیں۔ اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کی سند میں حجاج الصواف آئے ہیں ان کے والد کی کنیت ابوعثمان اور نام میسرہ ہے اور حجاج کی کنیت ابوالصلت ہے، یہ ثقہ راوی ہے، یحییٰ قطان نے اس کی توثیق کی ہے اور یحییٰ قطان نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ زیرک ہوشیار تھا۔ فَطِن اور کَیِّس مترادف الفاظ ہیں۔

بابُ ماجاءَ فی کَرَاھِیَۃِ أَنْ تُسَافِرَ الْمَرْأَۃُ وَحْدَھَا

عورت کے لئے تنہا سفر کرنا جائز نہیں

حدیث (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی عورت کے لئے جائز نہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ کوئی سفر کرے، درانحالیکہ وہ سفر تین دن یا اس سے زیادہ کا ہو، مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا باپ، بھائی، شوہر، بیٹا یا کوئی اور ذی رحم محرم رشتہ دار ہو''

حدیث (۲): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت ایک رات دن کا سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی ذی رحم محرم رشتہ دار ہو''

تشریح: عورت کے لئے تنہا سفر کرنے کی ممانعت خوفِ فتنہ کی وجہ سے ہے، پس اگر ایک رات دن سے کم سفر میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو عورت کے لئے وہ سفر بھی محرم کے بغیر جائز نہیں، بلکہ اگر مسجد میں جانے میں فتنہ ہو تو اس کی بھی اجازت نہیں۔ علماء نے عورتوں کو محلہ کی مسجد میں جا کر نماز پڑھنے سے اسی سبب سے روکا ہے۔

اور جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو تین دن (اڑتالیس میل) سے زیادہ کا سفر بھی عورت محرم کے بغیر کر سکتی ہے، جیسے کسی عورت کو امریکہ جانا ہے، وہاں اس کا شوہر یا محرم رہتا ہے تو وہ قابل اعتماد عورتوں کے ساتھ سفر کر سکتی ہے، سامنے ایرپورٹ پر اس کا شوہر یا محرم وصول کرلے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے جو قابل اعتماد عورتوں کے ساتھ سفر حج کی اجازت دی ہے وہ جزیرۃ العرب کے حالات کو پیش نظر رکھ کر اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہونے کی بنیاد پر دی ہے۔

مگر عورت حج کا سفر شوہر یا محرم کے بغیر نہیں کر سکتی، کیونکہ حج کا سفر لمبا سفر ہے، کم وبیش چالیس دن اس میں لگتے ہیں، اور بیماری، تندرستی آدمی کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اور بہت سی جگہوں میں عورت مرد کے سہارے کی محتاج ہوتی ہے، پس اگر شوہر یا محرم ساتھ نہیں ہوگا تو عورت کا کیا بنے گا! اور یہ بات حضرت شاہ صاحب علامہ کشمیری قدس سرہ

نے بیان فرمائی ہے، انھوں نے ایک رات دن اور تین رات دن کی روایتوں کا اختلاف اسی بنیاد پر حل کیا ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو ایک رات دن کا سفر بھی نہ کرے اور اگر اندیشہ نہ ہو تو تین رات دن سے کم سفر کر سکتی ہے، پس ایک رات دن سے کم سفر کا حکم اور تین رات دن اور اس سے زائد کا حکم بھی خوف فتنہ پر مبنی ہوگا۔ واللہ اعلم

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں یہ مسئلہ چھیڑا ہے کہ عورت پر حج کب فرض ہوتا ہے؟ حج فرض ہونے کے لئے استطاعت بدنی اور مالی کے ساتھ محرم شرط ہے یا نہیں؟ جن علماء کے نزدیک محرم شرط ہے ان کے نزدیک عورت پر حج اس وقت فرض ہوگا جب کوئی محرم لے جانے والا ہو، اگر عورت کو پوری زندگی کوئی ایسا محرم نہ ملے جو ساتھ لے جائے تو عورت پر حج فرض نہیں ہوگا اگر چہ وہ مالدار ہو۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ قول احناف کی طرف منسوب کیا ہے، مگر یہ انتساب صحیح نہیں، احناف کا مذہب یہ ہے کہ استطاعت بدنی و مالی سے نفس وجوب آتا ہے اور حج ادا کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب کوئی محرم لے جانے والا ملے یا عورت کے پاس دو آدمیوں کا نفقہ ہو تاکہ محرم کو خرچ دے کر ساتھ لے جائے، اور اگر عورت کے پاس اتنا مال نہیں اور مفت ساتھ لے جانے والا کوئی محرم میسر نہیں تو اس پر بوقت موت حج بدل کی وصیت کرنا فرض ہے، کیونکہ نفس وجوب اس پر آچکا ہے، پس تہائی ترکہ سے جہاں سے بھی حج ہو سکتا ہو ورثاء حج بدل کرائیں گے، وطن سے آدمی بھیجنا ضروری نہیں۔ غرض احناف کے نزدیک محرم ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ میں داخل نہیں۔ اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک اگر راستہ پر امن ہے کوئی خطرہ نہیں ہے تو عورت محرم کے بغیر بھی قابل اعتماد عورتوں کے قافلہ میں سفر حج کر سکتی ہے۔

[٥١] باب ماجاء في كراهية أن تسافر المرأة وحدها

[١١٥٢-] حدثنا أَحْمَدُ بنُ مَنِيعٍ، نا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِى صَالِحٍ، عن أَبِى سَعِيْدٍ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " لَايَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا، فَيَكُوْنُ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا، إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوْهَا أَوْ أَخُوْهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوِ ابْنُهَا أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا"

وفى الباب: عن أبى هريرةَ، وابنِ عبّاسٍ، وابنِ عُمَرَ، هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ورُوِىَ عنِ النبىِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ قَالَ: " لاتُسَافِرُ امْرَأَةٌ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، إِلَّا مَعَ ذِى مَحْرَمٍ"، وَالعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ: يَكْرَهُوْنَ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تُسَافِرَ إِلَّا مَعَ ذِى مَحْرَمٍ.

واخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِى الْمَرْأَةِ إِذَا كَانَتْ مُوْسِرَةً، وَلَمْ يَكُنْ لَهَا مَحْرَمٌ، هَلْ تَحُجُّ؟ فقالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: لَايَجِبُ عَلَيْهَا الحجُّ، لِأَنَّ الْمَحْرَمَ مِنَ السَّبِيْلِ، لِقَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ فَقَالُوْا: إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا مَحْرَمٌ فَلَمْ تَسْتَطِعْ إِلَيْهِ سَبِيْلاً، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِىِّ، وأهلِ الْكُوْفَةِ.

وقَالَ بَعْضُ أهلِ العلمِ: إِذَا كَانَ الطَّرِيْقُ آمِنًا، فَإِنَّهَا تَخْرُجُ مَعَ النَّاسِ فِى الْحَجِّ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ

بنِ أنسٍ، والشَّافِعِيِّ.

[۱۱۵۳-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ الخَلَّالُ، نا بِشْرُ بنُ عُمَرَ، نا مَالِكُ بنُ أَنَسٍ، عن سَعِيْدِ بنِ أَبِي سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عن أَبِي هُرَيرةَ قالَ: قالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "لَاتُسَافِرُ الْمَرْأَةُ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

ترجمہ: علماء کا عورت کے بارے میں اختلاف ہے جبکہ وہ مالدار ہو اور اس کے لئے کوئی محرم نہ ہو تو کیا وہ حج کرے گی؟ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس پر حج نہیں، اس لئے کہ اللہ کے ارشاد: ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ میں محرم شامل ہے، پس وہ کہتے ہیں: جب عورت کو محرم نہ ملے تو بیت اللہ تک جانے کی استطاعت متحقق نہیں (اس لئے اس پر حج فرض نہیں) اور یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے (احناف کا صحیح مذہب وہ ہے جو اوپر بیان کیا گیا) اور بعض اہل علم کہتے ہیں: جب راستہ پر امن ہو تو عورت قافلہ کے ساتھ حج کا سفر کر سکتی ہے، یہ امام شافعی اور امام مالک کا قول ہے۔

بابُ ماجاءَ في كَرَاهِيَةِ الدُّخُوْلِ عَلَى الْمُغِيْبَاتِ

جس عورت کا شوہر سفر میں گیا ہو اس کے پاس تنہائی میں جانا جائز نہیں

مُغیبات: مغیبة کی جمع ہے: غائب کرنے والی عورت یعنی جس کا شوہر عرصہ سے سفر میں گیا ہوا ہے ایسی عورت کے پاس تنہائی میں ہرگز نہیں جانا چاہئے، کیونکہ جب شوہر گھر پر موجود نہیں تو عورت کی طبیعت پُر جوش ہوگی، اور جب کوئی مرد کسی عورت کے پاس تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں اکٹھا نہ ہو، ورنہ وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے، پس گناہ وجود میں آنے میں دیر نہیں لگے گی۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں کے پاس تنہائی میں جانے سے بچو'' ایک انصاری نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! جیٹھ دیور کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جیٹھ دیور موت ہیں''

تشریح: حَمْوٌ کے معنی ہیں: شوہر کی طرف سے عورت کے رشتہ داران کو اردو میں جیٹھ دیور کہتے ہیں، شوہر کا بڑا بھائی جیٹھ کہلاتا ہے اور چھوٹا بھائی دیور۔ اور عورت کی طرف سے شوہر کے رشتہ دار خَتَن کہلاتے ہیں جس کی جمع اختان آتی ہے اردو میں ان کو سالے سالیاں کہتے ہیں، آپؐ نے جیٹھ دیور کو موت یعنی بڑا فتنہ قرار دیا ہے، کیونکہ جیٹھ دیور کی بھاوج کے ساتھ بے تکلفی ہوتی ہے اس لئے فتنہ پیش آنے میں دیر نہیں لگتی، اور یہی حکم سالیوں کا ہے، ان کے ساتھ بھی بہنوئی کی بے تکلفی ہوتی ہے، اس لئے بے تکلف فتنہ پیش آتا ہے۔

[٥٢] باب ماجاء في كراهية الدخول على المغيبات

[١١٥٤-] حدثنا قُتَيْبَةُ، نا اللَّيْثُ، عن يَزِيْدَ بنِ أَبِيْ حَبِيْبٍ، عن أَبِيْ الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ: أَنَّ رسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قالَ: "إِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ" فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: يارسولَ اللهِ! أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قالَ: "الْحَمْوُ الْمَوْتُ!"

وفي الباب: عن عُمَرَ، وجابرٍ، وعَمْرِو بنِ الْعَاصِ، حديثُ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ.

وإِنَّمَا مَعْنَى كَرَاهِيَةِ الدُّخُوْلِ عَلَى النِّسَاءِ: عَلَى نَحْوِ مَارُوِيَ عَنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ: "لَايَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ، إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ"

ومَعْنَى قَوْلِهِ: "اَلْحَمْوُ" يُقَالُ: الْحَمْوُ: أَخُو الزَّوْجِ، كَأَنَّهُ كَرِهَ لَهُ أَنْ يَخْلُوَ بِهَا.

ترجمہ: اور عورتوں کے پاس تنہائی میں جانے کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں جمع نہ ہو، مگر وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے، دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مرد کسی عورت کے پاس تنہائی میں ہوتا ہے وہاں شیطان موجود ہوتا ہے اور گناہ وجود میں آنے میں دیر نہیں لگتی، اور الحمو: شوہر کے بھائی کو کہتے ہیں، گویا رسول اللہ ﷺ نے جیٹھ، دیور کے بھاوج کے ساتھ تنہائی میں اکٹھا ہونے کو ناجائز قرار دیا۔

باب

شیطان چٹکی بجا کر انسان کو فتنہ میں مبتلا کر دیتا ہے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان عورتوں کے پاس جن کے شوہر عرصہ سے سفر میں گئے ہوئے ہیں: داخل مت ہوؤ، پس بیشک شیطان چلتا ہے تم میں سے ہر ایک کی خون کی رگوں میں" صحابہ نے پوچھا: اور آپ کی بھی؟ آپ نے فرمایا: "میری بھی، مگر اللہ تعالیٰ میری شیطان کے مقابلہ میں حفاظت کرتے ہیں پس میں محفوظ رہتا ہوں"

تشریح

۱- اس حدیث میں سرعت تاثیر کی تمثیل ہے حقیقت کا بیان نہیں ہے، اس لئے کہ شیطان کوئی سیال مادہ نہیں ہے جو انجکشن کی دواء کی طرح خون کی رگوں میں چلے، العرف الشذی میں حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ طاقت نہیں دی کہ وہ انسان کے بدن میں داخل ہو، اور دلیل ارشادِ پاک: ﴿يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ ہے، شیطان انسان کو چھو کر خبطی بناتا ہے یعنی باہر سے اثر انداز ہوتا ہے، چنانچہ محاورات میں آسیب

چڑھنا اور آسیب لگنا کہتے ہیں، آسیب گھسنا نہیں کہتے۔ غرض حدیث میں سرعت تاثیر کی تمثیل ہے کہ شیطان چٹکی بجا کر انسان کو فتنہ میں مبتلا کر دیتا ہے، جس طرح رگ میں دیا ہوا انجکشن فوراً اثر کرتا ہے شیطان بھی انسان کو بڑی سرعت کے ساتھ متاثر کرتا ہے۔

۲-اس حدیث سے عصمتِ انبیاء کی حقیقت بھی واضح ہوتی ہے، انبیاء میں گناہوں کی تمام صلاحتیں ہوتی ہیں، مگر بشری کمزوریوں سے وہ محفوظ ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ منطق کی اصطلاح میں اس طرح کہیں گے کہ انبیاء بالذات بشر ہیں اس لئے ان پر شیطان اثر انداز ہوسکتا ہے مگر وہ رسول بھی ہیں اس لئے وہ بالغیر بشری کمزوریوں سے پاک رہتے ہیں، ان پر شیطان کا داؤ نہیں چل سکتا، اور یہ بات اللہ کی حفاظت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

[۵۳] باب

[۱۱۵۵-] حدثنا نَصْرُ بنُ عَلِيٍّ، نا عِيسَى بنُ يُونُسَ، عن مُجَالِدٍ، عن الشَّعْبِيِّ، عن جَابِرٍ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ: " لَاتَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيبَاتِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنْ أَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ" قُلْنَا: ومِنْكَ؟ قالَ: " وَمِنِّيْ، ولٰكِنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِيْ عَلَيْهِ، فَأَسْلَمُ"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ مِنْ هٰذَا الوَجْهِ، وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُهُمْ فِيْ مُجَالِدِ بنِ سَعِيْدٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

وَسَمِعْتُ عَلِيَّ بنَ خَشْرَمٍ يَقُوْلُ: قالَ سُفيانُ بنُ عُيَيْنَةَ فِيْ تَفْسِيْرِ قَوْلِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَأَسْلَمُ" يَعْنِيْ فَأَسْلَمُ أَنَا مِنْهُ، قالَ سفيانُ: فَالشَّيْطَانُ لَايُسْلِمُ.

لَاتَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيبَاتِ: وَالْمُغِيبَةُ: الْمَرْأَةُ الَّتِيْ يَكُوْنُ زَوْجُهَا غَائِبًا، وَالْمُغِيبَاتُ جَمَاعَةُ الْمُغِيبَةِ.

وضاحت: مذکورہ حدیث میں بعض لوگوں نے فَأَسْلَمَ (فعل ماضی) پڑھا ہے یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ شیطان مسلمان نہیں ہوتا، اگر وہ مسلمان ہوجائے تو وہ شیطان کہاں رہا؟ وہ تو مسلمان جن ہوگیا، اور ایسی صورت میں شیاطین کی اتھارٹی اس کو ہٹا کر دوسرا شیطان مقرر کرے گی۔ پس صحیح فعل مضارع صیغہ واحد متکلم فَأَسْلَمُ ہے، یعنی میں شیطان سے محفوظ رہتا ہوں، یہ تفسیر سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کی ہے۔ اور المغیبات جمع ہے، اس کا مفرد المغیبة ہے یعنی وہ عورت جس کا شوہر عرصہ سے سفر میں نکلا ہوا ہے۔

بابٌ

عورت کو بے ضرورت گھر سے نہیں نکلنا چاہئے

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عورت ستر (ننگاپا) ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو گھورتا

ہے (استشراف کے معنی ہیں: ہاتھ کا چھجا بنا کر نظر لمبی کر کے کسی چیز کو دیکھنا، کسی کو گھورنا)

تشریح: اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ عورت کو بے ضرورت گھر سے نہیں نکلنا چاہئے، مجبوری میں نکل سکتی ہے، بلاضرورت گھر سے نکل کر شیطان کو تاکنے جھانکنے کا موقع کیوں دے! اور شیطان سے مراد شیاطین الانس والجن دونوں ہیں، بلکہ اصل گھورنے والے تو شیاطین الانس ہیں، شیاطین الجن تو گھر میں بھی گھور سکتے ہیں۔

[٥٤] بابٌ

[١١٥٦-] حدثنا محمدُ بنُ بَشَّارٍ، نا عَمْرُو بنُ عَاصِمٍ، نَا هَمَّامٌ، عن قَتَادَةَ، عَنْ مُوَرِّقٍ، عن أَبِي الأَحْوَصِ، عن عَبْدِ اللهِ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ: "المَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَإِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ" هٰذَا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.

بابٌ

جو عورتیں شوہروں کو ستاتی ہیں: حوریں ان کو کوستی ہیں

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نہیں ستاتی کوئی عورت اپنے شوہر کو دنیا میں مگر اس کی وہ بیوی جو گوری، بڑی آنکھوں والی عورتوں میں سے ہے (یعنی حور) کہتی ہے: تیرا ناس ہو اس کو مت ستا یہ تیرے پاس چند دن کا مہمان ہے، عنقریب وہ تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آجائے گا"

تشریح

۱- الحور: جمع ہے، اس کا مفرد الحَوراءُ: ہے یعنی گوری عورت، اور العِینُ: جمع ہے اس کا مفرد العَیناءُ: ہے یعنی بڑی آنکھوں والی عورت، یہ جنت کی مخصوص عورتوں کی صفت ہے، دنیا میں کوئی عورت گوری، بڑی آنکھوں والی ہو تو اس کے لئے یہ الفاظ استعمال نہیں کریں گے۔

۲- دنیا اور آخرت کے درمیان ایک پردہ ہے، جس سے ایک طرف سے نظر آتا ہے، جیسے کاروں میں کالا شیشہ ہوتا ہے، اندر سے باہر نظر آتا ہے مگر باہر سے اندر نظر نہیں آتا، اسی طرح اِدھر سے نظر نہیں آتا اور اُدھر سے نظر آتا ہے، چنانچہ جنت کی حوروں کو دنیا کی بیوی کے معاملات نظر آتے ہیں اور وہ اس کو کوستی ہیں، پس دنیا کی بیوی کو حوروں کی بددعا سے بچنا چاہئے۔

سوال: دنیا کی عورت جب حور کی بات سنتی نہیں تو اس کا کیا فائدہ؟

جواب: یہ غیب کی باتیں ہیں جو مخبر صادق رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہیں، پس جس طرح امور غیبیہ پر ایمان لانا

ضروری ہے اور وہ ایمان مفید ہے، اسی طرح اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، جیسے وزیر اعظم کی تقریر اخبار میں چھپی اور ہم نے پڑھی، یہ کافی ہے، براہ راست وزیر اعظم کے منہ سے سننا ضروری نہیں، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے حوروں کی وہ بات ہمیں بتادی، بس یہ کافی ہے براہ راست ان کی بات سننا ضروری نہیں۔

فائدہ: میں نے اس حدیث سے یہ بات سمجھی ہے کہ اگر بیوی بلاوجہ شوہر کو پریشان کرے گی تو مرد کا پہلے انتقال ہو جائے گا اور بیوی پیچھے ٹھوکریں کھائے گی، اور اس کے برعکس بھی ہو گا یعنی اگر شوہر بلاوجہ بیوی کو پریشان کرے گا تو وہ پیچھے رہ جائے گا اور دھکے کھائے گا مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔

[٥٥] بابٌ

[١١٥٧-] حدثنا الحَسَنُ بنُ عَرَفَةَ، نا إِسْمَاعِيلُ بنُ عَيَّاشٍ، عن بَحِيْرِ بنِ سَعْدٍ، عن خَالِدِ بنِ مَعْدَانَ، عن كَثِيْرِ بنِ مُرَّةَ الحَضْرَمِيِّ، عن مُعَاذِ بنِ جَبَلٍ، عنِ النبيِّ صلى الله عليه وسلم قالَ: "لَاتُؤْذِىْ امْرَأَةٌ زَوْجَهَا فِى الدُّنْيَا، إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ: لَاتُؤْذِيْهِ، قَاتَلَكِ اللّٰهُ! فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيْلٌ، يُوْشِكُ أَنْ يُفَارِقَكِ إِلَيْنَا"

هٰذَا حديثٌ غريبٌ، لَانَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، وَرِوَايَةُ إِسْمَاعِيْلَ بنِ عَيَّاشٍ عنِ الشَّامِيِّيْنَ أَصْلَحُ، وَلَهُ عن أَهْلِ الْحِجَازِ وَأَهْلِ الْعِرَاقِ مَنَاكِيْرُ.

وضاحت: اسماعیل بن عیاش کا استاذ اگر شامی ہو تو روایت معتبر ہے، اور حجازی یا عراقی ہو تو روایت محل نظر ہے، یہاں استاذ بَحیر بن سعد ہیں جو شامی ہیں، وہ حمص کے رہنے والے تھے، اسماعیل بھی اسی گاؤں کے ہیں، پس یہ روایت معتبر ہے۔

الحمدللہ! ابواب النکاح کی اور درمیان میں ابواب الرضاع کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی
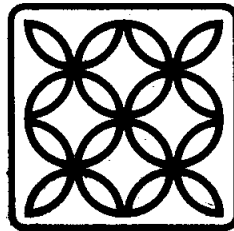
تحفۃ الالمعی کی خصوصیات

(حضرت الاستاذ مولانا مفتی عبدالرؤف غزنوی صاحب استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، وسابق استاذ دارالعلوم دیوبند نے تحفۃ الالمعی جلد اول پر (جو پاکستان میں زمزم پبلشرز کراچی کے زیر نگرانی شائع ہوئی ہے) پیش لفظ تحریر فرمایا ہے، جلد سوم کے آخر میں دو صفحے خالی تھے میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ اس تحریر کے اقتباسات یہاں درج کردوں، نیز جناب مولانا احمد صاحب ٹنکاروی محدث جامعہ ہانسوٹ گجرات نے حضرت والد ماجد کے نام ایک تحریر ارسال کی ہے جس میں انھوں نے تحفۃ الالمعی کی ان خصوصیات کا ذکر کیا ہے جن سے وہ بہ طور خاص متاثر ہوئے ہیں، وہ تحریر بھی پیش ہے۔ حسین احمد عفی عنہ)

مفتی عبدالرؤف غزنوی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

۱- شارحین کتب حدیث کا یہ طرز دیکھا گیا ہے کہ ائمہ کے مذاہب وادلہ بیان کرتے وقت اپنے امام کے علاوہ باقی ائمہ کے حق میں بعض مرتبہ اعتدال پر قائم نہیں رہتے، چنانچہ بعض بڑے اہل علم جیسے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا طرز فتح الباری میں اور علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ کا طریقہ عمدۃ القاری میں بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان اکابرین کے زمانہ میں کیا ماحول تھا؟ اور کونسا طریقۂ استدلال مناسب تھا؟ یہ وہ حضرات خود ہی بہتر جانتے ہیں، البتہ عصر حاضر جس میں اسلام کے خلاف آئے دن نئے نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں، اس بات کا متحمل ہرگز نہیں کہ ائمہ حق (اہل السنۃ والجماعۃ) اور ان کے مسلک کے بارے میں ایسا طریقۂ استدلال اختیار کیا جائے کہ سننے والے یا پڑھنے والے خاص کر نوآموز طلبہ ان ائمہ حق اور ان کے مسلک سے متعلق شکوک واوہام میں مبتلا ہوجائیں، یا خدانا خواستہ ان سے بدظن ہوجائیں، اور نتیجۃً ان ائمہ حق کے متبعین کے درمیان ایک محاذ قائم ہوجائے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے استاذ محترم حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کو جنھوں نے "تحفۃ الالمعی" میں ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ ائمہ کرام کے دلائل بھی سامنے آجاتے ہیں اور اختلاف کی بنیاد بھی نکھاری جاتی ہے۔ اور ائمہ حق کا مقام واحترام بھی ملحوظ رہتا ہے، اور پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ تمام راستے ایک ہی منزل مقصود کی طرف جاتے ہیں، اور چلنے والے ان راہوں میں سے جس راہ کو بھی اختیار کرکے اس پر چلیں گے وہ بتوفیق اللہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے، بلکہ یہ مختلف راستے لوگوں کے لئے سہولت ورحمت خداوندی کے ذرائع ہیں۔

۲- حدیث پڑھانے والوں کی ایک عادت یہ چلی آرہی ہے کہ سال کے شروع میں اتنی لمبی تقریریں فرماتے ہیں کہ زیادہ تر تطویل کی وجہ سے طلبہ کے لئے غیر مفید اور ناقابل فہم ہوا کرتی ہیں، اور سال کے آخر میں چونکہ کتاب کا اکثر حصہ باقی رہتا ہے اور ختم کرانا ضروری ہوتا ہے اس لئے اتنی مختصر تقریریں ہوتی ہیں کہ زیادہ اختصار کی وجہ سے طلبہ کی سمجھ میں نہیں آتیں، بلکہ بعض مرتبہ تو صرف عبارت پر بھی اکتفا کیا جاتا ہے۔

عصر حاضر کے مشہور محدث فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلبی رحمہ اللہ نے ۱۴۱۵ھ میں جب ان سے میری آخری

ملاقات ریاض سعودی عرب میں ہوئی اس طرز پر شدید تنقید کی اور مجھے حکم دیا کہ تم سے جو ہو سکے کوشش کرو اور میری یہ گذارش دوسرے حضرات تک بھی پہنچادو کہ حدیث پڑھانے کے طرز میں اعتدال پیدا کیا جائے، چنانچہ اس سلسلہ میں میں نے ایک عربی مضمون میں جو عربی مجلہ البینات (شمارہ نمبر ۴ سن ۱۴۲۵ھ) میں شائع ہو چکا ہے شیخ کے حوالہ سے اس کا ذکر کیا ہے اور وہ مضمون دارالعلوم دیوبند کے عربی مجلہ ''الداعی'' شمارہ نمبر ۳و۴ ماہ ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کو اجر عظیم عطا فرمائے جنھوں نے ''تحفۃ الالمعی'' میں ایسا نچوڑ پیش فرمایا ہے جس میں اختصار و وضاحت کے ساتھ عبارت کا ترجمہ اور کتاب کا حل بھی موجود ہے، مشہور مذاہب کا بیان اور ادلہ بھی دستیاب ہیں، اہم الفاظ کی صرفی، لغوی اور نحوی تحقیق بھی حسب ضرورت کی گئی ہے، اور بے جا تطویل سے احتراز کیا گیا ہے، لہٰذا اگر مدرس اس طریقہ کو اپنائے گا تو اعتدال کے ساتھ وقت مقررہ پر کتاب ختم ہو سکتی ہے، اور طلبہ بھی شروع سے لے کر آخر تک تدریس سے مستفید ہو سکتے ہیں، پس یہ کتاب صحیح معنی میں ''سمجھ دار کی سوغات'' اور اسم بامسمّٰی ہے۔

اور حضرت مولانا احمد صاحب ٹنکاروی زید مجدہ رقم طراز ہیں:

بفضلہ تعالیٰ جامعہ ہانسوٹ، گجرات میں ترمذی شریف احقر سے متعلق ہے اس لئے بہ بطور خاص تحفۃ الالمعی کی ہر دو جلد سے استفادہ کے خوب مواقع نصیب ہوئے من وعن مطالعہ کیا، چند اہم خصوصیات سے میں بہ طور خاص متاثر ہوا جن کو درج کر رہا ہوں:

(۱) حدیث شریف اور امام ترمذیؒ کے کلام کا ترجمہ مطلب خیز اور دل کو موہ لینے والا ہے۔ طبیعت مچل جاتی ہے۔

(۲) دور حاضر کی نفسیات اور اصطلاحات و محاورات کی رعایت نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔

(۳) جابجا کلیات و ضابطے تحریر کر دیئے ہیں جو حدیث فہمی اور بصیرت کے لئے انتہائی معین ہیں۔ جس کو میں کتاب کی روح سمجھتا ہوں۔

(۴) احکام تشریعیہ اور ان کے اسرار و علل پر محققانہ وحکیمانہ کلام ہے۔ نظام شریعت کے کئی پہلو پہلی مرتبہ سمجھ میں آئے۔

(۵) ہر سطر قیمتی نکات پر مشتمل ہے اور طویل علمی و تدریسی تجربات کی آئینہ دار ہے۔

(۶) بیان القرآن کی طرح بین القوسین اضافے بہت بامعنی اور ایرادات مقدرہ کو نہایت خوبی کے ساتھ دفع کرنے والے ہیں۔ (۷) قدر مشترک مضامین کے علاوہ ضروری مباحث پر اکتفا کیا گیا ہے۔ (۸) زبان سہل الحصول وزود ہضم ہے (۹) مصطلحات حدیث کی تشریح بہت انمول اور اچھوتی ہے۔

(۱۰) اختلاف ائمہ کے بجائے مدارک اجتہاد کی نشاندہی نے کتاب کو اسم بامسمی بنا دیا ہے، ہمارے طریقۂ تدریس پر وارد کئی اعتراض ختم کر دیئے ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی اسرار شریعت پر جامع ترین کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی اردو میں تشریح و ترجمانی کر کے آپ نے فکر ولی اللہی کے حامل تمام افراد کی طرف سے ایک زبردست علمی قرضہ ادا کر دیا ہے۔

خدا کرے تفسیر قرآن کے سلسلے میں جلالین جیسی درسی کتاب کی شرح آپ کے قلم بافیض سے صادر ہو جو فن تفسیر میں بھی شاہکار ثابت ہو گی۔ ان شاء اللہ العزیز۔